

سید اقبال احمد

تاریخ
شیراز ہند جونپور

از

سید اقبال احمد

معاون ... ... ایم محتشم کاشانی

ناشر

۹۳ رضوی خاں

ادارۂ شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس جونپور

۱؍ روپیہ آٹھ آنہ

پرنٹر .... سید اقبال احمد

پبلشر ..... ادارہ شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس ۹۳ رضوی خاں جونپور

مطبع ...... نامی پریس قطب الدین روڈ نخاس لکھنؤ

گرد پوش اور فوٹو ... الہ آباد بلاک ورکس پرائیوٹ لمیٹڈ زیرو روڈ الہ آباد

سائز .... ۲۰ × ۳۰ ۱/۱۶

کاغذ .... ۲۴ پونڈ وہائٹ پرنٹنگ

صفحات ۱۰۵۰

فوٹو .... ۲۲۴ صفحات جلد ۴، ۱۲۷ صفحا

[redacted] ....

سنہ ۱۹۶۳ء

ملنے کا پتہ

شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس ۹۳ رضوی خاں جونپور

فہرست مضامین

بسلسلۂ شکریہ

ہمارے بہت سے کرم فرما و معاونین سہواً چھوٹ گئے جنکا تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے، سب سے پہلے میں جناب نادر حسین صاحب سابق میونسپل کمشنر کا بیحد مشکور ہوں جنھوں نے تعاون میں بہت فیاضی سے کام لیا اور ہماری مشکلات کو حل کیا۔ اس سلسلہ میں سید حسن مثنیٰ صاحب انور اشرفی کا ذکر خیر سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے عظیم الشان کارنامے جلی حروف میں لکھے جانے کے لائق ہیں حقیقت میں آپکی ہمدردی، خلوص اور بلند اخلاق نے جس درجہ متاثر کیا ہے میں اسکا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ شری فتح چند نسیم دہلوی کا بھی خاص تعاون حاصل رہا۔ آپ ہی کی ذات تھی جس کی وجہ سے دہلی کی سرکاری و غیر سرکاری لائبریریوں سے مضامین کی فراہمی میں پوری مدد ملی۔ میں آپ کا بہت مشکور رہوں۔

اگر اس سلسلہ میں مولوی۔ ڈاکٹر۔ صاحبزادہ۔ سجادہ نشین محمد سبطین صدیقی کا تذکرہ نہ کیا جائے تو انصاف کا خون ہو گا۔ آپ اوّل نمبر حسنؔ تھے بعد کو مولوی ہوئے۔ پھر ڈاکٹر ہو گئے۔ اس کے بعد تجارت کی طرف مائل ہوئے مگر قسمت نے یاوری نہ کی پھر عرصہ تک مورخ کے فرائض انجام دیتے اور کتابیں خریدتے رہے اب بہت جلد ایک اعلیٰ درجے کے آرٹسٹ کی حیثیت سے منظر عام پر آرہے ہیں۔ رہی سجادگی تو یہ وہبی اور قدرت کی عطا کردہ ہے۔ ان ہی گوناگوں قابلیتوں اور صلاحیتوں نے مجھے بہت

متاثر کیا ہے۔ ظفر آباد کے آثار کی تصویریں آپ ہی کی کشیدکردہ ہیں۔
آپ نے جس طور پر میری مدد کی ہے اسکا ذکر کیے بغیر میں بہت مشکور ہوں۔

جناب خیرالدین صاحب بھی شکریے کے مستحق ہیں۔ موصوف نے جو کچھ بھی اعانت فرمائی وہ قابل قدر ہے۔

شری سنت بہادر سنگھ فوٹو گرافر کی ہمدردی اور خصوصی رعایت بھی شکریے کی مستحق ہے اور شری شو ورش اسٹوڈیو کا ذکر بھی ضروری ہے آپنے بھی ہمدردی اور رعایت و مروت کا پورا ثبوت دیا ہے۔

سب سے آخر میں الہ آباد بلاک ورکس پرائیوٹ لمٹیڈ کے پروپرائٹر شری پریم کمار صاحب کا شکریہ بھی ضروری ہے۔ آپنے بھی ہمدردی اور رعایت و مروت کا پورا ثبوت دیا۔ سیکڑوں بلاک کی بنوائی اور ہزاروں تصاویر کی چھپائی میں خصوصی رعایت کی اور اہتمام وخیال کے ساتھ اعلیٰ درجے کا کام کرکے اپنی شہرت کو چار چاند لگایا ہے۔ میں آپکا بہت مشکور ہوں۔

ہمیں اس بات کا بیحد افسوس ہے کہ عالیجناب فیض مستطاب ڈاکٹر سید سعید حسن صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی۔ ڈین فیکلٹی آف آرٹس الہ آباد یونیورسٹی سے اسوقت شرف نیاز حاصل نہ ہوا جب تاریخ شیراز ہند جونپور کی طباعت آخری مراحل میں تھی اور ہم موصوف کے مفید مشوروں سے استفادہ حاصل نہ کرسکے۔ آپنے کتاب کے مضامین اور انکی ترتیب اور ماخذ کو ملاحظہ فرماکر بیحد مسرت کا اظہار کیا اور ہر طرح سے تعاون کا وعدہ کرکے ہماری ہمت افزائی فرمائی جسکے لئے ہم شکر گزار ہیں۔ آپ نہایت علم دوست، وسیع الاخلاق اور منکسر المزاج ہیں ہم آپکے شکریے کیلئے مناسب اور خصوصی جگہ نہ دیسکنے کیلئے معافیخواہ ہیں۔

(مؤلف)

اظہار تشکر

میری یہ ناچیز تصنیف اس کی مستحق تو نہیں ہو سکتی کہ میں اسے اپنی زندگی کا آخری کارنامہ یا اپنی فنی صلاحیتوں کا شاہکار کہکر پیش کر سکوں، مگر کچھ واقعات اس کی تالیف وطباعت کے سلسلے میں ایسے حائل ہوئے ہیں جن کا اظہار ناگزیر ہو گیا ہے۔

کسی تاریخی کتاب کے لکھنے میں سب سے پہلے لائبریریوں کی خاک چھاننی پڑتی ہے اور جب لائبریریوں سے پیٹ نہیں بھرتا تو اس فن کی کتابوں کے مالکوں سے ملنا پڑتا ہے اور اس طرح کچھ مواد فراہم ہوتا ہے۔

بلا قید جاڑا گرمی برسات بنارس۔ الہ آباد۔ اعظمگڈھ۔ لکھنؤ۔ رامپور علیگڈھ دہلی اور چھوٹے چھوٹے مقامات کا سفر۔ ٹکٹ حاصل کرنیکی دشواریاں، ریل میں سوار ہونے اور جگہ ملنے کی دقتیں، پھر لائبریریوں تک پہنچنا بعض جگہ بآسانی اور بعض جگہ بدقت کتابوں کا حاصل کرنا۔ اس پر بھی ہر لائبریری میں جونپور کی تاریخ سے متعلق کتابوں کا دستیاب نہ ہونا۔ وہاں سے دامنِ مراد بھر کر یا خالی ہاتھ واپسی۔ اسکے بعد پھر مسافر خانہ پلیٹ فارم، قلی اور ریل سے سامنا، یہ سب ایسے دلکش اور دردانگیز واقعات ہیں جو ہر قدم پر ہمت کو پست اور ارادوں کو کمزور کرتے جاتے تھے۔ اگر ان کو ایک جا کیا جائے تو ایک علٰحدہ تاریخ مرتب ہو جائے۔ شوق کا تقاضا کہ ایسی ایسی ہزاروں پریشانیاں آتی رہیں مگر ماتھے سے پسینہ پونچھکر ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں اپنے مقصد میں کچھ نہ کچھ ہر سفر میں اور ہر مقام پر کامیاب ہوتا رہا۔ جب لائبریریوں کا کام تقریباً ختم ہو چکا تو اپنے شہر کے چند معززین کے یہاں اس لئے جانا پڑا کہ وہاں قلمی کتابوں کے بیش بہا ذخائر موجود تھے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں اپنے محترم دوست سید علی اختر صاحب وکیل مفتی محلہ کا شکر گذار ہوں جنھوں نے کتابوں کی فراہمی کے علاوہ بہت سے بزرگوں کے حالات قلمبند کر لئے اور اس تالیف و تصنیف میں اپنے مفید مشوروں سے برابر مستفیض فرماتے رہے۔

اسکے بعد سیّد علی مہدی صاحب محلہ سپاہ کا شکریہ لازم آتا ہے جنھوں نے پرانے اور خاندانی ان کاغذات کو بے تکلف میرے سامنے لاکر رکھدیا جن کو غیر دوں کو تو کون کہے گھر کے لوگ آسانی سے دیکھنے کے مجاز نہیں ہیں۔ میں موصوف کی عالی ہمتی اور ذرہ نوازی کا جس قدر ممنون ہوں اسکا ذکر ناممکن ہے۔

اس کے بعد (راجہ) سید ذوالفقار جہاں صاحب لائق صد شکریہ ہیں جنھوں نے نسب نامے اور حالات کی صحت میں کافی سہولت پہنچانے کے علاوہ خوشنویسی کے ایسے ایسے بیش بہا قطعات، تختیاں اور وصلیاں سامنے لاکر رکھ دیں جن کو نایاب نہیں تو کمیاب ضرور کہا جا سکتا ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے واقعات کے سلسلے میں آپکے جد امجد راجہ ارادت جہاں کے واقعات آپکے خانگی روزنامچے سے صحت کیے گئے ہیں۔

مسٹر رام نرائن بنیکر بھی اس سلسلے میں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں کیونکہ آپنے انگریزی کتابوں اور سکوں کی فراہمی میں کافی امداد کی۔

شیخ محمد یوسف صاحب ظفرآبادی حال وارد جونپور کی ذات گرامی کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے کیونکہ آپنے اپنی بیماری کے زمانے میں بھی میری ہر طرح کی امداد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ قلمی کتابیں فراہم کیں جس سے

ظفرآباد کی تاریخ مرتب کرنے کے علاوہ جونپور کی تاریخ میں بھی کافی سہولت ہوئی۔ ظفرآباد کی تاریخ کی تصنیف وتالیف ہر جہت سے آپ ہی کی مرہونِ منت ہے۔ آپ کی عالی حوصلگی اور بے لوث امداد اس کی مستحق ہے کہ بار بار آپ کا شکریہ ادا کیا جائے آپنے مسودوں کے صاف کرنے اور بعض کتابوں کے ترجمہ کرنے میں خاص طور پر مدد کی۔

ڈاکٹر سید ذوالفقار حسین صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ آپنے مجھے پرانے کاغذات اور فرامین مہیا کئے جسے نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

حاجی محمد نصیر الدین آپنے میری گذارش پر دور و نزدیک ہر مقام پر بلا عذر تشریف لیجاکر متعدد فوٹو کھینچکر اپنی بے لوث محبت کا اظہار فرمایا جسکے لئے میں آپ کا بھی شکر گزار ہوں۔

بابو لالتا سنگھ صاحب۔ آپ کا شمار ہمارے شہر کی باعزت ہستیوں میں ہوتا ہے۔ آپ نہایت نیکدل اور خلیق انسان ہیں۔ اس تاریخ کی طباعت کے سلسلے میں آپ نے ہماری ہر قسم کی امداد کی ہے۔ میں آپ کا بھی تہ دل سے شکر گزار ہوں۔

مولوی محمد زبیر صاحب قاسمی بھی قابل صد شکر ہیں کہ انھوں نے مضامین کی فراہمی میں کئی ایک مقام کا سفر کیا اور فوٹو کھینچنے کے سلسلے میں اکثر و بیشتر مقامات پر ساتھ رہے۔ تاریخ ظفرآباد کا مسودہ بھی کہیں کہیں صاف کیا۔

آخر میں میں اپنے لائق و محترم دوست ایم۔ محتشم۔ کاشانی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن سے اس تاریخ کی تصنیف و تالیف کے درمیان جب میں کسی ایسے مددگار ساتھی کی تلاش میں تھا جو مجھے منزل مقصود کی طرف زبردستی ڈھکیلتا رہے، اتفاق سے ملاقات ہو گئی۔ موصوف کا وطن جونپور ہے

اور بمبئی میں مستقل قیام ہے۔ آجکل آپ جونپور ہی میں تشریف رکھتے ہیں۔ چونکہ آپ تصنیف وتالیف، طباعت وکتابت کا چالیس سالہ تجربہ رکھتے ہیں لہذا میں نے اپنی تصنیف وتالیف کی روداد بے دھڑک آپ کو سنادی۔ آپنے نہایت خندہ پیشانی سے ہمارا التعاون منظور کرلیا۔

اس کتاب کی طباعت وکتابت آپ ہی کے مشورے سے انجام پائی ہے۔ آپ ہندوستان کے مشہور ترین خوشنویسوں میں ہیں۔ خوشنویسی پر آپ کو عملی حیثیت سے بھی اتنا ہی عبور حاصل ہے جتنا کہ فنی حیثیت سے۔ آپ کو فنون لطیفہ سے ایک فطری لگاؤ ہے۔ آپنے لکھنؤ کے "میرس کالج آف ہندوستانی میوزک" میں داخل ہوکر ۲ سال تک موسیقی بھی حاصل کی ہے۔ "انڈین میوزک" ہندوستانی موسیقی پر آپ کی بہترین تصنیف ہے۔ چونکہ آپ خوشنویسی اور موسیقی دونوں کے بیک وقت حامل ہیں لہذا میں نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب کا خوشنویسی اور موسیقی کا باب آپ ہی کے مشورے سے تیار کیا جائے اور اس کا ذمہ آپ لے لیں۔ موصوف نے میری بھی گذارش منظور کرلی اور اس کتاب کے دونوں ابواب موسیقی اور خوشنویسی اس شرح وبسط سے لکھے گئے جسکا تکملہ میرے بس سے باہر تھا۔ اسکے علاوہ آپنے فارسی، انگریزی، اور ہندی کتابوں کے ترجمے میں بھی میرا ہاتھ بٹایا۔ میں موصوف کا جسقدر بھی شکریہ ادا کرتا رہوں وہ کم ہوگا۔

سب سے آخر میں میں ان تمام حضرات کا شکرگزار ہوں جنھوں نے کسی بھی حیثیت سے اس تالیف وتصنیف کو کامیاب بنانے میں کوشش کی اور ان لوگوں کا بھی شکرگزار ہوں جنھوں نے مسلسل وعدے کئے اور متعدد بار اپنے دروازے پر بلا کر بھی خالی ہاتھ واپس کردیا۔ بہرحال ہماری یہ پیشکش ہمارے سچے اور مخلص احباب کے تعاون کا نتیجہ ہے۔ (مؤلف)

پیش لفظ

جون پور دریائے گومتی کے بائیں کنارے مغلسرائے کے مشہور جنکشن سے اتر کی طرف سینتالیس ۴۷ میل اور لکھنؤ سے پورب کی طرف ایک سو اکسٹھ ۱۶۱ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور چودھویں صدی میں فیروز شاہ تغلق کے آباد کئے ہوئے شہروں میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جونپور بنارس کمشنری کے شمالی مغربی حصے میں واقع ہے۔ اس کے پچھم میں پرتاب گڈھ الہ آباد۔ پورب میں غازی پور اور اعظم گڑھ۔ اتر میں سلطان پور اور دکھن میں بنارس اور مرزا پور واقع ہیں۔ اس کا رقبہ ۱۵۵۵ مربع میل ہے۔

جب ٹرین ظفرآباد اور مہرانواں اسٹیشن سے کچھ آگے گذریگی تو وہیں سے ایک منتشر آبادی کے پھیلے ہوئے شہر کا منظر دکھائی دیگا جسکے کھنڈر، کثیر ملبے اور اجڑے ہوئے محلے پتہ دینگے کہ یہ شہر کبھی بڑی عظمت و شہرت کا مالک رہا ہے۔ شرقی سلطنت کے زمانے میں جونپور انتہائی عروج و کمال کو پہنچ گیا تھا۔ پندرھویں صدی کے آغاز میں جونپور کو دو مواقع نصیب ہوئے۔ پہلا دہلی پر امیر تیمور کا حملہ جسکی بنا پر ملک کے اندر افراتفری پھیلی اور تغلق سلطنت کا شیرازہ بکھرا اور ۱۳۹۴ء میں ملک الشرق ملک سرور خواجہ جہاں باغیوں کی سرکوبی کے لئے محمود شاہ تغلق کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ اس نے بغاوت کو فرو کرنے کے بعد ہی دہلی سے آزاد اپنی ایک

ایک خود مختار بادشاہت "سلطنت شرقیہ" کے نام سے قائم کرلی اور جونپور کو اسکا پایہ تخت قرار دیا۔ اور ملقب نائب اتابک اعظم جونپور اور اس کے اطراف کا بادشاہ بن بیٹھا۔ جونپور اپنے جائے وقوع کے لحاظ سے سلطنت دہلی کے لیئے بطور شرقی حد حصار اور ایک قابل بھروسہ خطہ تھا۔

دوسرا موقع جبکہ ابراہیم شاہ شرقی یہاں کا بادشاہ ہو گیا جس نے سنہ ۱۴۰۲ء سے سنہ ۱۴۴۴ء تک بڑی شان شوکت اور رعب وجلال کے ساتھ حکومت کی ہے مورخین لکھتے ہیں کہ ابراہیم شاہ اپنے زمانے کا بڑا کامیاب، با اخلاق، علم دوست اور عدل وانصاف کا پیکر تھا۔ اس نے رعایا کے آرام وآسائش خوشحالی وفارغ البالی کے لیئے نئے نئے قوانین وضع کیئے اور بہترین انتظام کیا۔ بعد کو شرقی بادشاہ محمود شاہ، محمد شاہ اور حسین شاہ شرقی نے انھیں اصول وقوانین پر پوری پابندی سے عمل کیا جس کی وجہ سے یہ نوزائیدہ شرقی سلطنت ایک صدی تک بڑے آب و تاب سے قائم رہی۔ پرسی براؤن نے شرقی بادشاہوں کی اہلیت وصلاحیت کے متعلق لکھا ہے:-

> "شرقی خاندان کے بادشاہوں میں امور سلطنت کے متعلق ہر قسم کی قابلیتیں موجود تھیں جنھوں نے تقریباً ایک صدی تک جونپور پر حکومت کی ہے اور یہی صدی ان کی عالیشان تعمیرات کا زمانہ ہے۔ یہ بات خصوصیت سے کہی جاسکتی ہے کہ تمام تعمیرات جو اس سلطنت کے زیر اہتمام ہوئیں تقریباً وہ سب اسکے صدر مقام جونپور ہی میں واقع ہیں ؎۱"

؎۱ پرسی براؤن

شرقی بادشاہوں کی صلاحیتوں کی وجہ سے ایک مختصر سی مدت میں سلطنت جونپور شمالی ہند کی سب سے بڑی حکومت ہوگئی جسکی بنیاد ابراہیم شاہ شرقی نے بہت مستحکم کردی تھی۔ اس کے حدود پچھم میں قنوج اٹاوہ تک۔ پورب میں بہار اڑیسہ بنگال تک۔ اُتر میں سرحد نیپال تک۔ دکھن میں بندھیاچل تک پھیلے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر ایشوری پرشاد لکھتے ہیں:۔

"شرقیہ خاندان کا سب سے عظیم الشان بادشاہ ابراہیم شرقی تھا جو ۱۴۰۲ء میں تخت نشین ہوا۔ ابراہیم شاہ شرقی بڑا ذی علم اور قابل بادشاہ تھا۔ یہ تعمیرات کا بڑا شوقین تھا.........

شرقی سلطان بہت ہی عادل اور علم دوست تھے۔ تیمور کے حملے کے وقت دہلی سے آئے ہوئے اہل علم و صاحب فن حضرات کا ان لوگوں نے بڑی خوشی سے خیر مقدم کیا اور ان کی بڑی عزت و حرمت کی جس کی وجہ سے جونپور اس وقت علم و فن کا مرکز اور گہوارہ بن گیا اور اہل علم نے اسے "شیراز ہند" کا خطاب دیا" [۱]

ابراہیم شاہ اور دوسرے سلاطین شرقیہ کی قابلیتوں اور صلاحیتوں اور بہترین نظم ونسق امن وامان خوشحالی اور فارغ البالی کی بدولت جونپور علم وادب تمدن و معاشرت کا گہوارہ ہوگیا۔ یہ حقیقت ہے کہ جونپور کو نقطۂ عروج وکمال پر پہنچانے والے وہی لوگ تھے جنھوں نے جونپور کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ یہ لوگ اپنی اخلاقی خوبیوں اور علمی وفنی قابلیتوں کی بنا پر نامور علماء وفضلا شمار کیے جانے لگے۔

---

[۱] بھارت اتہاس ایشوری پرشاد ص ۲۵۳

اوران کے طفیل میں جونپور "شیراز ہند" ہو گیا جس کی شہرت مصر و عرب ایران و افغانستان تک جا پہنچی جہاں سے طالبان علم و فن آآ کر اس شہر میں جمع ہونے لگے۔ اگر جونپور کی رفتہ عظمتوں اور گزشتہ رفعتوں کا اندازہ کرنا ہو تو مسجد اٹالہ مسجد لال دروازہ۔ جامع مسجد۔ مسجد خالص مخلص۔ جھنجری مسجد۔ قلعہ شاہی اور گومتی کا شاہی پل دیکھئے۔ شرقی دور کی عمارتیں جونپوری صناعی کی آخری معراج اور فن کا ایک زندہ شاہکار ہیں جن کی مثال ہندوستان میں نہیں مل سکتی۔ اگر اپنی سیاحی کے دوران آپ دائیں بائیں نظر ڈالیں اور کھنڈرات و آثار کا ایک طائرانہ جائزہ لیں تو آپ کو بہت سے پرانے گنبد و مینار نظر آئیں گے جو آبادی سے ملے ہوئے بھی ہیں اور الگ تھلگ بھی۔ جو اپنی بربادی اور کس مپرسی کی داستانیں سنا رہے ہونگے۔ یہاں سب سے بڑی تعداد مزاروں اور حظیروں کی نظر آئے گی جن میں کچھ تو یکجائی ہونگے اور کچھ علٰحدہ۔ جو یہاں کے عہد ماضی کے شاہزادوں، بادشاہوں، سپہ سالاروں، جرنیلوں۔ گورنروں۔ وزیروں۔ صوبہ داروں۔ صوفیہ اور بزرگوں کا پتہ دینگے جن میں سے ایک کثیر تعداد پر گنبد بنے ہوئے ہیں۔ اس سے اس شہر کے وقار اور عظمت کا پتہ چلیگا۔ جس کو موت کے بیدرد ہاتھوں نے زمین میں دفن کر کے مٹی کا تودہ بنا دیا ہے۔ اور اس سیاحی کے دوران آپ کو بزرگان دین وزیروں اور گورنروں کے حظیرے اور مقبرے گرے ہوئے نظر پڑیں گے۔ جن میں خواجہ میر عبد الغنی۔ قاضی نصیر الدین گنبدی۔ شاہزادہ احمد شاہ۔ نواب غازی خاں۔ حسن بیگ۔ ملک للّو عادل اور ملک العلما قاضی شہاب الدین وغیرہ بہت ہی بلند شخصیت کے مالک تھے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے جونپور کو عظمت و شہرت بخشی اور انھیں کی بدولت "شیراز ہند" کا خطاب ملا۔ مگر آج یہی لوگ زمین کے نیچے خاموش پڑے ہوئے مسلمانوں کی

غفلت و بیزاری بے تعلقی اور لاپرواہی پر ماتم کر رہے ہیں۔ اس سیاحی میں آپ کے لئے سب سے عبرتناک اور قابل افسوس یہ منظر ہو گا کہ یہاں کے ہزاروں اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے مزارات شکستہ زمین میں مدفون اور کھیتوں کے اندر دکھلائی دیں گے اور جو مقبرے وگنبد موجود ہیں وہ بھی شکستہ اور خطرناک حالت میں گندگی سے اٹے ہوئے ہیں۔ اور خود مسلمان ان قبروں کو کھود رہے ہیں اور گنبدوں کی اینٹیں نکال کر لے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو نہ ان بزرگوں کا پتہ ہے اور نہ تعلق و وابستگی ہے۔ اور نہ "آثار قدیمہ" کے محکمہ نے اسکی حفاظت اور مرمت کی طرف توجہ کی۔ اور نہ مسلمانوں نے چار سو پانچسو برس کے اندر ایک بار بھی مرمت کی طرف دھیان دیا۔ یہ موجودہ مقبرے بھی چند ہی سال میں گر کر ڈھیر ہو جائیں گے جو جونپور شیراز ہند کے لئے عظیم حادثہ ہو گا۔

اب یہ شہر شکستہ مدفنوں، قبروں، مسجدوں، بوسیدہ گنبدوں اور ملبوں کا شہر ہو کر رہ گیا ہے اور خاموشی سے اپنی خاک پر اپنے لائق فرزندوں کو جنھوں نے اسکو عظمت و شہرت بخشی تھی آرام سے سوتا ہوا دیکھ رہا ہے اور یہاں کے مسلمانوں کی غفلت و بے تعلقی اور کوتاہی ولاعلمی پر آنسو بہا رہا ہے۔ کاش درِ حق سے دعا مقبول ہوتی اور کوئی اللہ کا بندہ اٹھتا اور اس شہر کو عظمت رفتہ میں بدل کر سرسبز و شاداب کر دیتا۔

شرقی سلطنت اور خاصکر ابراہیم شاہ شرقی کے عہد زریں میں جونپور کی کیا حالت و کیفیت تھی اور کس قدر عروج کمال پر تھا۔ سکندر لودی کی تباہ کاریوں اور بار بار بربادیوں کی وجہ سے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ تاہم بعض کتابوں میں ابراہیم شاہی عہد کے جونپور کے متعلق حالات ملتے ہیں۔

وِدّیاپتی نے کیرت لتا میں ابراہیم شاہ اور جونپور کی رونق و ترقی اور

عروج کے متعلق لکھا ہے کہ :۔

"یہ شہر جونا پور، آنکھوں میں پیارا اور دھن دولت کا خزانہ تھا۔ (جون پور) دیکھنے میں سندر اور تمام آرائشوں سے مزین تھا۔ کنوئیں تالاب بکثرت موجود تھے۔ پتھروں کا فرش۔ اندر اندر پانی نکل جانے کا راستہ۔ زراعت، پھول پھل اور پتی سے ہری بھری لہلہاتی ہوئی آم اور جامن کے درختوں کی قطاریں۔ یہاں بھونروں کی گونج من کو موہ لیتی تھی۔ فلک بوس اور مضبوط خوبصورت مکانات تھے۔ راستے میں ایسی ایسی گلیاں کہ بڑے بڑے ٹھٹک جاتے تھے۔ چمکدار لمبے لمبے سونے کے کلسوں، مورتیوں اور تمام لوازمات سے مرصع شیوالے بھی دکھائی دیتے تھے۔ کنول کے پتوں جیسی بڑی بڑی آنکھوں والی دوشیزائیں موجود تھیں جن کی زلفیں قطب شمالی سے بات کرتی تھیں۔ ان کے آنکھوں کا کاجل معلوم ہوتا تھا کہ چاند کے اندر داغ ہے۔

پان کا بازار، نانبائی کی دوکان، مچھلی بازار، اگر ان تمام واقعات کو بیان کیا جائے تو یقین نہ ہوگا۔ گویا ہر قسم کے لوگوں کی آمد رفت اور مسافروں کی آواز سے کان بھر رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے آدمیوں کا سمندر اپنی جگہ سے جونپور آگیا ہے" لـه

یہ شہر کافی آباد و گنجان تھا۔ لاکھوں گھوڑے اور ہزاروں ہاتھی ہر وقت موجود رہتے تھے۔ دو طرفہ صرافے کی دوکانیں تھیں۔ اس وقت ساری آبادی سپاہ

لـه کیرت لتا صـ۳۲

چاچک پور۔ پورانی بازار۔ لال دروازہ۔ دریبہ اور پریم راجپور کی طرف تھی۔ آج شہر کے اندر جسقدر کھنڈرات نظر آرہے ہیں اور کھیتیاں ہورہی ہیں وہ سب عہد قدیم میں آباد اور گلزار تھے۔ جن پر خوش قطعہ مکانات تھے اور ہر قسم کا بازار لگتا تھا تجارت پیشہ لوگ جونپور کی شہرت اور ابراہیم شاہ کی قدردانی کا شہرہ سن کر اپنا مال فروخت کرنے کیلئے یہاں آتے تھے۔ اٹالہ مسجد سے لیکر سپاہ تک اور قلعہ سے متصل فوج رہتی تھی۔ ہاتھی، گھوڑے اور خچر باندھے جاتے تھے۔ مسجد اٹالہ سے متصل اسلحے ڈھال اور تلواریں وغیرہ بنتی تھیں۔ یہاں کی ڈھالیں بہت مشہور تھیں اور باہر جاتی تھیں۔ اسی لحاظ سے یہ محلہ ڈھال گر ٹولہ مشہور ہوا اور اس وقت تک اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ ودیاپتی نے اس وقت کی بھیڑ بھاڑ اور خرید و فروخت کا بہترین نقشہ کھینچا ہے:۔

"دوپہر کے وقت کی بھیڑ سے معلوم ہوتا تھا کہ ساری روئے زمین کی اشیاء آج یہاں بکنے آگئی ہے۔ آدمیوں کا سر آدمیوں سے ٹکراتا تھا۔ ایک کا تلک مٹ کر اچھوٹ کر دوسرے کے ماتھے پر لگ جاتا تھا۔ راستہ چلنے میں عورتوں کی چوڑیاں ٹوٹ جاتی تھیں۔ گھوڑے ہاتھیوں کی بھی خوب بھیڑ تھی۔ اکثر لوگ پس جاتے تھے۔ ان نازنینوں کے بناؤ سنگار دیکھنے والوں کے دل چور چور ہو رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کی بدمستی اور چنچل پن کو دیکھکر ہوش و حواس پر ایسا اثر پڑتا تھا جیسے کجل ندی کی لہروں کی بھنوریں بڑی بڑی مچھلیاں تیر رہی ہیں۔ لوگوں کی آمدرفت سے یہ شہر انسانوں کا سمندر معلوم ہوتا تھا۔ سودے سلف والے دور دور سے جب یہاں آتے تھے تو چشم زدن میں سارا سودا بک جاتا تھا۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ خریداری

ضرور کرتا تھا۔ برہمن۔ کالیتھ۔ راجپوت اور بہت سی ذات کے
لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ اور سب شریف اور امیر تھے
ابراہیم شاہ اپنے محل کے بالائی حصے میں مقیم تھا۔ اپنے گھر پر
آئے ہوئے مہمانوں کو دیکھ کر جس طرح خوشی ہوتی ہے بادشاہ لوگوں
کو دیکھکر خوش تھا۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا[۱]

اسی طور پر بہت سے بازار تھے۔ شاہی محل "خاص حوض" کے قریب امرا کے
عالیشان فلک بوس مکانات تھے۔ اس زمانے میں سب ہی لوگ خوش اور فارغ
البال تھے۔ ابراہیم شاہ کے حسن انتظام سے نہ کوئی فکر تھی نہ غم۔ یہ سب سماں
دیکھکر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں۔ جونپور میں ہر جگہ اچھا کھانا اور ٹھہرنے کا انتظام
تھا۔ ودیاپتی نے ایک مقام پر کیرتی سنگھ کی مدد کے لئے اسلم کے خلاف ترہٹ
کی روانگی کے وقت ابراہیم شاہی فوج کا کتنا صحیح نقشہ کھینچا ہے:۔

"فوج کی تعداد کون جانے۔ فوج کے سپاہی زمین پر اس طرح بکھرے
ہوئے تھے جیسے کمل کا پھول تالاب میں بکھرا ہوا ہے۔ غرضکہ
بادشاہی فوج نے کوچ کا نقارہ بجا دیا۔ سلطان ابراہیم شاہ کا
لشکر مع بادشاہ کے روانہ ہوا۔ خوف سے پہاڑ اپنی جگہ چھوڑنے لگے
زمین کو زلزلہ آگیا۔ چہرۂ خورشید گرد و غبار کے پردے میں چھپ گیا
ہر طرف طبل جنگ بجنے لگے گویا قیامت کے آثار نظر آنے لگے
آدمیوں کی آوازیں دب گئیں۔ فوج نے پیدل چل کر دریا کا پانی
خشک کر دیا[۲]"

---

[۱] کیرتی لتا ص ۳۵ [۲] کیرتی لتا ص ۶۶ و ۶۷

شرقیوں کی فوج میں برہمنوں اور راجپوتوں کی کثرت تھی۔ ابراہیم شاہ کے عہد سے لیکر حسین شاہ شرقی تک جتنی جنگیں ہوئی ہیں۔ یہ ہی لوگ کثرت سے شریک تھے۔ بادشاہ کے عدل انصاف رعایا پروری سے ہر ذات اور مذہب وملت کے لوگ خوش تھے اور کافی اطمینان بھروسہ تھا۔

جب بادشاہ کسی مہم پر جانے کا قصد کرتا تھا تو اطراف وجوانب کے زمینداروں اور جاگیرداروں کو اطلاع دیدی جاتی تھی۔ وہ لوگ سپاہیوں کو لیکر اور اسلحوں سے لیس ہوکر بادشاہ پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے چل کھڑے ہوتے تھے ______ ابراہیم شاہ شرقی۔ محمود شاہ۔ محمد شاہ اور حسین شاہ سبھی نے علوم وفنون اور دیگر شعبہ جات پر قدردانی کی نگاہ ڈالی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں جونپور اپنی عمارات، مندروں۔ مسجدوں۔ مدرسوں خانقاہوں اور اپنے علمائے کرام وصوفیاے عظام۔ اور رشیوں منیوں سنتوں اور بھگتوں کے مقابلے میں دوسرے ترقی یافتہ ملکوں سے بازی لے گیا۔

شرقی بادشاہوں نے فنون لطیفہ کی بھی سرپرستی کی۔ ان کا دربار شعرا اور اہل فن سے بھرا رہتا تھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حسین شاہ شرقی کے عہد حکومت میں جونپور علم موسیقی کا مرکز ہوگیا تھا۔ خود بادشاہ نائک تھا اور اس نے بہت سے راگ اور خیال ایجاد کئے۔ شرقی دور میں جونپور شعروادب موسیقی اور خوش نویسی میں ایک بلند مقام رکھتا تھا۔

جونپور میں شرقی دور کے کتبے اپنے فن کے لحاظ سے ہندوستان میں بے مثل ہیں جن کی تصویریں ناظرین خوشنویسی کے سلسلے میں ملاحظہ فرمائیں۔

جونپور وہ متبرک مقام ہے کہ اسکے چاروں طرف بنارس۔ مرزاپور۔ پریاگ اجودھیا فیض آباد تیرتھ استھان ہیں۔ یہاں پر شہر آباد ہونے کے قبل شری

رامچندر جی کر ار بیر کی سرکوبی کے لئے آچکے ہیں۔ یہ وہ متبرک جگہ ہے کہ فیروز شاہ تغلق کے آباد کرنے کے قبل جماد اگنی رشی، کوشیا بیر، پرسرام جی اور دوسرے رشی منی ندی کے کنارے پر فضا مقام پر رہتے تھے۔ جونپور ہر لحاظ سے ایک عظیم اہمیت کا حامل رہا ہے۔

زمانۂ قدیم میں فیروز شاہ تغلق کے آباد کرنے کے قبل یہاں بھر قوم کی کثرت اور حکومت تھی۔ جونپور مدتوں افغان اور مغل بادشاہوں کا آماجگاہ رہا ہے یہیں پر شیر شاہ نے برسوں مسجد اٹالہ میں علم دین کی تکمیل کی ہے۔ خاصکر اکبر اعظم کے عہد حکومت میں اسکی حیثیت اسلامی حکومت کی تھی اور جب تک الہ آباد کا قلعہ تعمیر نہیں ہوا تھا، اکبر قلعۂ جونپور میں جلوس کرتا تھا اور اسے اسلامی علم وفن کا بہت بڑا مرکز جانتا تھا۔ یوں تو بہت سے قدیم شہروں کے زوال سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں مگر جونپور کی بربادی اور زوال کی تاریخ بھی عجیب ہے۔ جو مظالم جون پور کے باشندوں اور یہاں کی عمارتوں پر ڈھائے گئے ہیں اس کی مثال مشکل ہی سے تاریخ میں مل سکتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس شہر کی قدیم عظمت اور خوشحالی بالکل مٹ گئی اور تباہیوں اور بربادیوں کا ڈھیر ہو گیا۔ چند آثار کے علاوہ جو شکستہ حالت میں ہیں سب کے سب خاک کی نذر ہو گئے۔ شاہجہاں بادشاہ بڑے فخریہ انداز سے اسے "پورب کا شیراز" کہتا تھا۔ اور اس نے علما وفضلا کی خوب سرپرستی کی جسکی وجہ سے یہاں پھر خانقاہوں اور مدرسوں کی کثرت ہو گئی۔

جونپور کی تاریخ میں سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ یہاں ہمیشہ سیاست کا بازار گرم رہا۔ اور کبھی یہاں کے باشندوں کو امن وسکون نصیب نہیں ہوا مسلمانوں کی آمد کے بعد اور آبادی کے خلط ملط ہوتے اور یہاں ایک قابل ذکر طبقہ کی نشوونما شرقی سلطنت اور اسکے کچھ پہلے ہی سے شروع ہو چکی تھی جسکے متعلق پروفیسر علی مہدی خاں

نے "مُلّا محمود" میں تفصیل سے ذکر کیا ہے :-

"صوفیائے کرام علمائے اعلام اور طالبان علم جو شہر کے گوشوں میں سیاسی انقلاب سے کوسوں دور اپنی زندگیاں بسر کر رہے تھے شمار کیے جانے لگیں تو ان میں زیادہ تر ایسے لوگ تھے جو ایران، عراق اور عرب سے آکر ہندوستان میں بس گئے تھے، دہلی - آگرہ - لاہور وغیرہ مقامات سے جونپور میں آکر آباد ہو گئے - اور یہاں پہنچکر ان کو علمی و دینی مشاغل کے درس و تدریس کا بے ضرر اور شاندار موقع نصیب ہوا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جونپور کے قیام کو ان لوگوں نے اس غرض سے ترجیح دی کہ یہ لوگ بادشاہوں اور درباروں کی حاضری اور ان کے عتاب و خطاب اور ہمعصروں کی مخالفتوں کو برداشت کرنیکے بجائے درس، تدریس کی عالمانہ و فاضلانہ زندگی کو پسند کرتے تھے اور ایک ایسے خطّے یا مقام میں آباد رہ کر زندگی گزارنا چاہتے تھے جہاں تعصب سے پاک علم و فن کا تذکرہ ہو اور وہ جونپور تھا۔"[۱]

ان اسباب مذکورہ بالا کے پیش نظر جونپور کے باشندے دو طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک تو وہ گروہ تھا جو سلاطین و امرا کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتا تھا اور مستقل طور پر مرکزی حکومت کی نظروں میں کھٹکتا رہتا تھا اور شرقی حکومت کی صوبہ داری وغیرہ کی راہ میں حائل ہوتا رہتا تھا اور دوسرا گروہ علماء کا تھا۔ ان علمائ کے متعلق بعض کتابوں اور روایتوں سے پتہ چلتا ہے اور مدت دراز گزرنے کے بعد بھی ان بیشمار شکستہ اور مدفون مزارات سے یقین ہوتا ہے کہ چودہ سو [۱۴۰۰] پالکیاں بیک

۱۔ "ملا محمود" علی مہدی خاں۔

وقت نکلا کرتی تھیں اور لوگ جمعہ عیدین اور دوسرے مواقع پر انکی زیارت کرتے تھے۔ یہ علماء سوا درس تدریس اور خانقاہوں میں مریدوں کی تعلیمات و ریاضت و مجاہدہ کے سیاست ملکی میں کسی حیثیت سے دخل انداز نہ ہوتے تھے، اور نہ کسی سیاسی پارٹی سے ان کا تعلق تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جتنی حکومتیں شرقی دور کے بعد یہاں قائم ہوئیں، ان سب نے ان علمائے کرام کا پورا ادب و احترام کیا۔ جونپور اور دہلی دونوں جگہوں سے جاگیر و وظائف انکی آرام و آسائش اور خورد و نوش کے لئے مقرر تھے۔ ان علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا پایہ علم و فضل میں اتنا بلند تھا کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونجات کے دیگر ممالک سے اپنی خداداد قابلیتوں و صلاحیتوں اور علم و فضل کے باعث ہمیشہ خراج تحسین حاصل کرتے رہے، اور تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جب کبھی انھوں نے اپنی اخلاقی اور روحانی طاقتوں کا بڑے بڑے بادشاہوں کے مقابلہ میں اظہار خیال کرنا چاہا تو کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی انھیں روک نہ سکی۔

علماء کی زیادہ تعداد خاص طور پر شرقی بادشاہوں کے زمانے میں مختلف مقامات سے آکر جونپور میں آباد ہوئی اور اسی وقت سے "شیراز ہند" کہلانے لگا شرقی حکومت کے بعد بھی علماء کا خاندان جونپور سے باہر نہ گیا بلکہ یہیں مستقل طور پر آباد ہوگیا۔ یہی علماء فقراء اور صوفیہ کرام جونپور کی آزاد شرقی حکومت کے روح رواں تھے جن کے سامنے دور و دراز سے طالبان علم و فن آکر زانوے ادب تہ کرتے تھے۔ یہی علمائے جونپور تھے جنھوں نے علم کی شمع بنگال، گجرات حیدرآباد اور اودھ میں روشن کی۔ یہاں پر سیکڑوں مدرسے اور خانقاہیں کھل گئیں۔ جن کی سرپرستی حکومت کی طرف سے کی جاتی تھی اور یہ سلسلہ مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد تک بھی جاری رہا۔ سید ریاست علی ندوی فرماتے ہیں کہ:-

"سلاطین شرقیہ کے عہد حکومت میں شہر جونپور "دارالسرور شیراز ہند" کہا جاتا تھا۔ ملا محمد اصفہانی سیر الملوک کا بیان ہے کہ یہاں صدہا مدرسے خانقاہیں اور مسجدیں تعمیر ہوئیں اور علمائے فضلا دور دور دراز ملکوں سے آئے جن کے لئے وظیفے اور جاگیریں مقرر کیگئیں۔ جونپور کی تعلیمی و علمی برتری مغلوں کے شباب کے زمانہ تک قائم رہی۔ شاہجہاں بادشاہ کے عہد حکومت میں احمد آباد۔ دہلی اور جونپور، علم اور تعلیم کے ایسے مرکز تھے کہ ہندوستان کے باہر ہرات و بدخشان سے لوگ یہاں تعلیم و تحصیل کے لئے آتے تھے۔ اس عہد میں باکمالوں کی مسند درس کو شہرت عام حاصل تھی اور انکے مدرسے علم و فن کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایشیا میں مشہور تھے"[۱]

مغلوں کے دور آغاز سے عالمگیر کے زمانہ تک تعلیم کی اشاعت پر سلاطین امرا اور ہر عہد کے علماء و فضلا کی جو توجہ رہی اسکا اثر یہ تھا کہ ہندوستان کے مختلف صوبے گجرات۔ دہلی۔ آگرہ بہار۔ جونپور اور الہ آباد مختلف دوروں میں تعلیم کے مرکز رہے اور جونپور میں ملا جیون اور معین الدین حقاق۔ ملا محمود۔ دیوان عبدالرشید کا مدرسہ خاص شہرت کا مالک رہا اور اس پر بادشاہ کی خاص نظر عنایت تھی۔

مغلوں کے دور آخر تک جونپور میں مدرسوں اور خانقاہوں کی کثرت تھی اس عہد میں بے شمار فرامین علما کی جاگیر و وظائف کے لئے دیے گئے۔ یہ فرامین

---

[۱] عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۲۸۱-۲۷۷

میری نظر سے گذر چکے ہیں اور موجود بھی ہیں۔ مولوی غلام علی آزادؔ نے "سبحۃ المرجان" میں اس دور کی تعلیمی رفتار کا نقشہ بہت موثر انداز میں کھینچا ہے:-

"تا آنکه برہان الملک سعادت خاں
نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ صوبہ
اودھ و اکثر بلاد عمدہ صوبہ الہ آباد و
نیز دار السرور جونپور۔ غازی پور۔ کوڑہ
جہان آباد حکومت گردید۔ وظائف
قدیم و جدید یک قلم ضبط شدہ۔ مردماں
آں جارا از کسب علم باز داشتہ در پیشہ
سپاہ گری انداخت و رواج تدریس
و تحصیل براں درجہ نماند و مدرسے
کہ از عہد قدیم دراں علم و فضل بود یکقلم
خراب افتاد۔ [لہ]

(ترجمہ) یہاں تک کہ برہان الملک سعادت خاں
نیشاپوری شروع تخت نشینی محمد شاہ میں
صوبہ اودھ اور اکثر بڑے بڑے شہروں کا
صوبہ الہ آباد کے اور دار السرور جونپور، غازی پور
و کوڑہ جہان آباد کا حاکم ہو گیا۔ اور تمام نئے
پرانے وظیفوں کو بند کر کے وہاں کے لوگوں
کو علم حاصل کرنے سے روک کر پیشہ سپاہ گری
میں لگا دیا اور رواج تدریس و تحصیل اُس
درجہ پر نہ رہا اور وہ مدرسے جو زمانہ قدیم
سے مخزن علم و فضل تھے سب ایک دم برباد
و ویران ہو گئے۔

جونپور میں علمی ترقی کے ذمہ دار اور شرقی حکومت کی کامیابی اور شہرت کا سہرا انھیں علماء و فضلا کے سر ہے جو مختلف مقامات سے آکر یہاں آباد ہو گئے تھے اگر آپ بغور تاریخ کا جائزہ لیں تو آپ کو شرقی سلطنت کے عروج اور یہاں پر عظیم عمارتوں کا وجود دراصل ابراہیم شاہ شرقی کی علمی سرپرستیوں اور امیر تیمور کے حملے کے بعد آئے ہوئے علمائے کرام کے ساتھ عزت و احترام اور انکی قدردانی کا نتیجہ ہے۔ پروفیسر علی مہدی خاں نے "ملا محمود" میں بڑے پتے کی بات کہی ہے۔

لہ سبحۃ المرجان غلام علی آزاد

"جونپور علوم کا مرکز نہیں تھا بلکہ علماء فضلا کا مرکز تھا۔ یہ علماء یا انکے آبا و اجداد وہاں کے استاد کثرت سے ایسے تھے جنھوں نے عرب ایران عراق اور دوسرے مقامات سے تحصیل علوم کر کے فارغ التحصیل کا درجہ حاصل کیا تھا اور تب جونپور میں مستقل قیام کی غرض سے آکر آباد ہو گئے تھے۔ اس لئے ہم بلا پس و پیش یہ کہہ سکتے ہیں کہ جونپور کی تہذیب درحقیقت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی تہذیب کا نمونہ تھی۔"[۱]

شرقی سلطنت کے آغاز میں جونپور کو جو عروج حاصل تھا اور اس وقت سلطنت کے زوال اور سکندر لودی کی تباہ کاریوں کے بعد جو کیفیت ہوئی اس نے روز بروز کے عروج اور یہاں کی علمی ترقیوں کو نیست و نابود کر دیا۔ اور یہ بات افسوس کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ جونپور میں جو قدیم آثار و اخبار مدرسے اور خانقاہیں قائم تھیں مغلیہ سلطنت کے اختتام کے بعد یہاں کے مسلمانوں اور علما نے باقی رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بڑی بڑی عظیم الشان خانقاہیں، مدرسے گنبد و مینار مزارات اور مسجدیں خاک کا ڈھیر ہو گئیں۔ اور یہاں کے علما کی تصنیف کردہ نادر کتابیں کیڑوں کی غذا بن گئیں۔ کبھی کسیکو ایک کتاب بھی شایع کرنیکی توفیق نہ ہوئی اور نہ اس عظیم الشان شہر پر جو شیراز ہند کہلاتا تھا کوئی مبسوط تاریخ لکھنے کی زحمت گوارا کی گئی۔ اس غفلت و لاپرواہی نے شرقی سلطنت اور شیراز ہند کو جو نقصان پہنچایا ہے اسکی تلافی ناممکن ہے۔ اس سلسلہ میں پروفیسر علی مہدی خاں نے جو سطور حوالۂ قلم کی ہیں ملاحظہ ہو:۔

---

[۱] ملا محمود علی مہدی خاں۔

اگر آپ اسپین کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہاں کے مسلمانوں نے ایک بہت بڑی ذہنی جد وجہد کا مظاہرہ کیا اور علماء متقدمین اور متاخرین کی تصنیفات کو جو بنیادی علوم کی حامل تھیں مختلف مقامات سے حاصل کر کے تشنگانِ علم کو سیراب ہونے کا موقع دیا جسکے نتیجے میں اسپین کے جامعہ نے اویروز جیسے مفکر اعظم اور ابن خلدون جیسے مورخ پیدا کر دیے۔ اس کے بعد فاطمی سلطنت نے بقدر ہمت ایسے اداروں کی ہمت افزائی کی۔

اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ جونپور اسپین اور مصر کی طرح اپنی علمی ترقیوں کو منظر عام پر لا نہ سکا مگر مفکرین و حکما کی ایک کثیر تعداد پیدا کر دی جن کے تمام آثار و اخبار برباد ہو گئے۔ ان قدیم اور نادر کتابوں کا پتہ نہ رہا جو یہاں کے علمائے نے تصنیف کی تھیں۔ مگر ان علما کے عظیم الشان کارناموں اور شرقی دور کی عمارتوں نے جونپور کو چار چاند لگا دیا اور وہ عزت و شہرت بخشی جو رہتی دنیا تک یادگار رہیگی یہ بات ممکن تھی کہ اگر سکندر لودی کے حملے نے شرقی سلطنت کیساتھ یہاں کے علمی و تعمیری کارناموں کو تہس نہس کر دیا ہوتا تو شاید علمی ادارے یا علماء کسی نہ کسی صورت میں باقی رہتے۔

مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو آثار اخبار باقی رہ گئے تھے اسکو یہاں کے مسلمان باقی نہ رکھ سکے بلکہ خود اپنے ہی ہاتھوں انھیں برباد اور ویران کیا تو پھر کیونکر اس قسم کی تاویل درست اور قابل قبول ہو سکتی ہے۔ ناظرین اس کتاب میں علمائے صوفیہ۔ فقراء۔ شعراء۔ علماء مصنفوں اور خوش نویسوں کی ایک طویل فہرست اور ان کے حالات دیکھکر عبرت میں کھو جائیں گے۔ حالانکہ ان بزرگوں کی یہ تعداد شیراز ہند جونپور کی عظمت و شہرت کے لحاظ سے ناکافی ہے مگر جو کچھ ملا ہے وہ بہت

ہی تجسس و تحقیق عرق ریزی اور کوشش و کاوش سے حاصل کیا گیا ہے کہ مزید براں تقریباً ناممکن ہے۔

آبادی جونپور ۱۳۶۲ء سے لیکر مغلیہ سلطنت کے زوال تک تمام حالات و واقعات کو ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے اور خاصکر شرقی سلطنت کا نظم و نسق، تہذیب و تمدن، معدلت گستری۔ انسداد جرائم۔ بازار بھاؤ۔ سکے و تعمیرات اور علمی ترقیوں پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ جونپور کو جسقدر تفصیل سے پیش کیا گیا ہے اور ایک ایک واقعہ کی نشاندہی کیگئی ہے ناظرین کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ تاریخ نویسی کے بارے میں ہمیشہ جونپور پر بدقسمتی کے بادل چھائے رہے اور اختر تابندہ بدلیوں کے اوٹ اور تعصب کے پردوں میں روپوش رہا۔ حد ہوگئی کہ تغلق عہد سے لیکر مغل دور تک سیکڑوں تاریخ کی کتابیں لکھی گئیں جس میں اکثر و بیشتر جو شرقی دور کی تھیں سکندر لودی اور جونپور کی بار ہا تباہ کاریوں اور بربادیوں کی نذر ہوگئیں اسکے بعد کی کتابوں میں شمالی ہند کی سب سے بڑی شرقی سلطنت جو ایک صدی تک نہایت آب و تاب کے ساتھ قائم رہی۔ جس نے علم و فن کی پوری سرپرستی کی اسکو سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نظر انداز کر دیا گیا محض جستہ جستہ واقعات کتابوں میں ملتے ہیں۔ نظم و نسق، علم و فن، تمدن و معاشرت اور فوجی نظام سے قصداً گریز کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں جو پاپڑ بیلنا پڑیں اور مصیبتیں اٹھانی پڑیں ہیں اور مضامین کی فراہمی میں دربدر کی خاک چھاننی پڑی ہے اسکا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں۔ پھر بھی اس کتاب کا سیکڑوں نقوش و ہول اور غیر مطبوعہ اور نایاب مضامین کے ساتھ اس آب و تاب سے شایع ہونا محض تائید خداوندی اور امداد غیبی ہے۔ سید اقبال احمد ۲۰ر جولائی ۱۹۶۳ء

جونپور

(یہ نظم مولانا صفی لکھنوی نے جونپور میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۶ء میں خود پڑھی تھی۔ چونکہ جونپور سے متعلق اس سے بہتر کوئی نظم اب تک نہیں کہی گئی اسلئے ہم اس نظم کو جونپور کی تاریخ کا سرنامہ قرار دیکر سب سے پہلے درج کر کے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ اس نظم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے جونپور کی تاریخ کا غائر مطالعہ کرنیکے بعد یہ نظم لکھی ہے۔ مؤلف)

جونپور اے مولدِ سلطان عادل شیر شاہ تیرے آثار قدیمہ تیری عظمت کے گواہ
کہہ رہا ہے قلعۂ شاہی یہ باحالِ تباہ مدتوں تک ہند کی ہم بھی رہے ہیں تخت گاہ
ایک غافل قوم کی کھوئی ہوئی عظمت ہیں ہم
ہم سے عبرت کا سبق لو منظرِ عبرت ہیں ہم

جونپور ارباب علم و فضل کے دار السرور کہتے تھے "شیراز ہند" اکثر تجھے اہلِ شعور
تجھ میں تھے شاہانِ شرقی کے عمارات و قصور خود تری تاریخ آبادی ہے "شہر جونپور"
اب کہاں وہ بام و در سب ہو گئے زیر و زبر
نام تک میں ہے ترے رنگ تغیر کا اثر

اے محمد شاہ جونا کی مکمل یادگار کیا ہوئے وہ پھول جن سے اس چمن کی تھی بہار
آہ وہ تیرے مشاہیر انتخابِ روزگار تیری بستی جن کے غم میں آج تک ہے سوگوار
چل بسے یوں مدفنوں کا بھی نشاں ملتا نہیں
ایک یوسف! کارواں کا کارواں ملتا نہیں

اے زمینِ قلعہ وہ تیری سپاہیں کیا ہوئیں — افسرانِ پُر جگر کی وہ نگاہیں کیا ہوئیں
شہر میں مشہور تھیں جو درسگاہیں کیا ہوئیں — وہ مشائخ کیا ہوئے وہ خانقاہیں کیا ہوئیں
تھے اسی معمورے میں جو صاحبِ تاج و نگیں
شمع تک ان کی لحد پر اب کبھی جلتی نہیں

سوتے ہیں کنجِ لحد میں پاؤں پھیلائے ہوئے — کوئی تو کہہ دے زیارت کو ہیں لوگ آئے ہوئے
قلعہ میں مہماں پڑے ہیں چھاؤنی چھائے ہوئے — چپہ چپہ دیکھتے پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے
رو کے کہتے ہیں کہ اے خلوت نشینو السلام
السلام اے قبر کے عزلت گزینو السلام

وہ شمالی حصے میں اک پُر فضا بارہ دری — خوشنما فیروزشہ کے وقت کی صنعت گری
دیتی ہے رو کار سے یوں دادِ معنی گستری — میں نے دیکھے ہیں بہت سے دورِ چرخِ چنبری
دھس بتاتا ہے کہ چوٹوں سے بدن سب چور ہے
قلعہ کہتا ہے کنواں دل کا مرے ناسور ہے

قلعہ سنگیں بنا دکھلا رہا ہے شانِ طور — ہر جگہ ہے قدرتِ حق کے کرشموں کا ظہور
جب نگاہِ شوق کر جاتی ہے خندق سے عبور — بہہ رہی ہے گومتی پچھم کی جانب تھوڑی دور
آج تک جب اک ذرا چڑھتا ہے آبِ گومتی
قلعہ کے پابوس کو بڑھتا ہے آبِ گومتی

یہ حصارِ کہنہ مشہورِ زمانہ تھا کبھی — ان خرابوں میں جلالت کا خزانہ تھا کبھی
ہر نشیمن میں ہمارا آشیانہ تھا کبھی — دادگاہِ خلق اس کا آستانہ تھا کبھی
معدلت کے مشغلوں سے کب یہ خالی اب بھی ہے
صدر دروازے پہ دیکھو کوتوالی اب بھی ہے

وہ یہیں کے پھول تھے انکا یہی تھا خانہ باغ — سمجھے جاتے تھے ملک ہند میں روشن چراغ

قدرداں بھی پائے تھے ویسے ہی حاصل تھا فراغ　　ان چراغوں سے جلا کرتے تھے اور اکثر چراغ

کیا ہوئے وہ صوفیانِ پاک طینت کیا ہوئے

کیا ہوئے وہ خازنانِ علم و حکمت کیا ہوئے

یہ اثر خوش خلقیوں کا ہے انھیں کی ہمنشیں　　عطر ایسا پھول ایسے جو نہیں ہوتے کہیں

سیکڑوں ہی دفن اس خطے میں ہیں پریزیں　　خندہ رو و دل شگفتہ، نازک اندام و حسیں

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہو گئیں

وہ ترا پُل یادگارِ منعمانِ ماسبق　　دے رہا ہے ہم کو استقلال کا اب تک سبق

شہر کی ہستی کا سیلابوں نے گو الٹا ورق　　اس نے دکھلائی مگر شانِ ثباتِ راہِ حق

نقش عہدِ اکبر غازی ہے یہ جسر قدیم

کیوں نہ سمجھیں اہلِ دل اس کو صراط المستقیم

جونپور اے شاہدِ پہلو نشینِ گومتی　　خوب ہی تو نے کھنچی ہے آستینِ گومتی

لکھنؤ کے بعد او نقشِ نگینِ گومتی　　پڑتی ہے تجھ پر نگاہِ دوربینِ گومتی

کیوں محبت کو تری سمجھیں نہ فرضِ منصبی

ہم کو تیرے ساتھ ہے اک دعوئ ہم مشربی

منتخب دو سبزہ زاروں میں رواں اک آبجو　　بادہ کش دو، ایک کاسے میں زلالِ آرزو

ایک شفاف آئینہ دو مہوشوں کے روبرو　　دیکھیے نقشہ تو شہرِ جونپور و لکھنؤ

ایک دریا پر بسے ہیں شانِ ساحل ایک ہے

دل بظاہر ہیں جدا لیکن رگِ دل ایک ہے

شیرازِ ہند جونپور

آباد ہونے سے پہلے کا جونپور

شاہان تغلق اور شاہان شرقیہ کے عہد میں خصوصاً اور دوسرے زمانوں میں عموماً ہر لحاظ سے جونپور عظیم اہمیتوں کا مالک اور مشہور رہا ہے۔ فیروز شاہ تغلق سے پہلے یہاں باقاعدہ آبادی نہیں تھی اور نہ کسی حکومت کا پتہ چلتا ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ قدیم جونپور کے متعلق تاریخی کتب بھی خاموش ہیں۔ بعض تاریخوں سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ "رام چندر جی" کے زمانے میں یہاں کچھ رشی منی رہتے تھے۔ مہابھارت میں اسکا قدیم نام جم دگن پورہ ایک مشہور رشی "جمدگنی" کے نام پر تھا۔ اس رشی کی سکونت جمیٹھا تھی جو دریائے گومتی کے داہنے ساحل پر ظفرآباد اور جونپور کے درمیان واقع ہے اسی طور پر ایک رشی کا استھان کوٹھیا بیر پرانی بازار کے راستے میں داہنی طرف بتلایا جاتا ہے جہاں پر نشانی کے طور پر پتھر کا شکستہ چبوترہ اب بھی موجود ہے

۱؎ جمدگن رشی کے لڑکے پرسرام جی تھے جو رامچندر جی کے ہمعصر تھے۔ ترتیا جگ کے زمانہ میں برہمنوں اور چھتریوں میں بڑی لڑائیاں ہوئیں اسلئے کہ بہار کے راجہ ارجن نے جمدگن رشی کو قتل کر دیا تھا۔ بس اسی وقت سے دونوں قوموں کے درمیان خون خرابہ شروع ہو گیا۔ پرسرام جی بہت شجاع اور بہادر تھے چھتریوں کو نیست و نابود کرنے کی قسم کھائی تھی اور خود سپہ سالار ہو کر میدان جنگ میں اتر آئے اور چھتریوں کو ۲۱ مرتبہ شکست دی (تاریخ راج بنارس ص ۱۴)

کرار بیر بھی زمانہ قدیم میں یہاں رہتا تھا جس کا استھان قلعہ سے متصل پچھم طرف تھا۔ شکستہ مندر کے کھنڈر پر جدید تعمیر شدہ مندر اسوقت بھی موجود ہے۔ اسی طور پر ایک اور مورتی "اٹھ بھجی" دیوی کی محلہ رو ہٹہ میں ڈاکٹر کیدار ناتھ کے مکان کی تعمیر کے سلسلے میں کھدائی میں برآمد ہوئی ہے جسکے متعلق ماہرین اور مورخین کی رائے ہے کہ اس کا زمانہ آج سے ۴ سو سال پہلے کا ہے اور یہ وہی زمانہ تھا جب یہاں پر شرقی سلطنت تھی اور ابراہیم شاہ تخت نشین تھا۔ اس وقت اس قسم کے بہت سے چھوٹے چھوٹے مندر دریا کنارے تھے۔

اگر اس شہر کو عہد فیروز شاہ سے دیکھا جائے اور اسکی عظمت اور اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کیجائے تو تمام الجھن اور پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ قدیم جونپور کی تحقیق کیلئے ہمارے پاس نہ تو کوئی تاریخی سرمایہ ہے اور نہ یہ سرزمین کوئی تاریخی اہمیت رکھتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قدیم جونپور کی تحقیق سے کسی کو دلچسپی نہیں پیدا ہوئی اور جس نے کوشش کی وہ حقیقت سے دور جا پڑا۔

مسٹر آومنی بندیل کھنڈ کے کلکٹر نے یہاں کے کسی پتھر کی لکھاوٹ دیکھکر اس کا پرانا نام "یونا پورا" تجویز کر دیا۔ حالانکہ اس مقام کی کسی عمارت میں لگا ہوا کوئی پتھر جس پر کچھ تحریر ہو، یا اس مقام پر زمین کے نیچے سے برآمد ہوا ہو وہ قدامت پر دلیل نہیں بن سکتا اور خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ سیکڑوں برس گذرنے کے بعد اس پتھر کو پڑھنے کا موقع ملا ہو اور اسکی لکھاوٹ بھی کسی فن سے تعلق نہ رکھتی ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پتھر کسی گری ہوئی عمارت کا ملبہ رہا ہو اور وہاں سے لاکر لگا یا گیا ہو۔ یا سنگتراشوں اور معماروں نے اپنی طرف سے کچھ تحریر کر دیا ہو۔ غرضکہ کسی عمارت میں نصب شدہ پتھر کی لکھاوٹ کو ہر طریقہ سے دیکھنا اور اطمینان کرنا ہوگا ورنہ اس قسم کے بہت سے شکوک و شبہات ہیں جو اس

نوعیت کی تحقیق و ریسرچ کی تردید کرتے ہیں۔

جنرل کننگھم نے بھی لال دروازہ مسجد کے ایک پتھر کی بے تک لکھاوٹ دیکھکر جونپور کا چند نام تجویز کردیا چنانچہ موصوف اپنی شہرۂ آفاق رپورٹ میں لکھتے ہیں " یامونیا۔ یام پورا یا ایودھیم پورا جونپور کا پرانا نام تھا" حالانکہ لال دروازہ مسجد کے پتھر کی لکھاوٹ بالکل غیر فنی اور غیر مناسب جگہ پر ہے۔ اسکو دیکھنے کے بعد قطعی اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ اسکو کسی فنکار نے کھودا ہے۔ یا کسی راجہ و بادشاہ کے حکم سے یہ کام کیا گیا ہے۔ ان تحریروں پر مفصل بحث عمارت کے باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

گزیٹر جونپور کے مصنف نے ان تمام ناموں کی تاویل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تمام ناموں کا صحیح تلفظ ایودھیا پورہ ہوسکتا ہے کیونکہ رام چندر جی کے زمانے میں جونپور کا حاکم کرار بیر تھا جو ایک سرکش دیو تھا اور رامچندر جی نے اسکو قتل کیا تھا اسلئے ممکن ہے رام چندر جی کی فتح کے بعد لوگوں نے اس خطہ زمین کو ایودھیا پورہ پکارا ہو۔ اور قدامت کے سلسلہ میں یہ بھی تحقیق مشکل ہے کہ ایودھیا پورہ موجودہ جونپور کا نام تھا یا ظفرآباد کا کیونکہ جونپور گزیٹر کا مصنف لکھتا ہے " چونکہ ظفرآباد جونپور کا ایک حصہ ہے اسلئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ ظفرآباد قدیم ہے یا جونپور" [1]

عدم آبادی کے وجوہ

ہمیں کسی تاریخ اور مستند ذرائع سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا اور نہ ان ناموں کا نشان ملتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق سے قبل جونپور کی سرزمین پر کوئی باقاعدہ آبادی اور اس پر کسی کی حکومت تھی۔ اور ظفرآباد کی قدامت اور حکومت میں کسی قسم کے شبہہ

---

[1] کننگھم رپورٹ ۔ گزیٹر جونپور۔

کی گنجائش نہیں کیونکہ تمام مورخین لکھتے ہیں ظفرآباد بنام منہیچ گپتا بنسی راجاؤں کے زمانے سے آباد تھا اور حکومت کا آغاز راجہ بجے چند و جے چند راجہ قنوج کے[۵۱] زمانے سے ہوا ہے اور اسی خاندان کا راجہ سکیٹ سنگھ آخری حکمراں تھا۔ ظفرآباد کی قدیم آبادی و سلطنت اور جونپور کا فیروز شاہ تغلق کے زمانے سے آباد ہونا اور حکومت و سلطنت کے قائم ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مورخین محمود غزنوی و شہاب الدین غوری، قطب الدین ایبک اور ملک فضل وغیرہ کی آمد اور ظفرآباد پر حملہ راجہ مہپال و جے چند اور سکیٹ سنگھ کے مقابلہ میں لکھتے ہیں اور تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اول حضرت مخدوم آفتاب ہند اور حضرت مخدوم چراغ ہند ایک کثیر جماعت کے ساتھ بغرض اصلاح و تبلیغ ظفرآباد آئے اور شہزادہ ظفرخاں ان بزرگوں کی مدد کے لئے غیاث الدین تغلق کے حکم سے

---

۵۱ قنوج کو راجہ سورج نے گنگا کے کنارے آباد کیا۔ اور عظیم الشان دلکش جاذب نظر بتخانہ بنا کر اس میں چاندی سونے کے بت رکھے اور پرستش شروع کی۔ اس نے اودھ کے بجائے قنوج کو پایہ تخت قرار دیا اور یہاں تک اس شہر کو رونق دی کہ اسکی تعمیرات ۲۵ کوس تک پھیل گئی۔ اس نے ڈھائی سو سال حکومت کی ہے۔ یہ راجہ شاہ ایران کیقباد کا ہمعصر تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ قنوج بہت وسیع شہر تھا۔ یہاں پر ہزاروں جوہریوں اور عطاروں کی دوکانیں تھیں۔ چنانچہ مہلبی اپنے جغرافیہ عزیزی میں لکھتا ہے کہ قنوج ملتان سے دوسو بیاسی فرسخ ہے۔ راجہ کے پاس ڈھائی ہزار ہاتھی ہیں قدیم مینی مورخ جسکی ترتیب اسنے جزیرہ سسلی میں ۵۴۸ھ میں کی ہے لکھتا ہے کہ قنوج تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے اور اسکی وسعت پنجاب سے کشمیر تک ہے۔ ابوسعید مغربی سیاح لکھتا ہے کہ میں نے ۵۶۵ھ میں اپنے سفر کے دوران دیکھا کہ یہ شہر گنگا کے دونوں کنارے پر بہت خوبصورت آباد ہے۔

۴۴ تاریخ آئینہ اودھ مطبوعہ آگرہ۔ مرقع بنارس ص ۱۰۷

راجہ سکیٹ سنگھ کے خلاف دہلی سے ۷۲۱ھ میں ایک لشکر جرار لیکر آیا۔ اس سے ثابت ہے کہ ظفرآباد تغلقوں کے پہلے آباد تھا جس پر قنوج کے راجاؤں کی حکومت تھی علاوہ اسکے ملک فضل شہاب الدین غوری کا حملہ اور جامع مسجد ظفرآباد جو حقیقتاً شہزادہ ظفر کی بنوائی ہوئی ہے نیز حضرت مخدوم چراغ ہند کے گیٹ کا کتبہ اسکی آبادی و قدامت پر ناقابلِ تردید شہادت ہے[۵۱]

اگر اُس وقت ظفرآباد کی طرح جونپور بھی آباد ہوتا اور اسکی صورت بارونق شہر یا قصبہ کی ہوتی اور یہاں بھی ان راجاؤں کے محلات، قلعے، عظیم الشان منادر اور حکومت و سلطنت ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلم سلاطین اور مجاہدین ظفرآباد کے بعد یہاں تک نہ آتے جبکہ یہ لوگ ہزاروں میل کا سفر کرکے جونپور سے چند میل کے فاصلہ پر موجود تھے۔ البتہ رشی منی قدیم دریائے گومتی کے کنارے رہتے تھے۔ بعد کو ٹھاکر لوگ بھی آ آ کر آباد ہونے لگے جسکی تائید گزیٹیر جونپور سے بھی ہوتی ہے

جونپور میں مسلمانوں سے قبل رگھوبنسی[۵۲] خاندان کے کچھ ٹھاکر آباد تھے جو اجودھیا کے راجہ رام چندر جی سے اپنا سلسلہ نسب ظاہر کرتے ہیں۔ اسکے بعد بچگوتی لوگ آکر آباد ہوئے پھر قنوج کی حکومت کے زوال کے بعد درگ بنسی خاندان

---

۵۱ تجلیات العارفین قلمی۔ چراغ نور۔ گزٹیر جونپور۔ جغرافیہ دار السرور جونپور قلمی غیر مطبوع

۵۲ اجودھیا یا دوسرے مقامات سے ان ٹھاکروں کی آمد اور آباد ہونیکا اصلی سبب یہ ہے کہ راجہ بنار (بنارس) کے دو لڑکیاں تھیں، ایک لڑکی کی شادی دیوکنور پسر راجہ اجودھیا سے کی اور اسکو تعلقہ بنار (بنارس) جہیز میں دیدیا اسوجہ سے رگھوبنسی چھتری اجودھیا سے آکر بنارس اور اطراف میں آباد ہوئے۔ دوسری لڑکی درگ بنسی چھتری کے سردار گوتم رائے کو بیاہی گئی اور یہ لوگ اعظم گڑھ سے یہاں آئے۔ گوتم چھتریوں کا قبضہ منڈیاہوں (جونپور) میں رہا۔ (تاریخ راج بنارس ص ۴۷)

کے ٹھاکر بھی آکر آباد ہوئے۔ پھر پرتاب گڈھ سے بسین خاندان کے ٹھاکر بھی آکر آباد ہوگئے۔ منڈیاہوں کے بہاس ٹھاکر بھی اسی زمانے میں جونپور آکر آباد ہوئے جن کا سلسلہ نسب ظفرآباد کے راجہ مہیال سے ملتا ہے (گزیٹر جونپور)

بھروں کی آبادی اور حکومت

فیروز شاہ کے آباد کرنے کے قبل گو اس مقام پر بستی اور سادھو رہتے تھے اور وقتاً فوقتاً ٹھاکر بھی آکر آباد ہو رہے تھے مگر ان کی حکومت وسلطنت کا بالکل نام ونشان نہیں ملتا اور نہ اس مقام کی امتیازی صورت وحیثیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جونپور اور اسکے نواح بنارس ومرزاپور میں اُس وقت بھروں وسوئریوں کا بہت زور اور قبضہ تھا۔ گہروار راجپوتوں نے اپنی حکومت کے استحکام کے بعد ان قدیم باشندوں کو ان اطراف سے نکالنا شروع کیا مگر کامیابی نہ ہوسکی اور یہ لوگ قلعے بناکر حکومت کر رہے تھے۔ چنانچہ گزیٹر جونپور کا مصنف لکھتا ہے کہ:۔ [1]

"پہلے جونپور پر سوئری اور بھر قوم کی حکومت تھی۔ سوئریوں کا قلعہ چندوک میں تھا اور بنارس کی سرحد تک ان کا قبضہ تھا چندوک میں ابتک ایک بلند بھیٹا موجود ہے۔ بھر قوم جونپور میں کثرت سے موجود تھی جن کو آخر میں راجپوت اور مسلمانوں نے کمزور کردیا۔ بھروں کا مختلف مقامات پر باقاعدہ قبضہ تھا....
.... ان بھروں کے مختلف قلعے بھی تھے۔ ایک بڑا قلعہ

---

[1] گزیٹر جونپور۔ شرقی آرکی ٹیکچر ڈاکٹر فرہر۔ تاریخ ہند اسمتھ۔ ملا محمود۔

سلطان پور میں تھا۔ راجگان قنوج کے عہد میں چھوٹی چھوٹی قومیں خصوصاً بھر و مسہر اور سوئریوں نے جو سابق میں بندیل کھنڈ اور بنارس کے اطراف میں رہتی تھیں مرزا پور کے دکھنی حصوں اور اطراف و نواح میں اپنا قبضہ جمائے ہوئے تھیں۔ کچھ حصہ بنارس کا بھی قبضہ کر لیا تھا اور مختلف مقامات پر گڑھیاں اور کوٹ بنا کر حکمرانی شروع کر دی تھی۔[1]

یہ بات نہیں ہے کہ ان بھروں کا قبضہ محض مرزا پور اور جونپور میں تھا بلکہ بھدوہی میں یہ لوگ بہت کثرت سے آباد تھے۔ چنانچہ بھدوہی کی تحقیق کے متعلق پربھو پرتاپ گوری شنکر لکھتے ہیں کہ :۔

---

[1] بھروں کا ایک عظیم الشان قلعہ آریوں کی آمد سے قبل کا بدلا پور سے اُتر و پورب ۷ میل اور پنکھیا گھاٹ سے پورب و دکھن قریب ۲ میل پر گڑھا گوپالا پور میں ہے۔ یہ قلعہ تخمیناً سو فٹ بلند اور کافی وسیع تھا۔ اب محض بھیٹا کی صورت میں ہے۔ مگر جس وقت دریائے گومتی میں سیلاب عظیم آتا ہے اور اس پاس کے تمام مقامات زیر آب ہو جاتے ہیں۔ تو بارہ مواضعات کے لوگ اپنی جان بچانے کے لئے اس پر پناہ لیتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت ایک وسیع میدان کی شکل اور خود رو درختوں کی کثرت ہے۔ نشیبی حصے کو لوگوں نے کھیت بنا لیا ہے۔ یہ قلعہ اینٹ اور چونے کا بنا ہوا تھا۔ اس کی اینٹیں ڈیڑھ فٹ لمبی اور چھ انچ چوڑی سرخ رنگ کی ہیں۔ وہاں کے لوگوں نے اس کی اینٹوں کا استعمال کنوؤں اور اپنے مکانوں کی تعمیر میں کثرت سے کیا ہے (تحقیق از مولف)

"آج جس مقام کو بھدوہی کہتے ہیں جو بنارس کا ایک حصّہ ہے عہد قدیم میں وہ آنند بن کہلاتا تھا۔ سنکھن بن اور کنچن بن بھی اس کا نام تھا۔ جب یہ حصّہ بھر راج کے زیر حکومت تھا تو اس کا نام بھردوہی تھا یعنی بھروں کی دوہائی چنانچہ کاغذات سرکار انگلشیہ میں ۱۸۲۰ء کے قبل ٹپہ بھردوئی کے نام سے مشہور تھا۔ چونکہ بھر قوم میں بھیروجی کی پوجا ہوتی ہے اسی مناسبت سے اسکو بھدوہی کہتے ہیں۔ بھدوہی کی ابتدائی تاریخ میں جب اس نام سے موسوم تھا آنند بن بھی کہلاتا تھا۔ قوم مسہر و بھیل اس پر حکمران تھی جو ایک وحشی اور جنگلی قوم تھی۔" [۵۱]

اسی طور پر جونپور کے موجودہ قلعے کی جگہ قدیم میں بھروں کی کوٹھی اور اس کے آس پاس جنگل اور یہی انکی حکومت کا صدر مقام تھا۔ یہ محض اینٹوں کا بنایا گیا تھا۔ فیروزشاہ کے آباد کرتے وقت موجودہ قلعے کی شکل ایک بلند بھٹیے کی تھی جس کو صاف کراکر فیروزشاہ نے اینٹ و پتھر سے ایک عظیم الشان مستحکم اور باہیبت قلعہ تعمیر کرایا۔ بدلاپور۔ چندوک۔ مچھلی شہر اور قریات منڈھا میں بھی انکے قلعوں کوٹوں اور گڑھیوں کے نشانات ٹیکرے کے طور پر اب بھی موجود ہیں۔ بھروں اور مسہروں کی قوم تہذیب یافتہ نہ تھی اور نہ ان لوگوں کی آبادی و حکومت اس نوعیت کی تھی جیسی کہ راجاؤں اور بادشاہوں کی ہوتی ہے۔ یہ لوگ جنگلوں اور ویرانوں میں پھوس کے مکانات بناکر رہتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کو آج تک بن کے راجہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ [۵۲]

---

[۵۱] پربھو پرتاب گوری شنکر صفحہ ۴۰ تاریخ راج بنارس [۵۲] گزیٹر جونپور، شرقی آرکی ٹیکچر فوہرر

جونپور کے ناموں کی اصل حقیقت

جونپور کے عہد قدیم کے مختلف نام جو مورخین یونا پورا۔ یام پورا وسیند رپورا یا موہنا پورا۔ جوہن پورا۔ جمدگن پورا۔ ابو بھیم پورا لکھتے ہیں وہ اسی دور کی پیداوار ہیں جبکہ اس مقام پر بھروں کا قبضہ اور حکومت تھی۔ اور کہیں کہیں رشی منی بھی رہتے تھے۔ بعد کو ٹھاکر لوگ بھی آ آکر آباد ہو رہے تھے۔ یہ انکی آبادیوں کے بعض حصوں یا قوموں اور بزرگوں کے ناموں کی نشاندھی کرتے ہیں۔ بالکل اسی طور پر جیسے کہ بھدوہی کو بھردوئی آنند بن کنجن بن اور سنکھن بن کہتے تھے۔ جو ان کے بستیوں کے نام تھے جیسے آجکل موضعوں کے نام ہیں اور یہ تمام نام بھروں کے زمانے کی پیداوار ہیں۔

مسٹر واکر کی غلط بیانی

مسٹر اے۔سی واکر صاحب قدیم جونپور کی تحقیق اور حکومت کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"۱۰۱۹ء میں جب محمود غزنوی کا حملہ پورب میں جونپور و بنارس تک ہوا اس وقت یہ حصہ بھر قوم اور سوئریوں کے قبضہ میں تھا جب راجپوت شاہان قنوج کو مسلمانوں نے پسپا کیا تو انھوں نے باری باری ان کو نکال کر اپنی حکومت بارہ ۱۲، تیرہ ۱۳، چودہ ۱۴ صدی میں قائم کی لیکن اس میں بھی شاہان دہلی نے مداخلت کی کیونکہ محمد بن سام نے مقام منج تک جو متصل جونپور ہے۔ راجپوتوں کا خاص قلعہ تھا حملہ کیا اور بجے چند کے جانشین جے چند کو شکست دی لیکن اس نے صرف جے چند کے خزانے کو لیکر اکتفا کیا۔ اس مہم کے دوران میں بنارس کے بہت سے مندروں کو توڑا اور غالباً جونپور و ظفرآباد کے مندروں کو بھی نہیں چھوڑا (مساجد جونپور ص۳)

مسٹر واکر نے محمود کا حملہ ظفرآباد یا جونپور پر غلط لکھا ہے کسی بھی کتاب سے اسکی تائید نہیں ہوتی۔ اس غلطی کی اصل وجہ یہ ہے کہ قدیم مورخین نے محمود غزنوی کی آمد منہیچ تک لکھی ہے جو بالکل درست ہے لیکن مورخین مابعد نے منج کو منہیچ سمجھ لیا جو ظفرآباد کا قدیم نام تھا جبکہ یہ حصہ قنوج کے راجاؤنکے زیر حکومت تھا جسکی تفصیل یہ ہے:۔

ہندوستان پر محمود غزنوی کے حملے کے متعلق اختلاف ہے۔ طبقات اکبری نے بارہ[۱۲] حملے لکھے ہیں مگر ملا نظام الدین احمد نے سولہ[۱۶] حملوں کی تعداد بتائی ہے اور مسٹر الیسٹ صاحب نے سترہ[۱۷] حملے تبلائے ہیں۔

پہلا[۱] حملہ ۳۹۰ھ میں اس نے کیا اور مفتوحہ مقام پر اپنے عامل چھوڑ کر غزنی چلا گیا۔ دوسرا[۲] حملہ اس نے پشاور اور دسیتدر پر ۳۹۲ھ میں کیا۔ تیسرا[۳] حملہ اس نے بھیرا پر کیا جسکو بھاٹیا۔ بھٹیہ اور بھٹنا بھی کہتے ہیں جو ۳۹۵ھ میں ہوا۔ چوتھا[۴] حملہ ملتان پر ۳۹۶ھ میں ہوا پانچواں[۵] حملہ نواسہ شاہ کے خلاف ۳۹۸ھ میں کیا۔ چھٹا[۶] حملہ ۳۹۹ھ میں نگرکوٹ پر کیا۔ ساتواں[۷] حملہ نارائن پر ۴۰۰ھ میں کیا گیا۔ آٹھواں[۸] حملہ ملتان پر ۴۰۱ھ میں کیا۔ نواں[۹] حملہ نندرونہ پر ۴۰۴ھ میں ہوا۔ دسواں[۱۰] حملہ تھانیسر پر ۴۰۵ھ میں کیا گیارہواں[۱۱] حملہ لوہ کوٹ پر ۴۰۶ھ میں ہوا۔ بارہواں[۱۲] حملہ قنوج و متھرا پر کیا گیا جو ۴۰۹ھ میں تھا۔[لہ]

اس حملے کے متعلق تاریخ عتبی کا بیان ہے کہ:۔

"محمود نے ۱۴ رجب ۴۰۹ھ مطابق دسمبر ۱۰۱۸ء میں دریائے جمن کو عبور کیا اور شعبان یعنی جنوری ۱۰۱۹ء میں وہ قنوج پہنچا اور اسکے

لہ فرشتہ۔ عتبی۔ روضۃ الصفا۔ الفنسٹن کی تاریخ ہند۔ محمد قاسم سے بابر تک

سات قلعے فتح کیے جن کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ اسکے
بعد وہ منج گیا جو دریائے پانڈو پر کانپور سے دس میل جنوب
کی طرف واقع ہے جس کا قدیم نام سنجھاون یا منجھاون تھا۔
یہ جگہ قنوجی برہمنوں کا صدر مقام تھا۔ یہاں سے فراغت کے بعد وہ
چندل بھور کے قلعے پر پہنچا۔"

اس سلسلہ میں محمود کا جو راستہ متعین کیا گیا ہے اس میں بھی آپس میں مورخین میں سخت اختلافات ہیں۔ بعض مورخین نے متھرا۔ مہابن اور بلند شہر پر حملہ پہلے قرار دیا ہے اور بعض نے قنوج کے حملے کے بعد متھرا وغیرہ کا ذکر کیا ہے مگر صحیح یہی ہے کہ وہ پہلے متھرا وغیرہ فتح کرتا ہوا تب قنوج گیا [۱]۔

اب ناظرین غور فرمائیں کہ منج یا اکثر نسخوں میں منیج لکھا ہے کتنی بڑی غلطی پیدا ہو گئی کہ مورخین مابعد نے اس کو منہیچ پڑھ لیا ہے جو ظفر آباد کا قدیم نام تھا حالانکہ منج کانپور سے دس میل جنوب میں قنوجی برہمنوں کا صدر مقام تھا۔

ان قدیم تاریخوں سے منج اور منہیچ کا فرق قطعی طور سے واضح ہو گیا اسلئے یہ بات بالکل درست ہے کہ محمود منہیچ یعنی ظفر آباد تک قطعی نہیں آیا تو پھر جونپور آنیکا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

شہاب الدین غوری کے لئے مسٹر اے۔ سی واکر صاحب کا یہ کہنا کہ اس نے ظفر آباد کے بعد جونپور کے مندروں کو بھی توڑا حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ظفر آباد کے بعد جونپور میں آمد کا ذکر کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا اور باوجود چھان بین تلاش و تحقیق کے اس بات کا پتہ نہیں چلا کہ یہاں پر

---

[۱] عتبی۔ روضۃ الصفا۔ محمد قاسم سے بابر تک صفحہ ۱۳۲-۱۳۰۔

مندر تھے بھی یا نہیں۔ البتہ ظفر آباد میں جے چند وغیرہ کے منادر، محل اور قلعے تھے اور وہاں کے حملے کے سلسلے میں توڑ پھوڑ کے واقعات درست ہیں۔

بودھوں اور برہمنوں کے زمانہ میں مندروں کی مسماری

بودھوں کے عروج کے زمانہ میں بنارس جونپور اور اس کے اطراف میں کثرت سے ان کی خانقاہیں اور منادر تھے جیسا کہ بھاسکر نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جونپور میں بودھ مت کے لوگ آباد تھے اور اس وقت ویدک دھرم بالکل ہی دب گیا تھا اور ہندوستان کے ہر حصے میں بودھی چھائے ہوئے تھے۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہو سکتی ہے کہ اس دور میں اس جگہ بھی انکی خانقاہیں اور منادر رہے ہوں جسکو آچاریہ شنکر اور دیانندجی کے زمانے میں وید مذہب کی اشاعت کے سلسلے میں مسمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بودھوں کی عمارتوں کے توڑ پھوڑ کے بارے میں تاریخ کے اوراق لبریز ہیں۔ چنانچہ ساتویں صدی میں برہمن بودھوں کی سلطنت مٹا کر اپنی حکومتیں قائم کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ بنارس متھرا، اسکے نواح اور دوسرے جن جن مقامات پر مندروں کو بودھوں نے اپنے دور میں توڑ کر خانقاہیں بنالی ہیں اُن پر پھر قبضہ ہو کر دوبارہ بت پرستی جاری ہو جاوے۔ مگر چونکہ راجہ مہاراجہ سب ہی بودھ مذہب کے پیرو تھے اس لئے دم مارنے کی جگہ نہ تھی اور اسی حکومت کی سرپرستی ہونیکی وجہ سے بدھ مذہب بارہ سو سال تک ہندوستان میں رائج رہا۔ کہاں یہ جماعت ابتدائی دور میں خاموشی کے ساتھ کسی باغ اور ویرانے میں مقیم ہوتی تھی اور اب یہ شکل تھی کہ بھکشو بال اور ناخن بڑھائے۔ کھوپڑی کا ہار پہنے ہوئے دربدر گداگری کرتے تھے۔ جب برہمنوں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اپنی کمینگاہوں سے

نکل کر بودھ مذہب اور ان کی خانقاہوں پر حملے شروع کردیئے[51]۔ بودھوں کے استیصال کے لئے جو وسائل برہمنوں نے اختیار کیا اسکے متعلق راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند لکھتے ہیں کہ:۔

"سوامی شنکر آچاریہ نے غیر مذہب والوں کو خوب درست کیا۔ جو بدھ مذہب کے پجاری تھے سب ہندوستان سے نکالے گئے یا وید کے پیرو بنائے گئے۔ بدھوں کے سب وِہار اور اسٹوپ توڑ ڈالے گئے اور جلا دیئے گئے۔ انکی جگہ شیوجی کی مورت قائم ہوئی۔ اور یہ مظالم محض بنارس الہ آباد اور قنوج تک محدود نہ تھے بلکہ سب جگہ ایسا کیا گیا یہاں تک کہ کشمیر سے لے کر راس کماری تک پھر برہمنوں کی پوجا ہونے لگی۔ بنارس وغیرہ میں خانقاہیں برباد کی گئیں۔ سارناتھ۔ قنوج اور الہ آباد میں بدھوں کے مندر و ستون منہدم کئے گئے۔ ان تمام وسائل اور ذرائع کو استعمال کرنے کے بعد برہمن اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی واپسی کے خواب دیکھنے لگے"[52]

اس طور پر ننگر ہار و قیرات میں جو جلال آباد اور پشاور کے درمیان واقع ہے کثرت سے بودھوں کے مسمار معابد پائے جاتے ہیں۔ طبقات اکبری کا مصنف لکھتا ہے کہ "وہاں میوے کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ سردی زائد ہے اور لوگ

---

۵۱ مرقع بنارس ص۶۳

۵۲ آئینہ تاریخ عباس ص۹۰-۹۱ و مرقع بنارس ص۹۰-۹۱ قوموں کا عروج و زوال تاریخ ہند لالہ لاجپت رائے حصہ اول۔ جونپور کا اتہاس از بھاسکر۔

شیر کی پرستش کرتے تھے۔ شیر کی پرستش سے مراد بودھ کی پرستش ہے کیونکہ اسے ساکیہ سینھ کہتے تھے اور سنِھ یا سنگھ کے معنی شیر کے ہیں"۔[۱]

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات زیادہ قرین قیاس اور درست ہے کہ فیروز شاہ کے آباد کرتے وقت یہ مقام بودھوں کے زمانے کا لٹا پٹا اور اجڑا ہوا شہر تھا جس میں ان کے قدیم عمارتوں کے ملبے اور کھنڈرات موجود تھے جن پر بھروں کا قبضہ تھا۔ اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہاں پر ہاتھی اور شیر کا ایک عظیم مجسمہ شیر کی مسجد کے سامنے پورب طرف نصب ہے جو اس بات کی شہادت ہے کہ بودھوں کے فتح اور عروج کے زمانے میں یہاں کسی عمارت کے صدر گیٹ پر نصب تھا۔ ہاتھی کو نیچے اور شیر کو اوپر تراش کر بطور نشان فتح کے نصب کرا دیا تھا۔

یہ بات درست ہے کہ فیروز شاہ نے قلعہ کی تعمیر اور بعد کو شرقی بادشاہوں نے اپنے محلات اور عظیم الشان مسجدوں میں بنارس و ظفر آباد اور یہاں کی عمارتوں کے پڑے ہوئے کچھ ملبے استعمال کئے اور کافی پتھر چنار و مرزا پور کی پہاڑی سے بھی ان عمارتوں میں لاکر لگائے گئے۔ اگر ان عمارتوں کو بغور دیکھا جائے تو اسکے اندر لگے ہوئے کچھ پتھر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کسی دوسری عمارت کے ہیں جن کو اس میں لاکر لگایا گیا ہے اور وہ یقیناً مندروں یا بودھوں کی خانقاہوں اور اسٹوپ کے ہوں گے جیسا کہ بعد کو شرقیوں کی عمارتوں کے ملبے سے یہاں کے پل اور دوسری عمارتیں تعمیر کی گئیں جس کو سکندر لودی نے گرایا تھا۔

---

[۱] طبقات اکبری محمد قاسم سے بابر تک ص ۱۳۷

جونپور کی آبادی اور سلطنت کی بنیاد

اس شہر کو فیروز شاہ تغلق نے اپنے مربی آقا اور چچازاد بھائی محمد[1] بن تغلق عرف جوناشاہ کے نام پر سنہ ۱۳۶۱ء میں دریائے گومتی کے شمالی کنارے پر زمین ہموار قابل آبادی دیکھکر آباد کیا اور اس کا نام جوناپور جو بعد کو کثرت استعمال سے جون پور ہوگیا - فیروز شاہ ایک لائق متدین اور دوراندیش بادشاہ تھا۔ اس نے اس سرزمین پر نامور علما فضلا اور صوفیہ کو لاکر بسایا - انکے

---

[1] شیراز ہند جونپور محمد بن تغلق کے نام پر آباد کیا گیا جو اپنے باپ غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد سنہ ۷۲۵ھ مطابق سنہ ۱۳۲۵ء میں تخت نشین ہوا - یہ بادشاہ شیریں بیان اور فصیح اللسان تھا۔ اسکو علوم ظاہری میں اعلیٰ درک اور کمال حاصل تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ فی البدیہہ عربی و فارسی میں ایسے مراسلات لکھتا تھا کہ بڑے بڑے اہل کمال متحیر ہوجاتے تھے۔ یہ بادشاہ زبردست قیافہ شناس تھا۔ اسکو فن تاریخ میں بھی ایسی مہارت حاصل تھی کہ اسکے روبرو لوگوں کو گفتگو کی مجال نہ تھی ۔ حکمت و نجوم ۔ علم ریاضی منطق و فلسفہ میں کمال رکھتا تھا۔ شعر و شاعری سے بھی کافی لگاؤ اور تعلق تھا۔ اس نے شراب کبھی نہیں پی ۔ بیوہ ۔ غریب اور محتاجوں کی ضرورتوں کا خاص خیال رکھتا تھا۔ اسکے حسن سلوک علم دوستی اور قدردانی کا یہ عالم تھا کہ دربار میں مصر و عرب خراسان و فارس اور شیراز کے اہل کمال کھنچے چلے آرہے تھے ۔ بادشاہ کے دسترخوان پر فقہا علما یا قضاۃ و مشائخ ہوتے جن کی تعداد دو سو ۲۰۰ تھی ۔ اسکے علاوہ بادشاہ کے دسترخوان پر پانسو ۵۰۰ امرا کھانے میں شریک ہوتے اور بارہ سو ۱۲۰۰ مغنی ہر وقت حاضر رہتے۔ اس میں ان ایک ہزار مغنی کی تعداد شامل نہیں ہے جو موسیقی کی تعلیم کے لئے قصر شاہی کے اندر رہتے تھے ایک ہزار شاعر بھی دربار سے متعلق تھے ان میں بعض کو بڑی جاگیریں مقرر تھیں اور بعض

لئے مسجدیں خانقاہیں اور مدرسے تعمیر کئے گئے اور بڑی بڑی جاگیریں دی گئیں۔ جب اسکے جود وسخا عطا وبخشش اور علم دوستی کا شہرہ ممالک اسلامیہ میں پہونچا تو ہر فن کے اہل کمال نے اس شہر کو اپنا مسکن بنایا اور چاروں طرف علم کا دریا بہ کر دوسرے ملکوں اور شہروں کو سیراب کرنے لگا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اس نئے شہر کی بنیاد ہندوؤں یا بودھ دور کے کھنڈروں پر رکھی گئی تھی جسپر بھر دمشہر اور دوسری قومیں قابض تھیں۔

جون پور اپنے جائے وقوع کے لحاظ سے بنگال پر حملہ کے لئے قلعہ تھا۔ اور حکومت دہلی کے لئے ہمیشہ سپر کا کام دیتا رہا۔ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ **خواجہ جہاں ملک سرور** نے اسے سلطنت شرقیہ کا پایہ تخت قرار دیا۔ اور اس خاندان نے ایک صدی تک حکومت کی اور ان ہی خصوصیات

(بقیہ ص ۳۹) نقد تنخواہ بیس ہزار سے چالیس ہزار تنکہ تک پاتے تھے۔ اسکی داد ودہش کا یہ عالم تھا کہ تاتار خاں والی سنار گاؤں کو جب بہرام کا خطاب دیا تو اسکے ساتھ ایک ہی دن میں ایکسو ہاتھی، ہزار گھوڑے اور ایک کروڑ تنکہ سرخ (اشرفی) بھی مرحمت فرمائی۔ ملک سنجر بدخشانی کو ۸۰ لاکھ تنکہ۔ ملک عماد الدین کو ۷۰ لاکھ تنکہ اور مولانا ظفر الدین اپنے استاد پیر ومرشد کو ۴۰ لاکھ تنکہ ایک روز میں دیا۔ اسی طور پر مولانا ناصر الدین اور ملک غازی کو جو ایک فاضل شاعر تھا ایک لاکھ تنکہ انعام دیدیا۔

اس بادشاہ نے علما فقرا اور شعرا کی جتنی قدر ومنزلت کی ہے اس دور میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ تعجب ہے کہ ان اعلیٰ صلاحیت علم ودانش اور سخاوت وفیاضی کے باوجود بعض مورخین اس کو نااہل قرار دیتے ہیں حالانکہ مشہور مورخ لین پول نے بڑی تعریف کی ہے۔

کی بنا پر اکبر اعظم نے جونپور کو بہت ترقی دی اور اس کا نام سرکار جونپور رکھا۔ الہ آباد کے قلعہ کے تعمیر ہونے کے بعد یہاں سے حکومت منتقل ہوئی[1]۔

مُلّا محمد اصفہانی اس وقت کے عروج کا نقشہ کھینچتے ہیں :۔

"ہندوستان کے تمام صوبوں کے اہل کمال اور صاحبِ علم بھرے پڑے تھے۔ خصوصاً صوبہ جات اودھ و الہ آباد کے۔ جہاں پر شہر اور گاؤں میں مدرسوں، خانقاہوں اور کارخانوں کی کثرت تھی طالبانِ علم و فن دور دراز سے آکر سیراب ہوتے جونپور الہ آباد کے نواح میں ہے جسکو فیروز شاہ تغلق نے آباد کیا تھا[2]۔"

ظفر آباد جو جونپور سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے اس کا ستارہ بہت عروج پر تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانے میں شاہزادہ ظفر وہاں کا حاکم تھا۔ اور غیاث الدین کی ایک لڑکی کی شادی حضرت مخدوم چراغ ہند قدس سرہٗ سے ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت مخدوم آفتاب ہند رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مخدوم چراغ ہند قدس سرہٗ و حضرت مخدوم ملا قیام الدین رحمۃ اللہ علیہ اور ملا بہرام منطقی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگان دین کے فیض اور کمال کے چرچے پورے ملک میں تھے۔ فیروز شاہ کو بھی ان بزرگوں سے عقیدت اور محبت تھی خود بھی حاضر ہوتا۔ اور دیگر امراء و شہنشاہ اور طالبانِ علم و فن

---

[1] جونپور نامہ قلمی۔ موج کوثر۔ تاریخ ہفت اقلیم قلمی۔ تجلی نور قلمی حصہ سوم۔ بھارت کا اتہاس۔ گزٹیر جونپور

[2] سیر الملوک ملا اصفہانی

دور دراز سے آتے اور حاضری دینا سعادت دارین سمجھتے تھے۔ [1]

سنہ ۷۵۲ھ میں فیروز شاہ محمد بن تغلق کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا چونکہ حاجی الیاس فرمانروائے بنگال نے بغاوت اور شر و فساد برپا کیا تھا اسکو فرو کرنے کے لیئے فیروز شاہ سنہ ۷۵۴ھ مطابق سنہ ۱۳۵۲ء میں بنگال کی طرف گیا اور گیارہ مہینے تک واپس نہیں آیا۔ اس مہم میں اسکو کامیابی حاصل ہوئی اور حاجی الیاس کو شکست دیکر قلعہ پنڈوہ میں قید کر دیا۔ اس لڑائی میں ایک لاکھ اسی ہزار بنگالی افواج قتل ہوئیں۔ چونکہ اس کو بنگال کی آب و ہوا راس نہ آئی اس لیئے وہ ظفرآباد ہوتا ہوا دہلی واپس گیا۔

کچھ دنوں کے بعد حاجی الیاس کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا شمس الدین سکندر جانشین ہوا۔ سنہ ۷۶۰ھ مطابق سنہ ۱۳۶۰ء میں وہ پھر شمس الدین سکندر کی سرکوبی کے لیئے بنگال گیا۔ اس مہم میں ستر ہزار سوار اور بیشمار پیدل فوج ساتھ تھی چار سو ستر ہاتھی بھی ہمراہ تھے لیکن اس مہم کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح ہو گئی۔ واپسی میں پدماوتی، چھوٹا ناگپور کے جنگل میں شکار کھیلتا ہوا پھر ظفرآباد حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ اور حضرت مخدوم چراغ ہندؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ برسات کا موسم تھا اس لیئے برسوں قیام کرنا پڑا۔ دوران قیام میں فیروز شاہ ایک روز سیر و تفریح کی غرض سے دریا کے شمالی کنارے پر آیا اسکو اس جگہ کا منظر بیحد پسند آیا جہاں سے دریائے گومتی کو سڑک کراس کر کے جاتی ہے [2]

---

[1] چراغ نور۔ تجلیات العارفین قلمی۔ جغرافیہ جونپور۔ جونپور نامہ۔ تاریخ فرشتہ وغیرہ

[2] تاریخ فرشتہ۔ سراج عفیف۔ جونپور نامہ۔ محمد قاسم سے بابر تک۔ گزیٹیر جونپور

فیروز شاہ[لہ] کے دماغ میں وہیں ایک شہر آباد کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے ماہرین کے ذریعے جتنے رقبے میں شہر آباد کرنا تھا اس کا پورا جائزہ لیا اور بچشم خود دیکھا کہ شہر کے لحاظ سے قلعے کی تعمیر کہاں مناسب ہوگی۔ اسکے بعد اراکین سلطنت کے مشورے کے بعد دریائے گومتی کے شمالی کنارے پر شہر کی بنیاد رکھی گئی اور کرار بیر کے کھنڈر سے متصل قدیم بھروں کی کوٹ پر جس کی

لہ فیروز تغلق کے باپ کا نام رجب تھا۔ یہ دو بھائی تھے ایک کا نام غیاث الدین اور دوسرے کا ابوبکر تھا۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں تینوں بھائی خراسان سے دہلی آئے۔ غیاث الدین تغلق ملازمت شاہی میں داخل ہو کر رفتہ رفتہ ترقی کر کے دیپل کے گورنر مقرر ہوئے اور باقی دونوں بھائی بھی بلند عہدے پر سرفراز ہوئے۔ غیاث الدین کی دلی خواہش تھی کہ وہ رجب کی شادی کسی راجہ کی لڑکی سے کرے۔ اسی درمیان میں اُسے پتہ چلا کہ رانا س بھٹی کی لڑکی حسین و جمیل ہے۔ غیاث الدین نے رجب کی شادی کا پیغام راجہ کو دیا۔ پہلے راجہ نے انکار کیا مگر بعد کو راضی ہو گیا۔ شادی کے چند سال بعد فیروز تغلق پیدا ہوا۔ غیاث الدین نے اسکی پیدائش کا بڑا جشن منایا۔ فیروز ابھی سات سال کا تھا کہ رجب مر گیا۔ غیاث الدین نے اسکی پرورش اپنے بیٹے کی طرح کی۔ ابھی فیروز چودہ سال کا تھا کہ غیاث الدین کا بھی انتقال ہو گیا اور محمد تغلق شاہ تخت نشین ہوا۔ محمد تغلق کسی وقت فیروز تغلق کو اپنے پاس سے جدا کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔ اپنی نگرانی میں آئین فرمانروائی کی پوری تعلیم دلوائی۔ تمام نشیب و فراز سے آگاہ و باخبر کیا اور اسکو نائب باربک کا خطاب دیکر بارہ ہزار سوار اسکی ماتحتی میں کر دیے۔ پورے چھبیس سال اپنی نگرانی میں رکھکر اسکے حسن خدمات اعلیٰ قابلیت وصلاحیت کی بنا پر تخت نشینی کی وصیت کر گیا (شمس سراج عفیف۔ محمد قاسم سے بابر تک)

شکل ایک مٹی کے بلند بھیٹے کی تھی، ایک سنگین اور باہیبت قلعہ تعمیر کرایا جو آجتک **قلعۂ فیروزشاہ** کے نام سے موجود و مشہور ہے۔ قلعہ و شہر کی بنیاد ایک ساتھ عمل میں آئی۔ گمان غالب یہ ہے کہ قلعہ و شہر کا آغاز و اختتام سنہ ۱۳۶۲ء لغایتہ سنہ ۱۳۶۴ء تک ہو گیا ہو گا۔[1]

غرضکہ ایک قلیل مدت میں قلعہ کی تعمیر اور شہر آباد کیا گیا۔ بازار نفیس اور عمدہ مکانات تعمیر ہو گئے اور ہر طرح شہر کو رونق دی گئی۔ قلعہ کی تعمیر اور شہر آباد کرنے کے لئے دہلی اور دولت آباد سے بہترین معمار و صناع بلائے گئے اور تھوڑے عرصہ میں جونپور عظیم شہرت و عظمت کا مالک ہو گیا۔ جو علماء و فضلا باہر سے لاکر آباد کئے گئے ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے نام سے ایک ایک محلہ آباد کریں۔ چنانچہ جونپور کا سب سے قدیم محلہ فیروز شہ پور ہے۔ اسی رواج اور قاعدے کے مطابق شرقی اور مغل دور میں بھی بزرگوں، گورنروں، صوبہ داروں نے اپنے اپنے نام سے کافی محلے آباد کئے جو آج بھی اسی نام سے پکارے جاتے ہیں اور کاغذات سرکار میں درج ہیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ فیروزشاہ[2] کے زمانے ہی میں جونپور کو اس درجہ ترقی ہو گئی کہ شہر کے حدود چار کوس تک پھیلے ہوئے تھے (جونپور کا جغرافیہ قلمی)

---

[1] جونپور نامہ خیرالدین۔ جغرافیہ جونپور۔ گزیٹر جونپور۔ جونپور نامہ قلمی۔ تاریخ فرشتہ

[2] فیروزشاہ کو تعمیرات کا بیحد شوق تھا اور آثار قدیمہ کی طرف توجہ کرنے اور محفوظ کرنے کا فخر اور سہرا اسی بادشاہ کو حاصل رہا۔ تفصیل ذیل سے اس بات کا اندازہ ہو گا کہ فیروزشاہ نے اپنے آباد کردہ شہر جونپور کی تعمیر اور ترقی اور رونق دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہوگی۔ فتح آباد اور حصار فیروزہ کے علاوہ اس نے

سنہ آبادی میں اختلاف اس بات میں اختلاف ہے کہ جونپور کب آباد ہوا؟ اس کے متعلق کئی ایک روایتیں ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

(۱) جہاں آرا لکھتے ہیں کہ اس شہر کی آبادی سنہ ۷۶۰ھ میں ہوئی جب فیروز شاہ بنگال کی فوج کشی کے بعد واپس آیا اور ظفر آباد میں قیام کیا۔

(۲) مولوی خیر الدین صاحب اٹھارہویں صدی کے مصنف فارسی جونپور نامہ میں

(بقیہ صہ ۴۴) حسب ذیل شہر آباد و تعمیر کئے۔ فیروز آباد۔ ہاتی کھیڑہ۔ تغلق پورہ۔ ملک کوٹ اور جونپور۔ اس نے محلات بھی کثرت سے تعمیر کرائے جنہیں فیروز کوشک۔ نزولی کوشک۔ منڈواری کوشک۔ حصار فیروز کوشک فتح آباد۔ کوشک جونپور جو غالباً فیروز شاہ پور جو یہاں قلعہ سے اُتر ایک محلہ ہے، تھا۔ کوشک شکارا۔ کوشک بند۔ کوشک ساموره خاص شہرت کے مالک ہیں۔ اس نے پانی کے بند بھی کثرت سے بنوائے اس میں بند فتح خاں۔ بند ماکیجا بند مہپال پور۔ بند شکر خاں۔ بند سالورہ اور وزیر آباد بہت مشہور ہیں۔ دہلی۔ فیروز آباد اور جونپور سب ملا کر اس نے ایک سو بیس خانقاہیں تعمیر کرائیں جو طالبان علم سے بھری رہتی تھیں اور غربا مساکین کو کھانا ملتا تھا۔ اسکے زمانہ میں ملک غازی شحنہ وزیر تعمیرات تھا جو اپنے فن میں بڑا ماہر تھا۔ جونپور کا قلعہ اور اندرونی مسجد اسی کے زیر نگرانی تعمیر ہوئی۔ اور مسجد اٹالہ کی بنیاد بھی اسی کے مرتب کردہ نقشے کے مطابق سنہ ۱۳۶۵ء میں رکھی گئی تھی۔ اس دور میں جذب تراشوں، سنگ تراشوں۔ آہنگروں اور معماروں کی ایک ماہر جماعت ہر وقت موجود رہتی تھی۔ فیروز شاہ نے آثار قدیمہ کی حفاظت کا وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے جس کی تاریخ میں نظیر نہیں اس نے اس کام کو اپنی جدید تعمیرات پر ترجیح دی چنانچہ اس نے گذشتہ گورنروں شہنشاہوں اور اولیاء اللہ کے مزارات سرائیں نہریں مسجدیں اور محلات از سر نو مرمت کرا کے

لکھتے ہیں کہ ۷۶۱ھ میں فیروز شاہ نے بنگال کی واپسی پر اس کی بنیاد رکھی اور قاعدۂ ابجد سے اسکی تاریخ ۷۷۲ھ تجویز کیا جو یقیناً آغاز نہیں انجام اور تکملہ کی تاریخ ہوگی۔

(۳) تاریخ محمدی کے مصنف نے ۷۷۵ھ پر زور دیا ہے۔

(۴) ملا محمد اصفہانی نے سیر الملوک میں ۷۷۲ھ لکھا ہے۔

(۵) ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے "بھارت کے اتہاس" میں ۱۳۵۹-۶۰ء تجویز کیا ہے

(۶) ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب نے تاریخی جائزے میں ۱۳۵۹-۶۰ء پر زور دیا ہے

(۷) جغرافیہ جونپور کے مصنف نے ۷۷۲ھ لکھا ہے۔

ان اختلافات کے پیش نظر کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لئے دوسرے واقعات وحالات کا پتہ لگانا ہوگا کہ فیروز شاہ نے اس شہر کی بنیاد رکھنے کے بعد کب کون کام انجام دیا ہے اور ان واقعات کی روشنی میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ۷۷۲ھ و ۷۷۵ھ دونوں غلط ہیں۔ اگر ۷۷۲ھ صحیح ہے تو اس صورت میں کہ یہ اسکے انجام کی تاریخ ہوگی۔ کیونکہ ۷۶۵ھ میں فیروز تغلق نے مسجد اٹالہ کی بنیاد رکھی اس لئے آغاز ۷۷۲ھ میں تسلیم کیا جائے تو اس لحاظ سے فیروز تغلق کی جونپور میں آمد اور موجود ہونا سات برس اور دس برس پہلے معلوم ہوتا ہے مگر دوسرے ذرائع سے بھی اسکی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً ظفرآباد وہ دوبارہ آیا ۷۶۱ھ و ۷۶۲ھ میں اور اس نے ظفرآباد کا نام شہر انور رکھا جس کا سنہ از روئے ابجد ۷۶۲ھ ہوتا ہے۔ مگر اس واقعہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ۷۶۱ھ کی برسات

(بقیہ ص ۴۵) نقش ونگار کو درست کرایا ہے۔ (فتوحات فیروز شاہی۔ شرقی منومنٹ شمس سراج عفیف۔ محمد قاسم سے بابر تک ص ۳۷-۲۹)

کے بعد اڑیسہ کے مقام جاج نگر چلا گیا تھا اور سنہ ۷۶۴ھ تک واپس نہیں آیا اسلئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ ظفرآباد ہوتا ہوا سنہ ۷۶۳ھ میں گیا ہو اور اسی درمیان میں بنیاد قائم کی ہو۔ لیس سنہ ۷۵۹ھ و سنہ ۷۶۰ھ اس لئے غلط ہی کہ فیروز شاہ اندنوں حاجی الیاس اور شمس الدین سکندر کی سرکوبی کے لئے بنگال کی طرف گیا تھا۔ سنہ ۷۶۱ھ کے ایام برسات میں واپس آیا۔ چونکہ حضرت مخدوم چراغ ہند کو اسکی چچازاد بہن غیاث الدین تغلق کی لڑکی منسوب تھی اس لئے ظفرآباد ان کے آستانہ پر قیام کیا۔ سنہ ۷۷۲ھ و سنہ ۷۷۵ھ اس لئے غلط ہے کہ فیروز شاہ نے اٹالہ مسجد[۵۱] کی بنیاد سنہ ۷۶۵ھ میں رکھی تھی۔ ظاہر ہے کہ جونپور شہر کے آباد ہونے علما فضلا افواج کثیرہ کے قیام اور کثرت آبادی کے بعد ہی اتنی عظیم الشان مسجد کی ضرورت پڑی ہوگی اس لئے درست یہی ہے کہ جونپور کی آبادی کا آغاز و اختتام سنہ ۷۶۳ھ لغایت سنہ ۷۶۴ھ یا زیادہ سے زیادہ سنہ ۷۷۲ھ جیسا کہ از روے قاعدہ ابجد شہر جونپور کی تاریخ سنہ ۷۷۲ھ نکلتی ہے جو یقیناً اسکے اختتام کی تاریخ ہوگی ہو گیا ہو گا[۵۲]

---

۵۱ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فیروز شاہ نے سنہ ۷۶۵ھ میں اسکی بنیاد رکھی تھی تو پھر اتنے عرصہ تک تعمیر کیوں رکی رہی اور ابراہیم شاہ شرقی کے دور میں سنہ ۸۰۸ھ میں کیوں تمام ہوئی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ خواجہ جہاں اور خان جہاں اور فتح خاں کے انتقال کے صدمات نے فیروز شاہ کی کمر توڑ دی اور اسکے جانشینوں کو بغاوت اور آپس کی خانہ جنگیوں نے اتنا موقع نہ دیا کہ اس مسجد کی تعمیر کی تکمیل ہوتی۔ آخر کار ابراہیم شاہ شرقی کے دور میں خواجہ کمال وزیر تعمیرات کی زیر نگرانی سنہ ۱۴۰۸ء میں تمام ہوئی۔ مؤلف

۵۲ گزٹیر جونپور۔ سیر الملوک۔ جونپور نامہ قلمی اردو۔ جغرافیہ جونپور۔ جونپور نامہ فارسی۔ تاریخ محمدی

جونپور کے پہلے اور دوسرے حکمراں

شہر کے تکملے کے بعد فیروز شاہ نے اس کا معائنہ کیا۔ شہر کا طرز آبادی وضع قطع دیکھکر بہت خوش ہوا اور مستقل طور پر حاکم فوج کو یہاں پر رہنے کا حکم دیا اور دہلی کی طرف چلا گیا۔ اس وقت سے جونپور دائرۂ حکومت ٹھہرا اور ظفرآباد کی آبادی و رونق میں روز بروز کمی ہونے لگی۔ سب سے پہلے جونپور کے گورنر ظفر مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۳۷۶ء کے بعد جونپور و ظفرآباد کا علاقہ شاہزادہ ناصر خاں کی سپردگی میں آیا اور اسکی وفات جونپور ہی میں ہوئی اور قبرستان تغلقیہ میں دفن ہوا۔ اسکے بعد شاہزادہ علاءالدین جونپور کا حاکم ہوا۔

یوں تو فیروز شاہ کے عہد ہی میں جونپور کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہوگئی تھی چنانچہ صوبیدار بجائے بنارس کے جونپور میں رہنے لگے تھے اور بنارس کی وہ سیاسی حیثیت ختم ہوگئی تھی جو جونپور کے آباد ہونے کے قبل تھی۔ اور بنارس دہلی کے بجائے جونپور کے ماتحت ہوگیا تھا۔ اس زمانے میں بنارس کے حاکم سید ضیاءالدین[۵۲] تھے۔ شہر کی آبادی اور قلعہ کی تعمیر کے ساتھ ساتھ سنہ ۷۶۲ھ کی تعمیر کردہ ایک مسجد دریبہ میں ہے جسکو خلیل اللہ نے بنوایا تھا۔ اول آپ ہی جونپور کے قاضی تھے۔ میر سجاد صاحب نے اس مسجد کی از سر نو مرمت کرائی تھی اور اشعار ذیل کندہ تھے:۔

کرد مسجد بنا خلیل اللہ

جد امجد کرد ایں مسجد بنا	سال او از نام او ترقیم شد
در بنارحال ایں سجاد گفت	مسجد کہنہ ز نو ترمیم شد

اس مسجد سے متصل دکھن طرف خانقاہ عبدالباری تھی جو بہت قدیم اور مشہور خانقاہوں میں ہے۔ مسجد سے متصل پورب اور دکھن جانب ایک قدیم طرز کا حوض ہے صحن میں قدیم کنوئیں سے متصل ایک بہت بڑا وسیع اور موٹا پتھر رکھا ہوا ہے جو حوض پر ڈھکن کا کام دیتا تھا۔ اس کا صدر دروازہ پتھر کا قدیم ساخت کا بنا ہے جس پر ۱۵ ۸؁ تحریر ہے۔ یہ چیزیں تاریخی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

فیروز شاہ کی وفات اور تغلق سلطنت کا زوال

فیروز شاہ کو آخر عمر میں دو صدمات نہایت سنگین پیش آئے۔ اول تو اپنے لائق وفائق وزیر **خانجہاں**[۱] کی وفات، دوسرے اپنے بیٹے فتح خاں[۲] (ولیعہد) کا انتقال۔ اسکے بیٹے میں حکومت وسلطنت کی پوری اہلیت وصلاحیت موجود تھی۔ اگر زندہ رہ جاتا تو اس بات

۱؎ اصلی نام کٹو تھا۔ اسلام لانے کے بعد خان جہاں مقبول نام رکھا گیا۔ اسکے لڑکے کا نام جونا شہ تھا۔ یہ دونوں فیروز شاہ کے لائق وزیروں میں تھے اور تلنگانہ کے ہندو تھے۔ تمام امور سلطنت ان ہی کے سپرد تھا اور خود فیروز شاہ آزاد تھا۔ تعمیرات وغیرہ میں مصروف رہتا تھا (عمدۃ الکلام فی سلاطین اسلام صفحہ ۳۶۶. محمد قاسم سے بابر تک)

۲؎ فیروز شاہ کے تین بیٹے تھے فتح خاں، ظفر خاں اور ناصر الدین محمود، اور سب اسکے ساتھ امور سلطنت میں دخیل وشریک تھے اور سکوں پر بھی انکا نام ہوتا تھا۔ فتح خاں وظفر خاں فیروز کی زندگی میں مرگئے تھے۔ فتح خاں اس مقام پر دفن ہوا جو جگہ نبی کریم کے نام سے مشہور تھی۔ اس کی قبر پر وہ پتھر نصب کیا گیا جو حضرت مخدوم جہانیاں کہیں سے لائے تھے اور جس پر ایک نشان قدم تھا۔ (عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام صفحہ ۳۶۶ محمد قاسم سے بابر تک)

کی پوری امید تھی کہ تعلقوں کا شیرازہ نہ بکھرتا۔ اور یہ دونوں سانحات تین سال کے اندر ہوئے جس نے فیروزشاہ کی کمر توڑ دی اور تمام منصوبے خواب وخیال ہو کر رہ گئے اور تعمیرات کا سلسلہ بند ہو گیا۔ گو فیروزشاہ نے خانِ جہاں کی وفات کے بعد اسکے بیٹے جوناشاہ کو عہدۂ وزارت دیا مگر وہ بات کہاں پیدا ہوسکتی تھی جو خانِ جہاں کے دور میں تھی۔ اس نے تمام ممالک محروسہ کو ایک رشتہ اتحاد میں پرو دیا تھا۔ جوناشاہ وزیر کے خلاف فیروزشاہ کے دوسرے بیٹے محمد خاں کے بھائی ناصر الدین نے ایسی سازش کی جسکی وجہ سے اسکو عہدۂ وزارت سے برطرف ہونا پڑا۔ اسکے بعد فیروزشاہ نے ناصر الدین کو تمام انتظامات سپرد کیا۔ مگر وہ اس فرائض کو انجام نہ دے سکا اور ملک کے اندر سخت شورش وفساد پیدا ہو گیا بادشاہ مجبوراً اپنی پیرانہ سالی کے باوجود خلوت کدہ سے باہر آیا اور بمشکل بدنظمی پر قابو حاصل کر کے اپنے پوتے یعنی فتح خاں کے بیٹے کو تخت نشین کیا اور اسکا انتقال ۱۰ رمضان ۷۹۰ھ کو ہو گیا۔ حوض خاص شمسی کے پاس اس کا مقبرہ شکستہ حالت میں موجود ہے۔ (محمد قاسم سے بابر تک)

فیروزشاہ کی وفات کے بعد ہی سے تغلق سلطنت کا بہت تیزی کیساتھ زوال شروع ہو گیا۔ کوئی بھی قوی عزم عقل وتدبر سے بھرپور بادشاہ نہ ہوا جو اس سلطنت کو بچالیتا اور شورش وطوفان پر قابو حاصل کر لیتا۔ اور یہی بدنظمی اور افراتفری تھی جس نے جونپور یا دوسری جگہوں پر تعمیر اور ترقی کا کوئی کام ہونے نہ دیا۔ فیروزشاہ نے جونپور کو اس خیال سے آباد کیا تھا کہ وہ بنگال کی چڑھائی کے لئے قلعہ کا کام دے سکے۔ اور دہلی کی طرف سے کسی بھی حملے کا خوف وخطر باقی نہ رہے۔ مگر چند واقعات وسانحات نے اس بات کا موقع نہ دیا کہ وہ پورے طور پر اس خیال کو عملی جامہ پہنا سکے اور اپنے حدود سلطنت کو مستحکم کر سکے۔

فتح خاں جو تمام امیدوں و تمناؤں کا سہارا تھا مر گیا۔ دوسرا لڑکا ظفر بھی زندہ نہ تھا مجبوراً ارا کین سلطنت نے فتح خان کے لڑکے تغلق شاہ ثانی فیروز شاہ کے پوتے کو بادشاہ بنا دیا۔ مگر اس کا مشغلہ محض لہو لعب تھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ امراء و غلاموں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کے بعد ظفر خاں کے لڑکے ابو بکر کو امراء نے تخت پر بٹھایا۔ اس حالت کو دیکھکر ناصر الدین محمود ایک لشکر جرار لیکر دہلی کی تسخیر کیلئے بڑھا اور کئی بار شکست کھانے کے بعد بھی وہ اپنے ارادے پر جما رہا۔ آخر ۷۹۲ھ مطابق ۱۳۹۰ء میں تخت دہلی پر قابض ہو گیا۔ ہر چند اس کا زمانہ سلطنت صرف چار سال تھا مگر اسکی نااہلی اور نالائقی کی وجہ سے چاروں طرف فتنہ و فساد شروع ہو گیا۔ اس شورش و بغاوت کا شروع ہونا تھا کہ تغلق سلطنت کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہو گئی۔

ناصر الدین ہمایوں کے بعد علاء الدین سکندر عرف ہمایوں خاں بسیر ناصر الدین محمد شاہ تخت دہلی ہوا۔ اس کے وقت میں جونا شاہ وزیر سلطنت مثل اپنے باپ کے رہا اور جملہ امور سلطنت و اختیارات بدستور قائم و بحال رہے ایک ماہ سولہ روز سلطنت کر کے بتاریخ ۷، ربیع الاول ۷۹۴ھ مطابق ۱۳۹۲ء وفات پایا۔ ایک طرف فیروز شاہ کی وفات کے بعد شورش و فساد کی آگ بھڑکی ہوئی تھی اور تخت نشینی کے واقعات نمودار ہو رہے تھے اور ان حالات کو دیکھکر ہر وزیر خود مختار اور حکمراں ہونے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ دوسری طرف سکندر شاہ کی تخت نشینی کے بارے میں شہزادگان اور امراء کے درمیان سخت نااتفاقی اور اختلاف پیدا ہو گیا جسکی پاداش میں پندرہ دن تک تخت نشینی کا معاملہ مہمل رہا اور کوئی بادشاہ نہ تھا۔ آخر کار نہایت غور و فکر کوشش و جانفشانی سے محمد شاہ تغلق کا نہایت کمسن لڑکا ہمایوں کا بھائی جسکا

نام محمود شاہ تھا خواجہ جہاں ملک سرور بانی سلطنت شرقیہ کی کوشش بلیغ سے بمشورہ جملہ ارکین و امرائے سلطنت دہلی کا بادشاہ ہو گیا اور نہایت شان و شوکت سے رسم تاجپوشی عمل میں آئی۔ چونکہ ملک میں بغاوت اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اس وجہ سے جملہ امور سلطنت معطل تھے۔ [۱]

سلطنت دہلی کی تقسیم

جب بادشاہ کی تخت نشینی مکمل ہو گئی تو اس نے امیروں کا انتخاب کر کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے ہر سمت روانہ کیا۔ جس وقت یہ امیر دہلی سے پروانہ گورنری لے کر اپنے اپنے صوبے میں روانہ ہونے لگے تو محمد شریف منجم شاہی دربار دہلی نے پیش گوئی کی کہ جس ساعت یہ امیر دہلی سے روانہ ہو رہے ہیں ہر صوبہ دار اپنے صوبہ کا مالک و مختار ہو گا۔ چنانچہ یہ پیش گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی غرضکہ جب امیر تیمور دہلی کو تاخت و تاراج کر کے واپس ہوا تو سلطنت دہلی اس طور پر تقسیم ہو گئی تھی اور ہر شخص اپنی جگہ پر آزاد اور خود مختار بنا ہوا تھا۔ [۲]

۱۔ دہلی اور دوآبہ	اقبال خاں کے قبضے میں تھا۔
۲۔ گجرات	سید خضر خاں کے قبضے میں تھا۔
۳۔ ملتان۔ دیپال پور۔ سندھ	" " " "
۴۔ صوبہ کالپی	محمود خاں کے قبضہ میں تھا۔
۵۔ قنوج۔ اودھ۔ کڑا۔ ڈلمئو	خواجہ جہاں ملک سرور کے قبضہ میں تھا

[۱] فیروز شاہی شمس سراج عفیف۔ طبقات اکبری۔ بھارت کا اتہاس الشوری پرشاد محمد قاسم سے بابر تک۔ تاریخ فرشتہ۔ جغرافیہ دار السرور قلمی۔

[۲] سراج عفیف۔ محمد قاسم سے بابر تک۔

سنڈیلہ۔ بہرائچ۔ جونپور۔ جو محمود شاہ کا متبنٰی تھا اور اسکو ملک الشرق کا خطاب دیکر اس اطراف میں بھیجا تھا۔[۱]

۶۔ دہار — دلاور خاں غوری

۷۔ سمانہ — غاصب خاں

۸۔ بیانہ — شمس خاں۔

ہر گورنر مرکز کی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھا کر آزاد خود مختار ہو گیا تھا۔ فیروز تغلق کی وفات کو دس سال بھی نہ گزرے تھے کہ سلطنت تغلقیہ کا شیرازہ اس طور پر منتشر ہو گیا کہ آخر کار وہ سلطنت ختم ہی ہو گئی۔[۲]

شاہزادہ علاء الدین

شاہزادہ نصیر خاں کا بھانجا تھا۔ جب اہل ہوا تو ممالک محروسہ اطراف جونپور پر خود قابض و متصرف ہوا۔ چونکہ آفتاب سلطنت تغلقیہ طوائف الملوکی کے برج میں پہونچ گیا تھا، شاہزادہ علاء الدین خود ہی اپنے کو سلطنت کا حقدار سمجھتا تھا۔ دہلی کے بادشاہ کی اطاعت ترک کر کے پوربی علاقہ میں اپنی آزاد سلطنت کی بنیاد رکھ لی اور چنار کے قلعہ میں اپنا صدر دفتر قائم کیا اور وہیں رسم تاجپوشی ادا کر کے تخت سلطنت پر بیٹھا مگر موت نے نجات نہ دی اور انتقال کر گیا۔ اب شرقی سلطنت کسی دوسری قسمت کی طرف منتقل ہونے کو تھی کہ اسکی وفات کے بعد ہی ملک سرور ملک الشرق بن کر اس کی جگہ آگیا اور سلطنت شرقیہ کا حاکم ہو گیا۔ ملک سرور کے تفصیلی حالات ان کی جگہ پر سپرد قلم ہوں گے

---

[۱] عمدۃ الکلام فی سلاطین اسلام ص ۳۶۷

[۲] بھارت کا اتہاس۔ گزیٹر جونپور۔ محمد قاسم سے باہر تک۔ دی پٹھان کنگس۔ فرشتہ

علاء الدین ہفت بادشاہان کے مقبرے میں دفن ہوا۔ شاہزادہ نصیر کی قبر کے پاس دوسری قبر علاء الدین کی ہے۔ شاہزادہ علاء الدین نے سولہ ۱۶ سال سات ماہ حکومت کی۔ یہ تمام قبریں مانک چوک جونپور کے شاہی قبرستان میں ہیں۔

شاہزادہ نصیر خاں

شاہزادہ نصیر خاں کو ملک بہروز علی کہتے ہیں دہلی کے سلطان فیروز تغلق کا چھوٹا لڑکا تھا کہا جاتا ہے کہ بعد فتح ظفرآباد ۷۲۱ھ میں سب سے پہلے شاہزادہ ظفر خاں ظفرآباد کا حاکم تھا اور چند سال حکومت کر کے دستکش ہوا اور اسکی جگہ تاتار خاں بھیجا گیا۔ اس کے بعد ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۶ء میں تاتار خاں کو ترقی دیکر ملک بنگالہ روانہ کیا گیا۔ اور ظفرآباد کی حکومت کے لئے عین الملک کو بھیجا گیا۔ جب سلطان فیروز ۷۶۰ھ مطابق ۱۳۶۱ء میں بغرض تادیب حاجی الیاس بنگالہ کو دہلی سے کوچ کیا تو پہلے ظفرآباد میں آیا اور برسات گذاری اور اپنے حکم سے شاہزادہ نصیر خاں کو ظفرآباد کا حاکم بنایا اور برسات ختم ہونے کے بعد لکھنوتی (بنگال) روانہ ہوگیا اور ۷۶۲ھ میں واپس آگیا۔ ظفرآباد میں قیام کیا۔ سیر و تفریح کر کے محل وقوع کو دیکھا اور ظفرآباد سے کچھ فاصلے پر ایک نیا شہر بسانے کا حکم دیا اور تمام لشکر و عہدیدار کو جونپور روانہ کر دیا۔ اور براہ حاجی مئو دہلی واپس چلا گیا اب شاہزادہ نصیر خاں جونپور کا حاکم ہو گیا اور اپنے نام سے سب سے پہلا محلہ منڈی نصیر خاں آباد کیا جو قریب مسجد اٹالہ واقع ہے اور اسی محلے میں اپنے رہنے کے لئے محل تعمیر کرایا۔ مگر زمانہ کے حادثات کا شکار ہو کر مکان کی بنیاد تک باقی نہیں ہے۔

شاہزادہ نصیر خاں نہایت مدبر صاحب سیف و علم تھا۔ اُنیس ۱۹ سال تک جونپور میں حکومت کی۔ غریبوں سے ہمدردی رعایا سے عدل و انصاف امراء و

علماء سے اخلاق و مروت فقراء سے عزت و حرمت سے پیش آتا۔ سرکش لوگ اس سے مثل بید کانپتے تھے۔ حاجی الیاس کا استیصال ایسا کیا کہ نہ تو اس کا نام و نشان باقی رہا نہ اسکے خاندان کے کسی شخص کا نام۔

شاہزادہ نصیر خاں کی خوشی کیلئے اسکے باپ فیروز تغلق نے شہر کو آباد اور پُر رونق کیا۔ قلعہ کی تعمیر کی اور شہر و بازار میں بہت سی عمارتیں بنوا کر جونپور میں رونق پیدا کر دی۔

جب فیروز تغلق دہلی پہنچا تو دہلی سے ارباب علم و فن، پیشہ ور اور تجّار کو جونپور بھیجا تاکہ آبادی میں اضافہ ہو اور علم دین کا چرچا۔ شاہزادہ نصیر خاں نے اپنے باپ کے حکم کے مطابق مہمانوں کی بہت عزت اور قدر کی اور ہر ممکن سہولت ان کو پہنچائی۔ اور ہر شخص کے رہنے کیلئے مکان فراہم کیا اور اکثر و بیشتر کے وظائف مقرر کئے۔ جب انتقال ہوا تو مانک چوک میں مقبرہ ہفت بادشاہان میں دفن کیا گیا۔ قبر اوّل بڑی اور سنگین اسی شاہزادے کی ہے [1]

قبرستان شہزادگان تغلق

یہ قبرستان محلہ مانک چوک شہر جونپور میں واقع ہے۔ کہتے ہیں یہ محلہ منعم خاں خانخاناں کے دیوان مانک چند کا آباد کردہ ہے پہلے یہ محلہ بہت ہی آباد اور گلزار تھا۔ یہاں پر ہزاروں جوہریوں، عطاروں اور خوشبو سازوں کی دوکانیں تھیں اور ہر طرف پھاٹک لگے ہوئے تھے۔

یہ قبرستان پورب طرف پختہ گلی کے اندر ایک چہار دیواری میں واقع ہے۔ اس میں سات شہزادگان دفن ہیں۔ قبریں اسوقت بھی بہت ہی اچھی حالت

---

[1] تجلی نور صفحہ ۲۹-۲۷ بحوالہ طبقات ناصری۔ جونپور نامہ شیخ مہدی حسن۔



میں ہیں۔ اگر چہ آثار اور ملبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں پر عالیشان عمارتیں رہی ہونگی جو مسمار ہو گئیں اور ڈھیر اب بھی باقی ہے مگر یہ قبریں جامع خانقاہ کی قبروں کے مقابلہ میں پست حیثیت ہیں۔ دیکھنے والوں کا دل قبول نہیں کرتا کہ یہ قبریں شاہان شرقیہ کی ہونگی۔ اگر اسے بفرض محال مان بھی لیا جائے تو بادشاہوں کی قبریں ایک جگہ اور بیگمات و شہزادگان دوسرے مقامات پر دفن ہوں۔ یہ بات یقین میں نہیں آتی۔ ہاں اگر یہ قبریں شاہزادہ نصیر خاں اور شہزادہ علاءالدین اور انکے برادران اور متعلقین کی مان لی جائیں تو تعجب نہ ہوگا کیونکہ یہ لوگ آبادی جونپور کے بعد یہاں کے حاکم ہوئے اور مستقل سکونت رکھتے تھے۔ اسی سبب سے یہ مقام ہفت قبر شاہزادگان مشہور ہو گیا۔

یہ قبریں پتھر کی ہیں۔ ان میں سے دو (۲) قبریں چبوترے کے نیچے اور چھ (۶) قبریں چبوترے کے اوپر ہیں۔ تحقیق کرنے سے پتہ چلا ہے کہ چبوترے کے نیچے والی دونوں قبریں والدین شاہزادہ علاءالدین حاکم جونپور، باقی قبریں علاءالدین

حاکم جونپور اور اسکی زوجہ اور اسکے تین بھائیوں کی ہیں جن کے نام علی الترتیب شہزادہ ظفرؔ شہزادہ مظفرؔ و شاہزادہ منصورؔ ہیں۔ ان ہی قبروں کو ہفت قبر بادشاہ کے نام سے لوگ یاد کرتے ہیں۔

۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں جب گورنر جنرل لارڈ کرزن صاحب بعد دربار دہلی جونپور تشریف لائے تو دونوں قبرستان کا معائنہ کیا اور بعد معائنہ حکم صادر فرمایا کہ شکستہ قبروں کی مرمت کیجائے اور ہر قبر پر شناخت کے لئے کتبہ لگادیا جائے تاکہ لوگوں کو صحیح طور پر آگاہی ہو سکے۔ اس وقت قبروں کی شناخت کے لئے مولوی نورالدین زیدی طلب کئے گئے اور ان کی شناخت کے مطابق ہر قبر پر بادشاہوں کے نام کی تختیاں لگائی گئیں [1]

---

[1] تجلی نور قلمی حصہ سوم ص۵۹

ملک الشرق

ملک سرور خواجہ جہاں

۱۳۸۹ء میں جب ناصر الدین محمود شاہ بن فیروز شاہ تخت پر بیٹھا تو ملک سرور کو اپنا وزیر مقرر کیا اور خواجہ جہاں کا خطاب عطا کیا مگر اسلام خاں نے دیکھا کہ اگر اس عہدہ پر قائم رہا تو پھر ہم لوگوں کی قدر و منزلت گھٹ جائیگی اسلئے اس کی مخالفت شروع کردی اور اس کو درجے سے ہٹا دیا گیا۔ چونکہ ملک سرور اعلیٰ قابلیت کا مالک اور بہترین سیاست داں تھا ۱۳۹۲ء میں سکندر اور محمود کے عہد میں پھر وزیر ہوگیا اور اپنی فطری ذہانت و صلاحیت کی وجہ سے ۱۳۹۳ء میں اور بھی ترقی کرکے بہت بلند درجہ پر پہنچ گیا مگر اسکے بعد ہی تغلقیہ سلطنت کی اور بھی حالت بگڑ گئی اور ملک میں ہر طرف بغاوتیں رونما ہونے لگیں۔

چونکہ ملک سرور کی کوشش بلیغ سے محمود شاہ تخت دہلی پر بیٹھا تھا۔ اس خصوصیت کی بنا پر ملک سرور کی اس درجہ عزت حرمت اور قدر منزلت کرتا تھا کہ اس لئے خواجہ جہاں کو متبنیٰ کرکے ملک الشرق کا خطاب دیکر قنوج سے بہار تک کا علاقہ اسکی قلمرو میں دیدیا۔ اور ماہ رجب ۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۳ء میں ہندوستان کے علاقہ ہائے کول۔ کھردا۔ اٹاوہ۔ کینبھل اور مضافات قنوج ہوتا ہوا جونپور میں داخل ہوا۔ اس نے ان مضافات کے بلوے کو بھی فرو کیا۔ اس کے ہمراہ ایک کثیر فوج اور بیس۲۰ جنگی ہاتھی بھی تھے۔ چونکہ انتظام کی پوری صلاحیتیں

اسکے اندر موجود تھیں۔ رفتہ رفتہ قنوج۔ کڑہ۔ سنڈیلہ۔ ڈلمئو۔ بہرائچ بہار اور ترہت بھی اسکے قبضہ میں آگئے۔



خواجۂ جہاں ملک سرور نے قلیل مدت میں اپنی بہترین سیاست کا مظاہرہ کیا کہ بلا جنگ وجدال تمام علاقہ ہائے مذکورہ بالا کے لوگ مطیع و فرمانبردار ہوگئے اور ساتھ ہی اس نے تمام قلعوں، فوجی بارکوں اور سرکاری عمارتوں کی بھی مرمت کرائی جو ویران و برباد اور خراب ہوگئے تھے۔[1]

---

[1] گزیٹیر جونپور۔ سلاطین جونپور۔ محمد قاسم سے بابر تک۔ تذکرۃ الکرام تاریخ خلفاء عرب والاسلام ص ۶۶۲ تاریخ فرشتہ۔ مبارک شاہی ص ۱۵۷ حیات شبلی ص ۱۳-۹

جب ان علاقہ ہائے مذکورہ پران کا پورا قبضہ وتسلط اور اس طرف سے اطمینان کلّی ہوگیا تو اس نے لکھنوتی۔ سنار پور۔ جاج نگر کے راجاؤں پر ایسا اثر ڈالا کہ ان لوگوں نے بھی اطاعت قبول کر کے سلطنت شرقی جونپور سے اپنا الحاق کرلیا اور شاہی رسم کے مطابق جو تحفہ تحائف اور ہاتھی ہر سال دہلی بھیجتے تھے انکو جونپور بھیجنا شروع کردیا۔

ملک الشرق اب بالکل آزاد وخود مختار سلطنت کے مالک ہوگئے تھے۔ اور انکو اتابک[1] اعظم کا خطاب بھی ملا تھا۔ یہ حالات دگر گوں ہوگئے تھے اگر ملک الشرق ابتدا ہی سے سید خضر خاں کے بھتیج سید مبارک شاہ وسید ابراہیم شاہ کو اپنے پاس نہ رکھے ہوتے اور پسر متبنیٰ نہ قرار دیا ہوتا۔

سید خضر خاں فیروز شاہ کے زمانے میں اپنے باپ ملک سلیمان کی وفات کے بعد ملتان کے گورنر تھے جن کو بعد میں ذاتی رنجش کی وجہ سے سارنگ خاں نے معطل کردیا تھا۔ مگر جب امیر تیمور نے ۱۳۹۹ء میں دہلی کو زیر وزبر کیا تو سید خضر خاں نے فرضی بادشاہ محمود اور اقبال خاں کو ملتان اور دیپال پور سے بیدخل کردیا۔ اور انکی اولاد قابض ہوگئی۔ آخر میں اقبال خاں ۱۴۰۶ء میں ایک لڑائی میں مارا گیا۔ چھ برس بعد سید خضر خاں نے پورے طور پر ملتان اور دیپال پور پر اپنا تسلط کرلیا اور اپنے کو امیر تیمور کا وائسرائے مشہور کر کے حکومت کرتا رہا۔

سید خضر خاں کی اپنے دونوں بھتیجوں سید مبارک شاہ وسید ابراہیم شاہ کی وجہ سے خواجہ جہاں پر نظر خاص تھی۔ اگر یہ لوگ ابتدا ہی سے شامل حال نہ ہوتے اور ملک الشرق خواجہ جہاں اپنے لڑکوں کی طرح تعلیم وتربیت نہ کرتا اور پسر متبنیٰ نہ

---

[1] اتابک اعظم یہ بہت بڑا لقب ایران کے بادشاہوں کا تھا۔ انکا پایہ تخت شیراز تھا۔

قرار دیا تو پھر آزاد مشرقی حکومت اور علاقہ ہائے مذکور پر قبضہ و تسلط ناممکن تھا۔

اور یہ تمام عنایات ملک الشرق خواجہ جہاں بمہ سید خضر خاں کی سید رجب علی سید مبارک شاہ و سید ابراہیم شاہ کے عزیز خاص ہونے کی وجہ سے تھیں۔ ملک سرور خواجہ جہاں کے لقب سے زیادہ مشہور ہوا۔ وہ اپنی ذہانت، فراست، سیاست اور فطری صلاحیت کی خوبیوں کی بدولت اس درجہ شہرت اور منزلت حاصل کر چکا ہے اور اتنی عظیم الشان شمالی ہند کی سب سے بڑی حکومت شرقیہ کی بنیاد ڈالی ہے جو تاریخ میں جلی حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔

یہ محمد تغلق کے عہد میں خواجہ سرا تھا۔ پھر خواجہ سراؤں کا سردار بنایا گیا یہ عہدہ دربار کے افسر سے بھی بلند تھا۔ پھر داروغۂ فیل خانہ ہوا۔ اسکے بعد محمود شاہ کے عہد میں گورنر بنایا گیا۔ آخر میں ملک الشرق کا خطاب عطا کیا گیا۔ آہستہ آہستہ وہ تمام صفات حسنہ کا حامل ہو گیا جو ایک اچھے اور کامیاب بادشاہ میں ہونی چاہیئے مورخین کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ وہ ہیجڑہ تھا اور تلنگانہ کے ایک برہمن خاندان سے اسکا تعلق تھا۔ اصل میں تلنگانہ سے خانجہاں کا تعلق تھا۔ مورخین کو محض خانجہاں اور خواجۂ جہاں سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے جسکو وہ خود نہ سمجھ سکے اور نہ اسکی تحقیق و تفتیش

سلہ خانجہاں، خواجہ جہاں اور خواجۂ جہاں ملک سرور یہ تین الگ الگ شخصیتیں ہیں جن میں سے خانجہاں، اور خواجہ جہاں کا ذکر سلطان محمد تغلق ہی کے عہد سے ملتا ہے۔ خانجہاں پہلے ہندو تھا اور قبل اسلام اسکا نام کٹو تھا۔ یہ تلنگانہ کا رہنے والا تھا۔ یہ اپنی صفات حسنہ کیوجہ سے راجہ تلنگانہ کا مقرب خاص ہو گیا۔ جب محمد تغلق نے راجہ تلنگانہ کو دہلی بھیجا تو کٹو بھی ساتھ تھا راستے میں راجہ کا انتقال ہو گیا اور کٹو محمد تغلق کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور بادشاہ نے انکا نام مقبول رکھا۔ یہ بالکل جاہل تھا لیکن ذہین حد درجہ کا تھا۔ محمد تغلق

کی طرف دھیان دیا۔[۱]

خواجہ ملک سرور بڑا ہی دیندار تھا۔ اسکو بزرگوں سے خاص عقیدت و محبت تھی۔ اسکے عہد حکومت میں جونپور کے اندر علمائے کرام کی مسند درس بچھی ہوئی تھی۔ علمائے قنوج کے خطوط علمائے جونپور کے نام بادشاہ کی توجہ خاص کے لئے آیا کرتے تھے۔ اسی دور میں سید جلال الدین بخاری مخدوم سید جہانیاں جہاں گشت

(بقیہ حاشیہ ص۷۷) نے اسکی خداداد عقل و فراست دیکھکر خوانجہاں اور قوام الملک کا خطاب دیکر ملتان اسکی جاگیر میں دیدیا۔ کچھ دنوں بعد دہلی کا نائب وزیر ہوگیا اور فیروز شاہ کے عہد میں درجۂ وزارت پر فائز ہوا۔ یہ حقیقت ہے اور مورخین متفق ہیں کہ فیروز شاہ جیسے متقی پرہیزگار اور رحمدل بادشاہ کی کامیابی کا انحصار تمام تر اسی وزیر کی عقل فراست اور دانشمندی پر تھا۔ بارہا فیروز شاہ دہلی سے برسوں دور رہا مگر امور سلطنت میں کوئی خلل نہیں ہوا۔ خانجہاں خواجہ نصیر الدین دہلویؒ سے بیعت تھا اور اسی وجہ سے فیروز شاہ بھی اسکی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ اور بارہا کہا کرتا تھا کہ حقیقتاً دہلی کا بادشاہ خانجہاں ہے۔ خانجہاں عورتوں کی طرف بہت مائل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسکے حرم میں دو ہزار خواصیں روم اور چین کی تھیں اسکی وفات ۷۷۰ھ مطابق ۱۳۶۸ء کو ہوئی۔ اسوقت اسکی عمر ۸۰ سال کی تھی۔ فیروز شاہ کو بہت رنج ہوا اور اسکے بیٹے جونا شاہ کو وزیر مقرر کیا جو بیس سال تک خدمت انجام دیتا رہا۔ اس نے ۷۸۹ھ میں ایک عالیشان کالی مسجد دہلی میں

[۱] گزیٹر جونپور۔ کنگز آف دی ایسٹ ص۳۳۔ سلاطین جونپور ص۴ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ۔ مرأۃ الاسرار قلمی۔ جونپور نامہ خیر الدین۔ مرأۃ آفتاب نما قلمی جغرافیہ جونپور قلمی۔ عمدۃ الکلام ص۳۶۸-۳۶۷۔ تاریخ فرشتہ

تشریف لائے تھے۔ بادشاہ مخدوم شاہ کا بہت معتقد تھا۔ وہ اور اسکے وزیر علی ابراہیم شاہ شرقی برادر مبارک شاہ پسر متبنیٰ ملک الشرق نے بیعت کی۔ حضرت مخدوم جہانیاں عمل یا حیُّ یا قیّومُ کے زبردست عامل تھے۔ اسکی طاقت سے مقام اوچھ جو پنجاب میں واقع ہے اور مخدوم صاحب کا وطن مالوف ہے وہاں سے مانک پور سیکڑوں کوس کا فاصلہ دوپہر تک طے کر لیتے تھے۔ حضرت مخدوم سید جہانیاں نے بڑی سیاحت کی تھی۔ وہ جونپور بھی دو بار تشریف لائے۔

(بقیہ صفحہ ۷۸) تعمیر کرائی تھی اور وہیں انتقال ہوا ہے۔[۱]

دوسرا خواجہ جہاں احمد ایاز تھا۔ اسکو محمد تغلق نے ملک کبیر اور قتلغ خاں کے انتقال کے بعد دہلی کی نظامت سپرد کی تھی مگر محمد تغلق کے انتقال کے بعد امراء خراسان نے لوٹ مار شروع کر دی تو اسکو علم ہوا اور فیروز شاہ تغلق بھی اسوقت نہ تھا۔ وہ فیروز شاہ کو اپنا بیٹا کہا کرتا تھا۔ اس نے فیروز کی عدم موجودگی میں رفع فساد کی بنا پر محمد تغلق کے ایک فرضی بیٹے کو تخت نشین کر دیا۔ جب خواجہ جہاں کو یہ علم ہوا کہ فیروز شاہ زندہ ہے اور دہلی کی طرف سے آ رہا ہے تو اس نے غلطی محسوس کی۔ اولاً فوج فراہم کرنی شروع کی۔ مگر جب اسے معلوم ہوا کہ خانجہاں وغیرہ اور دیگر اُمراء مل گئے ہیں تو اس نے سلامتی اسی میں دیکھی کہ فیروز شاہ تغلق سے ملکر اصل حالات سے مطلع کر دے۔ اسکی عمر اسوقت اسی سال کی تھی اور ضعف بھی بہت بڑھ گیا تھا۔ مگر ہمت کر کے سر برہنہ گلے میں زنجیر ڈالے فتح آباد۔ فیروز شاہ کے پاس حاضر ہوا۔ فیروز شاہ نے اسکی بڑی عزت کی اور قصور معاف کر دیا۔ مگر لوگوں نے یہاں رہنے کی مخالفت کی اور وہ سمانہ کا حاکم بنا کر بھیجا گیا کہ بقیہ عمر

---

[۱] محمد قاسم سے بابرنگ صفحہ ۱۸-۳۱۹ بحوالہ سراج شمس عفیف۔ آثار صنادید باب ۳ صفحہ ۲۶

دوسری بار ایک عرصۂ دراز تک مقیم رہے۔ سید ابراہیم شاہ نے انکے قیام پذیر ہونے کے لئے محلہ بلوچ ٹولہ جونپور میں ایک مکان اور ایک مسجد خط طغرا کے کتبوں سے مزین بنوائی تھی۔ مگر یہاں سے بھی آپ نے چند سال کے بعد سکونت ترک کردی اور

(بقیہ صـ۷۹) وہیں عبادت و ریاضت میں صرف کردے۔ مگر امراء نے مشورہ کرکے ایک شخص شیر خاں کو اسکے پیچھے روانہ کیا کہ وہ قتل کردے۔ خواجہ جہاں نے دیکھکر سمجھ لیا اور اس سے کہا کہ مقصد میں سمجھتا ہوں اسلئے جب نماز شروع کروں تو قتل کیا جائے۔ چنانچہ جب خواجہ جہاں وضو کرکے سجدے میں گیا تو شیر خاں نے تلوار سے اسکا سر قلم کردیا خواجہ جہاں حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ سے بیعت تھا۔ سلہ

ناظرین غور فرمائیں کہ خانجہاں جو تلنگانہ کا رہنے والا تھا وہ فیروز شاہ کی زندگی میں ۷۷۲ھ میں مرگیا اور اسکے لڑکے جونا شاہ خانجہاں ابن خانجہاں کا انتقال بھی دہلی میں ہوا تیسرا خواجہ جہاں بھی فیروز شاہ کی تخت نشینی کے بعد قتل کردیا گیا۔ ان تینوں میں سے کسی کے لئے بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہی خواجہ جہاں ملک سرور تھا اور جونا شاہ پسر خان جہاں کا خطاب بھی جونا شہ خانجہاں تھا نہ کہ خواجہ جہاں ملک سرور۔ اور ملک سرور خواجہ جہاں تو اسوقت خواجہ سرا تھا یا خواجہ سراؤں کا سردار تھا۔ اور چونکہ شرقی سلطنت کی بنیاد ۷۹۶ھ ۱۳۹۴ء میں فیروز شاہ کے انتقال کے بعد رکھی گئی تھی اور اسوقت وہ تینوں مرچکے تھے اسلئے بلاشبہہ کہا جاسکتا ہے کہ ملک سرور خواجہ جہاں تلنگانہ کا رہنے والا نہ تھا بلکہ سید رجب علی و مبارک شاہ کے ساتھ ہوکر اسے سید خضر خاں کے پاس دہلی آیا تھا اور ان دونوں کا غلام تھا جسکو محمد تغلق کی خدمت کے لئے دیا گیا تھا۔

سلہ شمس سراج عفیف صـ۵۵۔ محمد قاسم سے بابر تک صـ۱۷-۳۱۵ فیروز شاہی شمس سراج عفیف حیدرآباد

قنوج چلے گئے۔ آپ نے بڑے بڑے اولیائے کاملین سے خیر و برکت حاصل کی حضرت مخدوم سید جہانیاں کو بیعت شیخ الاسلام سید المحدثین حضرت شیخ عفیف الدین ابوالفرح قریشی سے تھی اور خرقہ اپنے چچا حضرت صدر الدین سے حاصل کیا تھا و کلاہِ ارادت شیخ الاسلام سید المحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ المطری سے مسجد نبوی میں سر پر رکھا تھا۔ وبیعت و خلافت شیخ نصیر الدین محمود سے تھی۔

آپ کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی۔ آپ سے حضرت مخدوم سید جہانگیر اشرف سمنانیؒ نے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ (تذکرۃ الکرام)

حضرت مخدوم جہانیاں کے فیض سے۔ بخارا۔ غزنی۔ غور۔ کابل۔ بنگال دکھن۔ قنوج۔ جونپور۔ اوچھ۔ میان دوآب مثل آفتاب کے روشن ہیں۔ ملک سرور خواجہ جہاں کی شرقی سلطنت کا قیام اور سید ابراہیم شاہ کی علم نوازی، حکومت کی وسعت اور استحکام اور علماء کی سرپرستی حضرت سید مخدوم جہانگیر اشرف سمنانیؒ اور آپ ہی کی توجہ اور دعا کا نتیجہ ہے۔ ملک الشرق کو حضرت مخدوم سے بے انتہا عقیدت تھی اور اکثر و بیشتر خدمت بابرکت میں حاضر رہتا تھا۔ شرقی سلطنت کے قیام اور جونپور پایہ تخت ہونے کے بعد مبارک شاہ و سید ابراہیم شاہ شرقی نے تمام امور سلطنت خود انجام دینا شروع کر دیا۔ خواجہ جہاں ملک سرور نے ملک عماد الملک بختیار خاں کو تمام مصاحبین میں منتخب کر کے وزیر سلطنت بنایا اور عماد الملک کا خطاب دیا۔ آپ کے والد ماجد شیخ حاجی خاں اعظم ملک الشرق کے ہمراہ سردار لشکر ہو کر دہلی سے جونپور آئے تھے، انکے ہمراہ عماد الملک بھی آئے اور یہیں پر علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی۔ آپ زبردست عالم تھے۔ اس وقت بڑے بڑے اولیائے کاملین اور علمائے اجل ہی گورنر، وزیر۔ جرنیل اور سپہ سالار ہوا کرتے تھے۔

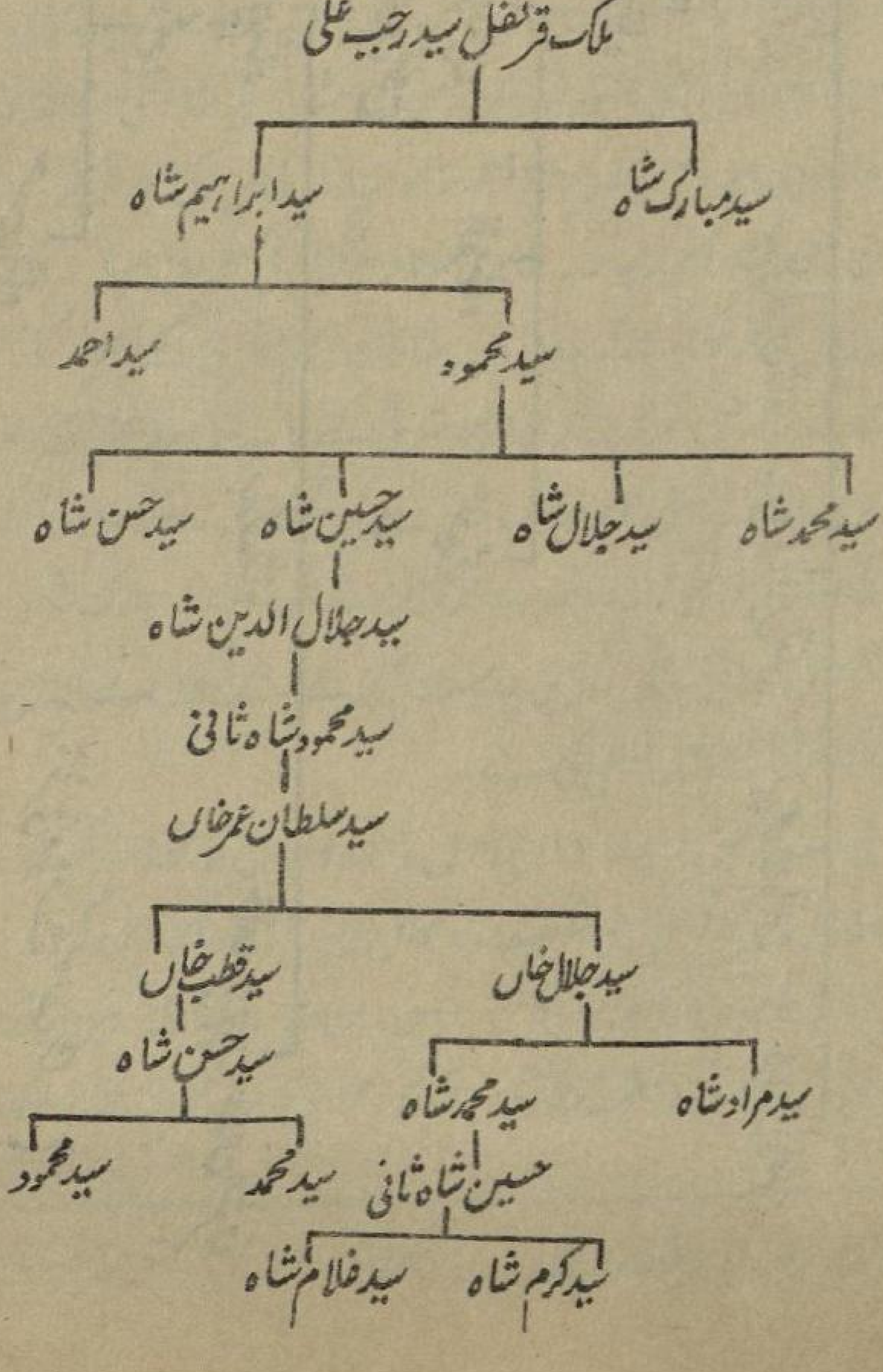
خواجہ جہاں ملک سرور نے جونپور کو کافی رونق بخشی اور علماء فضلا کو جمع کرنا شروع کردیا۔ اس دور میں بھی علم دین کی پوری سرپرستی کی گئی۔ یہاں خانقاہیں اور مدرسے کھل گئے جس میں فوجی تعلیم کا بھی ایک شعبہ رکھا گیا۔ ہر عالم وصوفی کو ایک اچھا فوجی سپاہی بھی ہونا ضروری تھا

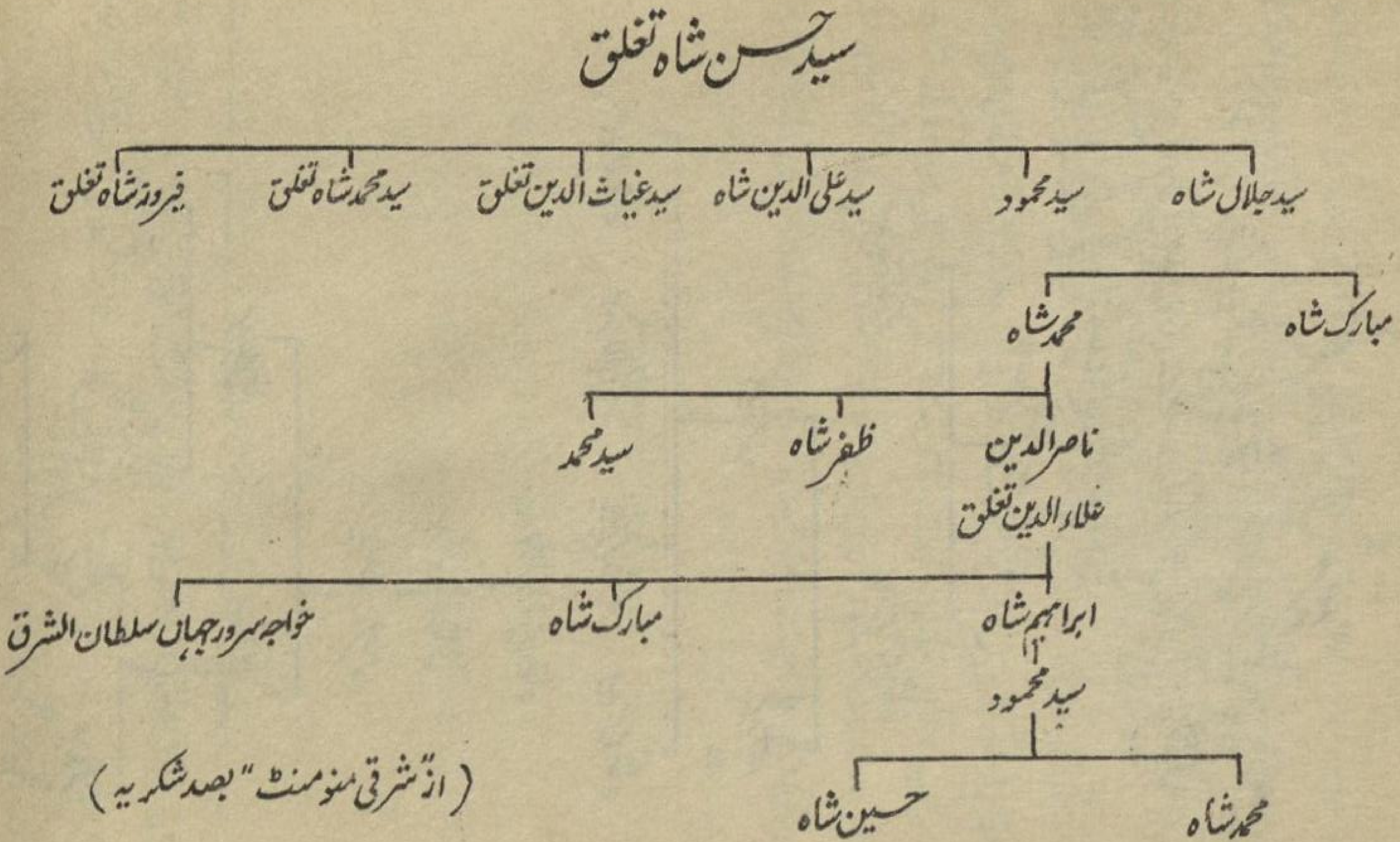
قلعہ شاہی میں شیخ اخی قدس سرہٗ کی خانقاہ تھی۔ خواجہ جہاں اپنے نام کا سکہ جاری نہ کرسکا۔ اور اس کا انتقال ۱۳۹۹ء مطابق ۸۰۲ھ میں ہوا۔ خانقاہ نوحہ گراں میں جامع مسجد سے اُتر دفن ہوا۔ مزار پختہ عالیشان موجود ہے اور رعب وجلال ٹپک رہا ہے۔ اس نے اپنی زندگی میں سید مبارک شاہ کو متبنیٰ اور وارث تخت وتاج بنادیا تھا جو سلطنت شرقیہ کے استحکام اور بقا کے لئے اسکی قابلیت، صلاحیت اور ذہنی فراست وتدبر کی زندہ شہادت ہے۔ لہ

لہ مرأۃ الاسرار قلمی۔ ظہور قطبی۔ تجلیات العارفین قلمی ص ۴۶۔ اخبار الاخیار۔ انیس العاشقین منبع الانساب۔ تاریخ فرشتہ۔ غرائب نگار۔ خزانۃ الجلالی۔ تاریخ آئینہ اودھ ص ۱۶۸ تجلی نور قلمی ص ۶۹۔ گزیٹر جونپور۔

شجرہ خاندانِ شرقیہ

سلاطین شرقیہ کا پایہ تخت جونپور تھا۔ حکومت سنہ ۱۳۹۴ء لغایۃ سنہ ۱۴۷۶ء تھی اسکے بعد حسین شاہ شرقی بہلول لودی سے شکست کھاکر بنگال بھاگ گیا اور سنہ ۱۴۹۹ء میں وفات پائی۔ اسکی اولاد میں کچھ زمانہ تک بنگال کی حکومت رہی۔





(از "شرقی منومنٹ" بصد شکریہ)

شجرہ مندرجہ صفحہ ۸۳ "سلاطین جونپور" ایک قلمی کتاب سے لیا گیا ہے مگر شجرۂ خاندانی قلمی راجہ ارادت جہاں میں ہے کہ سید محمد الیاس اور سید محمد خضر خاں سگے بھائی تھے جنکا سلسلہ نسب گیارہ واسطوں سے حضرت زید شہید ابن امام حضرت سید زین العابدینؑ تک پہنچتا ہے۔ اس شجرہ میں حسین شاہ کے بعد کسی کا ذکر نہیں ہے۔ اور نہ سید رجب علی کی ملک قرنفل کوئی عرفیت ہے۔

شجرۂ خاندانی راجہ ارادت جہاں میں ہے کہ سید رجب علی کی شادی سید خضر خانکی بہن سے ہوئی تھی۔ اور سید ابراہیم شاہ شرقی کی شادی سید خضر خاں کی لڑکی ملکہ خاتون سے۔ اس طور پر ابراہیم شاہ سید خضر خاں کے بھانجے و داماد تھے شجرۂ خاندانی میں ہے کہ سید مبارک شاہ کی اولاد بنگال کی حکمراں ہوئی۔

لین پول نے لکھا ہے کہ سید مبارک شاہ ابراہیم شرقی کے باپ کا نام تھا ابوالفضل نے اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ ابراہیم شرقی کے باپ کا نام قرنفل تھا۔ مرأۃ الاسرار قلمی میں ہے کہ قرنفل نام مبارک شاہ کے پدر کا تھا۔ اسکے علاوہ ڈاکٹر آر سی ماجومدار ڈھاکہ یونیورسٹی اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ مبارک شاہ اور ابراہیم شاہ دونوں بھائی تھے اور یہی درست بھی ہے۔ لین پول نے ابراہیم شاہ کو مبارک شاہ کا لڑکا لکھنے میں غلطی کی ہے۔

اس بات کی تحقیق کہ یہ خاندان اصل باشندہ کہاں کا تھا اور کب ہندستان آیا! اس سلسلے میں میر کاظم علی اپنی تصنیف "احوال جونپور" میں لکھتے ہیں کہ :-

"اصلش از بلدۂ ہویزا ولایت ایران	اصل وطن شہر ہویزا ملک ایران تھا۔
پدرش در ہویزا حاکم بود واز طبقہ سادات	آپکے والد ہویزا کے حکمراں تھے اور طبقہ

ف؎ تذکرۃ الکرام۔ تاریخ خلفائے عرب والاسلام صـ ۴۶۳ ایڈوانس ہسٹری آف انڈیا

موسوی باندک ناچاقی از پدر خود آزرده
شده و برادر خود مولانا ابراهیم که ذکرش
بیاید، ہندوستان آمد و چندے در دہلی
ماندہ بجہت خواہش و بخدمت ملک الشرق
در قصبہ سرور پور کہ دراں زماں خواجہ
مذکور حاکم آں دیار بود آمد' خواجہ در
عزت و حرمت مولانا مبارک دقیقہ فرو
نہ گذاشت و خدمت عمدہ تجویز نمودہ
بحضور خود نگاہ داشت۔ مولانا بسبب
نیکی خدمت درانک ایام از امثال و
اقران زماں تفوق جست و مدار علیہ
مہمات جزوی و کلی گردید۔ کلید نظم و نسق
مملکت جونپور در دست مولانا تفویض شد
مولانا در بند و بست ملک و سپاہ ید بیضی
نمودہ۔ سپاہ، رعیت و لشکر را از خود
راضی داشت تا آنکہ روزے ملک
الشرق استفسار احوال مولانا مبارک کرد
مولانا در گذارش آں تامل نمود۔ ملک
دراں نہایت استبداد کرد و مولانا لاعلاج
شد و مفصل ظاہر کرد۔ و آں زماں ملک
الشرق در ولایت ایران بلدہ موہزا

سادات موسوی سے تھے۔ باپ سے ناچاقی
ہوگئی اسلیئے رنجیدہ ہوکر اپنے بھائی ابراہیم
کو لیکر جنکا ذکر آگے آئیگا ہندوستان آئے
اور کچھ روز دہلی میں قیام کرکے حسب خواہش
ملک الشرق قصبہ سرور پور میں کہ اس زمانے
میں ملک الشرق وہانکے حاکم تھے آئے
خواجہ نے عزت حرمت خاطر مدارات میں
مولانا مبارک کی کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔
اور عمدہ خدمت تجویز کیا اور خود دیکھ بھال
کرتا رہا۔ مولانا اپنی نیک خدمات کی بدولت
بہت جلد دوسروں سے سبقت لے گئے
اور سلطنت کے جزو کل کے مالک ہوگئے اور
جونپور کا نظم و نسق مولانا کے ذمہ ہوگیا۔
مولانا مبارک نے انتظام ملک و سپاہ میں
کمال دانشمندی کا مظاہرہ کیا اور سپاہ و
رعیت اور لشکر کو راضی اور خوش رکھا۔
ایک روز ملک الشرق نے مولانا سے انکے
حالات دریافت کیئے مولانا مبارک نے
بتانے میں ذرا تامل کیا۔ ملک الشرق نے
پھر سختی سے پوچھا۔ مولانا مبارک لاعلاج
ہوگئے اور کل قصہ ظاہر کردیا۔ ملک الشرق نے

ایلچی فرستادہ درخواست تصویر مولانا
مبارک شاہ و مولانا ابراہیم شاہ کرد
پدر بزرگوار مولانا مبارک شاہ و ابراہیم
شاہ کہ بادشاہ ہویزا بود بعد دریافت
ماجرائے تصویر بہ ایلچی حکم کرامت
فرمودہ بملک الشرق نوشت کہ برائے
خاطر شما مرقع تصویر فرستادہ شد لیکن
آں نوردیدگان را بایں صوب رخصت
فرمایند کہ چشم ما روشن کرد۔
الحاصل چوں از تقدیر الٰہی سلطنت
جونپور بہ مولانا مبارک شاہ مقدر بودہ
بعد وفات ملک الشرق باتفاق ارکان
دولت بر تخت سلطنت جلوس نمودہ و
مبارک شاہ خطاب خود ساخت و یک
سال چند ماہ سلطنت کرد و در سنہ ۸۰۴ھ
وفات یافت۔ "(احوال جونپور قلمی از میر
کاظم علی)

اسی وقت شہر ہویزا ملک ایران ایلچی روانہ
کیا اور مولانا مبارک اور مولانا ابراہیم کی
تصویر طلب کی۔ مبارک شاہ کے پدر بزرگوار
نے کہ بادشاہ ہویزا تھے ایلچی سے بعد
دریافت ماجرائے تصویر ملک الشرق کو
لکھا کہ آپ کی خاطر سے میں نے تصویر
مبارک شاہ و ابراہیم شاہ بھیجدی ہے
لیکن میرے نوردیدگان کو اس طرح رخصت
کرنا کہ میری آنکھ روشن ہو۔
مختصر یہ کہ چونکہ اللہ پاک نے مبارک شاہ
کے مقدر میں سلطنت لکھی تھی بعد وفات
ملک الشرق باتفاق ارکان دولت تخت
سلطنت پر بیٹھا اور خود مبارک شاہ خطاب
رکھا۔ ایک سال چند ماہ سلطنت کرکے
سنہ ۸۰۴ھ میں وفات پائی۔
(از "احوال جونپور" مصنفہ میر کاظم علی)

"سلاطین جونپور" میں ہے کہ:۔
مبارک شاہ و ابراہیم شاہ ملک سلیمان ولد خضر خاں کے ہمراہ محمد تغلق
کے عہد حکومت میں ایران سے دہلی آئے۔ انکا نسب نامہ سادات
موسوی سے ملتا ہے مگر بیان الانساب میں ہے کہ یہ خاندان سنہ ۸۰۴ھ

میں شاہ جہان آباد وارد ہوا بسلسلہ نسب امام سید زین العابدینؓ تک پہنچتا ہے۔ خواجہ جہاں ملک سرور بھی انکے ساتھ آیا جو غلام تھا چونکہ وہ بہت عقل وفہم تدبر وفراست کا مالک تھا۔ اسکو دربار شاہی میں جگہ مل گئی۔ ملک مروان دولت جو فیروز شاہ کے زمانے میں ملتان کا صوبیدار تھا اس نے ملک سلیمان ولد خضر خاں کو اپنا پسر متبنیٰ قرار دیا تھا۔ اسکے مرنے کے بعد ملک سلیمان اسکی جگہ ملتان کا گورنر ہوا۔ ملک سلیمان کی وفات کے بعد اسکا لڑکا سید خضر خاں اسکا قائم مقام قرار دیا گیا۔"

یہی تفصیل کچھ فرق کے ساتھ شجرۂ خاندانی راجہ ارادت جہاں میں لکھی ہے کہ "یہ لوگ محمود تغلق کے عہد میں دہلی آئے اور دربار میں ملازم رہے۔ ان کے ہمراہ ایک غلام بھی تھا جسکا نام ملک سرور تھا۔ بادشاہ نے اسکو اپنی خدمت کے لیے پسند کیا۔ وہ شاہی ملازم ہوگیا جو ترقی کر کے شرقی سلطنت کا بانی ہوا۔ سید محمد خضر ملتان ودیپال پر حکمراں رہے اور سید ابراہیم شاہ شرقی وغیرہ جونپور کے بادشاہ تھے۔[۵۱]

مراۃ الاسرار میں ہے کہ:۔

"سلطان مبارک شاہ بجائے پدر بر تخت نشست کہ پسر خواندہ سلطان الشرق بود امّا در بعض کتب می نویسید کہ قرنفل نام پدر مبارک ست کہ سقائے سرکار سلطان	سلطان مبارک شاہ اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا کہ منہ بولا لڑکا سلطان الشرق کا تھا۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ قرنفل نام مبارک شاہ کے باپ کا تھا اور یہ سقا

---

۵۱ سلاطین جونپور قلمی ص ۳۸ شجرۂ ارادت جہاں۔ عمدۃ الکلام فی تاریخ اسلام ص ۳۶۸

الشرق بود۔ چوں مبارک پسر او صورت مطبوع داشت سلطان الشرق در خوردسالی او را بفرزندی خود قبول نمودہ تربیت کرد تا چناں شد بعد از وفات او باتفاق ارکان دولت بر تخت سلطنت نمودہ [۵۱]

سرکار سلطان الشرق تھا۔ مبارک شاہ کو سلطان الشرق نے بچپن ہی سے اپنی فرزندی میں لے لیا تھا۔ تعلیم و تربیت کی بعد وفات سلطان الشرق بہ اتفاق ارکان دولت تخت سلطنت پر بیٹھا۔

بیان الانساب سادات زیدیہ میں ہے کہ :۔

"سید سلطان محمود شرقی بن سلطان سید ابراہیم شرقی والی جونپور کہ برادر عم زاد حضرت سید نظام الدین ناصحی بودند و از صبیہ سلطان سید علاء الدین بداونی کہ نام نامی آں عفیفہ حضرت بی بی راجے بود مناکحت کرد از آں یک پسر سید سلطان حسین شرقی و یک دختر سعیدہ بی بی بوجود آمدند۔ پس متواتر نوشتہ جات در شاہجہان آباد فرستادہ ایشاں را طلبیدہ چنانچہ حسب الطلب برادر موصوف گام سرعت جانب خلافت جونپور بسال ہفت صد و شصت و شش ہجری متوجہ از شاہجہان آباد و بر سر کوڑہ

سید سلطان محمود شرقی ولد سید ابراہیم شرقی حضرت سید نظام الدین ناصحی کے چچا زاد بھائی تھے۔ سلطان علاء الدین بداونی کی دختر حضرت بی بی راجے سے انکا نکاح ہوا۔ اُن سے ایک لڑکا سلطان حسین شرقی اور ایک لڑکی سعیدہ بی بی پیدا ہوئی۔ شاہجہان آباد میں متواتر خطوط انکی طلبی کے آئے۔ چنانچہ برادر موصوف کے طلب کرنے پر ۷۶۶ھ ہجری میں جانب خلافت جونپور عازم ہوئے۔ شاہجہان آباد ترک کر کے کوڑہ جہان آباد اور الہ آباد عبور کر کے مع اہل و عیال

---

[۵۱] مراۃ الاسرار قلمی

جہان آباد و الہ آباد عبور نمودہ با اہل و عیال بمنزل مقصود یعنی دار الخلافت جونپور برگرفت و حضرت شاہ سید سلطان محمود شرقی دخترے داشتہ کہ نام نامی آں صبیہ سعیدہ بی بی بود در حبالۂ نکاح پسر ارشد سید سلطان نظام الدین بلخی ناصحی یعنی بہ حضرت بندگی سید خواجہ یوسف خاں ناصحی بلخی در آوردند۔ ازاں ہفت پسران و چند دختران بوجود آمدند از جملہ دختر کلاں سعیدہ بی بی از میر سید آخوند عرف میر سید سلونی ابن میر سید کرم اللہ نبیرہ سید بڈھے مورث اعلیٰ حضرات سادات لچگاؤں کتخدا گردید عفیفہ دویم ماں جی بی دختر سید حسین شاہ شرقی در حبالۂ نکاح میر سید بندگی جلال الحق قاضی خاں ناصحی ظفرآبادی در آوردند۔ و دختر اول جان بی بی میر سید درویش کلاں نبیرہ حضرت مخدوم سید اسد الدین آفتاب ہند ظفرآبادی کتخدا بودند۔ ازاں یک پسر میر سید مرتضےٰ بوجود آمد لاوارث فوت کرد

کے منزل مقصود یعنی دار الخلافت جون پور پہنچ گئے۔

حضرت شاہ سید سلطان محمود شرقی کی دختر نیک اختر جن کا نام نامی سعیدہ بی بی تھا۔ سید سلطان نظام الدین بلخی کے بڑے لڑکے یعنی حضرت بندگی سید خواجہ یوسف خاں ناصحی بلخی کے حبالۂ نکاح میں آئیں۔ ان سے سات لڑکے اور چند لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں سے بڑی لڑکی سعیدہ بی بی کا نکاح میر سید آخوند عرف میر سید سلونی سے ہوا جو میر سید کرم اللہ کے صاحبزادے اور سید بڈھے کے نواسے تھے۔ یہی سادات لچگاؤں کے مورث اعلیٰ ہیں۔ دوسری لڑکی ماں جی بی دختر حسین شاہ کا نکاح میر سید بندگی جلال الحق قاضی خاں ناصحی ظفرآبادی سے ہوا۔ اور پہلی لڑکی جان بی بی میر سید درویش کلاں سے بیاہی گئیں جو حضرت مخدوم سید اسد الدین آفتاب ہند کے نواسے تھے۔ ان سے ایک لڑکا سید مرتضیٰ پیدا ہوئے

...... سید سلطان ابراہیم ادھم در
آخر سلطنت خلیفہ ہارون رشید در
سال یکصد و ہفتاد و پنج ہجری از
ملک عرب بعزم اقامت بخارا آمدن
...... سلطان سید ابراہیم ادھم
از دختر شاہ بلخ و بخارا مناکحت کرد
لہذا باعث حصول سلطنت شد خطاب
سلطان التارکین یافت و در ایام
حکومت آنجا کہ قریب سی سال پرداخت
ہم ترک سلطنت کرد .... حضرت
قاضی میر سید تاج الدین ابراہیم ناصحی
یکے از بیرگان حضرت سید ابراہیم ادہم
منافی نطے کردہ معاودت از بخارا بر
افراشت و از آنجا در شاہ جہان آباد
در سال ہفت صد و ہشت ہجری مع
اہل و عیال گوشہ گرفت ؎۱

جو لاولد انتقال کر گئے۔ ......
سید سلطان ابراہیم ادھم خلیفہ ہارون
رشید کی سلطنت کے آخری زمانے میں یعنی
۱۷۵ھ ہجری میں ملک عرب سے بغرض قیام
بخارا آئے اور بادشاہ بلخ و بخارا کی
دختر سے نکاح کیا اور یہ ذریعہ حصول
سلطنت کا ہوا۔ اور سلطان التارکین
خطاب پایا۔ وہاں تیس برس قیام
کر کے سلطنت ترک کر دیا۔ .....
.... حضرت
قاضی میر سید تاج الدین ابراہیم ناصحی
نے بسلسلۂ قرابت بخارا کی سکونت
ترک کر دی اور ۷۰۸ھ ہجری میں
مع اہل و عیال شاہجہان آباد
تشریف لائے اور گوشہ گیر ہو گئے

ان مورخین کے درمیان کچھ اختلاف بھی ہے۔ کسی نے بخارا لکھا ہے اور کسی نے ہویزا ملک ایران۔ چونکہ ایران اور بخارا اس زمانے میں قریبی تعلقات رکھتے تھے اسلئے مبارک شاہ اور ابراہیم شاہ کا ایران سے آنا اور ایرانی

؎۱ بیان الانساب السادات زیدیہ صفحہ ۱۲۹-۱۳۱ مطبوعہ ۱۹۱۲ء

النسل ہونا قطعی درست ہے اور سب سے پہلے یہ لوگ ۸۰۶ھ میں شاہجہان آباد میں وارد ہوئے مگر ان لوگوں کی آمد کے بارے میں میر کاظم علی مصنف احوال جونپور کے بیان کی کسی تاریخ سے مطابقت نہیں ہوتی۔ بلکہ تاریخ کی کڑیاں بکھری نظر آتی ہیں۔ کہ یہ لوگ ملک سرور کے پاس کس تعلق اور رشتہ سے آئے۔ حالانکہ یہ بات مسلم ہے کہ سید ابراہیم شاہ و سید مبارک شاہ سید خضر خاں کے بھانجے تھے اور سید ابراہیم شاہ داماد۔ ایسی صورت میں ان لوگوں کی آمد اور دریافت حال کے بارے میں جو ہے وہ درجہ یقین کو نہیں پہونچتا کیونکہ مورخین لکھتے ہیں کہ سید خضر خاں کے والد بھی ملتان کے گورنر تھے جن کی قائم مقامی خضر خاں کو دی اس لئے بھی ان کی آمد ان تعلقات کی بنا پر خضر خاں کے یہاں ہونی چاہیئے بلکہ انلوگوں کی آمد اور ملک سرور سے قدیم تعلقات اور اسی سے منسلک سید خضر خاں کے واقعات اور سید محمود شاہ شرقی و سید حسین شاہ شرقی کی لڑکیوں کی شادیاں سید جلال الدین قاضی خاں ناصحی اور سید آفتاب ہند کے بیٹوں اور پوتوں سے ہونے کی تفصیل جس طور سے سلاطین جونپور۔ عمدۃ الکلام۔ گزیٹر جونپور مرأۃ الاسرار۔ شجرۂ خاندانی اور بیان الانساب زیدیہ میں ملتی ہے۔ اس سے تاریخ کی کڑیاں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں اور واقعات میں ربط و تسلسل پیدا ہوجاتا ہے اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہی واقعات صحیح ہیں اور یہ بات تمام مورخین نے لکھی ہے کہ ملک سرور خواجہ جہاں کو سالار رجب نے محمود تغلق کی خدمت کے لئے دیا تھا۔ یہ وہی سید رجب علی ہیں جو سید ابراہیم شاہ شرقی کے والد ہیں۔ اس طور پر یہ کہانی درست ہے کہ ان لوگوں کے ہمراہ خواجہ جہاں بھی آیا تھا۔ ورنہ اگر ملک سرور سے ان دیرینہ تعلقات اور سید خضر خاں کی حکومت اور رعب و جلال کو نظر انداز کردیا جائے تو پھر یہ مسئلہ زیر بحث رہجاتا ہے

کہ ملک سرور نے کیونکر کس تعلق ورشتہ کی بنا پر مبارک شاہ کو متبنیٰ کر لیا تھا اور شمالی ہند کی سب سے بڑی سلطنت شرقیہ کا بادشاہ ہونے کی وصیت کر گیا تھا لہذا یہی درست ہے کہ ملک سرور بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ ہویزا (ایران) یا بخارا سے آیا اور انھیں قدیم و دیرینہ تعلقات و رشتہ کی بنا پر مبارک شاہ کو پسر متبنیٰ قرار دیا۔ اس کی تائید مراۃ الاسرار سے بھی ہوتی ہے :۔ کہ

"سلطان المشرق درخورد سال اورا بہ فرزندی خود قبول نمودہ تربیت کرد"

اسکی وجہ یہ ہے کہ سید مبارک شاہ کم عمر تھا کہ اسکے باپ سید رجب علی کا انتقال ہو گیا چونکہ ملک سرور پہلے ان لوگوں کا غلام تھا اور اس وقت برسر حکومت تھا اس نے قدیم تعلقات کی بنا پر اپنے آقا کے فرزند کی تعلیم و تربیت اور پشت پناہی کی چونکہ اسکے کوئی اولاد نہ تھی اسلئے پسر متبنیٰ بھی قرار دیدیا۔

"جغرافیہ دار السرور" قلمی میں ہے کہ مبارک شاہ ملک سرور کا داماد تھا اسکی تائید تجلیات العارفین قلمی سے بھی ہوتی ہے مگر اور تمام مورخین لکھتے ہیں کہ وہ لاولد تھا [۱] انسائیکلوپیڈیا ورلڈ ہسٹری بائی ولیم یل لنگر میں ہے کہ :۔

"ملک سرور خواجہ جہاں اور اسکا پسر متبنیٰ مبارک شاہ اور ابراہیم شاہ جس نے علم و فن کی قدردانی اور محافظت کی ہو سکتا ہے کہ نائجیرین [۲] (نیگرو افریقن) رہے ہوں اسی طور پر بعض لوگوں نے ماوراء النہر کا باشندہ لکھا ہے جسکا تعلق بھی ایران سے ہی۔ مگر دوسری تاریخوں سے نہ اسکی تائید ہوتی ہے اور نہ واقعات کا ربط و تسلسل ہی ملتا ہے اس لئے اس تحریر میں شبہہ کا اظہار کیا گیا ہے۔

---

۱ تجلی نور حصہ سوم ص۱۲ طبقات ناصری مراۃ العالم سیر الملوک سلاطین جونپور ص۵ فرشتہ

۲ انسائیکلو پیڈیا بائی ولیم بل لنگر ص۳۳۴

سیّد مبارک شاہ

ملک سرور خواجہ جہاں کی وفات کے بعد ۱۳۹۹ء میں ملک سرور کا پسر متبنیٰ مبارک شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کی جونپور میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ تمام ارکین دولت اور مصاحبین نے چراغاں کئے۔ جشن جلوس پر شعرائے جونپور نے تہنیتی قصائد اور قطعات پیش کئے۔ بادشاہ و ارکان دولت نے انعام کثیرہ سے نوازا۔ فراہی نے حسب ذیل قطعہ پڑھا تھا:۔

گشت چوں پادشہ مبارک شاہ — شادی آمادہ گشت برپا جشن
سالِ تاریخ ایں خجستہ جلوس — شد نگہبان "عالم آرا جشن"

(ترجمہ) "جب مبارک شاہ بادشاہ ہوا تو خوشیاں منائی گئیں اور جشن برپا کئے گئے اور اس مبارک جلوس کی تاریخ یہ ہے یعنی دنیا کا سنوارنے والا اس جشن کا نگہبان ہے"

تخت نشینی کے بعد تمام ممالک محروسہ کو اپنے قبضہ و اقتدار میں لاکر انتظامات کو درست کیا اور ۸۰۲ھ میں خطبہ و سکہ اپنے نام کا جاری کیا۔ سلطان محمود دہلی نے جب مبارک شاہ کی تخت نشینی کی خبر سنی تو آگ بگولہ ہو گیا کیونکہ ملک سرور نے اسکی کمزوری اور افراتفری کا ناجائز فائدہ اٹھاکر خود مختار سلطنت شرقیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ ۸۰۳ھ میں اس نے اسکے استیصال کے لئے لشکر کشی کی اور دوسرے دشمن بھی موقع غنیمت جان کر ظاہر ہو گئے۔ مگر مبارک شاہ کی حسن تدابیر نے دشمنوں کے منصوبوں کو ہمیشہ کے لئے خاک میں ملا دیا۔

ملو اقبال خاں نے جونپور کی تسخیر کا ارادہ کیا اور ایک لشکر جرار لیکر دہلی سے جونپور کی طرف بڑھا۔ جب مبارک شاہ ملو اقبال کی آمد سے مطلع ہوا تو دشمنوں کو روکنے کے لئے ایک کثیر فوج کے ہمراہ دہلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسکی فوج میں افغان، مغل، تاجیک اور راجپوتوں کی ایک عظیم جمعیت تھی۔ گنگا کے کنارے دونوں لشکر فروکش ہوگئے۔ خیمہ و خرگاہ کے عکس سے سطح آب میں قوس قزح کے رنگ دکھائی دیتے تھے۔ درمیان میں دریا حائل تھا۔ دو مہینے تک دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے۔ کسی کی یہ جرأت و ہمت نہ ہوئی کہ ایک دوسرے پر حملہ کرتا۔ آخر کار، بارش زور پر شروع ہوگئی اور گنگا میں طغیانی کے آثار نمودار ہوگئے۔ دونوں بادشاہ تنگ آکر بے مجادلہ و بے محاربہ اپنے اپنے مقاموں کو واپس چلے گئے۔ جب مبارک شاہ جونپور لوٹ کر آیا تو اُسے معلوم ہوا کہ سلطان محمود مالوہ سے پھر دہلی آگیا اور اقبال خاں سے مل کر ایک ساتھ جونپور پر دونوں حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مبارک شاہ نے بھی اس حملہ کو روکنے کیلئے ایک نئی ترتیب سے لشکر فراہم کیا اور ابھی دشمن سے سامنا نہ ہوا تھا کہ موت کا پیغام آگیا اور وہ فوت ہوگیا۔ ؎[1]

مبارک شاہ ایک قوی ہیکل جوان تھا اور اسکے اندر ملک سرور کی صحبتِ دیرینہ کیوجہ سے امورِ سلطنت اور جہانبانی کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ مرأۃ الاسرار میں ہے کہ "اسکا باپ سلطان الشرق کے یہاں سقائی پر مامور تھا" مگر فصیح الدین نے "کنگز آف دی ایسٹ" میں لکھا ہے کہ:۔

"مبارک شاہ ہوسکتا ہے کہ فیروز شاہ کا ایک کوزہ بردار (سقا) رہا ہو

؎[1] تاریخ ہند جلد ہشتم ذکاء اللہ صفحہ ۲۰۴۔ تاریخ فرشتہ۔ جونپور نامہ قلمی خیر الدین۔ سلاطین جونپور صفحہ ۵-۶

جیساکہ اکثر مورخین نے لکھا ہے مگر سقا کو غلام کے مترادف نہ
سمجھنا چاہیئے۔ یہ انگریزی کے ترجمہ میں غلطی سے مستعمل ہوگیا ہے
یہ ایک شخص کا ایسا عہدہ ہے جو شاہی خاندان کے نوجوانوں کے
مساوی سمجھا جاتا ہے۔ انگریزی میں غلام کے ترجمہ کی وجہ سے
یہ غلطی پیدا ہوگئی ہے۔"

پتہ نہیں مولوی فصیح الدین نے مبارک شاہ کو کیسے فیروز شاہ کا سقا (کوزہ بردار) لکھدیا۔ میں نے بہت تلاش کیا مگر کسی کتاب میں نظر نہ پڑا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی فصیح الدین کو فارسی عبارت سے کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے اور غلطی سے انھوں نے بجائے اسکے باپ کے خود مبارک شاہ کے لئے تحریر کردیا۔ دوسری غلطی یہ کی ہے کہ بجائے ملک الشرق کے فیروز شاہ کا کوزہ بردار لکھدیا جو سراسر غلط ہے۔ مراۃ الاسرار کی عبارت بالکل صاف ہے کہ :-

"اما بعضے کتب می نویسید کہ قرنفل نام پدر مبارک است کہ سقائے سرکار ملک الشرق بود"
ہوسکتا ہے کہ اس کا باپ سقا کی خدمت پر مامور رہا ہو اور آجکل کی اصطلاح میں یہ عہدہ محکمہ آب رسانی کے عہدے کے برابر ہے۔ غلام کے معنی میں اسکا استعمال بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس قسم کے عہدے بہت ہی ایماندار، دیانتدار اور خاص عزیز لوگوں کو جن کی طرف سے پورا اطمینان اور بھروسہ ہو دیا جاتا تھا۔ فصیح الدین نے شبہہ کا اظہار کرتے ہوئے اپنی کمزوری کو پوری طور پر ظاہر کردیا ہے اس لئے مبارک شاہ کے لئے سقا کی کہانی بالکل غلط ہے۔ اگر رہا بھی ہوگا تو مبارک شاہ کا باپ رجب علی۔

ملک اکرم شمس الدین

المعروف بہ

ابراہیم شاہ

رسم تاجپوشی سید مبارک شاہ کے انتقال کے بعد مسند شاہی کی وراثت کے لئے کسی اختلاف رائے یا فتنہ و فساد برپا ہونے کی گنجائش نہ تھی اسلئے سید مبارک شاہ کا چھوٹا بھائی سید ابراہیم شاہ جو علم و حکمت، فراست و تدبر میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اور اپنے بڑے بھائی مبارک شاہ کے کار منصبی کو سنبھالنے میں ہر قسم کا تجربہ رکھتا تھا، تخت نشین ہوا۔ رسم تاجپوشی میں بنگال بہار۔ ترہت۔ اودھ اور قنوج کے امراء اور راجگان نے بیش بہا تحائف نذر کئے۔ عزیز و اقارب اور رعایا نے چراغاں کئے اور خوشیاں منائیں۔ مدرسوں اور خانقاہوں میں لنگر خانے جاری ہوئے۔ غربا اور محتاجوں میں انواع و اقسام کے کھانے تقسیم کئے گئے۔ دار الخلافہ جونپور کے بیشتر مقامات پر نقار خانے اور چوکیاں بٹھائی گئیں۔ علماء اور فقرا خلعت شاہی سے

سرفراز کیے گئے۔ شعرا نے قصائد اور تہنیت نامے پیش کیے۔ غرضکہ اس تقریب میں جونپور کی خاک کا ذرہ ذرہ شاد و مسرور نظر آرہا تھا۔[۱]

شرقی سلطنت کے درباری شاعر **فراہی** نے اس جشن جلوس کے موقع پر قطعہ ذیل پڑھکر کافی انعام حاصل کیا۔

زہے شاہ بحرِ سخا عدل گستر | باو تاج و تخت و نگیں شد مسلّم
بروں آر سالِ جلوسِ ہمایوں | ز سلطان اہل صفا شاہ عالم

رسم تاجپوشی کے بعد ابراہیم شاہ نے سلطنت کے ارکین و عہدہ داران کا بہ نظر عمیق جائزہ لیا۔ مبارک شاہ اور خواجہ جہاں ملک سرور کے عہد کے امراء اور جاگیرداروں اور عہدہ داروں میں سے بیشتر کو ان کی جگہوں پر بحال رکھا اور کچھ امرائ اور عہدہ داروں کا اضافہ بھی کیا۔

قاضی نصیر الدین گنبدی جو مبارک شاہ کے عہد میں بعہدہ قضا مامور تھے، ابراہیم شاہ نے اپنے دربار میں مشیر سلطنت کی حیثیت سے داخل کیا اور اپنے برادر **سید مخلص** کو وزیر خاص کا درجہ عطا کیا۔ **قاضی نظام الدین کیسکلانی** کو قاضی کا عہدہ دیا۔ **قاضی شہاب الدین** دولت آبادی **ملک العلماء** کو قاضی القضاۃ کا منصب جلیلہ عطا کیا۔ **ملک شجاع الملک** اور **ملک میر ضیا۔ حضرت عثمان شیرازی۔ حضرت سید صدر جہاں اجمل** اور **سید فتح علیشاہ** جو قدیم خیرخواہان سلطنت سے تھے، نائب وزیر اور امرائے دربار کے عہدوں پر مامور کیے گئے۔ **شاہ فیروز** جو ابراہیم شاہ کے معتمدین میں سے تھے وزیر خزانہ مقرر کیے گئے۔ **نندلال** اپنی دیانت داری اور حسن قابلیت کی وجہ سے سلطنت کے دیوان مقرر ہوئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے امرائے نامو کو عہدے تقسیم کیے گئے

---

[۱] سلاطین جونپور صـ۷

جنگی تیاریاں

ابراہیم شاہ نے اکثر و بیشتر نئے عہدیداروں کا اضافہ کر کے اپنی سلطنت کی بنیاد کو مستحکم کر لیا اور پھر سلطنت کے دوسرے شعبوں کی طرف نگاہ ڈالی۔ سب سے پہلے اپنی فوجی طاقت کا جائزہ لیا مبارک شاہ کے عہد کی فوج اس کی نگاہ میں بہت حقیر ثابت ہوئی۔ ہاتھی اور گھوڑوں کی تعداد بھی اطمینان بخش نہ تھی اس لئے اس نے اطراف و جوانب میں امراء کو خریداری اسپ و فیل کے لئے ہدایات جاری کیں۔ داؤد خاں، یار خاں سمپت سنگھ وغیرہ اصطبل کے داروغہ تھے۔ گھوڑوں کے عیب و ہنر اور ان کی نسل اور پرورش سے کماحقہ، واقفیت رکھتے تھے۔ چند ماہ میں طرح طرح کے تازی و ترکی گھوڑے اور فن جنگ میں مہارت رکھنے والے لڑاکا ہاتھی راجدھانی میں آنا شروع ہو گئے۔ یار خاں جو خواجہ جہاں کے وقت کا ایک وفادار اور بوڑھا داروغہ اصطبل تھا اس کی نگرانی میں گھوڑے داغ کر کے اصطبل میں داخل کئے جانے لگے۔ غرضکہ اسپ و فیل کی طرف سے بھی ابراہیم شاہ کو کافی اطمینان ہو گیا۔ باہر سے آئے ہوئے ہاتھی اور گھوڑے جو اثنائے راہ میں بیمار ہو کر دارالسلطنت میں پہنچے تھے ابراہیم شاہ نے ان کو امراء اور عہدیداران میں تقسیم کر دیا کہ وہ علاج کرا کے اپنے مصرف میں لائیں۔ ۵ل

فوج کے ملازمین میں کچھ بددلی دیکھ کر ابراہیم شاہ نے فوجیوں کو لباس اور جدید اسلحے تقسیم کئے اور ان کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا۔ ابراہیم شاہ کی فوج میں سب سے اہم **عراقی دستہ** تھا جس پر ابراہیم شاہ ناز کیا کرتا تھا۔ یوں تو ابراہیم شاہ کی فوج میں راجپوتوں کی اکثریت تھی مگر عراقی دستہ کو پوری فوج پر

ا

۵ل سلاطین جونپور۔ تذکرہ درویشیہ

افضلیت حاصل تھی جسکے سپہ سالار حضرت خالص مخلص تھے۔ ابراہیم شاہ کے رسالداروں اور سپہ سالاروں میں افغان، مغل، تاجیک، راجپوت اور سادات سبھی داخل تھے۔ ان میں عماد الملک بختیار خاں۔ دبیر الملک قتلغ خاں ملک شجاع الملک اور سید مخلص وغیرہ ممتاز درجوں پہ فائض تھے۔ ان کے علاوہ مہر علی، ہیبل خاں، رسول خاں، تاتار خاں۔ ملک مبارک گنگ، ملک علی گجراتی، مہربان خاں، ملک کالو۔ شیخ چاند۔ افسر الملک سید عبد اللہ۔ رحیم خاں کرد، باہن سنگھ۔ بھوجا سنگھ۔ رائے سنگھ۔ ساونت سنگھ وغیرہ مایۂ ناز افسروں میں سے تھے اور جنگی معرکوں کا کافی تجربہ رکھتے تھے۔ رسالدار نعمت خاں کو جو خواجہ جہاں کے ہمراہ دہلی سے آیا تھا اور بھوجا سنگھ کو جو قنوج کے راجاؤں کے خاندان سے تھا ابراہیم شاہ بیحد مانتا تھا۔ یہ دونوں رسالدار ضعیف تھے اور جنگوں کے معاملہ میں بیحد تجربہ کار تھے۔ ابراہیم شاہ ان دونوں رسالداروں کی رائے اور مشورے سے فوج کو ترتیب دیا کرتا تھا۔

ابراہیم شاہ کی فوج میں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کی بھی کافی تعداد تھی جو آس پاس کے جاگیرداروں اور زمینداروں کی زیر نگرانی تربیت پاتے تھے اور اسی لئے اسکے لشکر میں ہندو اور مسلمان سلطنتوں پر حملہ کرنے میں کبھی ابتری پیدا نہ ہوئی [۱]

ملو اقبال سے جنگ

ابراہیم شاہ اپنے بڑے بھائی مبارک شاہ کی دفعتاً موت کے بعد سلطنت کے نظم و نسق میں مصروف تھا کہ دہلی کے ملو اقبال خاں اور ناصر الدین محمود شاہ میں باہم سازباز ہو گیا جو

۱۔ تاریخ سلاطین جونپور۔ تذکرہ درویشیہ قلمی

اس وقت مالوہ میں تھا اور دونوں نے طے کیا کہ سب سے پہلے قنوج فتح کر لیا جائے اسکے بعد دونوں مل کر جونپور پر حملہ آور رہوں۔ ایک قنوج پر اکتفا کرے دوسرا جونپور پر۔ چنانچہ اس قرارداد کے تحت دونوں مع لشکر قنوج تک بڑھ آئے۔ ابھی دریا عبور نہ کیا تھا کہ ابراہیم شاہ کو اس کی خبر ہوگئی۔ اس نے فوراً لشکر کشی کا حکم صادر کر دیا اور حدود سلطنت کے ہر علاقہ سے فوجیں مع سرداروں کے آکر قلعہ شاہی میں جمع ہونا شروع ہو گئیں۔ جب ابراہیم شاہ کو اطمینان ہو گیا تو ایک کثیر فوج عماد الملک بختیار خاں کی ماتحتی میں روانہ کر دی ؎

قنوج کے قریب پہونچتے ہی ملک نعمت خاں نے عماد الملک کو مشورہ دیا کہ غنیم کو پوری طاقت مجتمع کرنے تک انتظار کیا جائے۔ اور فوجوں نے دریائے گنگا کے کنارے خیمے ڈال دیئے۔ اتنے میں ابراہیم شاہ بھی اپنے خاص سرداروں کے ساتھ موقع پر پہونچ گیا۔

ادھر حسن اتفاق کہ ملو اقبال خان اور محمود شاہ میں کچھ اختلاف رائے واقع ہو گیا اور اقبال خاں سلطان محمود شاہ کی شرطوں پر لڑنے کے لئے کسی طرح راضی نہ ہوا۔ سلطان محمود نے حالات کو دیکھتے ہوئے اقبال خاں سے شکار کا بہانہ کیا اور مع اپنے چند رفقائے کار کے سیدھا ابراہیم شاہ کے پاس حاضر ہو گیا۔ ابراہیم شاہ سلطان محمود کو دیکھکر دریائے استعجاب میں غرق ہو گیا اور محمود کی بلا اطلاع عزیمت کو ایک سیاسی چال تصور کر کے محمود کو خاطر میں نہ لایا بلکہ محمود سے خلاف توقع برتاؤ سے پیش آیا۔

محمود سے جنگ | سلطان محمود سمجھتا تھا کہ ابراہیم شاہ خاندان تغلق کا پروردہ

؎ فرشتہ۔ گزیٹر جونپور۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ ص۰۶

اور نمک خوار ہے وہ اُسے جونپور کا بادشاہ تسلیم کرلے گا اور خود ماتحت بن کر رہے گا، مگر ابراہیم شاہ کی بے رخی دیکھکر بلا کسی خواہش کا اظہار کیئے ہوئے پھر قنوج واپس گیا اور وہاں کے امیر ہروی کو جسے ابراہیم شاہ نے مامور کیا تھا قلعہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ امیر ہروی نے بغیر جنگ کیئے قلعہ چھوڑ دیا اور سلطان محمود شاہ نے اسی پر اکتفا کرلی۔

سلطان محمود کا ارادہ بدل جانے کی وجہ سے ملّو اقبال خاں کی قوت بھی ختم ہوگئی اور اب اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ ابراہیم شاہ سے تنہا مقابلہ کرسکے۔ اسلئے اس نے دہلی کا رخ کیا اور یہ دیکھکر ابراہیم شاہ بھی جونپور واپس چلا آیا۔ [۱]

۸۰۵ھ میں سلطان محمود شاہ نے قنوج میں آکر قیام کیا اور فوجوں کی تیاری شروع کردی تاکہ دہلی پر حملہ کرکے قابض ہوجائے۔ ملو اقبال خاں اسوقت دہلی میں موجود نہ تھا کیونکہ وہ ۸۰۵ھ میں گوالیار کی تسخیر کو گیا ہوا تھا اسوقت راجہ گوالیار نرسنگھ دیو کا انتقال ہوچکا تھا اور اسکا لڑکا برم دیو گوالیار کا حاکم تھا۔ اقبال خاں کی آمد سُن کر برم دیو قلعہ میں محفوظ ہوگیا۔ اقبال خاں کی فوجوں نے محاصرہ کیا مگر قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ اس لئے نواح میں لوٹ مار کرکے واپس ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد پھر قلعہ پر یلغار کی اور برم دیو نے مقابلہ کیا۔ اس مرتبہ بھی برم دیو شکست کھاکر قلعہ میں پناہ گزیں ہوا اور اقبال خاں اطراف میں قتل و غارتگری کرکے واپس لوٹ آیا۔ ۲ برس بعد اقبال خاں نے اٹاوہ پر حملہ کیا اور راہ میں رائے سمیر اور رائے جھالا وغیرہ چار ماہ تک جنگ و جدل میں مصروف

---

[۱] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص۳۰۴ جونپور نامہ خیرالدین

رہا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ محمود شاہ قنوج سے دہلی کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس نے پھر قنوج کا رُخ کیا۔ محمود شاہ نے اس وقت قلعہ میں پناہ لی۔ اقبال خاں نے وہاں پہونچکر قلعہ کو حصار میں لے لیا اور مدتوں جنگ جاری رکھی۔ آخر کار محرم ۸۰۸ھ میں عاجز آکر واپس لوٹ آیا اور پھر سمانہ کا رخ کیا۔ فیروز شاہ کا خانہ زاد بہرام خاں ترک اسوقت سمانہ کا حاکم تھا۔ اقبال خاں کے پہنچتے ہی اس نے کوہ دھور میں پناہ لی اور اقبال خاں اسکے تعاقب میں کوہ دھور تک پہنچ گیا۔ دونوں میں قتل و غارت کا بازار گرم ہونے ہی والا تھا کہ حضرت علیم الدین نبیرۂ سید جلال الدین بخاری نے دونوں کے درمیان صلح کرادی مگر اقبال خاں نے مع بہرام کے ملتان کو مراجعت کی۔ ملتان میں اسوقت سید خضر خاں حاکم تھا۔ اقبال خاں نے خضر خاں کو قلعۂ ملتان سے نکال باہر کیا اور وہاں اپنے نام سے خطبہ اور دہلی کا سکہ جاری کیا۔ اس کے بعد تلونڈی میں رائے داؤد اور رائے ہیو ولد رائے رتی کو اسیر کیا اور بہرام خاں ترک کا پوست کھنچوایا اور راجو دھن کے قریب فروکش ہوا۔[1]

خضر خاں ملتان میں شکست کھانے کے بعد سے اقبال خاں کی تاک میں لگا ہوا تھا اور پنجاب، ملتان اور دیپال پور میں آہستہ آہستہ فوج اکٹھا کر رہا تھا۔ موقع پاکر انیسویں جمادی الاول ۸۰۸ھ کو اقبال خاں پر حملہ آور ہوا۔ اس جنگ میں ملو اقبال خاں کو بُری طرح شکست ہوئی۔ اسلام خاں لودی کے سپاہیوں نے ملو اقبال خاں کا سر کاٹ کر خضر خاں کے پاس لا حاضر کیا اور خضر خاں نے وہ سر فتح پور میں اقبال خاں کے دروازے پر آویزاں

---

[1] کنگز آف دی ایسٹ۔ جونپور کا اتہاس۔ تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند ذکاء اللہ

کرا دیا۔

ابراہیم شاہ کا قنوّج پر حملہ

جب اقبال خاں کا نام و نشان مٹ گیا تو دولت خاں لودی اور اختیار خاں نے ناصرالدین محمود کو قنوج سے دہلی طلب کیا اور چند آدمیوں میں اسے دہلی کا بادشاہ بنا دیا۔ اب ناصرالدین محمود نے دولت خاں لودی کو ایک لشکر گراں دیکر سمانہ بھیجا جہاں کا حاکم بیرم خاں ترک بچہ تھا جو فیروز شاہ باربک کا پروردہ تھا۔ اور ۱۴۰۶ء کو خود قنوج کی طرف روانہ ہوا۔ محمود کی قنوج کو روانگی کی خبر پاتے ہی ابراہیم شاہ بھی جونپور سے اپنے بہادر جانبازوں کی ایک بڑی سپاہ کے ساتھ قنوج کو روانہ ہوگیا۔ دونوں فوجیں کچھ دنوں قنوج کا محاصرہ کئے پڑی رہیں آخر کار بے نیل و مرام اپنے اپنے مقام کو واپس ہوگئیں۔

اس جنگ سے محمود شاہ کے لشکر کے آدمیوں کی ہمتیں پست ہوگئیں اور سلطان کا ساتھ چھوڑ کر لوگ اپنے اپنے وطن کو مراجعت کرنے لگے۔ محمود جب دہلی پہنچا تو وہاں بھی فوجی حالات قابل اعتماد نہ تھے۔

ابراہیم شاہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قنوج کی طرف کوچ کر دیا اور چار ماہ تک قنوج کا محاصرہ کئے پڑا رہا۔ جب دہلی سے کوئی امداد نہ پہونچی تو ملک محمود ترمتی حاکم قنوج نے ناچار ہوکر ابراہیم شاہ سے امان طلب کی اور قلعہ کو بغیر کشت و خون کے ابراہیم شاہ کے حوالہ کر دیا۔ ابراہیم شاہ نے پوری برسات قنوج میں گزاری اور اسی اثنا میں جنگی تیاریوں میں بھی مصروف رہا۔ [1]

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند ذکاءاللہ۔ گزیٹیر جونپور

ابراہیم شاہ کا دہلی پر حملہ

فوجوں کی تیاری کر کے ابراہیم شاہ ماہ جمادی الاول ۸۱۰ھ ۱۴۰۶ء کو دہلی پر حملہ کی غرض سے روانہ ہو گیا۔ چونکہ ابراہیم شاہ عقل و فراست، شجاعت اور عالی ہمتی اور عدل و سخاوت میں مشہور تھا اس لئے دہلی کے بعض امرائے کبار مثلاً **تاتار خاں ولد سارنگ خاں، ملک خاں، غلام اقبال خاں** وغیرہ سرداروں نے آکر ابراہیم شاہ کا استقبال کیا اور اسکے شریک ہو گئے۔ اب ابراہیم شاہ کی فوجی طاقت زیادہ قوی ہو گئی اور اس نے سنبھل کی طرف قدم بڑھایا اور اسد خاں لودی جو اس وقت سنبھل کا حاکم تھا شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ابراہیم شاہ نے سنبھل کا انتظام تاتار خاں کے سپرد کیا اور آگے بڑھ کر دریائے جمنا کے کنارے فروکش ہوا۔ ابھی دریائے جمنا پار کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ مخبر خبر لیکر حاضر ہوئے کہ مظفر شاہ گجراتی نے الپ خاں والی منڈو اور ہوشنگ خاں والی مالوہ کو گرفتار کر کے قبضہ کر لیا ہے اور محمود شاہ کی مدد کو آ رہا ہے تاکہ اس کو ساتھ لے کر قنوج اور جونپور پر حملہ کرے۔

ابراہیم شاہ نے اس خبر کو سُن کر جونپور کو مراجعت کی اور سنبھل میں تاتار خاں کو خبردار کر دیا۔ جب محمود شاہ کو معلوم ہوا کہ ابراہیم شاہ جونپور چلا گیا تو اس نے دہلی سے روانہ ہو کر سنبھل پر حملہ کر دیا اور تاتار خاں کو شکست دیکر سنبھل پر قابض ہو گیا۔ اب ابراہیم نے اپنے شہر کے نظم و نسق اور آراستگی کی طرف توجہ کی اور اپنے دل و دماغ سے کچھ دنوں کے لئے سنبھل کو واپس لینے یا دہلی پر قبضہ کرنے کا خیال نکال دیا۔[1]

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم

ترہٹ پر چڑھائی

سنہ ۸۱۰ھ / ۱۴۰۶ء کو ابراہیم شاہ شرقی کو معلوم ہوا کہ ملک اسلم نے ترہٹ کے راجہ گنیس کو پاس بلوا کر دھوکے سے قتل کر دیا ہے جسکی فریاد لے کر مقتول راجہ کے بھائی شرقی سلطنت سے امداد لینے آئے ہیں۔ چونکہ ترہٹ کا علاقہ اس زمانے میں شرقی سلطنت کا باجگذار تھا اس لئے ابراہیم شاہ نے فریادیوں کو تسکین دی اور ایک کثیر فوج ترہٹ کے راجہ کے بھائیوں کے ساتھ کر دی اور خود بھی ساتھ ہو لیا۔ ترہٹ پہونچنے کے بعد ابراہیم شاہ نے ملک اسلم کے پاس قاصد بھیجکر دریافت کیا کہ ترہٹ کے راجہ گنیس کا قتل اور انکی سلطنت پر قبضہ کیوں کیا گیا جبکہ یہ سلطنت شرقی سلطنت کی باجگذار ہے۔ ملک اسلم نے ابراہیم شاہ کو معقول جواب نہیں دیا بلکہ اپنی طاقت پر غرور کا اظہار کیا۔ ابراہیم شاہ نے مقتول راجہ کے بڑے لڑکے کیرتی سنگھ کو اپنی فوج پیدل، سوار، فیل اور سامان حرب و ضرب سب کچھ حوالہ کر دیا اور کہا کہ "پہلے آپ اپنے باپ کا بدلہ لینے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ سے معاملہ سر نہ ہوا تو میں حاضر ہوں۔" [۱]

چنانچہ کیرتی سنگھ ملک اسلم کے مقابلہ میں آگئے اور دونوں فوجوں میں زبردست معرکۂ کارزار گرم ہو گیا۔ کشتوں پر کشتے ڈھیر ہونے لگے۔ اس وقت کا نقشہ وِدیاپتی شاعر نے اپنی تصنیف کیرتی لتا میں یوں کھینچا ہے:-

> "فوج کی تعداد کون جانے۔ فوج کے سپاہی زمین پر اس
> طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے تالاب میں کنول کا پھول ......
> خوف سے پہاڑ اپنی جگہ چھوڑنے لگے۔ زمین کو زلزلہ آگیا چہرۂ خورشید

---

[۱] کیرتی لتا مصنفہ ودیاپتی ٹھاکر

گرد و غبار کے پردے میں چھپ گیا۔ ہر طرف طبل جنگ بجنے لگے اور قیامت کے آثار نظر آنے لگے۔ آدمیوں کی آوازیں دب گئیں۔ سیکڑوں ترک جوان ہنسنے لگے تلواریں مارتے جاتے تھے آگے بڑھتے جاتے تھے۔ دشمن خوف سے ہراساں ہونے لگا مسلمان سپاہی جب اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر دشمن پر حملہ کرتے تھے تو آسمان سے فرشتے داد تحسین کا شور بلند کرتے تھے پیدل فوج نے پیدل چل کر دریا کا پانی خشک کر دیا۔ کوئی پکڑ کر لایا گیا کسی نے خود سے حاضر ہو کر جان بخشی چاہی۔......
دشمنوں کو واصل جہنم کرنے والے محمد مدگامی[2] نے سب سے پہلے اپنا گھوڑا دریائے گنڈک میں ڈالا تھا۔ یہ جنگ رائے پور سے پورب جانب دوپہر کے وقت کھیتوں میں واقع ہوئی تھی اور ملک اسلم[1] کیرتی سنگھ سے کئی گھنٹہ کی جدال و قتال کے بعد شکست کھا کر میدان سے بھاگ نکلا۔ کیرتی سنگھ کی فتح ہوئی۔ ابراہیم شاہ نے ترہت کا علاقہ پھر کیرتی سنگھ کے حوالے کر دیا۔"

اسی سال ابراہیم شاہ شرقی نے بنگال کی شورش کی خبر پائی اور فوج لیکر بنگال روانہ ہو گیا۔ جنگ کے بعد وہاں کا راجہ مغلوب ہوا اور مشرف باسلام ہوا۔ اسلامی نام اس کا (فرشتہ کے قول کے مطابق) شہاب الدین بایزید رکھا گیا

ا۔ ملک اسلم کا نام کسی تاریخ میں نہیں ملتا اور نہ اس جنگ کی کسی تاریخ سے تائید ہوتی ہے۔ ممکن ہے معمولی جنگ ہوئی ہو جسے مورخین نے نظر انداز کر دیا۔ (مؤلف)

۲۔ محمد مدگامی نام ہندی کیرتی لتا میں چھپا ہے معلوم نہیں کس نام کا بگڑا ہوا نام ہے۔

مولوی ذکاء اللہ اپنی تاریخ ہند میں اس کا نام جلال الدین تحریر فرماتے ہیں بنگال کی واپسی پر ابراہیم شاہ پھر خاموش ہوگیا اور پانچ چھ سال تک جونپور میں متواتر امن و سکون قائم رہا۔ [۱]

دہلی پر دوسری یلغار

۱۴۱۲ء / ۸۱۶ھ میں ایک بار پھر ابراہیم شاہ کے دل میں فتح دہلی کا جذبہ پیدا ہوا اور ایک کثیر فوج آراستہ کر کے دہلی کی طرف کوچ کر دیا۔ مگر ابھی چند منزل ہی طے ہوئی تھی کہ نہ معلوم کیا سوچ کر پھر جونپور واپس چلا آیا۔ یہاں یہ قیاس بالکل غلط ہوگا کہ اسکے فوجی افسروں نے بغاوت کر دی ہوگی، یا یہ کہ محمود شاہ کی طاقت سے مرعوب ہوگیا ہوگا۔ بلکہ یہ قیاس زیادہ قرین ہی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے کہ وہ اپنے دار العلم شہر جونپور کو بہترین عنوان سے آراستہ و آباد کرنا چاہتا تھا چنانچہ یہی وہ زمانہ ہے جب اس نے علماء و مشائخ کی خدمت و صحبت اور تعمیر عمارات و توسیع زراعت کے کاموں میں کافی وقت صرف کیا اور برسوں کسی ملک پر چڑھائی کا ارادہ نہ کیا

جونپور میں علماء اور کاملین کی آمد

صاحبقراں امیر تیمور کے حملے کی وجہ سے کافی تعداد میں دہلی کے معززین، اکابرین، علماء امراء اور دیگر فنکار ابراہیم شاہ کا نام سن کر جونپور میں آکر پناہ گزین ہونے لگے اور ہر ایک علیٰ قدر مراتب معافی، جاگیر اور عہدوں سے سرفراز ہوا۔ خادم۔ مشائخ، سادات اور منشیوں کا تو اسقدر اجماع ہوا کہ جونپور ثانی دہلی ہوگیا اور لوگ

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند ذکاء اللہ

شیراز ہند کے نام سے پکارنے لگے۔ مشہور ہے کہ ابراہیم شاہ کے عہد میں ایک وقت میں نوسو چوراسی ۹۸۴ علماء کی پالکیاں نماز جمعہ وعیدین میں نکلتی تھیں بعض مورخین نے چودہ سو ۱۴۰۰ پالکیوں کی تعداد لکھی ہے۔

ذیل میں ان علماء کے ناموں کی ایک مختصر فہرست ملاحظہ فرمائیے۔ [٥١]

شیخ وجیہہ الدین اشرف عرف فرید۔ حضرت عثمان شیرازی۔ حضرت صدر جہاں اجمل۔ قاضی نصیر الدین گنبدی (آپ خواجہ جہاں کے ہمراہ دہلی سے آئے تھے) قاضی شہاب الدین ملک العلما۔ قاضی نظام الدین کیکلانی۔ ملک عماد الملک بختیار خاں۔ دبیر الملک قتلغ خاں۔ ملک شجاع الملک شاہ فیروز۔ حضرت مخدوم عیسیٰ بن تاج رح۔ حضرت شیخ شمس الحق۔ حضرت مخدوم شیخ رکن الدین سہروردی حضرت شیخ جہانگیر۔ حضرت شیخ حسن طاہر۔ حضرت مخدوم سید علی داؤد۔ حضرت مخدوم شیخ محمد۔ حضرت سید علاء الدین لاجوری۔ حضرت مخدوم سید اسمٰعیل شاہ۔ حضرت شاہ اجمیری۔ حضرت خواجہ قطب الدین۔ حضرت خواجہ شیخ ابوسعید چشتی۔ حضرت مخدوم سید صدر الدین شاہ سید وزاہدے۔ حضرت مخدوم بندگی شاہ۔ حضرت شیخ صدر اللہ ثابت مداری۔ حضرت شیخ سلطان محمود۔ حضرت شاہ نعیم رح وغیرہ

۸۱۶ھ ۱۴۱۳ء میں جب دہلی میں سلطان محمود کے مرنے کی خبر پائی تو ابراہیم شاہ نے کالپی پر حملہ کر دیا۔ مگر دولت خاں لودی جو اقبال خاں کا وارث تھا درمیان میں حائل ہوگیا اور ابراہیم شاہ کو مجبوراً جنگ ملتوی کرنی پڑی۔ مگر جب خضر خاں

---

٥١ ناچیز نے کوشش کی کہ تمام علما کے حالات مختصراً پیش کیئے جائیں جنکا تعلق جونپور سے رہا ہے مگر اس کتاب کی ضخامت اجازت نہیں دیتی اسلئے صرف ان علما کے حالات پر اکتفا کی جاتی ہے جنکے پورے حالات مل سکے۔ مؤلف

دہلی کا بادشاہ ہوا تو اس نے دولت خاں لودھی کو زنجیر میں جکڑ کر حصار فیروزہ کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اور یہ کانٹا بھی نکل گیا۔

خضر خاں کے عہد حکومت میں ابراہیم شاہ کو دہلی کی طرف سے بالکل اطمینان ہو گیا تھا۔ ان ماموں بھانجوں نے خضر خاں کی حیات تک بڑے اچھے سلوک اور برتاؤ قائم رکھے۔ خضر خاں کی وفات کے بعد جب ان کا بیٹا **مبارک شاہ** جب بادشاہ ہوا تو اس سے ابراہیم شاہ کے تعلقات اچھے نہ تھے مگر کوئی بڑا معرکہ بھی در پیش نہ آیا۔

سنہ ۸۳۱ھ ۱۴۲۷ء میں محمد خاں حاکم میوات سلطان ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا جو بیانہ میں بغاوت کر چکا تھا۔ فتح بیانہ کی ترغیب و تحریص دلا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اسکے بعد مبارک شاہ بن خضر خاں کو معلوم ہوا تو وہ بعزم دہلی روانہ ہوا اور بیانہ کے اطراف میں دونوں فوجیں آکر جمع ہو گئیں۔

مخلص خاں جونپور کی شرقی سلطنت کا جرنیل بقول فرشتہ، بدایونی اور تاریخ محمدی، ابراہیم شاہ کا بھائی اٹاوہ میں مبارک شاہ بن خضر خاں سے مصروف پیکار تھا، آخر شکست کھا کر برہان آباد میں وہ ابراہیم شاہ سے آکر مل گیا تھا۔ ابراہیم شاہ نے جب دریائے جمنا کی طرف پیش قدمی کی تو اٹاوہ کے قریب مبارک شاہ کی فوجوں سے مقابلہ ہو گیا۔ مبارک شاہ کی فوجیں براہ اترولیا (علیگڈھ) سے آرہی تھیں۔ دونوں لشکر صف آرا ہو گئے اور دونوں طرف خندقیں بھی کھودی گئیں۔ ابراہیم شاہ نے ۴ کوس لمبی خندق کھدوائی اور بائیس ۲۲ روز مسلسل خندق سے نکل نکل کر دونوں فوجوں کے سپاہی جنگ آزما

لـه تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ۔ فرشتہ۔

ہوتے رہے۔ نہ مبارک شاہ سامنے آتا تھا نہ ابراہیم شاہ سامنے آتا تھا اور جنگ جاری رہی۔ آخر کار سلطان ابراہیم شاہ خندق سے باہر آیا اور نئے سرے سے صفوف جنگ آراستہ کی اور یہ دیکھکر مبارک شاہ کو بھی سامنے آنا پڑا۔ اور صبح سے شام تک جانبین سے وار پر وار ہوتے رہے۔ مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ شام ہوتے ہی دونوں فوجیں اپنی اپنی کمیں گاہ میں واپس ہوگئیں جب صبح ہوئی تو دونوں فوجوں نے گرگ آشتی کی یعنی بظاہر صلح کر کے اپنی اپنی دارالسلطنت کو مراجعت کی۔ [1]

۸۳۲ھ / ۱۴۲۸ء میں ابراہیم شاہ پھر واپس آیا اور جب گدرانگ میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ مبارک شاہ مع اپنی سپاہ کے گوالیار کی طرف چلا گیا ہے لہذا وہ پھر جونپور واپس لوٹ آیا اور ۴ سال پھر جونپور میں گذار دیا۔

تسخیر کالپی

۸۳۶ھ / ۱۴۳۲ء میں ابراہیم شاہ نے تیاری کر کے کالپی کی تسخیر کا پھر ارادہ کیا۔ اور جب کالپی کی طرف روانہ ہوا تو اثنائے راہ میں اسے معلوم ہوا کہ ہوشنگ شاہ غوری بھی کالپی کی تسخیر کے ارادہ سے بڑھتا چلا آرہا ہے۔ یہانتک کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے بالکل قریب پہونچ گئیں اور عنقریب جنگ شروع ہونے والی تھی کہ ابراہیم شاہ کو مخبروں نے خبر پہونچائی کہ "آپ ادھر مصروف بیکار رہیں وہاں مبارک شاہ بن خضر خاں جونپور کی طرف برائے تسخیر بڑھ رہا ہے"۔ یہ سنتے ہی ابراہیم شاہ نے کالپی کا محاصرہ ترک کر دیا اور اپنے دارالخلافہ جونپور کی حفاظت کے واسطے پلٹ آیا۔ اب مطلع صاف پاکر ہوشنگ غوری نے کالپی پر حملہ کر دیا۔ اس وقت کالپی کا حاکم مبارک

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند۔ بھارت کا اتہاس۔ جونپور نامہ خیرالدین

شاہ کا ملازم قادر شاہ تھا جو حملہ کی تاب نہ لاسکا اور کالپی کی حکومت ہوشنگ غوری کے حوالے کر دی۔

۲ سال بعد مبارک شاہ بن خضر خاں بادشاہ دہلی اور ہوشنگ غوری حاکم مالوہ دونوں کا انتقال ہوگیا۔ اور ابراہیم شاہ نے بھی دہلی پر حملہ کا خیال قطعی طور پر ترک کر دیا۔

گوالیار پر حملہ

۱۴۳۷ء ۸۴۱ھ میں ابراہیم شاہ نے گوالیار پر حملہ کیا اور آس پاس کے بہت سے پرگنے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا جو دہلی کے ماتحت تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ابراہیم شاہ جونپور کو عروس کی طرح سجا رہا تھا اور مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرا کے اسکے مستقل آمدنی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ گوالیار پر چڑھائی کے بعد اسکا مقصد پورا ہوگیا۔ اور ۱۴۴۰ء ۸۴۴ھ میں انتقال کیا۔[۵۱]

مورخین لکھتے ہیں کہ ابراہیم شاہ کے مرنے کا غم جونپور میں بہت بڑے پیمانہ پر منایا گیا۔ ہر گھر میں لوگ سوگوار اور غمگین نظر آتے تھے اور جنازے میں تیس چالیس ہزار انسانوں کا مجمع تھا جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ تھے۔ ابراہیم شاہ کی قبر جامع مسجد سے اتر جانب ملحقہ خانقاہ میں پختہ حالت میں موجود ہے۔

ابراہیم شاہ شرقی سید خضر خاں کا داماد تھا جو دہلی میں سادات خاندان کے بانی تھے۔ اس کا چہرہ حسین اور ساتھ ہی ساتھ رعب و جلال کا حامل تھا۔ دراز ریش، سینہ چوڑا جسم مضبوط اور فربہ تھا۔ قد دراز تھا۔ مزاجاً نیک خصلت اور پاکیزہ سیرت تھا۔ امور مملکت میں ماہر اور صاحب تدبیر تھا۔ جیسا سخی تھا ویسا ہی

---

۵۱ آئینۂ اودھ۔ تجلی نور۔ تاریخ فرشتہ۔ گزیٹر جونپور

شجاع بھی تھا۔ اسکے علاوہ بیحد علم دوست اور منصف مزاج تھا۔ ہر کام اسکا دور اندیشی پر مبنی ہوتا اور صائب رائے کی قدر کرتا اور اس پر عمل کرتا۔ غرضکہ جملہ صفات حسنہ جو ایک بادشاہ میں ہونے چاہئیں ابراہیم شاہ میں بدرجہ اتم موجود تھے اور اسی لئے ہندوستان کے مشہور بادشاہوں میں اس کا بھی شمار کیا جاتا ہے۔[1]

ابراہیم شاہ کی معدلت گستری

بادشاہت کے لئے نہ فوج ضروری ہے نہ شمشیر آبدار۔ نہ ہاتھی اور گھوڑے نہ خزائن بے شمار۔ یہ چیزیں بادشاہ بنا سکتی ہیں مگر سلطنت میں استحکام پیدا نہیں کرسکتیں۔ ایک بادشاہ کے لئے سب سے زیادہ ضروری شئے معدلت گستری ہے جس سے رعایا بھی راضی اور خوش حال رہتی ہے اور پڑوسی سلطنتیں بھی مطمئن رہتی ہیں اور سلطنت نیکنامی کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ ابراہیم شاہ اس راز کو جانتا تھا اسکو جونپور کے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی اپنے بڑے بھائی سید مبارک شاہ کے دشمنوں اور شرقی سلطنت کے حریفوں سے معرکے سر کرنا پڑے دہلی قنوج اور ترہت کے امور بھی درمیان میں حائل ہوتے رہے مگر ابراہیم شرقی نہ صرف ایک بادشاہ تھا بلکہ وہ اپنے وقت کا ایک بہت بڑا مفکر اور سیاست داں بھی تھا۔ اس نے دہلی کی سلطنت کے کھیل تماشوں کو بہت قریب سے دیکھا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ سلطنت کی تباہی کے اسباب و علل کیا ہیں، سلاطین کی ناکامیوں کا باعث کون سا رویہ ہے اور استحکام سلطنت کی بنیاد کن کن چیزوں پر منحصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے لوازمات شاہی میں معدلت گستری

---

[1] تجلی نور قلمی حصہ سوم۔ طبقات ناصری لطائف اشرفی۔ سیر الملوک وغیرہ

کو سب پر ترجیح دیکر اپنے نظام سلطنت کا اساس قائم کیا۔

اس نے رعایا کے دلوں میں اپنا اعتبار قائم کرنے کے لئے، ہر قوم ہر مذہب اور ہر ملت کے لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف اور رواداری کا برتاؤ جاری رکھا اور حدود سلطنت میں امن و سکون یا تخریب پسندی، ہر قسم کی تحریکوں سے باخبر رہنے کے ذرائع مقرر کئے۔ اگر کسی قاضی کے فیصلہ پر اسکو اطمینان نہ ہوتا تو فیصلہ پر نظر ثانی کئے جانے کا حکم دیتا اور فریادی کی ہر طرح دلجوئی کرتا۔

چنانچہ ایک مرتبہ ابراہیم شاہ کے پاس ایک ہندو فریادی حاضر ہوا اسکے گاؤں کے مسلمانوں نے ایک مسجد بنانے کے سلسلے میں اس کی زمین پر قبضہ کر لیا تھا جس کو وہ دینا نہیں چاہتا تھا اور اسے زدوکوب بھی کیا تھا۔ ابراہیم شاہ نے فوراً وہاں کے قاضی کو لکھا کہ وہ اس معاملہ کی نزاکتوں کا خیال رکھتے ہوئے فیصلہ کرے۔ مگر قاضی نے بھی مسلمانوں کی طرفداری کرتے ہوئے فیصلہ کیا اور مسجد کی تعمیر کا انتظام ہونے لگا۔ ابراہیم شاہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے مسجد کی تعمیر کو رکوا دیا اور مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ "پہلے وہ زمین کو جائز طور پر حاصل کر لیں پھر مسجد کی تعمیر شروع کریں" ۔[۱۵]

ایک دفعہ کچھ ہندو فریادی بہار کیسہ سے ابراہیم شاہ کے پاس فریاد لیکر حاضر ہوئے۔ ان کے باپ کو ملک اسلم نے قتل کر کے سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ ابراہیم شاہ ان کی مدد کے لئے فوراً تیار ہوگیا اور جب ترہت پہونچا تو واقعہ بالکل صحیح پایا۔ اس نے فریادی کو اپنی فوج حوالے کر دی تا کہ وہ لوگ

---

۱۵ سلاطین جونپور۔ کیرتی لتا۔ سیر المتاخرین قلمی۔

ملک اسلم سے جنگ کر کے اپنا علاقہ واپس لے لیں۔ چنانچہ ان فریادیوں نے بادشاہ کی مدد سے اپنا علاقہ دشمن سے لڑکر واپس لیلیا۔ ان واقعات نے ابراہیم شاہ کی انسانی ہمدردی۔ رعایا پروری اور عدل گستری کو اور بھی بلند کر دیا۔ ؎۱

سیر المتاخرین میں ہے کہ:۔

"ابراہیم شاہ راتوں کو شاہی لباس اتار کر خفیہ طور پر شہر میں گشت لگا کر جملہ امور سے واقفیت حاصل کرتا تھا۔ اور خفیہ جرائم کا پتہ لگا کر ان کا سدباب کرتا تھا جب لوگ سمجھتے تھے کہ ابراہیم شاہ کے پاس کوئی جن آتا ہے یا اس نے چراغ الہ دین حاصل کر لیا ہے۔ کیونکہ وہ ایسے ایسے واقعات کا پتہ لگا لیتا جب اسکے جاسوسوں کو ہوا بھی نہ لگتی"۔

اس قسم کے اکثر و بیشتر واقعات ابراہیم شاہ کے عہد سلطنت میں ملتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم شاہ نے اپنے حدود سلطنت میں سب سے زیادہ معدلت گستری کو راہ دی۔ اس کی نظر میں کفر و اسلام اور امیر و غریب عالم و جاہل سب کے سب عدل کے یکساں مستحق تھے۔

اخلاق

ابراہیم شاہ اخلاق و مروت کا مجسمہ تھا۔ شاہی شان و شوکت اور رعب و جلال کے باوجود وہ رعایا سے مخاطبہ کلام میں بڑی خوشی محسوس کرتا۔ امیر ہو یا غریب سب کے عرض و معروضات کو سن کر متاثر ہو جاتا۔ ہر فریادی کو اس نے عام اجازت دیدی تھی کہ ضرورت پڑنے پر وہ اپنی شکایات بادشاہ تک بے دھڑک پہونچا سکتا ہے اور محل کے

؎۱ سلاطین جونپور، قلمی ص ۱۵

پہرہ داروں کو بھی تاکید تھی کہ کوئی فریادی شرف باریابی سے محروم نہ ہونے پائے اور اسی لئے ہر فریادی نہایت بیباکی سے بادشاہ تک پہونچ جاتا تھا اور اپنے حسب منشا بادشاہ سے کام لے لیتا تھا۔[۱]

اپنے فوجی سرداروں، پرگنہ کے عاملوں، شقہ داروں، فوطہ داروں رقعہ نویسوں، محاسبوں، مقدموں اور محصلوں تک سے بڑی دلجوئی سے بات کرتا اور ان کو یہ محسوس نہ ہونے دیتا کہ وہ بادشاہ سے بات کر رہے ہیں غصہ کی بات پر اتنی سنجیدگی سے غور کرتا کہ چہرے سے غصہ کا اظہار نہ ہوتا۔ اور ہر معاملہ کو نہایت نرم و متین انداز میں سلجھاتا۔ وہ اپنی خوشامد سے بیحد نفرت کرتا تھا اور کسی خوشامدی کو قریب نہ آنے دیتا تھا۔[۲]

فیاضی

سلطان ابراہیم شاہ جود و سخا کا سرچشمہ تھا جس سے رعایا، ملازم، علماء و مشائخ، فقرا و مساکین، فوج اور مسافرین سب یکساں فیضیاب ہوتے تھے۔ اس نے "امور خیر" اور "امداد مساکین" کے لئے ایک رقم مقرر کر دی تھی جس سے بہت سے محتاج و طلاب وظیفہ پاتے اور بہت سے ناداروں اور یتیموں کی پرورش ہوتی۔ اسکے علاوہ کئی مستحقین کو ہر سال حج کے لئے مکہ معظمہ بھیجتا جن کا سفر خرچ شاہی خزانے سے برآمد کراتا۔ اسکا معمول تھا کہ علی الصباح بعد ادائے فریضہ صلوٰۃ، مسجد سے حرم سرا کی طرف جاتے ہوئے فقرا اور غریبوں کو دونوں ہاتھوں سے بلا شمار کئے ہوئے سونے اور چاندی کے سکے تقسیم کرتا۔ اور محل سرا پر غربا میں تقسیم کی جانے والی ایک علیحدہ رقم مقرر تھی تاکہ کوئی سائل دروازے سے خالی نہ جانے پائے۔

---

۱ و ۲ سلاطین جونپور

اس کے قرابتداروں میں بیشتر تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کو ابراہیم شاہ نے وظائف مقرر کر دیے تھے اور ان میں سے بعض کو جاگیروں سے سرفراز کیا تھا خانقاہوں، مسجدوں اور مدرسوں میں ملازمین مقرر کر دیے تھے جنکی تنخواہیں خزانہ شاہی سے برآمد کی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں بیرونجات سے آئے ہوئے علما فقہا اور مہمانوں میں سے جو حاجت مند تھے ابراہیم شاہ ان کی خبرگیری کیا کرتا جاگیروں کی تقسیم میں بھی بیحد فراخدلی سے کام لیا تھا۔ اسکے عہد سلطنت میں جاگیرداری نظام کو شاہان دہلی سے زیادہ تقویت حاصل ہوئی تھی۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر بلالحاظ مذہب و ملت سب کو دعوت شرکت دیتا اور معمولی سے معمولی رعایا کے یہاں بھی تقریب میں شرکت کرتا اور ہر طرح پر اُن کی امداد کرتا

قدردانی و عزت افزائی

اپنے بڑے بھائی مبارک شاہ کے انتقال کے بعد جب ابراہیم شاہ تخت نشین ہوا تو عراق، ایران، عرب، حجاز، ماوراءالنہر، ترکستان، بخارا، کشمیر اور لاہور سے سادات عظام، اولیائے کرام، علمائے ذوی الاحترام اور امرا اور شرفا دارالسرور جونپور آنا شروع ہو گئے۔ ان میں کچھ تو صاحبقران امیر تیمور کے حملہ اور دہلی کی تباہی کی وجہ سے آئے اور کچھ جونپور میں علم و فضل کا چرچا اور بادشاہ کی قدردانی کا شہرہ سُنکر آئے اور بعض کو ابراہیم شاہ نے دعوت نامے بھیجکر بلوایا۔ غرضکہ باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کی ضیافت، خدمت اور احترام میں ابراہیم شاہ نے تاحدامکاں سعی کی۔ ان کو حسب مراتب عہدوں، جاگیروں اور وظائف سے نوازا۔ کسیکو مدرسہ کا نگراں قرار دیا کسی کے حوالے خانقاہ کا انتظام کر دیا

---

۱ سلاطین جونپور قلمی

کسی کو قاضی کا درجہ عطا کیا۔ کسی کو مشیر سلطنت بنا لیا۔ ابراہیم شاہ کے خدمات سے تمام مہمانوں کی خاطر جمعی ہوگئی تھی۔ ان میں کچھ علماء ایسے بھی تھے جنھوں نے شاہی ظل عاطفت سے علیحدہ رہنا پسند کیا اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے علوم ظاہری و باطنی کے فیوض و برکات سے تشنہ گان علم کو مستفیض کرنا شروع کر دیا۔[۱]

ابراہیم شاہ ملک العلما **قاضی شہاب الدین** دولت آبادی رح کا بیحد معتقد تھا اور سلطنت کا کوئی کام بغیر آپ کے مشورہ کے کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا جب قاضی صاحب بیمار ہوئے اور مرض نے شدت اختیار کر لی تو ابراہیم شاہ نے قاضی صاحب کے سر سے اتار کر ایک کٹورہ پانی پی لیا اور پیتے وقت کہا کہ خدایا ہمارے قاضی صاحب کو شفا عطا کر اسکے عوض مجھے بیمار بنادے۔ یہ کہہکر ابراہیم شاہ نے اپنے پیر و مرشد کے حق میں اطاعت کی حد تمام کر دی تھی۔ اسکا نتیجہ یہ یہ ہوا کہ ابراہیم شاہ ۸۴۴ھ ۱۴۴۰ء میں ملک العلما قاضی شہاب الدین کی وفات سے دو سال پہلے انتقال کر گیا۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے علما تھے جنکا ابراہیم شاہ بیحد احترام کرتا تھا۔ اکثر علماء و مشائخ بسلسلۂ تبلیغ دین دور دراز مقامات چلے جاتے تھے مگر انتقال کے بعد ان کی میتیں جونپور ہی میں دفن ہوا کرتی تھیں اور ابراہیم شاہ انکے دفن و کفن میں خاص اہتمام کرتا تھا۔ بہت سے بزرگان دین کے روضے، مقبرے، بارہ دری، پختہ قبریں اور لوح مزار ابراہیم شاہ کے حکم سے تعمیر کئے گئے ہیں جو شہر جونپور کے ہر گوشے میں اب بھی موجود ہیں۔ مگر بڑے تعجب کی بات ہے کہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا مزار بے گنبد رہ گیا اور

---

[۱] سلاطین جونپور۔ جونپور نامہ خیر الدین۔ گزیٹر جونپور وغیرہ

کسی نے اسکی طرف توجہ نہ کی ۔ [۵۱]

فوجی نظام

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سلطنت حاصل کرنے میں فوجی طاقت کو جتنی اہمیت حاصل ہے اسی طرح سلطنت کو برقرار رکھنے میں بھی فوجی طاقت بہت ضروری ہے ۔ ابراہیم شاہ کو یہ معلوم تھا کہ اسکے بھائی مبارک شاہ کے زمانے سے حاسدوں کی نظریں جونپور کی خودمختار شرقی سلطنت پر حریصانہ انداز میں پڑ رہی تھیں ۔ اور لمحہ بہ لمحہ اس پر قبضہ کرنے کے منصوبے دہلی اور اطراف دہلی میں تیار ہوا کرتے تھے اس لیئے تخت شاہی پر متمکن ہونے کے بعد ہی ابراہیم شاہ نے اس خطرے کو بڑی اہمیت کے ساتھ محسوس کیا اور اپنی سلطنت کے حدود کی نہایت قوی اور بہادر سپاہیوں کے دستوں سے قلعہ بندی کر دی ۔

مصنف تذکرۂ درویشیہ لکھتے ہیں کہ خواجہ جہاں ملک الشرق اور مبارک شاہ کے زمانے میں کل فوج ۴۰ ہزار سوار ۳۰ ہزار پیادے اور گھوڑے سے توپچی اور بار بردار تھے ۔ ہاتھیوں کی تعداد ۷۰ تھی ان میں ۲۰ ہاتھی بہترین جنگی تعلیمات حاصل کئے ہوئے اور محاذ جنگ کا تجربہ رکھتے تھے ۔ یہ فوج فوری نقل و حرکت کے ہر وقت تیار رہا کرتی تھی ۔ ابراہیم شاہ نے اپنے عہد میں پیدل سوار ۔ ہاتھی اور گھوڑوں کی تعداد میں کافی اضافہ کیا تاکہ بڑے سے بڑے دشمن کا مقابلہ آسانی سے کیا جا سکے ۔

ابراہیم شاہ کے وقت میں صرف سواروں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہو گئی تھی ۔ "تذکرہ سلاطین جونپور" میں ہے کہ ایک لاکھ سوار ۔ ۵۰ ہزار پیدل ۲ ہزار توپچی

---

[۵۱] سلاطین جونپور قلمی

اور بار برداری تھے ان میں ۵۰۰ گھوڑے خالص عربی النسل اور ۲۰۰ ہاتھی اعلیٰ تربیت یافتہ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ہر رسالدار کے ماتحت گھوڑوں اور فوجیوں کے طبی معائنہ کے لئے ابراہیم شاہ نے ماہرین مقرر کئے تھے جو طویلوں میں جاکر داروغہ اصطبل کی مدد سے گھوڑوں کی غذا۔ مالش اور صفائی کی جانچ کیا کرتے تھے ممالک محروسہ کے تمام رسالدار اپنے اپنے علاقوں کی سرگذشت ہر ہفتہ دارالخلافہ جونپور پہنچایا کرتے تھے اور ابراہیم خود بھی اصطبل کے معائنہ کے لئے برابر جایا کرتا تھا۔

پوری قلمرو میں انکی بہترین خدمات کی وجہ سے حسب ذیل رسالداروں پر ابراہیم شاہ زیادہ بھروسہ کیا کرتا تھا۔

سہیل خاں۔ ملک رسول خاں۔ تاتار خاں۔ مبارک خاں گنگ۔ ملک علی گجراتی۔ مہربان خاں۔ ملک کالو۔ سید عبداللہ۔ بھوجا سنگھ۔ سانونت سنگھ۔ محمد خاں اور دریا خاں۔

یہی بہادر رسالدار اور سپہ سالار تھے جو ابراہیم شاہ شرقی کی فوج کے روح رواں تھے اور ان کو حکم تھا کہ دارالخلافہ سے براہ راست رسل و رسائل کا سلسلہ جاری رکھیں۔ ان کا قیام زیادہ تر پرگنوں اور دیہاتوں میں تھا۔ امراء اور جاگیرداروں کے پاس جو فوجیں رہا کرتی تھیں انکا شمار بھی ان ہی میں تھا پوری فوج کے اخراجات شاہی خزانے سے دیے جاتے تھے یعنی ہر جاگیردار اور رسالدار اپنے ملازمین اور جانوروں کی خوراک اور تنخواہ ماہ بہ ماہ صدر دفتر سے وصول کیا کرتا تھا۔[۱]

---

[۱] سلاطین جونپور قلمی

عراقی دستہ :- ابراہیم شاہ نے اپنی فوج میں ایک مخصوص دستہ کی ترتیب دی تھی جس کے سپہ سالار سید مخلص تھے۔ اس دستہ میں کوئی سپاہی ہندوستانی بھرتی نہیں ہوتا تھا بلکہ تمام سپاہی عرب اور بلوچ ہوتے تھے۔ یہ دستہ باہر کے معرکوں میں نہیں بھیجا جاتا تھا بلکہ اسکے ذمہ قلعہ اور شاہی محلات اور شہر کی حفاظت تھی۔ ابراہیم شاہ اس دستہ پر بے حد اعتماد رکھتا تھا۔

فنِ تعمیر ابراہیم شاہ شرقی کو باوجود جنگی معرکوں میں بذات خود شرکت کرنے اور ملک کے نظم ونسق پر نگاہ رکھنے کے اپنی دارالسلطنت کو آراستہ کرنے اور اسے خوبصورت بنانے کا ازحد شوق تھا اس نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے باغات، محلات، دیوان خانے۔ دربار خاص، حوض، پل، مسجدیں، سڑکیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ وسط شہر کے اتر پچھم ایک میل کے فاصلہ پر جہاں آجکل خاص حوض واقع ہے شرقی خاندان کے شاہی محلات اور سرکاری عمارتیں سکندر لودی کے حملے سے قبل موجود تھیں ہر محل ایکدوسرے سے تقریباً ۲۰۰ گز کے فاصلہ پر تھے۔ "خاص حوض" محلوں سے بالکل قریب بنایا گیا تھا جو ۸-۱۰ ایکڑ زمین کے رقبہ میں واقع تھا۔ اس حوض میں شرقی خاندان کی بیگمات کے نہانے کا مخصوص انتظام کیا گیا تھا اور پردے کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ شاہی عمارتوں میں لعل دروازہ نام سے ایک محل مشہور تھا جسکا صدر دروازہ بہت بلند اور کشادہ تھا۔ اس میں لگے ہوئے پھاٹک کو اکیلا آدمی نہ کھول سکتا تھا اور نہ بند کر سکتا تھا۔ لعل دروازہ کی عمارت میں ایسے بیش قیمت و نایاب سرخ پتھر جڑے ہوئے تھے جو رات میں ذرا سی روشنی کے عکس سے جگمگا اٹھتے تھے۔ اور اسی لئے اس کا نام لعل دروازہ مشہور ہو گیا تھا۔ دروازے کے اوپری حصہ پر عربی خط میں آیات قرآنی کھدی

ہوئی تھیں۔ خاص حوض کے دکھن پورب ایک شاہی محل تھا جسکا نام **روشن محل** تھا۔ اس محل کو سب سے زیادہ سجایا گیا تھا اور شاہی عمارتوں میں سب سے زیادہ حسین اور خوشنما تھا۔ اس کے صدر دروازے پر ایک قمقمہ تھا جو مسالہ سے رات ہوتے ہی خود بخود روشن ہو جایا کرتا تھا اور میلوں تک اس کی روشنی جاتی تھی۔

ابراہیم شاہ نے ان محلات کی تعمیر محمد خاں کی نگرانی میں کرائی تھی جو خواجہ جہاں ملک الشرق کے ہمراہ دہلی سے آئے تھے۔ دہلی سے آئے ہوئے معماروں میں اکرام اللہ۔ شمس الدین۔ چراغن۔ قاسم علی، واحد خاں اور نبی بخش زیادہ مشہور تھے اور ہندو معماروں میں پورنماشی، رام کبیر اور بسنت بھی فن تعمیر کے ماہرین میں سے تھے جو دہلی سے آئے ہوئے کاریگروں کے دوش بدوش کام کر رہے تھے۔ محمد خاں کو فن تعمیر میں کمال حاصل تھا فیروز شاہ تغلق کے عہد میں آپ دہلی میں شعبہ تعمیرات کے افسر اعلیٰ تھے۔ جونپور میں بدیع منزل، لال دروازہ۔ محل سرا۔ دربار خاص۔ مدرسہ لنبواں اور بارہ دری اور مسجدیں آپ ہی کی نگرانی میں تعمیر ہوئیں۔ **بدیع منزل** لعل دروازے سے تھوڑے فاصلہ پر دکھن کی طرف واقع تھی جسے خواجہ جہاں نے سب سے پہلے تعمیر کرایا تھا۔ اس عمارت سے خاص حوض جانے کے لئے ایک خفیہ راستہ زمین کے نیچے نیچے بنایا گیا تھا تاکہ شرقی حرم کو آسانی اور سہولت ہو[۱]

ان عمارتوں کو دیکھکر بہت سے مورخین اور سیاحوں نے اپنے زمانے کی بہترین فن تعمیر کا نمونہ ظاہر کیا ہے۔ مصر اور اسکندریہ کے علاوہ اس دور

---

[۱] سلاطین جونپور۔ تجلیات العارفین۔ ص ۴۵

میں دہلی کی برائے نام عمارتیں جونپور کی عمارتوں کا مقابلہ کرسکتی تھیں۔ ابراہیم شاہ نے مسجدیں بھی تعمیر کرائیں۔ سب سے پہلے اٹالہ مسجد کی تعمیر کی طرف توجہ کی جسکی بنیاد فیروز تغلق نے کئی برس قبل رکھی تھی۔ اٹالہ مسجد کی تکمیل کے بعد جھنجری مسجد اور خالص مخلص مسجد بھی ابراہیم شاہ ہی کے دور میں تعمیر ہوئی ان مساجد میں شرقی دور کا فن تعمیر ابھی تک اپنی مثال قائم کئے ہوئے ہے۔ اور مورخین، سیاحوں اور مہمانوں کیلئے ایک قدیم صنعت کا نمونہ ہے۔

محکمۂ عدالت

ابراہیم شاہ ایک سچا دیندار اور پابند شریعت بادشاہ تھا۔ اپنے عہد میں اس نے عدالتوں کو شرعی طریق کار کا پابند کر دیا تھا۔ پورے حدود مملکت میں جہاں جہاں جیسی ضرورت تھی قاضی مقرر کئے اور بعض مقامات پر قاضی صدر الصدور کے درجے کے مجاز تھے۔ ہر علاقہ کا قاضی دار الخلافہ کے قاضی القضاۃ کا ماتحت ہوا کرتا تھا۔ قاضیوں کے نائب بھی ہوا کرتے تھے جو مقدمات کی کارروائی کو ترتیب دیکر قاضی کے حضور میں پیش کر دیا کرتے تھے۔ [1]

ہر قاضی کے واسطے یہ ضروری تھا کہ وہ فن حرب وضرب سے بھی واقفیت رکھتا ہو اور ضرورت پیش آنے پر جنگی خدمات میں بھی حصہ لے سکتا ہو۔ ان قاضیوں کو معقول تنخواہیں اور جاگیریں دیجاتی تھیں اور قاضیوں کو سلطنت کا ایک اہم جزو سمجھا جاتا تھا۔ ہر قاضی کو ہدایت تھی کہ فیصلہ کرتے وقت مذہب وملت کا لحاظ نہ کرے بلکہ اسکا فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی ہو۔ اگر کسی قاضی کے فیصلے سے ابراہیم شاہ کو اطمینان نہوتا تو وہ خود دخل در معقولات دیکر رعایا کی

---

[1] سلاطین جونپور

دلجوئی کرتا۔ قاضی نصیر الدین گنبدی۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی، قاضی نظام الدین کیسلانی۔ قاضی رکن الدین۔ قاضی صلاح الدین قاضی خیر اللہ وغیرہ ابراہیم شاہ کے عہد کے ممتاز اور مشہور قاضیوں میں سے تھے۔ ابراہیم شاہ ان کی بڑی عزت کرتا۔

قاضیوں کے بعد کوتوال کا درجہ تھا جن کو شہروں کے انتظامی امور میں دخل ہوتا تھا۔ بادشاہ کی عدم موجودگی میں کوتوال کو شہر کے نظم ونسق کا کُلّی اختیار ہوتا تھا۔ نظام شاہ کوتوال جونپور نے ابراہیم شاہ کے حکم سے ایک رسالدار فتح خاں کو جسکے متعلق ابراہیم شاہ نے نظام شاہ کو ہدایت کی تھی گرفتار کر کے قتل کیا تھا۔ نظام شاہ کو اسکے صلے میں انعام ملا تھا مگر فتح خاں کے وارثوں کے لیئے بادشاہ نے وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔ عہد ابراہیم شاہ میں کوتوالی محلہ چھتری گھاٹ میں تھی۔ یہ محلہ شہر سے پچھم جانب دریا کنارے اب بھی اسی نام سے آباد ہے۔[۱]

قانون داغ اور چہرہ نویسی

تغلق خاندان کے بادشاہوں نے بغداد اور مصر کے بادشاہوں کی پیروی کرنا شروع کر دی تھی، مگر سرزمین ہند میں ہندوؤں کی اکثریت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلامی قوانین میں کچھ نرمی پیدا کر دی تھی۔ یہی طریقہ ابراہیم شاہ شرقی نے بھی اختیار کیا تھا۔ اس نرمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا کے دلوں میں بادشاہ اور ملک سے وفاداری اور محبت کا ایک خاص جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان مسلم فاتحین نے ان باتوں کی طرف توجہ نہ کی جن کو ہندوستان سے مال غنیمت لے کر وطن

---

[۱] سلاطین جونپور۔ تجلیات العارفین۔

واپس جاتا تھا، ابراہیم شاہ کو اسی سرزمین ہند میں حکومت کرنا تھی اور یہیں کی خاک میں سونا تھا اسلئے اسکے دل میں رعایا کے آرام و آسائش کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ عمال اور اہلکاروں سے مساوات کا برتاؤ ابراہیم شاہ شرقی ہی نے شروع کیا تھا۔ ہر شاہی ملازم کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ اپنی چہرہ نویسی کرائے یعنی اسکا پورا حلیہ اور جسم کے داغ دھبے آنکھ کا رنگ وغیرہ لکھ لیا جاتا تھا۔ اور خزانچی بعد ملاحظہ چہرہ نویسی ملازمین کی تنخواہیں برآمد کیا کرتا تھا۔ اسی طرح شاہی گھوڑوں پر شاہی نشان داغ کیا جاتا تھا تاکہ ان گھوڑوں کی خوراک تقسیم کرتے وقت شاہی گھوڑوں کی اصلی تعداد کا اندازہ کیا جا سکے اور سرقہ کرنے والا فوراً گرفتار کیا جا سکے ۔ یہ قانون سابق بادشاہوں نے اس لئے ایجاد کیا تھا کہ اکثر ملازمین اپنی تنخواہ اور گھوڑوں کی خوراک برآمد کرنے میں بددیانتی کے جرم میں ماخوذ ہوتے تھے۔ اس کام کے لئے جو لوگ مامور تھے وہ فیروز شاہ تغلق اور خواجہ جہاں ملک الشرق کے زمانے سے جونپور کی شرقی سلطنت میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ [۱]

رسل و رسائل

ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت کے ہر حصہ کو ایک دوسرے سے مربوط اور متوسل رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے تاکہ ایک جگہ کے حالات دوسری جگہ پہونچ سکیں۔ جس وقت بادشاہ اپنا دارالخلافہ چھوڑتا ہے تو اسکے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دور ہونے کے باوجود ضروری واقعات سے باخبر رہے۔ خصوصاً دربار کے معمولات اور بیرونی ممالک کے حالات اسکی ہر نقل و حرکت پر موصول ہوتے رہیں۔ اس کام کو رابطہ خبر رسانی کے ذریعے

---

[۱] سلاطین جونپور قلمی

انجام دیا جاتا تھا۔ ابراہیم شاہ نے اپنے حدود سلطنت میں خبر رسانی کا بہت مضبوط انتظام کیا تھا۔ قنوج سے اڑیسہ تک ہر مقام سے دوسرے مقام تک جانے والی سڑکوں پر جگہ جگہ خبر رساں چوکیاں تعمیر کرائی تھیں۔ ان چوکیوں میں شاہی ملازم تعنات کئے جاتے تھے جن کا کام تھا کہ وہ اپنے پاس آئے ہوئے سر بمہر خطوط کو اپنے آگے کی چوکی پر پہونچادیں۔ اس طرح یہ خطوط دار الخلافہ سے نکل کر تمام علاقہ ہائے محروسہ میں اور تمام علاقہ ہائے محروسہ سے دار الخلافہ میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہونچتے رہتے تھے۔

اہم ضرورتوں پر خطوط کو برق رفتار گھوڑوں کے سواروں کے حوالے کردیا جاتا تھا اور آن کی آن میں وہ منزل مقصود تک پہونچ جاتے تھے۔ ابراہیم شاہ جب دشمنوں سے مقابلہ کے لئے دار الخلافہ سے باہر محاذ جنگ پر ہوتا تو اس محکمہ کو دو حصوں پر تقسیم کردیتا۔ ایک محکمہ تو بدستور دار الخلافہ سے خبریں لانے اور لیجانے میں مصروف رہتا دوسرا محکمہ وقتی طور پر محاذ جنگ پر اپنے خدمات انجام دیتا۔ اس میں بیحد تجربہ کار اور ہوشیار اشخاص کو نوکر رکھا جاتا تھا جو دشمنوں کی خفیہ خبریں بھی ہر طرف سے بادشاہ تک پہونچایا کرتے تھے۔ ابراہیم شاہ کے پاس ملک حسین اور علاء الحق اس کام کے بہترین ماہر تھے جو خفیہ خبر رسانی کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ [ا]

انسداد مظالم

ابراہیم شاہ نے اپنے حدود سلطنت میں امن وامان قائم کرنے کے سلسلے میں شرعی تعزیرات میں کافی ترمیم و تنسیخ کردی تھی۔ مثلاً ہاتھ پاؤں کاٹنا۔ آنکھوں میں گرم آہنی سلاخیں

[ا] سلاطین جونپور

ڈال کر اندھا کرنا۔ ہاتھ پاؤں کے ناخنوں میں میخ ٹھونکنا۔ پوست کھینچنا۔ آگ میں ڈال دینا۔ سنگسار کرنا وغیرہ سزاؤں کو یکقلم منسوخ کر دیا تھا۔ یہ سزائیں اسکے حدود سلطنت کے اندر کہیں بھی نہ تھیں۔ ہر قاضی اپنے فیصلے کے وقت اسکا لحاظ رکھتا تھا۔ محاذ جنگ پر جو دشمن گرفتار ہوتے تھے انکے ساتھ ہر برتاؤ کو روا رکھا جاتا۔ کسی کا سر کٹوا دیا جاتا اور کسیکو تختہ دار پر کھنچوا دیا جاتا مگر رعایا کے جرم وخطا پر وہ نہایت ترحمانہ سزائیں دلواتا۔

قاضیوں کو ہدایت تھی کہ باہر سے آنے والے مسافروں کے مقدمات میں احتیاط برتی جائے اور انکو ہر ممکن سہولت پہونچائی جائے۔ خانقاہوں اور مہمان سراؤں میں ان سے کوئی رقم وصول نہ کیجائے اور اگر ان سے کوئی خطا سرزد ہو تو دربار میں اسکی شکایت درج کرائی جائے۔ کسی کا سامان ضبط نہ کیا جائے۔ عمال ومحصل مقررہ مالگذاریوں سے ایک حبہ زیادہ بھی وصول کر کے خزانہ شاہی میں داخل نہ کریں۔ ایسا کرنے والے سے سخت بازپرس ہوتی تھی۔ غرضکہ ابراہیم شاہ کے نظام حکومت کے قوانین ہر ملت و مذہب کے لوگوں کے واسطے آسان تھے اور رعایا اتنی خوشدل اور خوش حال تھی کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا بھول گئی تھی۔ [۱]

انسداد جرائم ابراہیم شاہ چونکہ خود نیک طینت اور رحمدل بادشاہ تھا اس لئے اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی سلطنت میں فسق وفجور، سفاکی اور بیدادگری، رشوت ستانی، رہزنی اور چوری وغیرہ جرائم کے انسداد میں بہت سخت احکام نافذ کر دیے۔ رعایا کا ممول اور غریب

---

[۱] سلاطین جونپور

ہر طبقہ شب و روز آزادی کے ساتھ نقد اور قیمتی اشیا لیکر نقل و حمل کرتا کسی کی مجال نہ تھی کہ بدنیتی سے اسکی طرف نظر کرتا۔

ایک مسجد میں ایک روز دو پردیسی نمازی ایک ساتھ وارد ہوئے اور نمازیوں کی صف میں کھڑے ہوکر نماز باجماعت ادا کی اور بعد ختم نماز دونوں واپس ہوگئے۔ ذرا دیر بعد مسجد کے ایک نمازی نے دیکھا کہ اس کا عمامہ جو دھوپ میں لٹکا ہوا تھا نہیں ہے۔ اس نے چاروں طرف تلاش کرنے کے بعد پیش امام سے اطلاع کی۔ پیش امام نے لوگوں سے دریافت کیا مگر پتہ نہ چلا آخر پیش امام نے ایک نیا عمامہ منگواکر اس شخص کے حوالے کیا۔ دوسرے دن وہ عمامہ صحن میں اسی مقام پر لٹکا ہوا پایا گیا جسے شہر پناہ کے چوکیدار نے لاکر لٹکا دیا تھا۔ چوکیدار کو دونوں مسافروں نے یہ کہکر دیا تھا کہ غلطی سے میرے سامان میں کسی نمازی کا عمامہ چلا آیا جو فلاں مسجد میں پہونچا دیا جائے لہ

ابراہیم شرقی کے دور میں تقریباً ہر مسجد میں ایک پہرہ دار ایسا ملازم رکھا جاتا جو مسجد کی چیزوں کی نگرانی کیا کرتا۔ بڑی مسجدوں میں پیش امام۔ موذن اور خادم کے علاوہ مدرسے بھی ہوتے جنکے اخراجات شاہی خزانے سے دیئے جاتے۔

رفاہ عام

ابراہیم شاہ شرقی کو اپنی سلطنت کے حدود میں سڑکوں کی درستی اور سڑکوں کے ارد گرد سایہ دار درختوں کے نصب کرنے کا خیال تخت سلطنت پر بیٹھنے سے پہلے ہی پیدا ہوچکا تھا۔ چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی اس نے بہت سی سڑکوں درست کرایا۔ اثنائے راہ میں

لہ سلاطین جونپور

نئے کنوئیں کھدوائے۔ دورویہ درختوں کی قطاریں لگوائیں۔ جگہ جگہ مہمان سرائے اور چوکیاں تعمیر کرائیں جسکے قریب ایک مسجد، باورچیخانہ، کنواں اور باغ ہوتا تھا۔ ان سراؤں میں ہندو اور مسلمان ہر مسافر ٹھہر سکتا تھا۔ ہندوؤں کے واسطے ہندو ملازم اور مسلمانوں کے لئے مسلمان ملازم نوکر رکھے جاتے تھے۔ ہر مسافر کو اختیار ہوتا تھا کہ وہ خواہ پکا ہوا کھانا کھائے یا سامان لیکر اپنے ہاتھ سے پکا کر کھالے۔ کھانے یا سامان کی کوئی قیمت ادا نہیں کرنا پڑتی تھی۔ آٹا دال چاول گھی تیل ترکاری اور لکڑی سب سامان ہر وقت مہیا رہتا تھا گرمیوں میں مہمان سراؤں کے علاوہ بہت سے مقامات پر ٹھنڈے اور شیریں پانی کی سبیلیں جاری رہتی تھیں جسکے منتظم ہندو اور مسلمان علٰحدہ علٰحدہ ہوا کرتے تھے۔ آدمیوں کے علاوہ سواری اور باربرداری کے جانوروں کے لئے بھی دانہ گھاس اور چارے کا انتظام رہتا تھا۔ اس کا بھی کوئی معاوضہ مہمانوں سے نہیں لیا جاتا تھا۔ سفر کو آرام دہ بنانے کا خیال ابراہیم شاہ کے دل میں جو تھا اُسے وہ حسب دلخواہ تکمیل کو نہ پہنچا سکا مگر داغ بیل رفاہ عام کے ہر کاموں کی ڈال گیا۔ [۵]

مسجدوں میں موذن۔ پیش امام اور خادم مقرر تھے۔ مدرسوں اور خانقاہوں میں معلموں اور ملازمین کی تنخواہیں خزانہ شاہی سے دیجاتی تھیں۔ مدرسوں کی تعداد ابراہیم شاہ کے عہد میں صرف دارالخلافہ جونپور میں ڈیڑھ سو سے زیادہ تھیں۔ پوری قلمرو میں مدرسوں اور خانقاہوں کی تعداد کا شمار نہیں مدرسوں میں علوم مشرقی کی تعلیم کے لئے اعلیٰ قابلیت کے اساتذہ مقرر کئے گئے تھے

---

[۵] سلاطین جونپور

جہاں ہندوستان کے علاوہ ایران و عرب تک کے طلبا اکتساب علم کے واسطے حاضر رہا کرتے تھے۔

ابراہیم شاہ کا علمی ذوق

ابراہیم شاہ نے ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت صدر جہاں اجمل اور مولانا شہاب الدین دولت آبادی کی خدمت میں حاضر باش رہ کر فقہ حدیث منطق وغیرہ علوم میں اچھی خاصی معلومات حاصل کر لی تھی۔ چونکہ ابراہیم کو علم وادب سے بیحد دلچسپی تھی اس لئے اس نے اپنے دربار میں بڑے بڑے علمائے کاملین کو اکٹھا کر لیا تھا۔ فقہی مسائل میں اکثر علما میں بحث چھڑ جاتی تو بڑی دلچسپی سے سنتا اور حتی الامکان بحث کے سلسلے کو تلخی اور شکر رنجی کی حد تک نہ پہونچنے دیتا ہر عالم دین کی خدمت اس طرح بجالاتا جس سے انکی خاطر جمع رہے۔ دینی معاملات میں علمائے وقت کی طرف سے جاری شدہ فتووں کو خود بھی قبل از نشر و اشاعت غور سے دیکھ لیا کرتا۔ اور اگر کوئی بات اسکے نزدیک رعایا کے حق میں مفید نہ ہوتی تو فتوے میں ترمیم و تنسیخ کراتا۔ وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا کہ دربار میں علما کے درمیان اختلافی مسائل پیدا نہ ہونے پائیں۔ [۱]

ایک مرتبہ ملک العلما حضرت شہاب الدین دولت آبادی اور عماد الملک بختیار خاں میں سلسلہ بحث حد اعتدال سے متجاوز ہوگیا۔ قاضی نظام الدین کیسکلانی عماد الملک بختیار خاں کے ہمخیال تھے۔ جب موضوع بحث نے طول پکڑ کر تلخیوں کی منزل کی طرف قدم بڑھایا تو ابراہیم شاہ نے مداخلت سے کام لیکر دونوں علما کے درمیان صلح و مصالحت پیدا کرا دی۔ [۲]

---

۱ سلاطین جونپور۔ ۲ تجلی نور حصہ سوم

ابراہیم شاہ نے اپنے عہد کے عالموں، ادیبوں، شعرا اور فن کاروں کی امداد میں کافی دلچسپی لی اور انکو خوش حال اور باعزت زندگی بسر کرنے کے قابل بنانے میں بہت کوششیں کیں۔

اسکے دربار میں سب سے زیادہ قدر و منزلت فراہی شاعر کی تھی جو ابراہیم شاہ کے عہد کا درباری شاعر تھا۔ ابراہیم شاہ جنگی معرکوں میں بھی اُسے اپنے ہمراہ رکھتا اور اسکے کلام سے خوش ہو کر انعام و خلعت سے سرفراز کیا کرتا۔

ابراہیم شاہ کے دربار میں مورخ، منجم، شعرا، علماء اور فن سپہ گری کے ماہرین کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ قاضی سنجا مورخ بھی تھے اور علم نجوم کے ماہر بھی تھے۔ بدرالدین بدر، رفیع، کمال، جلالی، عرشی وغیرہ شعرا بھی دربار سے متمسک رہے۔ پنڈت نارائن داس جیوتش کے زبردست ماہر تھے۔ انکا خاندان شرقی خاندان کے آخری دور تک دربار سے متمسک رہا۔ شاہی حکیموں میں سید ابراہیم کا پایہ بہت بلند تھا جو خوشنویسی کے بھی بہترین ماہر اور ہفت قلم قاضی شہاب الدینؒ کے شاگرد تھے۔ [۵۱]

ابراہیم شاہ کا دستر خوان

ابراہیم شاہ کو کھانے پینے کا بیحد شوق تھا اپنے عہد سلطنت میں اس نے دستر خوان کی زینت کا خاص طور پر خیال رکھا۔ اسکے دستر خوان پر ہر دو وقت ڈھائی تین سو اشخاص شریک طعام ہوا کرتے تھے جس میں اسکے قرابتدار، امراء اور مہمان سب ہی شامل تھے۔ سفر میں بھی ابراہیم شاہ کا دستر خوان کافی وسیع ہوتا۔ مطبخ خانے کا انتظام اپنے عزیز قریب ابوسعید خاں کے سپرد کر دیا تھا جو اس کام

---

۵۱ سلاطین جونپور

میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ ؎۱

نرخ اجناس ابراہیم شاہ کے عہد میں غلہ۔ گھی، دودھ اور ترکاریوں کا نرخ اتنا ارزاں تھا کہ ایک شخص ڈھائی روپئے میں ایک ماہ آرام سے گذار لیتا تھا۔ جسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔ ؎۲

اجناس	فی روپیہ	وزن
۱۔ گیہوں	ایک روپیہ کا	۲½ من
۲۔ جَو	"	۵½ من
۳۔ چنا	"	۴ من
۴۔ گھی تازہ	"	۲۰ سیر
۵۔ شکر دیسی	"	۱۸ سیر
۶۔ گوشت بکری فربہ	"	۸ سیر
۷۔ گوشت گائے	"	۲۰ سیر
۸۔ چاول پلاؤ قسم اعلیٰ	"	۳ من
۹۔ روغن تلخ	"	۳۵ سیر
۱۰۔ جلانے سوختنی	"	۵۰ من

ملازمین خاص سقا ۱۶ جاروب کش ۱۴ بادکش ۱۸ باورچی ۱۰ توشہ بردار ۲۲ خدمتگار ۴۰ کفش بردار ۷ پارچہ بردار ۸ دھوبی ۸ حجام ۱۰ مہتر ۲۰۔ حکیم ۳ اتالیق ۱۲۔ کنیزیں ۴۰ مامائیں ۲۵ خواجہ سرا ۴ (سلاطین جونپور)

؎۱ سلاطین جونپور۔ تجلیات العارفین

؎۲ شرقی سکہ تنکہ کو انگریزی وزن میں تبدیل کرکے یہ نرخ لکھے گئے ہیں (مؤلف)

سلطان محمود شاہ

ابراہیم شاہ شرقی کا بڑا بیٹا سلطان محمود شاہ اپنے باپ کے انتقال کے بعد شرقی سلطنت کے تخت کا وارث ہوا۔ ابراہیم شاہ اپنی حیات میں اسے اپنا دایاں بازو سمجھ کر ہر وقت اپنی جان کے ساتھ رکھتا۔ باپ کے انتقال کے بعد سلطنت کا صحیح وارث تھا اور مزید براں باپ کی وصیت اور امرائے سلطنت کی سفارش بھی موافق تھی ۱۴۴۴ء میں جونپور کے تخت شاہی پر متمکن ہوا۔ امرائے سلطنت نے رسم کے مطابق تاجپوشی کے فرائض انجام دیے۔ ہر طرف سے تہنیت ہائے مبارکباد کے پیغامات آئے۔ دربار اور شہر میں جشن منایا گیا اور شہزادہ تمام اعیان سلطنت کے ہمراہ نظام سلطنت سے باخبر ہوا۔ کسی شاعر نے تخت نشینی کی تاریخ کہی:۔

سریر آرا چو شد ملک اتابک	بسال فرخ و ایام مسعود
نوشتم مصرعۂ تاریخ از فکر	مبارکباد جشنہ جشن محمود [۱]

محمود شاہ کو اس واقعہ کی اہمیت کا پورا لحاظ کرنا پڑا کہ ابراہیم شاہ نے جب تسخیر کالپی کا ارادہ کیا اور ہوشنگ غوری کے مقابلہ کے لئے کالپی کے قریب

---

[۱] سلاطین جونپور قلمی۔ تجلی نور قلمی حصہ سوم

پہونچا تو اسے مخبروں نے خبر دی کہ مبارک شاہ بن خضر خاں جونپور پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ اس لئے کالپی کی مہم کو چھوڑ کر جونپور کو مراجعت کی تھی اور یہ معاملہ یہیں رک گیا تھا۔ محمود شاہ نے تخت شاہی پر قدم رکھتے ہی اس معاملہ کو سر کرنے کی فکر شروع کر دی۔ چنانچہ اس نے امرائے سلطنت میں سے جو لائق اعتماد اور بھروسہ تھے مع تحائف بیش بہا سلطان محمود خلجی فرمانروائے دہلی کی خدمت میں روانہ کیا اور پیغام میں تحریر کیا کہ:۔

"نصیر خاں ولد قادر خاں ملازم ہوشنگ غوری صراط مستقیم شریعت محمدی سے گمراہ ہو کر مرتد ہو گیا ہے اور قصبہ شاہ پور میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور کالپی سے زیادہ آباد ہے، مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھا کر انکو شہر بدر کر دیا ہے اور انکی عورتوں کے ساتھ سلوک ناروا سے پیش آیا ہے اور بعض کو کافروں کے حوالے کر کے اسلام کی توہین کی ہے۔ چونکہ سلطان ہوشنگ خاں سے شرقی خاندان کے تعلق آجتک دوستانہ رہے ہیں اور بعہد سلطان ہوشنگ کالپی کے اہالیان کو ایسے زبوں حالات کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا لہذا مناسب مزاج خسروانہ سمجھ کر عرض حاضر کی کہ اس کا تدارک کیا جائے اور اگر حقیر کو اجازت ہو تو اس دشمن اسلام کی سرزنش کر کے دین محمدی کا پرچم اس دیار میں لہراؤں اور وہاں کے اہالیان کو دشمن کی قید سے نجات دلاؤں"۔ [۱]

بادشاہ محمود خلجی کے پاس جب یہ عرضداشت پہونچی تو اس نے اپنے

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ

امرائے سلطنت و مفتیان دین کے روبرو پیش کیا اور جمیع حضرات کی رائے سے تدارک فتنۂ کالپی کا طے پایا۔ چنانچہ سلطان خلجی نے جواب میں محمود شرقی کو لکھا:۔

"اس فتنہ کا دفع کرنا ہر بادشاہ پر جو شعار اسلامی کا پابند ہے لازم ہے اور بنابریں مجھ پر بھی اسی قدر لازم ہے مگر فی الحال خبر آئی ہے کہ میوات میں کچھ مفسدان نے علم بغاوت بلند کیا ہے اور امور سلطنت میں تخریب کا باعث ہو رہے ہے۔ بدیں وجہ مجھ پر فرض ہے کہ میں پہلے میوات کے فسادیوں اور باغیوں کی سرزنش کے لئے روانہ ہو جاؤں اور آپ کالپی کے اہلیان کو مصائب سے سبکدوش فرمائیں۔ آپکے ارادوں کو خدا کامیاب کرے اور فتح نصیب کرے" [۱]

جب سلطان محمود خلجی کے دربار سے قاصد واپس آیا تو محمود شاہ شرقی سلطان محمود خلجی کا پیغام سن کر بہت خوش ہوا اور انتیس [۲۹] زنجیر فیل اور تحائف سلطان محمود خلجی کی خدمت میں روانہ کر کے شکر گزار ہوا۔

اُدھر ایلچی مع تحائف کے روانہ ہوئے ادہر محمود شاہ شرقی نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ محمود شاہ کو جنگی تیاریوں میں کوئی زحمت محسوس نہ ہوئی۔ اسکے باپ کے وقت کے امرائے دولت اور فوجی افسران، ہاتھی گھوڑے، سپاہ اور خزانہ طبل و علم سب کچھ موجود تھا فوراً کالپی کی تسخیر کے لئے روانہ ہو گیا۔

جب کالپی کے حاکم نصیر خاں کو سلطان محمود شرقی کے خط اور ارادوں کا علم ہوا تو اس نے بھی دربار خلجی کے در کی زنجیر ہلائی اور ایک خط سلطان

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد دوم ۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ

محمود خلجی کی خدمت میں بھیجا کہ :۔

"یہ علاقہ جو سلطان ہوشنگ نے کمترین کو مرحمت کیا تھا سلطان محمود شرقی چاہتا ہے کہ بزور شمشیر چھین لے اور خود متصرف ہو لہذا فقیر کی حمایت سلطان کے ذمہ واجب ہے۔"

محمود خلجی نے اس خط کو پڑھکر غور کیا کہ نصیر خاں ہر حیثیت سے دہلی کا تابع فرمان رہے گا اس سے کسی قسم کا خطرہ نہیں مگر محمود شاہ شرقی اس باپ کا بیٹا ہے جس کی نظر ہمیشہ تخت دہلی کی طرف سے بدرہی۔ کالپی تک شرقی سلطنت کا قیام دہلی کے لیے ایک بڑا خطرہ ہوگا۔

محمود خلجی نے ایک درباری معتمد علی خاں کو طلب کیا۔ سلطان شرقی کی حیثیت کے مطابق تحائف ساتھ کیے اور ایک محبت آمیز خط کے ساتھ جونپور روانہ کیا۔ اس خط کا مفہوم یہ تھا کہ :۔ [1]

"نصیر خاں حاکم کالپی نے ہمارے پاس ایک مکتوب روانہ کیا ہے اور خدائے قادر و قہار کے خوف سے تائب ہوکر اقرار کیا ہے کہ آئندہ کوئی قدم جادہ شریعت سے باہر نہ نکالیگا اور کوئی امر بدعات شنیعہ و غیر مسنونہ اندرون علاقہ شاہ پور اور کالپی پیدا ہونے دیگا اور جملہ احکام الٰہیہ کی تعمیل و نفاذ میں کوتاہی نہ کرے گا دیگر یہ کہ یہ علاقہ سلطان ہوشنگ غوری نے ملک عبدالقادر ملازم خاص اپنے کو عنایت فرمایا تھا اور وہ لوگ دربار خلجی سے اطاعت و فرمانبرداری میں منسلک رہے اس لئے اس اخلاص پناہ اور

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ

سلطنت دستگاہ پر بھی لازم و واجب ہوا کہ اسکے جرائم گذشتہ کو دامنِ عفو سے چھپا دوں اور آپ سے اس پر صدمہ نہ پہونچانے کی سفارش کر دوں۔"

ابھی علی خاں جواب لیکر واپس نہ ہوا تھا کہ ایک دوسری عرضی نصیر خاں نے سلطان محمود خلجی کی خدمت میں بہ تعجیل اس مضمون کی روانہ کی کہ:۔

"فقیر سلطان ہوشنگ خاں کے وقت سے حضور کا پروردہ اور نمک خوار ہے۔ سلطان محمود شرقی عرصہ سے بغض و عناد رکھتا ہے اور کالپی پر چڑھائی کر کے خود اس ولایت پر متصرف ہوا ہے اور مسلمانوں کی عورتوں کو اسیر اور جلا وطن کر کے چندیری کی طرف کوچ کیا ہے۔ اس خبر کو حضور کے گوش گذار کرنا فریضہ سمجھا۔" [1]

اس خط کو نصیر خاں نے محمود خلجی کے پاس اس انداز سے نمک مرچ لگا کر بھیجا کہ محمود خلجی محمود شرقی کی طرف سے بدظن ہو گیا اور ۲ شعبان ۸۴۸ھ ہجری کو اُجّین سے چندیری اور کالپی کی طرف عازم ہوا۔ ایک تو نصیر خاں کے خط کا انداز تحریر دوسرے محمود شرقی کا کالپی سے چندیری کی طرف پیشقدمی کرنا محمود خلجی کے لئے باعث اطمینان نہ ہوا۔ سلطان محمود خلجی کی روانگی کی خبر پاکر نصیر خاں بھی آکر چندیری میں ملاقی ہوا اور وہاں سے ایرجہ کی جانب متوجہ ہوا سلطان محمود شرقی بھی اپنی فوج لیکر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ محمود خلجی نے ایک لشکر جرار کو حکم دیا کہ شرقی لشکر پر حملہ آور ہو اور دوسرا دستہ سامان

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ

کو برباد کر دے۔ چنانچہ محمود خلجی کے لشکر کا ایک حصّہ تو مجادلہ اور محاربہ میں مصروف ہوا اور دوسرا سامان کے برباد کرنے میں لگ گیا۔ صبح سے شام تک دونوں طرف کے تلوار کے دھنی بہادر اپنے اپنے فن کا کمال دکھلاتے رہے اور اپنی نقد جانیں بادشاہ کے حکم پر پیش کرتے رہے۔ مگر شام ہوتے ہی دونوں فوجیں اپنے اپنے قیام گاہ میں آکر فروکش ہوگئیں۔ دوسرے دن محمود خلجی نے عماد الملک کو بھیجکر راستہ غنیم کا روک دیا۔ محمود خلجی کی اس چال کو دیکھ کر محمود شرقی نے قلب لشکر میں قیام کیا۔ محمود خلجی نے پھر ایک فوج شرقی فوج کو تاخت و تاراج کرنے کیلئے بھیجی۔ اس لشکر نے شرقی لشکر اور مضافات میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور غنائم کثیر سے دامن بھر کر واپس ہوگئے۔ ابھی میدانِ قتال میں آتش جنگ سرد نہ ہوئی تھی کہ آسمان پر ابر نمودار ہوا اور معاً بارش کا آغاز ہوگیا۔ اس موقع کو غیر مفید سمجھ کر دونوں فوجوں نے ہاتھ روک لیا اور اپنے اپنے ولایتوں کو واپس چلی گئیں۔ ؎۱

سلطان محمود خلجی ابھی چندیری میں تھا کہ اسکو خبر ملی کہ محمود شاہ شرقی برہار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ محمود خلجی نے فوراً برہار کے مقدم کے پاس کمک بھیجدی محمود شرقی نے سوچا تھا کہ محمود خلجی چندیری میں قیام کرے گا۔ برہار پر قبضہ کے لئے میدان صاف رہیگا۔ مگر محمود خلجی کی طرف سے کمک کی آمد دیکھکر جنگ کا آغاز نہ کیا اور اپنے دائرے میں قیام کیا۔ ؎۲

برہار کے لوگ محمود خلجی کے زیرِ حکومت رہ کر بجد آرام کی زندگی بسر کیا کرتے تھے اس لئے کسی دوسری سلطنت کے ماتحت رہنے کو پسند نہ کرتے تھے اور نہ

؎۱ تاریخ فرشتہ تاریخ ہند ذکاء اللہ ؎۲ فرشتہ۔ تاریخ ہند ذکاء اللہ

کسی امیر یا زمیندار نے برہار حاصل کرنے میں محمود شرقی کی مدد کی اس لئے اس نے مجبور ہوکر ایک مکتوب شیخ الاسلام جا ئیلد ہا کے نام لکھکر روانہ کیا کہ ہم دونوں سلاطین آپس میں ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے ہیں اور دونوں طرف کے مسلمان تہ تیغ ہو رہے ہیں اگر آپ اس بارے میں ساعی ہوں تو جنگ موقوف ہو جائے اور مسلمانوں کا خون ناحق بہنے نہ پائے۔ قصبہ ایرجہ اور راٹھ جو ہمارے تصرف میں آیا ہے ہم اسے نصیر خاں کو واپس کردیں گے۔"

حضرت شیخ الاسلام نے یہ خط اور ایلچی کی زبانی پیغام سن کر فوراً اپنے خادم کو محمود خلجی کے پاس بھیجا اور ایک مکتوب نصیحتانہ بھی اسکے ہمراہ کردیا اور تاکید کی کہ صلح کن راہ پر عمل کیا جائے۔ اور خونریزی سے اجتناب کیا جائے۔

محمود خلجی نے کہ شیخ الاسلام کا بیحد ادب اور احترام کرتا تھا فوراً خادم سے خط لیکر چاک کیا اور پڑھکر جواب میں کہلا بھیجا کہ محمود شرقی جبتک کالپی کا علاقہ نصیر خاں کو واگذار نہ کرے گا میں صلح کرنے پر تیار نہیں ہوں، چونکہ نصیر خاں کے علاقوں پر محمود شرقی قابض ہوگیا تھا پرگنہ راٹھ کو اس نے غنیمت سمجھکر محمود خلجی کی خدمت میں عرض کی کہ سلطان محمود شرقی نے حضور اشرف کے سامنے شیخ الاسلام جا ئیلد ہا کی خدمت میں وعدہ کیا ہے کہ میں اسکے بعد قادر خاں کی اولاد سے خصوصاً نصیر خاں سے مزاحم اور معترض نہ ہونگا امیدوار ہوں کہ پھر اس کا لشکر اس ملک میں دوبارہ قدم نہ رکھے اور بعد چار ماہ کے کالپی۔ ایرجہ اور قصبات میرے سپرد کردے۔"[۱]

جب بنیاد صلح کی شیخ کی توجہ ظاہری و باطنی سے مستحکم ہوگئی اور ایلچی

---

[۱] تاریخ فرشتہ، آئینہ اودھ۔ تاریخ ہند ذکاء اللہ

سلطان محمود شرقی کا عنایات شاہی سے مستفیض ہوکر رخصت ہوا۔ سلطان محمود خلجی شادی آباد منڈو کی طرف اور سلطان محمود شرقی جونپور کی طرف روانہ ہوئے

جونپور پہونچکر محمود شاہ شرقی نے اپنا وقت دارالخلافہ کی درستگی سلطنت کے نظم ونسق اور خدمت علما و فقرا میں گذارنا شروع کر دیا۔ ابراہیم شاہ کی روح ضرور خوش ہوئی ہوگی کیونکہ یہی جذبات اسکے دل میں بھی تھے جو حیات مستعار کی بیوفائی کیوجہ سے اپنے ہمراہ قبر میں لے گیا۔

کچھ دنوں علماء و فقرا و امرار کی خاطرداریوں میں گذارکر اور سپاہ کو تازہ دم بناکر محمود شاہ نے ایک مرتبہ پھر مملکت چنار کی تسخیر کا ارادہ کیا اور وہاں پہونچکر اس کو تاخت وتاراج کیا اور وہاں کے سرکشوں اور مفسدوں کو گرفتار کیا۔ بہتوں کو تہ تیغ کیا اور بعضوں کو شہر بدر کیا اور بعض قصبوں اور پرگنوں میں تھانے بٹھا کے پھر جونپور واپس چلا آیا اور پھر کچھ دنوں آرام کرنے کے بعد اڑلیسہ کی طرف رخ کیا۔ اڑلیسہ کے حالات اسکے زمانے میں اچھے نہ تھے۔ ابراہیم شاہ شرقی کی حیات تک اڑلیسہ کے اکثر علاقے باجگذار رہے۔ مگر اب اڑلیسہ میں سرکشی پھیل چکی تھی اور اسکو دبانے کے لئے محمود شاہ شرقی کو جانا ہی پڑا۔ وہاں پہونچکر محمود شرقی نے بہت سے سرکشوں کو قتل کیا۔ بتخانوں کو مسمار کیا اور اطراف کے بیشتر مقامات کو لوٹ کر کافی مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا اور امرائے ہمرکاب اور سپاہ کے افسران بھی مال غنیمت سے آسودہ ہوگئے۔

دہلی میں جب افغانوں نے حمید خاں کو گرفتار کرکے موکلوں کے سپرد کیا تو ملک بہلول کو دہلی کا بادشاہ بنایا۔ ملک بہلول نے ۸۵۵ھ میں اپنے بڑے

---

۵۱ تاریخ فرشتہ جلد دوم

بیٹے خواجہ بایزید کو دہلی کی سلطنت پر اپنا قائم مقام بنا کر ملتان اور دیپال پور چلا گیا۔ اور وہاں پہونچکر فوج کی فراہمی میں مصروف ہو گیا۔ مگر بعض امرائے علاؤالدین نے کہ بہلول لودی کو بادشاہ تسلیم کرنے سے اختلاف رکھتے تھے سلطان محمود شرقی کو پیغام بھیجا کہ وہ آکر دہلی کے تخت پر قبضہ کرلے۔

چنانچہ اس پیغام کو پاتے ہی سلطان محمود شرقی نے ۸۵۶ھ میں ایک جرار لشکر لے کر دہلی کو روانگی کر دی اور وہاں پہونچکر پورے طور پر دہلی کا محاصرہ کرلیا۔ خواجہ بایزید پسر بہلول لودی مع اپنے چند امرا کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا جب بہلول لودی کو یہ خبر پہونچی تو فوراً دیپال پور سے روانہ ہو کر موضع نیرہ میں مقیم ہوا جو صدر دہلی سے ۱۵ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ موقع پاکر بہلول کے سپاہی محمود شرقی کے باربردار جانور مثل اونٹ اور بیل وغیرہ چراگاہ سے ہانک لے گئے۔ جب اسکی اطلاع محمود شاہ شرقی کو ہوئی تو اس نے فتح خاں ہروی کو جو اسکے امراء میں سے بیحد مستعد افسر تھا مع تیس ہزار سوار اور تیس زنجیر فیل بہلول لودی کے مقابلہ کو بھیجا اور افغانوں نے تین گروہ میں تقسیم ہو کر مقابلہ کیا۔ بہلول لودی کا بھتیجہ قطب خاں لودی پسر اسلام خاں لودی نامی تیراندازوں میں تھا۔ اس نے فتح خاں کی فوج کے ہاتھی کو کہ فوج میں سب سے آگے چلتا تھا، ایک ضرب تیر سے ناکام کر دیا اور وہ ہاتھی پھر میدان جنگ کے لائق نہ رہا اور دریا خاں لودی کو للکار کر کہا جو محمود شرقی کی سپاہ کا نامی سردار تھا کہ تیری ماں بہنیں دہلی کے قلعہ میں اسیر ہیں تجھکو جنگ میں غیر کی مدد کرنے میں شرم نہیں آتی؟ جا ناموس کی حفاظت کر۔ ؎۱

۱؎ تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ۔ گزیٹر جونپور

قطب خاں کے یہ جملے سن کر دریا خاں نے جواب دیا کہ میں پسپا ہوتا ہوں مگر خبردار تعاقب نہ کرنا۔

قطب خاں نے قسم کھائی کہ "میں پیچھا نہ کرونگا" یہ سنتے ہی دریا خاں نے جنگ سے منہ موڑلیا اور واپس چلا آیا اسکے پلٹتے ہی فتح خاں ہروی شکست کھاکر گرفتار ہوا۔ چونکہ فتح خاں نے رائے کرن کے بھائی بھتورا کو قتل کیا تھا اسلئے رائے ہر کرن آگے بڑھ آیا اور فتح خاں کا سر کاٹ کر بہلول لودی کی خدمت میں حاضر کردیا۔ [1]

محمود شاہ شرقی کے اس بہادر جرنیل کے قتل ہوجانے کے بعد اسکی ہمت پست ہوگئی اور دہلی کا محاصرہ ختم کرکے جونپور واپس چلا آیا۔ اب بہلول لودی کی بادشاہت مضبوط ہوئی اور اس نے ہر طرف اپنے رعب وجلال کا سکہ جاری کردیا

بہلول لودی کی شاہی نے اطراف وجوانب میں ارتعاش پیدا کردیا تھا جدھر پہونچ جاتا لوگ بلاجنگ کیئے سر تسلیم خم کردیتے اور ملازمت قبول کرلیتے بعض جو بہلول لودی کو خاطر میں نہ لائے اُن میں احمد خاں میواتی بھی تھا۔ احمد خاں کا رنگ بیڈھب دیکھکر بہلول لودی نے میوات کے سمت روانگی کردی۔ بہلول لودی کی آمد کی خبر سن کر احمد خاں نے نہایت تزک واحتشام سے اسکا استقبال کیا اور آخر کار رشتہ اطاعت میں منسلک ہوگیا۔ بہلول لودی نے سات پرگنے احمد خاں کے تصرف سے نکال لیئے اور باقی علاقہ کا اسکو حاکم بناکر وہاں سے واپس ہوا اور قصبہ برن میں پہنچا۔ دریا خاں لودی نے بادشاہ کی آمد کی خبر پاکر سنبھل سے آکر استقبال کیا اور بادشاہ کی خدمت میں سات ہاتھی پیش کئے

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ آئینہ اودھ

وہاں سے بہلول لودی علاقہ کول پہنچا اور عیسیٰ خاں کا علاقہ بدستور بحال رکھا۔ پھر برہان آباد جاکر سکیٹ اور مبارک خاں لوہانی کا علاقہ بھی بحال رکھا مگر بھوئیں گاؤں جاکر رائے پرتاپ پر خراج مقرر کیا۔ وہاں سے رابری پہونچا۔ رابری کا حاکم قطب خاں بن حسین خاں افغان قلعہ میں پناہ گزین ہوا اور بہلول لودی نے یہ بھی فتح کر لیا۔ اسکے بعد اٹاوہ گیا وہاں کے حاکم نے اطاعت قبول کی لہذا اسکی جاگیر اسے بحال کردی۔

جونا خاں بہلول لودی سے ناراض ہو کر سلطان محمود شرقی کے پاس حاضر ہوا اور ہر طرح وفاداری اور اطاعت کا اقرار کیا۔ محمود شرقی نے اُسے شمس آباد کا حاکم بنادیا۔ اور ۸۶۱ھ میں اٹاوہ میں بہلول لودی پر حملہ کردیا۔ پہلے روز دونوں فوجیں دن بھر سرگرم پیکار رہیں۔ دوسرے دن قطب خاں اور رائے پرتاب نے صلح کا پیغام بھیجا۔ [1]

بہلول لودی اور محمود شرقی کا صلحنامہ

بہلول لودی کے پیغام صلح کو محمود شرقی نے منظور کر لیا جسکے شرائط یہ تھے:-

"مبارک شاہ بادشاہ دہلی کے ماتحت جتنے علاقے تھے اب وہ بہلول لودی کی ملکیت قرار پائیں (۲) اور جو علاقے سلطان ابراہیم شاہ بادشاہ جونپور کے ماتحت تھے اب وہ محمود شرقی کی ملکیت میں رہیں (۳) سات ہاتھی جو فتح خاں کی شکست میں بہلول لودی کو ہاتھ آئے تھے اسے بہلول لودی

---

[1] تاریخ ہند مولوی ذکاءاللہ۔ تاریخ آئینہ اودھ۔ فرشتہ

محمود شرقی کو واپس کرے (۴) اور شمس آباد کا علاقہ جونا خاں سے نکال کر بہلول لودی کو ملے۔"

چنانچہ اس صلحنامہ کی بنا پر محمود شرقی نے جونپور کو مراجعت کی۔ جب بہلول لودی نے جونا خاں سے شمس آباد کا علاقہ طلب کیا تو جونا خاں راضی نہوا بہلول لودی نے بزور قوت جونا خاں کو وہاں سے نکال کر شمس آباد پر قبضہ کرلیا اور اس علاقہ کو رائے کرن کے سپرد کر دیا۔ جب یہ خبر سلطان محمود شرقی کو پہنچی تو وہ پھر ایک جرار لشکر لے کر جونا خاں کی مدد کے لئے جونپور سے روانہ ہوگیا اور شمس آباد کے اطراف میں فروکش ہوگیا۔ قطب خاں لودی اور دریا خاں لودی نے ایک رائے ہو کر شرقی لشکر پر شبخون مارا۔ اتفاق سے قطب خاں لودی کا پاؤں گھوڑے کی زین میں پھنس گیا اور گھوڑے کے بدکنے سے زمین پر آرہا۔ شرقی فوج کے سپاہیوں نے دوڑ کر زندہ گرفتار کرلیا۔

جب قطب خاں محمود شاہ شرقی کے پاس لایا گیا تو اس نے قتل کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ جونپور بھیجکر قید میں رکھا۔ اب بہلول لودی نے شہزادہ جلال خاں اور شہزادہ سکندر خاں اور عماد الملک کو رائے کرن کی مدد کے لئے شمس آباد بھیجا کہ سب مل کر محمود شرقی کے مقابل مضبوط مورچہ قائم کریں اور خود فوج لے کر دوسری طرف سے وہاں آگیا۔ دونوں لشکر اطراف شمس آباد میں فروکش ہوگئے۔ ابھی جنگ کا آغاز نہ ہوا تھا کہ دفعتاً سلطان محمود شرقی کی طبیعت ناساز ہوئی اور مرض نے یہاں تک شدت اختیار کی کہ دوسرے ہی دن ۸۶۲ھ ہجری کو انتقال کر گیا۔ مدت سلطنت بیس سال چند روز۔ [۱]

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ

محمود شاہ ابراہیم شاہ شرقی کی طرح علم دوست اور علم پرور تھا۔ اپنے زمانے کے علماء، فقرا اور بزرگان دین کی بیحد خدمت کرتا تھا۔ ہر شخص کے وظائف اور امداد کو مثل اپنے والد کے بحال رکھا۔ محمود شاہ کی تخت نشینی کے وقت اسے پورا عملہ ابراہیم شاہ شرقی کے عہد کا ملا جو نظام سلطنت کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اس نے تمام افسروں، امیروں اور جاگیرداروں کو اسی انداز سے دیکھا اور ویسے ہی سلوک کئے جیسا اسکے باپ ابراہیم شاہ شرقی نے کئے تھے۔ ؎ ۱

محمود شاہ کو عمارتوں کی تعمیر سے بھی کافی دلچسپی تھی۔ چنانچہ لعل دروازہ مسجد اور مسجد سے متصل کئی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ مسجد سے شمال کی جانب اس نے ایک محل تعمیر کرایا تھا جو نماز گاہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ نماز گاہ اسکی بیوی راجے بی بی کی فرمائش پر تعمیر ہوئی تھی۔ محمود شاہ شرقی نے اسکی تعمیر میں کافی روپیہ صرف کیا تھا اور بہترین کاریگروں نے تیار کی تھی۔ اس عمارت کی شہرت کی وجہ یہ تھی کہ اس میں مدرسہ۔ مہمان خانہ، حوض اور باغ سب کچھ تھا۔ لعل دروازہ محل کی طرح نماز گاہ میں بھی لال پتھر استعمال کئے گئے تھے۔ راجے بی بی اسی محل میں اپنے ملازموں، کنیزوں اور سہیلیوں کے ساتھ رہتی تھیں اور ان ہی کے نام سے یہ محل موسوم تھا۔ ؎ ۲

"سلطان محمود کی شادی سید علاء الدین بدایونی کی لڑکی بیگم راجے بی بی سے ہوئی تھی ۸۴۴ھ میں ملک اتابک خطاب کر کے تخت پر بیٹھا" (بیان الانساب)

"تاریخ آثار بنارس" کے مصنف نے لکھا ہے کہ سلطان محمود شاہ شرقی نے

؎ ۱ ؎ ۲ سلاطین جونپور۔ تجلیات العارفین

بنارس کی ایک غریب عورت راجے بی بی سے شادی کرلی تھی جو سید طالب علی عرف سید طاھن کی بیٹی تھیں۔ سید طاھن ایک زمانے میں راجہ جے چند کی طرف سے بنارس کے حاکم تھے۔ کمسنی میں باپ کا انتقال ہوگیا تھا والدہ نے ان کی پرورش کی تھی۔ اور مصنف "بیان الانساب السادات زیدیہ" کا قول ہے کہ راجے بی بی سید علاء الدین بدایونی کی لڑکی تھیں۔ [۱]

"راجے بی بی بڑی ذہین اور پر مغز تھیں۔ اپنی دانشمندی اور طباعی کی بنا پر امور سلطنت اپنے ہاتھوں میں لیکر حسن و خوبی سے انتظامات کئے...... محمود شرقی نے غلام انبیا کو اپنے عہد حکومت میں بنارس کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ غلام انبیاء نے ایک بازار اپنے

---

[۱] اگر یہ صحیح ہے کہ سید طاھن راجہ جے چند والئ قنوج کی طرف سے بنارس کے حاکم تھے تو پھر راجے بی بی کا انکی دختر ہونا اور محمود شاہ شرقی سے شادی ہونا تاریخی حیثیت سے غلط ہوجاتا ہے کیونکہ راجہ جے چند قطب الدین کے ہاتھوں سنہ ۱۱۹۳ء میں قتل ہوجاتا ہے۔ محمود شاہ شرقی کے والد ابراہیم شاہ شرقی کی تخت نشینی سنہ ۱۴۰۲ء میں ہوئی۔ اس طرح جے چند اور ابراہیم شرقی کے درمیان ۲۰۸ سال کا زمانہ حائل ہے۔ جے چند کی وفات کے بعد سید طاھن زیادہ سے زیادہ ۵۰ سال زندہ رہے ہونگے اور راجے بی بی وفات کے چھ سال قبل پیدا ہوئی ہونگی کیونکہ باپ کا انتقال کمسنی میں ہوچکا تھا اگر سنہ ۱۴۰۱ء بھی شادی کا سال مان لیا جائے تو راجے بی بی کی عمر بوقت شادی ۱۶۴ سال تسلیم کرنا پڑے گی جو بالکل غلط ہے چونکہ بیان الانساب اور دوسرے مورخین متفق ہیں کہ راجے بی بی علاء الدین بدایونی کی لڑکی تھیں اس لئے ہم بھی اسی رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ (آثار بنارس صفحہ ۸۰ چراغ نور۔ فرشتہ۔ بیان الانساب صفحہ ۱۳۱-۱۳۰ منتخب التواریخ۔ محمد قاسم سے بابر تک)

نام سے انبیا منڈی کے نام سے قائم کی اور محمود شاہ شرقی کے نام سے ریشمی ملبوسات میں ایک جدید طرز کا کپڑا بننے لگا جو "محمودی" کے نام سے مشہور ہے اور کہیں کہیں اب بھی تیار کیا جاتا ہے۔ (تاریخ آثار بنارس)

" راجی بی بی کی ایک سہیلی فیروز خانم تھیں جسے ملکہ نے گلبدن کا خطاب دیا تھا۔ بڑی زیرک اور دانشمند تھیں۔ گلبدن بنارس کا مشہور ریشمی پارچہ ان ہی کے نام سے موسوم ہے۔"

راجی بی بی نے اپنی سلطنت میں اسلامی مہینوں کے نام عورتوں کی آسانی کے لئے حسب ذیل رائج کرائے تھے۔

عربی	محرم	صفر	ربیع الاول	ربیع الآخر
جونپوری	داہا	تیرہ تیزی	بارہ وفات	پیرٹے پیر
عربی	جمادی الاول	جمادی الآخر	رجب	شعبان
جونپوری	مدا	خواج مدین	رجب	شبرات
عربی	رمضان	شوال	ذیقعد	ذی الحجہ
جونپوری	روزہ	عید	خالی	بقرعید

راجی بی بی نے بنارس چوک میں ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی جو کافی بلندی پر واقع ہے۔ (تاریخ آثار بنارس)

سلطان محمد شاہ

شمس آباد میں محمود شرقی کے انتقال کے بعد ۱۴۵۷ء میں اسکا بیٹا محمد شاہ شرقی وارث تخت و تاج ہوا۔ جشن تاجپوشی حسب روایات خاندانی بڑے تزک و احتشام سے منایا گیا۔ کسی شاعر نے حسب ذیل قطعہ پیش کیا۔

محمد شاہ را شاہی مبارک | شود مامون از بیداد و از ظلم
یکے از عقل چوں تاریخ پرسید | بر آمد سن مبارک گفت الحکم

محمد شاہ شرقی عرف شہزادہ بھیکن خاں دوران جنگ میں جو بہلول لودی کے خلاف جاری تھی اپنے والد کے ساتھ شمس آباد کیمپ میں موجود تھا اور موجودہ صورت حال سے کسی قدر باخبر بھی تھا اس لئے بی بی راجی نے اپنے باقی فرزندوں جلال خاں، حسن خاں اور حسین خاں کو نظر انداز کر کے تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔[۱]

بی بی راجی چونکہ خود ایک قابل شہزادی تھی اور شاہانہ دل و دماغ اور سوجھ بوجھ رکھتی تھی اس لئے اس نے سلطنت کے ہنگامی حالات پر قابو پانے کے لئے محمد شاہ کو مشورہ دیا کہ وہ بہلول لودی سے اس صلحنامے کے تحت صلح کر لے جو اسکے باپ نے مرنے سے قبل مرتب کیا تھا۔ چنانچہ محمد شاہ نے بہلول لودی کے پاس پیغام بھیجا کہ جنگ ملتوی کر دی جائے اور دونوں سلطان آپس میں اس شرط پر

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ سلاطین جونپور۔ تاریخ ہند ذکاء اللہ

راضی ہوجائیں کہ سلطان محمود کے مقبوضہ علاقوں کا مالک محمد شاہ کو قرار دیا جائے اور بہلول لودی اپنے مقبوضہ علاقوں پر قابض رہے۔ اس پر دونوں سلطان راضی ہوگئے اور محمد شاہ مع اپنی فوج کے جونپور چلا آیا۔

جب بہلول لودی دہلی واپس ہونے لگا تو مہا سکر جی کی تاریخ میں ہے کہ "بہلول لودی کی بیوی جو ساتھ میں تھی اس نے کہا جبتک میں اپنے بھائی قطب خاں کو شرقی بادشاہ کی قید سے چھڑا نہ لونگی دہلی نہ لوٹوں گی۔"

فصیح الدین صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ "جب بہلول لودی دہلی میں آیا اور حرم سرا میں داخل ہونا چاہا تو دروازہ بند تھا اور اسے اپنی بیوی کے طعن آمیز جملے سننے پڑے کہ جب تک وہ قطب خاں کو رہا نہ کرالیگا حرم سرا کے اندر قدم نہ رکھنے پائے گا۔"

فرشتہ میں ہے کہ "بہلول جب دہلی پہونچا تو شمس خاتون بہلول کی بیوی نے بہلول لودی کو مجبور کیا کہ وہ اسکے بھائی کو شرقی قید سے رہا کرائے ورنہ اس پر خواب و خور حرام ہے۔"

بیوی کے ان جملوں کا بہلول لودی پر بہت اثر پڑا۔ چنانچہ اس نے بقولے جونپور اور بقولے شمس آباد کا رخ کیا۔ قطب خاں صرف بہلول لودی کا سالا ہی نہ تھا بلکہ بہلولی سپاہ کا روح رواں ایک سردار بھی تھا۔ بہلول اس بہادر جرنیل کی کمی اپنی سلطنت کی بقا میں کمی کے مترادف سمجھتا تھا لہذا بیوی کے تقاضوں کے علاوہ وہ خود بھی قطب خاں کی رہائی کی فکر میں تھا۔

صلحنامے کے بعد محمد شاہ جونپور چلا آیا تھا کیونکہ یہاں حسن خاں اسکے

---

۵۱ جونپور کا اتہاس ۵۲ "Kings of the East"

خلاف سازش میں مصروف تھا۔ اور قطب خاں کی مدد سے کوئی منصوبہ تیار کر رہا تھا۔ محمد شاہ کو جونپور پہونچتے ہی اس کا علم ہوگیا۔ مگر بہلول لودی کے شمس آباد کی طرف بڑھنے کی خبر سُن کر وہ بھی شمس آباد کو روانہ ہوگیا اور سرستی میں آکر قیام کیا۔ اس کے ساتھ میں جلال خاں اور حسین خاں اسکے دونوں بھائی بھی تھے۔ لودی نے جب راپری میں آکر قیام کیا تو اسکو معلوم ہوا کہ شمس آباد میں متعین لودی کے گورنر رائے کرن کو محمد شاہ نے ہٹا کر جونا خاں کو اسکی جگہ گورنر بنا دیا ہے اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے اس لئے بہلول لودی نے راپری سے ہٹنا مناسب نہ سمجھا۔ زمیندار رائے پرتاپ جو خانوادۂ لودی سے منسلک تھا محمد شاہ کی آن بان دیکھکر لودی کا ساتھ چھوڑ کر محمد شاہ سے آکر مل گیا۔

محمد شاہ نے حسن شاہ اور قطب خاں کی سازشوں سے اندیشہ کیا اور جونپور کے کوتوال کو ایک خفیہ خط لکھا کہ حسن شاہ اور قطب خاں کو پوشیدہ طور پر قتل کر دیا جائے ورنہ یہ لوگ شرقی سلطنت کا قلعہ قمع کر دیں گے۔ یہ خبر حسن خاں کی والدہ راجے بی بی کو بھی معلوم ہوگئی۔ انھوں نے کوتوال کو لکھا کہ "میری موجودگی میں محمد شاہ کا پیغام نہیں چل سکتا اور شہزادہ حسن خاں قتل نہیں کیا جا سکتا۔" [۱]

کوتوال نے محمد شاہ کو اطلاع دیدی کہ آپ کی والدہ راجے بی بی شہزادہ حسن خاں کی موافقت میں ہیں۔ خاکسار آپ کے حکم کی تعمیل سے قاصر ہے۔ محمد شاہ نے فوراً ایک خط اپنی والدہ کو جونپور لکھا کہ اگر آپ میرے پاس

---

[۱] تاریخ فرشتہ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ

تشریف لاویں تو حسن خاں کے واسطے کچھ علاقے مقرر کر کے اسکے حوالے کر دوں تاکہ مجھے اسکی طرف سے اطمینان ہو جائے اور وہ آوارہ گردی سے نجات پا جائے۔"

بی بی راجے محمد شاہ کا خط پاتے ہی جونپور سے شمس آباد کو روانہ ہوگئیں اور شمس آباد پہونچ گئیں۔ انکو یہ خبر نہ تھی کہ یہ محمد شاہ کی چال ہے۔ جب بی بی راجی نے جونپور سے باہر قدم نکالا تو کوتوال نے محمد شاہ کے حکم کی آزادی سے تعمیل کر دی یعنی شہزادہ حسن خاں کو قتل کر دیا اور محمد شاہ کو اطلاع کر دی۔ جب حسن خاں کے قتل کی بی بی راجی کو خبر ہوئی تو اسکو بیحد رنج ہوا اور قنوج میں اس نے حسن خاں کی موت کے سلسلے میں قرآن خوانی وغیرہ کرائی اور رسم تعزیت ادا کی۔ اور بجائے محمد شاہ کے پاس جانے کے قنوج ہی میں قیام کیا۔ محمد شاہ کو اپنی والدہ کی اس حرکت پر غصہ آگیا اور اس نے ایک خط والدہ محترمہ کے پاس بھیجا کہ:— [۱۵]

"دیگر شہزادوں کا بھی یہی حال ہوگا (یعنی میرے ہاتھ سے قتل ہونگے) بہتر ہے کہ آپ سب بیٹوں کا سوگ منائیں۔"

یہ خط بھیجکر پھر محمد شاہ بی بی راجی سے ملنے نہ گیا۔

اس واقعہ کا جلال خاں اور حسین خاں دونوں بھائیوں پر کافی اثر پڑا اور دونوں خائف ہو کر کہیں ہٹ جانا چاہتے تھے کہ دونوں نے سلطان شہ اور جلال خاں اجودھی کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ محمد شاہ کو خط لکھا جائے جسکا مضمون یہ تھا" بہلول لودی کا لشکر آپ کے لشکر پر شبخون مارنیکی تیاری

---

[۱۵] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند ذکاء اللہ

میں مصروف ہے لہذا اسکی مدافعت کے واسطے ہم لوگوں کو حکم دیا جائے کہ ہم لوگ سلطان شہ اور جلال خاں اجودھی کی معاونت سے بہلول لودی کے لشکر پر قتل شبخوں مارنے کے تاخت لادیں اور اسکے سارے منصوبے کو خاک میں ملادیں۔"

اس خط کو پڑھ کر سلطان محمد شاہ نے شہزادہ حسین خاں اور جلال خاں اجودھی کو ہمراہ تیس ہزار سوار اور ایک ہزار زنجیر فیل کے بہلول لودی کے لشکر پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ اس خبر کو پاتے ہی بہلول لودی نے بھی ایک لشکر کثیر انکے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔

حسین خاں جب روانہ ہونے لگا تو اس نے چاہا کہ اپنے بھائی جلال خاں کو بھی ساتھ لیلے۔ اور ایک شخص کو اسکے لینے کے لئے بھیجا بھی مگر سلطان شہ نے کہا کہ توقف کا مقام نہیں ہے جلال خاں پیچھے آکر ہم لوگوں سے ملجائیگا ہم لوگوں کو آگے بڑھ کر دشمن کی خبر لینا چاہیئے۔ یہ کہکر دونوں قنوج کی طرف روانہ ہوئے اور بہلول لودی کی فوج بھی آگئی۔ اور دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہو گئے۔

اُدھر شہزادہ جلال خاں کے پاس جب حسین خاں کا پیغام پہونچا تو وہ بھی محمد شاہ سے علیحدہ ہو کر بھائی کی معاونت کو چلا۔ جب مقام جھَرنہ میں پہونچا تو وہاں لشکر کا جماؤ دیکھ کر سمجھا کہ حسین خاں کا لشکر ہے نزدیک آکر مل گیا مگر یہ لشکر بہلول لودی کا تھا اور جلال خاں وہاں پہونچتے ہی بہلولی سپاہیوں کے ہاتھوں اسیر ہو گیا۔

۱۵؎ تاریخ فرشتہ تاریخ ہند ذکاء اللہ

بہلول لودی جلال خاں کی گرفتاری سے بہت خوش ہوا اور سوچا کہ قطب خاں کی رہائی کا اچھا ذریعہ ہاتھ آیا ہے۔ محمد شاہ قطب خاں کو دیکر اسکے بدلے میں جلال خاں کو واپس لے سکتا ہے۔

جلال خاں کی گرفتاری سے حسین خاں بیحد سُست پڑگیا۔ اور اسکی طبیعت جنگ میں نہ لگی۔ یہ دیکھ کر محمد شاہ بھی قنوج کو روانہ ہوا۔ بہلول کی فوجوں نے تعاقب کر کے کچھ سامان محمد شاہ کی فوج کا لوٹ لیا اور گنگا کے کنارے تک پیچھا کرتے چلے آئے۔ حسین خاں سیدھا جون پور دارالخلافہ پہونچا اور اپنی والدہ سے ملا۔ محمد شاہ کی نالائقی اور اسکے ظلم وجور پر بڑی دیر تک دونوں میں گفتگو ہوئی۔ آخر دونوں ماں بیٹوں کی گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ راجے بی بی نے تمام امرائے دربار کو جمع کر کے حسین خاں کو تخت شاہی پر بٹھا دیا۔ اس خبر کو سُن کر بہت سے امرا نے محمد شاہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور جونپور دارالخلافہ میں حاضر ہو کر حسین خاں کی مسند نشینی اور شاہی کو تسلیم کر لیا اور کچھ درباری امراء ایسے بھی تھے جو محمد شاہ کی شمع رفاقت کا پروانہ بنے رہے۔

ایک سلطنت کے دو بادشاہ ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کا جانی دشمن ہو جائے گا۔ حسین خاں نے ملک مبارک گنگ اور ملک علی گجراتی اور کئی اور نامی وگرامی امراء کو گنگا کے کنارے اجگر گھاٹ پر جہاں محمد شاہ کا قیام تھا روانہ کیا کہ وہ جاکر محمد شاہ کا کام تمام کر دیں۔ جیسے ہی یہ لشکر اجگر گھاٹ پہونچا۔ محمد شاہ کی لشکر میں انتشار پھیل گیا اور بہت سے امرا محمد شاہ کا ساتھ چھوڑ کر حسین خاں کے لشکر میں آکر شامل ہو گئے۔ اور دونوں طرف سے

---

[۵۱] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند مولوی ذکاءاللہ۔ آئینہ اودھ

جنگ شروع ہوگئی۔ محمد شاہ وہاں سے بھاگ کر قریب کے ایک باغ میں پناہ گزیں ہوا حسین خاں کی فوجوں نے وہاں بھی محاصرہ کرلیا اور جنگ شروع کردی۔ محمد شاہ تیر اندازی میں بڑا مشاق تھا۔ کوئی نشانہ مشکل ہی سے خالی جاتا تھا۔ اس نے جب ترکش پر ہاتھ ڈالا تو وہاں ایک پیکان تیر بھی موجود نہ تھا۔ یہ کام اسکی والدہ راجی بی بی نے ایک سلاحدار کی معرفت پہلے ہی سے انجام دے دیا تھا کہ اسکی لاعلمی میں سب تیر ترکش سے نکلوا لئے تھے۔ محمد شاہ بہت جھنجلایا آخر کار تلوار ہاتھ میں لے کر میدان میں اتر پڑا۔ اور حسین خاں کے بہت سے بہادر سپاہیوں کو قتل کیا کہ دفعتاً ایک تیر مبارک گنگ کا محمد شاہ کے ایسا کاری لگا کہ اسکے صدمے سے جانبر نہ ہوسکا۔ اور وہیں دم توڑ دیا۔[۱]

محمد شاہ نے کل ۵ ماہ حکومت کی۔ دوران حکومت میں سلطنت کے نظم ونسق کو اس نادانی اور لاپرواہی سے قائم رکھا کہ رعایا، درباری امرا، فوج کے سپاہی اور سردار کوئی بھی خوش نہ رہا۔ غیر تو غیر اس نے اپنے سگے بھائی حسن کو قتل کرا کے اپنے کو تمام لوگوں کی نظروں سے گرا دیا۔ اور آخر میں اپنی والدہ راجے بی بی کو ایسا ناراض کیا کہ انھوں نے پھر محمد شاہ کا منہ دیکھنا گوارہ نہ کیا۔

محمد شاہ کے پاس فوج تھی، ہاتھی گھوڑے تھے، امرا اور درباری مصاحبین تھے۔ خزانہ اور طبل وعلم تھا مگر حکومت کی قابلیت نہ تھی۔ اسکو خدا نے بادشاہی کے لائق دل ودماغ ہی عطا نہ کیا تھا۔

تاریخوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد شاہ اپنے تینوں بھائیوں

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ

حسین خاں حسن خاں اور جلال خاں سے قوت و دبدبہ میں بہت زیادہ تھا چوڑا سینہ، قوی ہیکل اور شیر صفت بہادر تھا مگر حکومت کے اصول سے بالکل ناواقف تھا۔ دربار میں بہت کم لوگ اسکے موافق تھے مگر اسے اسکی خوبی قسمت سمجھنا چاہیئے کہ راجے بی بی اپنے فرزندوں میں سب سے زیادہ محمد شاہ کو چاہتی تھیں۔ اور جتنا چاہتی تھیں اتنا ہی ڈرتی بھی تھیں کہ نہ معلوم کب فتنہ وفساد پر آمادہ ہو جائے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اپنے شوہر محمود شرقی کے انتقال کرتے ہی محمد شاہ کو بادشاہ بنا دیا۔ [1]

سلاطین جونپور میں ہے کہ "محمد شاہ فنِ سپہ گری اچھی طرح جانتا تھا۔ تیر اندازی، شمشیر زنی اور گھوڑسواری میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اپنے باپ کے ساتھ لڑائیوں میں غنیم پر شیروں کی طرح جھپٹ پڑتا۔ جب یہ بادشاہ ہوا تو اسکو چند ساتھی ایسے مل گئے تھے جو اسکے اوپر سے اپنی جانیں نثار کرنے کیلئے تیار تھے۔ دشمن کی صف پر ایسا زوردار حملہ کرتے تھے کہ دشمن کی صفِ جنگ کو پامال کئے بغیر نہ پلٹتے تھے۔"

محمد شاہ نے اپنے نام کا نیا سکہ جاری کیا تھا اسکو اسکی خبر نہ تھی کہ اس کی مدت حکومت صرف ۵ ماہ ہوگی۔

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند مولوی ذکاءاللہ

سلطان حسین شاہ

حسین خاں اپنے بھائی محمد شاہ کے بعد سنہ ۱۴۵۸ء میں تخت نشین ہوا اور اپنا لقب حسین شاہ رکھکر اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا۔

رسم تاجپوشی پر دربار کے ایک شاعر نے قطعہ ذیل پیش کیا:۔

صد شکر حسین شاہ شرقی	بر تخت جہاں نشست از جنگ
تاریخ بگو ز روئے اقبال	سلطان حسین شاہ اورنگ

بہلول لودی سے صلح

بہلول لودی کی فوجیں جونپور کے ماتحت علاقوں شمس آباد اور اطراف میں پڑی ہوئی تھیں اس لئے سب سے پہلے حسین شاہ نے بہلول لودی سے ایک صلح کی جس کا مضمون یہ تھا کہ "چار سال تک حسین شاہ دہلی اور دہلی کے ماتحت علاقوں کی طرف رخ نہ کرے گا اور اسی طرح بہلول لودی جونپور اور جونپور کے ماتحت علاقوں کی طرف قدم نہ بڑھائے گا" [1]

اس صلح کے بعد حسین شاہ نے قطب خاں کو جو بہلول لودی کی بیوی کا بھائی تھا اور سات ماہ سے شرقی بادشاہوں کی طرف سے قلعہ جونپور میں مقید تھا

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند ذکا داللہ۔ گزیٹر جونپور۔ جونپور نامہ۔ تجلی نور قلمی

رہا کر دیا اور انعام و اکرام سواری اسپ اور قیمتی تحائف اور خلعت فاخرہ کے ساتھ بہلول لودھی کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ حسین شاہ کے اس اقدام کا بہلول لودی پر کافی اثر پڑا۔ دہلی کا بادشاہ ہوتے ہوئے اسکی غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ وہ خاموشی سے قبول و منظور کر لے لہذا اس نے بھی اسکے بدلے میں شاہزادہ **جلال خاں** برادر حسین شاہ کو بڑے اعزاز و احترام و تحائف کے ساتھ حسین شاہ کے پاس بھیج دیا۔

اس طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد حسین شاہ نے اپنے دربار کے مصاحبین، امراء اور جاگیرداروں پر نظر ڈالی۔ محمد شاہ کا دم بھرنے والے اور اسکے حمایتی افسروں اور امیروں کو یکقلم برخاست کر دیا۔ کسیکو قتل کیا کسی کو عہدے سے برطرف کیا، کسی کو معطل کیا اور کسی کی جاگیر ضبط کر لی۔ اور برخلاف اسکے اپنے امرائے خاص اور وفادار ملازمین کو انعام و اکرام، عہدے اور منصب سے سرفراز کیا۔ اس طرح پورے دارالخلافہ میں امن و سکون اور خوشحالی قائم ہو گئی۔

حسین شاہ کا عقد

بہلول لودی سے صلح ہو جانے کے بعد دونوں سلطنتوں کے تعلقات بحید خوشگوار ہو گئے اس لئے بہلول لودی نے حسین شاہ کو صلاح دی کہ وہ علاءالدین خلجی کی لڑکی خونزہ بیگم سے جو ایک سادات خاندان سے تعلق رکھتی ہے عقد کر لے چنانچہ بہلول کی اس سفارش کو حسین شاہ نے بخوشی منظور کر لیا اور بی بی خونزہ حسین شاہ کے عقد میں آ کر شرقی سلطنت کی ملکہ جہاں بن گئیں۔ ؎

؎ KINGS OF THE EAST.

اڑیسہ پر حملہ

اپنی شاہی کا اعلان کرنے کے بعد ہی حسین شاہ نے فوجی طاقت کو بڑھانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ۳ لاکھ سوار اور ایکہزار چار سو زنجیر فیل جمع کر کے اس نے سنہ ۱۴۷۰ سب سے پہلے ولایت اڑیسہ کا رخ کیا اثنائے راہ میں اس کی فوجوں نے ترہٹ راج کو تاخت و تاراج کیا اور بہت سے قیمتی مال و اسباب، ہاتھی گھوڑے اور نقد روپیے ہاتھ آئے اسی سلسلہ میں ترہٹ اور اسکے آس پاس کے مندروں کو بھی مسمار کیا اور لوٹ مار کی۔

وہاں سے حسین شاہ کی فوجوں نے اڑیسہ پر چڑھائی کر دی اور خوب اچھی طرح لوٹا مارا۔ اڑیسہ کے راجا کپلیشور نے بے بس اور ناچار ہو کر حسین شاہ کی خدمت میں اپنا وکیل بھیجا اور اسکے معرفت یہ پیغام دیا کہ "اڑیسہ کا راجہ اطاعت گزار رہنے اور خراج ادا کرنے کی درخواست کرتا ہے اس پر ظلم و تعدی بند کیجاوے" اڑیسہ کے راجا کی اس درخواست پر حسین شاہ نے اپنے لشکر کو لوٹ مار اور غارتگری سے فوراً روک دیا اور اڑیسہ کو آزاد کر دیا۔ حسین شاہ کے اس اقدام سے خوش ہو کر راجہ اڑیسہ نے شکریے میں ۳۰ ہاتھی اور ایک سو گھوڑا اور اشیاء نفیسہ اور زر نقد بے شمار جو ایک بادشاہ کی نذر کے شایان شان تھا پیش کیا اور حسین شاہ مع اپنے لشکر کے جونپور چلا آیا۔ اور دار السلطنت کے تعمیری کاموں میں مشغول ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے سنہ ۱۴۶۹ء ۸۷۴ھ میں چنار کے قلعہ کی مرمت اور بعض حصہ کی از سر نو تعمیر کی جو خراب و خستہ حالت میں تھے۔ [۱]

گوالیار پر حملہ

اب سلطان حسین شاہ نے اپنے بڑے نامی سرداروں کو ساتھ لیکر گوالیار کی تسخیر کا ارادہ کیا اور وہاں

---

[۱] فرشتہ اور دیگر مورخین نے قلعہ بنارس لکھا ہے۔ مولوی فصیح الدین اور بھاسکر نے چنار لکھا ہے

پہونچتے ہی قلعہ گوالیار کا محاصرہ کرلیا۔ کافی دنوں تک قلعہ فتح نہ ہوا اور محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار گوالیار کا راجہ مان سنگھ ایک طویل محاصرہ کی تاب نہ لاکر عاجز ہوا اور حسین شاہ کا اطاعت گزار رہنے کی درخواست کی۔ سرداروں نے جب راجہ کا پیغام حسین شاہ تک پہونچایا تو حسین شاہ نے اسے سلک تابعین میں داخل کرلیا اور محاصرہ ختم کرکے گوالیار سے مراجعت فرمائی۔ راجہ گوالیار نے بڑی تعداد میں تحائف اسپ وفیل، باربردار، سراپردہ۔ سپاہ اور نقد روپیے حسین شاہ کی نذر کیئے۔ اس سفر کی واپسی پر حسین شاہ کی فوج میں ایک شاندار اضافہ ہوگیا اور شرقی سلطنت ایک طاقتور سلطنت ہوگئی۔ [1]

بہلول لودی ابھی تک دہلی میں مقیم تھا۔ بعد گذر جانے مدت صلحنامہ چار سال شمس آباد میں داخل ہوا اور جونا خاں کو وہاں سے نکال باہر کر کے اسکی جگہ رائے کرن کو حاکم بنادیا۔ اسی درمیان قطب خاں بہلول لودی کا ساتھ چھوڑکر حسین شاہ کے پاس چلا آیا اور مبارز خاں اور رائے پرتاپ بھی بہلول سے جدا ہوکر حسین شاہ سے مل گئے اور بہلول پھر دہلی واپس چلا گیا۔

حسین شاہ کا دہلی پر حملہ

حسین شاہ اپنی بیگم خونزہ بیگم کو بہت چاہتا تھا جو بداؤں اپنے میکے میں مستقلاً رہا کرتی تھی۔ یہ بیگم اپنے حسن وجمال کیوجہ سے حسین شاہ پر پوری طرح حاوی تھی۔ وہ موقع بموقع حسین شاہ کو دہلی پر حملہ کرنے کی ترغیب دلایا کرتی تھی کیونکہ وہ اس بات کو نہ بھولی تھی کہ یہ تخت کبھی اسکے باپ کا تھا۔ آخر کار حسین شاہ پر اس کا جادو کارگر ثابت ہوا اور وہ دہلی پر حملہ کرنیکے لئے تیار ہوگیا

---

[1] تاریخ فرشتہ - تاریخ ہند ذکاءاللہ - گزیٹر جونپور

۱۴۷۳ء میں ایک لاکھ چالیس ۱۴۰۰۰۰ ہزار جرار سوار اور چودہ ۱۴۰۰ سو کوہ پیکر ہاتھی لیکر دہلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ قطب خان ولد حسین خان افغان، مبارز خان اور راے پرتاپ کے ساتھ دینے کی وجہ سے حسین شاہ کے حوصلے کافی بلند ہو چکے تھے اور اسے فتح دہلی کا یقین بھی ہوگیا تھا۔

جب حسین شاہ کے اس حملہ کی خبر بہلول لودی کو پہونچی تو وہ دہلی میں سردار قطب خاں اور خواجہ جہاں کو چھوڑ کر پنجاب جا رہا تھا راستہ سے پلٹ آیا۔ مگر حسین شاہ کے لشکر کی تیاری اور شان و شوکت کی خبر پاکر اسکی ہمت پست ہو چکی تھی اس لئے اس نے سب سے پہلے محمود خلجی حاکم مالوہ کے پاس ایلچی بھیجکر مدد کی درخواست کی اور شرط یہ رکھی کہ درصورت امداد بیانہ سلطان محمود خلجی کی نذر کردیا جائیگا۔ ابھی یہ سلسلۂ نامہ و پیام جاری تھا کہ حسین شاہ نے دہلی کا محاصرہ کرلیا اور دہلی کے تمام بڑے بڑے امراء حسین شاہ کے طرفدار ہوگئے۔ [۱]

اب بہلول لودی نے مجبور ہوکر حسین شاہ کے پاس پیغام بھیجا جس میں نہایت عاجزی سے ظاہر کیا کہ مجھے صرف دہلی کا علاقہ چھوڑ دیا جائے اور ایک شرقی گورنر کی حیثیت سے دہلی میں رہنے دیا جائے باقی علاقوں سے مجھے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

فرشتہ لکھتا ہے:۔ "سلطان بہلول نے بہت عاجزی سے پیغام بھیجا حتیٰ کہ لکھا اگر آپ ۱۸ کوس دہلی میرے قبضہ میں چھوڑ دیں تو میں سلک ملازمین میں منسلک ہوکر اس شہر کی داروغگی میں قیام کروں"

مگر حسین شاہ نے اس شرط کو ٹھکرادیا اور جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم کو دہلی کا

---

[۱] تاریخ فرشتہ - گزیٹر جونپور

تخت چاہیئے۔ حسین شاہ کے اس جواب سے بہلول لودی دل شکستہ ہو گیا اور مجبور و ناچار ہو کر آمادۂ جنگ ہوا۔ اور اپنی فوج جمنا کنارے لگا دی۔ حسین شاہ کو بہلول لودی کی کمزوری کا احساس تھا اس لئے اس نے اپنی فوج کو کئی دستوں میں تقسیم ہو کر قریب کے مقامات میں لوٹ مار کرنے سے نہ روکا اور بہلول لودی کے حملہ کی پرواہ نہ کی۔

حسین شاہ کے لشکر کو لوٹ مار میں منتشر دیکھکر بہلول لودی کے لشکر نے رات میں دریائے جمنا کو عبور کر لیا اور حسین شاہ کے لشکر پر اچانک شبخون مار دیا۔ اس حملہ میں حسین شاہ کی فوج کے اکثر امرا اور سردار خیموں میں گرفتار ہوئے حتیٰ کہ ملکہ جہاں بھی اسیر کر لی گئیں اور بہت سا سامان بھی بہلول کے سپاہیوں کے ہاتھ آیا۔ حسین شاہ لشکر میں موجود نہ تھا دور ہی سے شبخون کی خبر سُن کر ٹھہر گیا اور تمام لشکر لے کر جونپور چلا آیا۔ [۱]

جب حسین شاہ کے قیدی اور ملکہ جہاں بہلول لودی کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ حرم کو جونپور واپس بھیجدیا یہاں یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ بہلول لودی نے حسین شاہ سے مرعوب ہو کر یہ اقدام کیا بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ اسکو معلوم تھا کہ ملکہ جہاں کسکی لڑکی تھی اور اسے حسین شاہ کے عقد میں دینے والا کون تھا۔ اس لئے ایک طرف تو شرقی سلطنت پر بار احسان لاد دیا اور دوسری طرف علاء الدین خلجی سے سرخرو ہوا۔

لودی کے اس شریفانہ عمل کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ملکۂ جہاں زندگی بھر بہلول لودی کی ممنون احسان رہتیں مگر برخلاف اسکے وہ حسین شاہ کو دہلی پر

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ۔ گزیٹر جونپور

حملہ کرنے کیلئے متواتر کوشش کرتی رہیں اور افسوس کہ اُن کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس جنگ کے بعد فریقین کے سرداروں اور سلطنت کے ذمہ دار لوگوں کے ذریعے یہ طے پایا کہ دونوں بادشاہ ایک دوسرے پر کبھی حملہ نہ کرینگے اور اپنی اپنی مقبوضہ مملکتوں پر قابض رہیں گے۔

جنگِ میوات

کچھ دنوں بعد بہلول لودی نے احمد خاں میواتی کے خلاف ہو کر میوات پر چڑھائی کر دی کیونکہ احمد خاں میواتی نے دہلی پر حملہ کرنے میں حسین شاہ کا ساتھ دیا تھا۔ جب بہلول لودی مع لشکر میوات پہونچ گیا تو خان جہاں نے احمد خاں کو ہمت دلائی اور اس کو اپنے ہمراہ جونپور لایا اور اسی دوران میں رستم خاں حاکم کول بھی حسین شاہ کے پاس حاضر ہوا۔ سب کے مشورے کے مطابق احمد خاں میواتی کو ایک کثیر فوج اور سامان دیکر حسین شاہ نے روانہ کیا اور احمد خاں نے میوات پہونچتے ہی بہلولی لشکر کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ابھی جنگ کا آغاز ہی تھا کہ خان جہاں نے مداخلت کر کے جنگ روک دی اور دونوں بادشاہ بذریعہ صلحنامہ ۳ برس کے لئے خاموش ہو گئے۔ [۱]

جنگِ اٹاوہ

بعد انقضائے میعاد ۳ برس سنہ ۱۴۷۶ء میں حسین شاہ نے اٹاوہ کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں اسوقت بہلول لودی کا خویش حکمراں تھا۔ اس نے احمد خاں میواتی اور رستم خاں کول کے حاکم کو حسین شاہ کی معیت میں دیکھکر بلا جنگ کئے اٹاوہ پر حسین شاہ کو قبضہ دیدیا۔ اور اسی درمیان میں احمد خاں جلوانی بھی حسین شاہ سے آکر مل گیا۔ احمد خاں جلوانی

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند مولوی ذکاءاللہ

حسین شاہ کا بیحد معتقد اور وفادار سردار تھا۔ اس نے بیانہ میں اپنی علحدٰہ حکومت قائم کر کے خطبہ اور سکہ حسین شاہ کے نام کا جاری کر دیا اور شرقی سلطنت کی ماتحتی کا اعلان کر دیا۔

دہلی پر دوسرا حملہ

ملکۂ جہاں اپنی پہلی شکست بھولی نہ تھیں اور انھوں نے حسین شاہ کو ورغلا کر دہلی پر پھر حملہ کرنے کے لئے تیار کر لیا۔ چند اکابرین سلطنت نے مخالفت بھی کی حتیٰ کہ حضرت خواجہ عیسیٰ تاج رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حسین شاہ کو سمجھایا مگر ملکہ جہاں کی خاطر حسین شاہ کو زیادہ عزیز تھی اس لئے اس نے اپنے ارادے میں تبدیلی نہ کی اور ۱۴۷۰ء کو ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار زنجیر فیل لیکر دہلی پر چڑھائی کر دی۔ بہلول لودی نے پہلے کی طرح حسین شاہ سے پھر عاجزی کے ساتھ صلح کی درخواست کی مگر حسین شاہ نے درخواست ٹھکرا دی کہ "تخت یا تختہ"۔ غرضکہ دونوں فوجیں صف آرا ہو گئیں اور قنوج کے قریب کئی دنوں تک جنگ ہوتی رہی۔ اس جنگ میں فریقین کے بیشمار بہادر سپاہی زخمی اور قتل ہوئے۔ آخر کار حسین شاہ کو شکست نصیب ہوئی اور بہلول لودی کے سپاہیوں نے اس مرتبہ بھی شرقی لشکر کو موقع پا کر لوٹ لیا اور حسین شاہ سیدھا جونپور چلا آیا۔ اس شکست کے بعد حسین شاہ کی ہمت بجائے پست ہونے کے اور قوی ہو گئی اور وہ تخت دہلی کا ایک مستقل دشمن ہو گیا۔ ؎۱

دہلی پر تیسرا حملہ

جونپور پہونچنے کے بعد حسین شاہ لشکر کی فراہمی میں لگا رہا اور ایک روز دہلی سے ۲۰ میل کے

؎۱ تاریخ فرشتہ، جونپور نامہ فخر الدین۔ تاریخ ہند ذکاء اللہ

فاصلہ پر سکرہ مقام پر بہلول کے مقابلہ کو آیا اور یہاں بھی حسین شاہ ناکام ہی رہا لیکن صلح برابر کی ہوئی اور حسین شاہ اٹاوہ اور بہلول لودی دہلی چلا آیا۔

وفات راجے بی بی

اسی زمانے میں حسین شاہ کی والدہ راجے بی بی نے اٹاوہ میں انتقال کیا۔ اسوقت اٹاوہ شرقی سلطنت میں ایک اہم مقام تھا اور حسین شاہ مع اپنے اہل و عیال کے وہیں مقیم تھا۔ راجے بی بی کے انتقال کی خبر سن کر گوالیار کے راجا کلیان مل کے لڑکے رائے کرن اور قطب خاں بن حسین خاں اور آس پاس کے بہت سے امراء اور روئسا حسین شاہ کے پاس برائے تعزیت حاضر ہوئے اور بیحد ہمدردی کا اعلان کیا۔

قطب خاں بیحد عیار اور مکار شخص تھا جسے حسین شاہ ابتک نہ سمجھ سکا تھا۔ اس نے حسین شاہ کو نہایت وفادارانہ انداز میں یقین دلایا کہ "بہلول لودی بادشاہت کرنا نہیں جانتا۔ وہ آپ کے نوکروں کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا۔ خوبی تقدیر سے دہلی پر حکومت کر رہا ہے۔ آپ کو خدا نے ہر طرح اپنی عنایتوں کا مرجع بنایا ہے اس لئے آپ میں شاہی کے تمام صفات موجود ہیں اور آپ ہی کو دہلی کی بادشاہت زیب دیگی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب تک آپ کو دہلی کا بادشاہ نہ بنالونگا چین سے نہ بیٹھوں گا۔" [1]

حسین شاہ کو اپنے دام فریب میں گرفتار کر کے قطب خاں رخصت لیکر فوراً بہلول لودی کے پاس پہونچ گیا اور کہا کہ مجھے حسین شاہ اپنے ساتھ سے کسی طور بھی جدا کرنے پر راضی نہیں ہے بمشکل اس سے حیلہ تراش کر کے

---

[1] تاریخ فرشتہ، تاریخ ہند ذکاء اللہ

آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کو اسکے ارادوں سے صحیح طور پر باخبر کردوں حسین شاہ آپ کا قطعی دشمن ہے اور دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کا تہیہ کر چکا ہے۔ اِس وقت اس کے پاس اچھے اچھے ہوشیار امیر، تجربہ کار افسر اور فوج کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے کسی دم میں حملہ کر کے دہلی پر قابض ہوا چاہتا ہے۔"

علاءالدین کی وفات

اسی دوران میں سلطان علاءالدین جس نے بہلول لودی کو دہلی کا تخت سونپ دیا تھا اور بداؤں میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی ۸۸۳ھ؁ میں انتقال کر گیا جب حسین شاہ کو علاءالدین کے انتقال کی خبر پہونچی تو وہ فوراً آمادہ سے روانہ ہو کر بداؤں آگیا اور رسم تعزیت اداکی اور علاءالدین کے صاحب زادگان سید عباس اور سید حیدر کو ہٹا کر بداؤں کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اسی سلسلے میں تاتار خاں کے بیٹے مبارک خاں حاکم سنبھل کو قید کر کے علاقہ سنبھل پر بھی قبضہ کر جونپور کی شرقی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ؎۱

دہلی پر چوتھا حملہ

بداؤں اور سنبھل پر قبضہ کر لینے کے بعد حسین شاہ کے حوصلے پھر بڑھ گئے اور فوجیں اکٹھا کرنا شروع کر دیں اور دریائے جمنا کے کنارے آکر ڈٹ گیا۔ اس خبر کو پاکر بہلول لودی نے خان جہاں کے بیٹے حسین خاں کو میرٹھ بھیج دیا اور خود سرہند سے دہلی آگیا اور اپنی فوجوں کو جمنا کے کنارے لگا دیا۔ دریائے جمنا کے کنارے دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کو اچھی طرح دیکھ رہی تھیں

؎۱ تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند ذکاءاللہ

بہلول لودی نے حسین شاہ کی کثیر فوج کو دیکھکر قطب خاں کے حملے یاد کیئے اور اپنے سالے قطب خاں ولد اسلام خاں کو صلح کے لئے روانہ کر دیا۔ حسین شاہ نے بہلول لودی کا پیغام پاکر اپنے درباری امراء اور لشکری سرداروں کو طلب کیا۔ سب کے سامنے قطب خاں نے راجے بی بی کے اُن احسانات کو دہرایا جو اسکے ساتھ بزمانۂ اسیری قلعہ جونپور میں کیئے گئے تھے حسین شاہ قطب خاں کی باتوں میں آگیا اور شرائط صلح پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔ طے یہ پایا کہ دریائے گنگا کے اُس پار کے تمام علاقوں پر حسین شاہ کا قبضہ رہے اور اس پار کے علاقے بدستور بہلول لودی کے پاس رہیں۔

حسین شاہ اس صلحنامے کے بعد اپنی فوجوں کو لیکر جونپور کی طرف روانہ ہوا مگر بہلول کے سپاہیوں نے دغابازی کی اور شرقی سپاہ کا خزانہ اور ہاتھی گھوڑے لوٹ لئے اور بڑے بڑے امراء اور افسروں کو جو پیچھے رہ گئے تھے قید کر لیا۔ جس میں وزیر شرقی قتلغ خاں اور بدھو نائب عرائض بھی تھے۔ فوج میں بھگدڑ دیکھکر بہلول لودی نے حسین شاہ کا پیچھا کیا اور کمپیل۔ شمس آباد۔ ساکٹ۔ کول۔ مارہرہ اور جلالی وغیرہ علاقوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور ہر پرگنہ میں اپنے شقہ دار مقرر کر دیے۔ اُدھر حسین شاہ موضع رام بنجھرہ میں اپنی شکست خوردہ فوجوں کو لئے پڑا ہوا تھا۔ اس نے پیچھا کرنے والی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پھر صلح ہو گئی اور یہ طے پایا کہ دونوں سلطان اپنی اپنی قدیم حدود کے اندر حکمراں رہینگے اسکے بعد حسین شاہ جونپور چلا آیا۔ [ك]

ك تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند۔ گزیٹر جونپور

دہلی پر پانچواں حملہ

حسین شاہ چین لینے والا آدمی نہ تھا۔ وہ اپنی شکستوں کا بدلہ لینے کی فکر میں لگا رہتا تھا یا یوں سمجھئے کہ ملکہ جہاں کی خواہش کی تکمیل کے لئے اپنے کو وقف کر چکا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر فوجوں کو اکھٹا کر کے دہلی کا رخ کیا۔

بہلول لودی حسین شاہ کے متواتر حملوں سے گھبرا گیا تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی ایسی فیصلہ کن جنگ ہو جائے جس سے حسین شاہ کی ہمت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پست ہو جائے۔ اس لئے اس نے اس بار حسین شاہ سے مقابلہ کے لئے چاروں طرف سے امیروں کو طلب کیا اور بعض سرداروں کو خلعت و انعام کا وعدہ کر کے بلا لیا اور بہت ہی طاقتور فوج ترتیب دیکر حسین شاہ کے مقابلہ کو آیا۔ حسین شاہ کو لودی کی زبردست تیاریوں کی خبر نہ تھی مگر سونہرن کے پاس دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی اور دونوں طرف کے جانباز سپاہی معرکہ کارزار میں کام آئے۔ میدان جنگ لالہ زار بن گیا اور نتیجہ میں شکست نے پھر حسین شاہ شرقی کے قدم چومے۔ [۱]

یہ شکست حسین شاہ شرقی کی سلطنت کے لئے ایک "موت کا گھونسا" ثابت ہوئی اور ایسی تباہی آئی جو کسی جنگ میں نصیب نہ ہوئی تھی۔ شرقی فوجوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھگدڑ مچ گئی۔ لودی سپاہیوں نے حسین شاہ کے لشکر کا تعاقب کر کے پھر لوٹا مارا۔ اور حسین شاہ مع اپنے لشکر کے رابری میں آ کر مقیم ہوا۔ بہلول کو جب علم ہوا تو اس نے رابری تک حسین شاہ کا پیچھا کیا اور وہاں پھر جنگ کا آغاز ہوا۔ حسین شاہ نے وہاں بھی شکست

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند از مولوی ذکاء اللہ

کھائی اور وہاں سے جمنا عبور کر کے نکل گیا۔ مگر دریا عبور کرتے وقت اس کے کچھ لڑکے اور گھر کے لوگ دریا میں ڈوب کر مر گئے [1]

یہاں سے حسین شاہ سیدھا گوالیار پہونچا۔ راستے میں اس غریب الوطن قافلے کو کچھ ڈاکوؤں نے لوٹ کر اور بھی تباہ کر دیا۔ جب وہ گوالیار پہنچا تو وہاں کے راجا نے حسین شاہ کے ساتھ نہایت شرافت اور ہمدردی کا برتاؤ کیا۔ حسین شاہ کی خاطر تواضع میں نہایت الوالعزمی اور فراخدلی سے کام لیا۔ کافی تعداد میں ہاتھی گھوڑے۔ سپاہی اور نقد روپے نذر کیے اور کالپی تک حسین شاہ کو اپنی حفاظت میں پہنچا دیا۔

اسی درمیان میں بہلول لودی نے ہیبت خاں [2] کرکر کی مدد سے اٹاوہ میں ابراہیم ولد مبارک شاہ شرقی پر حملہ کر دیا۔ ابراہیم تین دن تک بڑی دلیری سے لڑتا رہا آخر کار اٹاوہ اُسے بہلول لودی کی نذر کرنا پڑا اور ابراہیم وہاں سے حسین شاہ کے پاس چلا آیا اور ابراہیم اور حسین شاہ دونوں جونپور چلے آئے۔

اٹاوہ پر قبضہ کرنے کے بعد بہلول لودی خود ایک فوج لیکر حسین شاہ پر حملہ کی غرض سے بڑھا اور جمنا کنارے پہونچکر فوجیں لگا دیں۔ حسین شاہ بھی یہ خبر پاتے ہی دوسرے راستے سے کالپی پہونچ گیا۔ رائے ترلوک چند نے جو بکسر کا حاکم تھا بہلول کے لشکر کو دریا پار کرنے میں بہت مدد دی اور لودی کے لشکر نے آسانی سے دریا عبور کر لیا اور موضع راگانو میں جو کالپی کے قریب ہے آموجود ہوا اور معمولی جھڑپیں ہونے لگیں۔ جب پورا لشکر لودی کا دریا عبور کر کے

---

[1] جونپور کا اتہاس از بھاسکر۔ فرشتہ

[2] بعض مورخین ہابت خاں معروف بہ خونخوار بھیڑیا لکھتے ہیں۔

آگیا تو معرکے کی جنگ ہوئی کہ فریقین کی سینکڑوں جانیں ضایع ہوئیں۔ آخر کار حسین شاہ جنگ سے ہمت ہار کر ولایت بھیٹھ (ریوا) چلا آیا۔ بھیٹھ کے راجا نے حسین شاہ کی کافی مدد کی اور مطیع ہو کر کئی لاکھ تنگہ نقد و فیل و اسپ وغیرہ پیش کئے اور خادمانہ طور پر حسین شاہ کے ساتھ جونپور تک آیا۔ [1]

ادھر بہلول لودی نے جونپور پر حملہ کی تیاری کی۔ اور جب جونپور پہونچا تو حسین شاہ بہرائچ کے راستے سے قنوج پہونچ گیا۔ جب بہلول کو معلوم ہوا تو وہ بھی قنوج پہونچا اور دریائے رہٹ کے کنارے فریقین پھر برسرِ پیکار ہو گئے کچھ دنوں جنگ جاری رہی آخر میں حسین شاہ کو یہاں بھی شکست ہوئی اور بہلول لودی دہلی واپس چلا آیا۔

دہلی پہونچکر بہلول لودی نے پھر فوج اکٹھا کرنا شروع کیا کیونکہ اسکو یقین ہو گیا تھا کہ جونپور کی فتح کے لئے معمولی لشکر کام نہ دیگا۔ چنانچہ اس مرتبہ پھر بہلول لودی نے نئے نئے امیروں اور سرداروں کو ساتھ لیا اور جونپور کی تسخیر کے لیئے روانہ ہو گیا۔ اثنائے راہ میں بہت سے علاقے جو دہلی سے نکلکر شرقی سلطنت میں شامل ہو گئے تھے واپس لیکر پھر سلطنت دہلی میں شامل کیا اور قطب خاں اور خاں جہاں کو مجھولی میں مقرر کیا۔ ۱۴۸۲ء میں مبارک خاں لوہانی کو جونپور کا حاکم بنا دیا اور خود دہلی چلا آیا۔

جب حسین شاہ کو معلوم ہوا تو وہ ایک کثیر فوج لیکر پھر جونپور آ پہنچا اور مبارک خاں لوہانی کو ہٹا کر جونپور پر قبضہ کر لیا۔ مجھولی میں مقیم بہلول لودی کے افسروں نے بھی حسین شاہ سے سازباز کرنا شروع کر دیا۔ جب بہلول کو

---

[1] جونپور کا اتہاس از بھاسکر۔ فرشتہ

اس کا علم ہوا تو وہ پھر جونپور پہونچا۔ جب قصبہ ہلدی میں پہنچا تو اسکو علم ہوا کہ قطب خاں کا انتقال ہوگیا۔ اس نے چند روز قیام کرکے قطب خاں کے لوازم تعزیت میں گزارے اور پھر جونپور میں لشکر کے ساتھ داخل ہوا حسین شاہ مقابلہ کی تاب نہ لاکر پورب کی طرف چلا گیا اور علاقہ چُنار (مرزاپور) میں قیام کیا۔ جسکی سالانہ آمدنی ۵ لاکھ روپیہ تھی۔

بہلول لودی نے ۱۴۸۶ء میں اپنے بیٹے باربک شاہ کو جونپور کا حاکم بنادیا اور خود کالپی پہونچکر قبضہ کرلیا اور آہستہ آہستہ شرقی سلطنت کے تمام علاقوں پر قبضہ کرکے سلطنت دہلی میں شامل کرلیا۔ نئے مفتوحہ علاقوں کو اپنے امراء اور سرداروں میں تقسیم کردیا اور اپنے دوسرے لڑکے سکندر لودی کو دہلی سے طلب کیا کہ اسکے سپرد بھی کوئی کار منصبی کردے۔ سکندر کی والدہ نے سکندر کو جونپور آنے سے باز رکھا اور کہا کہ "اس طلب میں خیر نہیں۔ حبس و قید کے سوا کوئی چارہ نہیں ظاہر ہوتا۔" ماں کے کہنے سے سکندر نے آنے سے انکار کردیا اس انکار سے بہلول لودی کو غصہ آگیا اور سکندر کو لکھا کہ "اگر تو نہیں آسکتا تو میں خود آتا ہوں"[1]۔ چنانچہ سکندر نے اپنے باپ کی اس تحریر کے شرقی وزیر قتلغ خاں سے جو اسوقت دہلی میں اسیر تھے مشورہ کیا اور اصابت رائے سے بھی مشورہ کیا جو بیحد عقلمند و صاحب تدبیر تھا۔

بہلول لودی کا انتقال

سکندر لودی ابھی کوئی جواب اپنے باپ کو نہ دے سکا تھا کہ ۱۴۸۹ء میں بہلول لودی نے جونپور میں انتقال کیا۔ بہلول لودی کے انتقال کے بعد دہلی

---

[1] فرشتہ۔ کنگس آف دی ایسٹ۔ گزیٹر جونپور

کی وراثت میں بڑے جھگڑے پڑے مگر ۱۴۸۹ء میں سکندر لودی دہلی کا بادشاہ ہوگیا۔

تین چار سال حکومت کرنے کے بعد ۱۴۹۳ء میں ایک روز بعد دوپہر جبکہ سکندر لودی پولو کھیل رہا تھا ایک پیغام بر نے خدمت میں حاضر ہوکر خبر سنائی کہ جونپور کے کچھ راجپوت زمینداروں نے جوگا نامی سرغنہ کی ماتحتی میں بغاوت کر دی ہے اور یہ بھی بتایا کہ باغیوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے ان باغیوں نے جونپور کے گورنر **شیر خاں** برادر مبارک خاں کو مار ڈالا ہے اور شاہی خراج بند کر دیا ہے۔ مبارک خاں کو گنگا پار کرتے وقت پٹنہ کے راے **سھدیو** باغی نے گرفتار کر کے قید کر لیا ہے اور باربک شاہ جس کے سپرد جونپور کا نظم و نسق کیا گیا تھا جونپور سے فرار ہوکر بہرائچ میں پناہ گزیں ہوا ہے۔"[1]

اس خبر کو سنتے ہی پولو کی لکڑی پھینک کر سکندر لودی نے تڑپ کر کہا "میں ابھی جا کر باغیوں کا قلع قمع کرتا ہوں۔" یہ کہکر سکندر فوراً خان جہاں کے پاس آیا اور مشورہ کیا کہ ایسے حالات میں اُسے کیا کرنا چاہیئے؟ خانجہاں اور دربار کے چند معتمدین نے مشورہ دیا کہ "آپ کا فوراً جونپور پہونچنا ضروری ہے تاخیر سے مطلق کام نہ لیا جائے۔"

جب سکندر روانہ ہونے لگا تو مصاحبین نے کہا "حضور ناشتہ سے فراغت کر کے روانگی کریں۔" مگر سکندر نے جواب دیا "اب جونپور پہونچکر ہی ناشتہ کرونگا۔" اور روانہ ہوگیا۔

---

[1] گزیٹر جونپور۔ بھارت کا اتہاس۔ فرشتہ

سکندر لودی نے اتنی جلدی کی کہ دہلی سے جونپور کی مسافت دس دن میں طے ہوگئی اور فوجوں نے بھی اس سفر میں بڑی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا سکندر نے ڈلمئو پہونچکر اپنے بھائی باربک شاہ کو ہمراہ لیا جو جان بچاکر یہاں بھاگ آیا تھا۔ جونپور پہونچکر باغیوں سے انتقام لینا شروع کردیا۔ اس خبر کو سن کر رائے سہدیو نے مبارک خاں کو رہا کر کے فوراً سکندر لودی کے پاس بھیجدیا۔ اور جوگا بھی سکندر لودی کی آمد سُن کر حیران ہوگیا۔ آدھا کھانا چھوڑ کر بھیگا کپڑا پہنے ہوئے بھاگ کر جمند پہونچا جو بہار کے علاقہ میں ہے اور جہاں حسین شاہ پہلے سے موجود تھا۔ ؎۱

جب سکندر لودی کو معلوم ہوا کہ حسین شاہ جمند میں ہے اور جوگا باغی بھی وہیں پناہ گزین ہے تو جوگا کے تعاقب میں بہار کے علاقہ میں داخل ہوا اور تھوڑے فاصلے پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں سے اس نے حسین شاہ کے پاس پیغام بھیجا جس میں نہایت عاجزی سے لکھا کہ "جوگا باغی کو یا تو آپ خود سزادیں یا اسکو قلعہ سے باہر کردیں تاکہ اسکو مناسب سزا دیجائے۔"

حسین شاہ نے اسکے جواب میں سکندر لودی کو لکھا کہ "جوگا میرا ایسا ہی خادم ہے جیسا سکندر کا باپ بہلول لودی تھا۔" اور یہ بھی کہا کہ "اگر سکندر نے ایسا ہتک آمیز مطالبہ پھر کیا تو سزا پائے گا۔" گزیٹر جونپور میں ہے کہ "حسین شاہ نے جواب دیا کہ جوگا کو مانگنے کا جواب جُوتوں سے دیا جائے گا۔"

تاریخ داؤدی میں ہے کہ سکندر لودی نے حسین شاہ کے قاصد میراں

؎۱ گزیٹر جونپور۔ فرشتہ۔ تاریخ داودی۔ کنگس آف دی ایسٹ

سید خاں سے کہا کہ "آپ سادات ہیں اور آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہؐ تک پہونچتا ہے آپ کو لازم ہے کہ آپ اپنے مالک کو تنبیہ کر دیجئے کہ جوگا کو رہا کرنے کے سلسلے میں ایسے کلمات زبان پر نہ لادیں۔" اور یہ بھی پیش گوئی کی کہ "حسین شاہ کو عنقریب سخت ہزیمت اٹھانا پڑے گی اور تم قیدی بنائے جاؤ گے۔ یہ واقعات یہیں پیش آئیں گے جہاں تم دونوں باعزت اور لائق احترام سمجھے جاتے ہو۔"

سکندر کی زبان سے یہ الفاظ سن کر میران سید خان نے عرض کی میرا کام صرف پیغام پہونچانا تھا سو پہونچا دیا مجھے حق نہیں کہ آپ سے سوال وجواب کر دں۔" یہ کہکر حسین شاہ کے پاس چلے آئے۔ دوسرے دن سکندر لودی نے جمند کے قلعہ پر حملہ کر دیا اور فریقین میں سخت جنگ ہوئی حسین شاہ قلعہ چھوڑ کر بریلی کی طرف چلا گیا اور سکندر لودی نے حسین شاہ کے کچھ امیروں اور سرداروں کو گرفتار کر لیا۔ جس میں میران سید خان بھی تھے۔ جب میران سید خان کو ہتھکڑی ڈال کر ابراہیم لودی کے سامنے پیش کیا گیا تو بولے "آپکی پیش گوئی سچی ثابت ہوئی۔ ہم حاضر ہیں۔" میران سید خاں ایک سادات النسب اور سچے سپاہی تھے۔ سکندر لودی نے ان کا کافی احترام کیا اور انعام واکرام سے سرفراز کر کے قید سے رہا کر دیا۔ [۱]

جب سکندر کو معلوم ہوا کہ حسین شاہ قلعہ سے فرار ہو کر بریلی چلا گیا ہے تو اس کا تعاقب کر کے بریلی پہونچا اور وہاں بھی حسین شاہ کو شکست دی اور وہاں سے سکندر لودی جونپور آیا اور باربک شاہ کو پھر سے جونپور کا حاکم بنا دیا۔ اس مرتبہ سکندر نے جونپور میں ۶ ماہ قیام کیا۔ اور شرقی بادشاہوں کی بنوائی ہوئی تمام

---

[۱] گزیٹر جونپور۔ تاریخ فرشتہ۔ کنگ آف دی ایسٹ

عمارتوں کو مسمار کرنا شروع کر دیا۔

شاہی عمارتوں کا انہدام

سکندر لودی بادشاہ دہلی اور حسین شاہ شرقی میں جب مقابلہ ہوا تو حسین شاہ کو ہر بار ہزیمت اٹھانا پڑی۔ حسین شاہ جہاں جہاں بھاگ کر جاتا سکندر بھی پیچھا نہ چھوڑتا اور حسین شاہ کو شکست دیتا یہانتک کہ حسین شاہ روپوش ہوگیا اور پھر ملک گیری کی خواہش نہ کی حسین شاہ کے لئے یہی مناسب تھا جو سکندر کے ہاتھوں ہوا مگر شرقی سلاطین کی بنوائی ہوئی عمارتوں نے کیا قصور کیا تھا جو ایک سرے سے منہدم کر دیگئیں۔ دشمنی تو حسین شاہ سے تھی۔ ملک سرور۔ مبارک شاہ۔ ابراہیم شاہ۔ محمود شاہ تو دشمن نہ تھے انکی بنوائی ہوئی عمارتوں کا انہدام سکندر کے اوصاف حسنہ پر ایک بدنما دھبہ ہیں۔ سکندر نے قلعہ فیروز شاہی لعل دروازہ۔ راجے بی بی کا محل، بدیع منزل، روشن محل اور بہت سی شاہی عمارتوں کو خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ عمارتوں کے بعد جب سکندر نے مسجدوں کے انہدام میں ہاتھ لگایا تو جونپور کے علماء نے سکندر کے خلاف کفر کے فتوے دیدیے۔ سکندر نے ہاتھ تو روک لیا مگر ہر مسجد کا کچھ نہ کچھ حصہ مسمار ہو چکا تھا جو آجتک اسی حالت میں ہے اور سکندر کے ظلم ناروا کا فریادی ہے۔ [لہ]

عمارتوں کے انہدام کے بعد سکندر شکار کھیلنے کی غرض سے اودھ کی طرف روانہ ہوگیا۔ ابھی وہ شکار میں مصروف ہی تھا کہ جونپور میں پھر بغاوت پھیل گئی جسمیں باربک شاہ بھی شریک تھا۔ جب سکندر کو بغاوت کی خبر ہوئی تو اس نے کالا پہاڑ نامی ایک مشہور فوجی جرنیل کو بغاوت دبانے کے لئے بھیجدیا اور ساتھ ہی ساتھ

لہ گزیٹر جونپور۔ جونپور نامہ خیرالدین۔ کنگ آف دی ایسٹ۔ جونپور کا اتہاس

اعظم ہمایوں شیروانی اور خانخاناں لوہانی کو بھی روانہ کر دیا اور مبارک خاں کو تاکید کر دی کہ کڑا مانک پور سے جونپور کے لئے روانہ ہو جائے اور باربک شاہ کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ مبارک شاہ نے ۱۴۹۴ء میں جونپور پہونچکر باربک شاہ کو قید کر لیا اور زنجیر میں جکڑ کر دہلی روانہ کر دیا۔ شکار سے فراغت پانے کے بعد سکندر لودی خود بھی جونپور پہونچ گیا اور شرقی سلطنت کے غمخواروں اور ہمدردوں اور بغاوت میں حصہ لینے والوں کو سزائیں دیں اور اسکے بعد جونپور کی سلطنت کو جمال خاں ولد سارنگ خاں کے حوالے کر کے جو شیر شاہ کا پہلا مربی تھا، دہلی روانہ ہو گیا۔ [1]

۱۴۹۴ء میں سکندر لودی نے بلبھدر راجہ بھٹ پر جو پٹنا کے علاقے میں تھا چڑھائی کر دی، وہاں ایسی وبا پھوٹ پڑی کہ سکندر کے بہت سے گھوڑے مر گئے اور فوجی طاقت بیحد کمزور ہو گئی۔ سکندر وہاں سے جونپور چلا آیا۔ ادھر جونپور کو پھر ایک بلائے ناگہانی کا سامنا ہوا۔ ایک تو قحط شروع ہو گیا اور دوسرے شاہی ملازمین کی تنخواہیں رک گئیں۔ فوج کے سپاہی، افسران اور دیگر عہدیداران پریشان ہو کر بھاگنے لگے۔ جونپور کا یہ حال دیکھکر حسین شاہ نے پھر کچھ فوجیں اکٹھا کیں اور سکندر پر حملہ کی غرض سے روانہ ہو گیا۔

سکندر لودی اور حسین شاہ کی آخری جنگ

سکندر لودی کو بھی حسین شاہ کے ارادوں کی خبر ہو گئی اور اس نے پورب کا رخ کیا۔ بنارس سے تیس میل کے فاصلہ پر بہار کے علاقے میں دونوں فوجوں کا سامنا ہو گیا اور تھوڑی جنگ ہونے

---

[1] گزیٹیر جونپور۔ جونپور نامہ۔

کے بعد سکندر اپنی کمزوری کا احساس کر کے وہاں سے کنتت کی طرف چلا گیا اور راجہ بھٹا اور راجہ بھڈ کے لڑکے سے مدد کا طالب ہوا۔ دونوں راجاؤں نے سکندر لودی کی اتنی مدد کی کہ سکندر حسین شاہ کے مقابلہ کیلئے پھر تیار ہو گیا غرضکہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے خلاف پھر صف آرا ہو گئیں۔ ۹ دن کی مسلسل جنگ کے بعد حسین شاہ کو میدان سے ہٹنا پڑا۔

یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ جب جونپور میں قحط پڑا تھا اور سپاہیوں کی تنخواہیں رک جانے سے انمیں بد اعتمادی پیدا ہو گئی تھی، حسین شاہ کو سکندر سے سلطنت واپس لینے کا اچھا موقع مل گیا تھا مگر قنوج کے راجا سالباہن کی مدد سے سکندر کو کافی تقویت پہونچ گئی اور وہ نازک موقع گذر گیا۔ اب سکندر حسین شاہ کو گرفتار کر سکتا تھا۔

چنانچہ سکندر لودی نے حسین شاہ کا پتہ لگا کر چند اعلیٰ افسروں کے ہمراہ پٹنہ کا رخ کیا۔ مگر جب حسین شاہ کو سکندر کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے بہار کا علاقہ ملک کھانڈو کے حوالے کر کے مع چند افسروں کے مقام کھر گاؤں چلا گیا۔

جب بنگال کے بادشاہ علاءالدین کو حسین شاہ کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے حسین شاہ کو اپنے یہاں بلا کر مہمان کیا۔ علاءالدین کے لڑکے کی شادی حسین شاہ کی لڑکی سے ہوئی تھی اسلئے علاءالدین نے حسین شاہ کو بہت اعزاز و احترام سے مہمان کیا اور حسین شاہ کو سیاست سے علحدہ ہو جانے کی صلاح دی۔ چنانچہ حسین شاہ نے علاءالدین کے مشورہ پر عمل کیا اور سیاست سے

---

[1] گزیٹر جونپور۔ جونپور نامہ خیرالدین۔

ہمیشہ کے لئے الگ ہوکر ۹۰۱ھ ۱۴۹۵ء میں وہیں انتقال کیا۔ یہ مقام بنگال کی حکومت کا دارالسلطنت تھا۔

حسین شاہ کی وصیت مرنے سے پہلے حسین شاہ نے صرف ایک خواہش ظاہر کی تھی وہ یہ کہ انکی لاش جونپور بھیجدی جائے اور خاندانی قبرستان میں باپ دادا کے پہلو میں دفن ہو۔ چنانچہ بعد وفات شہزادہ جلال شاہ نے حسین شاہ کی لاش جونپور بھیجدی جو حضرت عیسیٰ بن تاج کی خانقاہ میں ابراہیم شاہ اور محمود شاہ کی قبر کے قریب سپرد خاک کی گئی۔ [1]

حسین شاہ شاہان شرقی میں آخری بادشاہ تھا۔ اتفاق سے اسے سلطنت کے لئے پرامن دور نصیب ہوا۔ اور اپنے دادا ابراہیم شاہ کی طرح بہت سے تعمیری کام کرسکتا تھا مگر افسوس کہ اپنی محبوبہ ملکہ کی خواہش پوری کرنے کی کوشش میں دہلی کے بادشاہوں سے مسلسل جنگ و جدل میں مصروف رہا اور خود ہی شرقی سلطنت کی تباہی کا سبب ہوا۔ [2]

---

[1] گزیٹر جونپور ص ۱۵۶ تا ۱۶۲ سلاطین جونپور قلمی ص ۳۸-۳۴ آئینۂ اودھ ص ۱۹۲-۱۷۹ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ ص ۴۱۲-۴۱۱ تجلی نور قلمی حصہ سوم۔ جونپور نامہ فارسی خیر الدین۔ تجلیات العارفین۔

[2] تاریخ فرشتہ۔ جغرافیہ جونپور حصہ دوم۔ کنگس آف دی ایسٹ از فصیح الدین ہندوستان پر اسلامی حکومت ص ۹۰-۸۹ جونپور کا اتہاس از بھاسکر۔

احوال شاہزادگان شرقیہ

مولوی خیرالدین مصنف "جونپور نامہ" رقمطراز ہیں کہ "حسین شاہ اپنے چھوٹے لڑکے جلال خاں کے پاس جو نصیب شاہ والی گور کا داماد تھا جاکر پناہ گزین ہوا اور وہیں مدت العمر قیام کیا اور آخر میں وہیں انتقال بھی کیا۔"

حسین شاہ کے انتقال کے بعد شاہزادہ جلال خاں نے اپنے باپ کی نعش حسب وصیت جونپور بھیجدی اور جامع مسجد میں اتر جانب صحن خانقاہ میں دفن کرایا۔

نصیب شاہ والی گور (بنگال) کے بجز دختر کے کوئی فرزند نہ تھا جو اسکی سلطنت کا وارث ہوتا اس لئے نصیب شاہ کے انتقال کے بعد جلال خاں گور کا بادشاہ ہوا اور اپنا نام جلال الدین شاہ رکھا۔ [لہ]

جلال الدین شاہ نے اپنے خسر معظم کے سمجھائے ہوئے طریقوں پر نظام سلطنت کو باقی رکھا۔ اسکے انتقال کے بعد اس کا لڑکا محمود شاہ وارث تخت ہوا محمود شاہ بھی اپنے باپ کے اصول پر قائم رہا۔ اپنے باپ کی نعش جونپور بھیجکر اپنے دادا کے پہلو میں دفن کرایا اور بعد تجہیز و تکفین بنگال واپس آیا۔

اسی زمانے میں شیر شاہ نے فتوحات کے سلسلے میں سر اٹھایا اور ہمایوں ولد بابر شاہ نے اس کا پیچھا کیا۔ ہمایوں نے ایک خط محمود شاہ کے نام لکھا کہ:-

---

لہ جونپور نامہ خیرالدین۔ تاریخ آئینۂ اودھ۔ تجلی نور حصہ سوم

"شیر شاہ ملک ہند میں فتنہ و فساد پر آمادہ ہے میں اسکی سرزنش کے واسطے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ اگر آپ کے ممالک محروسہ میں قدم رکھے تو اسیر کر لیا جائے۔"

اور آخر میں یہ بھی وعدہ کیا کہ :۔

"بعد دفع کرنے فتنۂ شیر شاہی کے پورا بہار اور بنگال کا علاقہ محمود شاہ کی قلمرو میں رہے گا اور خود محض دہلی پر اکتفا کریگا۔"

اس خط کو پاکر محمود شاہ نے چالیس ہزار جرار فوج تیار کر لی اور ہمایوں کے پاس حاضر ہوا سلطان ہمایوں نے اُسے شاہی اعزاز سے نوازا اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اور بہت دیر تک جنگی معاملات پر بحث ہوتی رہی۔ محمود شاہ بھی خاندانی شہزادہ تھا۔ اسکی رگوں میں باپ دادا کا خون موجود تھا۔ حرب وضرب کے معاملات میں ہمایوں کو کافی تسکین بخش جوابات دیئے۔ ہمایوں محمود شاہ کی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر اپنی ساری فوجوں کو چھوڑ کر چنار گڑھ چلا گیا اور تاکید کی کہ شیر شاہ اگر اس طرف کا رخ کرے تو پوری جوانمردی سے مقابلہ کرنا۔ [لہ]

غرضکہ شیر شاہ کی فوجیں مقابلہ میں آگئیں اور محمود شاہ نے بھی اپنی فوجوں کو جنگ کا حکم دیدیا۔ فریقین میں سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ نتیجہ میں محمود شاہ زخم کھاکر گھوڑے سے زمین پر آگیا اور شیر شاہ کے سپاہیوں نے محمود شاہ کو اسی حالت میں شیر شاہ کے سامنے پیش کیا۔ شیر شاہ نے شہزادہ کا نام اور

لہ جونپور نامہ فارسی خیر الدین۔ آئینۂ اودھ۔ جغرافیہ جونپور

اور پتہ پوچھا اور خاندان دریافت کیا اور مرتے وقت بھی چہرے پر جلال شاہانہ دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا "اگر کوئی وصیت کرنا چاہو تو میں اسکو پوری کرنے کے لئے تیار ہوں، تمھاری موت کا مجھے بیحد صدمہ ہے۔" دم توڑنے سے پہلے محمود شاہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

"میری لاش کو جونپور میں میرے شاہی خاندان میں اب وجد کے پہلو میں دفن کرا دیجئے گا۔"

چنانچہ شیر شاہ نے محمود شاہ کی وصیت حرف بحرف پوری کردی اور اسکی لاش کو جونپور بھیجکر بزرگوں کے روضہ میں دفن کرادی۔ اور محمود شاہ کے متعلقین کو املاک شاہی سے سرفراز کیا اور محصول جونپور برائے مصارف لکھ دیا۔ جب ہمایوں نے ایران سے واپس آکر ہندوستان پر حملہ کیا تو تمام افغانوں کو جو ہندوستان میں چاروں طرف حکومت کر رہے تھے شکست دیکر مار بھگایا اور دہلی کے تخت پر قبضہ کر کے خطبہ اور سکہ اپنے نام کا جاری کیا۔[۱]

ہمایوں بادشاہ کے زمانے میں افغانوں کو پھر موقع نہ مل سکا کہ وہ اپنی حکومت قائم کر سکتے یہانتک کہ آہستہ آہستہ ان کا استیصال کلی ہوگیا۔ جب ہمایوں کو انتظامات ملکی سے فراغت ہوئی تو اس نے سلطان محمود کی تلاش میں قاصد روانہ کئے۔ قاصدوں نے خبر دی کہ محمود شاہ شیر شاہ سے جنگ کر کے قتل ہوا۔ اب اس کا لڑکا سلطان حسین موجود ہے۔ ہمایوں نے یہ معلوم کر کے فوراً سلطان حسین کے پاس قاصد روانہ کیا اور ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا خط کو دیکھتے ہی سلطان حسین دہلی روانہ ہوگیا۔ دہلی پہونچکر جیسے ہی ہمایوں سے

---

[۱] جونپور نامہ مولوی خیر الدین۔ آئینہ اودھ

شرف باریابی حاصل کیا ہمایوں بادشاہ نے فرط محبت سے گود میں بٹھا لیا
اور منصب ہفت ہزاری عطا کر کے عمر خاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور
صوبۂ بہار کی جاگیر بخش دی۔ سلطان حسین عمر خاں صوبہ بہار میں کچھ دنوں قیام
کر کے باجازت حضور سلطان جونپور آیا۔ جامع مسجد اور مقبرۂ بزرگان کے
قرب میں ایک عالیشان مکان تعمیر کیا اور جونپور میں اپنے نام سے محلہ
بازار اور سرائے آباد کی اور پھر بہار چلا گیا۔

حسین شاہ عمر نے اپنے حسن سلوک سے بہار اور اطراف بہار کے
تمام راجاؤں کو اپنا مطیع کر لیا اور ایک عظیم الشان جمعیت حاصل کر لی۔
ہمایوں بادشاہ کے عہد تک بڑے احترام و عزت کے ساتھ گزر کی۔ ہمایوں
بادشاہ کے انتقال کے بعد جب اکبر بادشاہ تخت نشین ہوا تو بعض شاہی چغلخور
ملازموں نے اکبر بادشاہ کے کان بھرے کہ "سلطان حسین عمر شاہ بہار میں بغاوت
کر کے دہلی سے الگ ہونے کے منصوبے بنا رہا ہے"۔ اس خبر کو سن کر اکبر بادشاہ
سلطان حسین عمر شاہ کی طرف سے بدظن ہو گیا۔ اور تنبیہہ کے سلسلہ میں ایک پیغام
بھیجا کہ تمھارے خلاف شکایتیں موصول ہیں کہ تم بغاوت پر کمر بستہ ہو۔ [۵]

عمر شاہ کو بغاوت کا بے بنیاد الزام سن کر بیحد افسوس ہوا اور مغلیہ
سلطنت کی وفاداری اور خوش عقیدتی پر ایک دھچکہ پہونچا۔ اس لئے فوراً
حکومت کو ترک کیا اور اپنا ذاتی مال و خزانہ غربا اور فقراء میں تقسیم کر کے
بہ لباس درویشی جونپور چلا آیا۔ جب اکبر بادشاہ کو اصل واقعہ کی اطلاع
ہوئی تو چغل خوروں کو اپنے دربار سے علٰحدہ کیا اور حسین عمر شاہ کے لیے

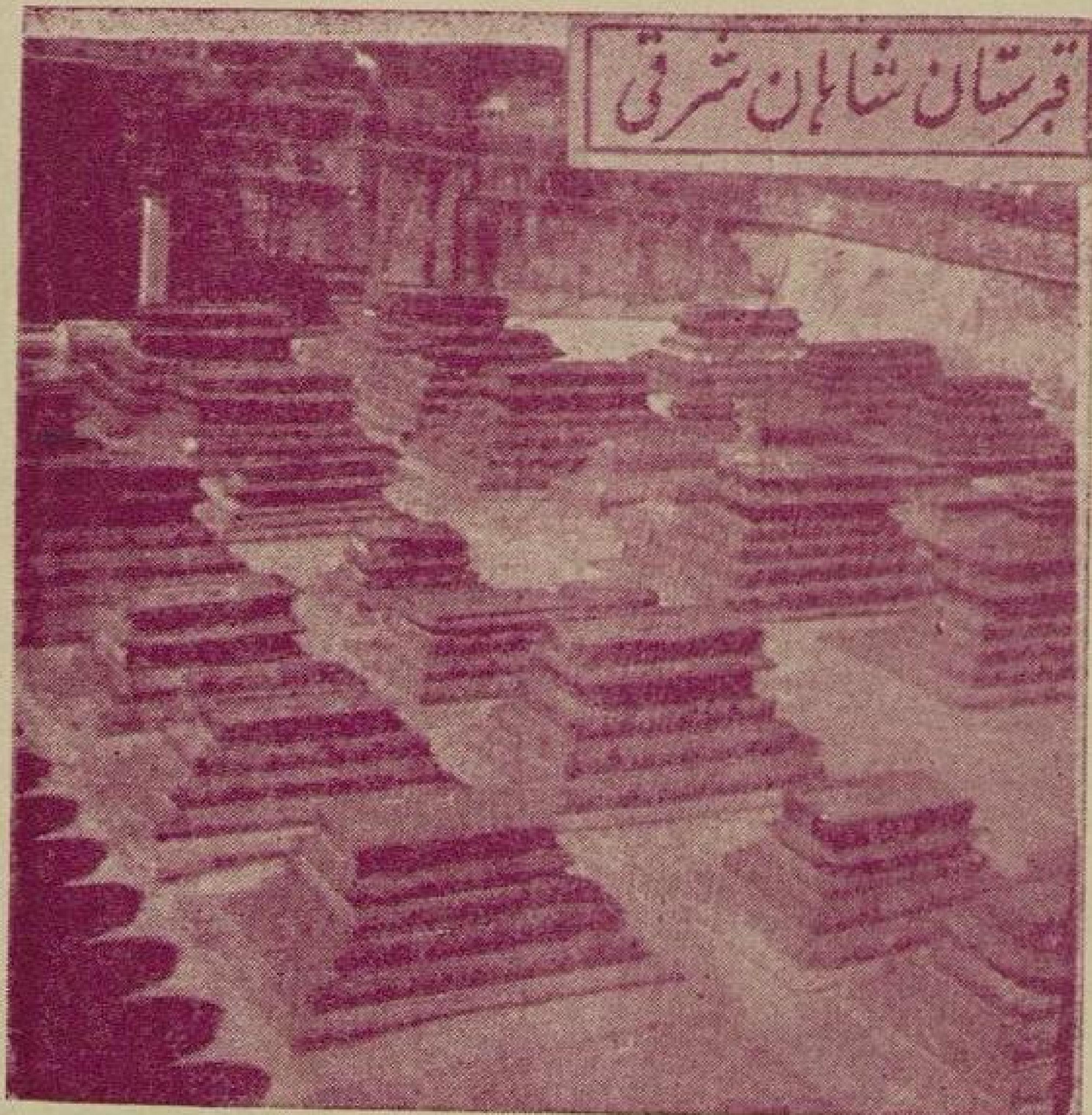
---

[۵] جونپور نامہ مولوی فخر الدین۔ آئینہ اودھ

خلعت سرفرازی بھیجا، مگر حسین عمر شاہ نے بادشاہ کی خدمت میں معذرت پیش کی اور اپنے بیٹے قطب خاں کو اکبر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا اکبر بادشاہ نے باپ کا منصب و جاگیر اور بہار کی سیر قطب خاں کو بخشدی قطب خاں کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا حسن خاں اپنے باپ کے منصب و جاگیر پر قابض رہا۔ اور پانچسو بگیہ زمین مزروعہ و محاصل بازار و محلہ برائے خرچ خدام روضہ سلطان حسین شاہ بھی معاف کر دیا گیا۔ ؎۱

جب اورنگ زیب بادشاہ دہلی کے تخت کا وارث ہوا تو اس نے حسن خاں کی تمام جاگیریں ضبط کر لیں اور حسن شاہ کے لڑکوں محمد خاں اور محمود خاں کے لئے نقد وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور بہادر شاہ بادشاہ کے عہد میں جاگیرات سیر حوالی جونپور بنام مراد شاہ و محمد شاہ پسران جلال شاہ خلف حسین عمر خاں مقرر ہوا۔ در عہد محمد شاہ بادشاہ برہان الملک نواب سعادت علی خاں نے تمام جاگیریں اس خاندان کی ضبط کر لیں صرف چند مواضع حوالی جونپور برائے خرچ مسجد و مدرسہ و خانقاہ و خرچ طلبہ بنام حسین شاہ و حسن شاہ پسران محمد شاہ واگذار کیا۔ جب نواب صفدر جنگ جونپور میں تشریف لائے حسن شاہ اور حسین شاہ کو اپنے حضور میں طلب کیا اور بہت محبت سے پیش آیا۔ دیہات جاگیر مع محلہ و بازار بدستور بحال رکھا۔ کارپردازان نواب شجاع الدولہ نے حسب الحکم سرکار ۲½ مواضع دیہات و آمدنی محلہ و بازار واگذار کیا باقی ضبط کر لیا۔ کچھ دنوں بعد یہ دونوں مواضعات بھی واپس لے لئے گئے مگر محصول محلہ و بازار رعایا سے بحال رکھا۔ حالانکہ فرامین سلاطین و اسناد حکامان ان مواضع و اراضی کی موجود نہیں ہیں لیکن شرقی

؎۱ جونپور نامہ مولوی خیر الدین


قبرستان شاہان شرقی

بادشاہوں کی خانقاہ میں کرم شاہ غلام حسین شاہ وغیرہ بجماعت کثیر آباد تھے جو اپنے کو شرقی خاندان کا کہتے تھے۔ انکی اولادیں بھی آباد ہیں۔

نوٹ:۔ اس خانقاہ کی عمارت میں جو لوگ آباد ہیں وہ اور اسکے علاوہ بہت سے لوگ اپنے کو شاہان شرقی کی نسل کا ظاہر کرتے ہیں مگر ان کے پاس کوئی خاندانی کاغذات، شجرہ یا اور کوئی دوسرے ثبوت موجود نہیں ہیں جن سے ان کی باتوں کی تائید ہوتی ہو۔ مولوی نورالدین زیدی نے جن لوگوں کا اپنی تصنیف تجلی نور میں موجود ہونا ذکر کیا ہے وہ اُسکے خود ذمہ دار ہیں۔ [۱]

شاہان شرقیہ کی قبریں

جونپور کے اکثر معتبر لوگوں سے سنا گیا ہے کہ جامع مسجد کے شمال میں جو خانقاہ ہے اسکے احاطے میں سلاطین شرقیہ کی قبریں ہیں۔ اور عینی مشاہدہ سے بھی یقین ہو جاتا ہے کہ یہ قبریں شاہان شرقیہ کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتیں اور یہ خانقاہ قبروں کے مجاور اور ان حفاظ کے لئے تعمیر کیگئی تھی جو ان قبروں پر قرآن خوانی کیا کرتے تھے۔ اسکے علاوہ جو عمارت رہائش گاہ تھی وہ یا تو زلزلہ کے صدمے سے گر گئی یا سکندر لودی کے ہاتھوں مسمار کر دیگئی۔ اس خانقاہ کے صحن میں چھوٹی بڑی سب ملاکر ۵۷ قبریں ہیں جس میں شاہان وبیگمات اور شہزادگان مدفون ہیں۔ سلاطین شرقی کے پس ماندگان میں سے ۱۹۰۵ء میں

---

[۱] جونپور نامہ مولوی خیرالدین

سرآمد خاندان امداد علی شاہ تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آباد اجداد سے سلاطین شرقیہ کی قبروں کے متعلق جو سُنا ہے انکی شناخت حسب ذیل ہے۔

(۱) قبر پختہ گچ شدہ جس پر عالی شان لوح مزار نصب ہے اور احاطہ کے پس پشت شمالی دیوار کے قریب ہے شاہزادہ ہاشم کی ہے اور پوربی قبر ملک سرور سلطان الشرق کی ہے۔

(۲) پختہ قبر جو دکھنی دیوار کے قریب احاطہ کے اندر سلطان محمود شاہ و سلطان محمد شاہ کی قبروں کے درمیان میں ہے سلطان مبارک شاہ کی ہے۔

(۳) پختہ قبر قدرے اونچی اور لمبی دکھن کی جانب پائین قبر سلطان حسین شاہ جس میں کسی بزرگ نے مکہ معظمہ سے اینٹ لاکر نصب کی ہے سلطان ابراہیم شاہ بادشاہ سیوم کی ہے۔

(۴) پختہ قبر جو سلطان ابراہیم شاہ کی قبر کے بائیں جانب ہو زوجہ ابراہیم شاہ کی ہے۔

(۵) پختہ قبر جو لمبی اور زوجہ ابراہیم شاہ کی قبر کے نزدیک بائیں جانب ہو سلطان محمود شرقی بادشاہ چہارم کی ہے۔

(۶) پختہ قبر کہ متصل قبر سلطان محمود بائیں جانب ہے راجے بی بی زوجہ سلطان محمود شاہ کی ہے۔

(۷) پختہ قبر جو احاطہ کی جنوبی دیوار کے قریب متصل قبر مبارک شاہ بائیں جانب ہے سلطان محمد شرقی بادشاہ پنجم کی ہے۔

(۸) پختہ قبر پتھر کی اور لمبی جسکے پتھر جا بجا سے سفید ہو رہے ہیں سلطان حسین شاہ شرقی بادشاہ ہنجم کی ہے۔

(۹) پختہ قبر جو سلطان حسین شاہ کی قبر کے بائیں جانب ہے ملکۂ جہاں زوجۂ

سلطان حسین شاہ کی ہے۔

(۱۰) پختہ قبر جو ملکہ جہاں کی قبر کے بائیں جانب ہے سلطان جلال الدین شاہ بادشاہ ملک گور۔لکھنوتی و بنگال و پسر حسین شاہ کی ہے۔

(۱۱) قبر پختہ جو سلطان جلال الدین کی قبر کے بائیں جانب ہے سلطان محمود شاہ پسر سلطان جلال الدین شاہ کی ہے جو نواسہ نصیب شاہ والی گور (بنگالہ) کا تھا۔ مولوی نور الدین زیدی نے ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن کے سامنے یہی شناخت کی تھی۔[1]

شرقی سلطنت کے سکّے

ملک سرور خواجہ جہاں کے وقت میں سکے جاری نہیں ہوئے تھے اسلئے مبارک شاہ۔ابراہیم شاہ۔محمود شاہ۔محمد شاہ اور حسین شاہ کے عہد کے سکّوں کا ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ ان پانچوں بادشاہوں کے عہد میں گول سکے رائج تھے۔ مبارک شاہ و ابراہیم شاہ کے سکّوں کا وزن $\frac{140}{2}$ یا ۱۴۵ گرین یعنی انگریزی سلطنت کے سکہ سے ۵ گرین کم۔ محمود شاہ کے عہد میں ہر سال سکے تبدیل کر دیے جاتے تھے۔ اپنے آخری دور یعنی مرنے سے ۳ سال قبل محمود شاہ نے ایسا کیا کہ سلطنت کا پورا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سکوں پر اپنے بڑے لڑکے محمد شاہ کا نام ڈال دیا۔ محمد شاہ اور حسین شاہ کے عہد کے طلائی سکوں کا پتہ نہ چل سکا۔ چاندی کے سکے ان کے وقت میں بھی ہر سال تبدیل ہوا کرتے تھے۔[2]

---

[1] تجلی نور قلمی حصہ سوم فارسی [2] تجلی نور قلمی حصہ سوم فارسی

سکّہ جات عہد مبارک شاہ شرقی

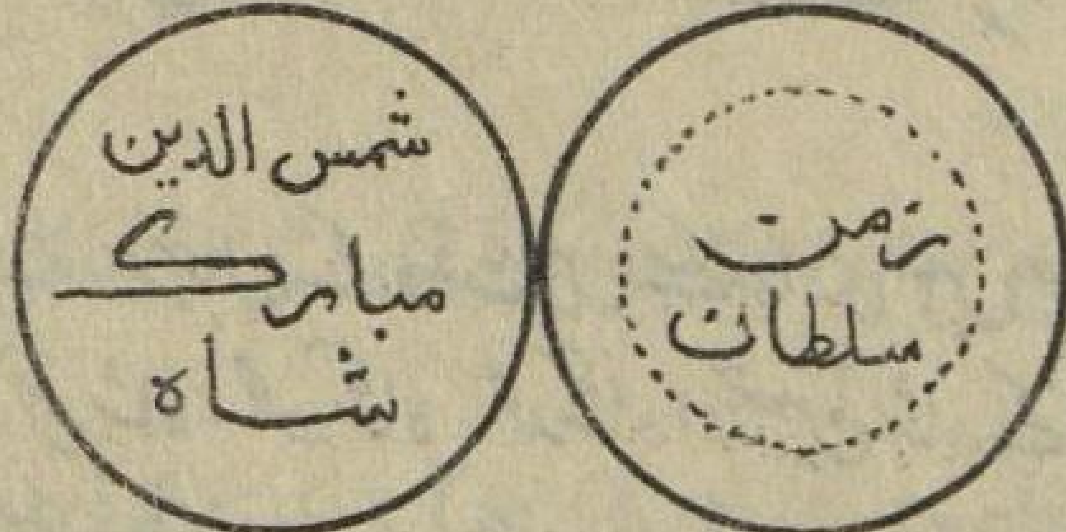
طلائی

سیدھا رخ



الٹا رخ

نقرئی



سکّہ جات عہد سلطان ابراہیم شاہ شرقی

طلائی

سیدھا رخ



الٹا رخ

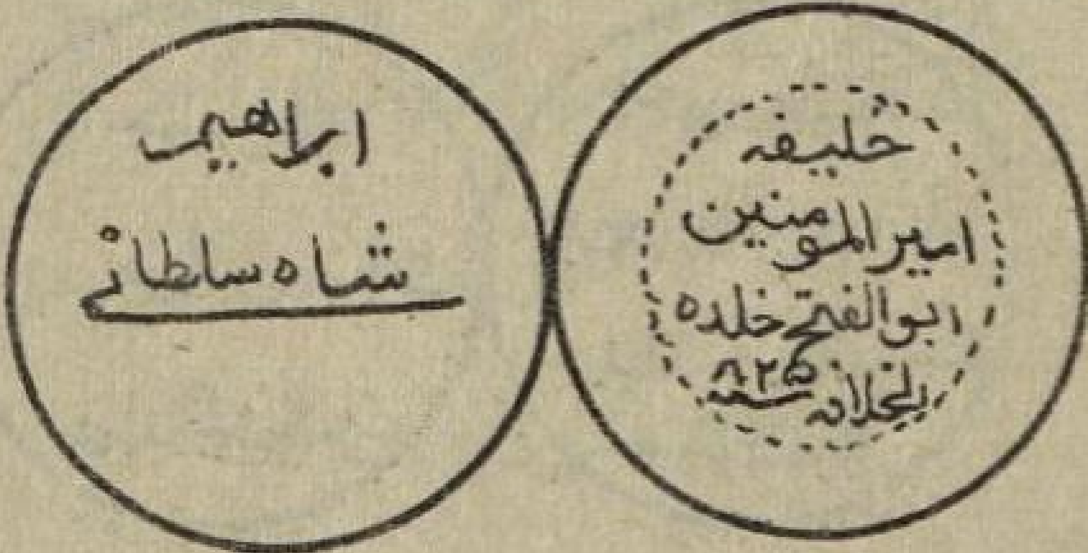
نقرئی نمبر ۱

سیدھا رخ — الٹا رخ



نقرئی نمبر ۲

سیدھا رخ — الٹا رخ



سکّہ جات عہد محمود شاہ شرقی

طلائی



سکہ نقرئی ۱

سیدھا رخ



الٹا رخ

سکہ نقرئی ۲

سیدھا رخ



الٹا رخ

سکہ نقرئی ۳

سیدھا رخ



الٹا رخ

سکہ نقرئی ۴

سیدھا رخ



الٹا رخ

نقرئی نمبر ۵

سیدھا رخ



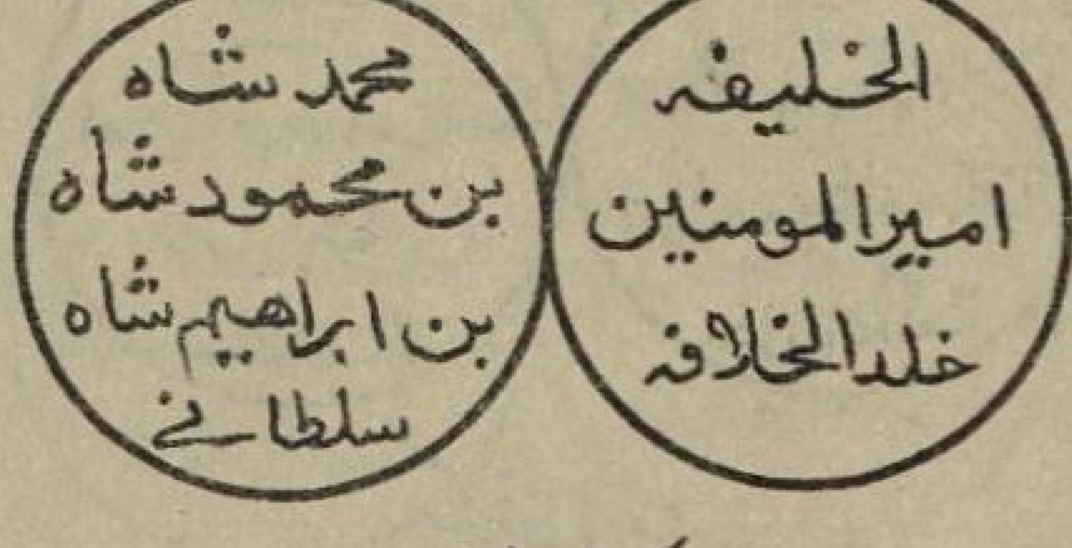
الٹا رخ

سکہ جات عہد محمد شاہ شرقی

سکہ طلائی نہ تھا

سکہ نقرئی نمبر ۱

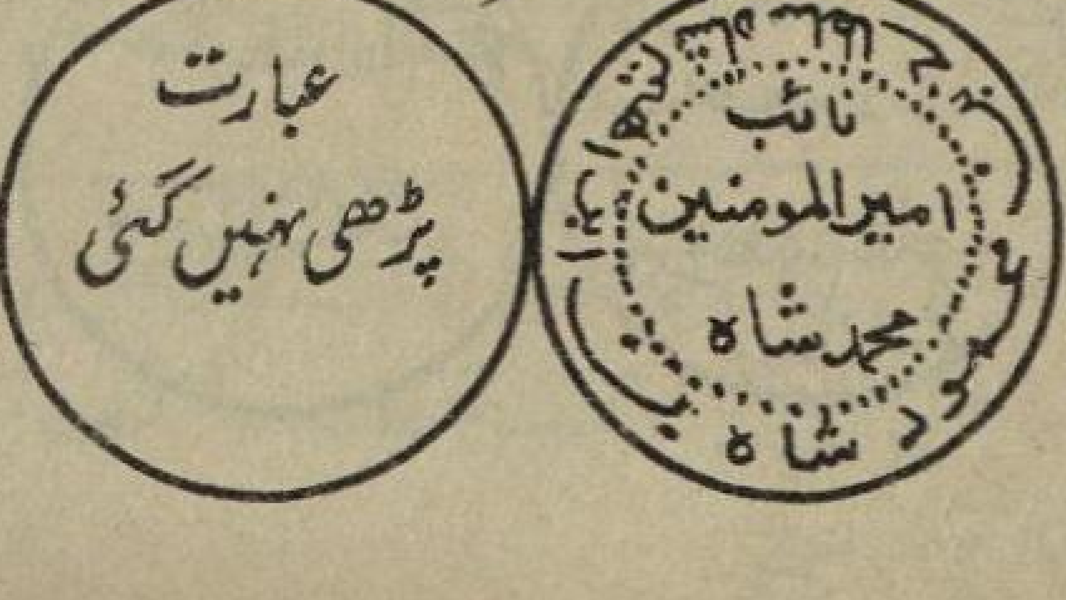
سیدھا رخ



الٹا رخ

سکہ نقرئی نمبر ۲

سیدھا رخ



الٹا رخ

سکہ نقرئی ۳؍

سیدھا رخ



الٹا رخ

سکہ جات عہد حسین شاہ شرقی

سکہ طلائی کا پتہ نہیں چلتا

سکہ نقرئی ۱؍

سیدھا رخ



الٹا رخ

سکہ نقرئی ۲؍

سیدھا رخ



الٹا رخ

سکہ نقرئی ۳

الٹا رخ — سیدھا رخ



سکہ نقرئی ۴

الٹا رخ — سیدھا رخ



سکہ نقرئی ۵

الٹا رخ — سیدھا رخ



طوالت کے خیال سے صرف چند سکوں کا عکس بلاک کے ذریعہ سے پیش کیا جا سکا (مؤلف)

۱؎ تجلی نور حصہ سوم قلمی ۔ تذکرۃ الامراء والامارات ص۵۳-۵۶ بحوالہ کیٹلاگ سکہ ہائے ہندوستان مصنفہ اسٹینلی لین پول ۔ وکتاب سکہ جات ۱۲ کنگ آف دی الیٹ مصنفہ مولوی فصیح الدین بدایونی ۔

سکندر لودی کی وفات

سکندر لودی کا ذکر حسین شاہ کے ذکر کیساتھ گذشتہ صفحات پر کیا جاچکا ہے کہ اس نے حسین شاہ کو شکست دینے کے بعد جونپور کی شرقی عمارتوں کو مسمار کیا اور سنہ ٩١١ھ میں دارالخلافہ دہلی گیا۔ اسی سال ایک عظیم زلزلہ بھی آچکا تھا۔ بہت سی عالیشان عمارتیں جو دہلی میں زلزلہ کی نذر ہوگئی تھیں درست کرایا اسکے بعد سنہ ١٥١٦ء ٩٢٣ھ میں مرض خناق میں گرفتار ہوکر انتقال کیا۔ ٥١

جونپور سے فراغت کرنے کے بعد جب حسین شاہ بنگال کی طرف عازم ہوا اور سکندر کو معلوم ہوا کہ حسین شاہ علاءالدین والی بنگال کی پناہ میں ہے تو وہ سیدھا بنگال پہونچا۔ مگر علاءالدین نے سکندر کو سلطان حسین شاہ کی سیاسی سرگرمیوں کی طرف سے اطمینان دلادیا اور سکندر نے علاءالدین سے صلح کرلی۔ ٥٢

سکندر کا پٹنہ پر حملہ

سنہ ١٤٩٩ء میں سکندر نے مبارک خاں لودی کو جونپور کا حاکم بنا کر ریوا کی تسخیر کا ارادہ کیا تاریخ فرشتہ میں ہے کہ سکندر لودی نے پٹنہ کے راجہ سالباہن رائے سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی دختر سکندر کے عقد میں دیدے مگر سالباہن رائے نے سکندر لودی کے اس مطالبہ کو ٹھکرادیا اور سکندر نے انتقامی جذبے کے ماتحت سنہ ٩٠٤ھ کو پٹنہ پر حملہ کردیا اور اس شدت سے قتل وغارت گری کی کہ بے شمار اتلاف جان ہوا۔ سالباہن فرار کرکے باندھوگڑھ کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا۔ یہ مقام پٹنہ سے زیادہ محفوظ تھا۔ سکندر نے سالباہن کا باندھوگڑھ تک پیچھا کیا وہاں

---

٥١ جونپور نامہ از مولوی خیرالدین

٥٢ گزیٹیر جونپور

سالباہن کے جوانوں نے بڑی جوانمردی دکھائی اور خوب ڈٹکر مقابلہ کیا آخرکار سکندر کو باندھوگڈھ سے بے نیل ومرام واپس آنا پڑا۔ ؎۱

سکندر کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاکر مبارک خاں حاکم جونپور نے جونپور پر کافی ہاتھ صاف کیا۔ امرا، جاگیرداروں اور رعایا سے بزور ناجائز رقمیں وصول کیں۔ شاہی خزانہ پر بھی خوب دستبرد کی۔ جب سکندر لودی کو اسکا علم ہوا تو مبارک خاں سے حساب طلب کیا۔ مبارک خاں نے اپنی صفائی میں اگرچہ کچھ امراء اور دیگر لوگوں کو پیش کیا مگر خیانت کا دھبّہ اسکے سر سے دور نہ ہوسکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغانی امراء اور سرداران جنکی تنخواہیں رکی ہوئی تھیں خلاف ہوگئے۔

مصنف "گزیٹر جونپور" لکھتے ہیں کہ "سکندر کے اپنے خلاف اقدامات نے اندرون ملک میں ایک بغاوت پھیلادی اور سکندر کو اس سلسلہ میں کافی دِنوں نظر بند رہنا پڑا۔ اور بعد دفع ہونے فتنہ و فساد کے سکندر دہلی پہونچا اور مرض خناق یا کینسر میں مبتلا ہوکر مرگیا۔" ؎۲

ابراہیم لودی کی حکومت

سکندر لودی کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا ابراہیم لودی وارث تخت و تاج ہوا اور ۹۱۱ھ میں اپنی شاہی کا اعلان کیا۔ اس وقت سکندر لودی کا دوسرا لڑکا جلال خاں لودی کالپی کا گورنر تھا۔ کچھ سرداروں کی مدد سے جونپور پر قابض ہوگیا اور اپنی تخت نشینی کا اعلان کرکے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا

؎۱ تاریخ فرشتہ جلد اول۔

؎۲ گزیٹر جونپور

ابراہیم لودی نے بصلاح اراکین سلطنت شاہزادہ جلال خاں کو حاضر دربار ہونے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ امرائے اطراف کو لکھا کہ شاہزادہ جلال خاں کی اطاعت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں اور اپنے فوجی افسروں کو حکم دیا کہ جلال خاں کے دہلی میں وارد ہوتے ہی دربار میں حاضر کریں۔

جلال خاں اس راز سے واقف تو نہ تھا مگر مشیر کاروں کی صلاح سے دہلی جانے پر رضامند نہ ہوا اور جونپور کی سکونت ترک کر کے پھر کالپی چلا گیا۔ ابراہیم لودی نے اپنے حکم کی خلاف ورزی دیکھ کر جلال خاں کا تعاقب کالپی تک کیا۔ اور دریا خاں لوہانی کو جونپور کا حاکم مقرر کر دیا۔ جب ابراہیم لودی کے آنے کی خبر جلال خاں کو ہوئی تو وہ کالپی سے روانہ ہو کر مہاراجہ گوالیار کی پناہ میں جا پہونچا۔ یہ خبر سنکر ابراہیم لودی نے اسی ہزار جرار لشکر لے کر گوالیار پر چڑھائی کر دی۔ مگر جب جلال کو پتہ چلا کہ ابراہیم لودی یہاں بھی اس کے تعاقب میں آ رہا ہے تو وہاں سے مالوہ چلا گیا۔ ابراہیم لودی نے حاکم مالوہ کو لکھا کہ "جلال خاں کو یا تو قید کر لیا جائے یا دہلی بھیجدیا جائے" چنانچہ گڈھہ کے راجہ نے ابراہیم لودی کا حکم مانتے ہوئے جلال خاں کو قید کر لیا اور بعد کو ابراہیم لودی کے پاس بھیجدیا۔ ابراہیم لودی نے اسے قلعۂ ہانسی میں قید کیا اور یہیں جلال خاں کی موت واقع ہوئی۔ [۱]

ابراہیم لودی اپنے بہت سے امراء سے ناراض تھا۔ بہتوں کو قتل کر ڈالا اور کچھ قید کر لئے گئے۔ دولت خاں حاکم لاہور ابراہیم لودی کی اس روش سے پریشان ہو کر کابل چلا گیا اور بہادر خاں لوہانی اپنے باپ دریا خاں لوہانی والی

---

[۱] گزیٹر جونپور

بہار کے مرجانے کے بعد ایک لاکھ فوج کی جمعیت سے سنبھل اور قنوج کے علاقوں پر متصرف ہوگیا اور شمال مشرق میں گنگا کے کنارے کے تقریباً تمام مقامات اسکے قبضہ میں آگئے۔

بابر کی ہند میں آمد

اب ہندوستان میں بابر کا داخلہ ہوچکا ہے اور پانی پت کے مقام پہ ابراہیم لودی اور بابر سے ۲۰ راپریل ۱۵۲۶ء / ۹۴۵ھ کو ایک سخت جنگ بھی ہوچکی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیم لودی کی ایک لاکھ سواروں اور ایک ہزار ہاتھیوں کی فوج بابر کے پانچ ہزار سواروں کے سامنے جم نہ سکی۔ ابراہیم کی فوجوں نے راہ فرار اختیار کی، بہادر افسر قتل ہوئے اور افغانی سرداروں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ آخر کار ابراہیم لودی شکست کھا کر قتل ہوا۔

بہادر خاں لوہانی کا جونپور پر قبضہ

اُدھر تو یہ ہوا اور ادھر بہادر خاں لوہانی نے سنبھل اور کالپی سے آگے قدم بڑھایا اور امراء اور افسران کو ہمخیال بنا کر شرقی سلطنت کے پایہ تخت جونپور پر قبضہ کر کے اپنی شاہی کا اعلان کردیا اور اودھ سے لیکر بہار تک کا علاقہ اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔ [1]

بابر بادشاہ نے بعد انتظام و مہمات سلطنت ہندوستان کو سرداران لشکر میں تقسیم کردیا اور شرقی سلطنت کی تسخیر کے لئے سردار فیروز خاں اور محمود خاں کو جو بالکل نو وارد ہندوستان تھے ایک لشکر کثیر کے ساتھ روانہ کیا بہادر خاں لوہانی نے پچاس ہزار مزید سپاہ کا اضافہ کر کے بابری سردار فیروز خاں

---

[1] گزیٹر جونپور۔

کا مقابلہ کیا اور فیروز خاں کو جونپور پر قبضہ کرنے سے باز رکھا۔ جب اسکی خبر بابر کو ہوئی تو اس نے پھر ایک سپاہ ترتیب دی اور بہادر خاں کی تادیب کے لئے جونپور کو روانہ ہوگیا۔

ہمایوں کا جونپور پر قبضہ

بابر کے بیٹے ہمایوں نے اس موقع پر کمال انکساری سے باپ کی خدمت میں عرض کی کہ "اس خدمت کی سرفرازی مجھے عنایت ہو۔ اُمید ہے کہ آپ کے اقبال کی بدولت یہ مہم میرے ہی ہاتھوں سر انجام کو پہونچے۔"

بابر بادشاہ نے شاہزادے کی یہ عرض منظور کرلی اور چند مزید نامی و گرامی سرداروں کی معیت میں ہمایوں کو جونپور کی تسخیر کے لئے روانہ کر دیا۔ ہمایوں نے جونپور اور اطراف جونپور کے تمام سرکش عناصر اور بہادر خاں لوہانی کے طرفداروں کو تہ تیغ کیا اور بہادر خاں فرار کر کے روپوش ہوگیا۔ جونپور حوادث زمانہ سے ویران ہو رہا تھا۔ ہمایوں نے فتح کرنے کے بعد جونپور کو از سر نو آباد کیا اور جونپور کی حکومت کامران اور امیر علی بیگ کے سپرد کر دی۔ شہر کے معززین اور مہاجنان اور بڑے بڑے تاجر و سوداگر، جو بخیال تاراجی افغانہ جونپور سے بھاگ گئے تھے، ہمایوں کا نام سن کر جونپور میں سکونت کے لئے پھر آنے لگے اور جونپور کو پھر سے ایک تازہ رونق عطا ہوئی۔ [1]

جنید برلاس حاکم جونپور

شاہزادہ ہمایوں جونپور کو آباد کرنے اور رونق دینے کے سلسلے میں ابھی اور قیام کرنا چاہتا تھا مگر چونکہ بابر بادشاہ رانا سانگا والیٔ میواڑ کی گوشمالی کے لئے آمادہ

---

[1] گزیٹر جونپور۔ فرشتہ

تھا اس لیئے ہمایوں کو جونپور سے دہلی طلب کرلیا۔ شہزادہ ہمایوں نے جنید برلاس کے سپرد حکومت جونپور کردی اور فیروز خاں و محمود خاں و قاضی عبدالجبار خاں وغیرہ جاگیرداروں کو ان کی معیت میں چھوڑ دیا۔ جنید برلاس ایک عرصہ تک جونپور کی حکومت پر قابض رہے۔ [1]

جب ۱۵۳۰ء سنہ ۹۴۹ھ میں شہنشاہ بابر کا انتقال ہوگیا تو ہمایوں خود دہلی کے تخت پر متمکن ہوا اور جنید برلاس کو جونپور سے طلب کرلیا اور لاہور کا حاکم بناکر بھیجدیا اور جنید برلاس کی جگہ امیر ہندو بیگ کو جونپور کا حاکم بنادیا۔ ۱۵۳۷ء سنہ ۹۴۵ھ میں جب شیر خاں نے بنگالہ میں سر اٹھایا تو اسکی تنبیہہ کے لئے بنگال کو روانہ ہوگیا۔ اسی درمیان میں امیر ہندو بیگ کا انتقال ہوگیا۔ جب ہمایوں کو امیر ہندو بیگ کے مرنے کی اطلاع ہوئی تو شہزادہ ہمایوں نے امیر ہندو بیگ کے لڑکے بابا بیگ جلائر کو امیر ہندو بیگ کی جگہ مامور فرمایا۔

غرضکہ ہمایوں مہم پر روانہ ہوگیا اور شیر خاں سے مقابل ہوکر شکست کھائی اور قلعہ رہتاس گڑھ پر شیر خاں دھوکہ دیکر قابض ہوگیا۔ اب شیر خاں کی ہمت اور بڑھ گئی اور اس نے یلغار کرکے بنارس پر بھی قبضہ کرلیا اس طرح پورب کے تمام علاقے شیر خاں کے قبضے میں آگئے۔ جب بنارس کے حاکم فضل علیشاہ کو شیر خاں نے گرفتار کیا تو بابا بیگ جلائر جونپور سے فوراً اسکی مدد کو آپہونچا مگر تاب مقابلہ نہ لاکر قلعہ جونپور میں متحصن ہوا اور شیر خاں نے قنوج اور سنبھل پر بھی قبضہ کرلیا۔

اب ہمایوں ہر جگہ شیر خاں سے شکست کھاکر بنگال چلاگیا اور وہاں سے

---

[1] گزیٹر جونپور۔ فرشتہ

کچھ فوج اکٹھا کر کے ۱۵۳۹ء میں پھر چولسنہ کے پاس شیر شاہ سے مقابل ہوا۔ مگر ۱۷ رمئی ۱۵۴۰ء کو متصل قنوج بھوج پور میں شکست کھا کر بالکل نا امید ہو گیا اور ادھر بابا بیگ جلائر نے قلعہ جونپور شیر خاں کی فوجوں کے حوالے کر دیا۔ اب شیر خاں پورے ہندوستان کا بادشاہ ہو گیا اور جونپور میں اپنے چھوٹے لڑکے عادل خاں کو حاکم بنا کر اپنے کو فرید الدین شیر شاہ کے نام سے مشہور کیا۔

ہمایوں اپنے بھائیوں اور کچھ امیروں کی مخالفت کی وجہ سے کچھ نہ کر سکا اور شیر شاہ کی فتوحات بڑھتی ہی چلی گئیں۔ بیرم خاں بابر کا ایک جانباز سپاہی تھا۔ اس نے ہمایوں کو صلاح دی کہ وہ شاہ ایران سے امداد حاصل کرے کہ بغیر بیرونی کمک کے ہندوستان فتح ہونا تو درکنار ہندوستان میں قدم رکھنا دشوار ہو جائے گا۔ [۵۱]

شیر شاہ سُوری

بزمانہ سکندر لودی جب جمال خاں جونپور کا حاکم ہوا تو اس نے قدیم ملازم حسن ولد ابراہیم کو علاقہ شہسرام و خواص پور ٹانڈہ جاگیر عطا کی اور پانچ سو سواروں کا افسر مقرر کیا۔ حسن سور کے ۸ لڑکے تھے جن میں سے فرید اس کی نظر میں سب سے بُرا تھا۔ فرید خاں جمال خاں کے پاس جونپور چلا آیا اور یہیں تحصیل علم شروع کر دیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ شیر شاہ نے ملک العلما قاضی شہاب الدین سے پڑھا۔ یہ غلط ہے کیونکہ قاضی صاحب کی وفات

---

۵۱ گزیٹر جونپور۔ فرشتہ

سنہ ۸۴۶ھ میں ہوئی ہے اور شیر شاہ کی پیدائش سنہ ۸۸۴ھ یا سنہ ۸۸۶ھ میں ہوئی ہے۔ البتہ قاضی نظام الدین سے تعلیم حاصل کرنا درست ہے۔

جب شیر شاہ کے والد حسن سور نے جمال خاں کو لکھا کہ فرید کو جونپور بھیج دو کہ وہ تعلیم جاری رکھے فرید نے خود جواب دیا کہ "جونپور سے زیادہ علم اور عالم کہاں ہیں میں یہیں تحصیل علم کرونگا۔" اس پر حسن سور خود جونپور آکر فرید سے ملا اور جاگیرات کا داروغہ بناکر اپنے ہمراہ سہسرام لے گیا۔ فرید نے علاقوں کے نظم و نسق میں ایسی قابلیت دکھائی کہ حسن بہت خوش ہوا اور پورا علاقہ فرید کے ذمے کر دیا۔ [۵۱]

حسن کی محبوبہ کنیز سے دو لڑکے تھے سلیمان و احمد۔ انھوں نے علاقہ میں داروغگی کی خواہش ظاہر کی تو باوجود باپ کے منع کرنے کے فرید خاں نے علاقے ان کے حوالے کر کے اپنے بھائی نظام کو ہمراہ لیکر آگرہ چلا آیا اور سکندر کے ایک امیر دولت خاں کا ملازم ہو گیا۔ جب حسن سور کا انتقال ہو گیا تو سہسرام کا علاقہ بادشاہ نے فرید اور نظام کے نام لکھدیا اور دونوں بھائی فرمان لیکر سہسرام پہنچے۔ اسکا بھائی سلیمان مقابلہ سے عاجز آکر محمد خاں سور کے پاس چلا آیا جو اس وقت جونپور کا حاکم تھا۔ فرید کی شکایت سن کر محمد خان نے کہا کہ بابر بادشاہ اور ابراہیم لودی سے جنگ ہو رہی ہے۔ اگر ابراہیم لودی کو فتح ہو گی تو تجھے اعلیٰ عہدہ دلوا دونگا۔ سلیمان نے کہا میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا۔ پھر محمد خاں نے فرید خاں سے سفارش کر کے کچھ مواضعات گذر بسر کے لئے دلوا دیے مگر سلیمان کی غرض تو حکومت تھی اس لئے خوش نہ تھا۔ محمد خاں نے سلیمان سے

---

۵۱ تاریخ فرشتہ۔ تذکرۃ الکرام۔ شیر شاہ افغان

وعدہ کیا کہ میں بزور شمشیر تمھیں سہسرام کے علاقہ پر متصرف کرادوں گا۔ دریا خاں محمد خاں کے اس ارادے سے متفکر تھا ہی ابراہیم لودی کی شکست سن کر اور بھی گھبرا گیا اور دریا خاں کے لڑکے بہادر خاں لوہانی کے پاس پہونچا جس نے پورے بہار پر قبضہ کر کے سلطان محمد نام رکھ لیا تھا اور اسکی نوکری کرلی۔

ایک دن بہادر خاں کے ساتھ شیر کے شکار میں تلوار سے شیر کو مار ڈالا اسی دن سلطان محمد نے شیر خاں کا خطاب دیا اور اپنی جاگیر کے نظم ونسق پر مامور کر دیا۔ لوگوں نے شیر شاہ کی شکایت کی تو سلطان محمد نے شیر شاہ کے بھائی سلطان کو فوج دیکر کہا کہ جاؤ سہسرام پر قبضہ کرلو۔ شیر شاہ نے مدافعت کی مگر ناکام رہا۔ آخر کار کڑہ مانک پور پہنچا جہاں کا حاکم جنید برلاس تھا۔ اس سے سلطان محمد کی زیادتیوں کو بیان کیا۔ جنید برلاس نے بہترین تازہ دم قزلباش مغلوں کی فوج شیر شاہ کے ہمراہ کردی۔ جب شیر خاں سہسرام پہنچا تو محمد خاں اور سلطان برادر شیر خاں رہتاس کی پہاڑی میں بھاگ گئے اور شیر خاں نے اپنے دونوں پرگنے سہسرام اور خواص پور ٹانڈہ کے علاوہ جونپور پر بھی قبضہ کر کے اپنے کو مضبوط کرلیا اور بہت سے تحفے اور نفائس جنید برلاس کی خدمت میں بھیجے۔

شیر خاں نے محمد خاں کو بلوا کر اس کے علاقے پر متصرف کیا اور کہا کہ میری جنگ میرے بھائیوں سے تھی آپ تو میرے چچا کے برابر ہیں۔ آپ میری جانب سے بے فکر رہیں۔ اور محمد سور کو اطمینان ہوگیا۔ [۱]

جب جنید برلاس بابر کی خدمت میں حاضری دینے جا رہا تھا تو شیر خاں کو بھی اپنے ہمراہ لیتا گیا اور ملازمت دلوادی۔ بابر نے دولتخواہوں میں شمار کیا

---

[۱] تاریخ فرشتہ

اور چند یری کے سفر میں اپنے ساتھ رکھا۔ کچھ دنوں بابر کے ساتھ معرکوں اور نظم و نسق کا اور بھی تجربہ حاصل کیا۔

ایک روز اپنے رفقائے خاص افغانوں سے ذکر کیا کہ مغلوں کو ہندوستان سے آسانی سے نکالا جا سکتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے وزیروں پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور خود کم توجہ دیتے ہیں مگر یہ امر دشوار ہے کیونکہ ہم افغان آپس میں اتفاق نہیں رکھتے۔

ایک روز بابر کے دسترخوان پر شیر خاں بھی موجود تھا اور استخوان ماہیچہ کو چمچہ سے کھا رہا تھا۔ بابر نے مصاحبوں سے خصوصاً میر خلیفہ سے فرمایا کہ پٹھان نے عجیب کام کیا ہے۔ محمد خاں سور اور شیر خاں کے تمام واقعات کی بابر کو اطلاع تھی۔ یہ شیر شاہ کی چالاکی کی طرف اشارہ تھا جسے شیر خاں فوراً سمجھ گیا اور اپنے خلاف سمجھکر رات ہی کو اپنی جاگیر میں واپس چلا آیا اور جنید برلاس کو اپنے آنے کی اطلاع دیدی۔

شیر خاں پھر محمد سور کے پاس گیا تو سلطان محمد کا انتقال ہو گیا اور جلال خاں ولد سلطان محمد وارث ہوا۔ جلال خاں کی والدہ لاڈو ملکہ انتظام کرتی تھی وہ بھی مر گئی اور حکومت بہار پر شیر خاں قابض ہو گیا۔ جب بابر شاہ کے مقابلہ میں محمود شاہ لودی بن سکندر لودی رانا سانگا سے مل گیا تو رانا سانگا کو مہاراجہ بنا کر حسن خاں میواتی وغیرہ کو لیکر نبرد آزما ہو کر شکست کھائی وہاں سے بہار کی طرف آیا اور شیر شاہ کو بھی شریک کر کے بہار کا علاقہ اپنے امراء میں تقسیم کر لیا اور وہاں سے جب جونپور کی تسخیر کو چلا تو شیر شاہ نے ساتھ نہ دیا

سلہ تاریخ فرشتہ

وہ اکیلا جونپور آیا اور امرائے بابر شاہ میں طاقت مدافعت نہ ہونے کی وجہ سے جونپور پر قابض ہوگیا اور مانک پور بھی اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ [۱]

بابر بادشاہ اس وقت کالنجر میں تھا۔ جونپور پر محمود کا قبضہ ہوجانے کی خبر پاکر روانہ ہوگیا مگر محمود لودی نے جنگ سے احتراز کیا اور بابر نے پھر جونپور پر قبضہ کرلیا۔ آخر میں ۹۴۹ھ میں اڑلیسہ میں انتقال کیا۔ اسکے بعد بابر نے امیر ہندو بیگ کو شیر شاہ کے پاس بھیجا کہ چنار کا قلعہ بابر کے حوالہ کردے مگر شیر خاں نے حیلہ کیا۔ جب بابر نے خود محاصرہ کیا تو شیر خاں نے عرضی لکھکر معافی چاہی بابر نے قلعہ سے محاصرہ اٹھالیا اور پھر موقع پاکر بہار و بنگال پر قابض ہوگیا۔ اور قلعہ رہتاس گڑھ کی تسخیر کے لئے ایک چال چلا کہ راجہ ہرکشن داس کے پاس ایلچی بھیجا کہ میں بنگال فتح کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ قلعہ میں ہمارے اہل وعیال اور عورتوں بچوں کو پناہ دیں تو کام بن جائے۔ اس طرح اس نے ڈولیوں کے اندر کئی ہزار سپاہی عورتوں کے بھیس میں روانہ کردیے اور قلعہ پر قابض ہوگیا ادھر بابر بادشاہ گوڑ پر قبضہ کرچکا تھا کہ ہندال مرزا کی آگرہ و میوات میں شورش سنی۔ ہمایوں نے ۵ ہزار سوار گوڑ میں چھوڑا اور بعجلت میوات کی طرف چلدیا کثرت بارش سے راہ میں اتلاف لشکر ہوا۔ موقع سے فائدہ اٹھاکر شیر شاہ نے راستہ روک لیا اور ایلچی کے ذریعہ صلح ہوگئی مگر جب ہمایوں کا لشکر جوسا ریل کو عبور کرنے لگا تو شیر خاں نے حملہ کردیا اور فوج کو کافی نقصان ہوا۔ ہمایوں آگرہ چلا آیا۔ اسکے بعد شیر شاہ بنگال پہنچا اور تمام علاقے فتح کرکے اپنا لقب شیر شاہ رکھا اور خطبہ و سکہ اپنے نام کا جاری کیا۔ جب ہمایوں آگرہ سے قنوج کی طرف

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ صولت شیر شاہی

آرہا تھا تو دریائے گنگا کے کنارے ۹۴۷ھ بروز عاشورہ محرم الحرام شیر شاہ نے پچاس ہزار کے لشکر سے مغلوں پر اچانک حملہ کر دیا اور بہت سے مغلوں کو قتل کیا۔ اس حملہ کی وجہ سے ہمایوں نے دریا میں گھوڑا ڈال دیا اور پار کر کے بمشکل لاہور پہونچا۔ شیر شاہ نے لاہور تک ہمایوں کا تعاقب کیا اور کئی قلعے درست کئے اور خواص خاں کو سلطنت کا ۱/۲ حصہ لکھ دیا کہ اسی نے شیر خاں کو شیر شاہ بنایا تھا۔ ۹۴۹ھ میں مالوہ کا رخ کیا۔ ابوالقاسم کو قلعہ سے نکال کر قبضہ کر لیا اور مالوے کے آس پاس تمام قبضہ کر لیا۔ ۹۵۰ھ میں پورن مل نے رائسین میں بغاوت کی اس نے دو ہزار مسلمان عورتوں کو تفریح کا ذریعہ بنایا تھا اس پر حملہ کر کے فتح کر لیا۔ اور جب کالنجر کا محاصرہ کیا تو بارود سے جل گیا اور اسی صدمے سے ۹۵۲ھ میں اس دار فانی سے انتقال کیا۔ [۱]

شیر شاہ کے عہد میں جونپور میں امن و امان قائم رہا۔ اجناس فراواں تھے ہر امیر و غریب خوش تھا۔ شیر شاہ کے بعد اسکے لڑکے اسلام خاں نے بھی افغانی حکومت کو نہایت مضبوطی سے قائم رکھا۔ بعد انتقال اسلام خاں ہندوستان کے نظم و نسق میں افراتفری پھیل گئی اور حکومت کے ۳ دعویدار پیدا ہو گئے شمس الدین محمد سوری۔ محمد عادل [۲] شیر شاہ کا بھتیجہ اور ہمایوں [۳]۔

ہمایوں کی ایران کو روانگی

ہمایوں کے ذہن میں بیرم خاں کا مشورہ نیک اور مفید قرار پایا اور اس نے ایران جاکر شاہ طہماسپ سے افغانوں کے سیلاب اور اپنے بھائیوں اور چند امیروں کی مخالفت کا تذکرہ کیا۔ بیرم خاں نے ہمایوں کی پرزور وکالت کی

---

[۱] تاریخ فرشتہ

نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ طہماسپ نے سولہ[١٦] ہزار، بقولے بتیس ہزار[٣٢] افواج قزلباش مع گھوڑے، اونٹ اور رسد کے ہمایوں کے ہمراہ کردی اور شرط یہ رکھی کہ تمام مقبوضہ علاقوں میں ہمارے آدمیوں کو بھی عہدے دیئے جائیں اور منبر رسول پر ذکر اہلبیتؑ بھی ہو۔ ہمایوں نے خوشی خوشی منظور کرلیا۔ اور ہندوستان میں داخل ہوتے ہی قندھار پر قبضہ کرلیا۔ پھر ہمایوں اور کامران میں اختلاف پیدا ہوگیا ؎

سنہ ١٥٣٧ء / ٩٦١ھ میں سلیم خاں افغان کے انتقال کے بعد پورے ہندوستان میں طوائف الملوکی شروع ہوگئی۔ سنہ ١٥٣٨ء / ٩٦٢ھ میں بیرم خاں نے مہم افاغنہ سے فراغت حاصل کی۔ ہمایوں سلیم گڑھ گیا اور تمام سرداران لشکر کو حکومتیں تقسیم ہوئیں۔ علی قلی خاں شیبانی جو بیرم خاں کا بھانجہ تھا۔ ایران سے آنے والی سپاہ میں سب سے زیادہ بہادر اور جری سردار تھا اور اس نے ہندوستان میں ملکی فتوحات کے سلسلے میں کارنمایاں انجام دیئے تھے اس لئے ہمایوں نے علی قلی خاں کو علاقہ سنبھل اور قنوج کی حکومت عطا کی اور وہ اسکے انتظام مہمات میں مصروف ہوا اور اودھ کی سمت بڑھکر افغانوں کے سرداروں کو گرفتار کرکے قید کیا اور جونپور تک اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔

اکبر بادشاہ کی تخت نشینی

سنہ ١٥٣٩ء / ٩٦٣ھ میں جب ہمایوں بادشاہ نے کوٹھے سے گر کر انتقال کیا تو اس کا لڑکا جلال الدین محمد اکبر بعمر بارہ سال تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اسی اثنا میں اودھ کے آس پاس کے کوتہ اندیش افغانوں نے عدلی خاں پسر مبارک خاں کو شیر خاں کا لقب دیکر اپنا سردار بنالیا اور عدلی ایک کثیر فوج لیکر علی قلی خاں کے مقابلہ

؎ دربار اکبری۔ فرشتہ

کیلئے جونپور کی طرف روانہ ہوا۔

سکندر عدلی کا جونپور پر حملہ

سکندر عدلی بیس ہزار سوار اور پچاس ہزار پیادہ اور پانچ سو جنگی ہاتھیوں کے ساتھ جونپور پہ حملہ آور ہوا۔ علی قلی خاں نے قلعہ کو فوجوں کی تعیناتی سے مستحکم کیا اور مجنوں خاں، ابراہیم خاں اور اپنے بھائی بہادر خاں کو سرحدوں پر مسلح کرکے مامور کردیا۔ جب عدلی کا لشکر دریائے گومتی کے کنارے پہونچا تو جنگ شروع ہوگئی۔ تین دن مسلسل جنگ جاری رہنے کے بعد عدلی اور سرمست خاں وغیرہ نے دریائے گومتی کو پار کرلیا اور مع افواج کے حسین شاہ شرقی کی تعمیر کردہ جامع مسجد کی طرف بڑھے اور داہنی جانب یعقوب خاں نے ایک کثیر جماعت کے ساتھ مقام لعل دروازہ میں قیام کیا۔ اور حسن خاں و آدم خاں نے چیدہ چیدہ سرداروں کے ہمراہ بائیں جانب بند شیخ پھول میں قیام کیا اور خان زماں علی قلی خاں بھی مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔ [۱]

ابھی تک کی جھڑپوں میں خان زماں کا لشکر کمزور ثابت ہوا تھا اس لئے عدلی اور اسکے ساتھیوں کی ہمتیں بڑھی ہوئی تھیں اور جونپور کی فتح کا خواب دیکھ رہے تھے۔ جنگ شروع ہوتے ہی علی قلی خاں کے جانبازوں نے اپنی قلت اور غنیم کی کثرت کا خیال کئے بغیر ہر طرف سے شیرانہ حملے شروع کردیے۔ اپنے بہادروں کو مصروف کارزار دیکھکر علی قلی خاں بھی تیر و تفنگ کی ایک جماعت لیکر دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ اتنے میں افغانوں کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور ہزیمت کھا کر بہار کی طرف بھاگ نکلے۔ علی قلی خاں کے بہادروں نے بہار تک انکا تعاقب

---

[۱] دربار اکبری۔ فرشتہ۔ جونپور نامہ

کیا اور بے شمار دولت، ہاتھی، گھوڑے اور رسد دشمنوں سے چھین لی۔

خان زماں علی قلی خاں نے اس فتح میں حاصل کیا ہوا مال غنیمت اکبر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور الطاف خسروانہ سے سرفراز کئے گئے۔

علی قلی خاں کی بغاوت

سنہ ۱۵۴۴ء ۹۶۸ھ میں اکبر بادشاہ کو خان زماں علی قلی خاں کی بغاوت کی خبر پہونچائی گئی کہ سکندر عدلی کی جنگ میں حاصل کیا ہوا مال غنیمت اور خاص چیزیں حضور تک نہیں پہنچائی گئیں۔ جہاں پناہ منعم خاں خانخاناں اور خواجہ جہاں اور دیگر سرداران لشکر کے ساتھ بلاد شرقی کی طرف روانہ ہوگئے اور دریائے گنگا کے کنارے بمقام کرٹہ ضلع الہ آباد خیمہ زن ہوئے۔ خاں زماں علی قلی خاں کو جب جہاں پناہ کے آنے کی خبر ہوئی تو فوراً استقبال کے لئے روانہ ہوگیا اور کرٹہ میں جہاں پناہ سے شرف باریابی حاصل کرکے تحائف واشیائے نفیسہ نذر گزرانی۔ جہاں پناہ نے از راہ شفقت علی قلی خاں کو عنایت خسروانہ سے سرفراز کیا۔ اور تمام علاقے بدستور باقی رکھے۔[۱]

علی قلی خاں کی دوسری بغاوت

سنہ ۱۵۴۷ء ۹۷۱ھ میں بادشاہ کو یہ خبر ملی کہ سکندر خاں ازبک حاکم اودھ اور ابراہیم خاں ازبک والی لکھنؤ نے علم بغاوت بلند کیا ہے اور علی قلی خاں اور بہادر خاں اس گروہ کے سردار ہوگئے ہیں۔ آصف خاں ہروی بھی ان لوگوں کا ساتھ دے رہا ہے اور تیس ہزار فوج اکٹھا کرکے یہ گروہ اطراف اودھ اور جونپور پر قبضہ کرتا جارہا ہے۔" جہاں پناہ فوراً شکار کا بہانہ کرکے روانہ ہوگئے۔ اور

---

[۱] فرشتہ۔ دربار اکبری۔

اشرف خاں منشی کو سکندر خاں اُذبک کے پاس اور لشکر خاں بخشی کو آصف خاں کے پاس روانہ کیا کہ اس گروہ کو راہ راست پر لائیں ۔ انلوگوں نے کوششیں کیں مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی ۔ آخر میں بادشاہ نے شاہم خاں جلائر، شاہ بداغ خاں اور محمد امین خاں دیوانہ کو سکندر خاں اور ابراہیم خاں کی تادیب کے واسطے روانہ کیا ۔ مگر بہادر خاں برادر علی قلی خاں نے ان لوگوں کو جنگ کر کے مار بھگایا ۔ اب بادشاہ نے منعم خاں خانخاناں کو روانہ کیا اور ۱۵۴۹ء ۹۷۳ھ کو خود بھی اس سمت روانہ ہوئے ۔ ؎

سب سے پہلے لکھنوتی میں سکندر خاں اذبک پر حملہ کیا ۔ سکندر خاں بھاگ کر علی قلی خاں کے پاس پہنچا ۔ بہادر خاں اور علی قلی خاں بادشاہ کے آنے کی خبر سن کر دریائے گنگ کے پار اُتر گئے اور بادشاہ جونپور میں تشریف لائے ۔ آصف خاں نے بغاوت سے عاجز آکر اطاعت کی اور ۵ ہزار سوار لیکر نرھن گھاٹ پر بہادر خاں اور علی قلی خاں کے لشکر کے مقابل ہوا ۔ بادشاہ کو شبہہ ہوا کہ آصف خاں دونوں بھائیوں سے مل گیا ہے اسلئے منعم خاں کو لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا ۔ علی قلی خاں نے یہ دیکھ کر منعم خاں کو اپنا وکیل بنا کر اپنی والدہ کو بادشاہ کے حضور میں بھیجا کہ بیٹوں کی خطا معاف کرائیں مگر میر معز الملک نے قبول نہ کیا ۔ سکندر خاں اذبک کو کہ علی قلی خاں کی والدہ کے ہمراہ آیا تھا مفرور کر کے بہت سا سامان اسکی فوج کا لوٹ لیا اور اسکی فوج کے بہت سے آدمی قتل بھی کئے ۔ بہادر خاں ضبط نہ کر سکا اس نے میر معز الملک کی فوج کو ایک ہی حملہ میں تہس نہس کر دیا ۔ معز الملک قنوج بھاگا اور بہادر خاں کے ہاتھ بہت

؎ فرشتہ ۔ دربار اکبری ۔ گزٹیر جونپور

سی دولت آئی۔ دوسرے دن بادشاہ نے علی قلی خاں کی والدہ کو معاف کردیا۔ مگر سکندر خاں ازبک کے مشورے سے علی قلی خاں غازی پور میں آیا اور وہاں قبضہ کرلیا۔ بادشاہ نے یہ خبر سنکر اشرف خاں کو روانہ کیا کہ علی قلی خاں کی والدہ کو پھر قید کرلے اور خود علی قلی خاں کی خبر لینے غازی پور کو روانہ ہوئے علی قلی خاں آمد کی خبر سن کر پہاڑی علاقوں کی طرف جا نکلا۔ اور بہادر خاں رات میں جونپور آیا اور زینہ لگاکر قلعہ میں گھس گیا۔ والدہ کو ہمراہ لیا اور قلعہ میں آگ لگاکر اشرف خاں کو قید کرکے سئی جلال پور کا پل تباہ کرتا ہوا بنارس چلا گیا اور بادشاہ پھر جونپور واپس چلے آئے [لہ]

علی قلی خاں نے ۹۸۹ھ ۱۵۶۵ء میں بادشاہ سے پھر معافی چاہی اور بادشاہ نے قصور معاف کردیا اور جاگیریں بحال کردیں۔ اور دونوں بھائی باطمینان رہنے لگے۔ ایک مکان عالیشان کی بنیاد ڈالی اور کافی حصہ مکمل ہو چکا تھا مگر آخر میں ناتمام ہی رہ گیا۔

اسی زمانے میں سلطان اشرف خاں دریا عبور کرکے بحیثیت تماشائی جونپور پہنچا اور موقع پاکر چنار، اور بنارس پر قبضہ کرلیا۔ علی قلی خاں نے اسکی نیت کا پتہ لگالیا اور دریا طے کرکے محمد آباد پہونچا اور سامان نوادر اور قیمتی کو جونپور اور غازی پور روانہ کردیا۔

جب اکبر بادشاہ علی قلی خاں کے عفو جرائم کے بعد دارالخلافہ کو روانہ ہوا تو مہدی قاسم خاں کو ۴ ہزار سوار دیکر بھیجا کہ وہ گڈھ پہونچکر آصف خاں ہروی سے گڈھ کا علاقہ حاصل کرلے۔ آصف خاں بہت پریشان ہوا مگر علی قلی خاں نے

[لہ] تاریخ فرشتہ

اسے پناہ دیدی - ۶ ماہ بعد علی قلی خاں اور آصف خاں میں نا چاقی ہوگئی اور آصف خاں نے اپنے بھائی وزیر خاں کی معاونت سے پھر گڈھ کی طرف رخ کیا مگر بہادر خاں نے تعاقب کر کے اسے زخمی کر دیا اور گرفتار کر کے قید کر لیا۔ مگر وزیر خاں نے بہادر خاں کے سپاہیوں پر حملہ کر کے اپنے زخمی بھائی کو چھڑالیا اور آخر میں وزیر خاں کو بادشاہ نے معاف کر کے پنجہزاری عہدہ دیا۔

۱۵۶۷ء میں علی قلی خاں اور بہادر خاں نے حکیم مرزا کو بادشاہ بنا کر اسکی شاہی کا اعلان کر دیا۔ بادشاہ اسوقت لاہور میں تھا۔ مگر کچھ امرا اور سرداروں نے بادشاہ کو حکیم مرزا کی شاہی کی اطلاع دیدی۔ جب علی قلی خاں کو اطلاع ہوئی کہ یہ خبر دارالخلافہ دہلی پہونچ گئی ہے تو سکندر کو اپنا ہمخیال بنالیا اور قنوج، اودھ اور دوسرے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

علی قلی خاں کی تیسری بغاوت

جب اکبر بادشاہ کو علی قلی خاں کے باغی ہونے کی اطلاع ہوئی تو لاہور سے فوراً آگرہ آئے اور ۲ ہزار فیل اور بے شمار لشکر لے کر جونپور کی طرف روانہ ہوئے۔ علی قلی خاں بادشاہ کی اچانک آمد سے گھبرا کر کڑہ مانک پور کے قلعہ میں بہادر خاں کے پاس پہونچا۔ بادشاہ نے علی قلی خاں کا تعاقب کیا اور رات کی تاریکی میں دریائے گنگا کے گھاٹ پر ڈیرہ ڈالدیا اور خود ہاتھی پر سوار ہو کر مع چند سرداروں کے دریا کو عبور کر لیا۔ اکثر امرا و سرداروں نے رات کو دریا عبور کرنے سے منع کیا مگر تائید ایزدی تھی پایاب دریا بہت آسانی سے عبور ہو گیا۔ اور علی الصباح علی قلی خاں کے لشکر میں پہونچے۔ تو

تاریخ فرشتہ - دربار اکبری

علی قلی خاں مع اپنے احباب کے محفل رقص و سرود اور شغل مے نوشی میں مبتلا تھا بادشاہ کے ایک خادم نے آگے بڑھ کے کہا "غافلو! بادشاہ جہاں پناہ سر پر تشریف رکھتے ہیں۔" مگر اس محفل نے اسے مذاق سمجھا۔ بادشاہ نے یہ سماں دیکھکر اعلان جنگ کر دیا۔ جب نقارہ شاہی پر چوب پڑی تو بخت خفتہ بیدار ہوا اور اپنی اپنی جانوں کی مدافعت میں مصروف ہو گئے۔

غرہ ذی الحجہ یوم دوشنبہ بوقت دوپہر ۹۷۴ھ ۱۵۵۰ء کو آتش جنگ مشتعل ہوگئی سب سے پہلا حملہ باباخاں قاقشال نے کیا اور علی قلی خاں کی فوج میں در آیا مگر بہادر خاں نے باباخان کے حملہ کو پسپا کر کے مجنوں خاں کی فوج کی طرف دھکیل دیا اور پھر مجنوں خاں کی فوج پر حملہ آور ہوا اور آن واحد میں دونوں فوجوں کو زیر و زبر کر کے چاہتا تھا کہ قلب میں فوج شاہی پر حملہ کر دے مگر ایک شاہی خاص دستہ نے حملہ کو روکا اور میرزا عزیز کوکہ کو ہاتھی سے اُتار کر گھوڑے پر بیٹھا کر آگے بڑھایا اور دار ہونے لگے۔ بہادر خاں کا گھوڑا تیر کھا کر لنگڑا ہوا اور بہادر خاں پیدل ہو گیا اور جنگ میں مصروف ہو گیا کہ اتنے میں اکبر بادشاہ نے فیلوں کا ایک ریلا علی قلی خاں کی فوج کی طرف دوڑانے کو تیار کر لیا۔ پہلے ہیرآنند ہاتھی کو علی قلی خاں کے ردّ دیانہ ہاتھی کے مقابلہ میں بھیجا۔ ردّ دیانہ پہلی ہی ٹکر میں الجھ گیا۔ پھر کئی ہاتھیوں کا ایک ریلا دوڑا دیا۔ بہت سے سپاہی علی قلی خاں کے اور علی قلی خاں خود بھی ریلے سے ہلاک ہو گیا اور بہادر خاں زندہ گرفتار ہو گیا۔ دونوں کا سر کاٹ کر آگرہ۔ دہلی اور لاہور بھیجکر تشہیر کیگئی اور جس مقام پر جنگ واقع ہوئی اس کا نام سکراول

تاریخ فرشتہ۔ دربار اکبری۔

ہے جوالہ آباد کے قریب ہے اسکا نام اکبر بادشاہ نے فتحپور رکھا۔ اس فتح کے بعد بادشاہ بنارس ہوتا ہوا جونپور میں داخل ہوا۔ اور شہاب خاں بھی حراست میں جونپور لائے گئے۔ بادشاہ نے جونپور میں قیام کر کے رعایا کو تسلی دی۔ شہر کے حالات درست کئے۔ جو خانماں برباد تھے ان کو آباد کیا اور جونپور میں پھر رونق پیدا ہوگئی۔ اکبر بادشاہ نے علی قلی خاں کی تمام جاگیر بنارس، جونپور، غازی پور اور دریائے چوسنہ تک کا علاقہ منعم خاں خانخاناں کے سپرد کیا اور معصوم خاں اور انکے نائب فہیم خاں غلام کو حاکم بنا دیا۔ زمانیہ سے رشید خاں کو حراست میں لیکر قاسم خاں گماشتہ منعم خاں کے حوالے کیا اور خود دہلی کو مراجعت فرمائی۔

جونپور میں منعم خاں کی حکومت

اب جونپور میں منعم خاں خانخاناں کی حکومت قائم ہوگئی۔ منعم خاں نے جونپور میں کئی مسجدیں اور صوبیداروں کے قیام کے لئے ایک محل مع باغ تعمیر کرایا جو پل گومتی کے قریب تھا۔ قلعہ کے دروازہ کی مرمت کرائی۔ قلعہ کے باہر عدالت قائم کی اور شہر میں بہت سی نئی سڑکیں تعمیر کرائیں۔

سکندر خاں، علی قلی خاں کے قتل ہو جانے کے بعد سے اودھ کے اطراف میں زندگی گذار رہا تھا۔ ۱۵۷۰ء میں منعم خاں خانخاناں نے سکندر خاں کو پیغام بھیجا کہ وہ حاضر ہو تاکہ اُسے فتحپور سیکری لیجاکر بادشاہ سے خطا معاف کرائی جائے اور پھر اُسے لکھنؤ کا حاکم بنا دیا جائے۔ مگر سکندر نے منعم خاں کے مشورہ پر اعتماد نہ کیا اور خود کردہ تدبیر کی بدولت موت کے منہ میں چلا گیا۔

بنگال کی بغاوت

اب منعم خاں خانخاناں بنگال کی طرف روانہ ہوا وہاں داؤد خاں کیرانی افغان حاجی پور پٹنہ میں

گزیٹر جونپور۔ فرشتہ

مقیم تھا اور پورے بنگال میں بغاوت کر رکھی تھی اور بنگال تا اڑیسہ کی بادشاہی کا اعلان کر چکا تھا۔ خان زماں کا بنوایا ہوا پٹنہ میں قلعہ بھی مسمار کر چکا تھا۔ منعم خاں خانخاناں نے ۱۵۷۳ء میں داؤد خاں کیرانی پر حملہ کر دیا۔ داؤد کیرانی نے تاب مقابلہ نہ لا کر پٹنہ کے شکستہ قلعہ میں پناہ لی اور دوسرے سال اکبر بادشاہ بھی بنگال کے لئے روانہ ہو گیا۔

اس سفر میں بادشاہ دریا کے راستہ سے آیا تھا اور ساتھ میں تمام اہل و عیال اور شاہی حرم بھی تھے۔ کشتیوں کی تعداد ایک ہزار تھی جس پر رنگ برنگ کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ ابھی اکبر بادشاہ کا قافلہ جونپور میں داخل ہوا تھا کہ یحییٰ پور میں خانخاناں کا ایک ہرکارہ حاضر ہوا جس نے اطلاع دی کہ "آپ فوراً پٹنہ پہونچ جائیے۔ داؤد خاں کیرانی کے پاس افغانوں کی تازہ کمک آگئی ہے اور مشرقی اضلاع پر پھر اسکا قبضہ ہوا چاہتا ہے۔"

ہرکارہ سے اطلاع پانے پر بادشاہ نے بیوی بچوں کو جونپور میں چھوڑا اور فوراً بنگال کی طرف روانہ ہو گیا۔ پٹنہ پہونچتے ہی داؤد خاں کیرانی کو شکست دی اور منعم خاں کو پورا بہار اور بنگال سپرد کر کے جونپور واپس چلا آیا۔ اس بار اکبر بادشاہ نے جونپور میں ایک ماہ قیام کیا اور چنار۔ بنارس کی ہر جگہ تفریحاً سیر کرتا رہا۔ شیخ ابراہیم سکری اور میرزا میرک رضوی بھی ہمراہ تھے جو خان زماں کے وکیل خاص تھے۔

۱۵۷۶ء میں اکبر کو ایک غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ منعم خاں خان خاناں کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ خاں جہاں حسین خاں قلی کو

گزیٹر جونپور۔ تاریخ فرشتہ۔ دربار اکبری۔

حاکم بنا کر مامور کر دیا گیا۔ مگر ۱۵۷۹ء میں ان کا بھی انتقال ہو گیا اور مظفر خاں انکی جگہ حاکم ہوا۔ مگر مظفر خاں بھی ۱۵۸۰ء کی بغاوت میں مارا گیا اور راجہ ٹوڈرمل کو حالات پر قابو پانے کے لئے بھیجا گیا اور ان کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے ساتھ معصوم خاں فاران عذی کو بھی لیجائیں جو اس وقت جونپور میں صوبہ دار تھے۔ اور تین ہزار گھوڑے سوار بھی ساتھ لیجانے کا حکم ہوا۔

معصوم خاں کی نیت مشکوک تھی جسکا ظہور فوراً ہو گیا۔ جس زمانے میں اکبر بادشاہ لاہور میں تھے علی قلی خاں اور بہادر خاں نے سکندر کو اپنا ہمخیال بنا کر مرزا محمد حکیم کو جونپور کا بادشاہ بنا کر اعلان کر دیا تھا اس وقت محمد معصوم خاں بھی ان کے ساتھ تھے۔ ٹارزن خاں قلعہ کے فوجدار کو مار بھگا کر جونپور پر قبضہ کر لیا تھا، مگر بعد سر کرنے اس مہم کے بادشاہ نے معاف کر کے اودھ کا علاقہ جاگیر میں دیکر ٹارزن کو پھر جونپور کی قلعہ داری عنایت کی تھی۔ اس پرانی چال چلن نے معصوم خاں کی طرف سے بادشاہ کے دل میں شک پیدا کر دیا اور بجائے ان کے شہباز خاں بھیجا گیا۔

جنگ سلطان پور

۱۵۸۱ء میں شہباز خاں نے ایک کثیر فوج کیساتھ معصوم خاں پر حملہ کر دیا۔ معصوم خاں کے پاس بھی اعلیٰ تربیت یافتہ افغان تھے جنھوں نے شہباز خاں کی فوج کے چھکے چھڑا دیے اور شہباز خاں کو شکست ہوئی۔ مگر ٹارزن خاں فوراً مورچے پر پہنچا اور بغاوت کو آسانی سے فرو کر دیا۔ اسکے بعد ایک بار پھر معصوم خاں نے جونپور پر حملہ کیا، مگر اس بار جونپور کے جاگیرداروں نے ہی مل کر اس کو پیچھے بھگا دیا۔ ۱۵۸۴ء میں

گزیٹر جونپور

ٹارزن کا انتقال ہوگیا اور ۱۵۹۰ء تک جونپور میں کوئی صوبیدار مقرر نہ ہوا۔ اسی زمانے میں عبدالرحیم خانخاناں کو ایک سال کے لئے جونپور میں قیام کرنے کا حکم ہوا مگر عبدالرحیم کسی وجہ سے جونپور نہ آسکے اور جونپور کی حالت بیحد ابتر ہوگئی۔ اکبر بادشاہ نے شرقی پایۂ تخت کو بجائے جونپور کے الہ آباد منتقل کردیا اور جونپور کے بیشتر عمائدین اور جاگیرداروں کو الہ آباد بسانے کی غرض سے روانہ کیا۔ قلیچ خاں جو نہایت ہوشیار اور قابل شخص تھے انھیں جونپور بھیجدیا گیا اور وہ ۱۵۹۴ء تک جونپور میں رہے۔ ان کے بعد مرزا یوسف خاں جونپور بھیجے گئے جو اکبر کے خاص لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ اور تین ۳ سال تک جونپور مقیم رہے۔

جب دارالخلافہ جونپور سے الہ آباد منتقل ہوگیا تو جونپور کو سرکار کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اس وقت سرکار جونپور میں بہت سے اور علاقے جو اب سلطانپور اور اعظم گڈھ وغیرہ میں ملادیے گئے ہیں شامل تھے اور موجودہ رقبہ سے سرکار جونپور کا رقبہ زیادہ تھا۔

سرکار جونپور میں ۴۱ پرگنے یا محلے شامل تھے جس میں سے بعد کو ستائیس ۲۷ پرگنے نکال کر کچھ اودھ اور کچھ بنارس ضلع میں ملادیے گئے۔ ان پرگنوں کی صحیح حدود کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ بہت سی تبدیلیاں ہوگئی ہیں۔ مگر اتنا اب بھی کہا جاسکتا ہے کہ پرگنہ انگلی کا کچھ حصہ لیکر اعظم گڈھ کا پرگنہ ماہل بنایا گیا ہے۔ پرگنہ چاندہ میں ضلع سلطانپور کا کچھ حصہ شامل ہے۔

جونپور کے اہم پرگنوں کی تفصیل

(۱) **ٹوئن محل جونپور حویلی** :- یہ پرگنہ شہر جونپور سے ملا ہوا ہے۔ اس کے دیہاتوں میں کوشک راجپوت - برہمن اور گرمی آباد تھے۔ کوشک راجپوت اب بلیا میں زیادہ آباد ہیں۔ مزروعہ زمین ۶۵۷۳۹ بیگھہ اور مالگذاری ۴۲ لاکھ ۷۴ ہزار ۳۴ دام تھی اور فوج میں ۱۲۰ گھوڑے اور ڈھائی ہزار پیدل سپاہی تھے

(۲) **ظفر آباد** :- یہاں انگلی کے بعد راجپوتوں کی دوسرے نمبر پر آبادی تھی راجپوت کے علاوہ سادات اور رحمت الٰہی فرقے کے لوگ بھی آباد تھے۔ یہ فرقہ بعد میں شیخ بن گیا۔ مزروعہ زمین ۲۸۲۲ بیگھہ مالگذاری ۱۵۶۹۲۶ دام۔

(۳) **ہڑیاہو** :- یہاں کوشک راجپوت آباد تھے جو زمیندار بھی تھے مگر حویلی اور گرداوہ میں بچگوتی راجپوت بھی آباد تھے۔ یہاں اینٹوں کا ایک قلعہ بھی تھا۔ مزروعہ زمین ۸۸۹۹ بیگھہ مالگذاری ۵۲۸۹۴۵ دام تھی
۵۰ سوار اور ۲۰۰۰ سپاہی تھے۔

(۴) **راری** :- مزروعہ زمین ۲۴۳۶۰ بیگھہ مالگذاری ۱۲۶۲۲۹ دام
۱۰ سوار اور ۳۰۰ سپاہی۔

(۵) **انگلی** :- مزروعہ زمین ۳۲۹۹۴ بیگھہ مالگذاری ۲۷۱۳۵۵۱ دام
۵۰ سوار ۲۰۰۰ سپاہی۔

(۶) **گھسوہ** :- مزروعہ زمین ۳۰۷۷۵ بیگھہ مالگذاری ۱۲۴۱۲۹۱ دام
۱۰ سوار ۲۰۰ سپاہی۔

۱؎ گزیٹر جونپور۔ ۲؎ یہ فرقہ جونپور میں شرقی دور میں پیدا ہوا اور مغلیہ دور میں ختم ہوگیا

(۷) مونگرہ :۔ مزروعہ زمین ۹۶۲۶ بگیہ مالگذاری ۵۲۹۷۳۰ دام
۲۰۰ سپاہی ۔
(۸) گرواڑہ :۔ مزروعہ زمین ۲۱۹۱ بگیہ مالگذاری ۵۱۳۹۴۲ دام
۵۰ سوار ۵۰۰۰ سپاہی ۔
(۹) کراکت :۔ مزروعہ زمین ۸۳۳۳ بگیہ ۔ مالگذاری ۲۳۰۲۷۴۸ دام
۲۰ سوار ۵۰۰ سپاہی ۔
(۱۰) گوپالپور :۔ مزروعہ زمین ۳۲۶۶ بگیہ مالگذاری ۱۸۰۴۰۳ دام
۱۰۰ سپاہی ۔
(۱۱) چاندا :۔ مزروعہ زمین ۱۷۵۹۰ بگیہ ۔ مالگذاری ۹۸۹۲۸۶ دام
۲۰ سوار ۳۰۰ سپاہی ۔
(۱۲) قریات سونتھا :۔ مزروعہ زمین ۲۹۸۹ بگیہ مالگذاری ۲۰۶۷۵۳
دام ۱۰۰ سپاہی
یہی فوج قریات دوست اور قریات مینڈھا دونوں کو سنبھالتی تھی ۔
(۱۳) قریات دوست :۔ مزروعہ زمین ۸۸۵۷ بگیہ مالگذاری ۴۸۱۵۲۴ دام
(۱۴) قریات مینڈھا :۔ مزروعہ زمین ۷۴۱۶ بگیہ مالگذاری ۳۹۴۸۷۰ دام
(۱۵) بیاکسی :۔ مزروعہ زمین ۶۹۶۱ بگیہ ۔ مالگذاری ۵۴۷۶۳۴ دام
۲۰ سوار ۳۰۰ سپاہی
بیاکسی پرگنہ کا حاکم بنارس کا برہمن ہوا کرتا تھا ۔

مذکورہ بالا نقشہ تغلق اور شرقی سلاطین کے اصول پر اکبر بادشاہ کے عہد تک قدرے تبدیلیوں کے ساتھ جاری رہا ۔ انگریزوں کے زمانے میں مزروعہ زمین کی جملہ میزان ۲ لاکھ ۲۶ ہزار ۷ سو ساڑھ ایکڑ تھی جس کی سرکاری مالگذاری

۵ لاکھ ۲۸ ہزار ۳۵ روپیہ سکہ انگریزی تھی۔ اگر اس رقم میں فوج کا خرچ بھی شامل کر دیا جائے تو جملہ میزان ۵ لاکھ ۴۷ ہزار ۲ سو ستّر روپیہ ہوتی ہے اور اس طرح فی ایکڑ ۲ روپیہ مالگذاری پڑتی ہے۔ مگر اکبر کے عہد کے روپیہ کی قیمت انگریزی روپیہ سے ۴ گنا زیادہ تھی اسلئے اکبری دور کی مالگذاری آٹھ آنہ فی ایکڑ کے حساب سے سمجھنا چاہیئے۔

اکبر بادشاہ کے عہد میں زمین اور اسکی پیداوار کے لحاظ سے مالگذاری مقرر کی گئی تھی اور وہ مالگذاری ہمیشہ نقد وصول کی جاتی تھی۔

ابراہیم شاہ شرقی سے حسین شاہ شرقی تک ۵ قسم کے سونے کے سکّے چلتے تھے اور ۳ یا ۴ قسم کے چاندی اور تانبے کے سکّے تھے جو دہلی کے سکّوں کے برابر قیمت رکھتے تھے۔ محمود شاہ کے عہد میں چاندی کے سکے جاری ہوئے مگر بہت کمی کے ساتھ۔ بابر نے جو سکہ جاری کیا تھا وہ شرقی سکّوں سے مختلف تھا اور اس پر جونپور بھی لکھا تھا۔

اکبر بادشاہ نے یہاں دام جاری کیا جو چوکور اور گول دونوں طرح کے تھے۔ اکبری عہد تک جونپور میں اسلامی سلطنت کی کچھ شان نظر آئی مگر اکبر کے انتقال کے بعد جونپور میں زوال شروع ہو گیا۔

جونپور میں اسلامی سلطنت کا زوال

اکبر کے انتقال کے بعد صوبے تقسیم ہو کر ناظموں کے ہاتھ میں دیدیے گئے۔ ناظموں کا کام یہ تھا کہ مالگذاری وصول کریں اور اسے بحفاظت صوبہ دار یا فوجدار کے پاس الہ آباد روانہ کر دیا کریں۔ ان ناظموں

گزیٹر جونپور

میں دو ناظم بہت بڑے جاگیر دار تھے (۱) مرزا چین قلیچ اور (۲) جہانگیر قلی خاں۔ مرزا چین کے والد قلیچ خاں اور جہانگیر قلی خاں کے والد خانِ اعظم مرزا کوکہ تھے۔ یہ دونوں ناظم جاگیر دار جہانگیر کے عہد تک قائم رہے

سنہ ۱۶۲۴ء میں جب شاہجہاں نے بنگال میں علم بغاوت بلند کیا اور جونپور سے الہ آباد جا رہا تھا تو جہانگیر نے خانِ اعظم مرزا کوکہ کو شہزادے کو روکنے کے لئے ہدایت کی مگر مرزا کوکہ روک نہیں سکے اسکی پاداش میں مرزا کوکہ نوکری سے برطرف کر کے علاقہ گجرات بھیجدیے گئے۔

سنہ ۱۶۵۰ء میں جونپور میں پھر ایک بغاوت رونما ہوئی۔ شہزادہ شجاع جو اورنگ زیب سے برسرپیکار تھا اس نے ایک فوج جونپور کی طرف بھیجکر فوجدار کو قلعہ سے نکال کر قبضہ کر لیا۔ اورنگ زیب اس خبر کو پاتے ہی فوراً جونپور میں داخل ہوا اور باغی عناصر کا استیصال کلی کر کے شہر میں امن قائم کر دیا۔ اور کچھ عرصہ تک جونپور میں قیام کر کے مسجدوں کو پھر سے آراستہ کیا اور سنہ ۱۶۸۵ء میں اس نے ایک نیا بندوبست جاری کیا جس سے لوگ خوشحال ہو گئے مگر اس بندوبست کی نقل دستیاب نہیں ہے۔

اکبر بادشاہ کے انتقال کے ۴ سال بعد جونپور سرکار کے ۲۱ محلے اعظمگڈھ میں شامل کر دیے گئے تھے جسکا مالک راجہ جہانگیر تھا۔

سنہ ۱۷۱۹ء میں ایک واقعہ پھر پیش آیا۔ وہ یہ کہ محمد شاہ بادشاہ دہلی نے جونپور۔ بنارس۔ چنار اور غازی پور کے علاقے نواب میر مرتضیٰ خاں کو دیدیے اور یہ علاقے الہ آباد کے ماتحت ہو گئے مگر برہان الملک نواب سعادت علیخاں نے

گزیٹر جونپور

سنہ ۱۷۲۷ء میں اودھ پر قابض ہونے سے ۵ سال قبل ہی ان چاروں سرکاروں کو نواب میر مرتضیٰ خاں سے اس شرط پر لے لیا تھا کہ ۷ لاکھ روپیہ سالانہ میر مرتضیٰ خاں کو ملتا رہے گا اور یہ علاقہ ۸ لاکھ سالانہ پر میر رستم علی کو لکھ دیا تھا
میر رستم علی نے تحصیل گنگا پور بنارس کے ایک بھومہار برہمن منسارام نامی کو نوکر رکھا کہ علاقہ کے کاروبار کو سنبھالے۔ منسارام نے اپنی قابلیت کے زور پر تمام علاقوں پر کنٹرول کر لیا اور نواب کی خدمت کر کے ۳ سرکار کے بدلے میں ۱۳ لاکھ روپیہ وصول کرایا۔

سنہ ۱۷۳۷ء میں نواب سعادت علی خاں نے اودھ کو نواب صفدر جنگ کے حوالے کر دیا اور خود دہلی چلا گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کیلئے میر رستم علی نے نواب صفدر جنگ سے ملاقات کی اور چاہا کہ نواب سعادت علیخاں کے قبضے سے علاقے نکال لئے جائیں۔ اس سلسلہ میں میر رستم علی نے جونپور کے ناظم سے بھی ملاقات کی۔ اس نے کہا منسارام کے اختیار میں سب کچھ ہے بغیر اسکی مدد کے کچھ نہ ہو سکے گا۔ اسکے بعد میر رستم علی نے منسارام کو جونپور بھیجا کہ نواب صفدر جنگ سے بزور حاصل کرے اور اگر بزور حاصل کرنے کی قوت نہ ہو تو لمبے چوڑے تحائف کا لالچ دیکر کام بنا لے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو بجائے آٹھ لاکھ مالگذاری کے ۴ لاکھ سالانہ منظور کرا لے۔ منسارام اپنے اس منصوبے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ غازیپور کا علاقہ شیخ عبداللہ کو دیدیا گیا جو نواب سعادت علی خاں کا خاص آدمی تھا۔ اسی اثنا میں میر رستم علی کو پھر خطرہ پیدا ہوا اور اس نے دوسرا پیغام بھیجا کہ وہ منسارام کو چھوڑ کر بات چیت کرے۔ مگر منسارام نے اپنے کو درمیان سے کٹتے ہوئے دیکھکر جلد ہی

گزیٹر جونپور

۱۳ لاکھ کے وعدے پر تین سرکاریں نواب سے لےلیں اور تین لاکھ پر غازی پور علاقہ شیخ عبداللہ کو پہلے ہی دیا جاچکا تھا اب نواب صفدر جنگ کو ۱۶ لاکھ روپیہ سالانہ ملنے لگا۔

منسا رام ۳ علاقوں کی وصول تحصیل کرنے کے باوجود بھی جونپور کا گورنر نہ بن سکا کیونکہ یہ عہدہ نواب صفدر جنگ نے اپنے قبضہ میں رکھا تھا۔ جب ۱۷۳۹ء میں منسا رام کا انتقال ہوگیا تو تمام سندیں اسکے لڑکے بلونت سنگھ کے نام منتقل کردی گئیں اور وہ اپنے باپ کے فرائض انجام دینے لگا۔

سب سے پہلے بلونت سنگھ نے ایک کثیر رقم اور تحائف دہلی بھیجکر راجہ کا لقب اور اعزاز حاصل کرلیا۔ اور کچھ دنوں نواب کے ایجنٹ مقررہ بنارس کو مالگذاری دیتا رہا اور نواب صفدر جنگ کا رعب وداب بھی قائم رہا مگر جب بلونت سنگھ کو معلوم ہوا کہ نواب سعادت علی خاں دہلی سے کہیں اور چلے گئے تو ۱۷۴۵ء میں بلونت سنگھ نے نواب کے ایجنٹ کو بھگا کر بھدوہی پر قبضہ کرلیا اور مالگذاری دینے سے انکار کر دیا اور علی قلی خاں کو بھی شکست دیدی جو اسوقت الہ آباد میں تعنات تھے۔

دوسرے سال کچھ دنوں کے لئے نواب صفدر جنگ کو فرخ آبادی پٹھانوں سے جنگ کی تیاری میں ادھر اُدھر بھاگے بھاگے رہنا پڑا۔ ان پٹھانوں کا لیڈر احمد خاں بنگش تھا۔ احمد خاں بنگش کی شورش یہانتک بڑھی کہ اس نے اودھ پر قبضہ کرلیا۔ اسی دوران میں نواب صفدر جنگ نے جونپور کے ایک متمول رئیس شیر زماں خاں کی لڑکی سے شادی کرلی تھی اور صاحب زماں خاں اسکے بھتیجہ کو

اسبات پر آمادہ کیا کہ وہ جاکر فیض آباد۔ اعظم گڈھ اور بنارس پر قبضہ کرلے اور ایک کثیر فوج اسکے ساتھ کردی۔ بلونت سنگھ نے نئے سردار کی آمد کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور خط وکتابت شروع ہوگئی۔ جب نئے سردار نے بلونت سنگھ کو کمزور پایا تو اس پر حملہ کردیا۔ بلونت سنگھ جونپور سے فرار کرکے اکبر پور چلا آیا اور یہاں فوجی تیاریاں کرنے لگا اور موقع پاکر جونپور پر حملہ کردیا۔ ۶ گھنٹے کی جنگ کے بعد جونپور کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ ادھر زماں خاں اپنے سرداروں کو جونپور سپرد کرکے نظام آباد چلا آیا۔ بلونت سنگھ نے مڑیاہوں آکر پھر فوجی تیاریاں شروع کردیں اور احمد خاں کے پاس قاصد بھی روانہ کردیا کہ اگر صلح ہوجائے تو بہتر ہے بنگش نے جواب میں کہلایا کہ تم نصف حصے پر قابض رہو باقی چھوڑکر مڑیاہو چلے جاؤ اسوقت نواب صفدر جنگ جونپور کے پوربی علاقوں کی طرف بڑھ رہا تھا تاکہ احمد خاں بنگش کو الہ آباد میں شکست دے سکے۔ ادھر بلونت سنگھ نے شیر زماں خاں کو حکم دیا کہ وہ حال کے مقبوضہ علاقوں کو خالی کردے مگر شیر زماں خاں نے انکار کردیا اور جونپور پر حملہ کردیا۔ دونوں فوجوں کا سیدن پور میں مقابلہ ہوا مگر لڑائی نہیں ہوئی۔ کیونکہ بلونت سنگھ کا سپہ سالار بھی پٹھان تھا۔ دونوں طرف کے سرداروں نے کہا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہیں کرسکتے راجہ پریشان ہوکر شیر زماں خاں کے پاس گیا اور انکو چاندی پور روانہ کردیا۔ اب راجہ کی فوج میں ایک بغاوت پھیل گئی اور شیر زماں خاں چاندی پور سے چڑھ کر اعظم گڈھ میں آگیا اور اسی وقت راجہ نے حکم دیا کہ وہ یہیں رہ کر اپنے اہل وعیال کی دیکھ بھال کیا کرے۔

نواب صفدر جنگ ان حالات کا پتہ لگاکر فوراً آپہنچا اور چاہا کہ راجہ بلونت سنگھ کی گوشمالی کرے مگر بلونت سنگھ فرار ہو کر چنار گڈھ پہونچ گیا اور وہاں سے خط وکتابت شروع کر دی۔ بلونت سنگھ کے خطوط کچھ اس چاپلوسی اور ملائیت سے لکھے گئے تھے کہ نواب صفدر جنگ پانی پانی ہوگیا اور بلونت سنگھ کی غلطیوں کو معاف کر دیا اور ۱۷۵۲ء میں اسے پھر راجہ تسلیم کر لیا اور تمام حقوق عطا کر دیے۔ بلونت سنگھ نے اس نئے اعزاز کی خوشی میں ۲ لاکھ روپیہ سالانہ اضافہ کر کے مالگذاری دینا شروع کی۔ اب بلونت تھوڑے ہی عرصہ میں پھر طاقتور بن گیا اور ان سرداروں کو ڈھونڈنے لگا جو اسکے خلاف ہوگئے تھے اور جسکو پایا اس کی تادیب بھی کی۔

۱۷۵۷ء میں راجہ بلونت سنگھ نے ایک فوج ہمت بہادر کے خلاف بھیجی جو پرگنہ گرداوہ میں موجود تھا۔ فوجوں کے پہونچتے ہی وہ برآری کے کچے قلعے میں جاکر چھپ رہا۔ یہ مقام دریائے سئی کے کنارے واقع ہے۔ راجہ نے وہاں بھی تعاقب کر کے حملہ کر دیا اور ہمت بہادر سنگھ کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ مگر اس کا لڑکا نندن سنگھ راجا کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا اور گنگاپور میں قید کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہیں اسکی موت واقع ہوگئی۔

بلونت سنگھ اس کے بعد مچھلی شہر میں آیا۔ یہاں اسکو معلوم ہوا کہ ہمت بہادر سنگھ نے کافی تیاری کر کے ایک بہت بڑی فوج اکٹھا کر لی ہے۔ اس لئے راجہ نے فوراً صلح کر لی اور اپنے لڑکے بدھ سنگھ کو مامور کر دیا کہ وہ ۸۰ ہزار روپیہ سالانہ مالگذاری وصول کر کے خزانے کو بھیجتا رہے اور جاگیر کا انتظام بھی کرتا رہے۔

گزیٹر جونپور

ابھی ایک دوسرا حریف راجہ بلونت سنگھ کا مچھلی شہر میں قبول محمد بھی تھا جس نے راجہ کے خوف سے اپنے کو قلعہ میں محفوظ کر لیا تھا۔ راجہ میں اور قبول محمد میں خط وکتابت کے ذریعے ملاقات طے ہوئی۔ مگر جیسے ہی قبول محمد راجہ سے ملنے آیا راجہ نے اُسے گرفتار کر لیا اور گنگا پور میں قید کر دیا وہیں قبول محمد کی بھی موت واقع ہوئی اس گرفتاری کی وجہ راجہ نے یہ ظاہر کی کہ قبول محمد نے غلط وعدہ کر کے اُسے دھوکا دیا تھا۔ اسی زمانے میں نواب صفدر جنگ کا انتقال ہو گیا اور نواب شجاع الدولہ اسکا جانشین ہوا۔

نواب شجاع الدولہ بڑے کروفر کا نواب تھا اس نے نظام سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی مفسد عناصر سے علاقہ کو پاک کیا اور ایسا ضبط و نظم قائم کیا جس سے رعایا کافی خوشحال ہو گئی۔ جب راجہ بلونت سنگھ نے نواب شجاع الدولہ کا حال سنا تو اسکی خدمت میں ۵ لاکھ روپیہ سالانہ مالگذاری میں اضافہ کی پیشکش کی کیونکہ اس درمیان میں راجہ بلونت سنگھ نے اپنے علاقہ کو کافی وسیع بھی کر لیا تھا اور غازی پور بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔

سنہ ۱۷۶۱ء میں راجہ بلونت سنگھ کی سلطنت بہت وسیع ہو گئی اور قوت میں بھی کافی اضافہ ہو گیا۔ اسکی پالیسی نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اس نے بڑے بڑے مفسد زمینداروں کو کچل کر رکھدیا اور سب کا علاقہ قبضہ میں کر کے ہر ایک جگہ ایک ایک ڈپٹی مقرر کر دیا۔ اسے ایسا کرنے میں کئی لڑائیاں بھی لڑنا پڑیں۔ مثلاً سنہ ۱۷۶۳ء میں خوشحال سنگھ زمیندار انگلی نے بغاوت شروع کر دی مگر راجہ نے فوراً سر کچل دیا۔ پھر دوسری بغاوت چندولی میں ہوئی جہاں کئی ہارے ہوئے

زمیندار چندولی کے قلعے میں جمع ہوگئے تھے اور راجہ کے خلاف اعلان جنگ کرکے ایک عرصے تک لڑتے رہے۔ آخر کار جونپور سے فوجی امداد پہونچنے پر سب کے سب شکست کھاکر اِدھر اُدھر بھاگ گئے اور انکے قلعہ کو راجہ کے سپاہیوں نے مسمار کرکے خاک کا ڈھیر بنا دیا۔

جونپور پر انگریزی راج

سنہ ۱۷۶۴ء میں جون پور اور بنارس ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں آگیا کیونکہ بکسر کی جنگ میں کمپنی غالب رہی اور مسٹر میری ایٹ Mr. Marriatt ریزیڈنٹ بنا دیے گئے۔ ریزیڈنٹ صاحب نے جملہ انتظام مقامی حکام کے حوالہ کردیا اور اس طرح جونپور کے حالات بہت جلد اعتدال پر آگئے۔

بلونت سنگھ کی موت اسکے بعد بلونت سنگھ بیمار ہوگیا اور اسکے علاقوں کی حالت نہایت ابتر ہونے لگی۔ یہ دیکھکر اکثر زمیندار اپنی اپنی جائدادیں واپس لینے کی فکر میں لگ گئے۔ چنانچہ مچھلی شہر کے فوجدار نے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور بلونت سنگھ کے لڑکے بدھ سنگھ کو مانگرہ میں شکست دیکر قتل کردیا۔ اسی لڑائی میں راجہ کا دوسرا لڑکا بشن سنگھ بھی مارا گیا۔ مگر دوسرے ہی دن راجہ کا تیسرا لڑکا دھن سنگھ جوگروارہ کا انچارج تھا اس نے چڑھائی کرکے فوجدار خاں کو مار بھگایا اور اپنے سرداروں کی مدد سے دشمنوں کا صفایا کر دیا اسکے بعد سنہ ۱۷۷۲ء میں راجہ بلونت سنگھ کا انتقال ہوگیا۔ اور اس کا واقعی حقدار لڑکا چیت سنگھ باپ کا وارث ہوا

گزیٹر جونپور

چیت سنگھ نے سب سے پہلے نواب وزیر کی معرفت صلح کر کے اپنے کو راجہ تسلیم کرالیا اور مالگذاری میں بھی کافی اضافہ کر دیا۔ اس اضافہ مالگذاری کے عوض میں راجہ چیت سنگھ کو اتنا علاقہ ملا کہ جونپور کا بھی کچھ حصہ اس میں آگیا جو نواب شجاع الدولہ کے ماتحت تھا۔ مگر طے یہ ہوا کہ اس علاقہ میں نواب شجاع الدولہ کی فوج جونپور کے قلعہ کے اندر مقیم رہے گی اور شیر علی خاں کوتوال کو قلعہ میں مامور کیا گیا۔ قلعہ کے باہر پھاٹک کے سامنے ایک پتھر اب تک نصب ہے جس پر فارسی زبان میں ایک لمبی چوڑی عبارت کندہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جونپور میں جو لوگ نادار سادات ہیں حاکم جونپور و فوجدار کے لئے لازم ہے کہ رقم وقف شدہ سے ان کی امداد کیا کرے اور ایسا کرنے کے لئے ہندؤں کو اُنکے اور مسلمانوں کو انکے مذہبی پیشوایان کی قسم دیگئی ہے تاکہ وہ اس کام میں غفلت نہ برتیں۔

یہ پتھر اس وقت لگایا گیا تھا جب چیت سنگھ کو راجہ کا خطاب ملا تھا اور جونپور کے کچھ علاقوں کا مالک قرار دیا گیا تھا۔ یہ پتھر شجاع الدولہ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے محمد بشیر حسین خاں کوتوال کی طرف سے نصب کرایا گیا تھا۔

۱۷۷۵ء میں نواب شجاع الدولہ کا انتقال ہو گیا اور نواب آصف الدولہ نے انکی جگہ سنبھالی۔ اسی سال ۲۱ مئی کو صلحنامہ کے مطابق آصف الدولہ کو بنارس کا علاقہ کمپنی کے حوالے کرنا پڑا اور ۱۷۷۶ء میں چیت سنگھ کو پورا علاقہ سپرد کر دیا گیا اور کمپنی سے یہ طے پایا کہ کمپنی کی طرف سے مسٹر فرانسس فوک ریزیڈنٹ نگراں رہیں گے۔ مسٹر فوک زیادہ دن نہ رہ سکے اور ستمبر ۱۷۷۷ء میں انکی جگہ ٹامس گراہم بھیجدیے گئے۔

لے گزیٹر جونپور

لارڈ ہیسٹنگز کے زمانے میں مسٹر ٹامس گراہم کونسل کے ممبر بھی ہو گئے ۱۷۸۱ء میں ولیم مارکھم رزیڈنٹ مقرر ہوئے اور ۲ برس بعد پھر مسٹر ادک ریزیڈنٹ مقرر ہوگئے۔ مگر ۱۷۸۶ء میں استعفا دیدیا اور مسٹر جمیس گرانٹ انکی جگہ پر مامور ہوئے اور انھوں نے بھی ۱۷۸۶ء میں استعفا دیدیا اور ۱۷۸۷ء میں جناتھن ڈنکن نے انکی جگہ سنبھالی۔ اور سرکار انگلشیہ کے حالات روز بروز بہتر ہوتے گئے۔

۱۷۷۹ء میں ایک واقعہ اہم یہ گذرا کہ ایک بنیا مسلمانوں کے ایک مذہبی اور مقدس مقام یعنی **پنجہ شریف** کے پاس ایک مندر بنوانا چاہتا تھا۔ اسی جگہ ایک قدم رسول کی عمارت پہلے سے ہے۔ مسلمانوں نے چاہا کہ بنیئے کو اسکے اس ارادے سے باز رکھیں تاکہ دونوں فریق میں تصادم کا امکان ہی نہ رہے۔ مگر بنیئے کے ساتھ ایک کثیر جماعت تھی جو اُسے ہمت دلا رہی تھی اور اسی لئے مسلمانوں کی روک تھام کارگر نہ ہوسکی۔ مگر جب محرم کا مہینہ آیا تو ہر سال کی طرح مسلمانوں کا بھی اچھا خاصا جماؤ ہوگیا۔ اس دن ہندوؤں کی تعداد کم تھی ان میں سے کچھ ذی اثر لوگ بنارس پہونچے۔ ریزیڈنٹ سے واقعہ بیان کیا اس نے راجہ صاحب کے پاس بھیجدیا۔ راجہ نے ایک افسر کو واقعہ کی تحقیق کیلئے جونپور بھیجا۔ پھر کچھ فوج بھی روانہ کردی کہ دونوں طرف کے شرپسندوں کو دبائے مگر یہ فوج بلوائیوں کو منتشر نہ کرسکی۔ آخر میں راجہ بنارس نے راجہ مانڈا کو لکھا کہ اپنی پوری فوج کے ساتھ جونپور پہونچ جاؤ۔ جب راجہ مانڈہ مع فوج جونپور میں داخل ہوئے تو موقع پر ہلکا سا تصادم ہوکر پورے شہر میں امن بحال ہوچکا تھا۔

سلہ گزیٹر جونپور

۱۷۸۱ء میں سرکار انگلشیہ نے جونپور کا نظم ونسق راجہ بنارس سے لے لیا کیونکہ شہر کی حالت اچھی نہ تھی۔ ۱۷۸۸ء میں ڈنکن صاحب نے جونپور کا معائنہ کیا۔ انھوں نے یہاں کے حالات پر بیحد افسوس کا اظہار کیا۔ جونپور کی شان و شوکت کا زوال اور رعایا کی بدحالی سے بیحد متاثر ہوئے۔ ڈنکن صاحب نے سب سے پہلے معنی کریم اللہ کو جونپور کا پہلا جج اور اضلاع اور مضافات میں مجسٹریٹ مقرر کیا۔ اس عہد کے واقعات عام طور سے کتب تواریخ میں تفصیل سے پائے جاتے ہیں۔

ڈنکنی بندوبست

ڈنکن صاحب نے جونپور کے پورے علاقہ کا بندوبست شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں انھوں نے سب سے پہلے مسٹر جان نیو (JOHN NEAVE) کو اعلیٰ افسر مقرر کیا مگر انکو یہاں پر بیحد زحمتیں برداشت کرنا پڑیں خصوصاً مالگذاری کی وصول تحصیل میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ پہلے نواب کلب علی بیگ اس کام کے لئے مامور تھے مسٹر جان نیو نے کلب علی بیگ کی مدد کے لئے ملٹری میں ملازمت کر لی تاکہ بھنیاؤں کے سب سے زیادہ خودسر زمیندار ٹھاکر شیودیال سنگھ کا مقابلہ کیا جا سکے اور ساتھ ہی ساتھ ان خودسر زمینداروں سے بھی مالگذاری وصول کیجا سکے جو علاقہ اودھ۔ اعظم گڈھ کی سرحدوں پر اپنے قلعوں میں رہتے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ خودسر انگلی اور قریات ہنڈھا کے راجکمار تھے۔ انکے علاوہ ابدھوت سنگھ تعلقہ دار سنگرامئو اور سلطنت سنگھ تعلقدار بدلاپور بھی ان خودسروں کا ساتھ دے رہے تھے۔ ۱ے

ا ے گزیٹر جونپور

ان سب کے علاوہ ایک بدنام تعلقہ دار میوپور ضلع سلطان پور بھی تھا جس نے سبوکی اور بھرسرا پر قبضہ کر رکھا تھا۔ یہی گروہ ایک مستقل بدنظمی کا بانی تھا۔ یہ گروہ نہ تو اودھ کو مالگذاری ادا کرتا تھا اور نہ انگریزوں کو دینے پر تیار تھا جب اس گروہ پر زیادہ زور ڈالا جاتا تھا تو ان میں کا ہر ایک اپنے بجائے دوسرے کو مالک بنا دیتا تھا اور اس طرح مالگذاری ایک عرصے سے رُکی ہوئی پڑی تھی۔

جب یہ حالت تمام علاقے میں پھیل گئی تو سرکار انگلشیہ کی طرف سے ایک زبردست فوج انکی سرکوبی کے لئے بھیجی گئی۔ پہلا رسالہ کیپٹن باوجونیر کے ماتحت روانہ کیا گیا۔ اس سے حسب منشا نتیجہ برآمد ہوا مگر ملک میں بدنظمی اور ابتری بڑھتی گئی۔ ڈنکن صاحب نے پرانا طریقہ عامل والا منسوخ کر کے تعلقہ داروں سے براہ راست مالگذاری ادا کرنے کا اقرار نامہ لکھوالیا۔ اور ۱۷۹۵ء میں مستقل بندوبست کا اعلان کر دیا گیا اور ۱۸۱۸ء تک جونپور میں پھر امن و سکون برقرار ہو گیا۔ ۱۸۵۶ء تک نہ کوئی باغی سر اٹھا سکا اور نہ رعایا بدحالی کا شکار ہوئی۔

غدر ۱۸۵۷ء

۱۸۵۷ء جونپور کے لئے پھر ایک منحوس سال ثابت ہوا جسکی تفصیل آگے ہدیہ ناظرین کی جا رہی ہے۔

غدر شروع ہونے سے پہلے ملک میں امن و سکون ختم ہونے لگا اور زمینداروں میں لاقانونیت پیدا ہو گئی اور رعایا میں آہستہ آہستہ بدنظمی کی وجہ سے گھبراہٹ پیدا ہونے لگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نیلام خریدنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی اور

گزیٹر جونپور

پرانے زمینداروں کی خودسری اور موجودہ زمینداروں کی ادائے مالگذاری کے سلسلے میں بددیانتی ترقی کرنے لگی۔ ایسے زمیندار جن پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا تھا اودھ اور اس کے آس پاس میں پھیلے ہوئے تھے اور سب آپس میں ایک دوسرے سے ساز باز رکھتے تھے اور بعض آپس میں رشتہ دار بھی تھے

جونپور کا نظم ونسق سنبھالنے کے لئے اسوقت جو عملہ تھا اس میں مسٹر ایچ۔ فین (H. FANE) مجسٹریٹ ضلع اور مسٹر کیوپیج (MR. CUPPAGE) جوائنٹ مجسٹریٹ تھے۔ اور فوج کے سلسلے میں صرف ایک دستہ لدھیانہ کے سکھوں کا تھا جو خزانہ کے پہرہ کے لئے رکھا گیا تھا۔ اس دستے کے لفٹننٹ مسٹر مارا (MR. MARA) تھے۔

مئی ۱۸۵۷ء میں جب چاروں طرف غدر کی افواہ پھیلنے لگی تو سرکار انگلشیہ کے افسران کو اطمینان تھا کہ سکھ رجمنٹ اسکی محافظت کے لئے کافی ہے۔ مگر یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوا اور سکھ رجمنٹ ہی غدر کی بانی قرار پائی۔ کیونکہ افواہ سے سکھ رجمنٹ ہی زیادہ متاثر ہوئی۔ اگر غور کیا جائے تو یہ واقعہ درحقیقت خلاف امید اور اتفاقی تھا۔

غدر کی ابتدا | غدر کی ابتدا یوں ہوئی کہ سکھوں کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ بنارس میں سکھ رجمنٹ پر برٹش رجمنٹ نے گولی چلادی اور بہت سے سکھ ضایع ہوگئے اس خبر کا سننا تھا کہ سکھ برانگیختہ ہوگئے اور انھوں نے اسکا بدلہ لینا شروع کردیا سکھوں نے سب سے پہلے یہاں کے انگریز مجسٹریٹ مسٹر مارا اور جوائنٹ مجسٹریٹ مسٹر کیوپیج کو مار ڈالا جبکہ یہ دونوں اپنی جانیں بچانے کے لئے جیل کی طرف

لـہ گزیٹر جونپور

بھاگ رہے تھے۔ اسکے بعد سکھوں نے خزانہ پر چھاپا مارکر پورا خزانہ لوٹ لیا اور خزانے کے ملازم انگریزوں کو جو کچہری میں اکٹھا ہوگئے تھے ہتھیار رکھکر بھاگنے پر مجبور کردیا۔

رائے ہنگن لال کی خدمات

یہ لوگ بھاگ کر کراکت پہونچے جہاں ہنگن لال نے انکو پناہ دی۔ رائے ہنگن لال ایک قدیم ملازم سرکار تھے۔ جب ڈوبھی کے باغی رگھو بنسی زمینداروں کو معلوم ہوا تو چاروں طرف سے آکر انگریز پناہ گزینوں کو محاصرہ میں لے لیا تاکہ اس ہنگامی حالات سے فائدہ اٹھائیں۔ رائے ہنگن لال نے انگریزوں کو جس میں ۱۶ مرد پانچ عورتیں اور اور گیارہ بچے تھے، پسیوا ینل کے کارخانے میں بحفاظت بھیجدیا۔ وہاں سے ۹ رجون کو والنٹیروں کے دستہ کی حفاظت میں بنارس آگئے۔ [۱]

سکھوں کا دستہ جونپور میں لوٹ مار اور غارتگری کا بازار گرم کرنے کے بعد اودھ کی طرف چلا گیا۔ اس دستہ کا غم وغصہ جو ابھی تک صرف انگریزوں ہی تک محدود تھا، ایک مستقل بلوہ کی صورت اختیار کر گیا۔ خزانے پر پوری طور پر لوٹ مار کیگئی اور ساتھ ہی ساتھ ایسی ضعیف العمر اور کمزور عورتوں اور کمسن بچوں کو بھی قتل کر دیا گیا جنھوں نے اپنی زندگی میں روپیہ کی صورت تک نہ دیکھی تھی۔ مشتعل مجمع نے تمام یوروپین بنگلوں کو لوٹ لیا اور آزادانہ طور پر جو چاہا سو کیا ان حالات کو دیکھکر شہر کے چند معززین نے ایک کمیٹی کی تشکیل کی جو اِن حالات کی اصلاح کرے۔ مگر یہ کمیٹی مفید ثابت نہ ہوسکی کیونکہ اسکے ممبروں میں آپس کا مذہبی اختلاف پیدا ہوگیا اور مکمل لاقانونیت اور بدنظمی پھیلی رہی۔ اتنے میں

---

[۱] جونپور گزیٹر

مسٹر فیڈ (MR. FADE) ایک دن کے واسطے بنارس کے معائنہ کے لئے آگئے۔ انھوں نے سب سے پہلے مسرز ساونڈرس میتھیوز اور دیگر کارخانہ داروں کو جو بشالت پور کے مادھو سنگھ کے یہاں پناہ گزین تھے بیجا کر جونپور کے قلعہ میں محفوظ کیا۔

راجہ شیو غلام کے خدمات

مسٹر فیڈ نے راجہ شیو غلام دوبے کو جونپور کا چارج دیدیا اور خود چلے گئے۔ راجہ شیو غلام کے زمانے میں جونپور کی حالت زیادہ قابل اطمینان نہیں ہوئی اور اطراف میں بدستور بدنظمی قائم رہی۔ جو زمیندار اپنی زمینداریوں سے محروم ہو چکے تھے انکو موقع مل گیا تھا کہ وہ اس بدعملی سے فائدہ اٹھائیں۔ اسلئے طاقتور زمیندار کمزور زمیندار کی جائداووں پر زبردستی قبضہ کر رہے تھے اور جو زیادہ طاقتور تھے وہ اودھ میں غارتگری پھیلانے کے لئے چلے گئے جہاں سکھ دستہ پہلے سے موجود تھا اور وہاں بھی بلوائیوں نے کافی تباہیاں کیں۔

ڈوبھی کے راجپوت

جونپور میں سب سے زیادہ خطرناک کارنامہ ڈوبھی کے رگھوبنسی راجپوت زمینداروں کا تھا۔ انھوں نے بنارس اور اعظمگڈھ ضلعوں کا تار کاٹ کر ذریعہ رسل و رسائل کو منقطع کر دیا اور آس پاس کے مقامات میں لوٹ مار شروع کر دی۔ یہاں تک کہ جون کے آخر میں ایک مشترکہ فوج جس میں یوروپین، سکھ اور ہندوستانی سوار بھرتی کئے گئے تھے مسٹر چاپ مین (MR. CHAP MAN) کی ماتحتی میں بنارس سے جونپور بھیجی گئی جس نے جونپور کے خود سر باغیوں کے ساتھ سخت کارروائیاں شروع کر دیں۔ جب باغیوں کا زور

کم پڑ گیا تو وہ تھوڑے ہی دنوں بعد پھر بنارس واپس چلی گئی۔ مسٹر ٹیلر نے اس فوج کی مدد سے بلوائیوں کو اتنا دبایا کہ ان کے خیالات تبدیل ہو گئے اور ۷ار جولائی کو پھر واپس آ گئے۔

غرضکہ ۸ر ستمبر تک کچھ نہ کچھ واقعات لوٹ مار کے رونما ہوتے رہے مگر اعظم گڈھ سے ایک نیپالی دستہ بلا لیا گیا جسکی کمانڈ کرنل رفٹن کر رہے تھے وہ اسٹیشن پہونچکر کیپٹن بائکیو اور لفٹننٹ مائلس، ہال اور کیمپ بل سے ملے یہ لوگ بنارس میں مقیم تھے اور ملازم بھی نہیں تھے۔ انکی مدد سے حالات پر جلد قابو پا لیا گیا۔ نیپالی دستہ جونپور میں کئی دنوں تک مقیم رہا۔ اُس وقت شہر کا انتظام مسٹر ایف۔ ایم لنڈ (Mr. F.M. LIND.) کے ماتحت تھا۔

پولیس کی نئی تنظیم

اسی زمانے میں پولیس کی از سرِ نو تنظیم ہوئی۔ ہر تھانہ پر انکو تعنات کیا گیا جسکا سلسلہ جلال پور تک تھا۔ ایک شخص گنگا سرن تھا جو بنارس روڈ پر خطرہ بتانے کے لئے گھوما کرتا تھا اور کراکت کا انتظام راے ہنگن لال کے سپرد کر دیا گیا تھا جو سرکار کی طرف سے جونپور میں پہلے ہی سے ذمہ دار بنا دیے گئے تھے۔ انھوں نے ایک انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ (Inteligence Dept.) قائم کیا تھا جو موجودہ حالات اور بعد کے حالات پر قابو پائے اور مسٹر کارینگی کی نگرانی میں کام کرے۔

اعظم گڈھ کی بغاوت

۱۸ر ستمبر کو کرنل رفٹن کو یہ خبر ملی کہ اعظم گڈھ میں کچھ شر پسندوں نے پھر بغاوت کر دی ہے۔ انھوں نے فوراً کیپٹن بائیلو کو روانہ کر دیا اور انکے ساتھ ۱۲۰۰ گورکھا جوانوں کا ایک

ے گزیٹر جونپور

دستہ روانہ کر دیا۔ منڈوری میں باغیوں سے سامنا ہو گیا۔ گورکھوں نے تمام باغیوں کو پسپا کر دیا اور ۲۷ ستمبر کو مسٹر رفنٹن خود سول افسروں کو لیکر مبارکپور پہونچ گئے جہاں راجہ ارادت جہاں نے مضبوطی سے قبضہ جما رکھا تھا اور جس نے اپنے کو نائب ناظم ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔

"راجہ ارادت جہاں کی جنگ اور انکو کیسے گرفتار کر کے قید کیا گیا اور کیوں پھانسی دیگئی؟ یہ حالات تفصیل سے ملاحظہ فرمائیے۔"

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا پہلا شہید[۱]

راجہ سید ارادت جہاں نائب ناظم اضلاع جونپور۔ اعظم گڈھ۔ سلطانپور۔ پرتابگڈھ اور فیض آباد

۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ تاجدار اودھ معزول کئے گئے اور صوبہ اودھ حکومت برطانیہ میں شامل ہو گیا۔ اس واقعہ نے تعلقداران، راجگان، زمیندارن اور نوابین میں ایک بےچینی پیدا کر دی اور ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ یہی سلوک ہمارے ساتھ بھی ہونے والا ہے۔ چنانچہ نواب باندہ کے یہاں ۱۸۵۶ء میں ایک شادی کے موقع پر تعلقداران و راجگان موجود تھے۔ رسم شادی سے فراغت کے بعد ایک میٹنگ ہوئی جس میں یہ طے پایا کہ اس سلسلے میں مختلف مقامات پر جلسے کئے جائیں اور غور کیا جائے کہ ہم تعلقہ داروں اور راجاؤں کا انگریزوں کے ساتھ کیا رویہ ہوگا چنانچہ باندہ۔ فرخ آباد۔ الہ آباد۔ مہوبا۔ مظفر نگر۔ جھانسی۔ روہیلکھنڈ۔ کانپور

---

[۱] راجہ ارادت جہاں پہلے شخص ہیں جنھوں نے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔

لکھنؤ، گونڈہ ۔ اور گورکھپور وغیرہ میں متعدد جلسے ہوئے اور چار قرار دادیں باتفاق رائے پاس ہوئیں جنہیں سختی سے عملدرآمد کرنے کا اقرار کیا گیا۔

(۱) حکومت برطانیہ کو مالگذاری دینا بند کر دیا جائے۔

(۲) جتنے نیل کے کارخانے انگریزوں کے ہاتھ میں ہیں زبردستی واپس لے لئے جائیں۔

(۳) تمام تعلقہ دار آپس میں ایک دوسرے سے ہر قسم کا تعاون کریں اور انگریزی فوج میں ابتری پیدا کی جائے۔

(۴) بہادر شاہ بادشاہ دہلی کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا جائے اور مالگذاری بجائے انگریزوں کے براہ راست دہلی بھیجی جائے۔

تمام تعلقہ داروں نے اپنے اپنے حلقوں میں ان قرار دادوں پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ راجہ ارادت جہاں کے ماتحت جونپور، اعظم گڈھ۔ بنارس۔ بلیا اور مرزاپور اضلاع آئے کہ یہاں کے انتظام کو سنبھالیں۔ جب راجہ ارادت جہاں نائب ناظم سے مالگذاری طلب کی گئی تو آپنے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ نائب ناظم نے حکومت دہلی سے الحاق کر لیا ہے اور مالگذاری دہلی روانہ کرینگے۔ اس انکار پر ۲۵ ستمبر کو شاہی قلعہ جونپور پر جہاں ارادت جہاں کا دفتر تھا انگریزی فوج نے حملہ کر دیا۔ راجہ ارادت جہاں بغرض شرکت جہلم سید الشہداء مبارکپور پرگنہ ماہل میں مقیم تھے۔ مہتاب رائے دیوان ریاست قلعہ میں موجود تھے معمولی مقابلہ کے بعد گرفتار کر لئے گئے۔ اس جھڑپ میں قلعہ کی عمارت کو کافی نقصان پہونچا۔ فصیل کے علاوہ عمارت کے بعض حصے کو بھی نقصان پہونچا۔ مہتاب رائے نے کہا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ مالک ریاست مبارکپور میں ہیں اس سے مل کر آپ لوگ گفتگو کریں۔ چنانچہ ۲۷ ستمبر کو ایک فوج معہ توپ خانہ مبارکپور روانہ کر دی گئی۔

مہتاب رائے دیوان کو چند انگریز افسروں کی حراست میں دریا کے راستے سے مبارکپور روانہ کیا گیا۔ راجہ ارادت جہاں کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اپنے فوجی افسران امر سنگھ اور مخدوم بخش کو انگریزوں کے مقابلہ میں بھیجا۔ امر سنگھ نے انگریزی فوجوں پر ایسا حملہ کیا کہ مہتاب رائے دیوان کو آزاد کرا لیا۔ اور جب انگریزی فوجیں علاقہ مبارکپور میں داخل ہوئیں تو باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا اور یہ سلسلہ ۴ روز تک جاری رہا۔ راجہ ارادت جہاں نے اپنے لڑکے سید مظفر جہاں کو لکھا کہ مع فوج کے ماہل سے مبارک پور پہونچ جاؤ۔ چنانچہ مظفر جہاں نے سب سے پہلے ماہل کی تحصیلداری اور تھانہ پر قبضہ کر لیا اور ایک فوج راجہ فصاحت جہاں آف پوئی کی سپہ سالاری میں روانہ کی۔ ان فوجوں سے مبارکپور سے ۴ میل کے فاصلہ پر مقام تگھرہ میں سامنا ہو گیا۔ چونکہ انگریزی فوج مبارکپور پہونچ چکی تھی یہاں مختصر فوج تھی اس لئے انگریزی کمانڈر نے بجائے جنگ کے صلح کی گفتگو کی۔ اور راجہ فصاحت جہاں بھی صلح پر راضی ہو گئے۔ انگریزی کمانڈر نے راجہ فصاحت جہاں کو اس صلح کے سلسلے میں راجہ ارادت جہاں کے علاقے دینے کا وعدہ کیا۔ غرضکہ راجہ فصاحت جہاں نے مبارکپور پہونچکر صلح کی بات چیت شروع کر دی اور سمجھایا کہ مفت میں جانیں ضایع ہونگی، دیکھنا چاہیئے کہ انگریز شرائط صلح کیا پیش کرتے ہیں۔ راجہ ارادت جہاں صلح کے لئے تیار ہو گئے اور قلعہ موجی پور اور مبارکپور کے درمیان ایک آم کے باغ میں فریقین صلح کے لئے اکٹھا ہو گئے۔ راجہ ارادت جہاں کے دونوں سپہ سالار امر سنگھ اور مخدوم بخش اس صلح کی برابر مخالفت کرتے رہے اور امر سنگھ قلعہ موجی پور میں اور مخدوم بخش کوٹ مبارک پور میں رک گئے۔ راجہ ارادت جہاں مع اپنے ۴ ملازموں کے راجہ فصاحت جہاں کے ہمراہ ۴ بجے دن کو بعد نماز عصر آم کے باغ میں پہونچ گئے۔ جہاں انگریز کمانڈر پہلے سے انتظار کر رہا تھا۔

برسات کا زمانہ تھا۔ بھٹے کی تیار فصلیں چاروں طرف کھڑی تھیں۔ انگریزی فوجیں کھیتوں میں چھپی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی راجہ ارادت جہاں آم کے باغ میں پہونچے انکے ۸۴ ملازمین گرفتار کر لئے گئے اور سب کو پھانسی دیدی گئی۔ راجہ ارادت جہاں کو جب پھانسی دیجانے لگی تو انھوں نے راجہ فصاحت جہاں سے کہا بھائی جان اور کوئی حسرت ہے؟ اور پھانسی کے تختے پر لٹک گئے اس طرح جنگ آزادی کے ہیرو نے ہندوستان کو آزاد کرانے کا راستہ دکھا دیا۔

راجہ ارادت جہاں کے سپہ سالار امر سنگھ نے قلعہ موجی پور میں مورچہ قائم کیا اور انگریزوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ یہ جنگ آزادی کا دوسرا شہید تھا۔ مخدوم بخش مبارکپور میں لڑتے لڑتے روپوش ہو گیا۔ قلعہ موجی پور اور کوٹ مبارک پور کو لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اور راجہ فصاحت جہاں سے انگریزوں نے کہا کہ جب تم اپنے بھائی کے نہ ہوئے تو تم پر کوئی اطمینان نہیں کر سکتا۔ یہ کہکر انکو بھی تختۂ دار پر لٹکا دیا۔

مائل میں راجہ مظفر جہاں بن راجہ ارادت جہاں نے والد کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے ۱۶ ہزار سپاہیوں کو اکٹھا کیا جسمیں مخدوم بخش بھی تھے اور مقام گھگھرہ میں انگریزی فوجوں پر ٹوٹ پڑے۔ بہت سے سپاہیوں کو قتل کیا اور سامان چھین لیا۔ انگریزی فوجیں وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ راجہ سید مظفر جہاں اسی طرح انگریزوں کے خلاف ۱۸۶۱ء تک لڑتے رہے آخر میں گرفتار ہو کر آگرہ جیل میں نظر بند ہوئے۔ تمام املاک ضبط کر لی گئیں۔

راجہ مظفر جہاں نے جنگ سے پہلے مستورات کو خراسوں سے نیپال روانہ کر دیا تھا اور جب رہا ہوئے تو موضع ڈھولی میں میر حسین علی اور شیر علی کے یہاں پناہ لی جہاں آج بھی یہ خاندان آباد ہے۔

سید مظفر جہاں کی اولاد میں اس وقت سید ذوالفقار جہاں بقید حیات ہیں اور اپنے خاندان کی پرورش کر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ موجودہ گورنمنٹ نے جنگ آزادی کے اتنے بڑے ہیرو کے خاندان کو غربت اور گمنامی میں پڑا رہنے دیا۔

راجہ ارادت جہاں کا خاندان اس خاندان کے مورث اعلیٰ سید احسن آخوند میر تھے۔ جو ہمایوں بادشاہ کے ہمراہ ایران سے ہندوستان آئے تھے اور اس فوج کے سپہ سالار تھے جو شاہ طہماسپ نے ہمایوں بادشاہ کو ہندوستان فتح کرنے کے لئے دی تھی۔ آخوند میر کی اولاد میں سید جان علی تھے جو خان زماں علی قلی خاں کی سرکوبی کے لئے ایک فوجی دستے کے کمانڈر بنا کر جونپور بھیجے گئے تھے۔ راجہ ماہل راجہ انگلی۔ راجہ سہاوی کو گرفتار کر کے امن قائم کیا۔ اکبر بادشاہ نے اسکے صلے میں "جان" کا خطاب عطا کیا اور سید جان علی سید جان جہاں مشہور ہوئے اور بادشاہ نے علاقہ ماہل جاگیر میں دیدیا اور راجہ کا خطاب بھی عطا کیا۔ سید جان جہاں نے مواضعات رنو۔ دکھن پٹی۔ لہرتی۔ لبسواں۔ کسوریا۔ گدوپور۔ شیخوپور۔ دریاپور راجہ پور وغیرہ اپنے سپاہیوں میں تقسیم کئے۔ سید جان جہاں نے اپنی سکونت کے لئے خراساں نامی ایک موضع آباد کیا جو اب بگڑ کر خراسوں ہوگیا ہے۔ راجہ شمشاد جہاں نے شمس آباد اور راجہ دیدار جہاں نے دیدار گنج آباد کیا۔ اسی طرح بشارت پور اور ارادت نگر بھی آباد ہوئے۔

راجہ ارادت جہاں اور راجہ مظفر جہاں کی ضبط شدہ جائداد مہاراج بنارس راجہ جونپور اور مولوی کرامت علی (ملا ڈلہ) کو دیگئی مگر ان لوگوں نے تعلقات کی بنا پر جائداد لینے سے انکار کر دیا۔ راجہ مظفر جہاں اور مولوی کرامت علی خوشنویسی میں ایک استاد کے شاگرد تھے۔

راجہ ارادت جہاں کی جائداد حسب ذیل لوگوں کو دی گئی :۔

(۱) رائے ہنگن لال۔ (۲) مہیش نرائن
(۳) ذوالقدر بہادر (۴) میر رعایت علی
(۵) منشی حیدر حسین (۶) سید حسن
(۷) علی بخش خاں (۸) منشی صفدر حسین
(۹) مولوی حسن علی (۱۰) میر محمد تقی (۱۱) عبدالمجید منصف (۱۲) میر اصغر علی وغیرہ

مذکورہ بالا حالات راجہ ذوالفقار جہاں نے اپنے خاندانی کاغذات سے حقیر کی فرمائش پر لکھوائے۔ جسکے لئے حقیر شکرگزار ہے۔ (مولف)

راجہ ارادت جہاں کو گرفتار کر کے پھانسی دینے کے بعد دوسرا قدم انگریزوں نے آدم پور فتح کرنے کیلئے اٹھایا جہاں امر سنگھ راجہ ارادت جہاں کا سردار مقابلہ کر رہا تھا۔ امر سنگھ موقع پر گرفتار ہو کر قتل کر دیا گیا۔ ۵ راکتوبر کو فوج پھر جونپور واپس آگئی۔ مگر ابھی تک شہر میں پورے طور پر امن بحال نہیں ہوا تھا۔ سرحدی مقامات پر جو پولیس چوکیاں قائم تھیں وہ مستقل طور پر بلوائیوں کے حملہ کا شکار ہو رہی تھیں۔

کرنل رفنٹن نے الہ آباد کے حالات سن کر فوج کو وہاں روانہ کر دیا مگر مسٹر لینڈ کے پیغام پر پھر واپس بلا لیا کیونکہ مسٹر لنڈ کو سلطانپور کے باغی ناظم مہدی حسین کی بغاوت کی خبر مل گئی تھی۔ مسٹر رفنٹن ۱۹ راکتوبر کو سنگرامئو پہونچے

سلہ گزیٹر جونپور

وہاں معلوم ہوا کہ حسن یار خاں نے ۱۵۰۰ آدمیوں کو لیکر سنگرامئو پر حملہ کر دیا ہے جو اسوقت کودھوا میں موجود تھا۔ ادہر رندھیر سنگھ تعلقہ دار کو تعلقہ چھوڑنے پر مجبور کر رہا ہے۔ غرضکہ کچھ مشکلوں کے بعد حسن یار خاں باغی کو دبا لیا گیا مگر اسکے ماتحتوں کی ایک کثیر تعداد کرنل رفنٹن کی فوج کے ارد گرد چکر لگاتی رہی اور تاک میں رہتی کہ فوجوں کو مار بھگائے۔

کرنل رفنٹن نے اس خطرے سے نجات پانے کے لئے ایک حملہ کودھوا پر کیا جسکے نتیجے میں حسن یار خاں شکست کھاکر بھاگ نکلا اور حسن پور جاکر مہدی حسین باغی سے مل گیا۔ کرنل رفنٹن اور مسٹر لنیڈ مہدی حسین کی طاقت زیادہ دیکھ کر جونپور چلے آئے تاکہ فوج میں اضافہ کیا جائے اور فوج کے لئے بنارس آرڈر بھیج دیا گیا۔ مگر اسی درمیان میں مسٹر رفنٹن کو خبر ملی کہ باغی چاندہ میں بڑی سرگرمی میں مصروف ہیں جہاں انکا قلعہ بھی ہے۔

کرنل رفنٹن ۱۱۰۰ گورکھا اور ۲ بندوق لیکر روانہ ہوئے اور ۳۰ اکتوبر کو کوئری پور میں داخل ہو گئے جہاں سے دشمنوں کا اڈا ۲ میل رہجاتا تھا اور وہیں رات میں قیام کیا۔ صبح اٹھتے ہی گورکھوں نے تیار فصل کی آڑ میں سے گولیاں برسانا شروع کر دیں اور آدھے گھنٹے میں اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ اپنے سے چوگنی فوج کو مار بھگایا اور توپ کی ایک بیٹری پر قبضہ بھی کر لیا۔ مہدی حسین شکست خوردہ ہو کر بھاگ نکلا۔ یکم نومبر کو فوجیں جونپور واپس آگئیں۔ مگر ۳ دن کے اندر ہی پھر اتر ولیا ضلع اعظم گڈھ پر حملہ کے لئے بلالی گئیں۔ وہاں سے ۲۲ نومبر کو واپس آکر پھر سنگرامئو جانا پڑا۔ یہاں مہدی حسین اور مظفر جہاں ماہلی

ملہ گزیٹر جونپور

نے مل کر سولہ ہزار تربیت یافتہ جوانوں سے انگریزی فوجوں کو شکست دیکر واپس کر دیا۔ پولیس چوکیاں توڑ ڈالیں کیونکہ سرحد کے تمام باغی آپس میں مل گئے تھے اور اپنی طاقت میں کافی اضافہ کر رکھا تھا۔

اس پارٹی کے زور پکڑ جانے کی وجہ سے راجپوت زمینداروں کی وصول تحصیل میں فرق آگیا تھا۔ پنڈت کشن نرائن نے اس سلسلے میں بہت عمدہ خدمات انجام دیے۔ مگر ۲۴ر دسمبر کو ان پر راجہ ارادت جہاں کے ایجنٹ مخدوم بخش نے حملہ کر دیا۔ اس مقام کا نام گھرا ہے جو اسوقت کھوہٹن تحصیل کا صدر مقام تھا خوش قسمتی سے حملہ کی خبر سنتے ہی پنڈت کشن نرائن نے تمام ضروری کاغذات اور خزانہ وہاں سے منتقل کر دیا تھا۔ پنڈت نے باغیوں سے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا مگر آخر کو جونپور چلا آنا پڑا۔ باغیوں نے ۲ر جنوری ۱۸۵۸ء کو تحصیل کو لوٹ کر برباد کر دیا تھا۔

۲۔ دن بعد پھر خبر آئی کہ بدلا پور پر حملہ ہو گیا مگر راجہ بازار کے راجہ مہیش نرائن سنگھ نے اپنے علاقہ کے چپراسیوں کی مدد سے بلوائیوں کا منہ پھیر دیا اور اسکے بعد دیوان رنجیت سنگھ آف کدھوا اور راجہ حاتم علی آف مچھلی شہر نے گر وارہ کے تمام باغیوں کو ہمت دلائی اور اہم خبروں کے پہونچانے میں خود بھی باغیوں سے مل گئے اس لئے جونپور کی فوج میں ایک زبردست اضافہ کر دیا گیا اور جنرل فرینک کو اس فوج کا کمانڈر بنا کر موقع پر بھیجدیا گیا تاکہ وہ اودھ کے پوربی علاقوں کی بغاوت کو دبانے کی کوشش کریں اور پچھمی سرحد کی حفاظت کے سلسلے میں مسٹر کولن کیمبل کو بھی لکھنؤ روانہ کر دیا گیا اور انکی ماتحتی میں ۳۲۰۰ نیپالی اور ۲۳۰۰ انگریزی

ا؎ گزیٹر جونپور

سولجرس اور ۲۰ توپ کر دیگئی جہاں پر ان کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اسکے بائیں جانب بدلاپور اور دائیں جانب اعظم گڈھ کا قرب تھا۔

۱۲ر جنوری ۱۸۵۸ء کو فوجی دستہ بدلاپور سے بائیں طرف چل کر سکندرا ضلع الہ آباد پہنچا۔ وہاں اس نے نائب ناظم فضل عظیم کو شکست دی اور وہ بھاگ کر ادھر چلا گیا۔ وہاں سے وہ فوجی دستہ بدلاپور واپس آیا اور پھر سنگرامؤ کی طرف مارچ کر دیا اور ۱۹ر فروری کو تمام فوج لکھنؤ پہنچ گئی۔ اس فوج نے ۲۱ر فروری کو چاندہ اور ۲۳ر فروری کو سلطان پور پر قبضہ کر لیا۔ فوج کی اس کارروائی سے شہر کو کسی قدر نجات ملی مگر پھر بھی پوری بدعملی کا خاتمہ نہ ہوسکا۔

مارچ میں کنور سنگھ نے اعظم گڈھ اور اترولیا پر بڑا دلیرانہ حملہ کر دیا حالانکہ وقتی طور پر لارڈ مارک کیر کے بہادر سپاہیوں نے بلوائیوں کو پسپا کر دیا تھا مگر پھر بھی خطرہ باقی تھا۔ اسی اثناء میں سرایڈورڈ لیوگارڈ لکھنؤ سے آ گئے انھوں نے ۶ر اپریل کو سلطان پور سے گذر کر ۵ دن بعد تگھرا پہونچکر تیاری کی اور ۳۰۰۰ باغیوں سے مقابلہ کیا۔ باغی اس وقت غلام حسین کی قیادت میں تھے اور جونپور پر حملہ کی غرض سے بڑھ رہے تھے۔ سرایڈورڈ پوری تیاری کے ساتھ ۱۳ میل آگے بڑھ گئے مگر اس خبر کو سن کر کہ دشمن بھی آگے بڑھ رہے ہیں۔ انھوں نے اتفاقی طور پر حملہ کر دیا اور ایک ہلکی سی جھڑپ کے بعد مار بھگا یا۔ گورکھا فوجوں نے بغاوت کچلنے میں بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ وہاں سے سرایڈورڈ دوسرے دن دیدار گنج پہونچے اور ۱۳ر اپریل کو پھر جونپور واپس آ گئے اور گورکھا فوج کی تین[۱] کمپنیوں کو رخصت دیدی اور یہاں سے اعظم گڈھ پہونچے جہاں انکو کنور سنگھ سے

---

[۱] گزٹیر جونپور

مقابلہ کرنا پڑا۔ کنور سنگھ شکست کھا کر گنگا پار اتر کر بہار کی سرحد میں روپوش ہوگیا۔

اب بغاوت کی تیزی سست پڑ گئی اور خاتمہ قریب آگیا تھا۔ جہاں تک اس غدر ۱۸۵۷ء کا تعلق جونپور سے ہے جونپور کافی تباہ و برباد ہوگیا تھا مئی ۱۸۵۸ء میں پھر ایک حملہ جوشی سنگھ نے مچھلی شہر کے علاقہ پر کیا مگر اطراف کے باشندوں نے اس حملے کو پسپا کر دیا۔ اسکے بعد بدلاپور کے درگپال سنگھ اور مڑیاہوں کے سنگرام سنگھ نے کئی مرتبہ لوٹ مار اور غارت گری کے لئے سر اٹھایا مگر پولیس اسٹیشنوں تک آنے کی ہمت نہ پڑی۔ یہ باغی زمیندار گرفتار بھی نہ ہو سکتے تھے کیونکہ حملہ کرنے کے بعد فرار ہو کر روپوش ہو جاتے تھے۔

سب سے اہم اور آخری واقعہ یہ پیش آیا کہ کرنل کیری کو پوربی اضلاع کی حفاظت کے سلسلے میں جانا پڑا جہاں باغیوں نے بڑی قوت پکڑ رکھی تھی۔ جب یہ اعظم گڈھ سے دوست پور پہونچے تو وہاں لارڈ کلائڈس سے ملاقات کی جو اودھ میں بہت بڑے بڑے باغیوں کی سرکوبی کر رہے تھے۔ اسکے بعد پھر کوئی اہم واقعہ پیش نہیں آیا۔ [1]

غدر کے بلوائیوں کا ساتھ دینے والے کثرت سے تھے۔ وفاداروں کی فہرست میں صرف چند نفوس تھے۔ ان میں ایک رائے ہنگن لال تھے جن کو بعد میں ڈپٹی کلکٹر بنا دیا گیا اور دوسرے راجہ مہیش نرائن ہیں جن کو جونپور اور اودھ میں بڑی بڑی جاگداویں عطا کی گئیں۔ اور تیسرے مادھو سنگھ لشالت پور والے ہیں جن کو ۲ ہزار مالیت کی خلعت اور ۲۰۰۰ روپیہ ملکیت کی جائداد دی گئی کیونکہ انھوں نے انگریز کارخانے داروں کی حفاظت کی تھی۔

---

[1] گزیٹر جونپور

اسی سلسلے میں مچھلی شہر کے میر رعایت علی کو انعام دیا گیا جنھوں نے سنگرامؤ میں انگریزوں کی ایک بڑی پارٹی اور بچھڑے ہوئے خاندان کی حفاظت کی تھی اور تحصیل کے خزانے کو بچایا تھا اور وفاداری کے عوض میں ۳ ہزار روپیہ سالانہ تحصیل کی زمینداری بھی دیگئی تھی۔ اور گنگا سرن بھی قابل ذکر ہے۔ ریاست دیرا (سلطانپور) کے راجہ رستم شاہ نے بھی نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔ ان کا نام ان پانچ وفاداروں میں شمار کیا جاتا ہے جو سرکار کے بیحد وفادار رہے۔

۱۸۶۵ء میں شہر جونپور بجائے الہ آباد کے بنارس کمشنری میں ضم کر دیا گیا اور ۱۸۹۱ء میں پختہ کر دیا گیا۔ [1]

"غدر ۱۸۵۷ء کے سلسلہ میں انگریزوں نے جن کو باغی قرار دیا اور جنکو تختہ دار پر لٹکا دیا اور جن کی جائدادوں پر قبضہ کر کے فقیر بنا دیا دراصل یہی لوگ اس جنگ آزادی کے ہیرو تھے اور زمانہ آج ان کے کارناموں پر فخر کر رہا ہے۔ ان میں سے راجہ ارادت جہاں مبارکپور۔ راجہ مظفر جہاں ماہل بخت سنگھ زمیندار کنور پور اور امر سنگھ کا نام ہمیشہ باقی رہے گا۔ کیونکہ ان لوگوں نے اپنی جان اپنا مال اور اپنا سب کچھ دے کر بتا دیا کہ جنگ آزادی اس طرح لڑی جاتی ہے۔" (مؤلف)

جونپور میں کانگریسی رجحانات

۱۸۹۴ء میں جونپور کے محلہ اردو میں ایک خفیہ سیاسی میٹنگ ہوئی جس میں کانگریس کی حمایت کے لئے سرکاری ملازمین بھی شریک تھے۔ اس میٹنگ میں بمبئی کے ایک پارسی

---

[1] گزیٹر جونپور

نے بھی تقریر کی تھی اور شہر میں ایک جلوس بھی نکالا گیا تھا۔ ہر طرف لوگ وطن پرستی کے جذبے میں قومی نعرے لگا رہے تھے۔ اسی زمانے میں کئی محلوں میں جلسے کئے گئے اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالی گئی کہ ملک ہمارا ہے اور اس پر ایک بدیشی قوم حکومت کر رہی ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ کانگریس کمیٹی کی مدد کریں تاکہ وہ ایک طاقتور جماعت بن کر بدیشی حکومت کو نکال باہر کر سکے۔ یہ جلسے آہستہ آہستہ کامیاب ہونے لگے۔

سنہ ۱۹۰۵ء میں شری گوپال کرشن گوکھلے کی صدارت میں ضلع کانگریس کمیٹی کا سالانہ اجلاس ہوا۔ اس میں کانگریس کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے یہ طے کیا گیا کہ سب سے پہلے ولایتی چیزوں کا استعمال ترک کر دیا جائے اور اسکی جگہ اپنے دیس کی بنی ہوئی چیزیں استعمال کی جائیں۔

جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو جونپور کے سیاسی رہنماؤں نے سب سے الگ اپنا قدم اٹھایا تھا۔ جونپور کے ایک مشہور شخص مصطفےٰ احسن نے جو اُس وقت کانپور کے ایک بینک میں ملازم تھے ہندوستان کی تنظیمی جماعت کی امداد کے سلسلہ میں بیرونجات کے ملکوں کا سفر کیا تھا۔ یہ جونپور کے محلہ چتر ساری کے رہنے والے تھے۔ تنظیمی سلسلے میں وہ کلیفورنیا پہنچ گئے اور وہاں کے ہندوستانیوں کو اکٹھا کر کے اُن میں تنظیم اور حمایت کا جذبہ پیدا کیا۔ جب انگریزی سرکار کو انکی سیاسی سرگرمیوں کا علم ہوا تو ان کو لاہور کیس میں ماخوذ کیا گیا۔ اور "کوماگاٹامارو" کیس میں بھی وہ ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ غرضکہ موصوف کو سزائے موت سنادی گئی اور رنگون جیل میں قید کر دیا گیا۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں جب پرنس آف ویلز ہندوستان میں تشریف لائے تو موصوف کی سزائے موت میں تخفیف کر کے حبس دوام میں تبدیل کر دیا گیا اور انکو کالا پانی

بھیجدیا گیا۔ اس سلسلہ میں موصوف کی پوری کارروائی ۱۹۱۸ء میں شایع شدہ ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ میں دیگئی ہے۔

۱۹۱۷ء میں جب اینی بسنٹ نے "ہوم رول" کا مطالبہ کیا تو اس وقت اسکی ایک شاخ جونپور میں بھی کھلی تھی۔ ۱۹۱۹ء میں جب جلیانوالہ باغ میں گولی چلی تھی تو جونپور کے رہنماؤں نے یہاں بھی کانگریس کمیٹی کی ایک شاخ قائم کرلی۔ ضلع بھر میں جلسے کئے گئے اور والنیٹر بھرتی کئے گئے۔ متعدد جلوس بھی نکالے گئے۔ اس سے لوگوں میں ایک بار پھر جذبۂ وطن بیدار ہوگیا اور دلوں میں آزادی کی لہر دوڑ گئی۔ اس وقت تلک جی کا انتقال ہوچکا تھا۔ گاندھی جی نے کانگریس کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھال لی تھی۔

گاندھی جی نے اپنی تعلیمات "ترک موالات" "اچھوتوں کی ترقی" "ولائتی اشیاء کا ترک استعمال" اور کھدر پہننے کی ترغیب دینا شروع کی۔ گاندھی جی کی تعلیمات پر کاربند ہونے میں جونپور نے بھی کافی ہمت و استقلال کا ثبوت دیا۔ اس وقت جونپور میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، بی اماں، پنڈت موتی لال نہرو، سروجنی نائیڈو، سوامی شردھا نند، پنڈت جواہر لال نہرو، پنڈت مدن موہن مالوی جیسے وطن پرستوں کے قدم بھی آئے اور ان لوگوں نے جذبہ وطن پرستی کی روح پھونکدی سائمن کمیشن کے خلاف ۳ جنوری ۱۹۲۸ء کو جونپور میں صدائے احتجاج بلند کیگئی۔ ۱۹۲۹ء ۲ اکتوبر کو شری گاندھی جی بھی جونپور تشریف لائے تھے اور جونپور نے سوراج فنڈ میں کافی امداد کی تھی۔ [1]

---

[1] جونپور کا اتہاس از بھاسکر

۳۱ر دسمبر ۱۹۲۹ء میں لاہور کے اجلاس میں آزادی کے مطالبہ کا اظہار کیا گیا اور ۲۶ر جنوری ۱۹۳۰ء کو جونپور کے ہر مقام پر آزادی کے سلسلے میں آندولن شروع کر دیا گیا جس میں بہت سے وطن پرست اور وطن دوست مجاہدین گولی کا نشانہ بنے۔

۱۶ر جون ۱۹۳۲ء کو ضلع بورڈ پر جھنڈا لہرانے کی تحریک چلائی گئی اور شری گور ہرن لال چیرمین میونسپل بورڈ کے عہد میں کانگریسی جھنڈا میونسپل بورڈ کی عمارت پر لہرا دیا گیا۔ تقریباً ۲۵ ہزار افراد نے اس تقریب میں حصہ لیا تھا اور اسی وقت دسٹرکٹ بورڈ کی عمارت پر بھی جھنڈا لہرا دیا گیا۔

۱۹۳۵ء میں کانگریس کی جینتی دھوم سے منائی گئی اور ۱۹۳۶ء کے چناؤ میں بھی کانگریس فتحیاب ہوئی۔ برٹش سرکار نے اسوقت "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی اسکیم پر عمل کیا مگر جونپور کے ہندو اور مسلمان شانہ بشانہ جنگ آزادی میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۴۰ء میں صوبائی کانگریس کے والنٹیروں کا مطالبہ کیا گیا اور جونپور میں ۳۰۰۰ کے قریب والنٹیر تیار کر لئے گئے۔

۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۰ء تک جونپور مشرقی اضلاع میں اس تنظیم کا مرکز رہا مگر ۱۹۴۲ء کے آندولن میں پولیس اور فوج کے ذریعے جونپور کے لوگ بھی مظالم کا شکار ہوئے۔ نہ معلوم کتنے مارے گئے کتنے برباد ہوئے اور کتنوں کو سزائیں دی گئیں کتنی ماؤں کی گود سے بچے جدا ہوئے۔ کتنی بہنوں کے سہاگ اجڑ گئے۔ غرضکہ مظالم برداشت کرنے کے سلسلے میں جونپور نے بھی دیگر مقامات کے مقابلے میں برابر کا حصہ لیا۔ [۱]

---

[۱] جونپور کا اتہاس از بھاسکر

کانگریس کی فتح

آخر میں ایک وقت ایسا آیا کہ برٹش سرکار نے کانگریس کمیٹی کا مطالبہ منظور کر کے ہندوستان خالی کر دیا اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جونپور نے بھی مکمل آزادی کا پرچم لہرا دیا اور ۱۹۵۲ء کے انتخاب میں پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی جونپور سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے مچھلی شہر کو اپنا حلقۂ انتخاب بنایا اور یہاں کے عوام نے پنڈت جواہر لال نہرو کو منتخب کرنے کا شرف حاصل کیا۔

۱۹۴۲ء کے اندولن سے پہلے جنتا کے اندر آزادی کی روح پھونکنے والوں میں شری گوپال داس کا بھی نمایاں مقام ہے۔ چار بار جیل جا چکے ہیں ۱۹۳۷ء میں کسان مزدور سنگھٹن پہلی بار آپ ہی نے کیا اور مہاتما گاندھی سے ناگپور میں ملاقات کی جہاں ہندوستان کے چنے ہوئے لوگ بلائے گئے تھے۔ ۱۹۴۲ء کے اندولن میں سب سے بڑھ کر حصہ لینے والوں میں راج نرائن مصرا کا بھی نام آتا ہے۔ اسی طرح گوری شنکر کپتان۔ سورج ناتھ اپادھیا۔ رام شرومن دوبے۔ ماسٹر جگناتھ اور گیا پرشاد وغیرہ نے بھی کافی سرگرمی سے کام کیا۔ انلوگوں کو پھانسی کا حکم ہوا تھا جس کو ۱۹۴۷ء میں گاندھی جی اور پرشوتم داس ٹنڈن نے ختم کرایا۔ رام سنیہی۔ رام چندر لال۔ کیدار ناتھ۔ اکبری رام مورا اور راجہ رام نے تھانے میں جا کر یوسف داروغہ کی بندوق چھینی تھی۔ ہرگووند سنگھ عبدالرؤف جعفری۔ دیپ نرائن ورما۔ راما شنکر لال۔ رام نریش سنگھ۔ بیربل سنگھ اور نظام الدین صدیقی نے بھی جونپور میں انگریزوں کے خلاف زبردست محاذ قائم کیا تھا۔ نظام الدین صدیقی کئی بار جیل گئے مگر کانگریس کے اصول سے نہ ہٹے۔ مہاتما گاندھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔ پنڈت گووند بلبھ پنتھ انکی بیحد عزت کرتے تھے۔ آپکا شمار صفِ اوّل کے اسپیکروں میں ہوتا تھا۔ شری راجدیو سنگھ اور شری رام لگن سنگھ آجکل جونپور کی ذمہ دار ہستی ہیں سید علی ظہیر اور عبدالحمید قوم مرحوم نے بیش بہا خدمات انجام دیے۔

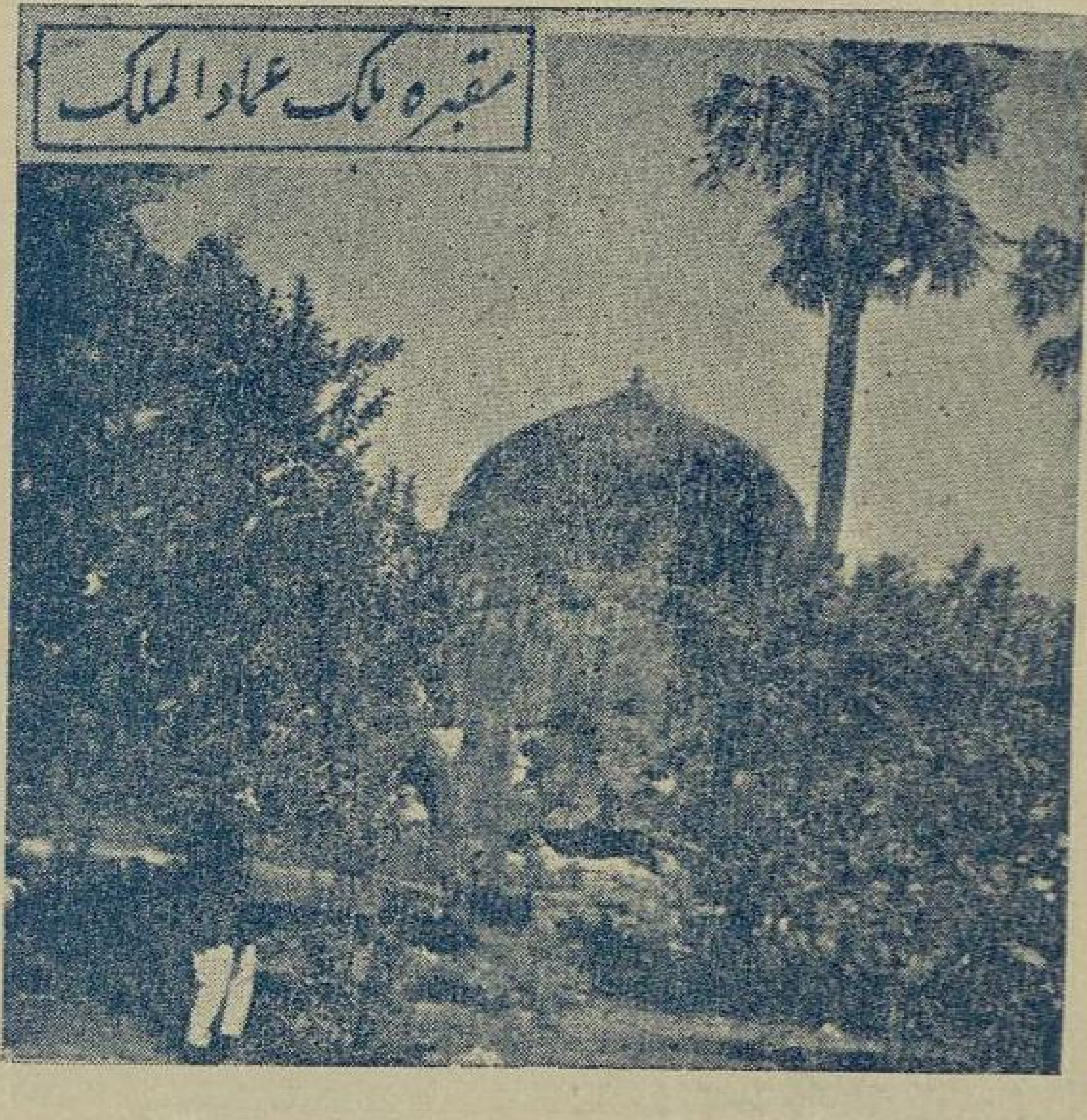
وزرا سلاطین و امرائے جونپور

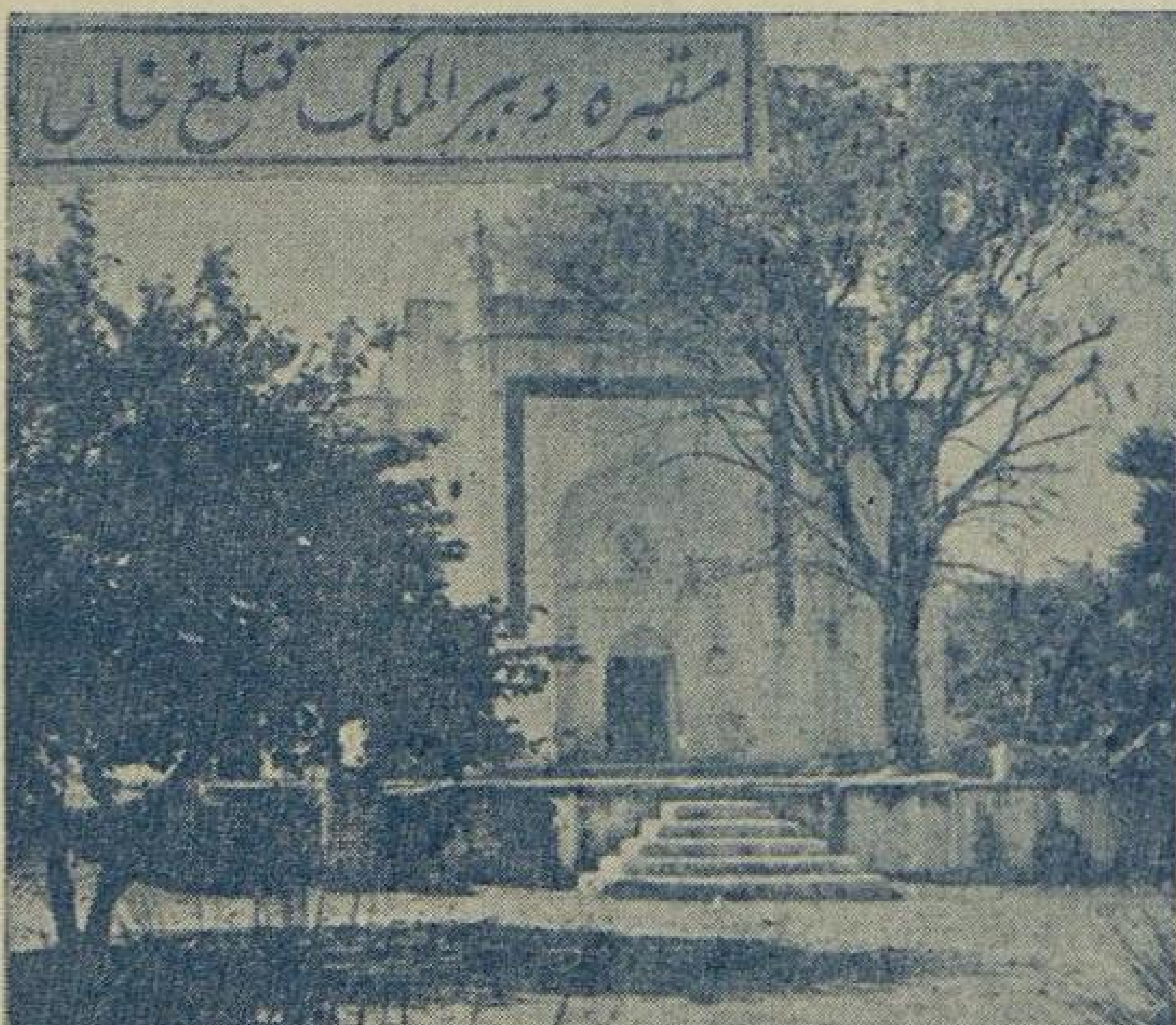
عماد الملک بختیار خاں

آپ کا سلسلہ نسب شیوخ ادہمی سے ملتا ہے آپ کے والد ماجد شیخ حاجی خاں اعظم سلطان الشرق اتابک اعظم کے ہمراہ سردار لشکر ہو کر دہلی سے جونپور آئے تھے ان ہی کے ہمراہ عماد الملک بختیار خاں بھی وارد جونپور ہوئے۔ نیک طینت، ذہین اور طباع ہونے کے باوجود بیحد شجاع تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ کی قسمت مرتبہ کی بلندی میں یاوری کر رہی تھی اس لئے جلد ہی تقرب سلطانی حاصل کر لیا اور چند ہی دنوں میں معتمد الیہ ہو گئے۔

سلطان الشرق اتابک اعظم نے جس وقت دوبارہ جدید شرقی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھنے کا ارادہ کیا تو تمام مصاحبین میں سے آپ کو منتخب کر کے وزیر سلطنت بنایا اور عماد الملک کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ آپ سلطان الشرق سے لے کر عہد ابراہیم شاہ شرقی تک عہدۂ وزارت پر فائز رہے۔ سلطان ابراہیم شاہ آپ کے علم و فضل اور قابلیت پر اتنا بھروسہ رکھتا تھا کہ بڑے بڑے مہمات ملکی و جنگی جو درپیش ہوتے تھے آپ ہی پر چھوڑ دیتا تھا۔ اور آپ بھی اس فکر میں لگے رہتے تھے کہ دہلی کی سلطنت پر کسی طرح قبضہ ہو جائے اور بادشاہ کو موقع بموقع اسکی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ملک العلما قاضی شہاب الدین سے اور آپ سے علما کے سلسلے میں


مقبرہ ملک عماد الملک



مقبرہ دبیر الملک قتلغ خاں

کچھ بحث چھڑ گئی۔ قاضی نظام الدین کیکلانی آپکے طرفدار تھے۔ اس بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ آپس میں شکر رنجی بڑھتی گئی اور اس کا اثر امور سلطنت پر پڑنے لگا۔ یہ دیکھکر سلطان ابراہیم شاہ نے دونوں علماء کو کہ سلطنت میں ممتاز درجہ رکھتے تھے آپس میں میل جول رکھنے کی درخواست کی۔ دونوں علماء نے اپنے اپنے دلوں کی کدورت دور کر دی اور آپس میں پھر دونوں شیر و شکر ہو گئے۔

ملک عماد الملک نہایت خلیق و منکسر مزاج تھے۔ آپکے سامنے دربار میں جو بھی حاضر ہوتا خوش خوش واپس جاتا یہانتک کہ دشمن بھی سامنے آجاتا تو سر نیاز خم کر دیتا۔ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے آپکا زمانۂ وزارت بہت شاندار گذرا۔

آپکا مقبرہ فیض باغ میں شرقی دور کا تعمیر کردہ نہایت عالیشان ہے۔ مگر مرمت نہونے کی وجہ سے خراب حالت میں ہے [1] اور چمگادروں کا مسکن ہے۔

دبیر الملک قتلغ خاں

آپ عماد الملک کے بڑے لڑکے تھے۔ والد کے انتقال کے ابراہیم شاہ شرقی نے آپکو عہدۂ وزارت سپرد کیا۔ آپنے امور وزارت کو اپنے والد سے زیادہ قابلیت سے انجام دینے کی کوشش کی۔ مہمات مالی و ملکی میں اپنی خوش انتظامی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ بادشاہ سے دبیر الملک کا خطاب حاصل کیا۔ ملک قتلغ خاں ملک العلماء قاضی شہاب الدینؒ کے شاگرد و مرید تھے۔ خود بھی بڑے پائے کے علماء و فقراء میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کی طبیعت شروع ہی سے درس تدریس و تحصیل علوم کی طرف مائل تھی۔ والد کے انتقال کے بعد آپ کا دل یک بیک دنیا کی طرف سے پھر گیا اور تمام مشاغل سے دست بردار ہو گئے۔ مگر بادشاہ کے اصرار پیہم سے آپنے

---

[1] مشاہیر جونپور قلمی حصہ سوم ص ۶۹-۷۰

منصب وزارت قبول کر لیا۔ اور ابراہیم شاہ سے لیکر حسین شاہ شرقی اور شرقی سلطنت کے زوال تک آپ اپنے عہدے پر فائز رہے۔

آپ کا سلسلہ خانوادہ چشتیہ سے تھا اور خود خلیفہ بھی تھے۔ سیکڑوں سال بعد ۱۲۰۶ھ میں آپ کی قبر سے کچھ ایسی کرامتیں ظاہر ہوئیں کہ دور دور سے حاجتمند آنے لگے اور اکثر مرادیں پانے لگے۔ پہلے یہ مقام باغ کہنہ کے نام سے مشہور تھا اور حافظ عابد حسین وکیل و رئیس جونپور کی زمینداری میں تھا۔ بہت زمانہ کے بعد مولوی فرید الحق نے اس باغ کو دو سو روپیہ سالانہ مالگذاری پر اُن سے لے لیا اور اس باغ میں مکان بنوا کر سکونت اختیار کی۔ ۱۹۰۷ء سے مولوی فرید الحق نے حضرت قتلغ خاں کا عرس شروع کیا۔ یہ عرس ذیقعدہ کی ۲۳، ۲۴ اور ۲۵ تاریخ کو ہوتا ہے جسکا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ [۱]

ملک شجاع الملک

آپ ملک عماد الملک کے نواسے اور عوام میں بدھو نام سے مشہور تھے۔ پہلے آپ شرقی سلطنت میں نائب وزیر بنائے گئے لیکن دبیر الملک قتلغ خاں کی وفات کے بعد آپ کو عہدہ وزارت پر مامور کیا گیا۔ آپ بھی علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے جب آپ نائب وزیر سلطنت تھے تو بہلول لودی نے جونپور پر حملہ کیا اور شرقی سلطنت کے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا تو بدقسمتی سے اپنے والد کے ساتھ آپ بھی گرفتار کر لئے گئے مگر بعد صلح جب آپ رہا ہوئے تو بجائے نائب کے وزارت کا عہدہ اور شجاع الملک کا خطاب عطا کیا گیا۔ بہلول لودی سے دوسری جنگ میں جب حسین شاہ شکست کھا کر بنگال چلا گیا تو بہلول لودی نے آپ کو جونپور کے

---

[۱] تذکرۃ الامرا سیوم فارسی قلمی ص ۷۰-۱، تجلی نور قلمی ص ۲۳

قلعہ میں قید کر دیا اور وہیں آپ کی وفات بھی ہوئی۔ اور عماد الملک کے احاطہ کے اندر دفن کئے گئے۔ آپ کی قبر پختہ ہے اور قبر پر ایک چھوٹا قبہ بھی موجود ہے جو منہدم ہو چکا ہے۔ ؎۱

ملک خالص مخلص

کہا جاتا ہے ملک خالص اور ملک مخلص یہ دو بھائی تھے اور دونوں بھائی فوجی جرنیل کے عہدہ پر رہکر ملک کا خطاب حاصل کر چکے تھے۔ آپ لوگ ایران کے مشہور مقام ماژندران کے رہنے والے تھے۔ خوبی تقدیر سے وطن کی سکونت ترک کر کے ہندوستان آئے اور دہلی پہونچکر کچھ عرصہ تک فوج شاہی میں ملازم رہے بعد ازاں تقدیر نے یاوری کی سپاہی سے افسر بنا دیے گئے اور شرقی سلطنت کے قیام کے وقت خواجہ جہاں سلطان الشرق کے ہمراہ جونپور آئے اور اپنے حسن کارکردگی سے بادشاہ کو اتنا خوش کیا کہ بادشاہ نے ناظم جونپور بنا دیا۔ اسی زمانے میں آپنے ایک مسجد محلہ پاندریبہ میں تعمیر کرائی جسکا نام مسجد "خالص مخلص" رکھا۔ جو آجکل چار انگل کی مسجد کے نام سے مشہور ہے اور "محکمہ آثار قدیمہ" کے زیر اہتمام ہے۔ آپ کا بسایا ہوا ایک موضع خالص پور آجتک آباد ہے۔ وفات کے بعد آپ اسی مسجد کے صحن میں دفن ہوئے۔ نشان قبر موجود ہے۔

خالص مخلص ایک شخص کا نام تھا یا دو بھائی تھے اسمیں مورخوں میں اختلاف ہے۔ بعض کے خیال سے حضرت خالص اور حضرت مخلص دو بھائی تھے اور یہی قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قبریں دو ہیں۔

بقول تاریخ فرشتہ۔ تاریخ محمدی اور تاریخ مولانا بدایونی یہ لوگ سلطان ابراہیم شاہ کے بھائی تھے۔

؎۱ تجلی نور حصہ سوم قلمی۔ فرشتہ

شہزادہ فیروزشاہ

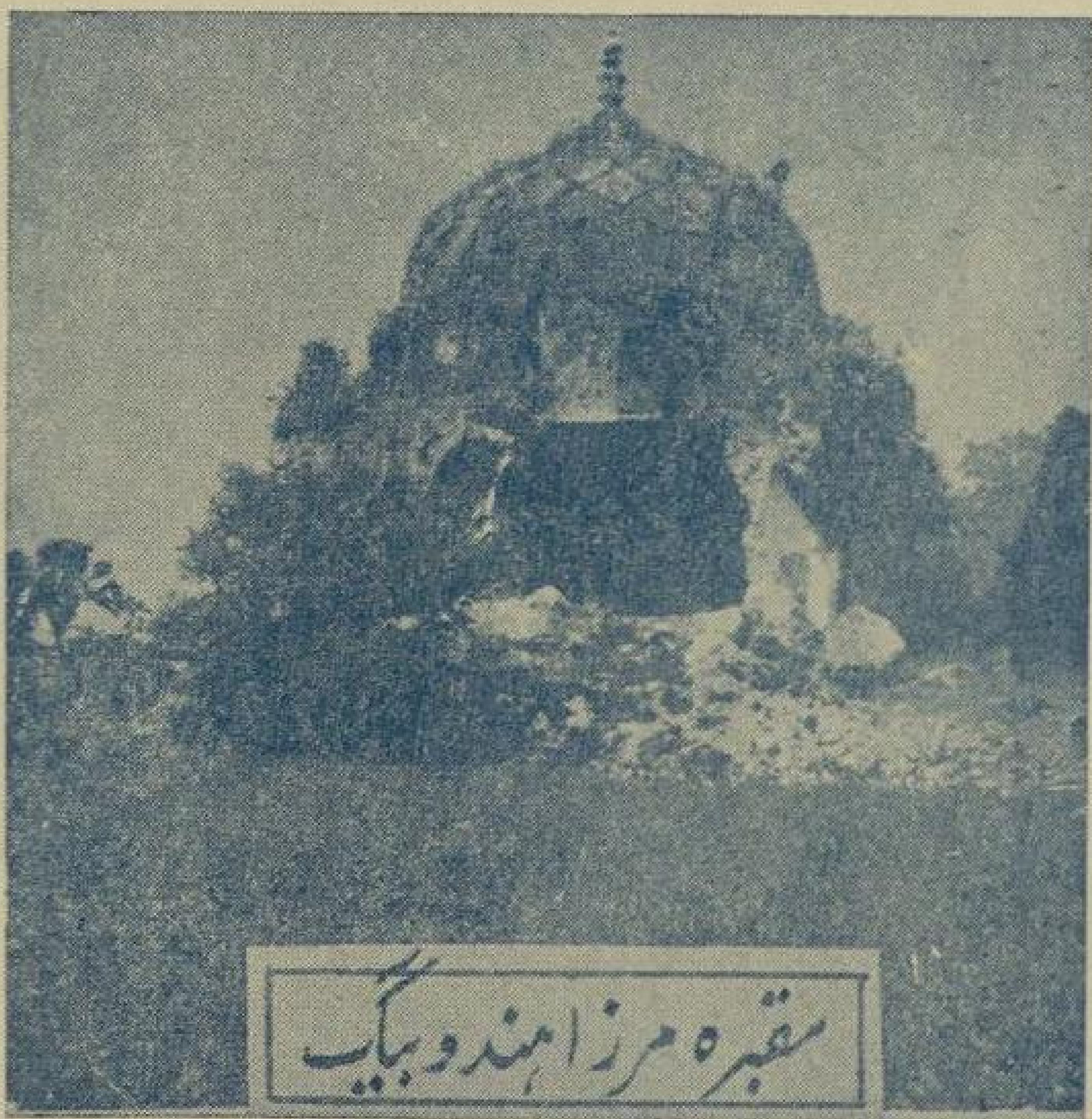
آپ کا سلسلۂ نسب سلاطین خاندانِ چغتائی سے ملتا ہے۔ جب بابر بادشاہ نے ملک ہندوستان پر لشکر کشی کی اور دہلی پر قبضہ کر کے اعلان شاہی کیا اسوقت شاہزادہ فیروز شاہ بھی دہلی میں موجود تھا اور بابر بادشاہ کے ہمراہ ہندوستان میں آیا تھا۔ بابر فیروز شاہ کی بہت قدر کرتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے اطراف میرٹھ میں آپ کو جاگیر دی پھر جب بہادر خاں لوہانی نے افغانوں کے بل بوتے پر خود کو سلطان محمد خاں مشہور کر کے شرقی سلطنت میں فتنہ و فساد پھیلانا شروع کیا تو بابر بادشاہ نے خود سر افغانوں کی تنبیہہ اور سرکوبی کے لئے شاہزادہ فیروز کو مامور کیا اور دس ہزار جرار فوج کے ساتھ جونپور روانہ کر دیا۔ یہاں پچاس ہزار افغان بابری فوج کا مقابلہ کرنے کیلئے موجود تھے۔ دونوں میں سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ نتیجہ میں شاہزادہ فیروز شاہ کو شکست ہوئی اور جونپور سے دہلی واپس چلا گیا۔ مگر کچھ زمانہ کے بعد بابر شاہ نے جونپور پر پھر حملہ کیا اور افغانوں کو پسپا کر کے جونپور پر قبضہ کر لیا سلطان محمد خاں شکست خوردہ روپوش ہو گیا اور حاکم جنید برلاس کی جگہ شاہزادہ فیروز شاہ کو جونپور کا حاکم بنا دیا۔

شاہزادہ فیروز شاہ نے جونپور کو از سر نو آباد کیا اور رعایا کے دلوں میں اطمینان کلی پیدا کر کے شہر میں امن و امان قائم کیا اور افغانی فتنہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سد باب کر دیا اور اپنی بقیہ عمر جونپور میں نہایت نیک نیتی اور ایمانداری سے گذاری۔ یہانتک کہ پیغام اجل پر لبیک کہکر گوشۂ قبر آباد کیا اور محلہ جمال خاں متصل محلہ سپاہ مدفن ہے۔ روضہ فیروز شاہ پختہ و بلند لب سڑک ابتک موجود ہے۔

سلہ معاصر الامراء۔ تجلی نور حصہ سوم ص ۷۹



مقبرہ شاہ فیروز گورنر



مقبرہ مرزا ہندو بیگ

امیر مرزا ہندو بیگ

عراق کے رہنے والے نجیب الطرفین سادات سے تھے۔ بابر بادشاہ کے زمانے میں وارد ہندوستان ہوئے۔ جب بابر بادشاہ کو آپکی آمد کی اطلاع ہوئی اور آپکی قابلیتوں اور صلاحیتوں کا اندازہ ہوا تو امرائے دربار میں شامل کرلیا اور منصب سہ ہزاری عطا کیا۔ بعد ازاں گڑھ مکتیشور کے راجہ نے بعہدہ تولیہ داری دہلی سے آپ کو طلب کرلیا اور پھر اسکے بعد میرٹھ کی حکومت سپرد ہوئی۔

میرٹھ میں آپنے نہایت نیکنامی کی زندگی بسر کی۔ اہالیان میرٹھ سے اس قدر محبت و شفقت سے پیش آئے کہ حاسدین کی نظروں میں کھٹکنے لگے۔ اور نوبت یہانتک پہونچی کہ بادشاہ تک آپ کی شکایت پہونچا دی گئی کہ مرزا ہندو بیگ عیش و عشرت کے عادی ہیں۔ رعایا کی تکلیف کا احساس نہیں، کار سرکار میں تساہلی کرتے ہیں۔ اتفاق سے ان شکایتوں کو سنکر بادشاہ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور کچھ دنوں آپ عتاب شاہی کا شکار رہے۔ مگر جب بادشاہ کو علم ہوا کہ ساری شکایتیں بر بنائے حسد کیگئی تھیں تو آپکے لئے پھر بخشش و عطایا کے دروازے کھول دیے گئے اور پھر مقربان بارگاہ میں سے ہو گئے۔

شاہزادہ فیروز کے انتقال کے بعد آپ کو جونپور کا حاکم بنا دیا گیا۔ اور ۹۵۰ھ میں جب بنگالہ میں شیر شاہ کے فتنہ و فساد کو دبانے کے لئے آپکو بھیجا گیا تو اثنائے راہ میں آپکا انتقال ہو گیا۔ آپکی نعش آپکے اعزا جونپور لائے اور محلہ کنگھرہ میں عیدگاہ کے دکھن جانب دفن کیگئی۔ جس پر ایک رفیع الشان مقبرہ بنا ہوا ہے۔ اسوقت یہ مقبرہ خراب و خستہ حالت میں ہے اور مرمت طلب ہے۔ [۱]

---

[۱] تذکرۃ الامراد جلد سوم قلمی صـ

خان اعظم بابا بیگ جلائر

اصل نام میر محمد باقر عرف ارادت خاں تھا۔ اوّلاً نواب آصف خاں مرزا جعفر نے آپ کو سیالکوٹ وگجرات میں فوجداری پر مامور کیا اور بعد میں اپنی دختر سے آپکی شادی کردی۔ خان اعظم ایک عرصہ تک سیال کوٹ وگجرات میں ضبط ونظم سلطنت میں کوشاں رہے اور پھر متھرا کے تولیہ دار مقرر کردیئے گئے اور پھر بہار کی حکومت سپرد کی گئی۔ بسنہ ۲۱ جلوس اکبری میں کشمیر میں صوبہ دار بنا کر بھیجدیے گئے۔

جسوقت میرزا میرک حاکم جونپور کے مرنے کی خبر پائی آپنے بادشاہ کو ایک عرضی روانہ کی جس میں لکھا کہ "کشمیر میں بیحد سردی پڑتی ہے اور میں ایسی سردی برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ اگر بہ نظر ترحم شاہانہ مجھے جونپور بھیجدیا جاتو میری عزت افزائی کا باعث ہوگا۔"

بادشاہ نے عرضی دیکھتے ہی آپ کو کشمیر سے طلب کرکے جونپور کا حاکم بنادیا جونپور پہونچکر آپنے صرف ۲ سال حکومت کی اور چھہتر ۷۶ سال کی عمر میں ۱۰۵۹ھ کو دنیائے فانی سے رحلت کی۔ آپنے محلہ تاڑتلہ میں روضہ شاہ کبیر کے پچھم جانب دریا کنارے مکان پختہ اور ایک باغ "بہشت منزل" کے نام سے بنوایا تھا اور بعد انتقال اسی باغ کے صحن میں مدفون ہوئے۔ قبر شکستہ حالت میں موجود ہے۔ [۱]

امیر الامرا خان زماں علی قلی خاں شیبانی

حیدر سلطان باپ کا نام قوم کا اُذبک تھا اور شیبانی خاندان سے تھا۔ شاہ طہماسپ نے جو فوج ہمایوں بادشاہ کے ساتھ کی تھی اس میں حیدر سلطان بھی تھا۔ باپکے انتقال کے بعد ہمایوں نے علی قلی خاں

---

[۱] مشاہیر جونپور قلمی سیوم صفحہ ۹۰"

کو داروغہ باورچیخانہ بنا دیا۔ بعد میں علی قلی خاں اور اسکے بھائی بہادر خاں کو فوج میں بھرتی کر لیا۔ دیپالپور کی مہم میں جب شاہ ابو المعالی افغانوں کے لشکر میں گھر گئے تو ان ہی دونوں بھائیوں نے نہایت شیرانہ حملے کر کے مہم سر کی تھی اور جب قنبر دیوانہ نے سنبھل میں سرکشی کی تو علی قلی خاں کو بادشاہ نے خان زماں کا خطاب دیکر بادشاہ نے سنبھل روانہ کیا۔ قنبر دیوانہ قلعہ سنبھل میں بعد جنگ مارا گیا اور اسکا سر کاٹ کر علی قلی خاں نے بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔

جب ہیمو بقال نے تغلق آباد میں شاہی لشکر کو شکست دیکر دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا تو خان زماں نے بادشاہ کا حکم پاتے ہی شادی خاں سے جنگ ترک کر کے دہلی کا رخ کیا۔ جب ہیمو کے مقابلہ میں فوجیں روانہ ہوئیں تو ایک فوج کا سپہ سالار خود اکبر بادشاہ تھا اور دوسری فوج کی سپہ سالاری خانزماں علی قلی خاں کو دی۔ پانی پت کے میدان میں ہیمو بقال سے سامنا ہوا۔ علی قلی خاں شیر کی طرح ہیمو کی فوج پر جھپٹ پڑا اور سارا توپ خانہ اور ہاتھی گھوڑا چھین لیا۔ جب ہیمو نے دوبارہ فوج ترتیب دیکر ہوائی ہاتھی پر سوار ہو کر مقابلہ کیا تو علی قلی خاں نے ہیمو کو زندہ گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس حاضر کر دیا۔ اس جنگ کے صلے میں سنبھل کا علاقہ اور دوابہ علی قلی خاں کی جاگیر میں آیا۔[1]

ایک انگریز مورخ بلاک مین اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ "مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھنے میں برم خاں کے بعد دوسرا نمبر خان زماں علی قلی خاں کا آتا ہے۔ سنبھل کی سرحد کے آس پاس تمام افغان چھائے ہوئے تھے۔ رکن خاں افغان نے سرکشی کی تو خانزماں نے لکھنؤ تک مطلع صاف کر دیا۔ ابھی خان زماں لکھنؤ میں تھا کہ حسن خاں

---

[1] تاریخ ہند ذکاء اللہ۔ فرشتہ۔ تجلی نور سوم قلمی۔ ماثر الامرا

بیس ہزار افغان لیکر چڑھ آیا۔ علی قلی خاں اور بہادر خاں نے ایسی شکست فاش دی کہ دشمن بہت سا مال غنیمت چھوڑکر بھاگا۔ سبد کیا اور دلسنگار ہاتھی اس معرکہ میں ہاتھ آئے۔ اور خان زماں نے سنہ ۹۶۴ھ میں جونپور پر بھی قبضہ کرلیا اور سکندر عدلی کو جونپور سے نکال باہر کیا۔

ملا پیر محمد خان زماں سے بہت جلتے تھے۔ بادشاہ سے شکایت کی کہ خانزماں کے ارادے بد ہیں۔ چنانچہ اکبر بادشاہ نے خان زماں کی تنبیہ کے لئے کچھ سرداروں کو خان زماں کے پاس بھیجا۔ ملا پیر محمد کو شاہم بیگ کے معاملہ میں اپنے دربار سے نکال دیا تھا۔ خود تو بادشاہ سے معافی مانگ کر معاملہ سدھار لیا مگر ملا پیر محمد ناخوش ہی رہے۔ جس زمانے میں کوڑیا افغان نے بنگالہ میں سر بغاوت بلند کیا خان زماں جونپور میں تھا۔ شاہی حکم پاتے ہی بنگالہ پر چڑھ دوڑا اور افغانوں کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر لگا دیے اور بادشاہ کو اتنا خوش کیا کہ سارے گناہ دھل گئے۔ [1]

ابھی خان زماں جونپور ہی میں تھا کہ سکندر عدلی کا لڑکا شیر خاں کے نام سے چنار کا مالک ہوگیا اور اپنے باپ کا بدلا لینے کے لئے جونپور پر حملہ آور ہوا۔ وہ دریائے گومتی اُتر کر سلطان حسین شاہ کی شرقی مسجد کی طرف بڑھا اور چاہتا تھا کہ لعل دروازہ پر حملہ کریں اتنے میں خان زماں مع لشکر کے دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑا۔ دشمن شکست کھاکر بے شمار ساز و سامان چھوڑکر بھاگا۔

خانزماں نے اس لڑائی میں ہاتھ آیا ہوا سامان اور ہاتھی گھوڑے بادشاہ کے پاس نہیں بھیجے۔ اسلئے بادشاہ کو خان زماں پر بغاوت کا پھر شک ہوا۔ اور خان زماں کی تنبیہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ جیسے ہی کڑہ مانک پور پہونچے خانزماں کو

---

[1] تاریخ ہند بلاک مین۔ فرشتہ۔

اس کا علم ہو گیا۔ دونوں بھائی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحفے تحائف نذر کر کے بادشاہ کو خوش کر لیا۔ پلتہ۔ دلیل۔ سید لیا اور جگ موہن ہاتھی پاکر اکبر بادشاہ بیحد خوش ہوئے۔

کچھ دنوں بعد مخالفین نے پھر خان زماں کے خلاف اکبر کے کان بھر دیے اور اکبر نے ۹۷۱ھ میں ملا عبداللہ سلطانپوری۔ مولانا علاء الدین لاری۔ شہاب الدین احمد خاں اور وزیر خاں کو بھیجا کہ خان زماں کو راہِ راست پر لائیں۔

ادھر فتح خاں اور حسن خاں افغان لشکر کثیر لیکر قلعہ رہتاس گڑھ سے اٹھے اور سلیم شاہ کے بیٹے کو بادشاہ بنا کر بہار کی حکومت پر قابض ہو گئے۔ اور بعض علاقے خان زماں کے بھی دبا لیئے۔ دونوں بھائیوں نے ابراہیم خاں اذبک اور مجنوں خاں قاقشال کو آگے بڑھایا مگر دشمن ریلتا ہوا آگے بڑھ آیا۔ پھر خاں زماں نے حسن خاں تبتی کو آگے بڑھایا مگر وہ بھی ناکام رہا۔ اتنے میں خان زماں دشمن کے توپ خانے پر شست باندھ کر چڑھ گیا اور توپ داغ دی۔ توپ دغنے سے پٹھانوں کے اوسان خطا ہو گئے اور ایک ہاتھی بگڑ کر دشمنوں کی فوج کو ریلتا ہوا چاروں طرف بھاگنے لگا دشمن سمجھے یہ خان زماں کا داؤں ہے سارا سامان جنگ چھوڑ کر بھاگے اور فتح کا سہرا خان زماں کے سر بندھا۔

اس جنگ کے بعد لوگوں نے بادشاہ کے پھر کان بھرے کہ مال غنیمت میں سے خان زماں نے کچھ نہیں بھیجا۔ اس جنگ میں حاصل کئے ہوئے صف شکن اور کوہ پارہ ہاتھیوں کی تعریف کر کے بادشاہ کو لالچ دلایا۔ چنانچہ بادشاہ نے اس مرتبہ منعم خاں خانخاناں کو روانہ کیا۔ خان زماں بھی شاہی لشکر سے مقابلہ کرنے کیلئے آگے بڑھا

سلف فرشتہ۔ تاریخ ہند ذکاءاللہ۔ مآثر الامراء تجلی نور سوم قلمی

اور دریائے چوسنہ کے کنارے دونوں کا سامنا ہوگیا۔ دونوں طرف سے کشتیوں پر لوگ آئے۔ صلح مصالحت کی باتیں ہوئیں۔ صف شکن اور کوہ پارہ ہاتھی اور کچھ تحفے تحائف دیکر بادشاہ سے اپنی خطا معاف کرالی۔

خطا معاف ہونے کے بعد خان زماں کا دل اور بڑھ گیا۔ اس نے چنار گڑھ سے سنگار کرتے کرتے غازی پور اور جونپور پر دھاوا بولدیا اور حکومت کرنے لگا اکبر بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ "ملک حضور کا مال ہے۔ میں بھی حضور کا ہوں۔ قدیمی نمکخوار و جاں نثار ہوں۔ انتظام ہی تو کرتا ہوں تباہ تو نہیں کرتا۔ اس پر لوگوں نے بادشاہ کو بھڑکا دیا کہ اس جواب کی تہ میں بہت خطرے ہیں فوری سد باب کی ضرورت ہے۔ بادشاہ نے فوراً اشرف خاں میر منشی کو بھیجا کہ جونپور کا انتظام سنبھال لو اور خان زماں کی ماں کو قید کر لو۔

خان زماں اسوقت اودھ کے علاقے میں تھا۔ بادشاہ کی آمد کی خبر پاتے ہی جنگلوں میں جا چھپا۔ بہادر خاں اپنے بہادر دلاوروں کے ساتھ جونپور آیا قلعہ میں سے ماں کو نکالا اور بادشاہ کے آنے کی خبر سن کر وہ بھی دریا پار اتر گیا خان زماں نے میرزا میرک رضوی کے ساتھ پھر ماں کو خانخاناں کے پاس بھیجا کہ وہ قصور معاف کرا دیں اور یہ شعر لکھکر بھیجا ؂

بدیں امید ہائے شاخ در شاخ
کرم ہائے تو ما را کرد گستاخ

اس مرتبہ بھی خان زماں کے قصور کو اکبر بادشاہ نے معاف کر دیا اور معاملات رفع دفع ہوگئے۔ اور کچھ دنوں فریقین میں کوئی تلخی پیدا نہ ہوئی۔

؎ دربار اکبری۔ فرشتہ۔ تاریخ ہند ذکا اللہ۔ گزیٹر جونپور

اتفاق سے حاسدوں نے پھر اکبر بادشاہ سے خان زماں کی چغلی کھائی کہ وہ آزاد ہوا چاہتا ہے اور بادشاہ حاسدوں کی باتوں میں آکر خان زماں کی تنبیہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس مرتبہ بادشاہ کے اہل وعیال بھی ساتھ تھے جنھیں جونپور میں چھوڑ کر سندرم ہاتھی پر سوار ہو کر رات میں کڑہ مانک پور پہنچا اور دریا عبور کر کے صبح سکراول کے مقام صفوف جنگ آراستہ کر دیا۔ پیر کا دن عید قرباں کی پہلی تاریخ ۹۷۴ھ کو دونوں فوجوں کا سامنا ہوا۔ علی قلی خاں اور بہادر خاں دونوں بھائی ایسے لڑے کہ شاہی فوج کے دانت کھٹے کر دیے مگر اکبری قسمت کا ستارہ عروج پر تھا۔ خان زماں لڑتے لڑتے تیر کھا کر زمین پر آئے اور ہاتھی کے ریلے نے کچل ڈالا۔ ابھی سسک رہے تھے کہ کسی نے سر کاٹ کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا جو آگرہ روانہ کر دیا گیا۔ بادشاہ کو اس جنگ کی کامیابی پر بڑی خوشی ہوئی مگر ایک نامور بہادر کے کھونے کا صدمہ بھی بیحد ہوا جو مدتوں باقی رہا۔

جب خاں زماں کا لشکر تتر بتر ہونے لگا تو نظر بہادر بہادر خاں کو ایک گھوڑے پر سوار کر کے اکبر کے سامنے لایا۔ اکبر نے کہا "یہ ہماری رعایات وقدردانی کا بدلہ تم نے دیا ہے؟" بہادر خاں نے آنکھیں نیچی کر لیں۔ اسکے بعد قتل کا حکم دے دیا گیا۔

خان زماں علی قلی خاں سخی تھا۔ عالی ہمت تھا اور شجاع وجری تھا۔ امیرانہ مزاج رکھتا۔ فکر کا تیز اور مزاج کا ذکی تھا۔ علماء شعرا اور اہل کمال کا بڑا قدرداں تھا۔ غازی پور میں زمانیہ اسی کا آباد کیا ہوا ہے جو پہلے شہر تھا۔ غزالی۔ الفتی اور سلطان تبکلی خان زماں کے درباری شعرا تھے۔ بہادر خاں خود بھی شاعر تھا

سلہ دربار اکبری۔ تجلی نور سوم قلمی ماثر الامراء

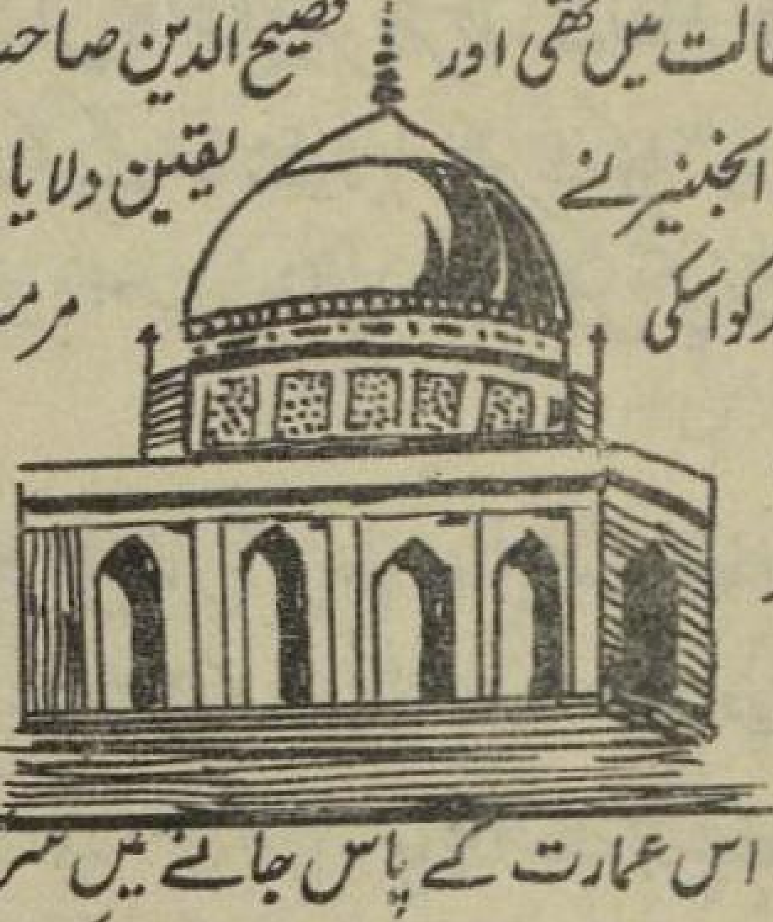
دونوں بھائیوں کے قطعات تاریخ تو بہت سے لکھے گئے مگر سب سے مختصر تاریخ درج ذیل ہے :-

"دو خوں شدہ"

خان زماں کی بغیر سر کی نعش اعزہ جونپور لائے اور مقام "خاص حوض" جونپور میں شاہم بیگ کے مزار کے پاس وسطی ٹیلہ پر دفن کردیا اب بھی چبوترہ پر نشان قبر ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسے بہادر نوجوان کی یادگار کے سلسلے میں قبر کی حفاظت کیجائے تاکہ برباد ہونے سے بچ جائے۔

مقبرہ حضرت سلیمان شاہ

حضرت سلیمان شاہ محمود شاہ شرقی کے عہد میں بہت پائے کے بزرگ گذرے ہیں آپکے انتقال کے بعد زوجہ محمود شاہ شرقی راجے بی بی نے اپنی نگرانی میں آپکا مقبرہ سنہ ۸۶۷ھ / ۱۴۵۰ء میں تعمیر کرایا جیساکہ مقبرے میں لگے ہوئے ایک پتھر سے ظاہر ہے یہ عمارت نہایت شکستہ حالت میں تھی اور فصیح الدین صاحب کلکٹر جونپور کے زمانہ سنہ ۱۹۲۳ء میں ڈسٹرکٹ انجنیر نے یقین دلایا تھا کہ اگر اسکی مرمت نہ ہوئی تو یہ گر جائے گا۔ بعد کو اسکی مرمت کرادی گئی۔



یہ مقبرہ نہایت شاندار اور شرقی دور کی عظیم الشان یادگار ہے۔ اور جونپور ڈسٹرکٹ جیل کے احاطے کے اندر ہے اور دور ہی سے نظر آتی ہے۔ اس عمارت کے پاس جانے میں سرکار کی طرف سے پابندیاں ہیں اسلئے لوگ زیارت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اندر جانیکی اجازت نہ ملنے کیوجہ سے اس عمارت کا فوٹو نہیں مل سکا۔ صرف قلمی خاکہ پیش کیا گیا۔ [1]

---

[1] شرقی منومنٹ از فصیح الدین - تجلی نور سوم۔

بہادر خاں

سلطنت مغلیہ میں نوکری سے قبل بہادر خاں کا نام محمد سعید خاں تھا۔ بعد میں بہادر خاں کا خطاب حاصل کیا۔ یہ خان زماں علی قلی خاں کے چھوٹے بھائی تھے اور اکبری دربار میں منصب پنجہزاری پر فائض تھے۔ جب ہمایوں بادشاہ کو شاہ طہماسپ نے ہندوستان فتح کرنے کے لئے فوج دی تو اس میں بہادر خاں بھی اپنے باپ اور بھائی کے ہمراہ ہندوستان میں آئے۔ جب ہمایوں نے قندھار فتح کیا تو بہادر خاں کو سب سے پہلے قندھار کے قلعہ کا محافظ بنایا۔

ہمایوں کی وفات کے بعد بہادر خاں اکبری فوج میں بعہدۂ سپہ سالاری نوکر ہوئے اور اپنے بھائی علی قلی خاں کے ساتھ بہت سی مہمات پر سایہ کی طرح ساتھ رہے اور اکبر بادشاہ کو اپنی جوانمردی اور فتوحات سے خوش رکھتے ہیں ہمیشہ کامیابی حاصل کی آخرش اپنے بھائی کی رفاقت میں شاہی لشکر سے جنگ آزما ہوگئے۔ اکبر بادشاہ ان کی اس حرکت پر غیظ میں آگیا اور شہباز خاں کو حکم دیا کہ بہادر خاں کو قتل کردیا جائے۔ اکبر بادشاہ سے سکراول کے مقام پر علی قلی خاں اور شاہی لشکر میں جنگ ہوئی بہادر خاں بھی اپنے بھائی کی طرف سے جنگ میں شریک تھے۔ جب گرفتار ہوئے تو شہباز خاں نے بادشاہ کے حکم سے انکو میدان کارزار میں قتل کردیا یہ واقعہ ۹۷۵ھ میں درپیش ہوا۔ بہادر خاں کا سر کاٹ کر علی قلی خاں کے سر کے ساتھ آگرہ بھیج دیا گیا اور جسم کو اعزہ جونپور لائے اور علی قلی خاں کے مزار کے پاس دفن کر دیا جو ایک پختہ چبوترے پر شاہم بیگ کی قبر کے پائنتی واقع ہے۔ قبر منہدم ہو چکی ہے صرف نشان قبر باقی ہے۔ یہ قبر بھی جانباز بہادر کی ہو اور قابل توجہ ہے[1]

---

[1] تجلی نور سوم قلمی۔ تذکرۃ الامراء

شاہم بیگ

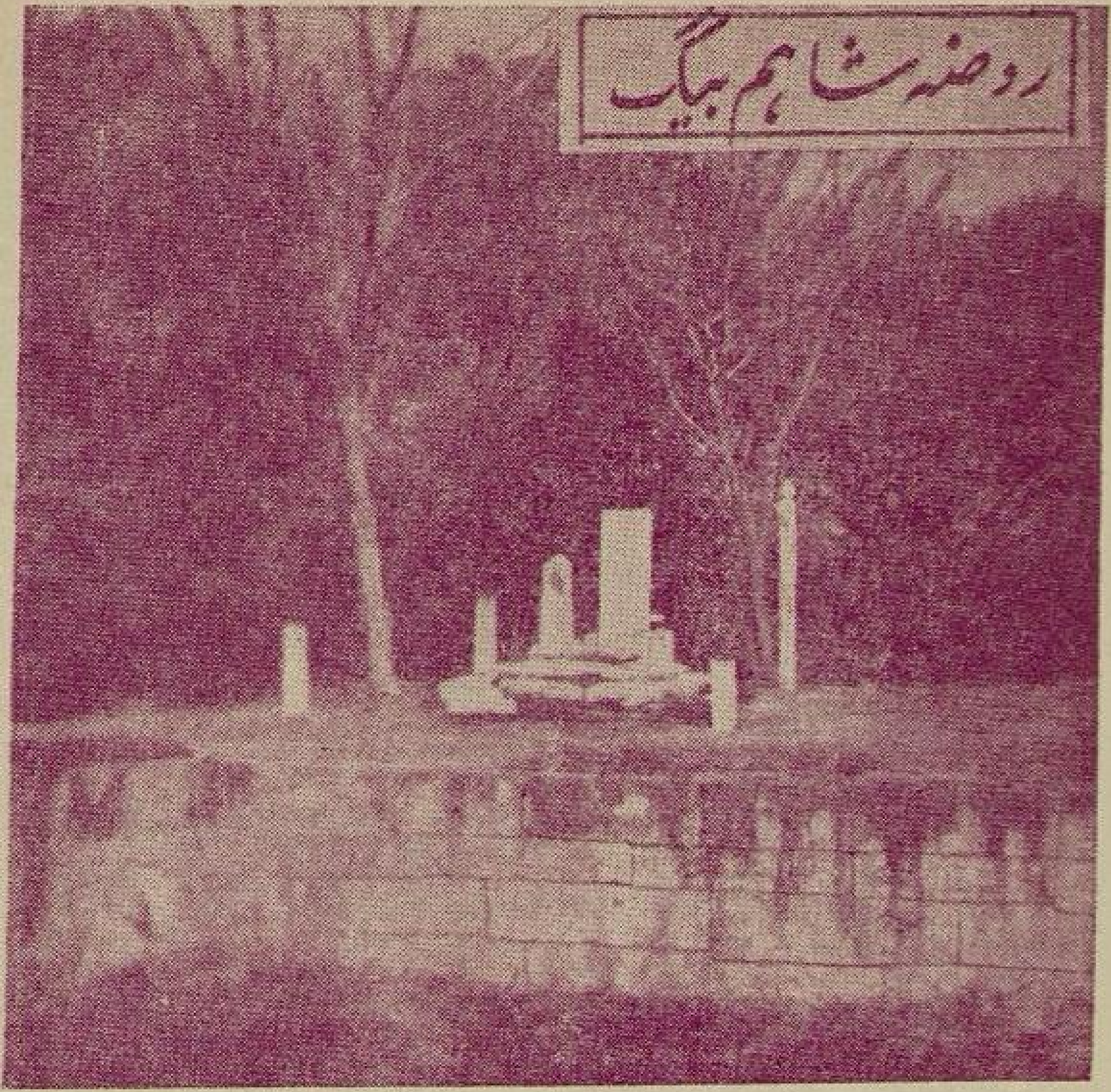
اکبر اعظم کے عہد میں نہایت حسین وجمیل اور خوش مزاج ایک نوجوان تھا جسکا نام شاہم بیگ تھا۔ اسکے حسن وجمال کی کافی شہرت تھی۔ مولوی ذکاءاللہ[۱] نے اس کے باپ کا نام ساربان لکھا ہے۔ مگر گزٹیر جونپور کے انگریز مورخ نے شاہ حیدر الفتی لکھا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ دوسرے ذرائع اور لوح مزار کے کتبہ سے اسکی تائید ہوتی ہے۔

شاہم بیگ اکبر شاہ کے خواصوں میں ملازم تھا اور بادشاہ کی اسپر خاص نظر عنایت تھی۔ علی قلی خاں بھی شاہم بیگ سے محبت کرنے لگا اور جب جالندھر جانے لگا تو اسے بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ علی قلی خاں شاہم بیگ کی محبت میں ایسا اسیر ہوا کہ اپنے فرائض سے بھی غفلت برتنے لگا۔ علی قلی خاں شاہم بیگ کو بڑے ناز ونعم سے رکھتا۔ اپنی خاص مسند پر بٹھاتا اور دست بستہ ہوکر نہایت عاجزی سے شاہم شاہم کہکر مخاطب کرتا۔ ان باتوں کی خبر ملا پیر محمد کو ہوئی اور پھر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی۔ بادشاہ نے خان زماں کو ایک نصیحت آمیز خط لکھا جسمیں انجام بد سے ڈرایا اور لکھا کہ یہ کام میری اطاعت کے خلاف ہے۔ بہتر ہے کہ شاہم بیگ کو ہمارے پاس روانہ کردو۔ تمھارا قصور معاف کر دیا جائے گا۔

خان زماں کو شاہم بیگ کی جدائی شاق گزری اور اس نے حیلے حوالے سے کام لیا۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر سلطان حسین جلائر کو قصبہ سندیلہ دیکر روانہ کیا کہ وہ علی قلی خاں کو سرکشی سے روکیں۔ جلائر نے حتی الامکان علی قلی خاں کو ہر رخ سے سمجھایا اور نصیحت بھی کی۔ مگر علی قلی خاں پر انکی باتوں کا کوئی اثر نہوا اور عشق کا بھوت سر سے نہ اُترا۔ جب اُسے خبر ملی کہ بادشاہ بیحد ناراض ہو کر خود ہی تشریف لا رہے ہیں تو مجبور ہو کر شاہم بیگ کو اپنے سے جدا کر دیا۔

وہ علی قلی خاں کو چھوڑ کر قصبہ سرہرپور چلا گیا جو عبدالرحمن پسر موئد بیگ

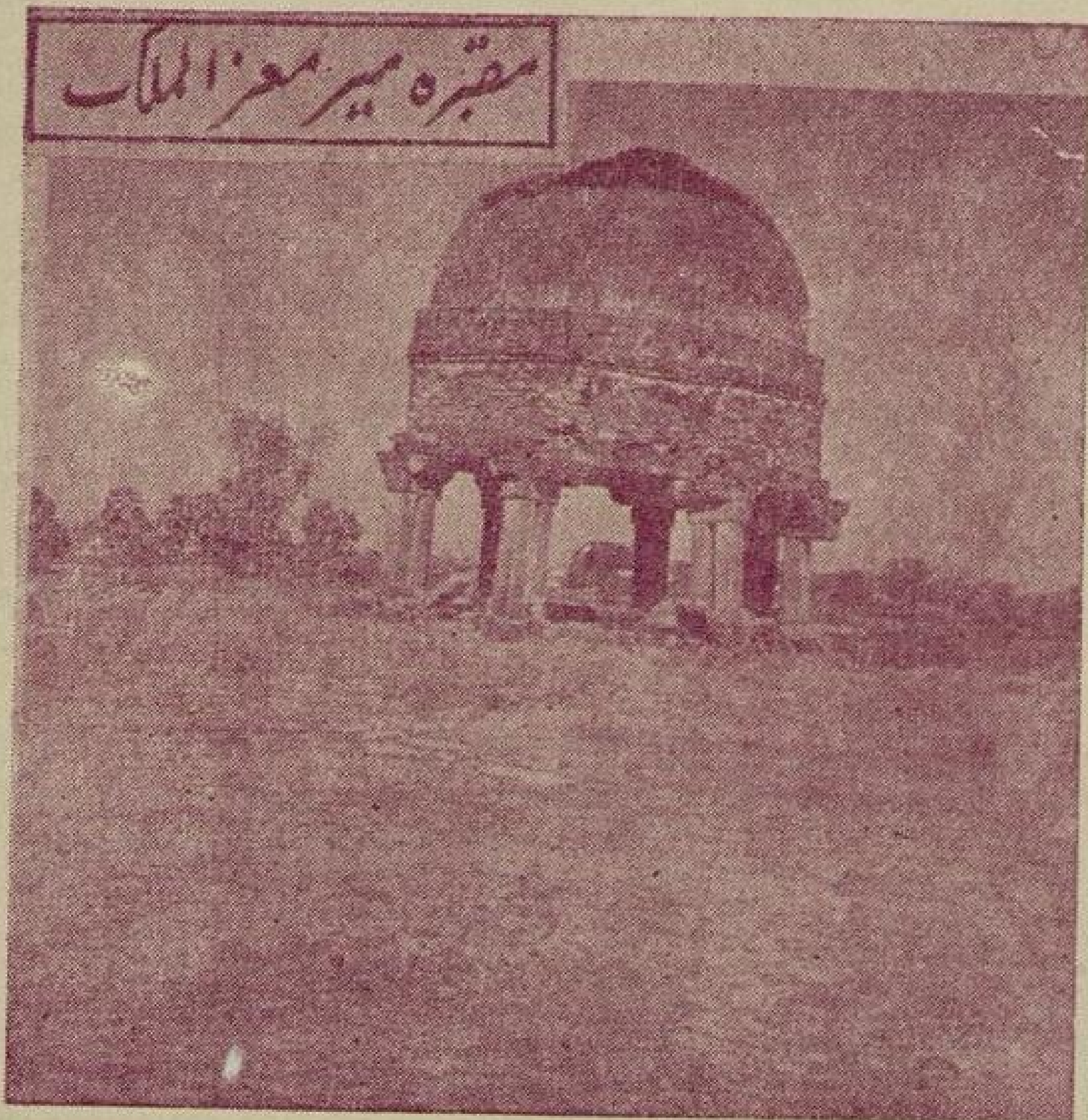
[۱] تاریخ ہند ذکاءاللہ۔



روضہ شاہم بیگ



لوح مزار شاہم بیگ



مقبرہ میر معز الملک

کی جاگیر میں تھا۔ عبدالرحمن بھی شاہم بیگ سے بیحد محبت کرنے لگا۔ شاہم بیگ کبھی کبھی آرام جاں کو یاد کرتا اور عبدالرحمن سے اسکو بلوانے کیلئے اصرار کرتا۔ آرام جاں ایک طوائف تھی جو علی قلی خاں کی منظور نظر تھی بعد میں علی قلی خاں نے اس سے عقد بھی کر لیا تھا۔ شاہم بیگ سے علی قلی خاں نے کوئی بات پردہ میں نہ رکھی تھی۔ اسکو اپنی خلوت میں بھی شرکت کرنے کا مجاز کر دیا تھا۔ علی قلی خاں کی بزم خلوت وجلوت میں شرکت کرتے کرتے شاہم بیگ کو بھی آرام جاں سے والہانہ عشق پیدا ہو گیا تھا اور اسی لئے اس نے عبدالرحمن سے آرام جاں کو بلوانے کی فرمائش کی۔

علی قلی خاں جو اپنی آمدنی کا دو تہائی حصہ شاہم بیگ پر خرچ کرنے میں خوشی محسوس کرتا تھا، آرام جاں کو شاہم بیگ کے حوالے کر دیا اور عبدالرحمن اپنی نگرانی میں رکھنے لگا۔ شاہم بیگ نے آرام جاں سے ویسے ہی تعلقات پیدا کر لئے جیسے آرام جاں سے علی قلی خاں کے تھے مگر کچھ دنوں بعد عبدالرحمن کی بھی رگ شہوانی میں حرکت ہوئی اور جنسی میلان طبع سے مغلوب ہو گیا۔ شاہم بیگ نے عبدالرحمن کی نیت اور ارادوں کی قدر کرتے ہوئے آرام جاں کو عبدالرحمن کے حوالے اس امید پر کر دیا کہ علی قلی خاں کی طرح یہاں بھی وہ محرم رازنہ رہے گا۔ مگر عبدالرحمن نے آرام جاں کو اپنے تصرف میں لانے کے بعد شاہم بیگ کو قریب نہ آنے دیا۔ شاہم بیگ عبدالرحمن کی اس حرکت پر آگ بگولہ ہو گیا اور موقع پا کر عبدالرحمن کو قید کرا دیا۔ جب اسکی اطلاع عبدالرحمن کے بھائی موئد بیگ کو ہوئی تو وہ مسلح ہو کر شاہم بیگ پر چڑھ آیا۔ دونوں میں ایک ہلکی سی جنگ ہوئی۔ آخر میں ایک تیر سے شاہم بیگ کا انتقال ہو گیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع اکبر بادشاہ کو ہوئی تو بہت خوش ہوا۔ اور علی قلی خاں نے عبدالرحمن کو قتل کرنا چاہا مگر وہ گنگا کے کنارے کنارے نکل گیا

اور علی قلی خاں تعاقب کر کے ناکام واپس لوٹ آیا۔

علی قلی خاں نے شاہم بیگ کی نعش جونپور لاکر خاص حوض کے وسطی ٹیلے پر دفن کر دیا اور ایک نہایت شاندار چبوترہ سنگی اور مقبرہ تعمیر کرا دیا اور اس پر ایک لوح مزار بھی نصب کرا دیا۔ کچھ عرصہ ہوا مقبرہ منہدم ہو گیا مگر مزار بہت ہی عالیشان باقی ہے۔ لوح مزار پر اشعار ذیل کندہ ہیں۔ ۱؎

بروزِ مرگ جز چشمِ ترِ من | سیہ پوشے نباشد بر سرِ من

شاہم گلِ حدیقۂ خوبی کہ از شرف | واحسرتا کہ از نظرم ناپدید شد

ظلمے کہ رفتہ است برآں نوجواں نگر | برحضرتِ حسین ز قومِ یزید شد

سلطاں کہ لبست لب زسخن نیست بلبلے | کز ہجر گل خموش ز گفت و شنید شد

تاریخ فوتِ او چو طلب کردم از جہاں
برکند روئے خویش کہ شاہم شہید شد

ابراہیم بیگ خاں اُزبک میرزا

ابراہیم خاں ۹۶۹ھ ہمایوں بادشاہ کے امراء میں سے تھے اور خان زماں اور بہادر خاں کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔ جب ہمایوں نے ہندوستان فتح کیا تو حیدر سلطان کی سفارش سے اولاً شاہ ابو المعالی کے ہمراہ لاہور میں تعنات کیے گئے تاکہ اگر شیر شاہ سوری کوہستانی علاقہ سے حملہ آور ہو تو اسکا فوری تدارک کیا جاوے

جسوقت علی قلی خاں مورد عتاب خسروانہ ہوئے انکی جگہ پر ابراہیم خاں طلب کئے گئے اور مضافات جونپور میں موضع سرہرپور انکو جاگیر میں دیا گیا۔ ابراہیم خاں

۱؎ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ جلد ۵ صہ ۶۶-۶۷ دربار اکبری۔ تجلی نور سوم قلمی فارسی تاریخ جونپور نظیر الدین صہ ۶۳

علی قلی خاں کے ساتھ ساتھ تھے۔ جس وقت علی قلی خاں نے اپنی والدہ کو اپنے قصور کی معافی کے لئے بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا تھا، ابراہیم بیگ خاں کے ہمراہ گئی تھیں کیونکہ اسوقت یہی سب میں بزرگ، سن رسیدہ اور قابل بھروسہ تھے۔

چنانچہ جب ابراہیم خاں والدۂ علی قلی خاں کو لیکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منعم خاں نے بھی زور دیا تو علی قلی خاں کو جاگیر پھر واپس مل گئی۔ اور دوسری بار جب علی قلی خاں اور بہادر خاں نے بغاوت کی تو ابراہیم خاں سکندر خاں کے ساتھ اودھ کی جانب روانہ ہو گئے۔ وہاں سے سکندر خاں تو بنگالہ چلا گیا ابراہیم خاں جونپور چلے آئے۔ اور منعم خاں خانخاناں کے سامنے سرنیاز خم کر کے اپنی خطا معاف کرائی اور مصاحبین خانخاناں میں داخل ہو گئے۔ پھر خانخاناں کی سفارش پر ان کو جونپور کی دیوانی پر مامور کر دیا گیا۔ کچھ زمانے تک اسی عہدہ پر مامور رہے اور آخر کار داعی اجل کو لبیک کہی۔

انکا مقبرہ پختہ عالیشان محلہ کنگھرہ عیدگاہ کے پیچھے موجود تھا جو مرمت نہونے کی وجہ سے مسمار ہو گیا۔ نشان قبر اور ملبے کا ڈھیر باقی ہے۔[۵۱]

میر معز الملک اکبری

میر معز الملک مشہد مقدس کے اکابرین اور سادات موسوی میں سے تھے۔ اکبر بادشاہ کے عہد سلطنت میں ہندوستان آئے اور امرائے شاہی میں شامل ہو گئے۔ بادشاہ نے منصب سہ ہزاری سے سرفراز فرمایا۔ سنہ ۱۰ جلوس میں جب خان زماں نے بغاوت کی تو بادشاہ نے دیگر امرا کے ساتھ آپکو بھی علی قلی خاں کی تنبیہ کے لئے روانہ کیا۔ جب شاہی فوجیں علی قلی خاں کے مقابلہ میں صف آرا ہوئیں تو خانزماں نے میر معز الملک کے پاس پیغام بھیجا کہ

---

۵۱ مشاہیر جونپور قلمی سوم ص ۸۷

مجھے شاہی لشکر سے جنگ کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور مانک پور روانہ ہو گئے۔ انکے چلے جانے کے بعد بادشاہ نے میر معز الملک کو جونپور کا حاکم بنا دیا۔ آپ کے حسن خدمات کے سلسلے میں بادشاہ نے بہار کے علاقہ میں کچھ پرگنے آپکی جاگیر میں اضافہ کر دیا۔

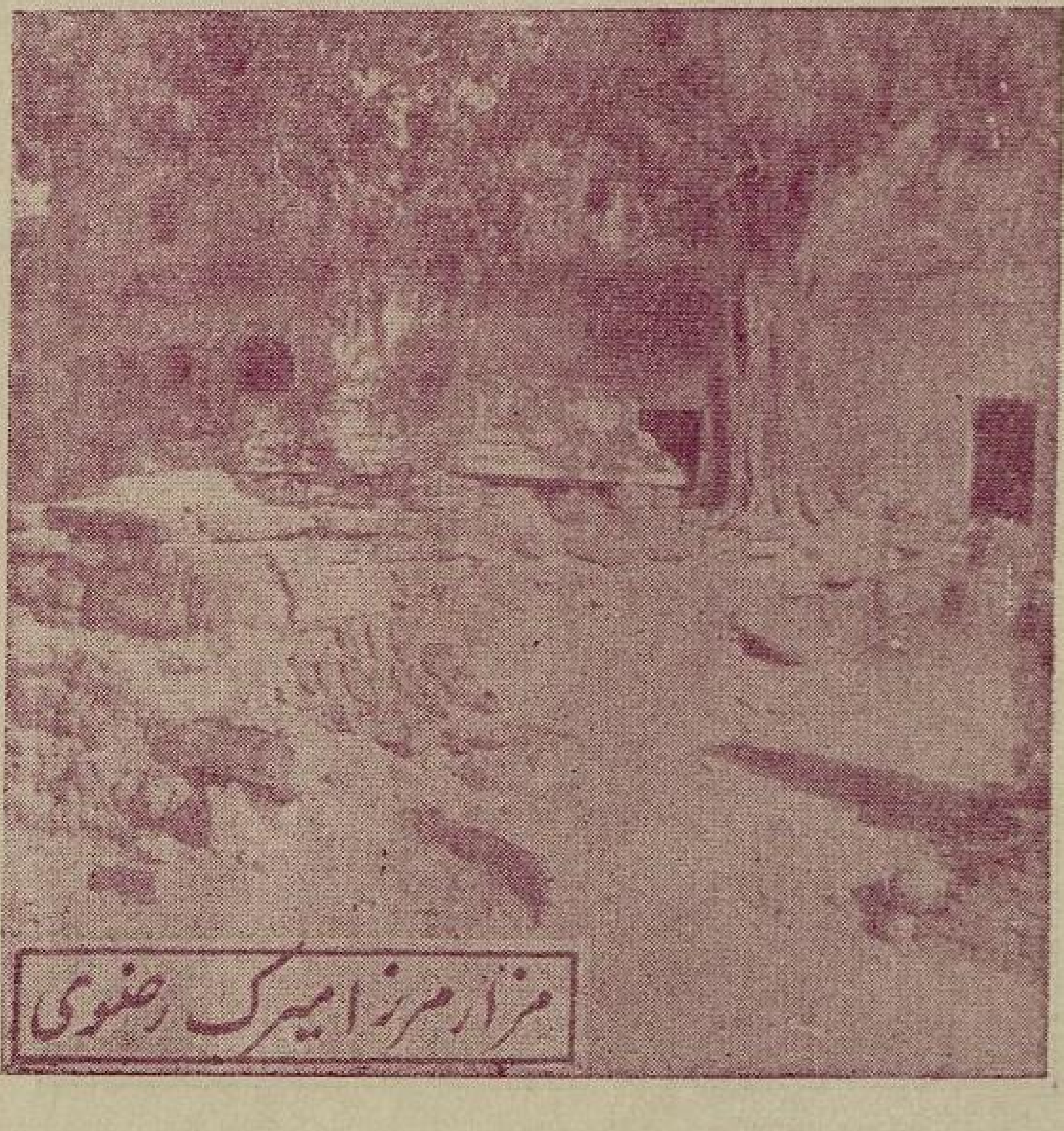
میر معز الملک بھی علی قلی خاں سے کم نہ تھے۔ انکے دماغ میں بھی بغاوت کی لہر دوڑ گئی اور آمادہ بغاوت ہو گئے۔ چنانچہ ۲۴ سنہ جلوس اکبری میں علم بغاوت بلند کیا۔ اکبر بادشاہ نے باسط خاں ترکمان کو جو مانک پور کے جاگیر دار تھے میر معز الملک کی گرفتاری پر مامور کیا۔ باسط خاں نے میر معز الملک کو گرفتار کر کے براہ دریا بادشاہ کے پاس روانہ کیا۔ میر معز الملک کا پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا بادشاہ تک پہونچنے کی نوبت نہ آئی۔ کشتی جب حدود اٹاوہ میں دریائے جمنا سے گذر رہی تھی، یکایک تموج میں پھنس گئی اور میر معز الملک دریائے جمنا کی نذر ہو گئے۔ نعش کو آپکے متعلقین کے سپرد کر دیا گیا جو جونپور میں لاکر موضع چاچک پور میں دفن کر دیگئی۔ گنبد شکستہ حالت میں ابتک موجود ہے۔ [۵۱]

میرزا میرک رضوی

مشہد کے سادات رضویہ میں سے تھے۔ ہمایوں کے ساتھ ہندوستان آئے۔ علی قلی خاں کے ہمخیال ہو گئے۔ ۱۰ سنہ جلوس اکبری میں علی قلی خاں کی سفارش سے قرب شاہی حاصل کیا۔ ۱۲ سنہ جلوس میں جب خانزماں نے دوبارہ علم بغاوت بلند کیا تو میرزا میرک رضوی باقی خاں کے سپرد تھے۔ لیکن میرزا میرک نے موقع کو غنیمت نہ سمجھا اور دربار سے یک بیک فرار ہو کر خان زماں سے جا ملے۔ لیکن جب خانزماں قتل کر دیے گئے

---

۵۱ تذکرۃ الامرا حصہ سوم فارسی قلمی صفحہ ۹۰-۹۱



مزار مرزا امیرک رضوی


مقبره حضرت خواجه دوست

توبادشاہ نے ان کو بھی گرفتار کرالیا اور ہر طرح کی ایذا پہونچانے کا حکم دیدیا۔ چار روز تک روزانہ میرزا میرک کو ہاتھی کے پیر کے نیچے روندا گیا لیکن چاروں مرتبہ انکو کوئی گزند نہ پہونچی۔ اوّل تو ایسی موت انکی قسمت میں لکھی نہ تھی اور دوسرے یہ کہ بادشاہ کا غیظ و غضب بھی کم ہو گیا تھا اسلئے انکو جان بخشی کا حکم دیدیا گیا۔ اور بعد میں انھوں نے بادشاہ کو اتنا خوش رکھا کہ بادشاہ نے عواطفِ شاہانہ سے پہلے سے زیادہ نوازا اور انکے شایان شان منصب اور رضوی خاں کا خطاب عطا کیا۔

سنہ ۱۹ جلوس میں جونپور کی دیوانی سپرد کی گئی اور سنہ ۲۴ جلوس میں بنگال کی بخشی گری پر مامور کیا گیا۔ سنہ ۲۵ جلوس میں جب بنگال کے جاگیرداروں نے شورش بلند کی تو میرزا میرک رضوی کو مظفر خاں صوبہ دار کے ہمراہ فتنہ و فساد دبانے کے لئے کردیا گیا اور میرزا میرک نے بغیر قتل و خون کے نہایت خیر سگالی سے شورش کو دبادیا۔

چونکہ میرزا میرک جونپور کو اپنی سکونت کے لئے پسند کرتے تھے اسلئے بادشاہ نے انکو بنگال سے واپس بلا کر پھر اسی عہدے پر مامور کر دیا۔ چند سال جونپور میں حاکم رہے اور پھر راہی ملک بقا ہوئے۔ انھوں نے اپنے زمانہ حیات میں ایک محلہ رضوی خاں آباد کیا اور ایک سرائے بھی قائم کی جو کچی سرائے کے نام سے مشہور ہے اور پختہ سرائے کے پاس ہے۔ اس سرائے کے صحن میں ایک پختہ عالیشان چبوترہ ہے اسی میں میرزا میرک کی قبر اب تک موجود ہے۔ سنگین چبوترہ مرمت طلب ہے۔ [۵۱]

نواب غازی خاں

غازی خاں سیستان کے منگول میرزایان میں سے تھے اور ہمایوں بادشاہ کے ساتھ وارد ہندوستان ہوئے۔ سب سے پہلے انکو فوج میں افسری کی جگہ ملی۔ جب اکبر بادشاہ کے حکم سے

---

[۵۱] تجلی نور حصہ سوم ص ۹۰-۸۹

منعم خاں خانخاناں علی قلی خاں کی تنبیہ کے لئے روانہ ہوئے تو نواب غازی خاں بھی منعم خاں کے ساتھ تھے اور بعد سر ہو جانے شورش کے جونپور ہی میں قیام کیا اور محلہ کٹگھرہ میں مکان تعمیر کرالیا۔

کریم النفس، صاحبِ فیض اور دور اندیش آدمی تھے۔ عادتاً سخی دست تھے۔ جونپور میں اپنے نام سے ایک محلہ آباد کیا۔ جو شہر سے پچھم جانب ہے اور اس کا نام محال غازی خاں ہے اور ایک پختہ اور کشادہ کنواں بھی تعمیر کرایا جو "غازی خاں کا اندارہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

ایک دفعہ اکبر بادشاہ کو علی قلی خاں کی بغاوت کے سلسلے میں جونپور آنا پڑا تو اسوقت نواب غازی خاں اکبری لشکر میں تعنات تھے اور علی قلی خاں کے مقابلہ میں جنگ آزما ہو کر قتل ہوئے۔ انکی نعش اعزہ جونپور لائے اور محلہ کٹگھرہ میں آبادی سے قریب لب سڑک دکھن جانب دفن کر دیا اور ایک بلند و پختہ مقبرہ تعمیر کرادیا جو مرمت نہ ہونے کی وجہ سے گر گیا۔ اب اس خاندان کی کوئی فرد اس محلہ میں موجود نہیں ہے۔

خواجہ میر نام عبد الغنی اور سادات ہردی میں سے تھے۔ ہمایوں بادشاہ جب ایران سے واپس آکر ہندوستان کا بادشاہ ہوا تو آپ بھی ہمایوں کے ساتھ ایران سے آئے تھے اور ملازمان شاہی میں داخل ہو گئے۔ سب سے پہلے گجرات میں تعنات کیے گئے اسکے بعد لاہور میں متعین ہوئے اور فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ ہمایوں کے انتقال کے بعد جب اکبر تخت دہلی پر رونق افروز ہوا اور تمام امور سلطنت بیرم خاں کے سپرد کر دیا تو عبد الغنی بھی بیرم خاں کے سپرد کر دیے گئے اور اپنے حسن عمل سے رفتہ رفتہ بیرم خاں کے مقربین میں سے ہو گئے۔

ل تذکرۃ الامراء حصہ سوم قلمی فارسی ص ۹۱-۹۰

اور مقدر نے یہاں تک یاوری کی کہ دربار اکبری میں رسائی ہوگئی اور اکبر بادشاہ کے مقربین خاص میں سے ہوگئے اور "خواجہ میر" کا خطاب بھی حاصل کیا جب بیرم خاں کا ستارہ اوج سے پستی کی طرف مائل ہوا تو بیرم خاں کی صحبت سے بالکل کنارہ کش ہوگئے اور صرف دربار کی حاضری میں وقت گذارنے لگے۔ جب وقت منعم خاں خانخاناں علی قلی خاں کی شورش دبانے کے لئے جونپور روانہ کئے گئے۔ خواجہ میر بھی منعم خاں کے ساتھ جونپور آئے۔ خواجہ میر ایک قوی اور دلیر النسان تھے۔ علی قلی خاں سے مانک پور کے قریب جنگ کے وقت شاہی لشکر کی طرف سے کمالات کے جوہر دکھائے تاریخوں میں ہے کہ لڑتے لڑتے یکبارگی گھوڑے سے کود کر زمین پر آرہے اور اکتالیس دشمنوں کو ایک سانس میں تلوار کے گھاٹ اتار دیے۔ خواجہ میر کے اس کارنامے سے اکبر بادشاہ کی نظروں میں انکی قدر و منزلت بیحد بڑھ گئی اور انکا شمار سلطنت کے شجاعانِ ناموروں میں ہونے لگا۔ اور بادشاہ کی طرف سے سہ ہزاری منصب عطا کیا گیا۔

آخری عمر میں خیالات میں کچھ ایسی تبدیلی آئی کہ تارک الدنیا ہو کر گوشہ نشین ہو گئے اور یاد حق میں مصروف ہو گئے۔ آپ کو جونپور کی آب و ہوا پسند آئی اور ۹۹۸ھ میں دریائے گومتی کے قریب ایک مکان پختہ رہائش گاہ، ایک خانقاہ اور مدرسہ بلند و عالیشان تعمیر کرایا۔ مکان کی تعمیر کا کتبہ یہ ہے:-

بقعہ خیرے چناں آباد شد — عاقبت تاجِ سر زہاد شد
پیشوائے مقتدیاں خواجہ میر — انکہ او سر حلقہ اوتاد شد
ساخت بہرِ آخرت قصر بلند — نامِ او از غیب "فیض آباد" شد

پیر معنی گفت در گوش دلم
"فیض حق" تاریخ فیض اباد شد
۹۹۸ھ

خواجہ میر نے علاوہ مدرسہ، خانقاہ اور مکان کے ایک محلہ بھی اپنے نام سے

آباد کیا تھا جو خواجہ میر کے نام سے ایک عرصہ تک مشہور رہا مگر بعد میں مفتی محلہ میں ضم ہو گیا۔ خواجہ میر ۱۰۰۰ھ میں خوابستان عدم میں میٹھی نیند سو گئے۔ مفتی محلہ میں اپنی خانقاہ کے قریب دفن ہوئے۔ قبر پختہ ابھی تک موجود ہے۔ ایک عالیشان اور بلند مقبرہ تعمیر تھا جو امتداد زمانہ سے منہدم ہو گیا۔ اگر کوئی لوح مزار لگا دیا جائے تو نشان باقی رہ سکتا ہے۔ [۱]

نواب محمد محسن خاں ذوالقدر

آپ تاتار کے افغانوں کی نسل سے تھے آپ کا قیام برہان پور میں تھا۔ وہاں آپ کے رعب و داب کا سکہ جما ہوا تھا۔ آپ مدتوں علی وردی خاں کے ہمراہ غازی پور بنارس میں نیکنامی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ کے کارناموں کا اکبر بادشاہ کو علم ہوتا رہتا تھا۔ کہ یک بیک مقدر نے رسائی کی اور محمد محسن خاں کو تقرب شاہی حاصل ہو گیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ آپکو ذوالقدر کا خطاب بھی بادشاہ کی طرف سے عطا کیا گیا۔

سنہ ۱۳ جلوس اکبری میں آپنے منعم خاں خانخاناں سے رابطۂ اتحاد و خلاص بڑھانا شروع کیا اور خانخاناں کی سفارش پر آپ بادشاہ کی طرف سے منصب ہزاری سے سرفراز کیے گئے۔ اور جونپور کی تولیہ داری سپرد کر کے جونپور بھیج دیے گئے اور منعم خاں کے حلقہ بگوشوں میں بسر کرنے لگے۔

نواب محمد محسن خاں صاحب حوصلہ و بذل و نوال تھے۔ غربا و مساکین کے ساتھ روزانہ حسب حیثیت سلوک کیا کرتے تھے اور اپنا ہاتھ برائے بخشش و اکرام ہمیشہ کشادہ رکھتے تھے۔ علی قلی خاں کے قتل کے بعد جب بادشاہ نے ان کی

---

[۱] تجلی نور سوم قلمی فارسی

تمام جائداد، اور محلات ضبط کر کے منعم خاں کے حوالے کیئے تو علی قلی خاں کے دیوان لکھمن داس کا خاص محل نواب محمد محسن خاں کے حصہ میں آیا سنہ ۹۷۵ھ میں نواب محمد محسن خاں نے اس حویلی کو شکست کرا کے از سر نو مکان تعمیر کرایا اور وہیں قیام کرنے لگے اور ایک سنگین حمام و مسجد بھی مکان کے قریب تعمیر کرائی اور اسی وجہ سے اس محلہ کا نام حمام دروازہ پڑا جو آجتک مشہور ہے ۔[۱]

خواجہ دوست

خواجہ دوست منعم خاں خانخاناں کے بہت گہرے اور جاں نثار ساتھیوں میں سے تھے۔ انھوں نے منعم خاں خانخاناں کی اس درجہ فراج دالی کر لی تھی کہ خواجہ دوست سے زیادہ کسی کو عزیز نہ رکھتے تھے۔ اور زیادہ تر ان کی رائے سے اتفاق کر کے عمل کیا کرتے تھے۔ پرگنہ جات گھسوہ اور قریات دوست انکو جاگیر میں ملے تھے اسوجہ سے پرگنہ قریات۔ قریات دوست کے نام سے موسوم ہوا۔ آپنے قیام کی غرض سے جونپور میں محلہ سپاہ کے قریب ایک پختہ مکان تعمیر کرایا اور آس پاس عزیزوں کو بسایا اس محلہ کا نام خواجہ دوست رکھا جو آجتک خواجہ دوست کے نام سے مشہور ہے۔

جونپور کا پل۔ جلال پور کا پل۔ گذر کا پل بحکم منعم خاں خانخاناں خواجہ دوست کی نگرانی میں تیار ہوا۔ جسوقت وفات ہوئی تو آپ جونپور کے شہری حصہ سے ہٹ کر فتح گنج اور پل گذر کے درمیان پکی سڑک جو الہ آباد جاتی ہے لب سڑک دفن کیئے گئے۔ آپکی قبر پر پختہ گنبد موجود ہے۔ اس مقبرے کی مرمت نہ ہوئی تو جلد ہی گر جائے گا۔[۲]

---

[۱] تجلی نور سوم قلمی فارسی

[۲] تجلی نور سوم قلمی فارسی

احمد بیگ خاں عرف مرزا شیخا

مرزا شیخا صاحب جود وکرم اور نامور لوگوں میں سے تھے۔ شاہجہاں اور اورنگ زیب کے زمانے میں جونپور کے حاکم تھے۔ بادشاہ نے ان کو منعم خاں خانخاناں کی حویلی میں جو محلہ تار تلہ جونپور دریائے گومتی کے کنارے واقع تھی رہنے کے لئے اجازت دیدی تھی۔ اسی حویلی میں آپنے سکونت اختیار کی۔ مرزا شیخا نے اسی حویلی کے متصل ایک باغ اور ایک عمارت پختہ اور ایک کچی سرائے تعمیر کرائی۔ آج تک وہ باغ نواب کے باغ کے نام سے دریا کنارے موجود ہے اور سرائے بھی مرزا شیخا کی سرائے کے نام سے باقی ہے۔

مرزا شیخا نے ۲ برس تک جونپور میں حکومت کی۔ اسی عرصہ میں اعظم گڈھ کے راجہ نے بادشاہ کے خلاف سرکشی کی اور شاہی فوج سے جنگ آزما ہوا۔ مرزا شیخا نے اس جنگ میں اپنی ہمت اور بہادری کے ایسے جوہر دکھائے جس سے بڑے بڑے سورماؤں کے چھکے چھوٹ گئے۔ آخرش اسی لڑائی میں شمشیر کے زخم سے ہلاک ہو گئے۔ اعزہ نے لاش اعظمگڈھ سے لاکر جونپور میں پل شاہی کے قریب پچھم جانب دفن کر دیا۔ پختہ قبر ابتک موجود ہے۔ ؎۱

جمال خاں لوہانی

جمال خاں لوہانی افغانوں میں سے تھے۔ انکے دادا احمد خاں لوہانی بزمانہ اکبر بادشاہ سپاہیوں میں ملازم تھے اور منعم خاں خانخاناں کے ساتھ جونپور میں وارد ہوئے۔ اور مسجد اٹالہ کے قریب سکونت اختیار کی اور اپنا ذاتی مکان بنوایا۔ جب جمال خاں سن شعور کو پہونچے تو مرد عالی حوصلہ اور صاحب ادج رسا تھے ہی تحصیل علم کی طرف

؎۱ مشاہیر جونپور قلمی فارسی حصہ سوم


مقبرہ جمال خاں لوہانی



مقبرہ جمال خاں لودی

مائل ہو گئے، تحصیل علم سے فراغت کر کے دہلی روانہ ہو گئے۔ وہاں نواب سعد اللہ خاں کے حلقۂ ہوا خواہان میں شامل ہو گئے اور تقرب سلطانی بھی حاصل کر لیا۔

نواب سعد اللہ خاں عالم زمانہ مخصوصین دربار شاہی میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی سفارش پر جمال خاں کو اولاً مالوے میں تولیہ داری کا عہدہ سپرد کیا گیا۔ بحسن کارکردگی بزمانۂ شاہجہاں بادشاہ جونپور کے حاکم بنا کر بھیجدیے گئے اور یہی جمال خاں کی دلی تمنا بھی۔ اجل نے زیادہ دن زندہ رہنے نہ دیا چند روز حکومت کر کے قضا کر گئے اور حدود خاص حوض میں شاہ گنج کی پختہ سڑک کے پچھم جانب دفن کئے گئے۔ پختہ مقبرہ ابتک موجود ہے۔ مگر مرمت طلب ہے اور فوری توجہ کی ضرورت ہے۔[1]

دیوان بازید خاں

بازید خاں لوہانی افغانوں میں سے تھے۔ ہمایوں بادشاہ کے عہد میں دہلی آئے اور شاہی خیر خواہوں میں شامل ہو گئے۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں جب علی قلی خاں نے شورش بلند کی اور منعم خاں خانخاناں کو انکی تنبیہ کے لئے جونپور روانہ کیا گیا تو دیوان بازید خاں بھی خانخاناں کے ساتھ جونپور آئے۔ خانخاناں بازید خاں کی بہت عزت و احترام کرتے تھے۔ بعد سر ہونے مہم کے خانخاناں نے بازید خاں کو بادشاہ کی طرف سے جاگیر دلوا کر آباد کر دیا۔

بازید خاں نے اپنے نام سے ایک محلہ آباد کیا جو اب تک بازید پور کے نام سے مشہور ہے۔ اور انکی اولادوں میں لوگ ابتک موجود ہیں۔ بازید خاں کا انتقال جونپور ہی میں ہوا۔ اور اپنے محلے کے قریب پولیس لائن کے متصل دفن کئے گئے ایک بلند چبوترے پر پختہ قبر اب بھی موجود ہے۔ بازید خاں کے لڑکے محمد اسمٰعیل خاں

---

[1] تذکرۃ الامراء سوم فارسی قلمی

خانخاناں کی سفارش پر الہ آباد کی صوبہ داری پر مامور کیئے گئے وہاں پرگنہ مونگرہ کے بھروں نے شاہی سلطنت کے خلاف شورش مچا رکھی تھی۔ محمد اسمٰعیل نے بھروں کو شکست دیکر شورش کو دبا دیا اور بحکم بادشاہ اسوقت پر مونگرہ کا نام مونگرہ بادشاہ پور رکھا گیا۔ ابھی تک محمد اسمٰعیل کے خاندان کے لوگ وہاں زمیندار ہیں۔ بعد وفات اپنے والد کی آغوش میں سپردِ خاک کیئے گئے۔ [۱]

جمال خاں لودی

جمال خاں لودی قوم افغان سے تھے اور شروع زمانے میں بہلول شاہ لودی کے امراء میں شامل تھے مگر بعہد سلطان سکندر لودی ستارۂ قسمت اوج و برتری پر پہنچا کہ شاہزادہ جلال پسر سکندر کے اتالیق مقرر ہوئے۔ جب سلطان باربک کو سکندر نے قید کیا تو انکی جگہ شہزادہ جلال خاں کو جونپور کی حکومت سپرد کی اور اپنے اتالیق جمال خاں کو جونپور کی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔

چونکہ جمال خاں مرد دور اندیش اور دلیر تھے۔ اکثر جنگوں میں کارنمایاں بھی انجام دیا تھا اور جلال خاں کے اتالیق رہ چکے تھے اسلیے عہدۂ سپہ سالاری سے ترقی دے کر عہدۂ وزارت سے سرفراز کیا اور جملہ انتظام سلطنت سپرد کر کے خود برائے نام بادشاہ رہا۔

جمال خاں نے دورانِ جنگ میں سپاہیان فوج کو اس عمدگی اور شائستگی سے لڑایا کہ سلطان ابراہیم لودی پریشان وششدر رہ گیا اور قریب تھا کہ جلال خاں کی فتح ہو جائے کہ یکایک آفتابِ جمال خاں زوال میں آگیا۔ آخر کار جمال خاں کو شکست ہوئی اور قتل ہو گیا۔ سلطان جلال خاں فرار ہو گیا۔ نعش جمال خاں محلہ

---

[۱] مشاہیر جونپور قلمی فارسی

بلوچ ٹولہ جونپور میں سپرد خاک کی گئی۔ اب تک مقبرہ عالیشان وسنگین یادگار موجود ہے۔ اس محلہ کا نام محلہ جمال خاں مشہور ہے۔ [۱] مقبرہ مرمت طلب ہے۔

مخدوم الملکؒ شیخ شاہ عبداللہؒ

آپ حضرت مخدوم شیخ محمد بن عیسیٰ بن تاج کی اولاد میں سے تھے۔

یہ خاندان جونپور کے مشائخ العظام میں شمار کیا جاتا تھا۔ جس وقت ہمایوں بادشاہ جونپور میں آیا اور حضرت مخدوم محمد عیسیٰ بن تاج کی قبر کی زیارت کو گیا۔ اس وقت شاہ عبداللہ سجادہ نشین تھے۔ انھوں نے ہمایوں بادشاہ کی ملازمت قبول کر لی اور بادشاہ نے عبداللہ شاہ کو چند دیہات معافی گذربسر کے لئے عنایت کیا اور شاہ عبداللہ کا دربار شاہی میں مرتبہ بلند ہو گیا۔

جب ہمایوں کی وفات کے بعد اکبر بادشاہ جونپور میں آیا۔ تو شاہ عبداللہ بھی اکبری دربار میں حاضر ہوئے۔ اکبر بادشاہ نے انکی بہت تعظیم و تکریم کی اور جائداد و مخدوم الملک کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ تعداد جاگیر معافی کو دوچند کر دیا اور منصب چہار ہزاری عطا کر کے انکا نام درج فہرست امرائے اکبری کرا دیا۔ رقعات ابوالفضل میں ایک خط بنام مخدوم الملک درج ہے۔

دربار اکبری کے امرائے خاص ہونے کے علاوہ کریم النفس و صاحب بذل و اہل الرائے بھی تھے۔ اسلئے ہر مرحلہ جو جونپور میں لاینحل ہوتا تھا شاہ عبداللہ کے پاس فیصلہ کے لئے بھیجا جاتا تھا اور آپ نہایت حسن و خوبی سے انجام دیا کرتے تھے۔ انتقال کے بعد محمد بن عیسیٰ بن تاج کے روضے میں دفن کئے گئے۔ آپکی وفات کا اہل شہر پر کافی دنوں تک اثر رہا۔ [۲]

---

[۱] تذکرۃ الامراء و العمارات فارسی قلمی ص ۷۵-۷۶، [۲] تجلی نور سوم فارسی قلمی

شیخ محمد ماہ شیخ محمد ماہ شیخ محمد سمیع کے نواسے تھے ۔ فارغ التحصیل ۔ مدبر ۔ منتظم اور اہل الرائے تھے ۔ اپنی قابلیتوں کے ذریعے تقرب شاہی حاصل کیا ۔ محمد شاہ بادشاہ انکی اتنی عزت کرتا تھا کہ خطوط میں بڑے بڑے القاب وآداب استعمال کرتا تھا اور امرائے شاہی میں داخل کر لیا تھا ۔ جونپور کے پیچیدہ معاملات کو بھی ان کے سپرد کئے جانے کا حکم دیدیا تھا اور منصب سہ ہزاری بھی عطا کیا تھا ۔

جس وقت نواب سعادت علی خاں برہان الملک نے انکے دیہات ومعافی وغیرہ ضبط کر لی تو یہ سیدھے دہلی روانہ ہو گئے اور محمد شاہ بادشاہ سے اپنی معافی وجاگیر واپس ملنے کی کوشش کی ۔ محمد شاہ نے برہان الملک سعادت علی خاں کو لکھکر تمام معافی وجاگیر واپس کرادی ۔ خانقاہ وروضہ حضرت مخدوم عیسیٰ بن تاج جگہ جگہ سے شکستہ ہو گیا تھا ۔ شیخ محمد ماہ نے از سر نو مرمت کرائی اور دروازے پر یہ کتبہ کندہ ہے

"خاکروب این درگاہ شیخ محمد ماہ"

محلہ مسجد تلہ جونپور میں مقبرہ حضرت مخدوم بن محمد بن عیسیٰ بن تاج کے پورب طرف مکان مسکونہ مخدوم الملک وشیخ محمد ماہ کا تھا جو مولوی علی جواد ومولوی علی حماد کے قبضہ میں تھا ۔ انہی خاندان کے لوگ سکونت پذیر ہیں ۔ [1]

شیخ محمد سمیع جونپوری یہ مخدوم الملک کے برادر زادہ تھے ۔ بعد وصال مخدوم الملک سجادہ نشین ہوئے اور دربار اکبری کے امرا میں داخل ہو گئے ۔ انکا ذکر آئین اکبری میں کافی تفصیل کیساتھ درج ہے ۔ اکبر بادشاہ کی قدر شناسی کیوجہ سے جونپور کی عدالت سپرد کیگئی اور

---

[1] مشاہیر جونپور سوم قلمی وفارسی

ضبط و نظام کے سلسلے میں اکثر مقامات پر بھیجے گئے۔ نیک دل۔ صاحب مروت اور جونپور کے مشائخ عظام میں شمار ہوتے تھے۔ جونپور کے لوگوں سے بیحد انکسار سے پیش آتے تھے۔ وفات کے بعد روضہ مخدوم محمد بن عیسیٰ بن تاج میں دفن کیئے گئے

شیخ محمد مصطفےٰ ارح برادر زادہ مخدوم الملک تھے اور جونپور کے نامی گرامی علماء اور رئیسوں میں شمار ہوتے تھے۔ اکبر بادشاہ نے مخدوم الملک کے قرابتدار ہونے کی وجہ سے دہلی طلب کر لیا اور اپنے مصاحبین خاص میں داخل کر لیا۔ اسکے بعد اکبر آباد میں بعہدۂ فوجداری تعنات کیئے گئے چند سال بعد لاہور میں قاضی القضات مقرر کیئے گئے اور دو سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ آخر کار حج کرنے کی اجازت لیکر جونپور چلے آئے اور تمام عمر یاد حق میں گذار دی۔

بعد وفات روضۂ مخدوم محمد بن عیسیٰ بن تاج میں دفن ہوئے۔[1]

مرزا احسن بیگ مرزا احسن بیگ نواب غازی خاں کے ہمراہ جونپور آئے اور اکبر اعظم کی سرکار میں ممتاز عہدے پر فائض ہو گئے۔ ان کا انتقال ۹۷۲ھ میں ہوا اور محلہ کٹگھرہ میں دفن ہوئے انکا مقبرہ بدلاپور روڈ پر نواب غازی خاں کے مقبرے کے مقابل داہنی طرف کھیت میں لبِ سڑک سے متصل پورب طرف واقع ہے۔

یہ مقبرہ بڑا عالیشان تھا۔ اسمیں بڑی کاریگری و صناعی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ ہر رخ پر دروازے نما نہایت شاندار محرابی پھاٹک تھا اور قریب ۵۰ فٹ مربع میں چبوترے پر یہ مقبرہ واقع تھا۔ ۱۹۳۶ء کے سیلاب عظیم میں یہ مقبرہ

---

[1] مشاہیر جونپور قلمی فارسی۔

مرمت نہ ہونیکی وجہ سے گر گیا ہے۔ مگر دکھن کی طرف کا محرابی چہرہ بدستور سلامت ہے جس پر پچیکاری کا کام بنا ہوا ہے۔ [۵۱]

حسن رضا بیگ

حسن رضا بیگ ایک نامی افغان تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب بڑگگر نامے ایک نہایت ہی امیر کبیر شخص تک پہنچتا ہے اور بڑگگر کا سلسلہ نسب اعتقاد خاں عرف بہادر خاں تک پہنچتا ہے۔ آپ بابر کے زمانہ میں شاہ فیروز کے ہمراہ جونپور آئے۔ کچھ دنوں فوج کے سپہ سالار رہے۔ بعد وفات پنجہ شریف سے متصل اتر پچھم کی جانب دفن ہوئے آپ کا مقبرہ سنگین بارہ دری ہے۔ یہ بارہ دری بہتر تراش کے پتھروں سے تعمیر کیگئی ہے۔ اسکے دکھن جانب ایک بہت وسیع چبوترہ ہے جس پر چند قبریں ہیں۔ یہ چبوترہ چار فٹ بلند اور سنگین ہے۔ اس پر قبریں آپ ہی کے خاندان کے لوگوں کی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ آپ اسی موضع میں مقیم تھے۔ آپکا سنہ وفات اور مزید حال معلوم نہ ہو سکا۔ [۵۲]

جعفر علی خاں

آپ کا نام میر جعفر علی عرف بابو خاں تھا۔ آپ راجہ بلونت سنگھ والی بنارس کے یہاں رسالداری کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ بیحد خلیق اور ملنسار شخص تھے۔ ریاست کے تمام لوگ آپ کی عزت کرتے تھے جونپور کی نظامت کے زمانے میں آپنے یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور آخر عمر تک یہیں رہ کر انتقال کیا۔

آپ کا مقبرہ سول لائن جونپور متصل کلب گھر واقع ہے اور ابھی تک بہت ہی اچھی حالت میں ہے۔ [۵۳] اسکی دیکھ بھال اور توجہ کی ضرورت ہے۔

---

[۵۱] شرقی مونومنٹ [۵۲] مسٹر ای ہی واکر [۵۳] مساجد جونپور جغرافیہ جونپور۔ تجلی نور


مقبرہ حسن بیگ


مقبرہ میر جعفر علی خاں

میر رستم علی خاں

رستم علی خاں قوم کے افغان تھے۔ سنہ ۱۷۱۶ء میں فرخ سیر کی سلطنت ختم ہوئی۔ بنارس جونپور اور غازی پور کے علاقے ان کے مصاحب خاص میر مرتضیٰ خاں کو بطور زمینداری عطا ہوئے اور میر رستم علی ان کی طرف سے ناظم مقرر ہوئے۔ محمد شاہ کے عہد سلطنت میں اودھ کی صوبیداری پر نواب سعادت علی خاں مقرر ہوئے اور یہ علاقہ مرتضیٰ خاں سے بطور مستاجری آٹھ لاکھ سالانہ پر لے لیا۔ مگر حسن انتظام کے بنا پر میر رستم علی بدستور ناظم رہے۔ جب نواب سعادت علی خاں کو حسن انتظام کی بنا پر برہان الملک کا خطاب ملا اور صوبہ الہ آباد اور خدمت داروغگی حضور سے مشرف ہوئے۔ سنہ ۱۱۳۳ھ مطابق سنہ ۱۷۱۸ء میں گردھر کی بدنظمی اور شورش کی وجہ سے بادشاہ نے اودھ کو بھی نواب سعادت علی خاں کی صوبیداری میں دیدیا جسمیں پانچ سرکار اور ضلعے تھے۔ راٹھ[۱]۔ اودھ[۲]۔ خیرآباد نجپاپور[۳]۔ بہرائچ[۴] معظم آباد گورکھپور[۵]۔ چونکہ پہلے سے چار سرکار بنارس[۱]۔ غازی پور[۲]۔ چنار[۳]۔ جونپور[۴] صوبہ اودھ سے متصل تھی نواب سعادت علی خاں نے شورش اور فساد دور کرنے کے لئے سات لاکھ روپیہ پر ٹھیکہ لیا اور میر رستم علی کی نظامت میں دیدیا۔[۱]

میر رستم علی اصل باشندے بھدوہی کے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ میر رستم علی کا زبردست اقتدار اور اثر و رسوخ تھا مگر جب بات بگڑنے کو ہوتی ہے تو عقل سلب ہوجاتی ہے۔ ان کو اور بھی طمع دامنگیر ہوئی۔ جب نواب عمدۃ الملک صوبہ الہ اباد کے انتظام سے فارغ ہو کر دہلی پہونچے تو میر رستم علی نے حرص و طمع سے مغلوب ہو کر درخواست تین سرکار بنارس۔ جونپور۔ چنار اصالتاً دنیا بتاً بذریعہ

---

۱ تاریخ بنارس ص ۵۵ بلونت نامہ خیرالدین

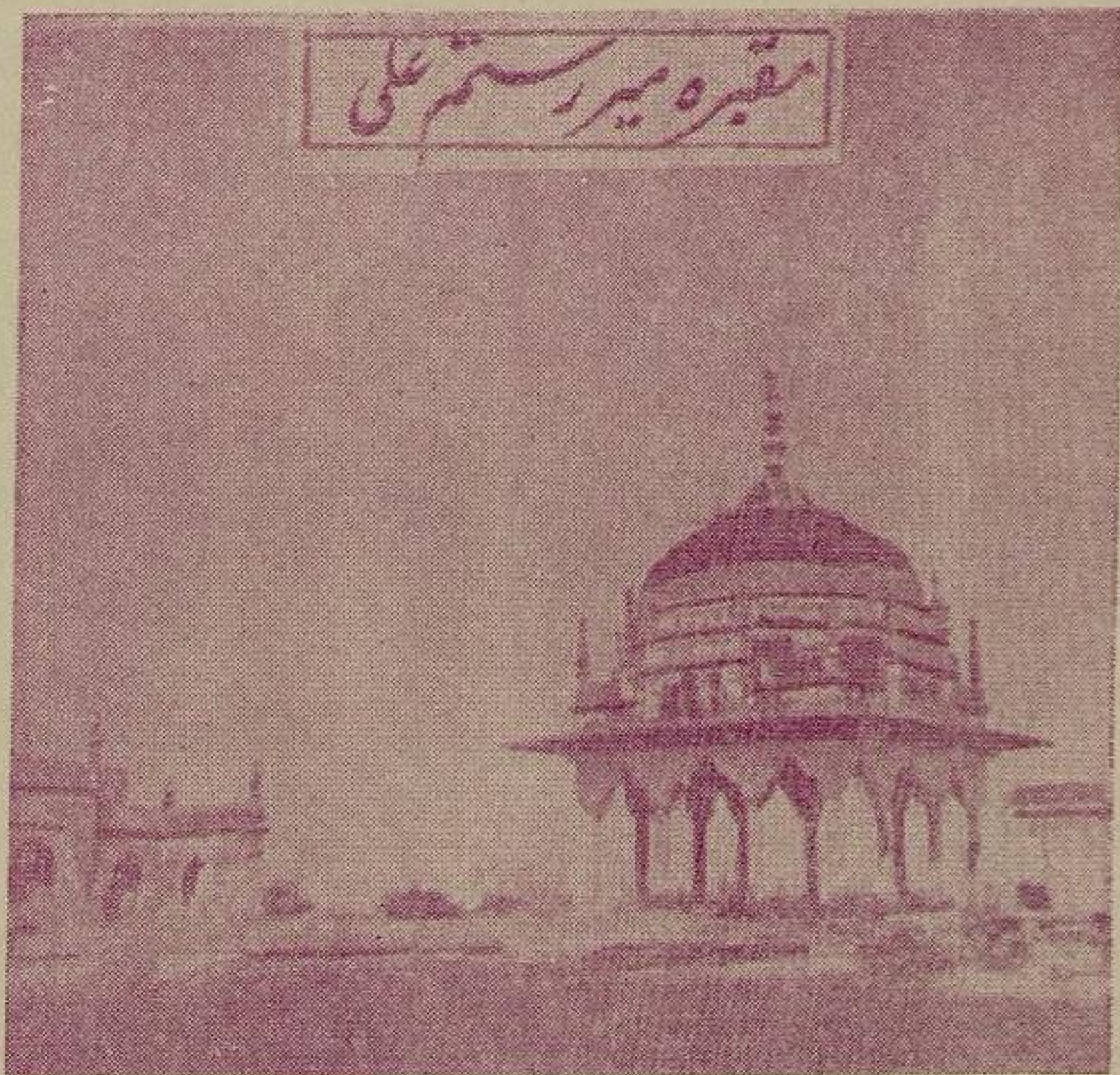
امیر خاں بادشاہ کو دی۔ جب اس امر کا علم نواب منصور جنگ کو ہوا تو نہایت طیش میں آکر کہا کہ اس کا نصیب پلٹ گیا ہے۔ اور میر رستم علی کو حیلہ سے طلب کر کے قید کر دیا اور باشارہ نواب منصور دفتریوں نے بے حساب زرمطالبہ میر رستم علی کے ذمے نکالا۔ اور اسکی ادائیگی کا سخت مطالبہ شروع کیا اور وصول کرنیوالوں نے میر صاحب کی عزت وحرمت کا قطعی پاس ولحاظ نہیں کیا اور جو کچھ آبرو ریزی ہو سکتی تھی کیگئی۔ جو کچھ مال و زر تھا میر صاحب نے تاوان میں دیدیا مگر پھر بھی نجات نہ ہوئی اور اس بات کا میر صاحب کو یقین ہوگیا کہ اگر جان ہی بچ جائے تو غنیمت ہے اور اسی رنج وغم میں سارا جسم ہڈی کا ڈھانچہ ہوگیا۔

جب اس قید کو ایک مدت گذر گئی تو انکے بڑے فرزند میر سلامت علی بغرض چارہ جوئی دہلی گئے اور بادشاہ کے سامنے دربار میں حاضر ہوے اور بذریعہ نواب عمدۃ الملک پروانہ خلاصی لیکر واپس ہوئے۔ مگر ابھی راستہ ہی میں تھے کہ خبر وفات میر رستم علی اور ان کا جنازہ بنارس روانہ ہونے کی اطلاع ہوئی۔ یہ خبر سن کر میر سلامت علی بیہوش ہوگئے اور اسی غم میں تپ محرقہ میں انکا بھی انتقال ہوگیا میر فرزند علی میر رستم علی کے بھائی کو جنون ہوگیا اور بنگال بھاگ گئے۔ [1]

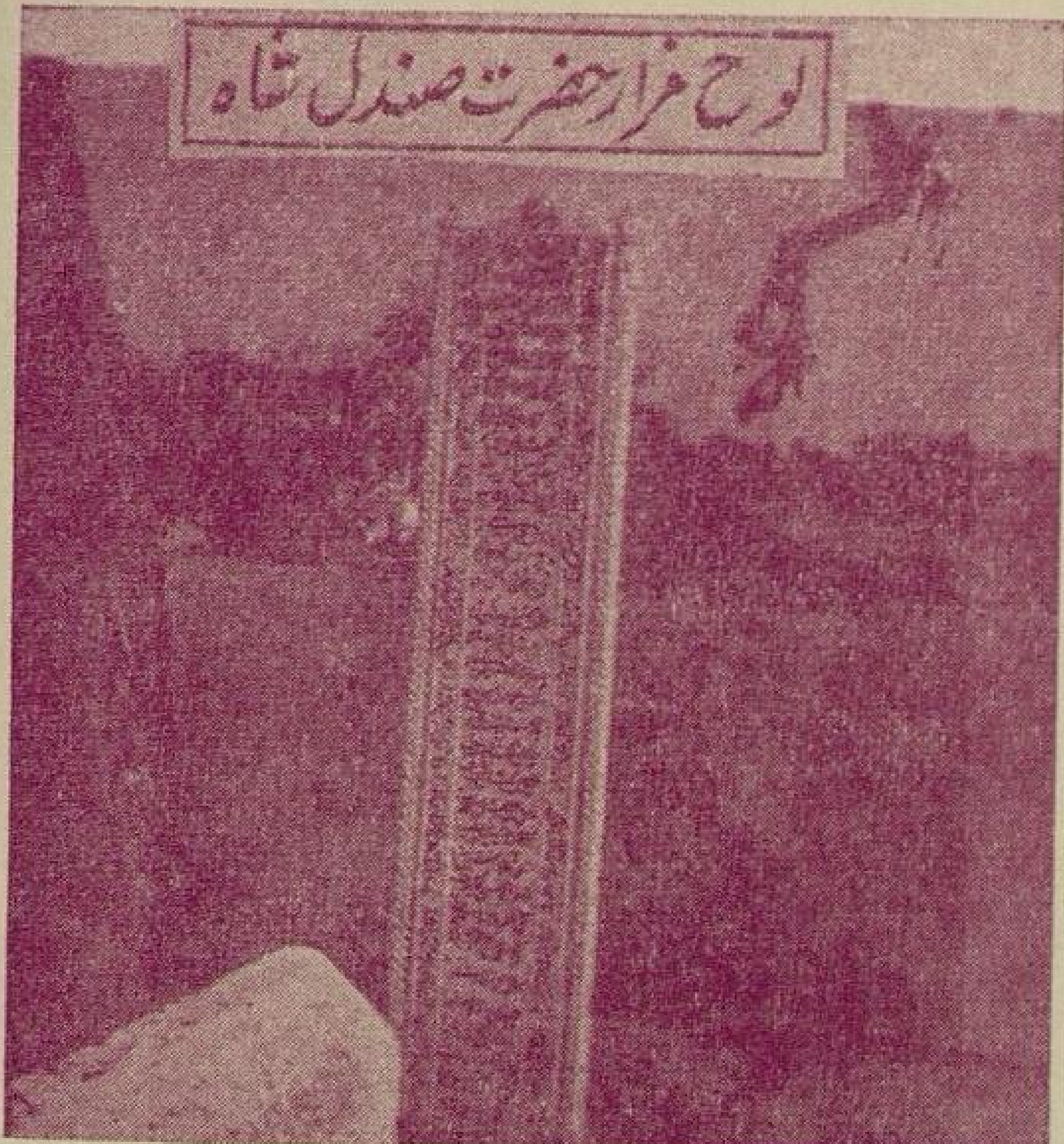
میر رستم علی کا مقبرہ جونپور کے محلہ خاصن پور میں ہے اور مقبرہ کی عمارت اچھی حالت میں ہے۔ محلہ ڈھالگر ٹولہ جونپور میں گئوشالے کی پشت پر تمام زمین ان ہی کی ہے اور یہیں انکا مکان مسکونہ اور دفتر نظامت بھی تھا۔ ایک باغ بھی تھا جو اب مزروعہ اراضی ہوگیا۔ ان کے اعزہ رام نگر بنارس سے آکر مالگذاری وصول کرتے ہیں میر رستم علی کا مقبرہ جونپور میں اسلئے تعمیر ہوا کہ لاش جونپور میں لاکر دفن کیگئی اور

---

[1] بلونت نامہ خیر الدین۔ تاریخ بنارس صہ۵۵



مقبرہ میر رستم علی



لوح مزار حضرت صندل شاہ

انکی جائداد و املاک جونپور میں بھی کافی تھی۔

افتخار خاں سلطان حسین صندل شاہ

آپ بخشش الملک اصالت خاں کے چھوٹے بیٹے تھے اور اصفہان کے مرزاؤں میں سے تھے۔ جب آپکے والد شاہجہاں بادشاہ کے زمانے میں انتقال کر گئے تو بادشاہ نے باپ کا عہدہ انکے سپرد کیا اور شاہی طریقہ پر خود انکی پرورش کی۔ پہلے انکو داروغہ بنایا گیا اسکے بعد دوآبے کے حدود میں فوجداری کا محکمہ انکے سپرد کیا گیا۔ اسکے بعد منصب ہزاری و پانصدی ذات مہاراجہ جسونت رائے کی معیت میں متعین ہوئے اور شہزادہ داراشکوہ کو اورنگ زیب کے مقابلہ میں سلاح اندازی سپرد کی گئی۔ مقدر نے یاوری کی۔ مالدہ جاکر شہزادہ اورنگ زیب کے جزو سلطنت ہو گئے۔ کچھ دنوں آرام سے گذارا اور جب اورنگ زیب ہندوستان کا بادشاہ ہوا تو بادشاہ کی نظر رحمت پوری طور پر انکی طرف ہو گئی اور میر سامانی کی خلعتِ فاخرہ بادشاہ کی طرف سے عطا کیگئی اور ایک مدت تک حدود سلطنت میں کئی عہدوں پر مامور رہکر سرخروئی حاصل کی۔

آپ خوشدل۔ خلیق اور بجید الضاف پسند تھے اور جملہ اوصاف حمیدہ سے متصف تھے۔ اہل جونپور آپ کی نیکیوں سے برابر مستفیض ہوتے رہے۔ سنہ ۱۰۹۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ قبر محلہ کنگھرہ میں عیدگاہ سے پچھم ایک نہایت ہی وسیع اور بلند چبوترے پر واقع ہے جو الہ آباد روڈ سے اتر جانب ہے۔[۵۱]

ایک مزار اور بھی پورب میں چھوٹے چبوترے کے نیچے واقع ہے جو آپکی اہلیہ محترمہ کا ہے۔ چبوترہ شکست ہو رہا ہے اور یہاں کے مسلمان محض فاتحہ پڑھکر اور

---

۵۱ تذکرۃ الامرا حصہ سوم قلمی فارسی

مرادیں مانگ کر واپس ہو جاتے ہیں۔ مرمت کی جانب بالکل توجہ نہیں ہے۔ اس مزار کے سرہانے اور پائنتی دونوں طرف لوح مزار نہایت ہی شاندار سنگی نصب تھا جو ٹوٹ کر ضائع ہو گیا اور مزار سے پچھم جانب ایک شمعدان سنگی نقش و نگار سے آراستہ تھا وہ اب بھی ہے۔ سرہانے کے لوح مزار پر حسب ذیل اشعار ابھرے ہوئے کندہ ہیں

اللہ کافی

قال النبی علیہ السلام اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اهل القبور المومن فی الدین

"اشعار ذیل غزالی جونپوری کے کہے ہوئے ہیں جو خان زماں علی قلی خاں کے درباری شاعر تھے" (مولف)

پری رو ماہے او محمد فراق است — نہالِ گلشنِ باغِ فراق است

بہ ذکرش سینہ را صد چاک بینم — کہ چشمِ خویش را در حال بینم

کجا بودم کہ از شمعِ جہاں تاب — بدیں آشفتگی بر رفت در خواب

بہ بالینش نہ بردم شمع از آہ — بدیں خدمت نہ گیرم در دلش راہ

زہے روئے تو باغ و گلشنِ من — جمالِ نور چشمِ روشنِ من

نہ دیدم از وداعِ تو مرادے — دمِ آخر نہ کردم خیر بادے

سفر کردی مکانت از بتر ہستم — کجا رفتی نشانت از کے ہستم

مہے بودی فلک از دست داد است — گلے بودی پریشاں کرد باد است

ازاں عاشق پریشاں روزگار است — کہ خطت بد ..... در زیر غبار است

ازاں چشمم مگو بر ہمنشین است — کہ لعلت گوہر گنجِ زمین است

زباغِ زندہ کے امید رفتی — گلِ ناچیدہ چوں خورشید رفتی

درونِ پردۂ عزت رمت باد — حریم دوستاں مہر الکہت باد

آیا مصاحبانِ قدیمے کجا شدند — دانا چہ یافتند کہ از ما جدا شدند
گوئی کہ بود صحبتِ ایشاں خیال و خواب — در بزم عمر جملہ بخوابِ فنا شدند
آنہا کہ بود کحل بصر خاک .... نشاں — آخر چو خاک زیر قدم توتیا شدند
یادے نمی کنند چوں بیگانگان ما — ما بیوفا شدیم ازاں بیوفا شدند
مرغانِ باغ انس گرفتن ازاں قفس — یکسر مقیم کنگرۂ کبریا شدند
ما از سمندِ عمر گرفتیم .... عیش — ایشاں دو اسپہ جانبِ ملکِ بقا شدند

بیہودہ نقد عمر غزالی مدہ زکف
بنگر کہ دوستان و عزیزاں کجا شدند

مذاق آں نونہالِ گلشنِ دہر — وجودش بود از رحمت سرشتہ
گذر کردم بسوئے تربتِ او — خطے دیدم بہ لوحِ او نوشتہ

بسالِ فوت او تاریخ جستم
بگفتہ شد یکے کم از فرشتہ

۱۰۹۳ھ — کاتبہ سید علی خوشنویس

قلیچ خاں سنہ ۱۷ جلوس اکبری مطابق ۹۸۰ھ میں جب اکبر بادشاہ نے سورت کے آہنی بنیاد قلعہ کو جو دریائے تاپتی کے کنارے واقع ہے فتح کیا تو بعد فتح قلیچ خاں کو قلعہ دار بنا کر حفاظت کے سلسلے میں قلعہ میں مقیم کر دیا

سلہ جہاں جہاں یہ نظم پڑھی نہیں گئی نقطے لگا دیے گئے ہیں۔

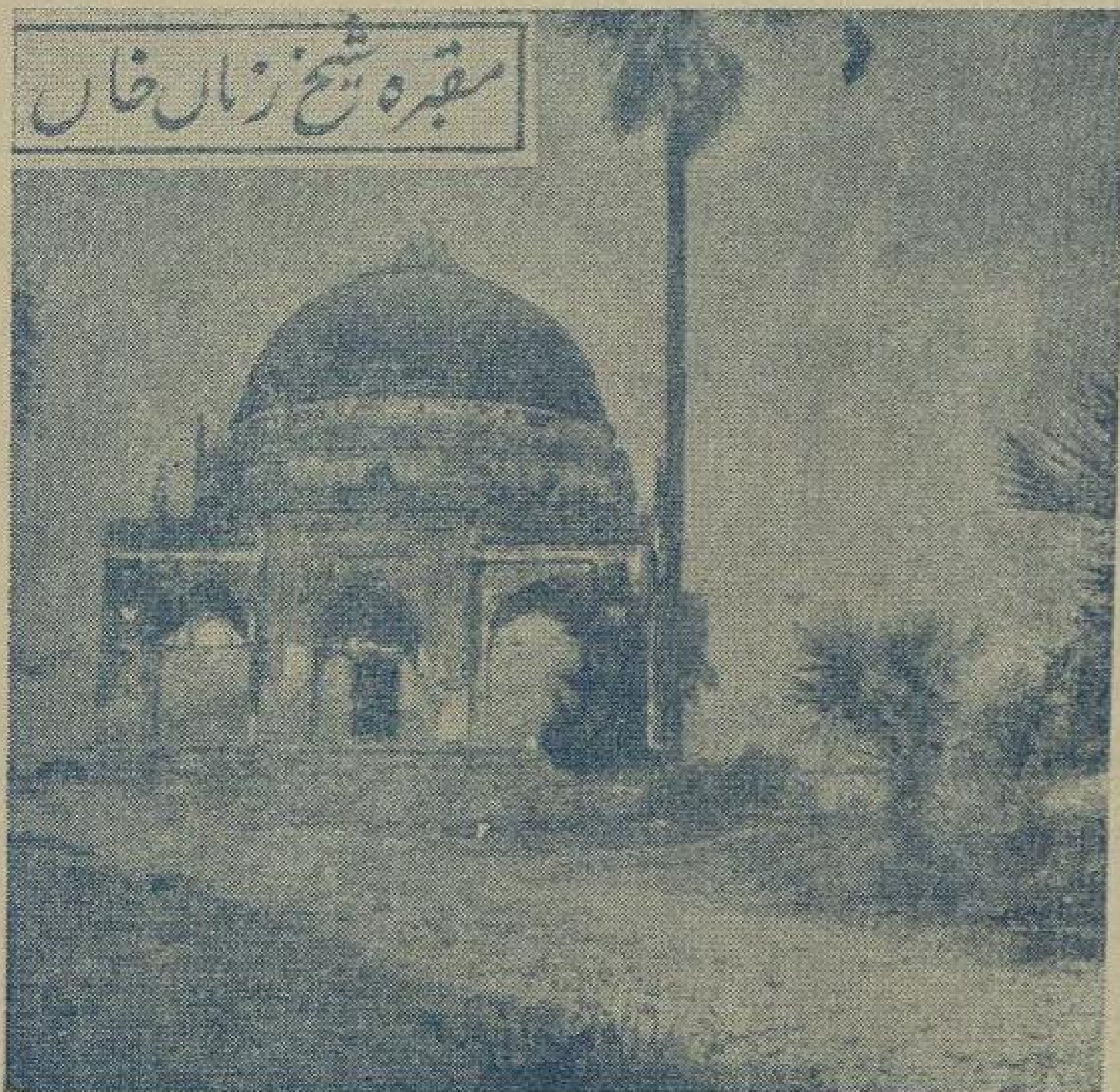
اور ۲۳ سنہ جلوس میں گجرات بھیجدیئے گئے۔ ۲۶ سنہ جلوس میں کابل کے معرکوں کو سر کرنے کے لئے قلیچ خاں کو بھیجا گیا۔ وہاں شاہجہاں بادشاہ کی سلطنت کے آغاز ہونے تک قیام کیا۔ مگر قسمت میں جونپور کی مٹی لکھی تھی۔ لہذا قلیچ خاں جونپور کے حاکم بنا کر بھیجدیے گئے۔ یہاں پہونچکر قلیچ خاں نے لب دریائے گومتی پچھم طرف ایک عالیشان مکان اور ایک خوش قطع عالیشان بارہ دری تعمیر کرائی آج تک وہ باری اور اسکا گنبد موجود ہے اور قلیچ خاں کی بارہ دری کے نام سے مشہور ہے اور ان ہی کے نام سے ایک بڑا موضع قلیچ آباد کے نام سے دریا اُس پار آجتک آباد ہے۔ [۱]

اس بارہ دری کی تعمیر کے سلسلے میں معاصر الامراء میں ایک حکایت درج ہے جو ذیل میں نقل کیگئی ہے:۔

"جسوقت قلیچ خاں نے بارہ دری کی بنیاد کھدوانا شروع کی تو اندر ایک گنبد نظر آیا جو پختہ اور مضبوط تھا۔ جب یہ خبر شایع ہوئی تو ہر چہار طرف سے لوگ گروہ در گروہ اس تعجب خیز گنبد کو دیکھنے آنے لگے۔ کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ۔ آخرش قلیچ خاں نے حکم دیا کہ اس گنبد کو بحفاظت باہر نکال لیا جاوے۔ جب گنبد کے نیچے دس روز کھودا گیا تو ایک حجرے کا دروازہ بھی ظاہر ہوا جسمیں ایک آہنی قفل لگا ہوا تھا جو ایک من کا تھا۔ قلیچ خاں دیکھکر بیحد متعجب ہوئے اور دل ہی دل میں خوش بھی کہ اس میں گنجینہ بے شمار ہے۔ جسوقت دروازے کے قفل کو توڑا گیا اس وقت تک مجمع کثیر جمع ہوچکا تھا اور سب نے دیکھا کہ حجرے

---

[۱] تجلی نور حصہ سوم قلمی۔ مشاہیر جونپور۔ معاصر الامراء



مقبرہ شیخ زماں خاں



بارہ دری قلیچ خاں

میں ایک ریش سفید بزرگ، گندمی رنگ۔ قبلہ رُخ۔ جوگیوں کی طرح آسن جمائے خاموش بیٹھا ہوا ہے۔ دروازہ توڑنے اور لوگوں کے شور وغل سے گھبرا گیا ہے۔ اس نے فوراً سوال کیا کہ راجہ رام چندر جی نے اوتار لیا؟ جواب دیا گیا کہ ہاں۔ اس نے پھر سوال کیا کہ سیتا جی راون کے یہاں سے واپس آئیں؟ پھر جواب دیا گیا کہ ہاں واپس آئیں۔ اس نے پھر پوچھا کہ سری کرشن جی نے متھرا میں اوتار لیا؟ جواب دیا گیا کہ ہاں لیا مگر ۴ ہزار برس ہوئے کہ گذر گئے۔ پھر اس نے سوال کیا کہ ملک عرب میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نام کے رسول پیدا ہوئے؟ جواب دیا گیا کہ زائد از ہزار سال گذرے کہ پیدا ہو کر بعالم جاودانی رحلت کی۔ اسی طرح اس نے تمام مذہب وملت کے متعلق سوال کیا اور اس کا لوگوں نے جواب دیا۔ پھر پوچھا آبِ گنگا جاری ہے؟ جواب دیا گیا کہ ایک عالم اس سے سیراب ہو رہا ہے اسکے بعد اس پیر نحیف نے کہا کہ ہمکو باہر نکالو۔ جب باہر نکالا گیا تو بطریق اسلام اس نے نماز گذاری اور ۶ ماہ تک پھر کسی سے بات نہ کی۔

لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مرد بزرگ قدیم زمانے کے حکما میں سے تھا اور طب اور حکمت کے ذریعے اپنے کو اتنی مدت تک زندہ رکھا۔ یا کاہن تھا اور سانس پر قابو رکھتا تھا اور اس طرح زندگی بڑھالی تھی"

بہر حال واقعہ جو کچھ بھی ہو مگر بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے۔

قلیچ خاں خود بھی علم دوست اور فراخدل آدمی تھے۔ طلبہ کو بغرض تعلیم بہت کچھ امداد دیا کرتے تھے اور شاعری سے بھی کماحقہ دستگاہ رکھتے تھے۔ یہ رباعی

ان ہی کی ہے ؎

عاشق ہوسِ وصال در سر دارد　　صوفی ذوقے زخرقہ در بر دارد
من بندہ آں کسم کہ فارغ ز ہمہ　　دائم دلِ گرم تو دیدہ تر دارد [۱]

آپ کا عالیشان مقبرہ قلیچ آباد کے قرب میں واقع ہے۔ اسکا دو حصہ گر گیا ہے باقی بھی خطرناک حالت میں ہے [۲]۔ محکمہ آثار قدیمہ نے اس عمارت کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

مرزا چین قلیچ

قلیچ خاں کے خلف اشرف تھے۔ اقطاع جونپور میں صاحب فضل وکمال سمجھے جاتے تھے۔ ملا مصطفےٰ جونپوری نے لکھا ہے کہ کتب مختصرات ومطولات سے فارغ اور صفات حمیدہ کے مالک تھے باپ کی وفات کے بعد انکی جگہ پہ بیٹھے مگر چھوٹے بھائی سے ان بن چلی آتی تھی۔ یہانتک کہ ایک روز ورثہ پدری کی تقسیم کے سلسلے میں دونوں بھائی جنگ پر آمادہ ہو گئے اور چھوٹے بھائی مرزا لاہوری نے مرزا چین قلیچ کو قتل کر دیا اور محلہ قلیچ آباد میں اپنے باپ کے نزدیک دفن ہوئے۔ سال وفات معلوم ہو سکا [۲]

شیر زماں خاں

قوم کے افغان اور نواب بنگش فرخ آبادی کے قرابت داروں میں سے تھے۔ قسمت کے اچھے تھے نواب بنگش کی سفارش پر بزمانہ حکومت فرخ سیر جونپور کے حاکم بنائے گئے اور اسی وجہ سے فرخ آباد کی سکونت ترک کر کے محلہ کنگھرہ جونپور میں سکونت اختیار کی۔ وہاں ایک مکان پختہ تعمیر کرایا اور ایک بازار آباد کیا جو ابتک نئی گنج کے نام سے آباد ہے۔ شیر زماں خاں ایک بہادر باہمت اور جری شخص تھے انکو لوگ شیر افگن

---

[۱] تجلی نور سوم قلمی فارسی ص ۹۷۔ معاصر الامرا۔ سیر المتاخرین
[۲] مشاہیر جونپور فارسی قلمی۔

کا ثانی سمجھتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اکثر شیر کا شکار تلوار سے کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عجیب اتفاق پیش آیا۔ چنار کے پہاڑ پر شکار کی غرض سے گئے ہوئے تھے کہ سامنے سے ایک پرانے شیر کا جوڑا دکھائی دیا۔ ان شیروں کی ہیبت سے شیر زماں کے ساتھی بید کی طرح لرزنے لگے اور شیر زماں خاں کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر شیر زماں خاں تن تنہا مقابلہ کے لئے کھڑے رہ گئے۔ جب شیر و نکا جوڑا قریب آیا تو شیر زماں پر حملہ آور ہوا اور کئی طمانچے سر و جسم پر لگائے مگر شیر زماں نے ہر وار کو شمشیر پر روکا اور شیروں سے مرعوب نہ ہوئے یہانتک کہ دونوں شیروں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور انکی بہادری کا یہ کارنامہ بہت مشہور ہو گیا۔

اسی زمانے میں اعظم گڈھ کے راجہ نے مرزا شیخا کو قتل کر کے شاہی حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر رکھا تھا اور اعظمگڈھ کا مالک بن گیا تھا۔ شیر زماں خاں بہادر سپاہیوں کو لیکر اعظم گڈھ پہونچ گئے۔ راجہ اعظم گڈھ شیر زماں خاں سے تاب مقابلہ نہ لا سکا اور شیر زماں خاں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر دہلی بھیجدیا گیا۔ بادشاہ نے مرزا شیخا کے بدلے میں راجہ اعظم گڈھ کو قتل کر دیا۔ اس وقت سے اعظم گڈھ کی شورش دفع ہو گئی۔ آخری عمر کو پہونچکر محلہ کنگھرہ میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ ان کی قبر پر بلند اور عالیشان مقبرہ دریا کے نزدیک بنا ہوا ابتک موجود ہے [۱]

صاحب زماں خاں

صاحب زماں خاں شیر زماں خاں کے چھوٹے بھائی تھے۔ زمانہ احمد شاہ بادشاہ دہلی میں جب طوائف الملوکی کا بازار گرم تھا۔ نواب احمد خاں بنگش فرخ آباد اور نواب ابو المنصور خاں

---

[۱] تجلی نور سوم قلمی صنا

جاگیردار اودھ و جونپور کے درمیان جنگ و جدل کا بازار گرم تھا۔ نواب احمد خاں بنگش غالب آئے اور لوٹ مار کر کے جونپور تک قبضہ کر لیا۔ چونکہ صاحب زماں خاں نواب احمد خاں بنگش کے قرابتدار تھے اس لئے جونپور کی حکومت صاحب زماں خاں کے سپرد کر کے نواب بنگش فرخ آباد واپس گئے۔ نواب بنگش کے حکم کے بموجب صاحب زماں خاں نے قلعہ جونپور کی فصیل و دیوار جو معرکہ آرائی میں شکست ہو گئی تھی درست کرائی۔ ایک سال تک یہ کام ہوتا رہا۔

ادھر نواب ابو المنصور خاں نے جونپور کی قلعہ داری بلونت سنگھ راجہ بنارس کے سپرد کر دی۔ راجہ بلونت سنگھ فوج لیکر جونپور پر چڑھ آئے اور صاحب زماں سے جنگ کر کے جونپور کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور صاحب زماں خاں کو نوکری سے برطرف کر دیا۔ راجہ بلونت سنگھ اور صاحب زماں خاں کی جنگ میں قلعہ کا اکثر حصہ مسمار ہو گیا جسے محکمہ آثار قدیمہ نے اب مرمت کرا دی ہے۔ صاحب زماں خاں کے انتقال کے بعد انکو شیر زماں خاں کے مقبرے میں دفن کر دیا گیا۔ ؎۱

سید محمد سعید خاں منصبدار شاہی

قوم سید زیدی مفتی سید مبارک کے بیٹے تھے۔ سن تمیز کو پہونچکر اولاً اپنے والد سے تحصیل علم شروع کیا بعد ازیں مطولات اپنے چچازاد بھائی سید محمد حفیظ خاں سے فراغت حاصل کی۔ بر بنائے قابلیت اعظم العلماء اور افضل الفضلا شمار کئے جانے لگے۔ بغرض حصول مراتب و تقرب شاہی دہلی گئے اور امرائے شاہی میں داخل ہو گئے۔ عالمگیر کے عہد حکومت میں بادشاہ نے انکی بیحد قدر کی۔ ان کے علم و فضل کی وجہ سے انکو شاہی علما میں داخل کر لیا۔ چند سال تک اسی طرح گذر

؎۱ تجلی نور سوم ص۱۰۰

بسر ہوتا رہا اور بعہد بہادر شاہ منصب چہار صدی بادشاہ کی طرف سے عطا کیا گیا۔ اور داخل امرائے شاہی کیے گئے۔ بہادر شاہ کے بعد فرخ سیر بادشاہ نے ان کی قابلیت دیکھ کر انکو منصب نہ صدی سے سرفراز کیا اور اپنے خاص مقربین بارگاہ میں داخل کر لیا۔ اور "میر عدل" کا عہدہ بھی عطا کیا۔ اس عہدہ کے تحت آپکو تمام ممالک محروسہ کے اندر جاگیروں کی ضبطی و بحالی کا اختیار حاصل تھا۔ نواب سہراب جنگ کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ "انشائے رنچھور داس" میں محمد سعید خاں کے نام بھی ایک خط مندرج ہے۔

بعد انقلاب سلطنت جب محمد شاہ بادشاہ تخت دہلی پہ جلوہ افروز ہوئے تو سلطنت میں فتنہ و فساد برپا کرنے والے تمام سادات بارہہ کا قلع قمع کر دیا کہ یہ لوگ سلطنت میں فتنہ و فساد برپا کئے ہوئے تھے۔ محمد شاہ بادشاہ نے سادات بارہہ کے قتل کی تلافی اس طرح مناسب سمجھی کہ بجائے سادات بارہہ کے دیگر سادات کو مختلف مقامات پر بعہدہ جلیل الشان مامور کیا جائے۔ چنانچہ حسب سفارش نواب آصف جاہ سید محمد سعید خاں اکثر و بیشتر سادات اچھے اچھے عہدوں پر مامور کئے گئے اور انکو انعام و اکرام و خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا گیا۔

محمد شاہ بادشاہ نے بصلہ حسن خدمت و پیرانہ سالی سید محمد سعید خاں کو جونپور والہ آباد میں تین لاکھ منافع کی جائداد عطا کی اور اعزاز و مراتب بلند کیے۔ فہرست مواضعات یہ ہے کہ تعلقہ سونتھا تحصیل کھوٹن میں۔ حاجی پور و پال پور تحصیل جونپور میں۔ موضع بتورا و کٹھری و کٹھرا و کراکت تحصیل کراکت میں اور چند تعلقہ جات ضلع الہ آباد میں۔

جب وقت آخر آیا تو بتاریخ ۲۹ محرم ۱۱۵۱ھ دہلی میں انتقال کیا۔ اعزہ نعش جونپور لائے اور روضہ قبرگاہ مفتی محلہ میں دفن ہوئے (مشاہیر جونپور صفحہ ۱۰۶)

سید تصدق حسین خاں

سید تصدق حسین خاں ابن سید بہادر علیخاں ابن سید لطف علیخاں ابن قاضی حسن سعید خاں پسر سید محمد سعید خاں، صاحب مرتبہ و ذیوقار سمجھے جاتے تھے۔ بخت رسا پایا تھا بزمانہ سلطنت انگلشیہ بہت بلند مرتبہ کو پہونچے۔ یکایک صدر الصدور (جج) کے عہدہ پر فائض ہو گئے اور حسن کارکردگی و جودت طبعی حکام کی نظروں میں بیحد ممتاز رہے۔ نواب سبحان علی خاں مصاحب شاہ اودھ اور نواب معتمد الدولہ کے خاندان کے وزیر سلطنت اودھ سے خوب یارانہ بڑھا۔ کہ دونوں ایک جان دو قالب رہے اسکے علاوہ نواب محمد سعید خاں والی رامپور سے واسطہ و اتحاد پیدا کر لیا تھا۔

نواب محمد سعید خاں جس زمانے میں ڈپٹی کلکٹر تھے اسوقت رامپور کی مسند نوابی خالی ہو گئی۔ منجملہ اور دعویداروں کے محمد سعید خاں کا حق زیادہ پہنچا تھا۔ مقدمہ چلا اس وقت سید تصدق حسین خاں نے محمد سعید خاں کی پوری طرفداری کی نتیجہ یہ ہوا کہ مسند نوابی محمد سعید خاں کو ملی۔ محمد سعید خاں اس سلسلہ میں تصدق حسین خاں کے ممنون احسان رہے۔ اور بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ تصدق حسین خاں اپنی قابلیتوں کی وجہ سے نصیر الدین حیدر و واجد علی شاہ بادشاہوں کے دربار کے مخصوصین میں شمار ہونے لگے۔

قیصر التواریخ کے مصنف نے امرائے اودھ کے سلسلہ میں سید تصدق حسین خاں کا کافی ذکر کیا ہے۔ ۱۸۵۷ء غدر کے زمانے میں آپ باندہ میں جج کے عہدہ پر مامور تھے کہ شورش بلند ہو گئی اور آپنے شورش دبانے میں بڑا کام کیا۔ اسی زمانہ میں وبا بھی پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۲۷۳ھ میں آپ بھی باندہ میں انتقال کر گئے آپ کی نعش مفتی محلہ جونپور میں لاکر دفن کیگئی۔

---

۵۱ تجلی نور حصہ سوم قلمی فارسی ۱۰۹-۱۰۸ - قیصر التواریخ

سید ضیاء الدین خاں

سید ضیاء الدین عالی مرتبہ سادات میں سے تھے۔ اصل سکونت موضع غوث پور پرگنہ انگلی ضلع جونپور میں تھی۔ بزمانہ خوردسالی تحصیل علم کیا اور یک بیک بے سروسامانی کی حالت میں دہلی پہونچ گئے۔ سب سے پہلے مدرسۂ شاہی میں جگہ ملی بعد میں تقرب شاہی حاصل کرلیا۔ محمد شاہ بادشاہ نے ان کے سپرد فرمان نویسی کی خدمت کی۔ آہستہ آہستہ ترقی کرتے گئے یہانتک کہ وزیر سلطنت کے عہدہ پر فائض ہوگئے اور "خان" کا خطاب اور منصب جاگیر جونپور و الہ آباد کے ضلع میں عطا کیگئی۔ ان کی اولاد سید علی امام خاں تھے جو جائداد کا انتظام کرتے تھے۔ محلہ حمام دروازہ میں ایک باغ پر تکلف "لال باغ" کے نام سے اور ایک عالیشان پختہ مکان بنوایا جو حویلی کے نام سے مشہور ہوا۔

سنہ ۱۱۵۰ھ میں دہلی میں انتقال کیا۔ لاش دہلی سے جونپور لائی گئی اور لال باغ کے متصل حویلی میں دفن کئے گئے۔ سید علی امام خاں چونکہ لاولد تھے اسلئے انھوں نے اپنے سالے کے لڑکے امام بخش کو متبنیٰ و جانشین بنایا۔ ان کے انتقال کے بعد انکے لڑکے سید امجد علی خاں وارث ہوئے۔ [۱]

میر شیر علی

میر شیر علی زیدی سادات اور منڈوہ سادات عرف بڑا گاؤں کے رئیس تھے۔ بانی ریاست سید محمد ابراہیم سنہ ۸۰۰ھ میں سبزوار ملک عرب سے ہندوستان میں وارد ہوئے اور خضر خاں بادشاہ دہلی کے زمانے میں فوج میں نوکری کرلی۔ کار نمایاں انجام دینے کے صلہ میں ترقی کرکے فوج کے افسر ہوگئے۔ جب سنہ ۸۱۳ھ میں اقبال خاں وزیر سلطنت

دہلی نے ملک اودھ و جونپور کو حاصل کرنے کے لئے سلطان مبارک شاہ شرقی پر حملہ کی غرض سے جونپور میں قدم رکھا تو سید ابراہیم بھی بطور جرنیل فوج ساتھ تھے۔ ایک روز سید ابراہیم اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ بسلسلہ شکار ملک اودھ میں پہونچے تو وہاں کی آب و ہوا بیحد پسند آئی اور موضع سُرہُرپور میں قیام کیا۔ اس موضع میں کچھ شر پسند بھی آباد تھے جن میں بھگوانداس پانڈے زمیندار منڈوا سب سے زیادہ شر پسند تھا۔ اس نے سید ابراہیم کے قیام میں مزاحمت کی اور نوبت جنگ کی آگئی۔ بھگوانداس قتل ہوا اور شنکر پانڈے اسکے بھائی نے صلح کی درخواست کی اور از روے صلحنامہ دو موضع اشرف پور و بروٹ سید ابراہیم کے قبضے میں آئے۔

سید ابراہیم نے موضع بروٹ میں مستقل قیام کرنا طے کیا اور رفتہ رفتہ اتنی ترقی کی کہ بارہ گاؤں کے مالک ہو گئے۔ سنہ ۸۵۰ھ میں انتقال کر گئے۔ اپنے بعد دو فرزند سید محمد امین و سید محی الدین چھوڑے۔ سید محی الدین نے اپنے نام سے ایک موضع سرائے محی الدین آباد کیا اور اسکے مالک بھی رہے اور موضع منڈوا میں مکان تعمیر کرا کے سکونت اختیار کی۔ اسوقت سے اس موضع کا نام منڈوا سادات مشہور رہا۔ چونکہ اس موضع کی آبادی روز بروز بڑھتی رہی اس لئے بعد میں اسکا نام "بڑا گاؤں" مشہور ہوگیا۔

بعد وفات محمد امین چونکہ اولاد نرینہ میں کوئی نہ تھا، ان کے نواسے میر شیر علی مالک ریاست ہوئے۔ میر شیر علی، صاحب حوصلہ اور خوش انتظام تھے تھوڑے عرصے میں بہت سے دیہات خرید کر کے اپنی ریاست میں اضافہ کیا۔ یہانتک کہ اٹھتر مواضع تعلقہ بروٹ پرگنہ انگلی ضلع جونپور اور دو تعلقہ سلمان پور اور محال کرہینڈہ پرگنہ ماہل ضلع اعظم گڈھ اور ۲ پرگنہ جمواں اور مہواری پرگنہ بیلیہ

دولت آباد تحصیل دیوگام ضلع اعظم گڈھ میں اضافہ کیا۔ میر شبیر علی کے انتقال کے بعد سید علی نقی وارث جائداد ہوئے اور ایک تعلقہ ارغوپور خرید کر اضافہ کیا۔ بعد چند سال کے زوجہ اور ایک دختر چھوڑ کر انتقال کر گئے۔ مسماۃ نعمت بی بی انکی زوجہ وارث جائداد ہوئیں۔ ماں کے انتقال کے بعد قمر النسا بی بی وارث جائداد ہوئیں اور بدنظمی کی وجہ سے بہت سے دیہات نکل گئے اور برائے نام ریاست باقی رہ گئی۔ اس میں سے تھوڑے حصے پر حسینی بی بی انکی چچی قابض ہوئیں اور اس حصہ پر سید ابوالحسن و سید علی سجاد ساکنہ چکیسر، رانی مئو دہ دولی قابض ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد سید ہاشم عباس مالک جائداد ہوئے۔ اس خاندان کے کچھ لوگ ابھی بقید حیات ہند و پاک میں آباد ہیں۔ سلہ

راجہ شیخ حاتم علی

راجہ شیخ حاتم علی قصبہ مچھلی شہر جونپور کے رئیس تھے شیخ عبد الکریم ساکن موضع بسگت پرگنہ اتمہ ضلع الہ آباد فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں الہ آباد میں نائب صوبیدار تھے۔ آپ کی شادی مچھلی شہر میں ہوئی تھی اس لئے زوجہ کے خیال سے خود بھی مچھلی شہر میں رہنے لگے۔ مچھلی شہر میں ایک وسیع مکان اور ایک گڈھی تعمیر کرائی اور وہ محلہ شیخانہ کے نام سے مشہور ہے۔

آپ کے فرزند شیخ فتح محمد عرف منگلی میاں آپ کے انتقال کے بعد وارث و مالک ہوئے۔ مرد شجاع و دلیر تھے۔ بعہد محمد شاہ بادشاہ دہلی رسالدار فوج شاہی ہوئے الہ آباد کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے آپ کو کئی مرتبہ الہ آباد جانا پڑا۔ راجہ بلونت سنگھ والئی بنارس سے بھی کئی دفعہ جنگ آزما ہونا پڑا۔ ایک جنگ میں راجہ بلونت سنگھ

سلہ مشاہیر جونپور حصہ سوم قلمی فارسی

کے بھائی کو گرفتار کر لیا اور اُسے اسلام لانے کی ترغیب دی جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو اسکا نام قبول محمد رکھا اور اسکو اپنا پسر متبنیٰ قرار دیا۔ اکثر دیہات و قصبہ قبضہ میں آیا۔ چونکہ شیخ فتح محمد عرف منگلی میاں کے کوئی اولاد نہ تھی اسلئے شیخ قبول محمد مالک ریاست ہوئے۔

اپنے حسن قابلیت سے شیخ قبول محمد نے ریاست میں اضافہ کیا اور بہت عزت و مرتبہ حاصل کیا یہانتک کہ راجہ کہلانے لگے۔ راجہ بلونت سنگھ بوجہ تبدیلی مذہب شیخ قبول محمد سے بغض و عناد رکھتا تھا۔ موقع بموقع حملہ کرتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ جنگ میں راجہ قبول محمد گرفتار ہوگئے اور راجہ بلونت سنگھ نے گنگا پور کوٹ میں قید کر لیا۔ شیخ قبول محمد کی غیرت نے اسیری برداشت نہ کی اور کوٹھے کی چھت سے کود کر اپنی جان دیدی۔

راجہ شیخ علی بخش آپ کے لڑکے مالک ریاست ہوئے اور سرکار قیصر ہند کے زمانہ سلطنت میں جب بندوبست ہوا تو تعلقہ کٹہٹ بھی شیخ علی بخش کے علاقہ میں شامل ہوگیا۔ جب راجہ شیخ علی بخش کا بھی انتقال ہوگیا تو انکے لڑکے علی حاتم مالک و منتظم ریاست ہوئے۔ شیخ علی حاتم زیادہ تعلیمیافتہ نہ تھے مگر لیاقت خوش انتظامی۔ جرأت و بہادری حد درجہ کی پائی تھی۔ اکثر تعلقہ خرید کر ریاست میں اضافہ کیا اور سرکاری مالگزاری ۳۵ ہزار روپیہ ادا کرتے تھے۔ راجہ شیخ حاتم علی کے انتقال کے بعد ان کی اولاد میں کوئی نہ تھا۔ اس لئے ان کی تمام جائداد ان کے ورثا میں تقسیم ہوگئی۔ اور نوبت یہانتک پہونچی کہ سب ریاست مقروض ہوگئی اور دوسروں کے قبضہ میں چلی گئی۔ [۱]

---

[۱] مشاہیر جونپور سوم فارسی قلمی

قاضی سید سلامت علی خاں

مفتی سید ابوالبقا ساکن مفتی محلہ جونپور کے بیٹے تھے۔ چونکہ ان کے جدامجد کی بطور رأس نشینی محلہ سپاہ میں پرورش ہوئی تھی اور کافی جائداد کے مالک ہو گئے تھے۔ اسلئے آپ بھی محلہ سپاہ میں جا کر آباد ہو گئے۔

سید سلامت علی نے شہر کے مولویوں سے علم درسیہ عربی و فارسی پڑھکر اچھی لیاقت پیدا کر لی تھی اسلئے سرکار انگلشیہ کے زمانے میں بعہدۂ منصف اسکے بعد صدر امین پھر اسکے بعد صدر امین اعلیٰ عدالت دیوانی میں مقرر ہوئے۔ آپ کا مذہب اثنا عشری تھا۔ ۱۲۳۵ھ میں ۲۴ ذیقعدہ کو انتقال کیا اور محلہ سپاہ جونپور کے باغ میں دفن کئے گئے۔

مولوی علی اکبر

آپ کی عرفیت مولوی بدلو تھی۔ قوم شیخ اور قاضی صدر جہاں کے لائق فرزند تھے۔ شرقی سلطنت کے زمانے میں جونپور میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائض تھے۔

جب سن شعور کو پہونچے تو علوم رسمیہ کی تحصیل کر لی۔ اور بعد وفات اپنے چچا مولوی عبد السبحان مرزاپور میں صدر امین مقرر کئے گئے اور حسن کارکردگی سے بہت جلد بعہدۂ صدر الصدور مقرر کر دیے گئے اور تاحیات مرزاپور میں صدر الصدور کی مسند پر متمکن رہے۔ آپکی دیانتداری کی بنا پر آپ کو ہگلی امامباڑہ کی تولیت کی خدمات انجام دینے کی پیشکش کیگئی تھی مگر آپنے منظور نہ کیا۔ آپکی قابلیت و اخلاق کا چرچہ تمام ہندوستان کے حصے میں پھیل گیا تھا۔

آپکے متعلق کہا جاتا ہے کہ بیحد خوش انتظام اور کفایت شعار شخص تھے اپنی تنخواہ سے اتنی رقم محفوظ کرتے آئے تھے کہ کئی مواضعات کی ایک زمینداری خریدلی۔ فی الحال زمینداری چار موضع مسلم اور چار موضع میں حصہ داری جسکی

جملہ مالگذاری دو ہزار تین سو پندرہ روپیہ ۲۳۱۵ ہوتی ہے باقی ہے جو مولوی علی حسین ساکن محلہ بھنڈاری کے قبضہ میں ہے - مولوی علی حسین مولوی علی اکبر کے نواسے ہوتے ہیں - مولوی علی حسین کی اولاد شاہ ابوالحسن محلہ بھنڈاری جونپور میں موجود ہیں - مولوی علی اکبر سنہ ۱۲۴۶ھ میں بیمار ہوکر جونپور آئے اور یہیں انتقال کیا۔ اور صدر امامباڑہ جونپور میں دفن ہوئے۔ ۱

مولوی محمد ابراہیم خان بہادر

قوم شیخ شریف النسب اور حاجی منشی امام بخش کے نواسے تھے انگلینڈ تک سیاحی کی تھی - جونپور میں وائس چیرمین میونسپل بورڈ مقرر ہوئے۔ ملکہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی میں اس نیک نیتی اور مستعدی سے کام انجام دیا کہ خانبہادر کا خطاب حاصل کرلیا - شہر جونپور کے باعزت اور نامور لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے - سنہ ۱۳۱۳ھ میں بیمار ہوئے اور صبح کو انتقال کر گئے - عزیزوں نے خاندانی قبرستان محلہ میر مست میں نعش کو سپرد خاک کیا۔ سید محمد سعید خاں ہنر نے مصرعۂ تاریخ کہا: ۲ -

"محمد براہیم خانِ بہادر"

۱۳ ھ ۱۳

---

۱ مشاہیر جونپور ۲ مشاہیر جونپور

شرقی دور کی عمارتیں

مسجد اٹالہ

شرقی دور کی جو عمارتیں جونپور میں موجود ہیں سب سے زیادہ اہم اور قدیم مسجد اٹالہ ہے۔ جسکو ابراہیم شاہ شرقی نے ۱۴۰۸ء میں تعمیر کرایا حالانکہ اس کی بنیاد فیروز شاہ تغلق نے ۱۳۶۴ء یا ۱۳۷۶ء کے درمیان رکھدی تھی۔ مگر خواجہ جہاں خانجہاں اور فتح خاں کی موت سے ملک کا انتظام درہم برہم ہونے لگا۔ ہر طرف شورش و بغاوت شروع ہوگئی جس نے فیروز شاہ کو تمام تعمیری کاموں سے روک دیا۔ ۷۹۰ھ میں فیروز شاہ تغلق کے انتقال کے بعد سلطنت کا شیرازہ چند ہی سال کے اندر بکھر گیا یہاں تک کہ سلطنت ہی ختم ہوگئی۔ شہزادگان تغلق کو آپسی خانہ جنگیوں اور ملک کے اندر شورش و فساد نے اتنا موقع نہ دیا کہ کوئی تعمیری کام کر سکیں۔ آخر کار یہ مسجد ابراہیم شاہ شرقی کے ہاتھوں ۱۴۰۸ء میں مکمل ہوئی۔ ۱؎

اٹھارھویں صدی سے لیکر انیسویں (۱۹) صدی کے آخر تک جو کتابیں جونپور پر فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی میں لکھی گئیں سب میں اٹل دیوی کا مندر توڑ کر مسجد تعمیر کرنے کا ذکر ہے مگر افسوس کہ ان کتابوں کا ماخذ صرف زبانی باتوں

۱؎ گزیٹر جونپور۔ عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام۔ سلاطین جونپور۔ اسلامک کلچر جلد ۱۹۔ اسلامی کتب خانے۔ تاریخی جائزے۔

پر ہے۔ کسی نے اپنے ماخذ کا ذکر نہیں کیا اور نہ خود واقعہ کی اصلیت کا پتہ لگانے کی کوشش کی بلکہ نقل در نقل کرتے رہے۔ ان مصنفین کی تحریروں میں مندر کے سنہ تعمیر میں بھی اختلاف ہے اور بعض باتیں ایسی ہیں جس سے مندر کی موجودگی ثابت ہی نہیں ہوتی۔ اسلئے ہم چند مصنفین کی اصل عبارت پیش کرتے ہیں تاکہ ناظرین اصل حقیقت کا پتہ لگا سکیں اور جان لیں کہ مندر توڑنے کی کہانی کہاں تک درست ہے۔

مندر ہونے پر مصنفین کا استدلال

جونپور نامہ مولفہ مولوی خیرالدین سنہ ۱۲۴۹ھ مطابق سنہ ۱۸۳۳ء قلمی فارسی۔ دوسرا اڈیشن سنہ ۱۸۹۹ء کے صفحہ ۲۴ پر درج ہے:۔

(۱) "در عہد باستانی بتخانہ بود کہ در ہر سنگ آں بتہا آراستہ بودند ازیں جہت آنرا دیول اٹالہ می گویند۔ بعضے گویند ایں دیول را راجہ جے چند والی ظفرآباد در سمبت یکہزار چہار صد شانزدہ ساختہ و دراں بت اٹل دیبی گذاشتہ ازیں جہت ایں دیول را اٹالہ نامیدند۔"

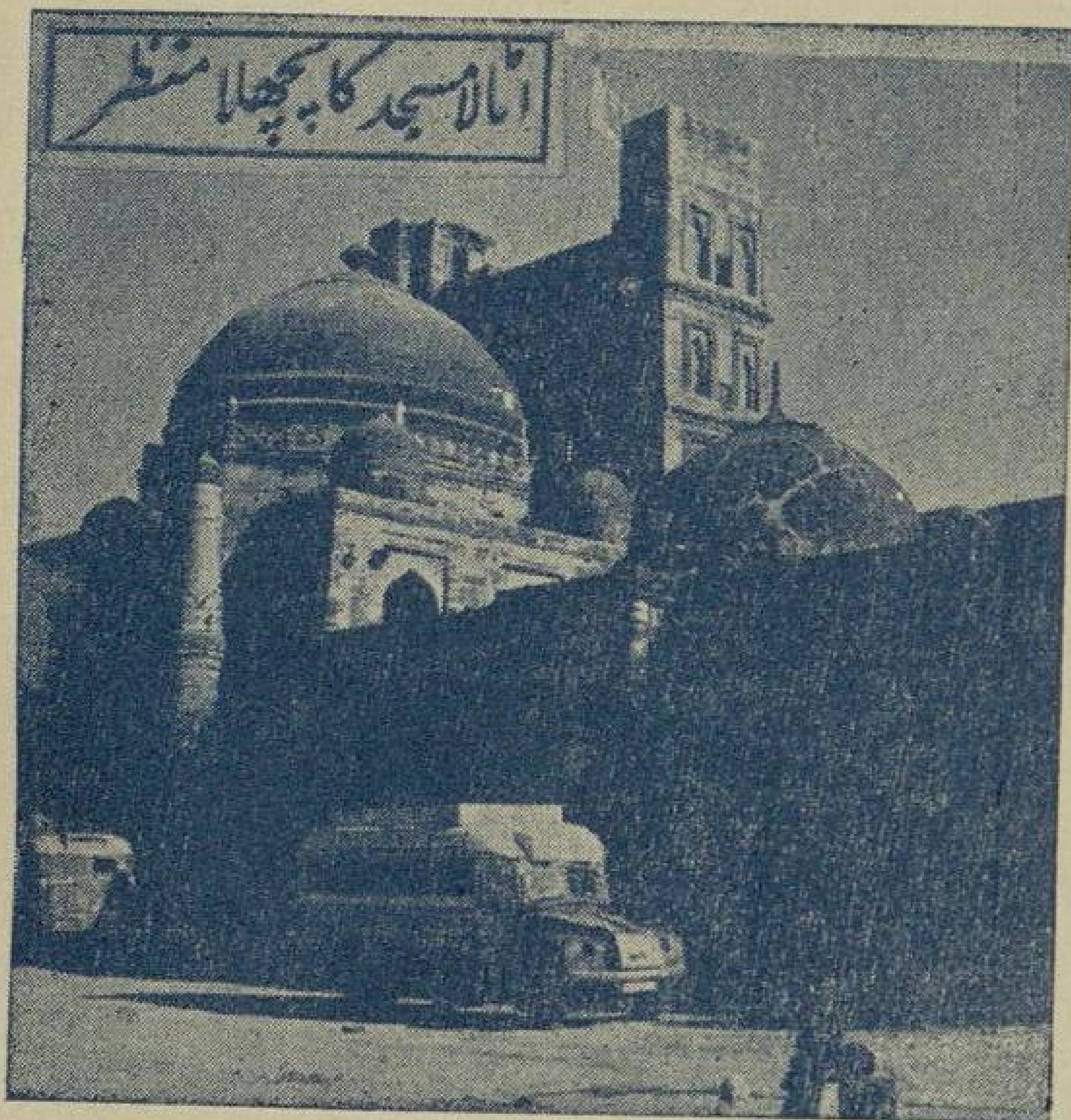
ترجمہ:۔ قدیم زمانے میں یہ بتخانہ تھا اسکے ہر پتھر پر بت بنے ہوئے تھے بدیں وجہ اسکو دیول اٹالہ کہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس دیول کو راجہ جے چند والی ظفرآباد نے سمبت ۱۴۱۶ میں تعمیر کیا تھا اور بت اٹل دیبی اس میں رکھا اس وجہ سے اس دیول کا اٹالہ نام ہوا۔

(۲) جغرافیہ جونپور حصہ اول مطبوعہ سنہ ۱۸۷۲ء میں لکھا ہے کہ:۔

یہ بت خانہ تھا اسکو دیول اٹالہ کہتے ہیں اور اکثر کہتے ہیں

عکس مسجد اٹالا تعمیر کردہ ابراہیم شاہ





اٹالا مسجد کا پچھلا منظر

کر اس مکان دیول کو راجہ جے چند والی ظفر آباد نے سمبت ۱۲۱۶ میں
بنایا اور اٹل دیبی کا بت بٹھلایا اسی لئے دیول اٹالہ مشہور ہوا"
یہ عبارت مولوی خیرالدین کے فارسی جونپور نامے کی جو سنہ ۱۸۳۴ء کا ہے
مصنف "جغرافیہ جونپور" نے بھی نقل کر دی ہے۔

(۳) مولوی نورالدین زیدی "تجلی نور" حصہ سوئم قلمی مئی سنہ ۱۹۰۵ء میں تحریر فرماتے
ہیں کہ :۔

مندر اٹل دیوی نام سنگین تعمیر کنانیدہ راجہ بجے چند والی ظفر آباد
در سنہ ۱۱۵۹ء بود سلطان فیروز شاہ وقتیکہ بنا حصار قلعہ جونپور انداخت
روزے مندر اٹل دیبی را دیدہ حکم شکستن آں و بجایش تعمیر نمودن
فی الفور ہزارہا کلنگ بردار بشکستن آں سرگرم شدند یا سماع ایں
خبر ہزارہا ہندو از اطراف جوانب جمع شدند وہجوم آوردند و
سنگ باری کردند۔ کارپردازان شاہی عاجز ماند۔ بہ ظفر آباد
نزد بادشاہ حاضر شدہ عرض حال نمودند تا آنکہ فوج قاہرہ سلطان
مامور شد واز قتل عام صدہا مردمان شربت مرگ چشیدند تاہم باز
نہ آمدند۔ بالآخر سلطان حکم قتل عام موقوف کرد و سرداران
گروہ اہل ہنود طلبیدہ عہد نامہ سجل کنانیدہ و حکم داد کہ ہر قدر کہ مندر
شکست گردید برآں مسجد تعمیر شود۔ بقیہ مندر بحالت اصلی خویش
ماند و بریں عہد اہل ہنود راضی گشتہ ...... سلطان فیروز شاہ
از سرداران خویش خواجہ جہاں را بر تعمیر مسجد اٹالہ تعنات نمودن
...... در عہد سلطان ابراہیم شرقی بقیہ مندر ہم بشکست گردیدہ
و زمین آں اندر حد مسجد درآمد و سنگ آں بقیہ مسجد تعمیر گشت کہ

بسال ہشت صد و بست و یک ہجری از قطعۂ جدید مسجد بعمارت عالی و خوش قطعہ تعمیر شدہ "[۱]

۴۔ گزیٹر جونپور میں ہے کہ۔

"اٹالہ مسجد قلعہ سے اتر پورب جانب واقع ہے۔ اس کا نام اٹالہ دیوی مندر کے نام سے مشہور ہے جسکو وجے چند قنوج کے راجانے بنوایا تھا۔[۲]

۵۔ "خان بہادر فصیح الدین صاحب کلکٹر جونپور شرقی منومنٹ ۱۹۲۲ء میں فرماتے ہیں کہ:۔

"جب فیروز تغلق نے ۱۳۶۰ء میں قلعہ بنوایا تو ایک روز اسکی نظر اٹالہ دیوی مندر پر پڑی۔ لوگ کہتے ہیں کہ سلطان نے کہا کہ وہ اسکو ضرور ہٹائیگا اسلیئے اسکے درباری خانجہاں نے فوراً مسجد بنوانا شروع کر دیا۔ اس مندر کو پہلے راجہ وجے چند قنوج نے سمبت ۱۲۱۶ بکرمی مطابق ۱۱۵۹ء میں بنوایا تھا۔[۳]

۶۔ مولوی نورالدین زیدی "چراغ نور" مطبوعہ ۱۹۳۲ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"راجہ بیجے چند کا بنوایا ہوا بتخانہ اٹل دیوی کا مندر تھا اس کو فیروز تغلق نے توڑنا چاہا لیکن ہندوؤں کے شور مچانے سے باز رہا۔ ۸۰۶ھ میں سلطان ابراہیم شاہ شرقی نے اس ویران بتخانہ کی جگہ مسجد بنوا دی جو بنام اٹالہ مسجد مشہور ہوئی۔[۴]

---

[۱] تجلی نور حصہ سویم قلمی ص ۸۔۱۰۲

[۲] گزیٹر جونپور

[۳] شرقی منومنٹ ص ۱۹

[۴] چراغ نور ص ۱۳۸

۷۔ مولوی نظیر الدین صاحب تاریخ جونپور میں لکھتے ہیں کہ:۔

"زمانۂ قدیم میں ایک بتخانہ عظیم الشان تھا جسکے ہر در و دیوار پر بُت بنے ہوئے تھے اسی سبب سے اسکو دیول اٹالہ کہتے ہیں اور بعض قدیم لوگوں کا بیان ہے کہ اس دیول کو راجہ جے چند والئ ظفرآباد نے سمبت ۱۲۱۶ بکرمی میں بنوایا تھا اور اسی میں بت اٹل دیوی کا رکھا تھا اس سبب سے اسکو اٹالہ کہتے ہیں۔" ؎۱

۸۔ احوال سلاطین مولفہ میر کاظم علی صاحب میں لکھا ہے کہ:۔

"اٹالہ مسجد کو ابراہیم شاہ نے اٹل شاہ نواز خاں کے لئے تعمیر کرایا تھا۔" ؎۲

۹۔ پروفیسر اشرباری لال دلی سلطنت نے بھی لکھدیا کہ:۔

"جونپور کی مسجدیں جن کو مندر توڑ کر بنایا گیا ہے اس میں مینار نہیں ہے۔ شرقی طرز تعمیر کا ایک اچھا سا نمونہ اٹالہ دیوی مسجد ہے۔" ؎۳

مسجد اٹالہ کے مندر مشہور ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ پہلے مولوی خیرالدین نے اپنے فارسی جونپور نامے میں اسے اٹل دیبی کا مندر ثابت کرنیکی کوشش کی ہے بعد میں اسکا انگریزی ترجمہ مسٹر پگیسین نے کیا اور اس طور پر ہندی۔ انگریزی اور اردو کے مصنفین نے بھی اسے نقل کر لیا اور اس طرح یہ ایک نزاعی معاملہ بنا کر چھوڑ دیا گیا۔ خیرالدین صاحب نے جیسے ماحول میں ایسے واقعات بغیر سند اور حوالے کے لکھا۔ اب وہ ماحول بدل چکا ہے۔ زمانہ تاریخ کے ہر لفظ کو

؎۱ تاریخ جونپور۔ ؎۲ احوال سلاطین۔

؎۳ دلی سلطنت۔

حقیقت اور واقعیت کی کسوٹی پر پرکھنے کا عادی ہو چکا ہے۔ اسلئے ہمارا فرض ہے کہ جونپور کی تاریخ لکھتے وقت ہم خیر الدین یا اور کسی کی کورانہ تقلید نہ کریں اور اپنی قوت تحقیق پر بھروسہ کریں۔

تاریخ فتوحات فیروز شاہی۔ فیروز شاہی (ضیاء برنی) و فیروز شاہی (سراج عفیف) تاریخ داؤدی۔ طبقات اکبری۔ آئین اکبری اور تاریخ فرشتہ اور تمام معتبر کتب اس اہم واقعہ کے سلسلے میں خاموش ہیں۔ کسی نے اشارۃً کنایۃً بھی نہیں لکھا کہ اٹالہ مندر توڑکر مسجد بنائی گئی اس لئے ہمیں امید ہے کہ ہر عقل سلیم اس معروضہ واقعہ کو تسلیم کرنے میں تامل سے کام لیگی۔ جو جونپور کی تاریخ کے سلسلے میں بہت زیادہ مستند سمجھے جاتے ہیں ان کی تحقیق کی بنیاد محض زبانی باتوں پر ہے جو کہ انکے مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:-

"بعضے مردماں میگویند کہ ایں دیول را راجہ جے چند والی ظفر آباد در سمبت یکہزار چہار صد شانزدہ ساختہ و دراں بت اٹل دیبی گذاشتہ ازیں جہت ایں دیول را اٹالہ نامیدند۔"[51]

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس دیول کو راجہ جے چند والی ظفر آباد نے سمبت ۱۴۱۶ میں بنوایا اور اسی زمانے میں بت اٹل دیوی رکھا۔ اسوجہ سے اس دیول کا اٹالہ نام ہوا۔

ناظرین خود فیصلہ کریں کہ "بعضے مردماں میگویند" کی کیا حقیقت ہے؟ خیر الدین کے بیان کے مطابق فیروز شاہ ۱۳۷۶ء میں اٹالہ دیول توڑنے کا حکم دیتا ہے اور انکے جونپور نامے کا سال تصنیف ۱۸۳۳ء ہے اس طور پر واقعہ مذکور اور مولوی خیر الدین کے زمانے تک چار سو ستاون ۴۵۷ سال ہوتے ہیں اور ابراہیم شرقی کے

---

[51] جونپور نامہ ص۱۴ دوسرا ایڈیشن ۱۸۹۹ء

۱۳۸۹ء میں مکمل طور پر اٹل دیوی مندر کو توڑ کر مسجد تعمیر کرنے کا فاصلہ مولوی خیرالدین کے زمانے تک چار سو سٹائیس سال ہوتا ہے اور مولوی نورالدین زیدی کا سال تصنیف تجلی نور حصہ سوئم ۱۹۰۵ء ہے۔ چراغ نور کا سنہ ۱۹۳۲ء ہے۔ اس طور پر فیروز شاہ کے توڑنے کا زمانہ ۱۳۶۴ء یا ۱۳۷۶ء سے پانچسو اکتالیس یا پانچسو انسٹھ سال ہوتا ہے اور ابراہیم شاہ شرقی کے توڑ کر بنوانے کا زمانہ ۱۴۰۸ء ہے۔ اور نورالدین زیدی کی دونوں کتابوں کی تصنیف کے درمیان ۴۹۹ — ۵۰۶ سال ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ جونپور کے حالات پر جتنی کتابیں ہیں وہ زیادہ تر اسی جونپور نامے سے ماخوذ ہیں اسلئے ان مصنفین کو بھی دشواری پیش ہوئی اور وہ سند اور حوالے سے عاجز رہے اور واقعہ کہاں سے کہاں پہونچ گیا۔ زبانی باتوں پر اعتبار کرکے یہ لکھ دیا کہ "بعضے میگویند" تاریخی حیثیت سے کوئی وزن نہیں رکھتا۔ اور نہ اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

لہذا ہم قارئین کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتے اور نہ پانچسو سال پرانے واقعے کے متعلق اپنی فرضی رائے ظاہر کرکے مولوی خیرالدین جیسی شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مولوی صاحب ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں کہ:۔

سلطان فیروز تغلق وقتیکہ بنا رحصار جونپور را انداخت روزے اٹل دیبی را دیدہ۔ ؎۱

سلطان فیروز تغلق نے بوقت تعمیر قلعہ جونپور ایک روز مندر اٹل دیبی کا دیکھا۔

اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ فیروز شاہ نے جب جونپور کا قلعہ تعمیر کرانا شروع کیا تو وہ اس مندر سے لاعلم تھا اور ایک روز اتفاق سے اسکی نظر اٹل دیوی پر

؎۱ تجلی نور حصہ سوئم صد ۱۸۲

پر بھی پڑ گئی۔ چنانچہ جغرافیہ جونپور جو مولوی خیر الدین کے فارسی جونپور نامہ سنہ ۱۸۳۳ء کے اڑتیس برس بعد کی تالیف ہے۔ اس میں ہے کہ:-

"فیروز شاہ نے جب بتخانہ کرار بیر کو توڑ کر قلعہ تعمیر کیا۔ ایک روز بلندی کر یوہ پر جس کو کرار بیر کہتے ہیں آیا۔ تو دور سے دیول اٹالہ نظر پڑا۔ کثرت فوج اسلام سے حکم اسکے توڑنے کا دیا۔ ؎[1]

اسی عبارت کو اور مصنفین نے بھی اپنی تصنیفات میں نقل کیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہاں پر تمام مصنفین نے غلطی کی ہے کیونکہ جب کوئی بادشاہ کسی نئے شہر کی بنیاد رکھتا ہے۔ اور اسکو آباد کرنا چاہتا ہے تو شہر کو آباد کرنے سے قبل جتنے رقبے میں جس شان کا وہ شہر آباد کرنا چاہتا ہے اتنے خطے اور حصے کا پورا جائزہ لیتا ہے اور دیکھ بھال کرتا ہے تاکہ فوج کی ضرورت کی فراہمی اور غنیم سے حفاظت وغیرہ اور دخول وخروج کے راستے دور دراز مقامات سے آمد رفت کے متعلق پورے طور پر سہولت و محافظت کو سمجھ لیا جائے۔ مگر یہاں یہ سب مورخین فیروز شاہ کو بالکل ہی لاعلم قرار دیتے ہیں۔ اسکا کھلا ہوا مطلب یہ ہوا کہ فیروز شاہ نے نئے شہر کو آباد کرنے سے قبل حالت وصورت کا قطعی جائزہ نہ لیا اور نہ یہ طے کیا کہ اسکو کتنے رقبے میں یہ شہر آباد کرنا ہے ان مصنفین کے بیان کے مطابق بس وہ ظفر آباد سے روانہ ہو کر کشتی سے اس مقام پر اترا اور یہ طے کیا کہ یہاں پر ایک شہر آباد کیا جائے اور وہیں پر قلعہ تعمیر کرنیکا حکم دیدیا۔ جب قلعہ تیار ہو گیا تو اس کی بلندی سے دیول اٹالہ نظر پڑا حالانکہ قلعہ فیروز شاہی اٹالہ مسجد سے اسطرف زیادہ سے زیادہ ۴۰۰ قدم کے

؎[1] جغرافیہ حصہ اول صفحہ ۴۴

فاصلہ پر ہے تعجب ہے کہ فیروز شاہ نے میل دو میل کا جائزہ لینا تو در کنار سَو دو سَو قدم تک نہ دیکھا جہاں وہ نئے شہر کی بنیاد رکھ رہا ہے اور قلعہ تعمیر کرانا چاہتا ہے تاکہ اس کی سلطنت کے استحکام میں معاون و مددگار ہو اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ اسکی کیا کیفیت ہے اور اس میں شہر آباد کرنے کی کہاں تک گنجائش ہے۔ مولوی خیر الدین اور دوسرے مورخین کی یہ بات کیونکر تسلیم کیجا سکتی ہے اور اُسے کیسے تاریخی حیثیت حاصل ہو سکتی ہے۔

حالانکہ مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ فیروز شاہ کو یہ زمین ہموار مسطح پسند آئی اور ایک شہر آباد کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اسکا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ فیروز شاہ نے قلعہ کے آس پاس دو چار میل کا جائزہ ضرور لیا ہوگا۔ خود مولوی نور الدین زیدی چراغ نور کے صفحہ ۲۶ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"۷۶۰ھ مطابق ۱۳۵۹ء میں فیروز شاہ حاجی الیاس کے مرنے اور سکندر کی تخت نشینی کی خبر سن کر بقصد لکھنوتی ظفر آباد آیا۔ اسی اثنا میں بارش کا موسم آگیا۔ برسات بھر یہیں قیام کیا اور پھر ۷۶۱ھ مطابق ۱۳۶۰ء میں فیروز شاہ بنگالہ سے پلٹ کر پھر ظفر آباد حضرت مخدوم چراغ ہند کی خدمت میں حاضر ہو کر چھ سات ماہ تک قیام کیا۔"

ظفر خان کو مدت گذر چکی تھی اور فیروز شاہ سالوں ظفر آباد رہ چکا تھا جونپور جو براہ دریا ظفر آباد سے محض تین میل کے فاصلہ پر ہے کسی کو بھی اٹالہ دیول اور دیگر عظیم الشان منادر کا پتہ نہ رہا ہو اور یہ بھی کب چلے تعمیر قلعے کے درمیان یہ بات بالکل بعید از قیاس ہے کہ فیروز شاہ نے چھ سات ماہ قیام کے دوران صرف قلعہ کی زمین کا معائنہ کیا اور چار سَو قدم کے فاصلہ کا مندر اسوقت دکھائی

دیا جب وہ تعمیر قلعہ کے بعد اسکے ٹیلے پر چڑھا۔ ان بے بنیاد باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی خیر الدین اور انکی تصنیف کو ماخذ بنانے والے اور دوسرے تمام مصنفین حقیقت سے بہت دور ہیں۔ اور ایک دوسرے کی نقل کر کے ایسی ہی بہت سی بے سر و پا اور خلاف حقیقت باتیں لکھدی ہیں جن کا تاریخی حیثیت سے کچھ بھی وزن نہیں ہے۔ فیروز شاہ کو شہر آباد کرنے اور قلعہ کی بنیاد رکھنے کے قبل جس حصے پر وہ شہر آباد کرنا چاہتا تھا اسکی کیفیت اور حالت کا پورا علم تھا۔

مولوی صاحب یہ بھی رقمطراز ہیں کہ "ابراہیم شاہ کے عہد میں دیول اٹالہ بجے منڈل۔ خاص حوض۔ دیول چاچک پور توڑ کر مسجدیں تعمیر کیگئیں۔ برہمنان دیول اٹالہ کے پجاری نے عہد نامہ فیروز شاہی پیش کیا۔ سلطان ابراہیم شرقی نے اس عہد نامہ کی پابندی نہیں کی لیکن بخیال ایفاء وعدہ فرمایا کہ:"

"دروازۂ آں بتخانہ را برقرار دارند و نقش بتاں را حک سازند و بر ہر سنگے کہ نقشے بت است چہرہ اش را تراشیدہ و آں سنگ را وگرداں ہما بجا نصب سازند۔ پس کارپردازان سرکار در عرصہ چند سال ہر سہ بتخانہ را شکستند مساجد ایشاں بنا ساختند۔"[1]

(ترجمہ) دروازہ اس بتخانہ کا قائم رہے اور نقش بتوں کے مٹا دیے جائیں اور جو بت پتھر پر بنے ہوئے ہیں انکا چہرہ تراش دیا جاوے اور وہ پتھر الٹ کر لگایا جاوے پس سرکاری ملازموں نے چند سال میں تینوں بتخانوں کو توڑ کر عالیشان مسجد بنایا۔

یہ لطیفہ بھی خوب رہا کہ ابراہیم شاہ نے ایک طرف تو عہد نامہ کی پابندی

---

[1] جونپور نامہ خیر الدین دوسرا ایڈیشن ۱۸۹۹ء فارسی

نہیں کی اور چار عظیم الشان مناد روحل توڑ ڈالے پھر درمیان میں وعدہ پورا کرنے کی غرض سے فرمایا کہ دروازے ان بتوں کے قائم رکھے جادیں۔ مگر مورتوں کو رگڑ کر صاف کر دیا جاوے اور ان بتوں کے چہرے کو تراش کے الٹ کر لگا دیا جائے تین سال کے اندر تمام بتخانوں کو اسی طور پر مسجد بنالیا گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس افسانہ نویسی کا کیا مطلب تھا اور خدا جانے کہ ان مورخین نے کیسے ایسی بے سر و پا باتیں لکھ ماریں۔ آج کے تحقیقی دور میں جبکہ بال کی کھال کھینچی جا رہی ہے یہ بات کب یقین کی جا سکتی ہے اور اس سے کس طور پر ایفاء وعدہ ہوتا ہے اور مندر توڑ کر مسجد بنانے یا پتھر نکال نکال کر بتوں کو رگڑ رگڑ کر نصب کرنے میں کونسا فرق پیدا ہوا۔ پھر قبلہ رخ کا لحاظ کس طور پر کیا گیا کیونکہ اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ مسجد اٹالہ محض تبدیل شدہ مندر ہے۔ اگر یہ درست ہے تو قبلہ رخ اسکا درست نہ ہونا چاہیئے حالانکہ درست ہے۔

تضاد و اختلاف

اس مسجد کا نام اٹالہ مسجد مشہور ہونے کے سلسلے میں مولوی صاحب رقمطراز ہیں کہ :-

"بعضے مرداں میگویند کہ ہر گاہ سلاطین شرقیہ از انتظام مہمات ملک فراغت کردہ بدار الحکومت خود می آمدند ہمیشگی قیام و بسر اوقات ایشاں در ایوانہا ایں مسجد انبار می شد ایں رسم تاہنوز در حکام ایں شہر رواج داشت واز ایں جہت ایں مسجد را مسجد اٹالہ می گفتند"[۱]

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سلاطین شرقیہ جب انتظام و مہمات ملک سے فارغ ہو کر اپنے دالحکومت میں آتے اور قیام و بسر اوقات کرتے تو سامان اور اسباب اس مسجد میں انبار کیا جاتا اور رکھا جاتا اور یہ رواج ہو گیا حکاموں میں بھی اسوجہ سے یہ مسجد مسجد اٹالہ کے نام سے پکاری جانے لگی۔

---

[۱] جونپور نامہ خیر الدین۔

مولوی خیر الدین نے اٹالہ نام پڑنے کی دو وجہیں لکھی ہیں۔ اوّل تو اٹل دیوی مندر دوسرے بادشاہ کا کسی جنگ پر روانگی کے وقت قیام۔ دوسری وجہ قرین قیاس ہوسکتی ہے کہ بادشاہ روانگی اور واپسی کے وقت اس مسجد میں قیام کرتا رہا ہوگا کیونکہ یہ مسجد قلعہ سے قریب تھی اور ظاہر ہے کہ تمام سامان واسباب اور اسلحہ جات صحن مسجد میں رکھے جاتے ہوں گے اس بنا پر یہ مسجد اٹالہ مشہور ہوگئی میرے نزدیک قلعہ سے قرب یہ مسجد فوجیوں کی کثرت اور ضرورت کے لئے تعمیر کی گئی تھی کیونکہ اس دور میں آبادی اور مکانات اس طرف نہیں تھے سب کے سب پچھم طرف تھے۔

مولوی خیر الدین کی اس تحریر سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہوگئی کہ جس چیز نے انکو مندر ہونے کی غلط فہمی میں مبتلا کیا وہ لفظ اٹالہ ہے جو کسی مسجد کے لئے بالکل نیا اور غیر اسلامی نام تھا۔ اصل میں اس محلہ کا نام ہی اٹالہ تھا فوجیوں کا محلہ اسلئے یہ مسجد بھی محلہ کے نام پر اٹالہ مشہور ہوگئی جس طرح کہ الہ آباد اور دوسرے شہروں کے اندر بھی اٹالہ نام کے محلے ابتک موجود ہیں اگر اس سے اٹل دیوی پر استدلال کیا جائے تو پھر جن شہروں میں اٹالہ نام کے محلے ہیں وہاں بھی اٹالہ دیوی کا مندر تسلیم کرنا پڑیگا جو تاریخی حیثیت سے ثابت نہ ہوگا جیسے کہ لعل دروازہ مسجد محل کے نام پر مشہور ہوگئی حالانکہ اس مسجد کا نام نماز گاہ تھا۔ اسی طرح بہت سی عمارتیں غلط طور پر شہرت پکڑ گئی ہیں اور اصل حقیقت پردہ خفا میں ہے۔

اس تحریر نے خیر الدین صاحب کی گذشتہ تحریروں کو جس میں انھوں نے مندر اٹل دیوی لکھا ہے ناقابل اعتبار ہونے کا پورا ثبوت فراہم کردیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے خود بھی اس قسم کی روایتوں کو ناقابل اعتبار سمجھا اور مختلف توجیہات پیش کردیں۔

مولوی خیرالدین اور ان کے متبعین نے سب سے اہم اور بنیادی غلطی اٹل دیوی کے سنہ تعمیر میں کی ہے۔

۱۔ خیرالدین لکھتے ہیں کہ" راجہ جے چند در سمبت یکہزار چہار صد شانزدہ ساختہ" ۱۴۱۶

۲۔ جغرافیہ جونپور میں ہے کہ" اس دیول کو راجہ جے چند والی ظفرآباد نے سمبت ۱۴۱۶ میں بنایا۔

۳۔ مولوی نورالدین فرماتے ہیں کہ مندر اٹل دیوی سنگین تعمیر کنانیدہ راجہ بجے چند در سنہ ۱۱۵۹ء بود۔

(ترجمہ) "مندر اٹل دیوی سنگین تعمیر کرایا راجہ بجے چند نے سنہ ۱۱۵۹ء میں"۔

۴۔ گزیٹر جونپور میں ہے کہ" اس دیول کو وجے چند والی قنوج نے بنایا تھا"۔

۵۔ مولوی فصیح الدین صاحب فرماتے ہیں کہ" اس دیول کو راجہ وجے چند نے سمبت ۱۲۱۶ میں بنوایا تھا۔

۶۔ مولوی نظیرالدین فرماتے کہ" اس دیول کو راجہ جے چند نے سمبت ۱۴۱۶ میں بنوایا تھا۔

ناظرین اس اختلاف کو ملاحظہ فرمائیں۔ کوئی کہتا ہے کہ جے چند نے بنوایا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ وجے چند نے۔ کوئی کہتا ہے کہ سمبت ۱۴۱۶ میں تعمیر ہوئی، اور کوئی کہتا ہے سنہ ۱۲۱۶ میں مگر کثرت رائے اسی پر ہے کہ اسکو جے چند نے سمبت ۱۴۱۶ میں بنوایا تھا۔ اور مولوی خیرالدین جنکی کتاب مابعد کے لوگوں کا ماخذ ہے وہ بھی سمبت ۱۴۱۶ لکھتے ہیں۔ مگر سمبت کو سنہ عیسوی سے مطابق کرنے میں سنہ ۱۳۵۹ء ہوتا ہے اور راجہ جے چند قطب الدین کے ہاتھوں سنہ ۱۱۹۳ء میں قتل ہوگیا تھا[۵۱] پھر اس نے

---

[۵۱] چراغ نور ص ۱۷ مرقع بنارس، محمد قاسم سے بابر تک

کیونکر سنہ ۱۳۵۹ء میں ۱۶۹ برس بعد پھر سے زندہ ہوکر جونپور میں اٹل دیوی کا مندر تعمیر کرادیا؟ بلکہ یہ وہ زمانہ ہے جب فیروز تغلق نے جونپور آباد کیا۔

اگر جونپور میں اتنے عظیم الشان کئی ایک مندروں کا وجود تسلیم کرلیا جائے کہ جسکو تبدیل کرکے یا توڑکر اس کے سامان سے اٹالہ۔ جھنجری اور خالص مخلص جیسی سنگین اور پُرشکوہ مسجدیں بن سکتی ہیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑیگا بلکہ اسکو مانے بغیر چارۂ کار نہیں کہ اس وقت یعنی سنہ ۱۱۹۴ء یا اسکے قبل و بعد کا زمانہ قطب الدین ایبک سنہ ۱۲۰۶ء لغایۃ سنہ ۱۲۳۵ء میں جونپور بہت عروج پر تھا جہاں عظیم الشان محلات و بازار تھے اور اسکی بہت گھنی آبادی تھی۔ مگر کسی بھی مستند تاریخ سے فیروز شاہ تغلق کے آباد کرنے سے قبل سنہ ۱۳۶۲ء کے پہلے نہ تو اس شہر کا نام و نشان ملتا ہے اور نہ اسکی آبادی یا نام کے بارے میں پتہ چلتا ہے سوائے بھروں کی آبادی و حکومت یا قیاس آرائیوں کے جسکے بارے میں بھی کثیر اختلافات ہیں۔

پروفیسر حبیب صاحب نے اپنی مایہ ناز کتاب "مسلم رول اِن انڈیا" جسکی ابتدا انھوں نے سنہ ۱۲۰۶ء سے کی ہے اور اختتام سنہ ۱۲۹۰ء پر ہے، یہ کتاب غلام خاندان پر اعلیٰ درجہ کی تحقیق ہے۔ جس میں موصوف نے جزئیات تک کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ اس کتاب میں حدود سلطنت کے کئی نقشے بھی ہیں۔ ایک نقشہ سنہ ۱۲۳۵ء کا ہے۔ اس نقشہ میں علاوہ اور شہروں کے بنارس۔ مرزاپور الہ آباد بھی ہے جسکو کراس کرکے دکھلایا ہے مگر جونپور کا کہیں نام و نشان نہیں ہے تعجب ہے کہ اگر جونپور واقعی آباد ہوتا اور وہاں پر جے چند وغیرہ کے تعمیر کردہ اتنے عظیم الشان محلات و منادر ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اسکو نظر انداز کیا جاتا۔ علاوہ اسکے شہاب الدین غوری اور جے چند کے درمیان جو لڑائیاں ہوئی ہیں اس میں بھی کہیں جونپور کا ذکر نہیں ہے سوائے ظفرآباد کے۔ جیساکہ جے چند

وغیرہ کے محلات کے لئے بھی کہا جاتا ہے کہ جونپور میں تھے اور جو بات سب سے بڑی ہے وہ یہ کہ شہاب الدین غوری جیسا بدنام شخص جونپور کے ان عظیم الشان مندروں کو کب چھوڑ سکتا تھا جبکہ وہ جے چند کے تعمیر کردہ تھے اور اسی سے نبرد آزما بھی تھا۔ اصل میں توڑنا شہاب الدین غوری کے لئے قابلِ تسلیم ہو سکتا تھا مگر کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جونپور ۱۳۶۲ء میں آباد ہوا اور منادر کی کہانی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی باتیں اس سلسلہ میں مولوی خیرالدین اور دوسرے مورخین و مصنفین نے لکھی ہیں غیر تحقیقی ہیں جو تاریخ نویسی سے ذرا بھی لگاؤ نہیں رکھتیں۔

اسکے علاوہ تجلی نور حصہ سوئم میں مولوی نورالدین لکھتے ہیں کہ کچھ حصہ اس مندر کا فیروز شاہ نے توڑا اور کچھ حصہ جو بچ گیا تھا اسکو ابراہیم شاہ شرقی نے توڑ کر مسجد تعمیر کرائی۔ مگر خود ہی "چراغ نور" ص ۱۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "فیروز شاہ توڑنا چاہتا تھا مگر باز رہا۔ ابراہیم شاہ شرقی نے اس ویران بتخانہ کی جگہ مسجد تعمیر کرادی"۔ مولوی خیرالدین لکھتے ہیں کہ "فیروز شاہ نے کچھ حصہ توڑ کر معاہدہ لکھ کر دیدیا کہ جتنا حصہ ٹوٹ چکا ہے وہ اسی طور پر قائم رہے گا۔ ابراہیم شاہ شرقی نے بخیال ایفاء وعدہ عمارت مندر کو قائم رکھا اور جن پتھروں پر مورتیں تھیں انکو تراش کر پھر نصب کرا دیا"۔

فصیح الدین لکھتے ہیں کہ ایک روز اسکی نظر اٹالہ دیوی مندر پر پڑی۔ لوگ کہتے ہیں کہ سلطان نے کہا کہ وہ اسے ضرور ہٹائیگا۔ اسکے درباری خانجہاں نے فوراً مندر کے قریب مسجد بنوانی شروع کردی"۔

اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جسکو عقل سلیم قبول کر سکے۔ علاوہ اسکے

جونپور کو فیروز شاہ تغلق نے ۱۳۶۰ء میں آباد کیا تھا۔ اس وقت اس حصہ پر بھر قوم کی حکومت اور آبادی تھی۔ اور کافی حصہ جنگل کی صورت میں تھا۔ ندی کے کنارے اور دوسری صاف ستھری جگہوں پر سادھو رشی بھی اپنا ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔ فیروز شاہ کے آباد کرنے سے کچھ ہی قبل یہاں بڑ ٹھاکر لوگ بھی آباد ہو رہے تھے تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ اسوقت سیتلا دیوی۔ جم دگن رشی۔ کرار بیر۔ کوٹھیا بیر اٹھ بھجی دیوی۔ اچل دیوی اور شنکر بھگوان کے مندر موجود تھے جو آجتک اسی طرح پائے جاتے ہیں جسکی تائید "کیرت لتا" مصنف ودّیا پتی سے بھی ہوتی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:-

("جوناپور) میں چمکدار لمبے لمبے سونے کے کلسوں، مورتوں اور تمام لوازمات سے مرصع شوالے دکھائی دیتے تھے"۔

اور ودیا پتی نے ابراہیم شرقی کے دور کا واقعہ بھی قلمبند کیا ہے۔ ؎۱

ظفرآباد قنوج کے راجہ جے چند اور وجے چند کی چھاونی تھی یہاں پر اُن کی سپاہ اور فوج رہتی تھی۔ کبھی کبھی راجہ بھی حکومت کے انتظامی امور کے جائزے کیلئے آجایا کرتا تھا۔ مگر ان لوگوں کے راج محل قنوج ہی میں تھے۔ چنانچہ ظفرآباد کا کوٹ اسنی شہاب الدین غوری اور وجے چند کی لڑائی سے کچھ ہی پہلے کا ہے اور اس نے اپنا کچھ سامان پرتھی راج کی شکست کے بعد قنوج سے ظفرآباد میں منتقل کر دیا تھا۔ اس سے ثابت ہے کہ جے چند یا وجے چند کی اصل سکونت قطب الدین کی جنگ سے پہلے قنوج ہی تھی اور وہیں پر ان لوگوں کے محلات و منادر تھے، ورنہ

؎۱ گزیٹیر جونپور۔ تاریخ راج بنارس۔ تجلی نور حصہ سوم قلمی فارسی۔ شرقی مونومنٹ۔ کیرت لتا ص ۳۲

ظفرآباد میں شہاب الدین غوری کے حملے سے کچھ ہی قبل کوٹ آسنی بنانے کی کوئی وجہ نہ تھی جبکہ خیرالدین وغیرہ جے چند اور وجے چند کا تعلق جونپور سے اور پہلے سے ظاہر کر رہے ہیں۔ ؎١

چند تحریریں

فصیح الدین صاحب شرقی منومنٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:- "فیروز شاہ تغلق کے جانے کے بعد جونپور میں مسلمانوں کا دبدبہ ختم ہوگیا۔ جب ابراہیم شاہ شرقی ۱۴۰۲ء میں تخت نشین ہوا تو اس نے دیکھا کہ مسجد کے آس پاس بہت سے مندر بن گئے ہیں جسکی وجہ سے نماز میں پریشانی ہوتی ہے۔ اس نے ۱۴۰۸ء میں اٹالہ مسجد کی تعمیر کی۔ اس مسجد میں بہت سے پتھروں پر سنسکرت میں کھدی ہوئی تحریبات سے ثابت ہوتا ہے کہ حال کے بنے ہوئے مندروں سے یہ پتھر لئے گئے ہیں۔" ؎٢

یہاں پر فصیح الدین نے مولوی خیرالدین سے ہٹ کر ایک دوسری کہانی پیش کی ہے جسکے ذکر سے انکے قبل کی تاریخیں خالی ہیں۔ اس مقام پر یہ امر تصفیہ طلب رہا کہ ابراہیم شاہ نے کونسا مندر منہدم کرایا۔ اٹل دیوی کا جسکا نصف حصہ فیروز تغلق کے وقت میں گر چکا تھا یا جدید مندر جو فیروز شاہ کے بعد مسجد کے قریب تعمیر کیا گیا تھا؟ اور یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ حقیقت میں کن مندروں کے پتھروں کو تراش کے الٹ کر لگانا بیان کیا جاتا ہے۔ چار پانچسو برس پہلے کے واقعہ کو بلا کسی سند اور حوالے کے بیان کر دینا افواہوں اور زبانی باتوں پر یقین کرنا تاریخ و تحقیق کی روشنی میں کوئی وزن نہیں ہے۔ فصیح الدین نے یہ بھی لکھا ہے کہ "پوربی گیٹ کے دکھن طرف

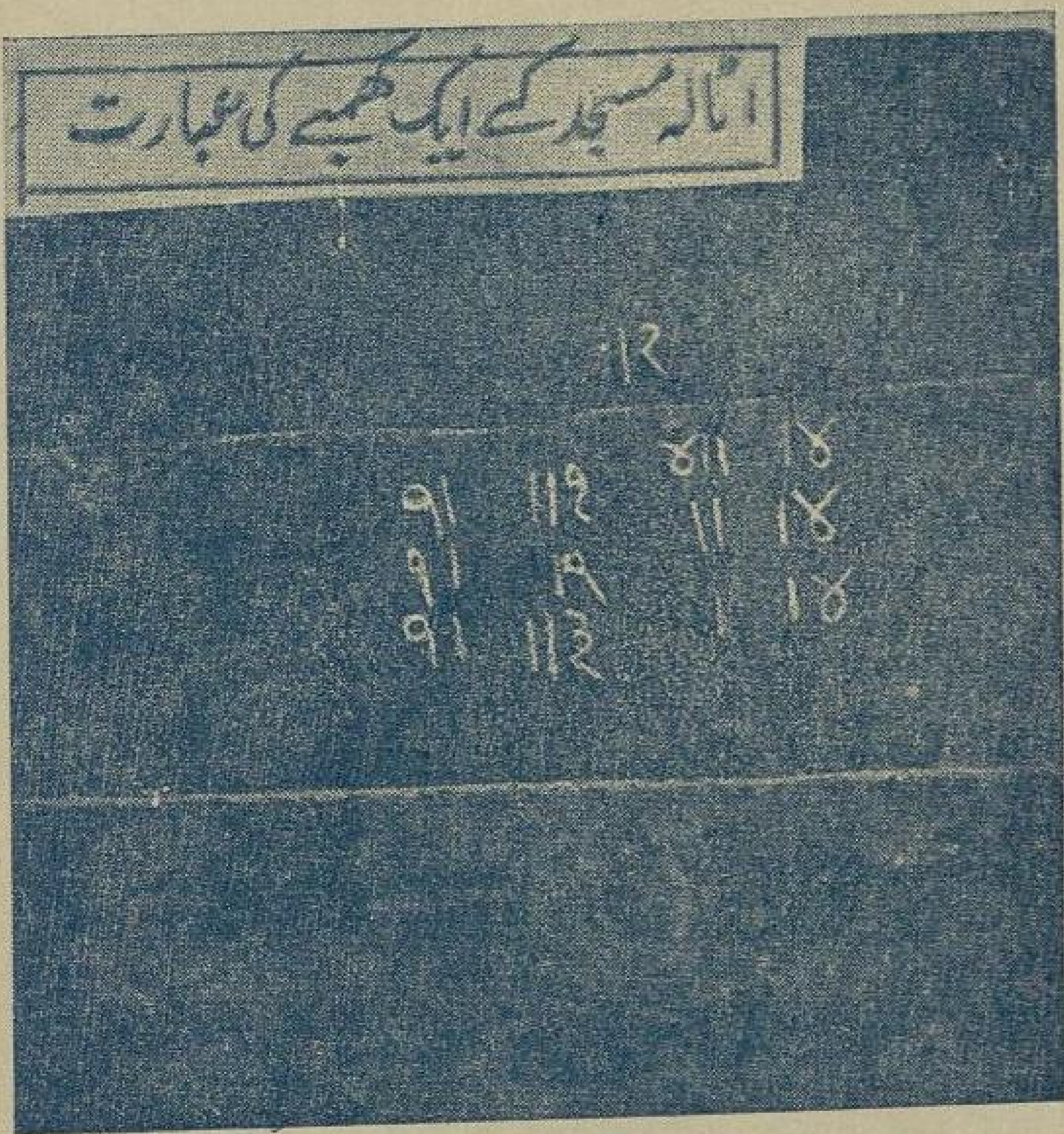
؎١ چراغ نور ص ١٦ ؎٢ شرقی منومنٹ

ایک ایسی تحریر ہے جس سے ایک ہندو پجاری کا نام اور سمبت ۱۴۳۵ بکرمی اور ۱۳۷۸ء معلوم ہوتا ہے۔" حالانکہ فصیح الدین صاحب کا اس سے یہ استدلال درست نہیں ہے کہ یہ مندر اس مقام پر ۱۳۷۸ء میں بنا تھا جسکو ابراہیم شاہ نے توڑا تھا۔ اول تو یہ تحریر ہی پورب کے گیٹ کے دکھن طرف نہیں ہے۔ پتہ نہیں فصیح الدین صاحب نے کہاں سے دیکھ لیا۔ دوسرے یہ کہ ۱۳۷۸ء میں فیروز شاہ جونپور آباد کرا چکا تھا۔ ایک اور ہندی کی تحریر دکھن کے دالان میں پورب طرف سے ساتویں کھمبے پر ہے جس پر سمبت ۱۴۶۴ کھدا ہوا ہے۔ دکھن کے دالان میں سب سے موٹے پہلے کھمبے پر ایک تحریر ہے جسکا راز سمجھ میں نہیں آیا وہ تحریر یہ ہے۔ اس تحریر کا فوٹو بھی پیش کیا گیا ہے۔

12

91	119	۷11	1۷
91	19	11	1۷
91	113	1	1۷

ڈاکٹر فوہرر نے ان مختلف تحریرات اور سمبت سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ مسجد کے مختلف حصوں کے اختتام کی تاریخ ہے۔ حالانکہ انکا یہ استدلال غلط ہے کیونکہ ایسی تحریروں کے لئے جو یادداشت کیلئے کندہ کیجائیں یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ کوئی سمجھدار آدمی اس مقام پر ایسی تحریر ہرگز کندہ نہ کرائیگا اور اختتام مسجد کی ترتیب بھی غلط ہوجاتی ہے اور فصیح الدین صاحب کا یہ استدلال بھی درست نہیں کہ پتھر قریب کے زمانے کے بنے ہوئے مندر کے تھے جسکو توڑ کر یہاں نصب کیا گیا ہے۔ ان تحریروں کا کھوٹے کھمبوں پر اترہ دکھن اور ساتھ ہی غیر فنکارانہ ہونا اس خیال کی قطعی تردید ہے۔ یہ ناممکن تھا کہ اتنے شاندار مندر میں جسکا کھمبا اتنا عظیم الشان ہو اس پر تحریر اتنی بھدی ٹیڑھی اور بدخط کندہ کرائی گئی ہو۔ البتہ ایسی عبارتیں پتھروں کے کارخانے اور کاریگروں



اُمالہ مسجد کے ایک کھمبے کی عبارت



اٹالا مسجد کے ایک کھمبے پر عبارت

کے استعمال کی تعمیر کے سلسلے میں کمندہ کیجا سکتی ہیں۔ مگر یہاں ان کا بھی امکان نہیں۔ ناظرین ان کھاوٹوں کی تصویریں دیکھکر خود فیصلہ کر سکتے ہیں البتہ ان مسجدوں میں دوسری عمارتوں کے سامان لاکر استعمال کئے گئے ہیں خواہ وہ سامان مندر کا ہو یا محل کا۔ مسجد کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کہیں کہیں استعمال شدہ پتھر دوسری عمارتوں کے لگائے گئے ہیں اور یقیناً وہ جونپور کے اطراف کی شکستہ اور قدیم عمارتوں سے لائے گئے ہیں۔

اصلِ حقیقت

کتب قدیم سے یہاں پر کوئی اٹل دیوی کا ذکر نہیں ملتا اور نہ دیوی بھاگوت ہی میں کہیں اٹل دیوی نام کی کوئی دیوی ہیں۔ البتہ اچل دیوی کا نام ہے جن کا مندر بھی محلہ راسمنڈل جونپور میں موجود ہے۔ مونیر ولیم کی ڈکشنری میں بھی اٹل دیوی نہیں ہیں بلکہ اچل دیوی ہیں۔ اگر کوئی مندر الیسا رہا بھی ہو تو اسکا تعمیر کرنا جے چند یا وجے چند کیلئے غلط بیان کیا جاتا ہے البتہ اسکے پہلے کا ہو سکتا ہے جو لبعد کو بودھوں، آچاریہ شنکر کی لڑائی میں توڑا گیا ہو کیونکہ الہ آباد۔ بنارس۔ مرزاپور۔ قنوج اور اطراف جوانب میں شنکر آچاریہ کے پیروؤں کے توڑ پھوڑ کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں جسکی تفصیل میں نے "آبادی جونپور" کے سلسلے میں پیش کی ہے اسکی تائید میر علی ضامن صاحب ترمذی کے حاشیہ چراغ نور ص۱۳۸ سے بھی ہوتی ہے موصوف فرماتے ہیں کہ:۔

"اٹل دیوی کا دیول بہت پرانا تھا۔ اور راجہ بجے چند سے کہیں پہلے کا تھا۔ یہ بودھ مت کے زمانہ کا تعمیر شدہ تھا ہندوؤں کے زمانے میں مندر ہوا اور مسلمانوں کے زمانہ میں مسجد کی صورت پکڑی"۔

اٹل دیوی مندر کا یہ معجزہ تھا کہ اسکو جس قسم کی عبادت گاہ بنانا چاہو معمولی

ترمیم و تنسیخ سے بن جاتی تھی۔ جونپور کے علاوہ شاید ہی کہیں ایسا مندر یا شیوالہ رہا ہو جو اپنی خصوصیات اور مذہبی روایات کے ساتھ تبدیل ہو جاتا تھا۔

سلاطین جونپور مولوی سید غوث علی وکیل و تجلیات العارفین میں ہے کہ:۔

"ابراہیم شاہ نے مسجدیں بھی تعمیر کرائیں۔ سب سے پہلے لشکریوں کی سہولت کیلئے قلعہ سے اتر ایک مسجد جامع تعمیر کرائی جو مسجد اٹالہ کے نام سے مشہور رہے حالانکہ اسکی ابتداء کئی برس پہلے فیروز تغلق نے خواجہ کمال جہاں کی نگرانی میں کی تھی۔ اور سنگ بنیاد حضرت مخدوم چراغ ہند سہروردی ظفرآبادی نے رکھا تھا۔"[۱]

اٹالہ مسجد کی شہرت کی یہ وجہ اور مولوی خیرالدین و نورالدین کی تحریر کے مطابق بادشاہ کا کسی مہم پر جانے کے قبل اسی مسجد میں قیام اور واپسی کے بعد مع سامان و اسلحے کے آنا قرین قیاس ہے کیونکہ یہ مسجد خاص قلعہ کے قرب میں ہے جہاں ہر وقت تازہ دم فوجیں تیار رہتی تھیں اور کثرت افواج کی بنا پر اس محلہ کا نام ہی اٹالہ (فوجیوں کا محلہ) پڑ گیا جسکی مناسبت سے یہ مسجد جامع بھی اٹالہ مسجد کے نام سے (فوجیوں کی مسجد) مشہور ہو گئی۔

یہ کتاب ۱۸۳۰ء میں لکھی گئی اور جونپور پر لکھی جانے والی کتابوں میں پہلی کتاب ہے۔ اسکے اندر کہیں بھی اس قسم کے توڑ پھوڑ کے واقعات نہیں ہیں۔ اسکے علاوہ دوسری پرانی اور قدیم کتابیں مثلاً مناقب درویشیہ۔ مناقبات درویشیہ۔ بیاض درویشیہ تذکرہ درویشیہ جو ظفرآباد اور وہاں کے بزرگوں کے حال میں ہے۔ یہ بھی توڑ پھوڑ کے ذکر سے خالی ہیں۔

---

[۱] تجلیات العارفین ص ۴۵۔ سلاطین جونپور ص ۲۵

"تجلیات العارفین" میں اٹالہ مسجد کی تعمیر کے متعلق تحریر ہے کہ :-

"جونپور کی روزافزوں آبادی دیکھکر فیروز شاہ نے ایک عالی شان مسجد کی بنیاد رکھی جسکو اپنی پیرانہ سالی اور حکومت کی شورش اور بغاوت کے دبانے سے فرصت ہی نہیں ملی کہ وہ مسجد کو مکمل کر سکے" یہ شرف قدرت کی طرف سے ابراہیم شاہ شرقی کو مقسوم ہو چکا تھا۔ لہذا اس نے زرکثیر صرف کر کے عالیشان مسجد تعمیر کرا کے مکمل کیا جو مسجد اٹالہ کے نام سے مشہور ہوئی اور اسی شان و شوکت کے ساتھ آجتک موجود ہے"۔ ؎۵۱

اسی کتاب میں آگے تحریر ہے کہ :-

"دہلی کی تباہی کی وجہ سے دہلی کے بہترین معمار، سنگتراش اور مصوروں کی ایک بڑی جماعت جونپور میں جمع ہوگئی تھی۔ بادشاہ شرقی فنکاروں کی قدر کرتا تھا۔ سنگتراشی میں ہندو کاریگروں کا پایہ بلند تھا۔ کہتے ہیں کہ مسجد اٹالہ کی تعمیر میں مصر و یونان سے بھی کاریگر بلائے گئے تھے۔ بادشاہ شرقی کی یہ خواہش تھی کہ تعمیرات تغلقیہ سے بہت بلند اور نیا راستہ ان مسجدونکی تعمیر میں اختیار کرے۔ جو دنیا میں عجائب روزگار ثابت ہوں۔ کہتے ہیں کہ دہلی سے آئے ہوئے معماروں میں اکرام اللہ شمس الدین، چراغن۔ قاسم علی۔ واحد خاں اور نبی بخش کا پایہ بہت بلند تھا اور ہندو معماروں میں پورنماشی۔ رام کبیر۔ سنت بخش سنگھ بھی قابلِ ذکر ہیں۔ انلوگوں کی ماتحتی میں اور بہت سے

؎۵۱ تجلیات العارفین قلمی ص۴۳

کاریگر کام کرتے تھے۔ خواجہ کمال جہاں کی نگرانی میں اُن کے
نقشے کے مطابق مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی۔ اس کا سنگ بنیاد حضرت
مخدوم چراغ ہند رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا۔ [۱]

مسجد اٹالہ کی تعمیر کے سلسلے میں مختلف مورخین کے نظریات مع حوالے کے پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قارئین کرام پر واضح ہو جائے کہ ان مورخین نے واقعات کو پیش کرنے میں کتنی فرگذاشتیں کی ہیں اور ایک دوسرے کے نظریات آپس میں کتنے مختلف ہیں۔ کوئی مورخ اٹالہ مندر ہونے میں اختلاف رکھتا ہے تو کوئی اسکے سنہ تعمیر میں اختلاف رکھتا ہے۔ کوئی مندر توڑ کر مسجد بنانے کی موافقت کر رہا ہے تو کوئی مندر کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتا اور ایسی تفصیلات پیش کرتا ہے جسکو کسی بھی طور پر تاریخی حیثیت نہیں دیجا سکتی۔ غرضکہ ہر شخص اس میں ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور رکھتا ہے۔

ہمارے نزدیک سب سے اہم بحث یہاں پر مندر توڑ کر مسجد بنانے کی ہے جس نے ہر پڑھنے والے کے ذہن کو کافی متاثر کیا ہے۔ ان متاثر ہونیوالوں میں ۲ گروہ ہے۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو اس اقدام کو مستحسن اور واجب سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جو مندر توڑ کر مسجد بنائے جانے کو ظلم اور زیادتی کے مترادف خیال کرتا ہے۔ نتیجے میں دونوں گروہ کے جذبات کا تصادم استقلال حاصل کرلیتا ہے اور ہر زمانے میں ناخوشگوار صورت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اگر دونوں گروہ نفس واقعہ پر غیر متعصبانہ نظر ڈالیں تو اصل حقیقت تک آسانی سے پہونچا جا سکتا ہے اور ہر گروہ کا ذہن جذباتی تاثرات سے پاک رہ سکتا ہے۔

---

[۱] تجلیات العارفین قلمی صد۲۱ - اسلامک کلچر جلد ص۱۹

بات صرف اتنی ہے کہ مسلمان جب شروع شروع ہندوستان میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے تو تاریخیں شاہد ہیں کہ جس حصہ زمین کو فتح کیا وہاں مندر بھی توڑے اور مسجدیں بھی تعمیر کیں۔ کسی مقام کو ہندوؤں نے چھوڑ کر دوسری جگہ آباد کرلی اور کسی جگہ موجود رہ کر اپنے سامنے مسجدیں بنتے ہوئے دیکھیں اور بعض مقامات تاریخوں میں ایسے بھی ملتے ہیں جہاں لوگوں نے مسلمانوں کے حملوں کے بعد یا صوفیائے کرام کی تبلیغ کے اثر سے دین اسلام قبول کرلیا۔ ایسی صورت میں انکے معبد گاہوں کی تبدیلی بھی لازم آتی ہے۔ یعنی جہاں مندر تھے وہاں مسجدیں بنائی گئیں۔ یہ ایسے واقعات ہیں جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا مگر جونپور کے شرقی بادشاہوں کو حصول سلطنت کے لئے کوئی جنگ و جدال نہیں کرنی پڑی اس لئے اس نگاہ سے ان بادشاہوں کو بھی دیکھنا درست نہیں اور نہ جونپور کوئی قدیم شہر تھا جیسے کہ بنارس وغیرہ ہے لہذا اٹالہ مسجد کی تعمیر کے تقریباً چار پانچسو برس بعد یعنی ۱۸۳۳ء میں اس واقعہ کو لکھنے والا مسلمان مورخ بغیر کسی خاص شہادت و ثبوت کے اگر فیروز شاہ تغلق یا ابراہیم شاہ شرقی کو مندر شکن اور اسلام دوست بادشاہ ظاہر کرنے کے جذبے کے ماتحت سُنی سنائی باتوں پر لاعلمی سے مندر کو توڑ کر مسجد بنانے کا واقعہ درج کردے تو اسکے زمانے اور ماحول اور اسکی فطرت کے خلاف نہ ہوگا۔ لہذا ہم اب سے پیشتر کے مصنفین سے متفق ہونے سے قبل ان کی تحقیقات پر جن کا اساس محض سنی سنائی باتوں پر ہے عدم اعتماد ظاہر کرتے ہوئے قارئین کرام سے گذارش کرینگے کہ وہ بہ چشم خود اس مسجد کو دیکھکر انکی تصنیفات کا جائزہ لیں اور انکے اس اختلاف رائے اور تضاد بیان سے نتیجہ نکال کر اپنے دلی مناقشات اور ذہنی انتشار کو دور کریں۔ اگر ناظرین اس مسجد کو بچشم خود دیکھ لیں تو اس قسم کے تمام شکوک وشبہات خود بخود رفع ہوجائینگے۔

شرقی طرزِ تعمیر

شرقی مسجدوں سے زیادہ کوئی اور عمارت اتنی حسین اور ٹھوس نہیں ہے جسمیں زیادہ ایسی نئی باتیں مل سکیں جو فنی اور تعمیری خوبیوں کی بنا پر اس سے اچھا نمونہ پیش کرسکیں یہ مسجد مشرقی فنِ تعمیر کی آغاز اور جونپور کے خاص طرز کا نمونہ ہے اور شرقی طرز تعمیر کا اولین اور بہترین شاہکار ہے۔

اس میں ایک چبوترہ ہے جسکے تین طرف دالانیں ہیں جو دو منزلہ ہیں ہر رخ کے درمیان تین پھاٹک ہیں۔ اسکی چھت کا درمیانی حصہ محراب سے گھرا ہوا ہے جو خالص مصری طرز کا ہے۔ اسکے چوکور صحن کا قطر ایک سو ستر فٹ ہے اور چاروں طرف مختلف حصے ہیں۔ تین طرف دالان نما کمرے ہیں اور پچھم طرف خاص عبادتگاہ کا ہال ہے۔ یہ کھمبے بہت وسیع ہیں جو بیالیس فٹ کے حدود میں ہیں۔ باہری حصے میں برامدے ہیں جو طلبا کے رہنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ پوری مسجد کا گھیرا دوسو اٹھاون ۲۵۸ فٹ ہے۔ اندر سے دیکھنے میں اسکے تین رخ نظر آتے ہیں اور تینوں رخ کے سامنے پھاٹک ہیں۔

اس مسجد میں عورتوں کا بھی خاص لحاظ رکھا گیا ہے جو شرقی طرز تعمیر کی انفرادی خصوصیت ہے۔ چنانچہ اسکے اتر دکھن کے گوشے پر ایک بہت ہی وسیع ہال ہے جو دوسری منزل پر ہے اور اسکی دیواروں کو جالیوں سے گھیر دیا گیا ہے تاکہ ہوا اور روشنی برابر پہونچتی رہے۔ یہ جالیاں بڑی مستحکم اور حسین ہیں۔ چھت کے پتھروں میں بھی طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔

عورتوں کے داخل ہونے کا اتری دکھنی کونے پر راستہ باہر سے الگ ہے۔ اگر اس مسجد کے وسط میں کوئی شخص کھڑا ہوکر اسکے مرکزی محراب کو دیکھے تو اسکے ذہن میں مصری طرز تعمیر کا پورا تصور پیدا ہوجاتا ہے۔ مرکزی محراب

سَو فٹ سے زیادہ اونچا ہے۔ اسکے گنبد کی اونچائی چھہتر فٹ ہے اور گھیرا ۵۵ فٹ ایک اہمیت رکھتا ہے۔ یہ گنبد اندر سے ستاون فٹ بلند اور ۳۵×۳۰ فٹ مربع میں ہے۔ ہال بہت ہی وسیع اور کشادہ ہے۔ سولہ محرابیں زمین سے ملی ہوئی ہیں جو راستے کا کام بھی دیتی ہیں۔ اور اس ہال کو کافی حسین بنا دیا ہے۔ محرابیں نقش ونگار اور بیل بوٹوں کے کام سے سجی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد بیس فٹ کی بلندی پر ہوا روشنی اور خوبصورتی کیلئے آٹھ اور محرابیں بنائی گئی ہیں۔ ان خوشنما محرابوں اور سنگِ سیاہ کی پچیکاریوں نے اس گنبد اور ہال کو جو حسن وجمال بخشا ہے وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ کاریگروں کی فنی مہارت دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے فن کا بہت ہی عظیم الشان مظاہرہ کیا ہے[۱]

پرسی براؤن نے اسکی ساخت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"عمارت کی یہ ساخت نہایت اچھی کہی جا سکتی ہے۔ اور جونپور کے عماروں کی یہ بہترین فنکاری کا نمونہ ہے۔ اسکے قطعات کی تقسیم میں بھی بہترین فنکاری کی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ اس کا ہال ۳۵×۳۰ فٹ مستطیل بنا ہے جسکی چھت پوری گنبد بن گئی ہے۔ مسجد کے سامنے کا حصہ تین حصوں میں تقسیم کر کے بیحد خوبصورتی سے ترتیب دیا گیا ہے جو اپنے محرابی دروازوں کا بار سنبھالے ہوئے ہے۔ اسکے دوسرے منزلے کو آٹھ محرابوں کے اوپر قائم کیا گیا ہے جو نقشی دار ہیں اور اندھیرا نہیں ہونے پاتا اور سب سے اوپر کا حصہ اینٹوں کی مدد سے بنا ہوا ہے جسکا ہر گوشہ سولہ

۱؎ گزیٹیر جونپور۔ شرقی آرکیٹکچر پرسی براؤن۔ کننگھم رپورٹ۔ تاریخی جائزے

گوشہ کا درجہ بن گیا ہے۔ ہر رُخ پر محراب ہے اور یہ طریقہ گنبد کو مضبوط بنانے کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔[1]

مسجد کا صحن ایکسو ستاون ۱۵۷ فٹ مربع میں ہے۔ پچھم طرف خاص نماز کیلئے دالان نما عمارت ہے جس پر تین بڑے بڑے گنبد ہیں جو ستونوں پر کھڑے ہیں۔ ان گنبدوں کو چھپانے کے لئے گنبد کے ہر رخ پر محرابیں بنی ہیں جن کے اوپر مصری طرز کے بیل بوٹے ہیں۔ دائیں بائیں دو چھوٹی چھوٹی اندر محرابیں ہیں جو ان چہروں کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔ اندرونی حصوں میں پورب اتر و دکھن طرف قطاروں میں دالانیں ہیں جسکا سلسلہ ایک پتھر کی پتلی سی دیوار کھڑی کر کے باہر تک چلا آیا ہے۔ تین پھاٹک ہیں اس میں سے اتر، دکھن کے پھاٹک پر گنبد بنے ہوئے ہیں۔ البتہ پورب کے پھاٹک پر کوئی گنبد نہیں ہے جسے دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا جبکہ بہ مقابلہ اور پھاٹکوں کے پورب کے پھاٹک کا چہرہ بجید حسین ہے اور کاریگروں نے اپنے فن کا کامل مظاہرہ کیا ہے۔ سکندر لودی نے اس گیٹ کو بھی مسمار کرا دیا تھا جسکو بعد میں درست کرایا گیا اور تعمیر میں آسانی کا خیال کرتے ہوئے گنبد کو نظر انداز کر دیا گیا ہوگا۔

اس تعمیر کے سلسلے میں بہت سے کاریگر تغلق آباد اور دہلی سے بلائے گئے اور کچھ کاریگر جونپور سے دہلی ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے بھی بھیجے گئے تھے۔ بہر حال جونپور کے کاریگروں کا اس تعمیر میں زبردست ہاتھ ہے۔ سنگتراشی میں جونپور کے ہندو کاریگروں نے بڑی دلچسپی سے حصہ لیا تھا۔ یہ مسجد ہندو مسلم فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔[2]

---

[1] شرقی آرکی ٹیکچر پرسی براؤن۔ گزیٹر جونپور [2] پرسی براؤن۔ تجلیات العارفین

اس موقع پر پرسی براؤن کا اظہار خیال قابلِ ذکر ہے ۔

"جس معمار نے اس مسجد کا خاکہ اور تعمیر کے جملہ پہلوؤں کا نقشہ ترتیب دیا ہوگا اسکے لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے فن میں اپنا جواب نہ رکھتا ہوگا ۔ یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچ چکی ہے کہ اس مسجد کی تعمیر میں بہت سے ہندو کاریگروں نے بھی کام کیا ہے جنکو مسلمان کاریگروں کی ماتحتی میں ان کے نقشہ کے مطابق کام کرنا پڑا ہوگا ۔" [۵۱]

اگر اس مسجد کو بغور دیکھا جائے اور ہندو فن تعمیر پر بھی غائر نظر رکھی جائے تو یہ بات اس عمارت کے ایک ایک نقش و نگار و بیل بوٹوں سے ظاہر ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ جنھیں ہندو مسلم آرٹ کے امتزاج کا علم نہیں ہے اسکو مندر کہنے لگتے ہیں ۔

سب سے زیادہ حسین اور متاثر کرنے والا اس کا مرکزی محراب ہے ۔ یہ نہایت ہی پرشکوہ اور رعب جلال سے بھرپور ہے جسکو دائیں بائیں کے کشادہ اور حسین ستون اٹھائے ہوئے ہیں ۔ اسکے حسن کا انحصار طرز تعمیر و ضع قطع صناعی نقاشی نقش و نگار مصری طرز کے بیلوں خوشنما گلاب اور کنول کے پھولوں پر ہے نہ کہ اور مسجدوں کی طرح بیش بہا سنگ مرمر اور خیرہ کن رنگ و روغن پر ۔ اس کا تعلق محض چمک دمک ہی پر نہیں ہے بلکہ کمال تو یہ ہے کہ خالص معمولی پتھر ۔ چونے گارے اور کنکر اینٹ مٹی سے بیحد اچھوتے پن کا مظاہرہ کیا گیا ہے جبکہ یہ مسجد شرقی طرز تعمیر کی آغاز تھی ۔ اسکو حسن و جمال اور فنی اصول سے بھرپور ہونا غنیمت نہیں تو اور کیا ہے ؟

---

[۵۱] پرسی براؤن

مسٹر فرگوسن کی رائے ہے کہ :-

"یہ مسجد ایک صحن پر مشتمل ہے جسکے مغرب میں عبادت خانہ کی خاص عمارت کا حصہ ہے۔ وسطی عمارت پر ایک سنگین گنبد ہے جسکے سامنے مصری احرام کی شکل کا پھاٹک ہے۔ یہ پھاٹک اپنی بلند قامتی سے مینار کا کام بھی دیتا ہے۔ اس پھاٹک کی وضع مصری معبدوں کے دروازوں ...... کی طرح ہے۔ یہ عظیم محراب اٹالہ مسجد کی انفرادی خصوصیت ہے۔" [۱]

"صحن کے تینوں کناروں پر غلام گردشیں ہیں جو خانقاہ کا کام دیتی ہیں۔ ان عمارتوں کے وسط میں خوشنما محرابیں ہیں۔ جو جونپوری طرز تعمیر کے ہر نمونے بے مثال ہیں اور اپنی سادگی سے حسن پیدا کرتے ہیں۔" [۲]

سب سے زیادہ جو چیز غور کرنیکی ہے اور جس پر مسجد کی بقا کا انحصار ہے وہ اسکے حصار کی پچھمی مضبوط دیواریں ہیں۔ اگر ان دیواروں میں ذرا بھی فنی نقص باقی رہتا اور دیواریں جنبش کر جاتیں تو پوری عمارت ڈھیر ہو جاتی۔ پرسی براؤن نے اسکے متعلق اپنا اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے :-

اٹالہ مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں سب سے اہم اور فنی چیز اسکے حصار کی دیواریں ہیں جن کو بغور دیکھنے کی ضرورت ہے۔ قبلہ رخ کی دیواریں جسکے قریب کوئی کھلا ہوا حصہ نہیں ہے خاصکر بجید ہوشیاری سے فن کو کام میں لایا گیا ہے جس کی مثال اس طرح کی دوسری عمارت میں

---

[۱] فرگوسن رپورٹ [۲] تاریخی جائزے صفحہ ۸۲-۸۳

نہیں ملتی۔

"جونپور کی مثال قائم کرنے کیلئے مسجدوں کے حدود کے قیام میں ایک بہت بڑا زمین کا حصہ تین بڑے بڑے چبوتروں کی شکل میں قائم کر لیا گیا جو درمیان کے مخصوص تینوں چبوتروں سے ملا ہوا ہے۔ اس حد بندی سے بھی فنی تعمیر کی خوبیاں اور انجینئر کی قابلیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔" [1]

مارکس ویلز کے عہد میں اس مسجد کا پوربی گیٹ خیر الدین نے درست کرایا۔ جنرل کننگھم نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ۱۸۶۵ء کے آخر میں جب میں جونپور آیا تو گنبد کا اوپری حصہ گر گیا تھا۔ اور اپنے آخری دورہ میں ہم نے دیکھا کہ یہ منشی حیدر حسین کی بدولت اصلی حالت میں آگیا۔ اس کے بعد صوفی محمد کامل رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی مرمت کرائی۔ اور یہ کام تین سال تک جاری رہا اور بعد کو برابر اس مسجد کی کچھ نہ کچھ مرمت ہوتی رہی صفائی وغیرہ کا باقاعدہ انتظام ہے [2]

عینی مشاہدہ

مسجد کے منتظمین آجکل اپنے فرائض کو حسن وخوبی اور دلچسپی سے انجام نہیں دے رہے ہیں۔ مسجد کا کچھ صحن جو حوض کے اتر دکھن اور پورب طرف تھا اب ٹوٹکر گہرا ہوگیا ہے جسکی وجہ سے بارش کا پانی باہر نکلنے نہیں پاتا اور زیادہ تر مسجد ہی میں جذب ہو جاتا ہے۔ اس سے عمارت کو سخت نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے

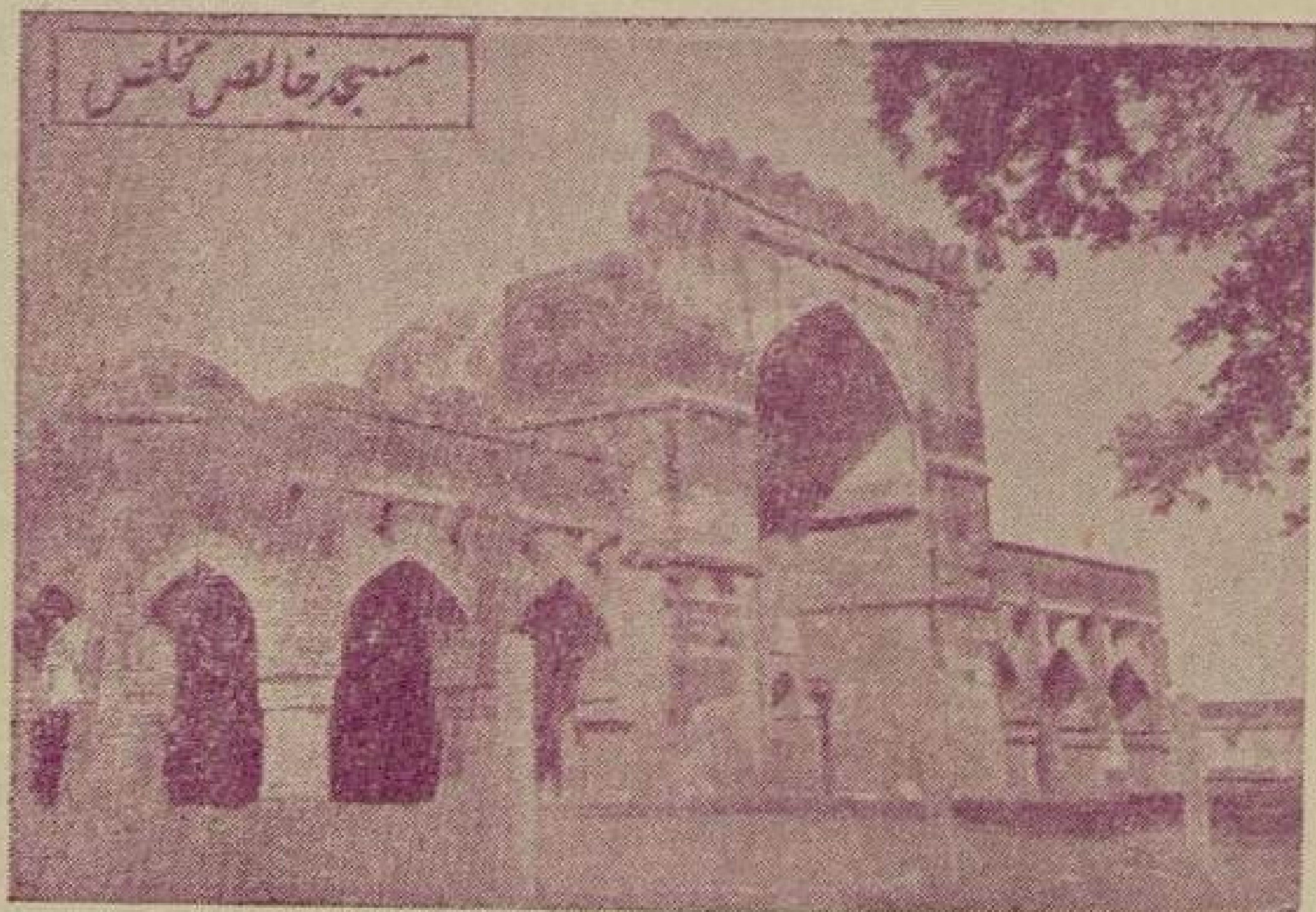
---

[1] شرقی آرکیٹیکچر پرسی براؤن [2] شرقی منومنٹ۔ گزیٹر جونپور

اس میں سیمنٹ یا اینٹوں کا فرش بنوانے کی ضرورت ہے۔

اور سب سے زیادہ قابل افسوسناک بات یہ ہے کہ اتنی عظیم الشان مسجد اور اس میں پنجوقتہ نماز کے لئے مستقل امام نہیں ہے۔ جس سے نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ منتظمین کے لئے اسکی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ اس کے صدر گیٹ اور اس سے ملحق دو منزلہ دالانوں پر سفیدی کرا کے عمارت کے حسن کو پامال کیا جارہا ہے کیونکہ پتھروں کی تراش وخراش اور انکے بٹھانے کا حسن مٹتا جارہا ہے۔ مسجد کے باہر جو دالان نما کوٹھریاں ہیں اس میں کرایہ دار آباد ہیں۔ ان کرایہ داروں نے آزادانہ طور پر مٹی کی بدنما دیواروں، اینٹوں کے ٹکڑوں۔ بوسیدہ ٹرکٹ کی ٹٹیوں اور چبوتروں سے ان دروں کو گھیر کر مسجد کے نہ صرف حسن وجمال کو نقصان پہونچایا ہے بلکہ ان کوٹھریوں کے آگے کافی گندگی بھی پھیلا رکھی ہے۔ اسکے علاوہ ان کرایہ داروں نے دروازوں کے سامنے رنگ برنگ کی پرچھتیاں لگا رکھی ہیں جو بدنمائی میں اور اضافہ کررہی ہیں۔ منتظمین کو خود اس مسجد کی شان کے مطابق حسین پرچھتیاں لگانا چاہیئے تاکہ مسجد کے حسن کو کسی طرح کا صدمہ نہ پہونچے اور اسکی رونق دوبالا ہوجائے اسکے باہری حصے میں پوربی افتادہ صحن پر درخت لگا دینا یا منڈیر گھیر دینا بھی زیادہ مناسب ہے تاکہ زمین دست برد سے محفوظ ہوجائے۔

دکھن کے حصوں میں فقرا آباد ہیں جنھوں نے کافی گندگی مچا رکھی ہے خان بہادر مولوی فصیح الدین نے ایک بار مسجد کو گندگی مچانے والوں سے پاک صاف کیا تھا آخر میں میرا ریمارک ہے کہ ان دونوں عظیم الشان مسجدوں کے انتظام اور باہری دالانوں کی جو حالت ہے وہ پوری قوم کی ذہنیت کی ترجمان اور انکے تعلق وابستگی پر بدنما داغ ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو مسلمان جلد ہی اس نعمت عظمیٰ کو کھو بیٹھیں گے جو پھر کبھی شاید ہی نصیب ہو۔


مسجد خالص مخلص

اسکے اندرونی محراب پر خط طغریٰ میں ایک کتبہ ہے جسکے حروف خوشخط اور ابھرے ہوئے ہیں۔ جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور وہ حدیث درج ہے جو مساجد کی تعمیر کے فضائل میں ہے۔ محراب کے اندر بھی آیۃ الکرسی سنگ موسیٰ پر اُبھری ہے۔ ایک اور لکھاوٹ مرکزی محراب پر سنگ سیاہ میں ابھری ہے جو سطح زمین سے چالیس ۴۰ فٹ کی بلندی پر ہے۔ اسکے کچھ حروف عربی خط میں نظر آرہے ہیں اور کافی ٹوٹ گئے ہیں۔ اس محراب پر تین محرابی طاقوں کے اندر لفظ اللہ ابھرا ہوا ہے۔ اتر دکھن کے پھاٹک پر بھی عربی میں بہت بڑے بڑے کتبے ابھرے حروف میں تھے جو ٹوٹ کر گر گئے مگر کہیں کہیں اس کے نشانات اور حروف باقی ہیں۔

مسجد خالص مخلص

ابراہیم شرقی کے عہد کی تعمیر کردہ مسجدوں میں یہ مسجد بھی ہے۔ ملک خالص مخلص ابراہیم شرقی کے بھائی اور خاص درباریوں میں تھے اور اسوقت نظامت جونپور پر مامور تھے۔ انکی سکونت اسی مقام پر تھی۔ سید عثمان شیرازیؒ امیر تیمور کے حملہ کے وقت دہلی سے جونپور تشریف لائے اور اسی مقام پر قیام کیا۔ آپ اولیائے کاملین میں سے تھے۔ آپکے کمال کا شہرہ سُن کر لوگ جوق در جوق آنے لگے اور آپکے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ چونکہ مریدین کی ایک جماعت کثیر آپ کے ہمراہ رہتی تھی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر ابراہیم شرقی نے مسجد کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے مسجد اور اس سے متصل ایک خانقاہ تیار کرائی جو مسجد خالص مخلص اور خانقاہ شیرازی کے نام سے مشہور ہوئی۔ مگر

مگر مولوی خیرالدین کہتے ہیں:۔

"یہ دیول بھی راجہ بجے چند کا بنوایا ہوا تھا۔ جس میں روزانہ

برہنہ پا بجے منڈل سے آتا اور خاص حوض کے پختہ تالاب میں
غسل کر کے اور پاک صاف ہو کر یہاں آتا اور پوجا کرتا۔" [۱]

مگر خیر الدین و نور الدین اور دوسرے مورخین نے کوئی حوالہ د ثبوت نہیں پیش کیا۔ خود میں نے بھی جونپور کے ان منادر کے متعلق کافی تحقیق و تفتیش کی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ مولوی خیر الدین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ راجہ بجے چند نے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے بنوایا تھا۔ پتہ نہیں انھیں اِن اخراجات کی تفصیل کہاں سے دستیاب ہو گئی جبکہ وہ جونپور کی شرقی عمارتوں کے متعلق اخراجات کی تفصیل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

مولوی نور الدین نے لکھا ہے کہ :۔

"بجے منڈل سے راجہ بجے چند برہنہ پا آتا تھا" [۲]

غور کیا جائے کہ اس کا جائے تعین ہمراج پور قرار دیا ہے جہاں پیر دمک شاہ کا مزار ہے۔ اور وہاں سے وہ خاص حوض جاکر غسل کرتا تھا۔ پھر خالص مخلص کی مسجد جو پہلے بتخانہ تھی وہیں پوجا پاٹ کر کے پھر بجے منڈل ہمراج پور واپس جاتا تھا ناظرین ہمراج پور سے خاص حوض تک میلوں کے فاصلے پر نگاہ رکھتے ہوئے غور فرمائیں کہ ان مورخین نے کتنی آسانی سے راجہ بجے چند کا یہ سفر طے کرا یا ہے حالانکہ اس پر غور نہیں کیا کہ اگر راجہ بجے چند کا محل ہمراج پور ہوتا تو وہ خود ہی دریائے گومتی کے کنارے نہایت ہی پُر فضا مقام پر واقع ہے۔ مندر بھی وہیں ہونا چاہیئے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ ہمراج پور میں محل ہو اور اشنان گھر خاص حوض پرانی بازار میں جسکا فاصلہ میلوں ہے۔ ان دونوں کے درمیان مندر ہو

---

[۱] جونپور نامہ خیر الدین [۲] چراغ نور

اور وہ بھی راجہ ننگے پاؤں روز صبح کو ہر موسم میں اتنا طول طویل سفر طے کرے۔ اور یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر لاکھوں روپیہ خرچ کرکے راجہ بجے چند نے اس مندر کو تعمیر کرایا۔ اسکے علاوہ دیول اٹالہ کی بھی نشاندہی کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ عظیم الشان بتخانہ تھا جسکے ہر در و دیوار پر بت بنے ہوئے تھے۔ اسکے علاوہ ایک سنگین بت خانہ محلہ سپاہ میں بھی بتلایا جاتا ہے۔ ان مورخین نے اس دور کی کوئی تاریخ پیش نہیں کی ہے کہ ان کثیر عظیم الشان منادر کی ضرورت کو سمجھا جائے۔ اور قدیم تاریخ کے اوراق بھی ان کی موجودگی سے خالی ہیں کہ جس مقام پر اتنے عظیم الشان منادر ہوں اسکی آبادی کے متعلق اندازہ کرنا دشوار ہے اور ان تحریرات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ راجہ بجے چند و جے چند نے قنوج سے ترک سکونت کرکے جونپور اپنا پایہ تخت قرار دیکر یہیں پر مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ مگر تاریخ بالکل اس تفصیل سے بھی خالی ہے بلکہ جے چند اور شہاب الدین غوری کے معرکہ سنہ ۱۱۹۴ء تک ان کا براہ راست تعلق قنوج ہی سے ثابت ہوتا ہے۔ البتہ اس نے منیچ (ظفرآباد) میں ایک خام کوٹ آسنی تعمیر کرائی تھی اور یہ مقام قنوج کے راجاؤں کی فوجی چھاؤنی تھا۔ فتحیابی کے بعد ظفرآباد میں شہاب الدین غوری کا دربار ہوا جس میں تمام مہاراجگان شریک ہوئے اور اس نے اُدے پال کے دیوان راجہ جیت سنگھ کو حکومت سپرد کی۔ اس سلسلہ میں بھی جونپور کا ذکر اور تفصیل کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ جسکی تفصیل اٹالہ مسجد کے سلسلہ میں گذری ہے۔

ان شہادتوں کی موجودگی میں جبکہ تاریخ خاموش ہے ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ ان مورخین کی تحریرات کی بنیاد محض زبانی باتوں پر ہے۔ راجہ بجے چند کا تعلق ظفرآباد سے تھا۔ جونپور میں نہ انکے محلات تھے اور نہ منادر بلکہ فیروز شاہ کی آبادی کے وقت اس مقام پر بھروں کا قبضہ اور حکومت تھی۔ البتہ ٹھاکر لوگ اجودھیا

اور اطراف و جوانب سے آکر آباد ہو رہے تھے۔ ۵۱

فنِ تعمیر کے لحاظ سے یہ مسجد خاص شرقی آرٹ کی مظہر ہے جسکی وجہ سے اسکو خاص مرتبہ حاصل ہے۔ پرسی براؤن کے بیان کے مطابق یہ مسجد ۱۴۳۹ء میں اور گزیٹر جونپور کی تحقیق کے مطابق ۱۴۱۷ء میں تعمیر ہوئی ہے۔ زیادہ صحیح ۱۴۱۷ء ہے۔ اس مسجد کے ستون و گنبد بالکل مسجد اٹالہ کی طرح ہیں۔ البتہ اسکی بناوٹ میں سادگی کو زیادہ دخل ہے کہ اس کا مرکزی محراب بھی سادہ ہے۔

ڈاکٹر لیبین صاحب نے درست لکھا ہے کہ:۔

"گنبد کے سامنے چھوٹے چھوٹے کنگوروں کی منڈیر ہے جو جونپور طرز تعمیر کے لئے بالکل انوکھی چیز ہے" ۵۲

مولوی خیر الدین نے لکھا ہے:۔

"اس مسجد میں ایک پتھر محراب پر جہاں امام کھڑا ہوتا ہے اسکے بائیں طرف عجیب صفت کا لگا ہوا تھا۔ کہ کوئی بچہ یا بوڑھا ناپے تو چار انگل ہوتا تھا اس بنا پر یہ خالص مخلص چار انگل کی مسجد مشہور ہوگئی۔"

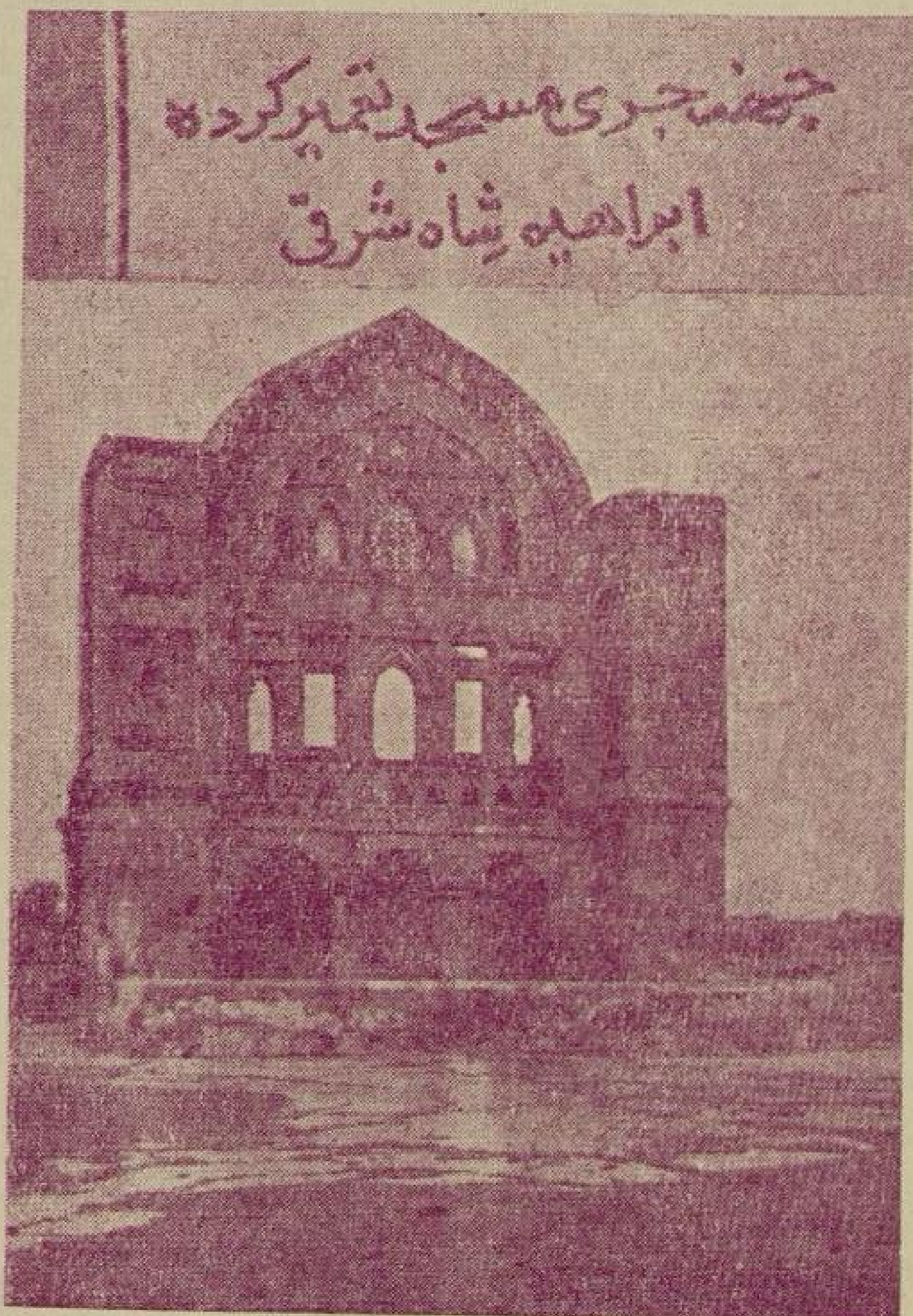
ڈاکٹر لیبین صاحب نے بھی انکی پیروی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"خواہ انگلیاں کتنی پتلی یا موٹی کیوں نہ ہوں جو کوئی ناپے یہ پتھر چار انگل کے برابر ناپ میں ہوتا ہے اور ہندو مسلمان سب اسکا احترام کرتے ہیں۔"

مگر صحیح یہ ہے کہ اس وقت مسجد کے کسی بھی پتھر میں یہ خصوصیت موجود نہیں ہے اور نہ اس واقعہ کا ثبوت کوئی مستند پرانی کتاب سے ملتا ہے۔ میرے

---

۵۱ گزیٹر جونپور۔ ۵۲ پرسی براؤن۔ تاریخی جائزے۔ گزیٹر جونپور



جھنجری مسجد تعمیر کردہ
ابراہیم شاہ شرقی

خیال ہیں جیسے کہ اس مسجد کی تعمیر مندر توڑ کر ہونا بیان کیا جاتا ہے ایسی ہی چار انگلی مسجد کی شہرت کا معاملہ ہے۔ اس مسجد کا وسطی حصہ جو چہرہ کہا جاتا ہے وہ بڑا بارعب ہے۔ اس مسجد میں اور شرقی عمارتوں کے خلاف نقش و نگار کا ہونا سید عثمان شیرازی کی رائے کو کافی دخل کا ثبوت ہے البتہ اسکے استحکام کی طرف پوری توجہ کیگئی ہے۔

ایک زمانہ گذرنے کے بعد جب یہ مسجد ویران ہو کر بطور مکان کے استعمال ہونے لگی تو اس نے تمام حسن و جمال کو کھو دیا۔ اس کی چھت دس کھمبوں کی قطار پر ہے۔ یہ ستون ۳۰ فٹ بلند ہیں۔ سکندر لودی نے اس مسجد کو بھی نقصان پہونچایا۔ اور ۱۷۷۴ء اور ۱۸۹۴ء کے سیلاب نے رہی سہی کسر پوری کردی جب مسٹر ولنڈ صاحب بہادر جونپور تعنات ہو کر آئے تو انھوں نے مسجد کو کوٹریوں سے صاف کرایا جو اسکو بطور مکان استعمال کر رہے تھے۔ [1]

جھنجری مسجد یہ مسجد محلہ سپاہ شہر جونپور میں دریائے گومتی کے داہنے کنارے پر واقع ہے۔ اسکو ابراہیم شاہ شرقی نے مسجد اٹالہ اور مسجد خالص مخلص کی تعمیر کے دوران بنوایا تھا۔ چونکہ یہ محلہ خود ابراہیم شاہ شرقی کا آباد کیا ہوا ہے اور یہاں پر فوج اور ہاتھی گھوڑے اونٹ اور خچر رہتے تھے۔ بزرگان دین اور اولیاے کرام کا بھی مسکن تھا۔ یہیں پر حضرت قاضی نصیر الدین گنبدی۔ حضرت ابوالفتح سونبرسی۔ سید صدر جہاں اجمل اور مولانا سراج الدین منہاج وغیرہ کی بھی بود و باش تھی۔ ان کی خانقاہیں اور مدرسے تھے۔ مریدین اور طلبا کی بھی کثیر تعداد رہتی تھی اس چیز نے بادشاہ کو ایک

---

[1] جونپور نامہ خیر الدین۔ شرقی منومنٹ۔

عالیشان مسجد تعمیر کرنے پر مجبور کر دیا۔ خیر الدین اور مورخین مابعد کا یہ لکھنا غلط ہے کہ یہ مسجد خاص طور پر سید صدر جہاں اجمل کے نماز پڑھنے کیلئے تعمیر کی گئی تھی مسجد کے شکستہ صحن کی وسعت جسکا اکثر و بیشتر حصہ کھیتوں میں شامل ہو گیا ہے اسکی ضرورت کو ظاہر کر رہا ہے۔

اس مسجد کے متعلق بھی خیر الدین اور مؤلف جغرافیہ جونپور نے لکھا ہے کہ یہ بتخانہ تھا جسکو راجہ جے چند نے بنوایا تھا۔ مگر مولوی نظیر الدین نے تاریخ جونپور اور مولوی نور الدین نے چراغ نور میں لکھا ہے کہ اس بتخانے کو راجہ بجے چند جے چند کے باپ نے بنوایا تھا۔ [1]

فصیح الدین نے جے چند لکھا ہے۔ البتہ گزٹیر جونپور نے انلوگوں کی پیروی کرتے ہوئے اسکو جے چند کا لکھا ہے۔ اسکے متعلق بھی اختلاف ہے۔ کوئی جے چند کا کہتا ہے کوئی وجے چند کا مگر کوئی حوالہ اور ثبوت نہیں۔

اٹالہ مسجد۔ خالص مخلص اور جھنجری مسجد کے لئے کوئی کہتا ہے کہ یہ مندر جے چند نے بنوایا تھا اور کوئی کہتا ہے کہ اسے بجے چند نے بنوایا تھا۔ اس سلسلہ میں سخت اختلافات ہیں۔ مگر کسی کتاب سے اس مقام یا ان محلوں کی آبادی اور حالت و کیفیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ جہاں پر یہ عظیم الشان مندر تھے۔ مورخین یہ بھی بتانے سے قاصر ہیں کہ ان مندروں کا نام کیا تھا اور کس دیوی دیوتا کے نام پر تعمیر کیے گئے تھے۔ میں نے بہت تحقیق کی مگر ان مندروں کا وجود اور اسکی ضرورت جے چند اور وجے چند کی جونپور میں مستقل سکونت و حکومت اور محلات و منڈل کا کچھ بھی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا لہذا یہاں بھی مندر کا وجود محض

---

[1] جونپور نامہ فارسی خیر الدین۔ جغرافیہ جونپور ص۵۔ چراغ نور ص۱۳۹۔ تاریخ جونپور ص۱۴۱

غلط شہرت کی وجہ سے کتاب میں تحریر ہو گیا ہے جسکی کچھ بھی اصل نہیں ہے۔

اس مسجد کے خاص مرکزی محراب پر بہت ہی خوبصورت و حسین جھنجریاں ہیں جو دیکھنے والوں کو محو حیرت کر دیتی ہیں۔ جنرل کننگھم اور ڈاکٹر فرہر نے جھنجریوں کے حسن و جمال کیوجہ سے اسکو زنجیری مسجد لکھدیا ہے۔ سکندر لودی نے اس مسجد کو بھی منہدم کرادیا مگر اس وقت بھی بچے ہوئے مرکزی محراب سے ظاہر ہے کہ اگر اٹالہ و جامع مسجد کے مقابلہ میں سائز کا لحاظ نہ کیا جائے تو یہ مسجد خوبصورتی اور نقش و نگار کی نزاکت کے لحاظ سے سب سے آگے ہے۔

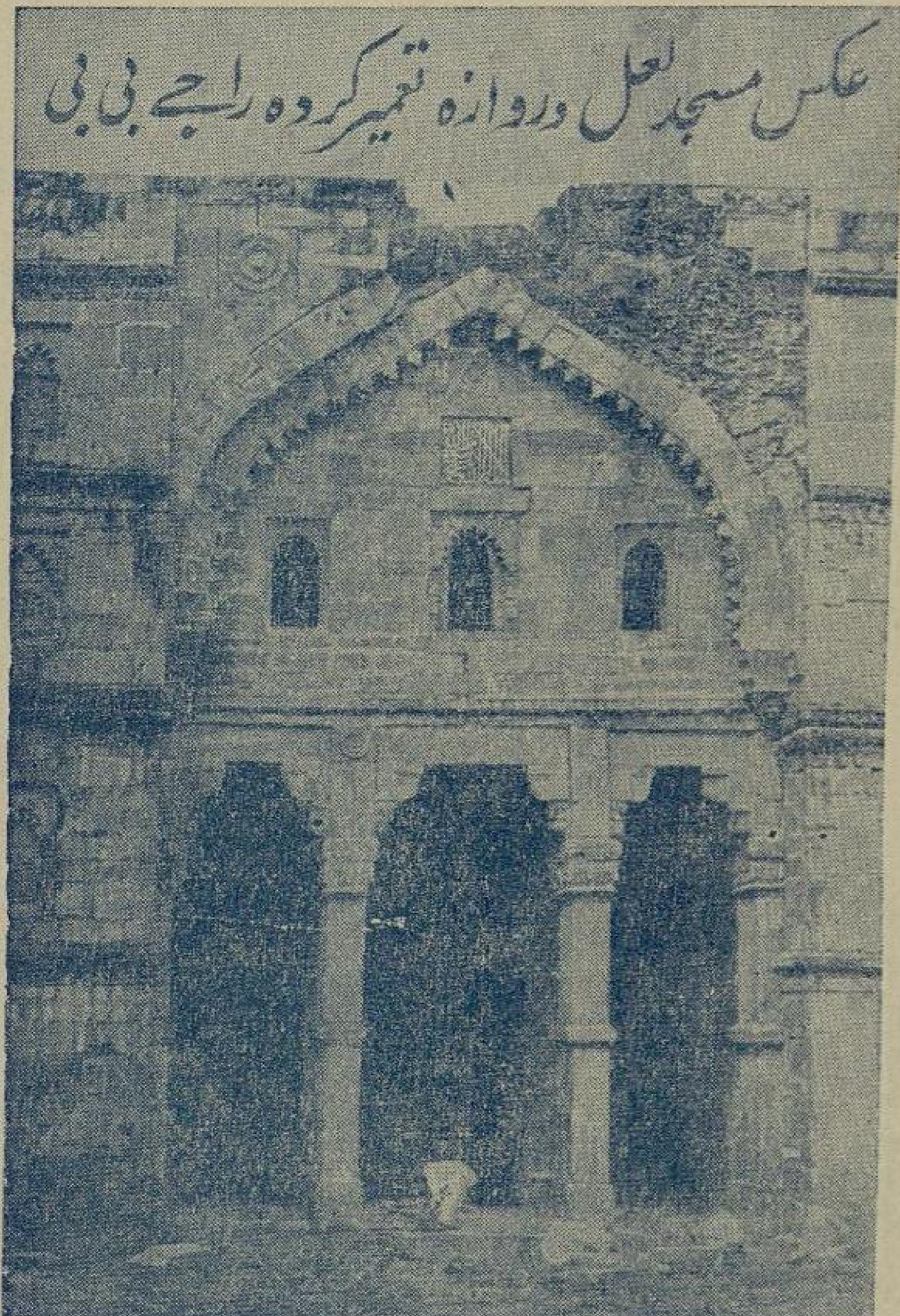
مرکزی محراب کے نصف حصے پر خط طغریٰ میں آیۃ الکرسی ابھری ہوئی ہے اور وہ حدیث بھی ہے جس میں تعمیر مسجد کی طرف رغبت دلائی گئی ہے۔ اس آیۃ الکرسی کے حروف کافی لانبے اور چوڑے ہیں اور فن نسخ و طغریٰ کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مسجد کے کافی پتھر سکندر لودی کے توڑنے کے بعد یہاں کے پل وغیرہ میں لگے ہیں۔ اس کو سیلاب نے کافی نقصان پہونچایا ہے۔ اسوقت بھی یہ عمارت بیحد دلچسپ اور پسندیدہ ہے۔ عربی عبارت جو خط طغریٰ میں ہے پورے شہر کی عمارت میں ایک نمونہ ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں تباہی کی حالت میں ہیں مگر محکمہ آثار قدیمہ حفاظت کر رہا ہے۔ مرکزی چہرے کا ستون جو محراب کو تھامے ہوئے ہے ۳۵ فٹ بلند ہے اور محراب کا حلقہ ۲۳ ۳/۴ فٹ ہے۔ اتنی چھوٹی ہوتے ہوئے بھی یہ مسجد اپنی شان و شوکت اور رعب و جلال میں بہت اہمیت کی مالک ہے اور دیکھنے والوں سے خراج تحسین حاصل کیا کرتی ہے۔ ؎۱

؎۱ کننگھم رپورٹ۔ شرقی آرکی ٹیکچر ڈاکٹر فرہر۔ شرقی منومنٹ۔ تاریخی جائزے۔ گزیٹر جونپور۔ جونپور نامہ خیر الدین۔

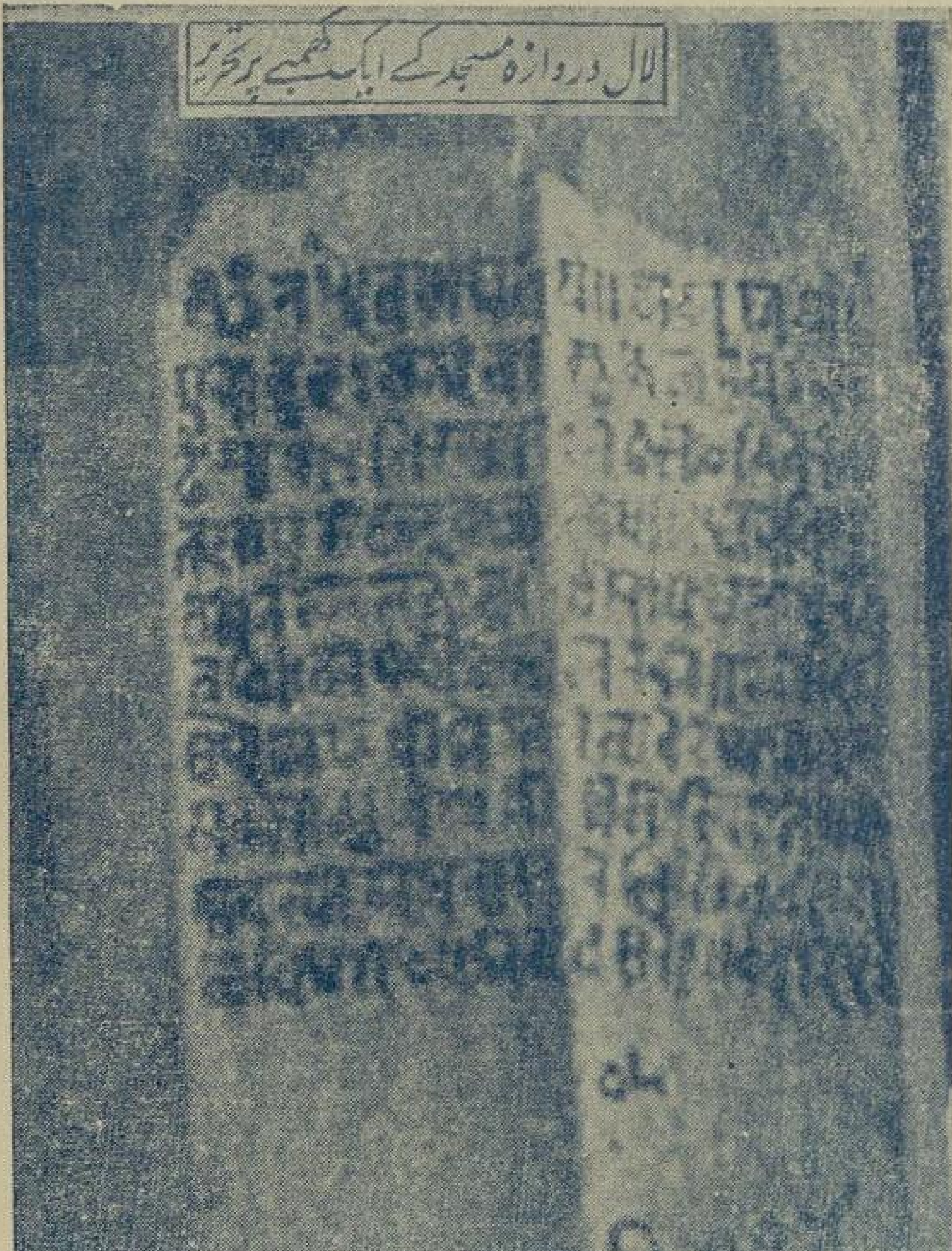
مسجد لال دروازہ

یہ مسجد بی بی راجے زوجہ سلطان محمود شاہ شرقی کی تعمیر کردہ ہے جو شہر کے اتر میں ایک میل کے فاصلے پر محلہ بیگم گنج جونپور میں واقع ہے۔ یہ مسجد مقابلۃً اور شرقی مسجدوں کے چھوٹی اور جامع مسجد کے رقبہ سے نصف سے بھی کم ہے۔ اس کا باہری رقبہ ۲۱۲ فٹ × ۱۸۸ فٹ ہے۔ بی بی راجے نہایت دور اندیش اور منتظم کار عورت تھیں امور سلطنت میں انھیں پورا دخل تھا۔ سید علی داؤد کی آمد کے بعد یہ مسجد بی بی راجے نے اپنے محل سرا سے ملحق تعمیر کرایا۔ اسی سے متصل اتر دکھن خانقاہ و مدرسے کی عمارت تھی جس کو سکندر لودی نے مسمار کرادیا۔ مسجد کا نام نمازگاہ تھا اور اس محلہ کا نام بی بی راجے کے محل سرا کے سرخ دروازے کیوجہ سے لعل دروازہ پڑگیا اور ایک مدت کے بعد یہ مسجد بھی محلہ کے نام پر لال دروازہ مشہور ہوگئی۔ اس کا صحیح نام نمازگاہ تھا۔

خیرالدین نے غلطی سے لکھا ہے کہ ۸۶۰ھ میں یہ مسجد تعمیر کیگئی اور یہی جغرافیہ جونپور میں بھی ہے۔ پرسی براؤن نے البتہ ۱۴۵۰ء لکھا ہے۔ نورالدین زیدی نے گنج ارشدی کے حوالے سے ۸۶۰ھ لکھا ہے۔ فصیح الدین کا زور بھی ۸۶۰ھ پر ہے۔ میرے خیال میں بھی یہ مسجد ۸۶۰ہجری یا اسکے دوچار برس پہلے بزمانہ سلطنت محمود شاہ شرقی تعمیر ہوئی ہے۔ ۸۰۶ھ میں تو شاید راجے بی بی پیدا ہوئی ہونگی اور ابراہیم شاہ کو تخت نشین ہوئے چار سال ہوا تھا اگرچہ اسکا طرز دوسری شرقی مسجدوں کی طرح ہے مگر پچھمی دیوار جس پر گنبد کا بہت بڑا وزن ہے پتلی ہے۔ اس میں بھی تین دروازے ہیں۔ صحن مسجد کی وسعت کے لحاظ سے بہت گھٹیا ہے۔ البتہ مسجد چاروں طرف سے بند ہے۔ اس مسجد میں لگے ہوئے پتھر کچھ باہر سے لائے گئے ہیں جو یقینی کسی عمارت کا ملبہ ہے۔ اس میں بھی دو پتھر



عکس مسجد لعل دروازہ تعمیر کردہ راجے بی بی



لال دروازہ مسجد کے ایک کھمبے پر تحریر



لال دروازہ مسجد کے ایک کھمبے پر تحریر



مسجد لال دروازہ کے اندرونی محراب کا کتبہ

پر سنسکرت میں کچھ کندہ ہے ۔ پہلا پتھر جو دکھن طرف پوربی برآمدے کا چوتھا ستون ہے ۔ دوسرا اتری برآمدے میں پہلی قطار کا چوتھا ستون ہے ۔ پہلے ستون سے سنہ ۱۱۶۸ء اور قنوج کے راجہ وجے چند کا پتہ لگتا ہے اور دوسرا سمبت ۱۲۹۷ بکرمی کا ہے جس سے کچھ خاص مطلب برآمد نہیں ہوتا سوائے چند ناموں کے ۔

یہ دونوں پتھر کی تحریریں ہشت پہل کھمبوں پر اوپر سے نیچے ہیں اور پہل کو کاٹتی ہوئی گئی ہیں ۔ لکھاوٹ بھی بہت بدخط اور اُس دور کے رواج کے خلاف ابھارنے کے بجائے پتھر میں کھدی ہوئی ہیں ۔ دونوں کھمبوں کی تحریریں از حد مشتبہ ہیں اور کوئی ایک سنہ درج ہیں جس سے یہ بات قطعی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ کم سے کم یہ پتھر راجہ وجے چند کی کسی بھی عمارت کا نہیں ہے ۔ کیونکہ یہ تحریریں جس طور پر غیر مناسب جگہ اور غیر فنکارانہ کھدی ہیں اسکی تردید کرتی ہیں کہ راجہ نے اس پتھر کو کہاں نصب کرایا تھا ۔ اگر راجہ کی کسی عمارت میں یہ تحریر ہوتی تو اوّل اسکا یہ شان خط نہ ہوتا ۔ دوسرے ہشت پہل کھمبوں پر اوپر سے نیچے بدخط بجائے حروف ابھارنے کے کھدی نہ ہوتی ۔ اور تیسری چیز جو قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ مسجد میں اس قسم کی لکھاوٹ وہ بھی اسلامی سلطنت میں لگنا ممکن نہ تھا ۔ اس سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ تمام تحریریں زمانہ مابعد کی ہیں جبکہ یہاں کی تمام مسجدیں غیر آباد اور ویران تھیں اور جس کی طبیعت چاہتی تھی اپنی بود و باش رکھتا تھا ۔ ناظرین ان تحریروں کی تصویر دیکھکر فیصلہ کر سکتے ہیں ۔

مسجد کے مرکزی محراب میں سنگ موسیٰ پر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ابھرا ہوا ہے جسکا خط بیحد لاجواب ہے ۔ اور خط نسخ میں ایک جدت ہے ۔ مرکزی محراب کو ڈھانکنے والی چادر بہت حسین ہے ۔ محراب کا اوپری حصہ گر گیا ہے جس سے پورے محراب کے گرنے کا اندیشہ ہے ۔ اندرونی محراب پر جہاں امام کے کھڑے ہونگے

جگہ ہے۔ آیۃ الکرسی اور قرآن کی دوسری آیۃ اُبھری ہوئی ہے اس کا خط بہت ہی شاندار اور آپ اپنی مثال ہے۔ اندر سے مسجد کے حصّے کی پیمائش ۱۶۸½ × ۳۵½ ہے اور مسجد گنبد دالان اور ہر طرف کمرے سے مزین ہے۔ اوپر جانے کے لئے چار راستے ہیں اور دو دالانوں کے اوپر سے۔ وسطی کمرے کے ہر طرف جن کا رخ صحن کی طرف ہے ایک گیلری ہے جس پر دوسری منزل کھڑی کیگئی ہے۔ اور ایک طرف زنانہ مصرف کے لئے زینے سے راستہ بنا دیا گیا ہے اسکی ناپ ۴۸½ × ۴۴¾ فٹ ہے۔ اور گنبد کا قطر ۲۲⅔ فٹ ہے۔ اسکے سامنے ایک کمرہ ہے جو اس مسجد کا سب سے نرالا حصہ ہے۔ اسکی پشت کی دیوار سادہ ہے اور جگہ جگہ سے اپنی کمزوری کے باعث پھول کر باہر کی طرف نکل آئی ہے۔ اگر مرمت کی طرف فوری توجہ نہ کیگئی تو پوری مسجد گرجاویگی۔ اس مسجد میں عورتوں کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے جس سے اسکی خوبصورتی میں اچھا خاصہ اضافہ ہوگیا ہے۔

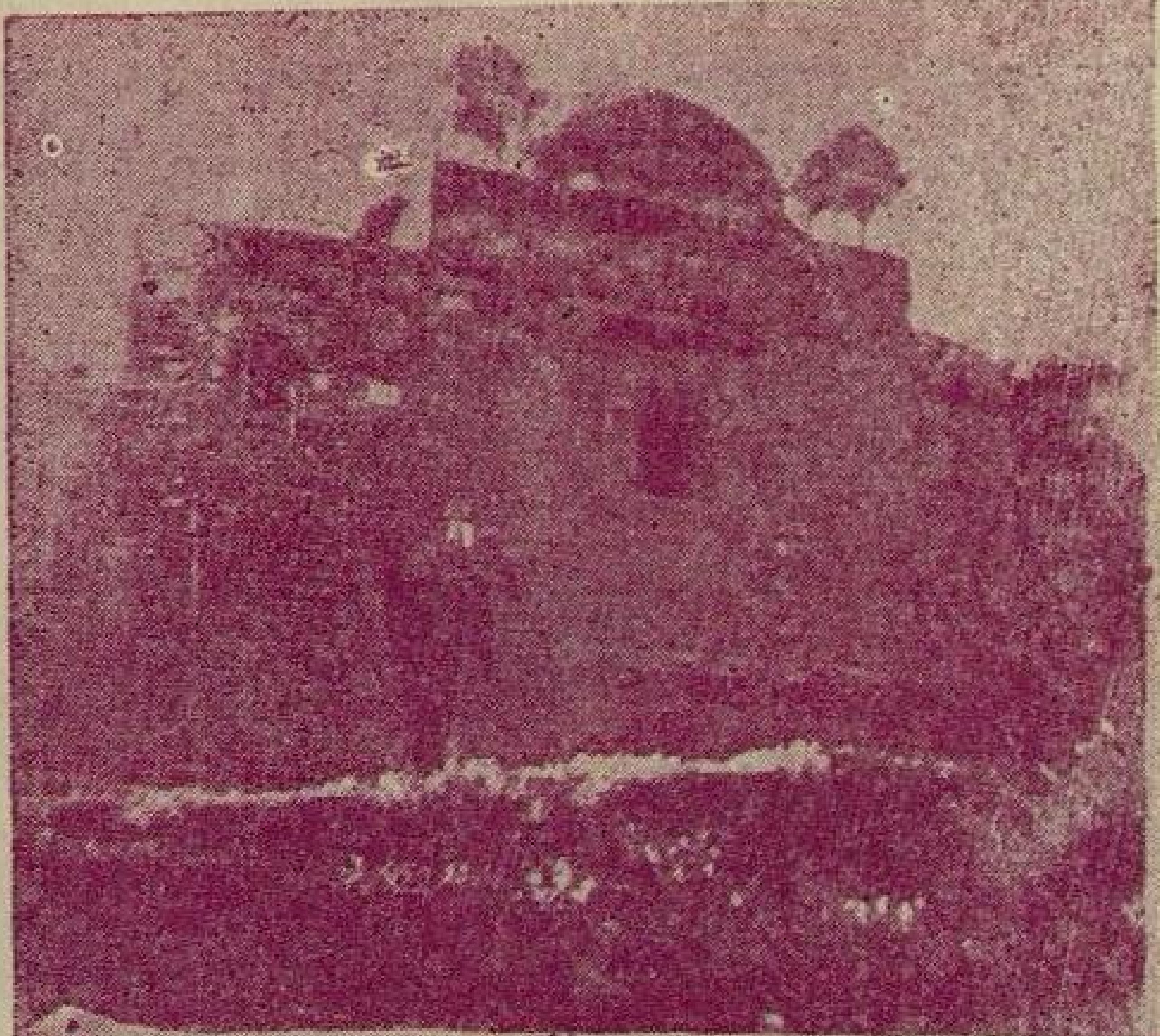
پرسی براؤن نے لکھا ہے کہ "اس مسجد کو ایک ہندو معمار کماؤ نے بنایا تھا مگر کہیں بھی ہندو عمارت کی جھلک نہیں اور مسجد ٹھیک اپنی وضع پر بنی ہے"۔ ڈاکٹر ٹیسین نے پتہ نہیں کن وجہ کی بنا پر لکھا ہے کہ "لال دروازہ مسجد کی ایک ایک اینٹ سے ہندو طرز وصنّاعی عیاں ہے"۔ حالانکہ پرسی براؤن نے صاف لفظوں میں اس کی تردید کی ہے[1] میرے خیال سے ہر دور کی صناعی کو اسی دور میں پہونچکر دیکھنے کے بعد ہی صحیح رائے قائم کیجاسکتی ہے۔

---

[1] جونپور نامہ خیر الدین۔ جغرافیہ جونپور۔ گزیٹر جونپور۔ شرقی مونمنٹ پرسی براؤن رپورٹ۔ تاریخی جائزے۔ چراغ نور۔ تجلی نور حصہ سوم قلمی۔



جامع مسجد قنوج تعمیر کردہ ابراہیم شاہ شرقی



مقبرہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قنوج تعمیر کردہ حسین شا

جامع مسجد قنوج

ابراہیم شاہ شرقی کی خاص توجہ کا مرکز اس کا پایہ تخت جونپور تھا۔ جونپور میں شرقی دور کی مسجدیں فن تعمیر اور استحکام حسن وجمال کے لحاظ سے ہندوستان میں اپنی مثال نہیں رکھتیں۔ ابراہیم شاہ شرقی کی تعمیر کردہ ایک مسجد قنوج میں بھی ہے۔ یہ مسجد قلعہ کہنہ کے بیچ میں ایک بلندی پر واقع ہے۔ اسکے دالان کا طول ایک سو آٹھ ۱۰۸ فٹ اور چوڑائی ۲۶ فٹ ہے۔ صحن کے گرد جو دیوار ہے وہ چھ فٹ بلند ہے۔ دالان کی چھت میں تین گنبد ہیں جو بالکل ہموار ستونوں کی چار قطاروں پر قائم ہیں۔ اگلی صورت اس مسجد کی مرمت کی وجہ سے بہت کچھ تبدیل ہو گئی ہے۔ جنرل کننگھم اپنی سروے رپورٹ میں فرماتے ہیں:۔

"پہلے یہاں ایک مندر تھا جس پر ابراہیم شاہ شرقی نے ۸۱۰ھ میں مسجد بنوائی۔ اس میں ستون مندر کے لگے ہوئے ہیں۔ مسجد اپنی ساخت میں بیحد خوبصورت ہے۔" [1]

مقبرہ مخدوم جہانیاںؒ

آپ بخارا کے رہنے والے تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں دہلی تشریف لائے۔ بادشاہ نے بڑی عزت افزائی و قدر دانی کی۔ ابراہیم شاہ شرقی آپ سے بیعت تھا اور بہت عقیدت رکھتا تھا۔ آپ کے لئے محلہ بلوچ ٹولہ جونپور میں مکان اور مسجد تعمیر کرائی۔ کچھ دنوں تک آپ نے جونپور میں قیام فرمایا اسکے بعد قنوج تشریف لے گئے۔ قنوج میں محلہ سکھانہ کے اندر مسجد اور مقبرہ حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیاں کا ہے۔ مسجد کے اوپر تین برج اور پیشانی پر لفظ اللہ کندہ ہے۔ مقبرہ

---

[1] غرابت نگار صـ ۱۴۶

کی عمارت ۳۵ مربع میں ہے۔ اس میں حضرت مخدوم جہانیاں کا مزار ہے۔ اور ان کی اولادوں میں سے ایک مرد اور ایک عورت کی دو قبریں ہیں۔ مسجد و مقبرہ کے گرد پختہ چہار دیواری ہے۔ اسکے کونوں پر چار برج اور دکھن جانب دروازہ ہے۔ دیکھنے میں بہت حسین معلوم ہوتا ہے اور شرقی دور کی یاد تازہ کرتا ہے۔

جنرل کننگھم نے اپنی سروے رپورٹ میں لکھا ہے کہ یہ عمارت سنہ ۸۸۰ھ مطابق سنہ ۱۴۷۴ء بعہد حسین شاہ شرقی تعمیر ہوئی ہے۔ [۱]

جامع مسجد جونپور

یہ جونپور کی سب سے بڑی اور عالیشان مسجد ہے جو کھٹن کی سڑک پر محلہ عمر خاں میں پرانی بازار کے پاس واقع ہے۔ اس کی بلندی تقریباً دو سو فٹ سے بھی زائد ہے۔ اسکے گنبد اور مرکزی محراب کے ستون خاص شہرت کے مالک ہیں۔ یہ مسجد حسین شاہ شرقی کا آخری کارنامہ ہے۔ جس نے شرقی سلطنت اور جونپور کو چار چاند لگا دیا۔ اسکی تعمیر ابراہیم شاہ شرقی کے نقشے کے مطابق کی گئی ہے۔ مسجد کے آغاز اور اختتام تعمیر کی تاریخوں میں سخت اختلافات ہیں

(۱) گزیٹر جونپور نے آغاز تعمیر سنہ ۱۴۳۸ء اور اختتام تعمیر سنہ ۱۴۷۸ء لکھا ہے۔

(۲) مولوی خیر الدین نے بحساب ابجد "مسجد جامع الشرق" تاریخ تکمیل سنہ ۸۵۲ھ لکھا ہے۔

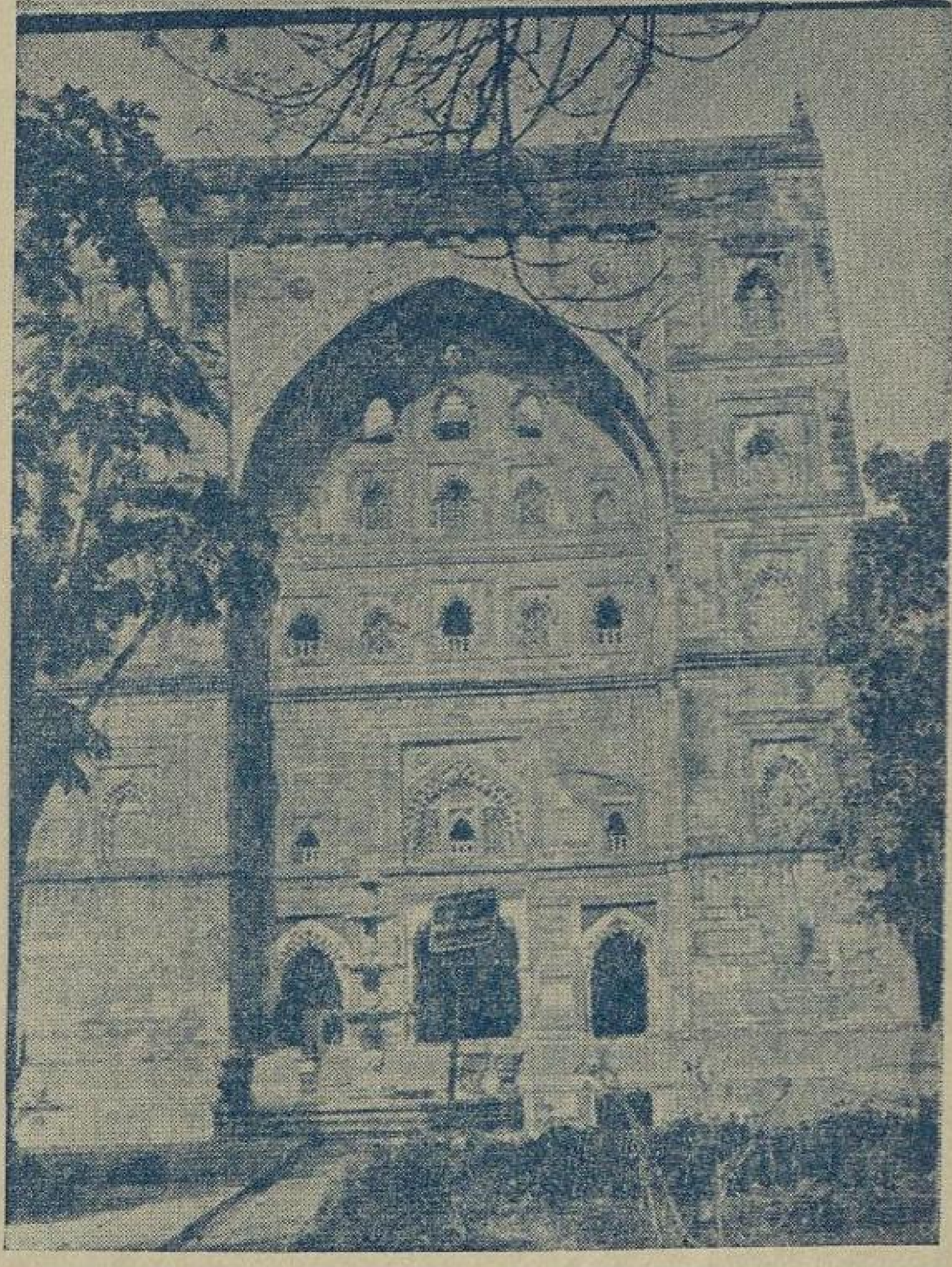
(۳) فصیح الدین صاحب نے ابتداء سنہ ۸۴۲ھ اور اختتام تعمیر سنہ ۸۵۲ھ لکھا ہے۔

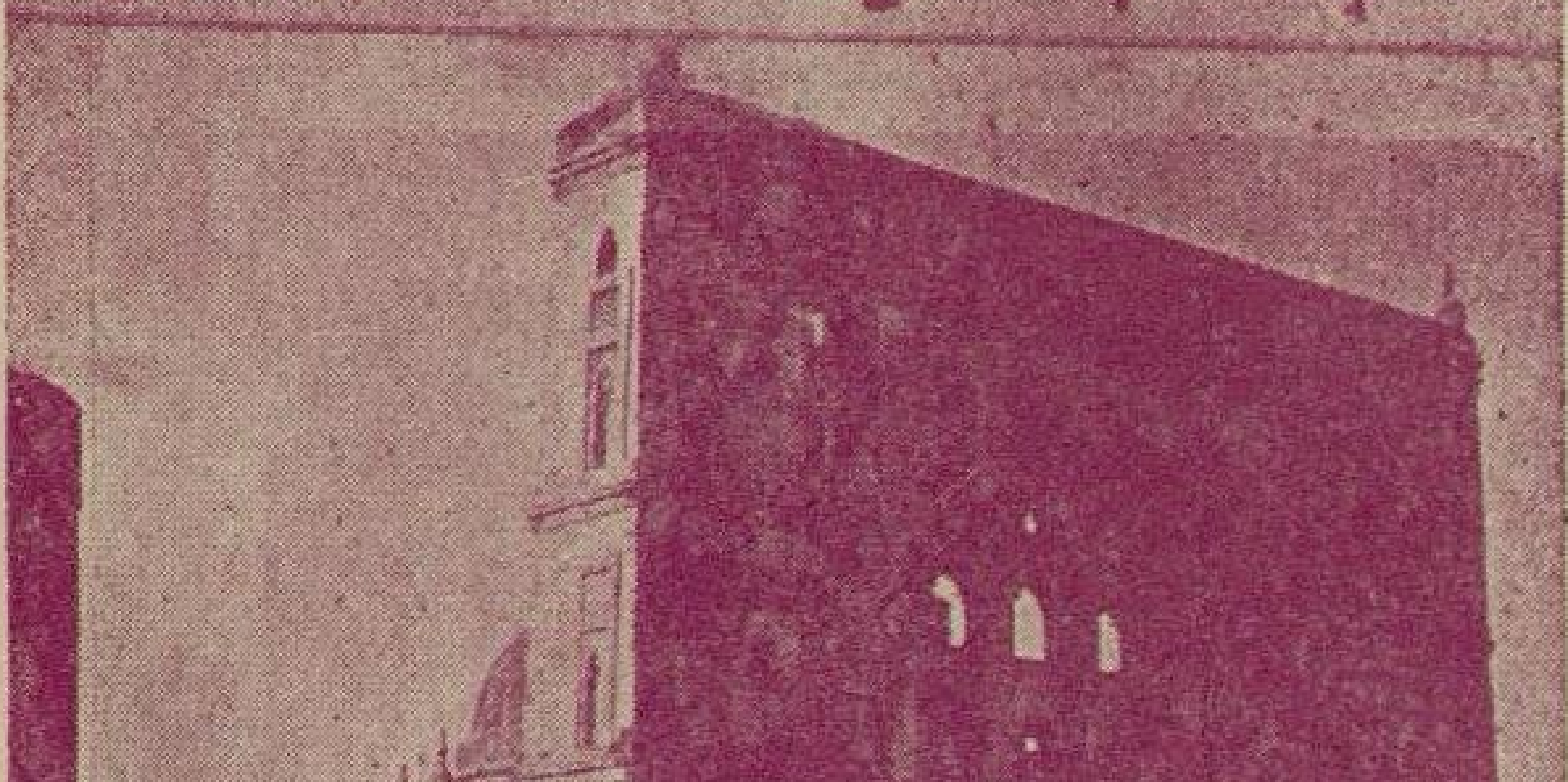
(۴) پرسی براؤن نے سنہ ۱۴۷۰ء پر زور دیا ہے جو اختتام تعمیر کی تاریخ

---

[۱] غرابت نگار ۱۴۶ تجلیات العارفین قلمی

عکس "الجامع الشرق" تعمیر کردہ حسین شاہ





الجامع المشرق کا دوسرا منظر

ہو سکتی ہے۔

(۵) ڈاکٹر ڈلیین نے بھی حسین شاہ کی تعمیر ۸۷۰ھ ۱۴۶۵ء ہی تجویز کیا ہے۔

(۶) جغرافیہ جونپور نے آغاز ابراہیم شاہ کے ہاتھوں ۸۴۲ھ اور تکمیل حسین شاہ شرقی نے کی ہے۔

اصل حقیقت تک پہونچنے کے لئے ابراہیم شاہ شرقی کے عہد سے لیکر حسین شاہ شرقی کے زمانے تک تاریخ کا پورا جائزہ لینا ضروری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مسجد کی بنیاد ابراہیم شاہ کے نقشے کے مطابق اسی زمانہ میں رکھی گئی تھی جسکا تکملہ بعض وجوہ کی بنا پر محمود شاہ کے زمانے میں نہ ہو سکا۔ مگر اس عالیشان مسجد کی تعمیر جاری رہی حسین شاہ نے اپنے عہد میں اسکی تکمیل کی ہے۔

یہ مسجد بہت ہی وسیع، کشادہ اور بارعب ہے۔ اس کا دکھنی دروازہ زمین کی سطح سے ۲۰ فٹ بلندی پر ہے جہانتک پہونچنے کے لئے ۲۷ زینے طے کرنے پڑتے ہیں۔ دکھنی پھاٹک اتنا شاندار اور بارعب ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دیکھنے والوں کو ابھی پیس ڈالے گا۔

اسکے اندرونی صحن کی وسعت ۲۱۹ × ۲۱۷ فٹ ہے اور ہر رخ کے درمیان میں ایک پھاٹک ہے۔ پورب کا پھاٹک سکندر لودی نے مسمار کر دیا ہے اس مسجد کا پورا گھیرا ۳۲۰ فٹ پورب پچھم ہے اور ۳۰۷ فٹ اتر دکھن ہے اور باہری دالان کی سطح کے نیچے دو کانوں کی قطاریں ہیں۔ اس مسجد کے پشت کونے کے گھاؤ کو چھوڑ کر ۲۳۵ × ۵۹ فٹ ہے۔ اس میں پانچ قطعات ہیں اور ہر طرف درمیان میں ایک روم ہے جو ۳۹ ½ مربع فٹ میں ہے۔ اور چھوٹے کھمبوں کے کمرے ۲۵ × ۴ اور ۴۴ × ۷ فٹ کے ہیں۔ جس کے گرد زنانی گیلری اور اسکے بعد بلند کمرہ ۴۹-۳ × ۳۹-۷ فٹ کا ہے جس کا

رخ اتر سے دکھن کی طرف ہے۔ سب سے اونچا ستون ۸۴ ۱/۲ فٹ بلند ہے۔ درمیانی محراب جو اس سے ملا ہوا ہے وہ زمین سے ۷۲ فٹ بلند ہے جو دائیں بائیں جالی سے ملے ہوئے ہیں۔ ان میں سے اوپر کو راستہ جاتا ہے۔ گنبد ۷۲ ۱/۲ فٹ بلند ہے۔ اور بالکل ہی پتھر کا بنا ہوا ہے جو ۳ فٹ کا موٹا ہے۔ دائیں بائیں کمروں کی مناسبت برابر ہے۔ اور خوبصورت گنبد میں تھمپی حصہ کو جہاں ختم کیا گیا ہے ۵۸ فٹ اونچا اور ۷۷ فٹ چوڑائی میں بنایا گیا ہے۔ اس عالیشان عمارت کے بازوؤں میں محرابی ستون ہیں جس پر سے دو بڑے ہال کو دیکھا جا سکتا ہے۔ جس کا سلسلہ اندرونی حصے سے ہے۔ اس ہال کا اندرونی حصہ ۳۸ فٹ قطر میں ہے جو مسجد اٹالہ سے بڑا ہے۔ ۵۱

مرکزی محراب بڑا ہیبت ناک اور وسیع ہے جس میں پچیکاری اور جالی کا کام نہایت صفائی سے کیا گیا ہے اور طرح طرح کی مصری طرز کی بیلوں اور پھولوں سے مزین ہے جو شرقی عمارتوں کا خاصہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مسجد اپنے حسن و جمال کے لحاظ سے جونپوری صناعی کی معراج ہے۔ اس میں نہایت حسین جھنجریاں اور جالیاں ہیں جو نزاکت میں اپنا جواب نہیں رکھتیں اور دیکھنے والا ان کے بنانے والوں کو یاد کرتا ہے۔

وسطی ہال سے ملحق گنبد کی وضع کمرخی یعنی پہلدار ہے۔ درمیانی ہال کے دونوں طرف جسکا سلسلہ کھلے ہوئے محرابوں سے ہے۔ یہ حصہ بھی مضبوط ستونوں پر قائم ہے جو دور تک پھیلا ہوا ہے اور دوسری منزل سنبھالے ہوئے ہے جس میں جالیدار پتھر سے کمرہ بنایا گیا ہے۔ ۵۲

---

۵۱ گزیٹر جونپور۔ پرسی براؤن ۵۲ تاریخی جائزے۔ گزیٹر جونپور

یہ کمرہ عورتوں کے لئے مخصوص تھا۔ مگر اسکی بناوٹ میں کاریگروں نے دوسری عمارتوں سے بالکل علٰحدہ شکل دی ہے۔ دونوں جانب کاریگروں نے ایک مضبوط کمرہ ۲۵ فٹ لمبا ۴۰ فٹ چوڑا قائم کیا ہے۔ جس کی اونچائی ۴۵ فٹ ہے۔ اسکے محرابی راستوں سے روشنی آتی ہے جو صحن کے رُخ پر کھلے ہوئے ہیں اور اسکے مقابلہ میں تین محراب اندرونی دیوار میں ہیں۔ چھت کا ڈیزائن بڑا انوکھا ہے اور بڑا وسیع ہال ہے۔

پرسی براؤن نے اس مسجد کی بہت تعریف کی ہے۔ لکھا ہے کہ "اس جامع مسجد کو دیکھنے میں ایک دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ کسی ستون پر جو کسی جہت سے قائم کئے گئے ہیں کوئی بوجھ نہیں ہے۔ اور اندرونی حصہ میں ایک ایسی کھلی ہوئی جگہ نکالی ہے جو کسی دوسری ہندوستانی عمارت میں نظر نہیں آتی اور یہ ہرگز معمولی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح کی ایک اور مسجد میں بھی کوشش کیگئی تھی جو بنگال میں مسجد آدینہ کے نام سے تھی۔ وہ اسکے سو سال پہلے بنائی گئی تھی۔ مگر چونکہ وہ اینٹوں سے بنی تھی اس لئے گر گئی۔ میرے خیال میں شاید ہی کسی مسجد میں ایسی صنعت اور ایسا سامان ملیگا۔"[۱]

اس مقام پر یہ بات سوچنے کی ہے کہ یہ مسجد جس زمانے میں تعمیر ہوئی ہے اسوقت اتنے بڑے بڑے پتھروں کو اوپر لیجانے اور انکو صحیح مقام پر بٹھانے کیلئے نہ مشینیں تھیں اور نہ دوسرے ذرائع تھے۔ آج اس مشینی دور میں بھی اسے دیکھنے والا حیرت میں پڑجاتا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ کتنے ذہین اور فنِ تعمیرات پر کامل عبور رکھتے تھے۔ پرسی براؤن نے اس مقام پر اپنے خیال کا اظہار

۱؎ پرسی براؤن۔

کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"بنوانے والے نے تعمیر شروع کرنے سے پہلے چالیس فٹ آر پار حدود گھیر کر کونوں پر چار گھاؤ قرار دیئے اور اندر باہر دو دیواریں گھومتی ہوئی ہر کونے تک پہونچا دیں۔ اس ترکیب نے مسجد کو وسط میں ہونے اور اپنی ساخت کے مطابق اترنے میں بہت مدد دی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مسجد پتھر کے خالص ٹکڑوں کی مدد سے ایسی مستحکم اور شاندار بن کر تیار ہو گئی جیسا سوچا گیا تھا اور ظاہر ہے اس وزن کو سنبھالنے کیلئے اتنی مستحکم بنیاد بھی قائم کی گئی ہوگی۔" [۱]

پرسی براؤن نے اس مسجد کے ایک خاص نقص کی طرف بھی توجہ دلائی ہے انکے خیال میں اگر اسکو ۱۰ فٹ لمبائی اور مل جاتی تو فن تعمیر کے ہر نکتہ نظر سے یہ عمارت مکمل تھی۔ مگر اسکے باوجود ہر دیکھنے والا اس عمارت کی ساخت اور رعب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس مسجد کے اختتام پر شرقی فن تعمیر ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے جسکی یادگار جونپور میں باقی رہ جاتی ہے جونپور میں مسجد اٹالہ شرقی دور کے فن تعمیر کی سنگ بنیاد اور آغاز ہے۔ اس لحاظ سے آغاز و انجام پر نظر رکھتے ہوئے دونوں مسجدوں کا اگر تقابل کیا جائے تو بہت مفید نتیجہ برآمد ہوگا۔

دونوں مسجدوں کی تعمیر میں ۵۰ سال کا وقفہ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جن کاریگروں نے اٹالہ مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا ہوگا وہ شاید ہی اس مسجد کی

---

[۱] پرسی براؤن رپورٹ

تعمیر کے وقت زندہ رہے ہونگے۔ مسجد کی سجاوٹ اور مصری طرز کے نقش و نگار مرکزی محراب کی گولائی۔ اور رعب و جلال۔ کنول اور سورج مکھی پھولوں کی صناعی اور طرح طرح کی جالیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فن نے اس مدت میں کافی ترقی کرلی تھی اور جہانتک اسکی ساخت کی طرز کو بہترین کہنے کا تعلق ہے وہ قطعی ہے کہ ہندوستان میں اس طرز کی خالص پتھر کی عمارت شرقی فن کا انوکھا شاہکار ہے۔ معماروں کی دست کاری اور اسکے ناظم و افسر تعمیرات کی رائے سے ظاہر ہے کہ انھوں نے بڑی بڑی پتھر کی شہتیروں چٹانوں اور بندھنوں سے ایک ایسی عمارت کھڑی کردی ہے جو اپنا آپ نظیر ہے۔ اور جسکا ہندوستان میں جواب نہیں۔ اگر اس عمارت کو پچھلے حصے سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمالیہ کی آہنی دیوار کھڑی ہے جس پر دست قدرت نے حسین برجیوں اور گنبدوں سے گلکاریاں کی ہیں۔ اس حصہ کو دیکھکر ایسا رعب طاری ہوتا ہے کہ دیکھنے والا محو حیرت ہوکر سب کچھ بھول جاتا ہے۔ عمارت حسین ہونیکے ساتھ بہت ٹھوس اور مضبوط بھی ہے۔ اسکی تعمیر میں شرقی اور راجپوت آرٹ ہر حصہ سے نمایاں ہے جو یہی نہیں بلکہ ہندوستان کی ہر عمارت کا خاصہ رہا ہے۔ [ا]

پرسی براؤن اسکی بناوٹ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"جو جانفشانیاں کاریگروں نے اسکی تعمیر میں اٹھائی ہیں وہ ایک دیکھنے والے پر ضرور ایک اثر پیدا کرتی ہیں۔ یہ طریقۂ تعمیر شرقی دور کی تعمیر تک محدود رہا۔ خصوصاً جونپور کی مسجدوں تک جسکا اثر اس زمانے میں باہر کی عمارتوں پر بھی پڑا جیسا کہ اٹاوہ

[ا] گزیٹر جونپور۔ پرسی براؤن۔ شرقی منومنٹ

اور قنوج کی مسجدوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔"

جونپور کی مسجدوں کے ستون اور مرکزی مصری طرز کی محرابیں ہیں جو گنبدوں کو ڈھانک لیتی ہیں شرقی طرز کی اہم خصوصیت اور کنجی ہے جو ہندوستان کی دوسری مسجدوں میں نظر نہیں آتی۔ جانی مارشل نے شرقی طرز کی محرابوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ مسجدوں کی شان وشوکت کو دوبالا کرتی ہیں اور عبادت خانوں کو زیادہ پراثر بناتی ہیں۔"

ان مساجد کے خالق واقعی صد ستائش ہیں کہ انھوں نے اپنے جدید طرز کا اتنا اچھوتا اتنا مکمل اور حسین اور ناقابل نقل طریقہ اپنایا۔ جس سے ان مساجد میں ایک انوکھا پن ظاہر ہوتا ہے۔

وی۔اے۔اسمتھ کی رائے ہے کہ:۔

"جونپوری فن تعمیر میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تغلقی عمارت کی جسامت اور خدوخال وسطوت بدرجہ اتم موجود ہے لیکن یہ درست ہے کہ دہلی کی عمارت کی سادگی جونپوری مسجدوں میں نہیں ہے۔ نسبتاً زیادہ سجاوٹ اور جاذبیت کی حامل ہیں۔ اسکی اصل وجہ ہندو اور اسلامی طرز تعمیر کی آمیزش ہے جس کا نمونہ جونپوری مسجدیں ہیں۔"

یہ بات دیکھنے ہی سے ظاہر ہوتی ہے کہ شرقی مساجد تغلق اور مغل مسجدوں سے کہیں زیادہ آراستہ اور سجاوٹ سے بھرپور ہیں باوجود اسکے کہ ان مسجدوں میں سنگ سیاہ، سنگ موسیٰ۔ سنگ سرخ اور طرح طرح کے حسین وجمیل پتھروں کا بالکل استعمال نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اس سجاوٹ اور محراب کے طرز کو دیکھکر لکھا ہے کہ اسکی غلام گردش مندروں کا حصہ تھیں جن کو خوبصورتی سے مسجدوں میں تبدیل کر دیا

گیا ہے۔ مگر یہ بات غلط ہے اور شرقیوں کے طرز تعمیر و ذوق و شوق پر کامل عبور نہ رکھنے کا نتیجہ ہے جسکی تردید ڈاکٹر لیبین اور فرگوسن کے بیان سے ہوتی ہے۔ فرگوسن اسکے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔ ؎۱

"جونپور کے طرز تعمیر میں ہندو مسلم امتزاج کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شرقی حکمرانوں نے اپنی تعمیرات میں ہندو معماروں سے کام لیا۔ اسکے علاوہ نومسلم کاریگروں نے بھی جونپوری تعمیرات میں حصہ لیا۔ اور یہ لوگ وہ تھے جو اپنے قدیم فن اور روایات کو نہیں بھولے تھے۔"

فرگوسن کے بیان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تجلیات العارفین قلمی میں چند ہندو کاریگروں کے نام دیے ہیں اور لکھا ہے کہ فن سنگتراشی میں ہندو معماروں کا پایہ بہت بلند تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اتنی بڑی عظیم القامت عمارت جو خالص پتھروں کی چٹانوں سے بنی ہے اور جس کو محراب دار ستون بلا کسی لاگ اور سہارے کے اٹھائے ہوئے ہیں گہری معلومات کو دخل ہے اور یہ امر طے شدہ ہے کہ اس میں ماہر فن کاریگروں اور نقشہ نویسوں کی خدمات حاصل ہوئی ہونگی تب اس میں یہ خصوصیات پیدا ہوئی ہیں۔ آخر میں فرگوسن نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ ؎۲

"اسکے ستون اپنے محرابوں کے ساتھ اپنا خود نمونہ ہیں۔ اور قدیم نفسیات کا وہ زمانہ پیش کرتے ہیں جو اسلامی ترقی کے دور سے

؎۱ گزیٹر جونپور۔ تاریخی جائزے۔ پرسی براؤن۔ جان مارشل۔ ڈاکٹر فرگوسن۔
؎۲ فرگوسن۔ تاریخی جائزے۔

بہت قریب رہا ہے ۔ اس مسجد کے قلعے کے دروازے جیسی سادگی ایک وقت کی یاد دلاتی ہے کہ ایک زمانہ میں اسلام فوجی نظام تھا اور جہاں کہیں اسکی چھاونیاں تعمیر ہوتی تھیں تو زیادہ تر شروع کے زمانے میں تو مسلمانوں کو احکامات حاصل کرنے کے سلسلے میں ان چھاونیوں کو ٹھوس اور مضبوط دیواروں میں پناہ لینی پڑتی تھی ۔ قلعے انکے مشقی گھر ہو جاتے تھے اور انکے دروازے ان کی پناہ کا مضبوط ذریعہ۔ ؎ا

مگر آج مسلمانوں نے اپنے ماضی کی تاریخ کو بالکل فراموش کر دیا۔ مسجد و نکا اصل مصرف تو درکنار نمازیوں کا بھی پتہ نہیں ان کی حفاظت اور مرمت میں بھی وہ جذبات نہیں جن سے اسلامی شان عیاں ہو۔

اسکے اندرونی محراب پر عربی کا کوئی ایسا شاندار کتبہ نہیں ہے جو قابلِ ذکر ہو۔ اتری پھاٹک کے چند فٹ کے فاصلے پر بہت بڑی خانقاہ تھی جو اب گر کر مسمار ہو گئی ہے ۔ البتہ اسکے کچھ حصے باقی ہیں جن میں کچھ لوگ رہتے ہیں جو اپنے کو شرقی خاندان کا بتاتے ہیں ۔

خانقاہ سے ملا ہوا ایک پختہ قبرستان ہے جس میں تمام شاہان شرقیہ دفن ہیں ۔ مسجد کی اندرونی حالت اچھی ہے ۔ مرمت وصفائی ہوتی رہتی ہے لیکن بعض باتیں ایسی ہیں جو اس مسجد کے لئے مناسب نہ تھیں جیسے اندر پوربی پھاٹک سے متصل دو کوٹھریوں میں بیت الخلا کا ہونا اور باہر پوربی گیٹ کے اتر طرف سیڑھی کے چوکے پر قطار سے پیشاب خانہ بنانا ۔ یہ چیزیں شاہانِ شرقی

؎ا پرسی براؤن ۔ گزیٹر جونپور ۔ شرقی منومنٹ

کے منشا کے خلاف اور اس مسجد کی عظمت پر بدنما داغ ہیں۔ باہری حصّے میں جو دو کان نما دالانیں ہیں اس میں کرایہ دار آباد ہیں۔ مگر منتظمین نے آباد کرنیکے وقت مسجد کی عظمت اور صفائی کا بالکل لحاظ نہیں کیا۔ جو بھی آیا اسی کو دیدیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس مسجد کی شان و شوکت اور عظمت کا لحاظ نہیں کیا۔ ہر کرایہ دار نے مٹی کی بدنما دیواریں گھیر لی ہیں اور نرکٹوں کی ٹٹیاں لگالی ہیں بھینس اور بیل باندھے جاتے ہیں جو اسکے اندر گندگی پھیلاتے ہیں۔ باہری برآمدے کی دیواریں غلیظوں سے آلودہ ہیں۔ مسجد کے چاروں طرف کوڑا کرکٹ کا ڈھیر ہے اور گندہ بدبودار پانی بہ رہا ہے۔ بہت ہی ناگفتہ بہ حالت ہے۔ مگر بدمذاقی کا یہ عالم ہے کہ منتظم صاحب کو ذرا بھی احساس نہیں۔ مسلمانوں کو فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ اندرونی حصے میں خام صحن پر درختان نصب ہیں جو مسجد کے حسن میں اضافہ بھی کرتے ہیں اور سایہ کا کام بھی دیتے ہیں مگر بعض ایسے بیکار درخت لگائے گئے ہیں جن سے مسجد کا شاندار حسین مرکزی محراب چھپ جاتا ہے۔ اور سیاحوں کو مسجد کا فوٹو لینے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ درختوں کے نصب کرنے میں سلیقہ سے کام نہیں لیا گیا ورنہ اتنی بے قاعدگی اور بے ترتیبی نہ پیدا ہوتی۔ اور مسجد کا حسن بھی دوبالا ہوجاتا۔

حاجی منشی امام بخش صاحب مرحوم نے اس مسجد کی مرمت کے سلسلے میں وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جو رہتی دنیا تک یادگار رہیگا۔ حضرت مولانا کرامت علی صاحب ملاٹولہ و حضرت مولانا سخاوت علی صاحب محلہ قضیانہ کے سر اس مسجد کی آبادی اور صفائی اور تعلیم قرآن کا سہرا ہے جنکی کوششوں سے یہ مسجد پھر سے آباد ہوئی اور نماز و اذان ہونے لگی۔ یہ مدرسہ قرآنیہ جس کے مہتمم مولوی ایوب صاحب ہیں مولانا سخاوت علی صاحب کا قائم کردہ ہے اور آجتک

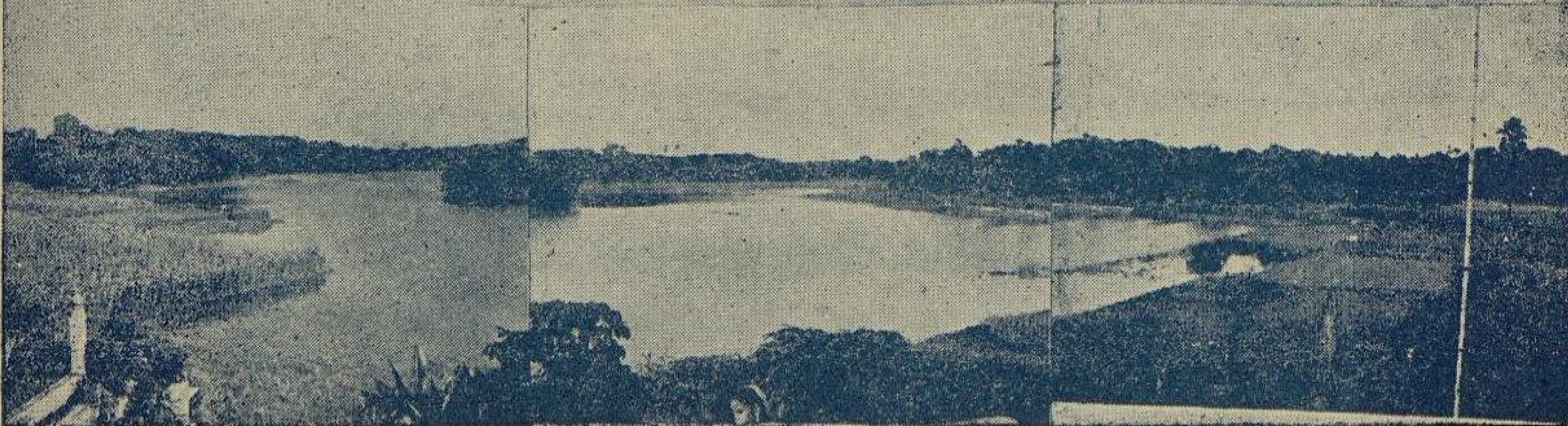
اپنے کام کو بحسن و خوبی انجام دے رہا ہے۔

روشن محل جنّت محل

بہت سی شرقی عمارتیں ایسی تھیں جن سے جونپور کی رونق تھی۔ ان میں خصوصیات کے ساتھ شاہی محلات تھے۔ کافی عرصہ گذرا کہ وہ سب گر کر خاک کا ڈھیر ہو گئے اور محض تودۂ خاک ہے۔ شرقیوں کی مسجدیں دیکھکر انکے ذوق تعمیر پر پوری روشنی پڑتی ہے کہ انکے محلات کس قدر پرشکوہ اور عظیم الشان رہے ہونگے۔

ہم کو شرقیوں کے کئی محلات کے نشانات ملتے ہیں۔ ایک شاہی محل قلعہ کے اندر تعمیر کیا گیا تھا جو چہل ستون پر مشتمل تھا۔ دوسرا ابیراج پور میں خواجہ جہاں نے بنوایا تھا اس ٹیلے پر جہاں آج پیر دمک شاہ کا مزار ہے۔ اسکے آس پاس دور تک پختہ دیواروں اور پختہ گچ کے نشانات آج بھی ملتے ہیں۔ مگر اسکی تفصیل نہیں ملتی کہ وہ کس قسم کے تھے۔ تیسرا بی بی راجے کی بدیع منزل جسکو مسجد کے دکھن میں کہا جاتا ہے اس کا کچھ تفصیل سے ذکر ملتا ہے۔ چوتھا جنّت محل جو بدیع منزل سے متصل پورب طرف خاص حوض پر تھا۔ پانچواں روشن محل جو محل سرا کا نام تھا جو جنت محل سے پورب و دکھن خاص حوض پر تھا گزیٹر جونپور نے بھی شرقیوں کے محلات کی نشاندہی خاص حوض پر کی ہے مگر کوئی تفصیل نہیں ملتی البتہ جنت محل۔ روشن محل اور بدیع منزل کی کچھ تفصیل ملتی ہے مگر یہ امر طے شدہ ہے کہ شرقیوں کے محلات خاص حوض ہی پر تھے جسکو سکندر لودی نے بڑی بے دردی سے مسمار کرایا ہے شرقیوں کے عہدِ حکومت میں ساری آبادی اسی طرف تھی اور قلعہ شاہی کے قرب میں محض زیادہ تر فوجیں رہتی تھیں۔ جن کا سلسلہ محلہ سپاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے بھی شاہی محل کا اسی طرف ہونا قرین قیاس ہے۔ ابراہیم شاہ

خاص حوض کا ایک منظر جہاں شاہان شرقیہ کے محلات بدیع منزل۔ جنت محل۔ اور روشن محل تھے۔



شرقی نے شہر کے اتر و پچھم کے ٹیلے پر جو ۳۰ یا ۴۰ فٹ بلند تھا اور بدھوں کے زمانے کا مسمار شدہ تھا بہت بڑا محل تعمیر کرایا اور اس کا نام جنت محل رکھا۔ سلہ

اسی سے متصل پورب و دکھن کی طرف محل سرا تھی جسکا نام روشن محل تھا اس عمارت میں عجیب و غریب فنکاری کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ ان محلات کے وسط میں ایک خوشنما بڑا حوض تھا جو اتنا گہرا تھا کہ خود بخود پانی کے فوارے اُبل رہے تھے۔ اس حوض کی خوبی بیان نہیں کی جاسکتی۔ اسکو سنگ سرخ سے ایسا مزین کیا تھا اور صفائی پیش کی تھی کہ ایک کھِلا ہوا پھول معلوم ہوتا تھا۔ ہر وقت حوض پانی سے لبریز رہتا تھا۔ جب پانی لہراتا تھا تو تمام بیل بوٹے ہلتے دکھائی دیتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ حوض کیا ہے ایک جنت کا خوشنما باغ ہے۔ جسمیں گلہائے رنگا رنگ کھِلے ہوئے۔ مکین کو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ ان محلات کا سلسلہ بدیع منزل لعل دروازہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس محل کا دروازہ

سلہ سلاطین جونپور میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ "ہر محل ایک دوسرے سے تقریباً سو ڈیڑھ سو قدم کے فاصلہ پر حوض کے اردگرد واقع تھا جو ۳۰ ایکڑ اراضی کے رقبے میں تھا۔ حوض کے چاروں طرف گھاٹ مردانہ و زنانہ الگ الگ بنائے گئے تھے۔ اس حوض کے دکھن و پورب جانب ایک شاہی محل تھا جو روشن محل مشہور تھا اور محل سرا کا نام جنت محل تھا۔ اس محل کو بہت زیادہ سجایا گیا تھا اور سب سے پہلے اسکی تعمیر ہوئی تھی۔ محل کے صدر دروازے پر ایک قمقمہ کا لیمپ نصب تھا جو مصالحہ سے خود بخود روشن ہو جاتا تھا۔ ابراہیم شاہ نے ان محلات کی تعمیر محمد خاں معمار کی نگرانی میں کرائی تھی جو بوقت غلبہ امیر تیمور دہلی سے جونپور آئے تھے۔ (ص ۲۴-۲۵)

پورب طرف بہت ہی بلند اور وسیع تھا جسکا چہرہ پچیکاریوں اور لعل و جواہر سے روشن تھا۔ دروازے کے اوپر بلندی پر ایک گھنٹہ اور ایک بہت بڑا روشنی کا لیمپ نصب تھا۔ گھنٹہ بجانے کیلئے ایک فوجی دستہ متعین تھا جو دور دور تک ہر خطرے کی نگرانی کرتا تھا۔ شام ہوتے ہی محل کے صدر گیٹ کا لیمپ خود بخود روشن ہو جاتا تھا جسکی روشنی کہتے ہیں کہ دور دور کئی میلوں پہونچتی تھی [1]
ودّیا پتی نے کیرت لتا میں ابراہیم شاہ کے روشن محل کا نقشہ اس طور پر کھینچا ہے :۔

"دربار خاص روئے زمین پر آپ اپنی مثال تھا۔ وہاں غربا بھی بادشاہ سے اپنی عرضداشت کرتے تھے۔ وہاں امن و سکون تھا۔ دنیاوی خوف کا پتہ نہ تھا۔ وہاں دشمن اور دوست سب سر نیاز خم کرتے تھے۔ وہاں ہر شخص اپنی قسمت کا لکھا ہوا نیک و بد پاجاتا تھا۔ یہ بادشاہ (ابراہیم شاہ) سب لوگوں سے اوپر تھا۔ اس کے اوپر صرف خدا تھا۔ محل کے بیچ کے دروازے پر صدر درگاہ۔ مسجد۔ حمام۔ باورچی خانہ اور پانی کی سبیل اور اسلحہ خانہ وغیرہ دیکھکر سب کہتے تھے بہت اچھا ہے۔ معلوم ہوتا تھا صناع عالم آج تک اسی صنعت میں مصروف تھا۔ ان محلوں میں ہیرا جڑے ہوئے کلس بھی آراستہ تھے جنکی پیشانی پر سورج کے رتھ کو لیکر چکر کاٹتے ہوئے ستائیس [2] گھوڑو نکی

---

[1] گزیٹر جونپور۔ شرقی منومنٹ صفحہ ۲۰-۳۱۹۔ تجلیات العارفین قلمی صفحہ ۴۲-۴۳۔ سلاطین جونپور قلمی۔

اٹھائیس ٹاپیں بجتی تھیں محل کی تزئین و آرائش طرح طرح کے گلدستوں، فواروں، قدآدم جلی آئینوں اور دل آویز مرقعوں سے کی گئی تھی جسکا سچا حال واقفکاروں سے پوچھ کر معلوم کرلیا۔ اندر کی بات کون جانے۔ ۵۱

بدیع منزل

محلہ پورانی بازار سے جو سڑک لال دروازہ کو جاتی ہے اسکے اور صدر امام باڑہ کے درمیان جہاں آج کل غازیخاں کا کنواں ہے اسکے دکھن جانب ایک نہایت پر تکلف مکان سنگین دلچسپ جسمیں رنگا رنگ کے نقش و نگار جواہرات سے بنائے گئے تھے بدیع منزل کے نام سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس سے متصل محل سرا اور شاہی محلات شاہان شرقیہ کے تھے جو نہایت بلند و عالیشان تھے اور اپنی صنعت تعمیری کے لحاظ سے عجوبہ روزگار خیال کیے جاتے تھے۔ اس میں دو دروازے تھے ایک دروازے کا رخ پورب خاص حوض کی جانب تھا۔ دوسرا صدر دروازہ تھا۔ جو اتر کے رخ پر تھا یہ لال پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ لال پتھروں کا دروازہ ہونے کی وجہ سے اس محلہ کا نام لال دروازہ پڑ گیا تھا اور آجتک اسی لال دروازے کے نام سے یہ محلہ آباد ہے۔ لیکن حسین شاہ کے شکست کھانے کی وجہ سے انکے دشمن سلاطین لودیوں نے بر بنائے بغض و عناد ان محلات کو مسمار کرکے خاک کا ڈھیر کردیا۔ اور اب اس عمارت کا کوئی نشان باقی نہیں ہے محض ایک تودۂ خاک ہے۔ ۵۲

جامع مسجد مچھلی شہر

مچھلی شہر کی یہ جامع مسجد حسین شاہ شرقی کے

---

۵۱ کیرت لتا ص ۵۳-۵۱

۵۲ تجلی نور حصہ سوئم قلمی

عہد میں تعمیر ہوئی ہے۔ مچھلی شہر کا مولوی خاندان اصل باشندہ عرب کا تھا وہاں سے وہ لوگ غزنی (افغانستان) اور وہاں سے قاضی نظام الدین ہاشمی دہلی آئے۔ امیر تیمور کے حملے کے بعد آپ مع اہل و عیال ابراہیم شاہ شرقی کی قدر دانی کا شہرہ سنکر جونپور تشریف لائے۔ یہاں پر سنہ ۱۴۱۷ء میں آپ مچھلی شہر اور گھسوہ میں قاضی کے عہدے پر مامور کیے گئے۔ یہ جامع مسجد دراصل آپ ہی کے وقت کی تعمیر شدہ ہے اور شرقی دور کی ایک چھوٹی موٹی یادگار ہے مسجد کی بناوٹ سے بھی شرقی عہد کا پتہ چلتا ہے لیکن بعد کے زمانہ میں کچھ ترمیم و تنسیخ بھی ہوئی۔ اس میں اندر کوئی مرکزی محراب نہیں ہے حالانکہ یہ محراب شرقی مسجدوں کا خاصہ ہے۔ اس کا صدر گیٹ اتر طرف ہے جو بعد کا تعمیر شدہ ہے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اندر باہر کے رخ پر قدیم زمانے کا ایک کتبہ تھا جو ضایع ہو گیا۔



مسجد کے اندر کچھ بھی حسن و جمال نہیں ہے اور نہ دوسری شرقی مسجدوں کی طرح جاذبیت و کشش ہے۔ سادگی کو بہت زیادہ دخل ہے جس سے بنوانے والے کی طبیعت اور مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ اسکے قرب میں بعد کو اور مسجدیں بھی تعمیر ہوئیں۔ قرب و جوار میں کثیر مساجد کیوجہ سے سب ویران اور غیر آباد ہو رہی ہیں۔ یہ مسجد مولوی محمد عمر صاحب جعفری کے زیر اہتمام ہے جو اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسجد کی اگر مناسب دیکھ بھال اور مرمت ہوتی رہی تو شرقی یادگار ایک عرصہ تک باقی رہیگی۔

قلعہ فیروز شاہی جونپور

اس قلعہ کی تعمیر فیروز شاہ تغلق نے جونپور کی آبادی کے ساتھ ۱۳۶۲ء میں کی ہے اس سے متصل زمانہ قدیم میں بھروں کا مندر کرار بیر تھا اور یہ بھروں کی کوٹ تھی اسی مناسبت سے قلعہ کرار کوٹ اور محلہ مشہور ہے۔ قلعہ کی موجودہ شکل و وسعت بتاتی ہے کہ اسکی تعمیر میں کافی عرق ریزی اور فنکاری سے کام لیا گیا ہوگا۔ چونکہ قلعہ میں مختلف وقتوں میں تبدیلیاں ہوتی رہیں اسوجہ سے اصلی شکل باقی نہ رہی۔ شرقی بادشاہوں نے اس میں مصری طرز کی مسجد اور ایک ترکی حمام تعمیر کرایا۔ ایک اور عمارت چہل ستون کی ابراہیم شاہ شرقی نے بنوائی تھی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ قلعہ کی تعمیر میں پتھر کرار بیر مندر ظفر آباد اور بنارس سے بھی لائے گئے تھے۔ اس قلعہ کا صدر پھاٹک ۲۶ ½ فٹ بلند ہے اور ۱۶ فٹ چوڑا ہے اور دوسرا پھاٹک بھی بہت شاندار ہے یہ پھاٹک ۴۷ فٹ اونچا ہے۔ اوپر عالیشان گنبد ہے۔ اس کا ایک حصہ محرابی اور دوسرا کاشانی فن تعمیر سے تعلق رکھتا ہے جس میں مختلف رنگوں سے پچیکاری کی گئی ہے۔ دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے کہ اتنا زمانہ گذرنے کے بعد بھی اسکی چمک دمک باقی ہے۔

سب سے پہلے سکندر لودی نے قلعہ کے اندر کی عمارات شرقیہ کو مسمار کر کے خراب کیا اور قلعہ کو بھی نقصان پہونچایا جسکی ہمایوں بادشاہ نے بابا جلائر بیگ کے ذریعے مرمت کرائی۔ اکبر بادشاہ نے بہادر خاں کی ماں کو اس قلعہ میں قید کیا تھا۔ جب اکبر بادشاہ جونپور سے ۱۵۶۴ء میں چلا گیا تو بہادر خاں کو موقع مل گیا۔ وہ قلعہ کا پھاٹک جلا کر اندر داخل ہوا اور ماں کو قید سے نکال کر فرار ہوگیا۔

اس قلعہ میں اکبر برابر آیا کرتا تھا اور جلوس بھی کیا کرتا تھا۔ جب

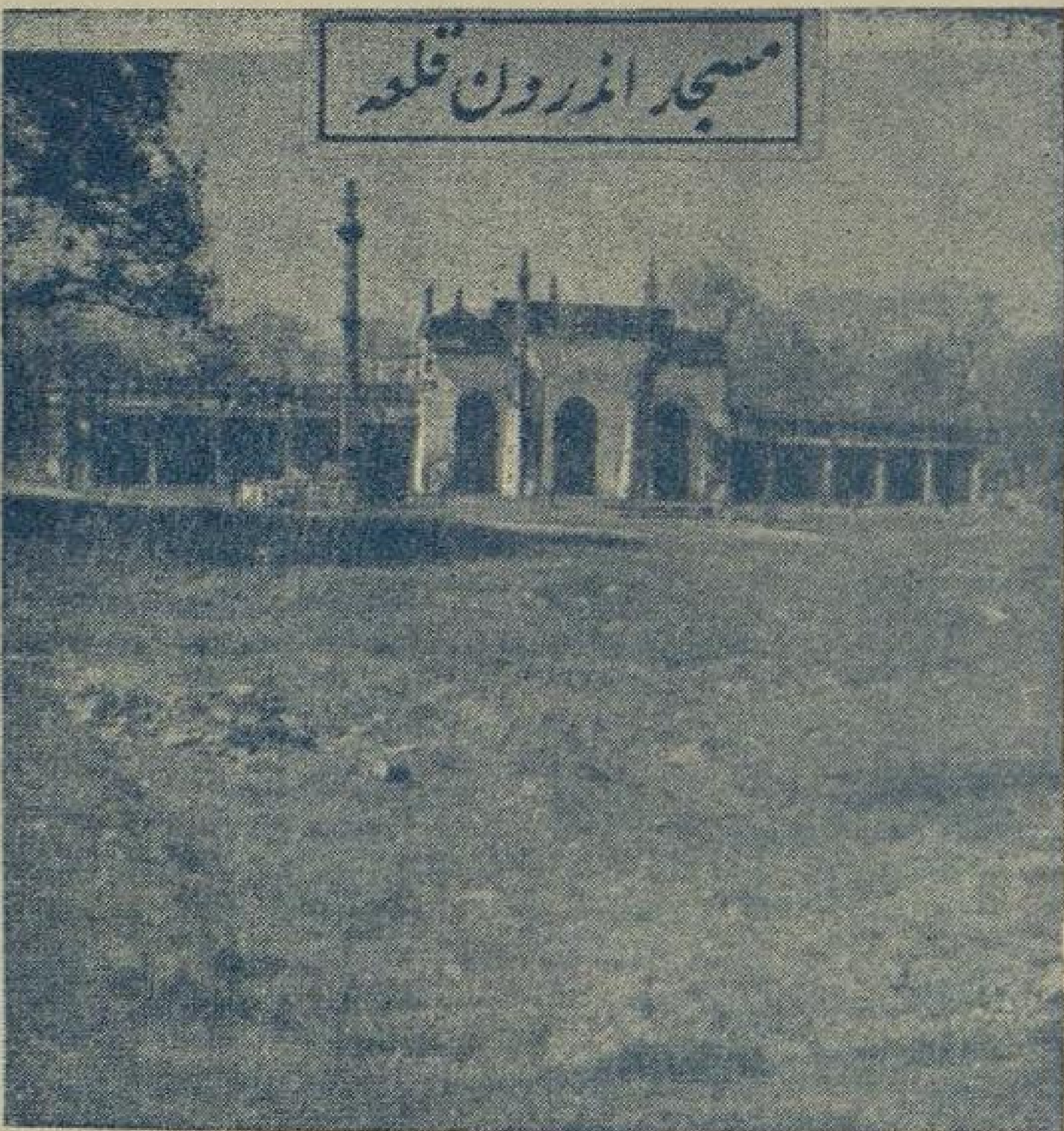
خان زماں علی قلی خاں کی بغاوت فرو ہوئی اور وہ مارا گیا اور جونپور کی نظامت منعم خاں خانخاناں کو ملی تو انھوں نے از سر نو قلعہ کی مرمت کرائی اور پچھم سے قلعہ کے دروازے کو تیار کرا کے دونوں طرف پورب سے تھوڑی دور تک ایک سنگی دیوار کھینچکر ایک دوسرا صحن تیار کرا کے تین دروازے تین طرف قائم کیئے۔ دوسرے دروازے کے متعلق جنرل کننگھم فرماتے ہیں کہ یہ بہت پرانا ہے اور شیر شاہ سور کا بنوایا ہوا ہے مگر کوئی تاریخی ثبوت پیش نہیں کرتے کہ شیر شاہ نے جونپور میں تعمیر کا کوئی کام انجام دیا ہو۔

بعہد سلطنت احمد شاہ جب نواب منصور خاں احمد خاں بنگش فرخ آباد کے یہاں سے بھاگا تو اس نے ممالک محروسہ خانخاناں پر اپنا قبضہ کر لیا اور اسکے حکم کے مطابق شیر زماں خاں نے جونپور کو اپنے قبضہ میں لاکر دروازہ قلعہ کو جلا کر اسکی دیواریں گرا دیں۔ راجہ بلونت سنگھ نے جب اس پر چڑھائی کی اور اسکو بھگا دیا تو پھر اسکے بعد قلعہ کی تعمیر کی طرف کوئی توجہ نہیں کیگئی۔ نواب شجاع الدولہ کے زمانہ حکومت میں قلعہ داران حبشی لوگ رہتے تھے۔ ان کی سکونت چہل ستون کے اندر تھی۔ اس لئے وہ محض اسکی مرمت کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب قلعہ داری راجہ چیت سنگھ کو دیگئی تو اسکی حالت اور بھی خراب ہوگئی۔ جب مسٹر ڈنکن صاحب بہادر، ریزیڈنٹ بنارس نے انگریزی عملداری کا عملدرآمد کیا تو انکا قیام بھی اسی چہل ستون کے اندر رہا۔ مگر مسٹر ابراہم ولنڈ صاحب بہادر جج جونپور کے وقت میں چہل ستون قلعہ سے کچہری ختم ہوکر پورب کی طرف دریائے گومتی کے اس پار قائم کی گئی جہاں اسوقت ہے۔

اس زمانے میں انگریزی ملازمین قلعہ کی عمارتوں کے کافی پتھر اپنے گھر لے گئے۔ آخر کار سرکار کی طرف سے سلاطین تغلق و شرقیہ کی یادگار محفوظ رکھنے


قلعہ فیروز شاہی


ترکی حمام اندرون قلعہ


مسجد اندرون قلعہ

کی طرف پوری توجہ ہوئی اور حفاظت کا مکمل انتظام کیا گیا

سنہ ۱۸۴۹ء میں مسٹر اومنی صاحب جب جونپور کے کلکٹر مقرر ہوئے تو انھوں نے اس قلعہ کی شان و شوکت کو ملاحظہ فرما کر یہاں کے رئیسوں اور زمینداروں کو اس کی خستہ حالت کی طرف متوجہ کیا اور اپنے جیب خاص سے بھی کافی رقم صرف کر کے بارہ دری و مکانات اور دیواروں کی مرمت کرائی اور صحن میں باغ لگایا اور اسکی حفاظت کے لئے ملازمین مقرر کئے یہ باغ انگریزی طرز کے مطابق طرح طرح کے پھولوں اور بیلوں سے مزین تھا صاحب بہادر شام کو خود اس باغ میں تشریف لاتے اور رؤسائے شہر بھی آتے۔ اسوقت ایک توپ بھی موجود تھی جو بارہ بجے دن کو روزانہ داغی جاتی تھی۔

صدر دروازہ سے متصل کوتوالی تھی اور شہر کو توال اور پولیس کا عملہ بھی اس میں رہتا تھا۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جب حکام ضلع بنارس سے آئے اور قلعہ میں قیام کے بعد خاص عمارت عدالت کلکٹری فوجداری کے گرد وپیش تیار کیا تو اس کی وجہ سے قلعہ کو عظیم صدمہ پہونچا اور سنہ ۱۸۵۹ء میں لفٹنٹ انجینیر نے دیوار چہل ستون و بارہ دری وغیرہ سب توڑ وادی صرف

سلہ اگر صحیح یہ ہے اور اسکی تائید گزیٹر جونپور اور اعظمگڈھ۔ اور دوسری کتابوں سے بھی ہوتی ہے کہ سنہ ۱۸۵۷ء سے قبل قلعہ پر راجہ ارادت جہاں کا قبضہ تھا راے مہتاب لال انکے دیوان تھے۔ راجہ صاحب اسوقت ناظم جونپور تھے۔ سنہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں راجہ صاحب کے دفتر نظامت قلعہ جونپور پر نخاس سے گولہ باری کر کے انگریزوں نے پچھمی دیوار۔ چہل ستون اور عمارتیں گرادیں۔ پھر ماہل کے قلعہ پر گولہ باری کی گئی۔

حمام۔ مسجد اور پھاٹک قلعہ کی عمارت اور تفصیلیں باقی رہ گئیں۔ اس قلعہ کا کافی پتھر مکانات سرکاری نہر و سڑک میں صرف کیا گیا۔ ڈاکٹر فرہر نے شرقی آرکی ٹیکچر میں قلعہ کی عمارتوں پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ [۵۱]

مسجد و حمام

فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں قلعہ کے اندر ایک مدرسہ اور خانقاہ تھی جس کے سجادہ نشین حضرت شیخ اخی قدس سرہٗ تھے۔ اس خانقاہ کے اندر زیادہ تر فوجیوں کو تعلیم و تربیت دی جاتی تھی اسکے اندر ایک مسجد مصری طرز کی سلطان الشرق خواجہ جہاں کے دور حکومت میں ابراہیم نائب باربک نے بنوایا تھا جو ۱۳۰ فٹ لمبی اور ۲۲ فٹ چوڑی ہے اسکے علاوہ ایک وسیع صحن بھی ہے۔ اسکے اندر تین چھوٹے چھوٹے گنبد بھی ہیں مرکزی چہرے کے دائیں بائیں کنارے پر حسین مینار بہت خوشنما پتھر کے قریب ۳۰ فٹ بلند ہیں جو دیکھنے میں کافی جاذب نظر معلوم ہوتے ہیں۔

مسجد کے اندر وسطی محراب پر قرآن کریم کی آیت ابھرے خط میں ہے اسی طور پر چہرہ پر بھی ایک کتبہ عربی میں ہے جو چونے کی سفیدی سے اتنا بھرا ہوا ہے کہ حروف نظر نہیں آتے۔ مسجد کے صحن میں دکھن طرف ایک گول اونچے چبوترے پر پتھر کا ستون جو غالباً ۴ فٹ بلند ہوگا جسکے چاروں طرف خطِ طغریٰ میں لکھا ہوا ہے جس کا زیادہ حصہ ٹوٹ گیا ہے اور جو موجود ہے وہ کائی سے سیاہ ہوکر پتھر کے رنگ میں مل گیا ہے۔ بہر حال وہ اسوقت صاف طور پر پڑھا نہیں جاتا۔ مولوی خیر الدین صاحب نے بہ سلسلہ تصنیف جونپور نامہ

---

[۵۱] شرقی آرکی ٹیکچر ڈاکٹر فرہر۔ جغرافیہ جونپور حصہ اوّل صفحہ ۴۱-۳۷۔ شرقی مونومنٹ۔ جونپور نامہ فارسی۔ گزٹیر جونپور

۱۲۴۹ھ میں اس کتبہ کو پڑھا تھا۔ اسوقت اس کتبہ کے حروف خراب نہیں ہوئے تھے۔ مولوی خیرالدین صاحب اس کتبہ کی عبارت یہ نقل کرتے ہیں۔

"اِنّما یعمر مَساجِدَ اللّٰہ من اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالیومِ الآخر
قَالَ رَسُولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَن بنیٰ مسجد
اللّٰہ تعالیٰ اعطا، اللّٰہ تعالےٰ بیتہا فی الجنۃ لکل شہر
ولکل امرا۔

پس بحکم کلام ملک علام و حدیث رسول الثقلین علیہ السلام کہ درباب عمارت مسجد نازل شدہ است۔ بامید حصول ترقی درجات جناں وحصول نجات روضۂ رضواں امر فرمود بہ جہت عمارت این مسجد اعلیٰ در قلعہ جناب معلی سلطان السلاطین عالم عادل شہریار اعظم مالک رقاب الامم مولیٰ ملوک العرب والعجم مظہر کمالات خدائے تعالےٰ متمسک بالعروۃ الوثقیٰ الناصر الدین اللّٰہ المحافظ البلاد واللّٰہ المعالی لعبا واللّٰہ ذوالامان لاحصل الامان وارث ملک سلیمان العاشق سلطنۃ و برادر ملک الملوک الشرق والثقلین سلطان السلاطین ناصر الغزوات والمجاہدین عمدۃ الامراء عزت الغربا نائب اتابک اعظم سلطان الشرق ابراہیم مدہم اللّٰہ مطالبہ کارفرمائے ایں مقام گشت نیکو مبیسی صافی اعتقاد با ہتمام ایں بنا بجد وجہد تمام مبذول فرمود بسال ہشت صد و یک ہجری باہ ذیقعد از ہجرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم"

عبارت مذکورہ بالا میں قرآن کریم و حدیث شریف کے ذریعے تعمیر مسجد کے احکام و فضائل کو بیان کیا گیا ہے بعدہٗ تعمیر کرنے والے کے درجات بیان

کیئے گئے ہیں ۔ آخر میں مسجد کا سنہ تعمیر اور اس بادشاہ کا نام لکھا گیا ہے ۔

جن لوگوں کا استدلال تعمیر مسجد سنہ ۷۰۱ھ پر ہے وہ غلطی پر ہیں اور انھوں نے یقیناً تحریر کتبہ مینار ۔ پڑھنے میں غلطی کی ہے کیونکہ اسوقت جونپور آباد ہی نہ ہوا تھا تو تعمیر مسجد کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے ۔ صحیح یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر ابراہیم نائب باربک نے کرائی جو فیروز شاہ تغلق کا بھائی تھا ۔ مگر زمانہ حکومت سلطان الشرق خواجہ جہاں کا تھا ۔ کیونکہ سنہ ۱۳۹۶ء میں وہ جونپور میں آزاد حکومت کی بنیاد رکھتا ہے اور سنہ ۱۳۹۷ء میں نائب اتابک اعظم کا لقب اختیار کرکے جہانبانی شروع کر دیتا ہے اور سنہ ۱۳۹۹ء میں اسکی وفات ہو جاتی ہے ۔ ڈاکٹر فرہریا جن لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ مسجد کی تعمیر سنہ ۱۳۷۶ء میں ابراہیم باربک نے کرائی وہ بھی غلطی پر ہیں اور انھوں نے خط طغریٰ پڑھنے میں سہو کیا ہے ۔ اس عبارت طغریٰ کا آسان مطلب یہ ہے کہ یہ مسجد کو قلعہ کے اندر سلطان الشرق کے زمانہ حکومت میں سلطان فیروز شاہ کے بھائی پرنس ابراہیم کے ذریعے ماہ ذیلقعدہ سنہ ۸۰۱ھ میں تعمیر ہوئی ۔ ظاہر ہے کہ یہ تاریخ اختتام تعمیر مسجد ہوگی اور اسکے تعمیر کی ابتدا سال دو سال قبل ماننا پڑے گا چونکہ مبارک شاہ اور ابراہیم شاہ خواجہ جہاں کے ہمراہ رہتے تھے اور اپنی اعلیٰ قابلیت وصلاحیت کی وجہ سے تمام امور سلطنت انجام دیتے رہے اسلئے یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ اسکی تعمیر ابراہیم شاہ کے دور میں ہوئی ۔

یہ مسجد تین حصوں میں منقسم ہے ۔ دو کمرے ۱۹ × ۴۰ فٹ اور ۸ فٹ اونچے ہیں ۔ درمیانی حصہ ۲۴ فٹ بلند ہے ۱۵ × ۳۷½ رقبہ ہے ۔ تینوں حصوں کے اوپر تین گنبد ہیں ۔ باہر چونے کا پلاسٹر اور نقش ونگار بھی ہیں صحن میں دو ستون مقابل میں تھے جس میں سے اتر طرف کا منہدم ہو گیا

بیچ میں ایک چوکور حوض ہے جو ۵ فٹ گہرا اور دس فٹ چوڑا ہے۔ چہل ستون کی حسین عمارت ابراہیم شاہ شرقی کی یادگار تباہ ہو کر نیست و نابود ہوگئی۔
مگر اسکی ایک دوسری عظیم الشان یادگار ترکی حمام ابھی تک موجود ہے۔ یہ ایک قابل تعریف چیز ہے اور ترکی غسل خانہ کا بہت اچھا نمونہ ہے اور اب بھی چھوٹے بڑے حوض اور دوسری چیزیں موجود ہیں جس سے اسکی صناعی پر اچھی روشنی پڑتی ہے اور اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شرقیوں کے محلات میں شاہی غسلخانے بہت اعلیٰ پیمانے کے رہے ہونگے۔

یہ حمام کچھ زمانے تک میونسپل بورڈ کے استعمال میں رہا جسکی وجہ سے کافی رد و بدل ہوگیا اور ٹوٹ پھوٹ گیا مگر اسکا کافی حصہ اب بھی موجود ہے باہر سے دیکھنے میں گنبد نہایت پست ایک دوسرے سے ملے ہوئے نیچے اونچے بہت حسین اور خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ کنکر کی ایک تراشی ہوئی چٹان رکھی ہوئی ہے۔ اسکی سطح بہت نیچی ہے مگر طرز بناوٹ بہت خوبصورت اور ٹھوس ہے۔ عمارت کی مرمت تھوڑی بہت ہوتی رہتی ہے اسلئے امید ہے کہ کچھ عرصہ تک باقی رہ جائے۔ لوگوں نے غلط طور پر اسکو بھول بھلیاں مشہور کر دیا ہے۔



قلعہ کے صدر گیٹ کے باہر کا کتبہ

یہ پتھر کی لاٹ ۶ فٹ لمبی ایک گول چبوترے پر نصب ہے جو قلعہ کے صدر گیٹ کے سامنے ہے۔ اس کتبہ کی تحریر کا تعلق زمانہ حال سے ہی یعنی ۲۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۱۸۰ھ مطابق سنہ ۱۷۵۹ء کی ہے اسکو سید محمد بشیر خاں قلعہ والے نے شاہ عالم جلال الدین

بادشاہ دہلی اور نواب وزیر کے عہد میں لگوایا تھا جسکی عبارت حسب ذیل ہے۔

"یومیہ سادات وبیوہ ہا وغیرہ اقربا انچہ آمدنی سائر بلدہ جونپور مقرر است وہمیشہ می یابند۔ ہر کس کہ حاکم وکوتوال وقلعہ دار وفوجدار بلدہ مذکورہ مقرر شدہ بباید وجہہ یومیہ آں ہا موافق حضور می دادہ باشند۔ اگر از راہ شوم طبعی چیزے در مذکورہ رو دارد نذرانہ ورشوت تحریر شدہ نزد مسلماں را قسم خدا ورسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم وپنجتن پاک ودوازدہ امام چہاردہ معصوم است اگر سنی باشد اورا قسم چار یار است وہندو را قسم رام دگنگا وترببینی است۔ اگر بایں طلاق نامہ عمل نہ کنند بہ لعنت خدا ورسول گرفتار گردد وتباہ وبرباد شود وانشاء اللہ تعالٰی بروز قیامت روسیاہ شدہ برگروہ دوزخیاں خواہد شد۔

المرقوم بست ودویم ربیع الاول ۱۱۸۰ھ

بانی ایں کار خیر سید علی محمد بشیر خان بہادر[۱]

عبارت مذکورہ بالا سے واضح ہوتا کہ سید بشیر خاں نے اس تحریر کے ذریعہ یہاں کے حاکم وکوتوال یا فوجدار اور باشندوں کو تاکید کی ہے کہ جونپور کی آمدنی میں سادات وبیوہ اور انکے متعلقین اور غربا کی امداد کے لئے جو رقم مقرر ہے اسکے دینے میں کوتاہی نہ کیجاوے ہندوؤں کو رام گنگا وترببینی اور مسلمانوں کو خدا ورسول واہلبیت اطہار اور صحابہ کی قسم ہے۔ اگر ہدایت پر عمل درآمد نہ کیا تو خدا ورسول کی اس پر لعنت ہوگی تباہ وبرباد ہوگا اور قیامت کے روز روسیاہ ہوکر اٹھے گا اور دوزخیوں کے ساتھ اسکا حشر ہوگا۔

---

[۱] شرقی منومنٹ صـ ۱۲۲۔ گزیٹر جونپور۔ جونپور نامہ مولوی خیر الدین جغرافیہ جونپور حصہ اول

مغل دور کی عمارتیں

شاہی پُل جونپور

یہ پل دریائے گومتی پر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے عہد میں باہتمام منعم خاں خانخاناں جونپور آباد ہونے کے دو سو برس بعد ۹۷۲ھ میں تعمیر ہوا۔ کتبوں سے ظاہر ہے کہ تعمیر کا کام ۴ سال میں ختم ہوا تھا۔ یہ پل شہر جونپور کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ ایسا خوبصورت اور پائدار پل شاذونادر ہی ہندوستان میں ملیگا۔ اس پل کی سطح بالکل سڑک و زمین کے برابر ہے جو بہت ہی اعلیٰ درجے کی کاریگری اور صناعی کا ثبوت ہے۔

اکبر بادشاہ جس زمانے میں علی قلی خاں کی تادیب کے لئے جونپور آیا اور قلعہ شاہی میں قیام کیا، ایک روز مصاحبین کے ہمراہ بغرض سیر و تفریح کشتی پر دریا میں نکلا جب کشتی قلعہ سے کچھ آگے پچھم جانب پہونچی تو دیکھا کہ ایک عورت منہ چادر میں چھپائے زار و قطار رو رہی ہے۔ اسکے رونے پر بادشاہ کا دل بھر آیا۔ اس عورت سے رونے کا سبب دریافت کرایا۔ عورت نے بیان کیا کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور اردو بازار سوت بیچنے گئی تھی۔ ایک چھوٹا بچہ اکیلا گھر میں چھوڑ آئی ہوں شام ہو گئی ہے ملاح کشتی لیکر اس پار چلا گیا اور مجھے چھوڑ دیا۔ پتہ نہیں کہ بچے کا کیا حال ہوگا۔ بادشاہ نے اپنی کشتی پر اس عورت کو بٹھا کر اس پار اتار دیا اور فوراً حکم صادر فرمایا کہ محتاجوں اور بیواؤں کے لئے سرکاری کشتیاں مہیا رکھی جائیں۔ اور

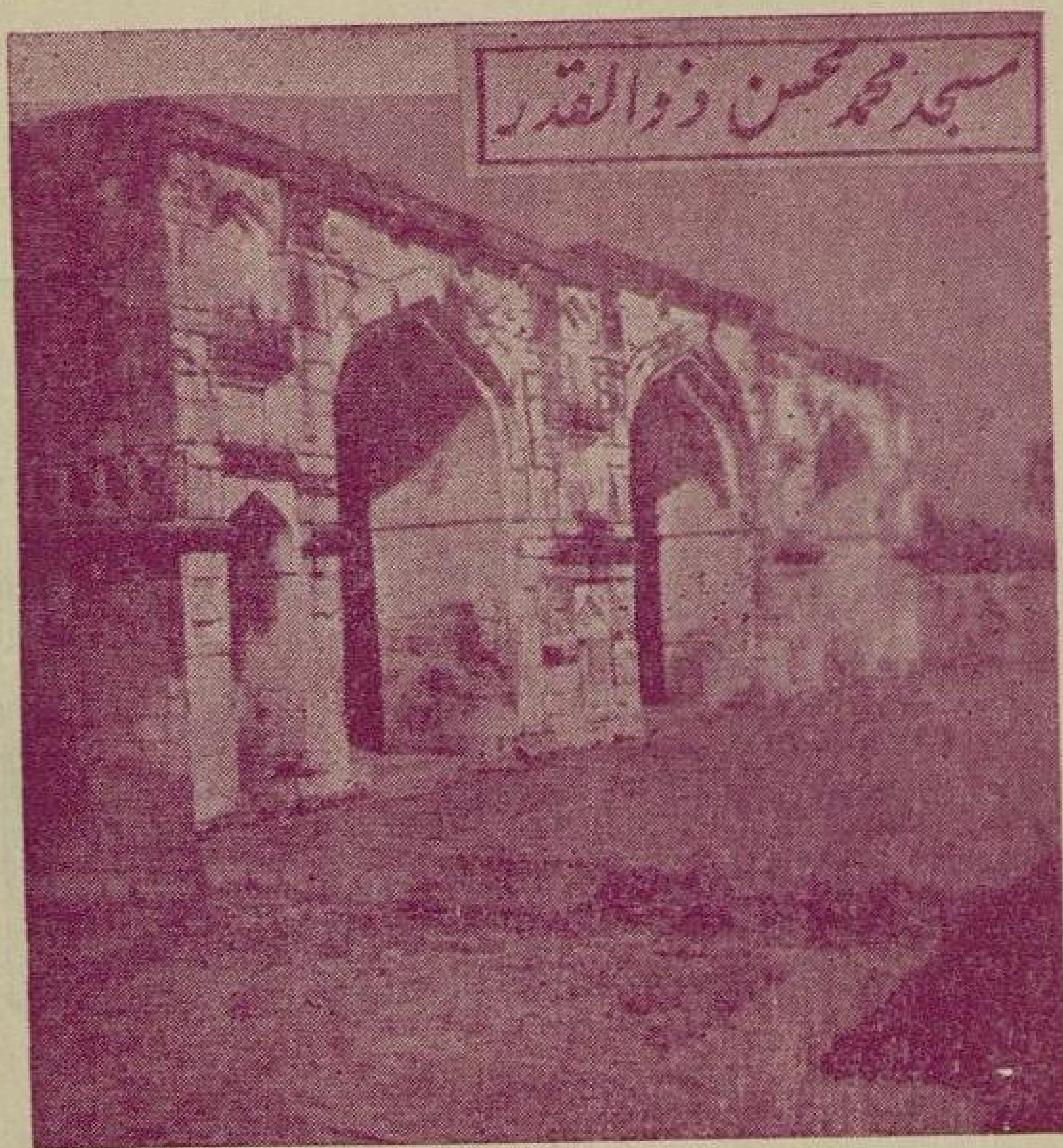
منعم خاں خانخاناں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سلاطین شرقیہ مدت دراز تک یہاں سلطنت کرتے رہے اور انھوں نے عظیم الشان محل اور مسجدیں تعمیر کیں اگر ایک پل مستحکم اس دریا پر بنا جاتے تو صدہا سال تک انکا نام و نشان باقی رہتا۔ خانخاناں نے عرض کیا کہ "دفتر خداوندی میں یہ عظیم کار خیر اور حسن عمل بندگان والاصفات کے لئے مقدر تھا" بادشاہ اکبر کو یہ بات بہت پسند آئی اور اسی وقت تعمیر پل کا حکم دیا۔

خانخاناں نے تعمیر پل کی فوری کوشش شروع کردی۔ اچھے اچھے معماروں اور کاریگروں سے مشورہ کیا۔ انلوگوں نے عرض کیا کہ ابراہیم شاہ شرقی کا پل بنانے کا ارادہ تھا مگر پچھم کچھ دور ہٹ کر کیونکہ وہاں پانی گرمی میں بہت کم رہتا ہے۔ خانخاناں نے کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ قلعہ کے قرب میں پل بنایا جاوے۔ معماروں اور کاریگروں نے کہا کہ اس مقام پر پانی بہت رہتا ہے اور ایک بہت گہرا غار ہے جسکی گہرائی اور اسکی انتہا آجتک کسی کو معلوم نہ ہو سکی۔ مگر خانخاناں نے کہا کچھ بھی ہو بادشاہ کے حکم کی تعمیل ضروری ہے، معماروں نے کہا کہ درست ہے کل آپ اس مقام کا معائنہ کریں اور کشتی پر سوار ہو کر چلیں مگر وہ کشتی روپیہ اور اشرفیوں سے بھری ہو۔ دوسرے روز حسب مشورہ کشتی روپیہ اشرفی سے لبریز خانخاناں اُس غار پر گیا معماران بھی ساتھ تھے۔ ایک کاریگر نے ایک تھیلی اشرفی سے بھری اسی مقام پر دریا میں ڈال دی جہاں پل تعمیر کرنے کا ارادہ تھا۔ اور کہا کہ ایسی سو تھیلیاں دریا کی نذر کی جائیں تو البتہ ایک مستحکم پل تعمیر ہو سکتا ہے۔

خانخاناں نے کہا کہ اگر ایسی ہزار کشتیاں غرق کرنا پڑے تب بھی پل کا بننا منظور ہے۔ آخرش دکھن طرف پہلے پانچ طاق کا مستحکم پل تعمیر کرا کے



دریائے گومتی کا شاہی پل



مسجد محمد محسن ذوالقدر

دریا کا رخ پھیر دیا گیا تاکہ اس حصہ کا پانی کم ہو جائے مگر اس حکمت و ترکیب سے بھی پانی کم نہ ہوا۔ پھر دوسری ترکیب یہ کیگئی کہ بہت سی مضبوط کشتیاں تیار کرا کے اس پر پتھر اور سیسے سے پایہ باندھا اور اسکو آدھے لنگر پر باندھ کر آہستہ سے چھوڑ دیا۔ جب وہ کشتی سطح زمین پر پہونچ گئی تو دوسری تیسری تہ بہ تہ اس وقت تک ڈالی گئی جب تک پایہ کی شکل پانی پر نمودار نہ ہوئی اسی طور پر تمام پائے بنائے گئے اور اسکے اندر لوہے کی شہتیریں بھی استعمال کی گئیں تب پانچ طاق کا دکھنی پل تیار کیا گیا۔

اُس دور کے ایک شاعر نے اس کی تاریخ "بعشرت" کہی ہے جس سے سنہ ۹۷۲ھ نکلتا ہے۔ خانخاناں نے اسکے صلے میں نو سو بہتر اشرفی عطا کی۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ مُہر اکبری بیس روپیہ کی ہوتی تھی اس حساب سے اُنیس ہزار چار سو چالیس ۱۹۴۴۰ روپیہ ہوتا ہے۔ اور ان اشعار کو بیچ کی محراب پر پچھیم طرف اتر دکھن جانب بہت خوشخط حروف میں کندہ کرا کے نصب کرا دیا پتھر پر اس وقت حروف شکستہ ہو گئے ہیں جو پڑھے نہیں جا سکتے۔ جو کچھ ضابطہ تحریر میں آچکے ہیں وہ یہ ہیں:-

مقامے ساخت سلطان السلاطیں ۔۔۔ سرشتہ آب و خاکش از مسرت
بعشرت کامراں بادا کہ آمد ۔۔۔ در او قبلۂ ارباب حاجت
الٰہی تا قیامت باد معمور ۔۔۔ ازیں بانی بنائے دین و دولت

چو از پیر خرد تاریخ اں جُست
حکیم پُر خرد گفتہ بعشرت ۹۷۲ھ

اس کے بعد دس طاق کا پل تیار کیا گیا۔ دونوں پلوں کی بناوٹ ایک ہی طرح کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پل کے استحکام اور حسن دجمال کا پورا

پورا خیال رکھا گیا۔ پتھر کی صفائی اور سنگ تراشی اس طرح کی گئی ہے کہ دو پتھروں کے جوڑ بڑی صفائی سے مل جاتے ہیں۔ اعلیٰ درجے کا اسپشل مصالحہ استعمال کیا گیا ہے جو دو پتھروں کے جوڑ کو ایک کر دیتا ہے۔

یہ پل بجد شاندار ہے۔ ۲۶ فٹ چوڑائی ہے جسکے دونوں طرف ۲ فٹ ۳ انچ چوڑی فصیل ہے اور پتھر کے ہلکے کھمبوں پر گمٹیاں بنی ہیں جو ہر ستون پر واقع ہے۔ یہ لمبائی دو پلوں کو صرف ملاتی نہیں ہے بلکہ اسکے درمیان میں ۱۲۵ فٹ لمبی زمین پر ایک شیر کا مجسمہ اور پل کا گیٹ اور دوسری طرف مسجد و دوکانیں ہیں۔

دکھنی پل کی لمبائی ۱۷۶ فٹ ہے اور ۵ پہلدار محرابوں سے بنی ہے جس میں ۱۰ ۱/۲ فٹ جگہ ہے اور ۱۷ فٹ کے ستون پر ٹھہرائے گئے ہیں۔ اتری پل کی لمبائی ۳۵۴ فٹ ہے جو دس محرابوں پر واقع ہے۔

اس پل میں ایک خاص بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ اس پر سے گذرنے والی سڑک نہ تو کہیں نیچی ہے اور نہ کہیں اونچی بلکہ شہر کی سڑک کے لیول میں ہے۔ اسی طرح کا ایک اور لیول برج سنہ ۱۸۱۱ء کا لندن واٹرلو برج تعمیر ہوا اسکے بعد ایسے پل کی مثال نہیں ملتی اور اس لحاظ سے یہ پل دنیا بھر میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔

جغرافیہ جونپور کے مصنف نے لکھا ہے کہ "اسوقت منعم خاں نظامت جونپور پر مامور تھے پل کی تعمیر و قلعہ کی مرمت میں تیس لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ تین سال کی مدت میں یہ پل بنکر تیار ہوا۔"

تاریخ منعمی میں ہے کہ:-

"خانخاناں کے حکم کے مطابق انجام پل کی تاریخ کی طرف سخنوران

حضور اور شاعرانِ جونپور کو دعوت دیگئی اور سب نے پل کے تعمیر کی تاریخ کہی مگر کامیابی کا سہرا محمد محسن خاں پسر سید محمد ہاشم کے سر رہا۔ یہ وہی محمد محسن ہیں جن کی تعمیر کردہ مسجد حمام دروازہ میں اب بھی شکستہ حالت میں موجود ہے۔ محمد محسن صاحب اعلیٰ درجہ کے باکمال شاعر تھے (تاریخ صراط المستقیم بے بد) سے نکالا۔ عدد صراط المستقیم کے ۹۸۱ ہوئے اور "بد" کے عدد چھ ۶ ہوئے۔ ۹۸۱ میں سے ۶ منہا کرنے کے بعد ۹۷۵ باقی رہتے ہیں۔ یہی ۹۷۵ھ تعمیر دس طاق والے پل کے اختتام کی تاریخ ہے۔ خانخاناں نے خوش ہوکر نوسو پچھتر روپیہ انعام میں دیا اور کہا اگر اس تاریخ میں لفظ "بد" نہ ہوتا تو ہر روپیہ کے بجائے اشرفی دیتا۔

یہ تاریخ بھی پتھر پر ابھرے ہوئے خط میں کندہ کرا کے پیشانی محراب جانب حمام نصب کرادیا ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں:۔

خانخاناں منعمِ عالم مدار — بست ایں پل را بتوفیقِ کریم
نام او منعم ازاں آمد کہ ہست — بر خلائق ہم کریم و ہم رحیم
از صراط المستقیمش ظاہر است — شاہراہِ سوئے جنات النعیم
رہ بتاریخش صرے گر افگنی
لفظ بد را از صراط المستقیم

(ترجمہ) خانخاناں منعم عالم مدار کو اللہ نے توفیق اس پل کی تعمیر کی عطا کی انکا نام ہی نعمت دینے والا منعم ہے اسلئے وہ خلق پر رحم و کرم کرتے ہیں۔ صراط المستقیم سیدھے راستے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ شاہراہ جنات النعیم کی طرف ہے۔ تاریخ نکالنے کیلئے گر لفظ بد کی عدد چھ صراط المستقیم کی عدد نوسو اکاسی سے منہا کرے جو بچے وہ تاریخ ہے۔ ۹۷۵ھ۔

اور سہ دری کے اوپر دوسرے طاق کے پچھم طرف یہ اشعار پتھر پر اُبھار کر نصب کئے گئے ہیں۔ ؎

سپہر کرم خانخاناں کہ باشد — درش قبلۂ جملہ دلہائے آگاہ
چو پل بست از سنگ بر روئے دریا — کزو بگذرد اہلِ دل گاہ بگاہ
چوں از فضل اللہ شد بستہ ایں پل
ازاں گشت تاریخ او فضل اللہ
۹۷۵ھ

ایک فارسی کی لکھاوٹ اور بھی ہے جو درج ذیل ہے:۔
"ایں پل باحکام عالی نتیجہ مشائخ العظام غوث الانام خواجہ شیخ نظامی نظام الدین پسر حضرت اعظم مخدومی شیخ عبد العزیز بہنر مندی نادر العصر استاد فضل علی کابلی باتمام رسید"۔ ؎

پل کے کھمبوں کی لمبائی چوڑائی

اس پل کے کھمبوں میں بڑی کاریگری دکھلائی گئی ہے۔ کھمبے چو پہل یا ہشت پہل ہیں جنکی دھاریں کٹی ہوئی ہیں تاکہ پانی کا زور ٹوٹ جائے اور ان کھمبوں پر اثر نہ ہو۔

۵ طاق کے کھمبوں کی لمبائی اور چوڑائی یہ ہے

(۱)	پہلا پایہ	پہلی دیوار	۴۲ فٹ	۶ انچ لمبی	۱۵ فٹ	۹ انچ چوڑی
(۲)	دوسرا پایہ	دوسری دیوار	۱۸ "	۶ " "	۱۷ "	۶ " "
(۳)	تیسرا پایہ	تیسری دیوار	۱۸ "	۶ " "	۱۶ "	۶ " "
(۴)	چوتھا پایہ	چوتھی دیوار	۱۷ "	۶ " "	۱۵ "	۶ " "
(۵)	پانچواں پایہ	پانچویں دیوار	۱۷ "	۶ " "	۱۵ "	۶ " "

؎ خواجہ شیخ نظامی نظام الدین انجینئر اور استاد فضل علی کابلی معماروں کے سردار تھے

کے پل کے کھمبونکی لمبائی چوڑائی

(۱)		۱۲۰ فٹ لمبا	۱۷ فٹ چوڑا ہے
(۲)		۱۹ فٹ ۶ انچ	۱۷ " " "
(۳)		۱۹ " ۶ "	۱۷ " " "
(۴)		۱۸ " ۳ "	۱۷ " ۳ انچ چوڑا ہے
(۵)		۲۲ " ۶ "	۱۸ فٹ چوڑا ہے
(۶)		۲۲ " ۶ "	۱۷ " ۳ انچ چوڑا ہے
(۷)		۱۷ " ۹ "	۱۶ " ۶ " "
(۸)		۱۷ " ۹ "	۱۶ " ۶ " "
(۹)	نواں پایہ	۱۷ " ۹ "	۱۶ " ۶ " "
(۱۰)	دسواں پایہ	۱۶ " ۳ "	۱۵ " ۳ " " [1]

اس کے کھمبے سب ٹھوس ہیں اور اعلےٰ درجے کے پتھر چن کر لگائے گئے ہیں۔ ایک کنارے سے دوسرے کنارے کا فاصلہ چھٹی ہوئی زمین کو لیکر ۶۵۴ فٹ ہے جسے خواجہ شیخ ناظم الدین کے نقشے کے مطابق کابل کے استاد افضل علی نے تعمیر کیا اور مرزا فہیم کی نگرانی میں تیار ہوا۔ فہیم کی نگرانی کی ڈاکٹر زور نے تردید کی ہے مگر نصیح الدین تائید کرتے ہیں۔

جنرل کننگھم لکھتے ہیں کہ:۔ "یہ پل ہندوستان کا بہترین مرقع ہے فہیم کی نگرانی میں تعمیر کی روایت مضبوط نہیں ہے۔"

اس پل میں ایک اچھی صنعت قابل دید یہ ہے کہ حمام سے متصل دوسرے

---

[1] جغرافیہ دارالسرور، قلمی ص ۲۱۵-۱۶

طاق کے محراب پر دو مچھلیاں بنی ہوئی ہیں۔ اگر ان مچھلیوں کو داہنے طرف سے دیکھا جائے تو بائیں طرف کی مچھلی سہرے دار کچھ سفیدی مائل نظر آویگی اور داہنے طرف کی بالکل سپاٹ لال رنگ کی۔ اور اگر ان مچھلیوں کو بائیں طرف سے دیکھا جائے تو داہنے طرف کی مچھلی سہرے دار اور بائیں طرف کی سپاٹ نظر آوے گی۔ سے[۱]

شاہی پل کا حمام

پل سے متصل ایک بہت ہی عالیشان حمام منعم خاں خانخاناں کا تعمیر کردہ تھا جسکے تعمیر کی ابتدا پُل کے ساتھ ۹۷۲؁ھ میں ہوئی اور پل کے ساتھ ۹۷۵؁ھ میں اسکی تعمیر اختتام کو پہونچی۔ مولوی خیر الدین صاحب مصنف جونپور نامہ اس حمام کی ساخت اور بناوٹ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

> حمام کی بناوٹ نہایت خوشنما اور خوش قطع تھی اس حمام کے قبل اس شہر کیا اطراف وجوانب میں کوئی حمام نہ تھا۔ منعم خاں نے پل کے پورب طرف حمام تعمیر کیا تھا اور اسکے انتظام کے لئے داروغہ اور عملہ مقرر تھا۔ اور اخراجات کے لئے چند مواضعات وقف تھے۔ محمد شاہ کے عہد سلطنت تک یہ حمام بخوبی آراستہ و پیراستہ تھا اور ہمیشہ گرم رہتا تھا۔ شہر کے باشندے اور مسافر بلا روک ٹوک ہر کس وناکس غسل کرتا تھا۔ غسالان سرکاری طور پر مقرر تھے اور ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ نواب سعادت علی خاں جب جونپور آئے تو انھوں نے تمام معافیات ضبط کرلیں اسی

سے[۱] جونپور نامہ فارسی۔ شرقی منومنٹ صفحہ ۳۹-۴۰۔ کنگھم رپورٹ

کے ساتھ یہ معافی بھی ضبط کرلیا۔ جب اخراجات کے ذرائع بند ہوگئے تو حمام کی رونق ختم ہوگئی مگر باوجود اسکے حکامان ضلع نے دوسرے ذرائع سے اس اخراجات کو پورا کرنیکی کوشش کی بدیں وجہ حمام قائم رہا۔ نواب ابوالمنصور خاں جب جونپور آئے اور یہاں قیام کیا تو اس حمام میں غسل فرمایا اور اس حمام کی مرمت کے لئے میر رستم علی کے وکیل منسارام کو مقرر کیا اور چند مواضعات اسکے اخراجات کے لئے بحال کیا۔ مگر جب منسارام و بلونت سنگھ نے میر رستم علی پر تصرف پالیا تو حمام کے لئے جو رقم دقت تھی اسکو اپنے تصرف میں لانے لگے۔ جب ملازمین حمام کا کوئی سہارا نہ رہا تو وہ بھی حمام کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اسوقت سے یہ حمام بند ہوگیا۔ ؎ لہ

پل کی مرمت

اول اس پل کی مرمت نواب صفدر جنگ کے زمانے میں ہوئی۔ پھر ۱۱۹۳؁ھ میں سید ناصر کوتوال جن کو نواب شجاع الدولہ نے جونپور کا انتظام سپرد کیا تھا پل کی مرمت کی ذمہ داری اپنے ذمے لیلیا۔ اس زمانے میں ایک عورت لاوارث مگر مالدار فوت ہوئی۔ یہ خبر سن کر کوتوال نے حکم دیا کہ اسکے مال سے پل کی مرمت کی جاوے۔

اسکے بعد ۱۷۸۲؁ء میں عماد الدولہ کو گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز بہادر نے راجہ چیت سنگھ کو بیدخل کرنے کے بعد پل جونپور و بنارس کی مرمت کا حکم دیا اور مولوی خیر الدین جونپور نامہ کے مصنف کو یہ کام سپرد کیا گیا۔ مگر علی ابراہیم خاں داروغہ بنارس نے اس ذمہ داری کو اپنے سر لے لیا۔ انھوں نے معاملات کو

لہ جونپور نامہ فارسی قلمی۔ جغرافیہ دارالسرور

اتنا طول دیا کہ مرمت نہ ہو سکی۔ مگر اسی درمیان میں لار
ڈنکن صاحب ریزیڈنٹ بنارس کی تجویز کے مطابق جو
کی مرمت کیلئے مامور کیا۔ انھوں نے راجہ شیو لال دوبے
پل گذر لشن پور کی مرمت سپرد کی اور مفتی کرم اللہ کو
مقرر کیا۔ راجہ شیو لال دوبے نے تمام سامان مرمت کا
درمیان میں مسٹر ڈنکن صاحب بمبئی چلے گئے۔ راجہ شیو
غنیمت سمجھ کر تمام سامان مرمت جو پل کے لئے مہیا کیا
کر اپنے گھر لے گئے اور اپنی عمارتوں میں صرف کیا۔ البتہ
طاق کی مرمت کرادی جس میں ۴ ہزار روپیہ صرف ہوا۔

اسکے بعد مسٹر ابراہم ولند صاحب کے زمانے میں شہر اور آبادی پل کی طرف توجہ کیگئی اور موصوف نے صاحبان کونسل کلکتہ کو لکھا۔ ۱۸۰۱ء میں مرمت کے لئے تمام اسباب و سامان مہیا کیا گیا۔ اور دو طاق کی مرمت ہو چکی تھی کہ موصوف کا تبادلہ ہو گیا اور مرمت کا کام ملتوی ہو گیا۔ [۵۱]

پانچ طاق کے پل پر پورب پچھم دس دس دکانیں اور دس طاق کے پل پر دونوں طرف اٹھارہ دکانیں ہیں جن کے بنانے کا یہ منشا تھا کہ لوگوں کو دریا کی صاف و شفاف ہوا لطیب ہوا اور دریا کے پر بہار اور دلفریب منظر سے اہالیان شہر لطف اندوز ہوں۔ مگر ۱۹۴۷ء کے بعد دوکان کی صورت میں شرنارتھیوں کو کرایہ پر دیدیا گیا۔ اب پل کے اوپر ہوٹل۔ کپڑے۔ بساط خانے اور مختلف قسم کی دوکانیں ہیں جس سے رونق بھی جاتی رہی اور پل کے استحکام

---

۵۱ جونپور نامہ فارسی قلمی۔ جغرافیہ دارالسرور قلمی

میں فرق پڑ گیا۔

سیلاب گومتی اور پل

اس پل کے استحکام اور مضبوطی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وقت تعمیر سے آج تک سیکڑوں مرتبہ اس پل کو سیلاب سے ٹکر لینا پڑا اور اس کی دو کانوں کو بھی بار بار پانی نے ڈھک لیا تھا مگر اس پل کو کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ ۱۷۷۴ء میں دریائے گومتی میں زبردست سیلاب آیا۔ شہر کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لئے کیپٹن پارکر معہ سپاہیوں کے یہاں پہونچ گئے اور وہ دریا کے راستے کشتی سے آئے۔ جب جونپور پہونچے تو پل پر سے گذر گئے اور انکو پتہ نہ چلا کہ پل کہاں ہے۔ کیونکہ پانی پل کے کنارے بنی ہوئی گمٹیوں کی برجیوں سے بھی اونچا تھا۔

پھر دوسرا زبردست سیلاب ۱۸۷۱ء میں آیا جس نے پل کو چھپا لیا اسی سیلاب کا پانی ۱۵؍ لغایتہ ۲۸؍ ستمبر کو ریلوے پل پر بھی آگیا تھا۔ اس سال ۱۳؍ ستمبر لغایتہ ۱۵؍ ستمبر تین روز میں سلطان پور میں چودہ ۱۴ انچ اور فیض آباد میں انیس ۱۹ انچ بارش ہوئی تھی۔ ہر طرف کا پانی دریائے گومتی میں آگیا تھا۔

پھر ۲۳؍ ستمبر ۱۸۹۴ء میں گومتی نے خطرہ کا نشان پار کر لیا تھا۔ مگر ۱۸۷۱ء سے آٹھ فٹ کم تھا۔ پھر دوبارہ پانی چڑھنے لگا اور دھارا بہنے لگا

اسکے بعد ۱۹۰۲ء کا سیلاب بھی بہت زبردست تھا۔ اس سیلاب میں بھی پانی پل کے اوپر تھا اور ایک تہائی شہر خالی ہو چکا تھا۔

اسکے بعد ۱۹۳۶ء کا سیلاب بھی زبردست تھا۔ شہر میں کئی جگہ کشتیاں چلنے لگی تھیں۔

۱۹۵۵ء کا سیلاب بھی قابل ذکر ہے جس میں پل پر سے دھارا بہتا تھا۔ پل کی دو کانوں کی برجیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اسکے بعد ملک کے ساتھ

ساتھ دریا بھی آزاد ہو گئے ہیں۔ ہر دوسرے تیسرے سال گومتی میں سیلاب آتا رہتا ہے۔ دریا سے قریب کھیتی کرنے والے کسانوں کا کافی نقصان ہوتا رہتا ہے، کچہری کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ ضرورت مند کشتیوں پر جان کو خطرے میں ڈال کر سفر کرتے ہیں۔ [۱]

اس پل کی مضبوطی کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ جونپور شہر کی آبادی کو پل دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اطراف و جوانب کے تمام شہروں سے تجارت کا سامان ہر وقت ٹرک اور بیل گاڑیوں سے آیا جایا کرتا ہے۔ اکثر ٹرکوں پر دو سو تین سو من کا وزن ہوتا ہے۔ علاوہ اسکے سواری کے بس۔ پبلک موٹر کاریں۔ بیل گاڑی۔ رکشے اور یکے وغیرہ چلتے رہتے ہیں کسی وقت بھی سکون نہیں رہتا مگر اس صراط المستقیم کو ذرا بھی جنبش نہیں۔ آجکل کی روزافزوں ٹرافک کو دیکھتے ہوئے ایک دوسرے پل کی اشد ضرورت ہے۔

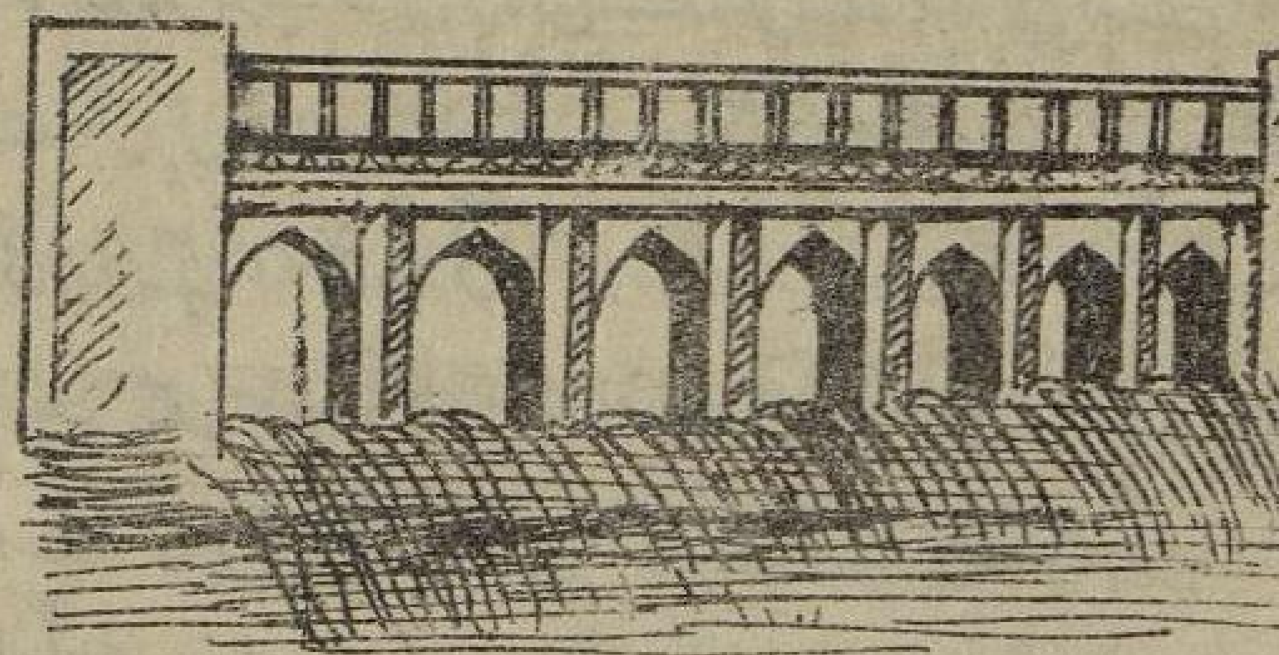
پل جلال پور

سکندر لودی نے جب حسین شاہ شرقی کو شکست دیکر جونپور سے خارج کیا اور وہ بنگال چلا گیا تو اس نے اسکا بدلہ سلاطین شرقیہ کی عمارتوں سے لینا شروع کیا جو اسوقت میں جونپور میں موجود تھیں۔ اس نے تمام عمارتیں بجز مساجد کے ویران اور منہدم کر دیں اور اپنے لڑکے جلال خاں کو دیار شرقیہ کا حاکم مقرر کر کے خود آگرہ چلا گیا۔ چونکہ جونپور میں قتل و غارتگری کی وجہ سے بڑی خراب حالت تھی اسلئے جلال خاں نے یہاں قیام کرنا مناسب نہیں سمجھا اور جونپور سے چار کوس کے فاصلہ بجانب پورب دریائے سئی کے کنارے رہنا پسند کیا اور اس مقام کو اپنے نام سے

---

[۱] گزیٹر جونپور۔ جغرافیہ دارالسرور قلمی

آباد کر کے وہاں محل تعمیر کرایا اور اس مقام کو کافی رونق دی اور دریائے سئی



پر ایک سنگین پُل ۹ طاق کا تعمیر کرایا۔ سکندر لودی کی وفات کے بعد اس کا بڑا لڑکا ابراہیم لودی تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی جلال خاں کو جونپور سے بلایا۔ اسکے دل میں کچھ خوف پیدا ہوا اس نے بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ ابراہیم نے اسکو گرفتار کر کے حاضری کا حکم دیا۔ جلال خاں کو کسی طرح ابراہیم کے ارادے کی اطلاع ہوگئی اور وہ کالپی کو بھاگ گیا۔ ابراہیم لودی نے دریا خاں لوہانی کو جونپور پر مامور کیا اور خود جلال خاں کے تعاقب میں کالپی پہونچا اور بمشکل گرفتار کر کے آگرہ بھیجدیا۔

۹۴۵ھ میں سلطان ابراہیم لودی پانی پت کے میدان میں بابر کے ہاتھوں قتل ہوا اس موقع کو دیکھتے ہوئے دریا خاں کے لڑکے بہادر خاں نے اپنا لقب بہادر شاہ اختیار کر کے بادشاہت کا اعلان کر دیا بابر نے ہمایوں کو اسکی تادیب کے لئے مقرر کیا۔ شہزادہ جونپور آیا اور بہادر خاں کو سزا دی اور عمارت تعمیر کردہ جلال خاں کو مسمار کیا اور حکومت جونپور پر جنید برلاس کو مقرر کیا۔

علی قلی خاں کا بھائی بہادر خاں نے جب اپنی ماں کو قلعہ جونپور سے نکالا اور راہ فرار اختیار کیا تو جلال پوری کے راستے سے گیا اور اس پل کو

توڑ دیا تاکہ اکبر کی فوج اسکا تعاقب نہ کر سکے اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔
منعم خاں خانخاناں جب خان زماں کے قتل کے بعد جونپور کے ناظم مقرر ہوئے
تو انھوں نے اس پل کی مرمت کرائی مگر وہ استحکام نصیب نہ ہوا۔ باوجود اس کے
کہ اس پل کی برابر ہی مرمت ہوتی رہی۔ مگر روز بروز حالت خراب ہی ہوتی گئی
آخر کار ۱۲۰۴ھ میں حسب الحکم ممتاز الدولہ مسٹر ڈنکن صاحب بہادر نے راجہ
شیولال دوبے عامل جونپور کو اسکی از سر نو مرمت کیلئے مامور کیا اور مکمل طور پر
مرمت کرائی گئی۔ ؎۱

پُل گذر موضع لشن پور

یہ پل جونپور سے چار کوس کے فاصلہ پر پچھم طرف واقع ہے۔ مولوی خیر الدین
صاحب لکھتے ہیں کہ خواجہ دوست منصب دار جونپور کو بادشاہ نے حسن کارکردگی
کی بنا پر پرگنہ گھسوہ و قریات جاگیر میں دیا تھا۔ خواجہ دوست کو سیلاب اور برسات
میں آمد و رفت میں سخت تکلیف ہوتی تھی۔ کارپردازان پل جونپور کو حکم دیا گیا
کہ وہ اسکے بچے ہوئے سامان سے اس پل کی تعمیر کریں۔ چنانچہ جونپور کے پل کے
بچے ہوئے سامان سے یہ پل ۹۷۷ھ میں تعمیر ہوا۔ ۱۸۳۰ء میں اس پل کا دو طاق
ٹوٹ گیا۔ مسٹر ڈنکن صاحب بہادر نے راجہ شیولال دوبے کو اسکی تعمیر کے لئے مقرر کیا
مگر انھوں نے مرمت کا یہ کیا کہ وہ سامان اپنے محل میں استعمال کر ڈالا۔ آخر کار مسٹر
ولنڈ صاحب بہادر جج جونپور نے معائنہ کے بعد از سر نو دونوں طاق کی مرمت کرائی
اور یہ پل پھر پہلے کی طرح مضبوط ہو گیا۔ ؎۲

؎۱ جونپور نامہ فارسی قلمی۔ جغرافیہ جونپور قلمی۔ تاریخ سکندری۔
؎۲ جونپور نامہ فارسی

مسجد نواب محسن خاں حمام دروازہ

اس مسجد کو نواب محسن خاں نے تعمیر کیا تھا۔ مولوی خیرالدین لکھتے ہیں کہ "یہ مسجد لکھمن داس کا بتخانہ تھا جس کو توڑ کر مسجد تعمیر ہوئی۔" مگر حقیقت یہ ہے کہ لکھمن داس علی قلی خاں کے دیوان تھے۔ اور اس بغاوت میں وہ بھی شریک تھے۔ جب علی قلی خاں قتل ہوئے اور انکی جائداد ضبط ہوگئی تو ان کے ہمراہیوں اور ساتھیوں کی جائدادیں ضبط کی گئیں جس میں لکھمن داس بھی تھے۔

نواب محسن خاں سے اکبر بہت ہی خوش تھا اور انکی بہت قدر و منزلت کرتا تھا۔ لکھمن داس کی حویلی انکو دیدیا۔ نواب مذکور نے حویلی کے اندر تبدیلیاں کیں اور ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ خود مولوی خیرالدین جونپور نامہ میں لکھتے ہیں کہ "لکھمن داس نے یہ بتخانہ اپنی حویلی کے اندر تعمیر کیا تھا" ظاہر ہے کہ حویلی کے اندر کوئی چھوٹا کمرہ رہا ہوگا جس میں دیوان صاحب نے اپنے پوجا پاٹ کے لئے مورتیاں رکھدی ہونگی۔ جیسا کہ عموماً ہندوؤں کے مکانوں۔ محرابوں اور دوسری جگہوں پر پوجا پاٹ کے لئے مورتیاں رکھدیتے ہیں۔ جس کو مندر نہیں کہا جاتا اور نہ اسکا استدلال مندر پر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس میں عام طور پر لوگ پوجا نہیں کرتے ہیں۔

نواب صاحب کی مسجد کی تعمیر مکمل نہ ہوئی تھی کہ انکا انتقال ہوگیا۔ انکے بعد انکے لڑکوں نے اسکو مکمل کرایا۔ مسجد بالکل پتھر کی نہایت حسین ہے۔ اس کا بیچ کا محراب دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس وقت مسجد کی حالت بہت خراب ہے زمین کا فرش ٹوٹ گیا ہے۔ پوری مسجد کی چھت شکست ہونے کی وجہ سے ٹپک رہی ہے۔ جگہ جگہ چھت کو اینٹوں کے کھمبوں پر روکا گیا ہے۔ صفائی بالکل نہیں رہتی۔ اور نہ اذان و نماز کا کوئی انتظام ہے۔ تعجب اور حیرت ہے کہ ناصریہ مدرسہ ہوتے ہوئے بھی یہ مسجد ویران ہے مسلمان شیعہ سنی جھگڑوں میں دلچسپی لینے

کے بجائے مسجد کی طرف توجہ نہ کریں گے تو سال دو سال میں گر جائے گی اس مسجد میں تین کتبے ہیں۔ داہنی طرف کے کتبے پر اشعار ذیل پتھر پر ابھرے ہوئے ہیں۔ [1]

شکر کز توفیق حیٔ لایموت — گشت محراب عبادت ایں کنشت
در جزاے آں خداوند کریم — بانیش را ساخت منزل در بہشت

سال تاریخ بنالیش کلک عقل
مسجد نواب محسن خاں نوشت

(ترجمہ) شکر ہے اس مالک کا جسکے ہاتھ میں موت و زندگی ہے کہ اس نے عبادت خانہ بنانے کی توفیق عطا کی۔ خداوند کریم اس تعمیر کی جزا میں بہشت کے اندر عالیشان محل تیار کریگا۔ سال تاریخ اس تعمیر کی عقل نے کہی کہ مسجد نواب محسن خاں کی ہے۔ ۹۷۵ھ

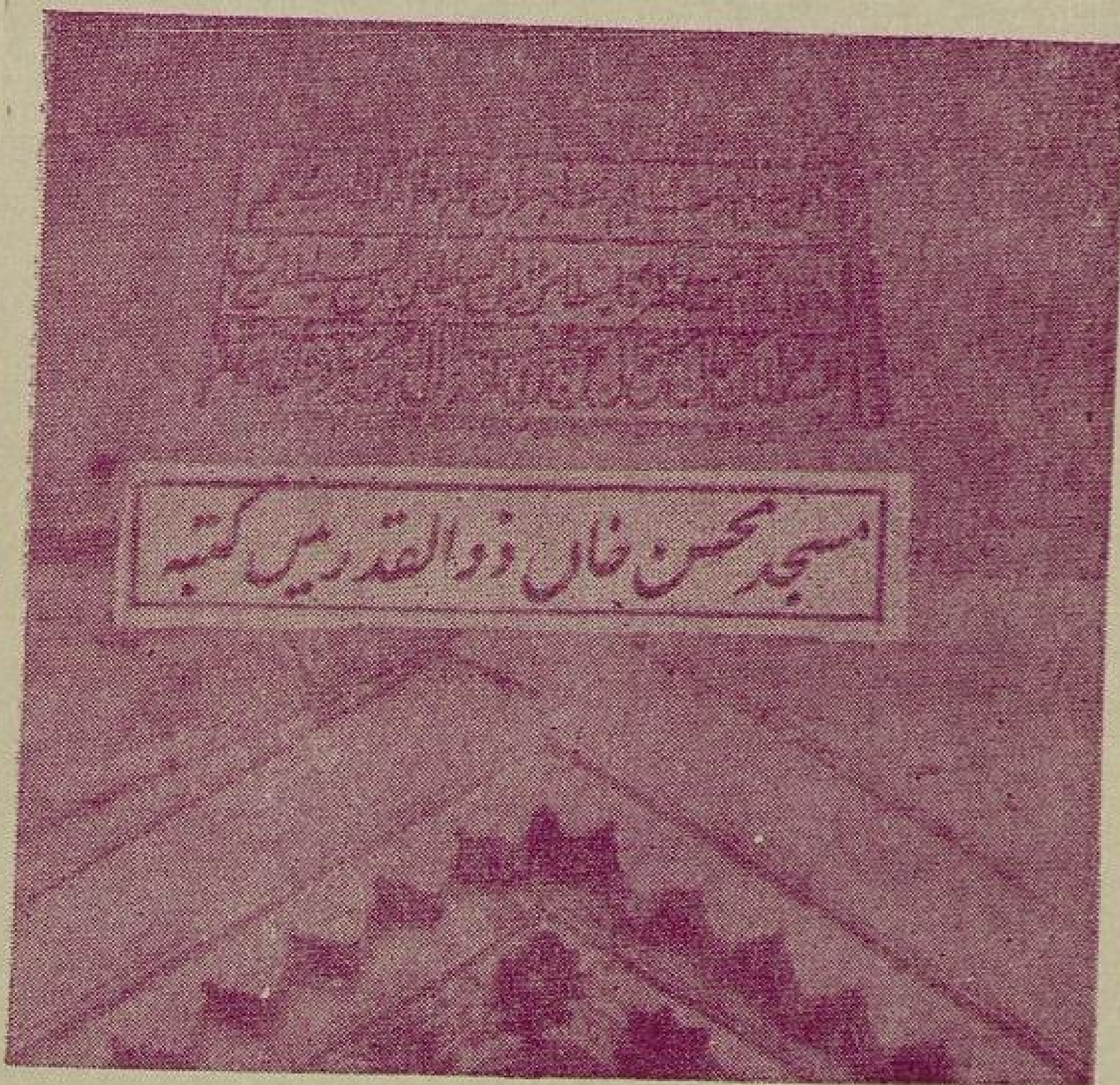
بیچ کے اندرونی محراب پر یہ عبارت پتھر پر ابھری ہوئی ہے:-

"ایں بنائے شریف در ایام دولت صاحب قراں اعظم مولا ملوک العرب والعجم حافظ بلاد ساخت خیر اللہ واسطہ امن وامان السلطان والسلطان الخاقان ابن الخاقان ابو المظفر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی بعافیت باتمام رسید ۹۷۵ھ

(ترجمہ) یہ تعمیر شریف عہد سلطنت صاحبقران اعظم مالک ملوک عرب اور عجم محافظ ملک املاک اللہ اپنے امن وامان اور خیر و عافیت میں رکھے۔ بادشاہوں کے بادشاہ۔ بادشاہ اور بادشاہ کے لڑکے ابو المظفر جلال الدین محمد اکبر

---

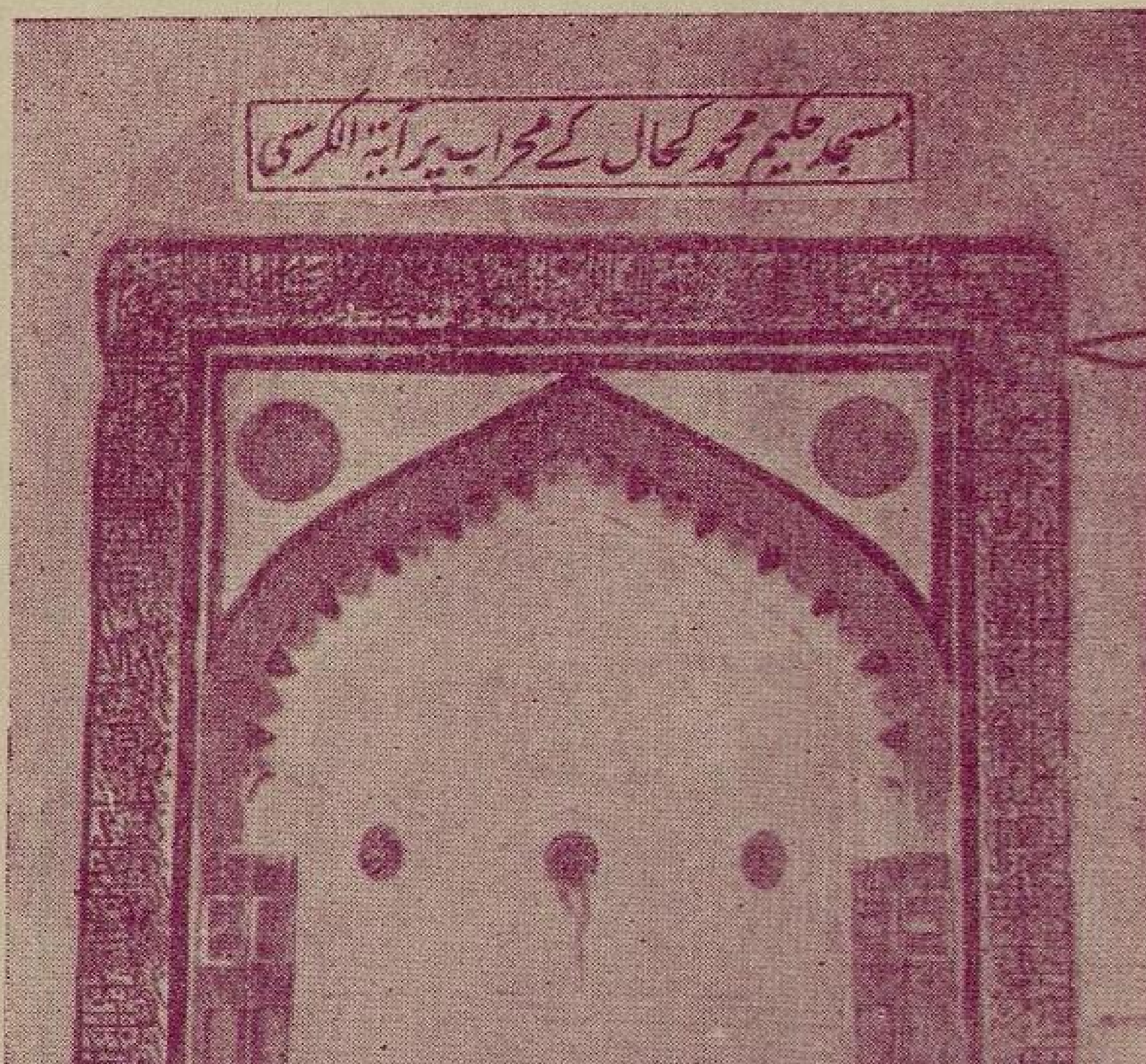
[1] جونپور نامہ قلمی۔ شرقی مونومنٹ۔ جغرافیہ جونپور حصہ اول صفحہ ۵۲-۵۱



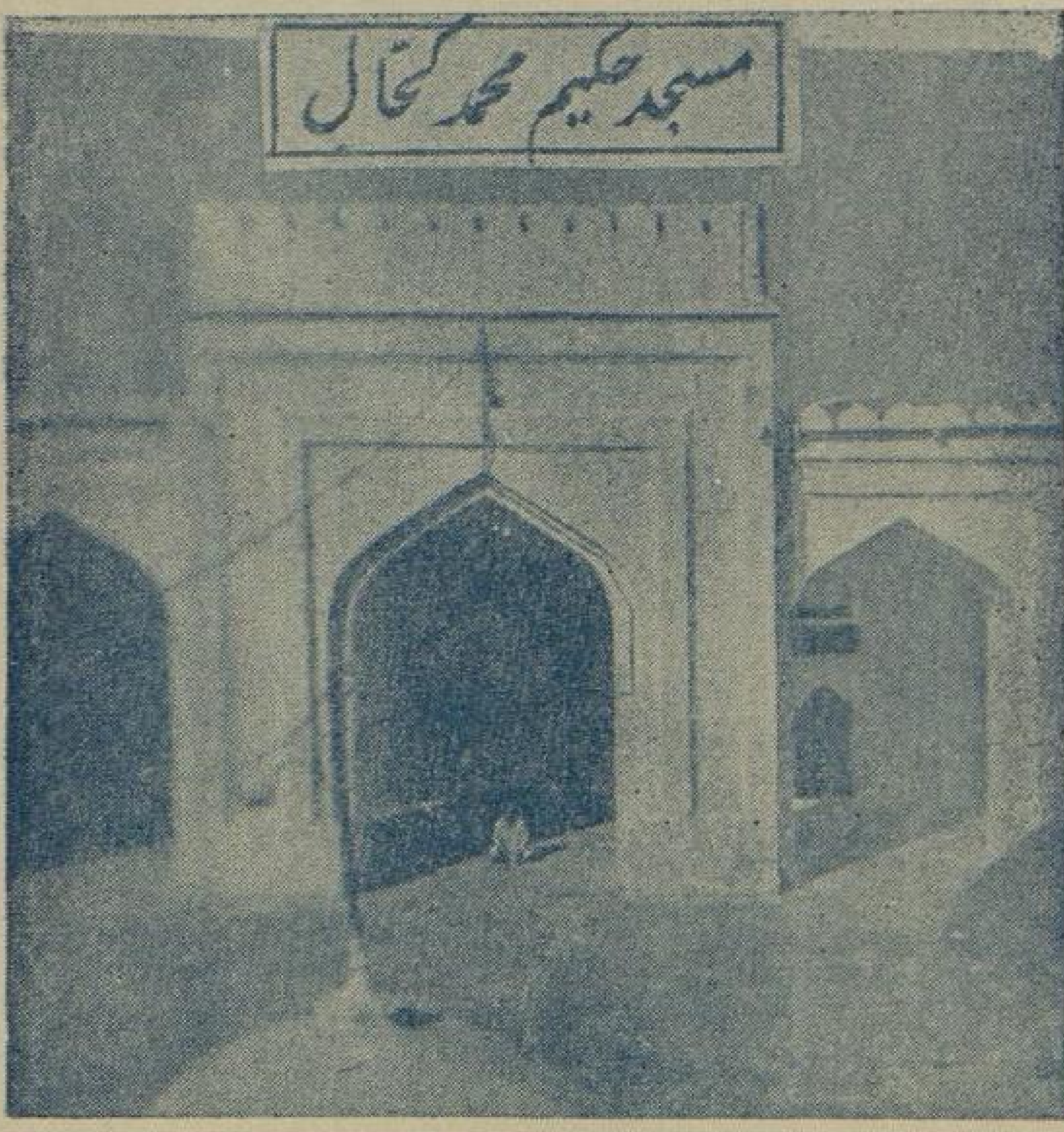
مسجد محسن خاں ذوالقدر میں کتبہ



۴ مسجد محسن نواب خاں کے دو کتبے



مسجد حکیم محمد کمال کے محراب پر آیۃ الکرسی


مسجد حکیم محمد گتال

بادشاہ غازی بعاینت اختتام کو پہونچی۔ ۹۷۵ھ

بائیں طرف یہ عبارت پتھر پر ابھری ہوئی تحریر ہے :-

"ایں بناے عالی بتاریخ نہصد و ہفتاد و پنج باتمام رسید

(ترجمہ) یہ عالی شان مسجد بتاریخ ۹۷۵ھ کو بنکر تیار ہوگئی ۔

اس پتھر پر بہترین نقش و نگار اور بند جالیاں بنی ہیں ۔

مسجد حکیم محمد کحّال کی کٹیر بازار جونپور

یہ مسجد شاہی پل کے اتری کنارے پر نواب وزیر کے باغ کے اندر واقع ہے ۔ حکیم محمد کحال اکبر اعظم کے دور حکومت میں آنکھ کے معالجے کے لئے جونپور میں مقرر تھے ۔ موصوف امراض چشم کے ایک حاذق اور ماہر طبیبوں میں تھے جس کی وجہ سے لوگ آنکھ کے علاج کے لئے دور دراز مقامات سے جونپور آتے تھے ۔ اس دور میں معصوم خاں نواسہ عبدالکریم خاں ولد عبدالرحیم خانخاناں جونپور کے ناظم تھے ۔

حکیم صاحب مسجد کے باہر شاہراہ پر فرش بچھا کر بیٹھتے تھے ۔ غرباء کا علاج مفت کرتے تھے اور امراء کو قیمت لیکر دوا دیا کرتے تھے ۔ چونکہ حکیم صاحب کی مہارت اور تجربہ کا بہت شہرہ تھا اسلئے پانچ چھ سو روپیہ کا سُرمہ روزانہ فروخت ہو جاتا تھا ۔ ایک روز ملازم نے کہا کہ آج صرف سَو روپیہ کا سرمہ فروخت ہوا ہے آمدنی کم ہوگئی ہے ۔ یہ سنتے ہی حکیم صاحب نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ افسوس جونپور غریب ہوگیا اور حکیم صاحب جونپور سے اکبر آباد چلے گئے ۔

حکیم صاحب نے اس مسجد کو ۹۸۶ھ میں تعمیر کرایا تھا اور مسجد سے متصل مکان و حمام بھی تھا ۔ اس مکان اور باغ کو مرزا شیخانے نواب ابوالمنصور خاں

سے خرید لیا تھا۔ مکان وغیرہ مرمت نہونے کی وجہ سے بوسیدہ ہوگئے تھے اسکو توڑ واکر ایک باغ لگوایا اور اسمیں چہار دیواری کھنچوادی۔ مسجد بھی بوسیدہ ہوگئی تھی۔ نواب سعادت علی خاں حاکم لکھنؤ نے اپنے وقت میں مرمت کرادی یہ مسجد اس وقت تک اچھی حالت میں ہے اور صاف ستھری رہتی ہے۔ نماز بھی پابندی سے ہوتی ہے۔ اسکے اتری محراب پر اشعار ذیل پتھر پر ابھرے ہوئے تحریر ہیں۔

فیضے کہ ز لا الہ است — از فضل محمد الرسول اللہ است
این مسجد عالی بنا کرد حکیم — آثار زمان اکبر شاہ است

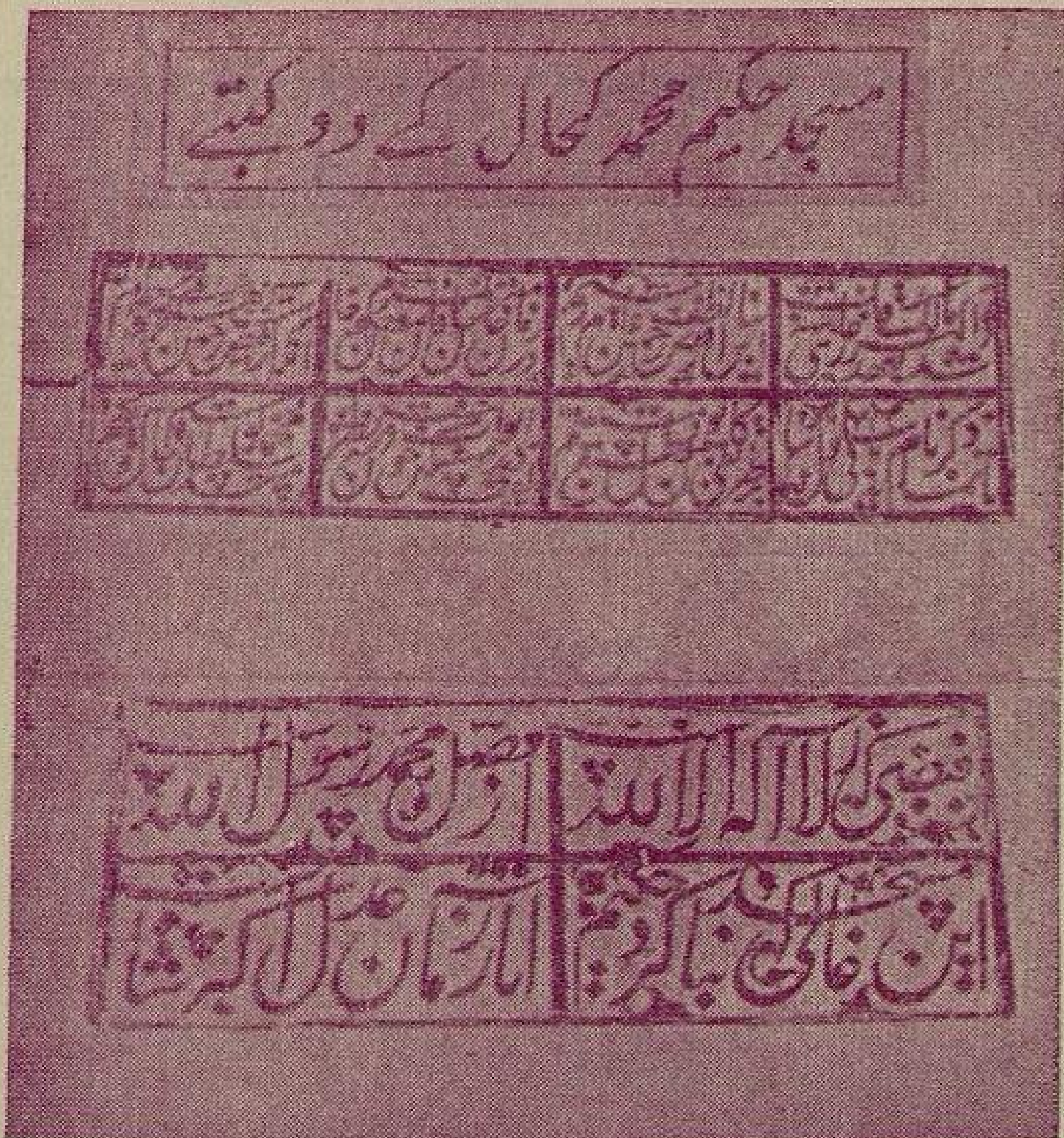
(ترجمہ) لا الہ کے فیض سے اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے فضل سے یہ بڑی مسجد حکیم نے تعمیر کیا وہ زمانہ سلطنت اکبر بادشاہ تھا۔

بیچ کے اندرونی محراب پر آیت الکرسی بخط نسخ پتھر پر ابھری ہوئی ہے اور بائیں محراب پر دکھن طرف یہ اشعار ابھرے ہوئے خط میں تحریر ہیں [1]

شد بعہد اکبر غازی شہ ملک قاب — این بنا از لطف عام و فیض رحمان رحیم
در زمان خانخاناں منزلت معصوم خاں — آنکہ ہست از فیض رحمان و رحیم و ہم کریم
تا بماند ذکر باقی بانی شامل بنا — ہر طریقے کاں بود مقبول طبع مستقیم
گفت مسکیں دید چوں ابواب جنت در نظر
مسجد سلطان محمد بریت کمال و حکیم — سنہ ۹۸۶ھ

(ترجمہ) اکبر بادشاہ غازی کے عہد سلطنت میں جو ملک کا بادشاہ تھا فیض عام رحمان و رحیم کے لطف و کرم سے یہ مسجد بنی۔ خانخاناں کے زمانے میں یہ معصوم خاں کا مکان تھا جو فیض رحمان و رحیم کریم سے مسجد بنی۔ ذکر باقی جو بنا میں شامل تھا ہر طریقہ پر انکا ارادہ مقبول مضبوط تھا۔ مسکیں نے کہا کہ

[1] در خط نسخ

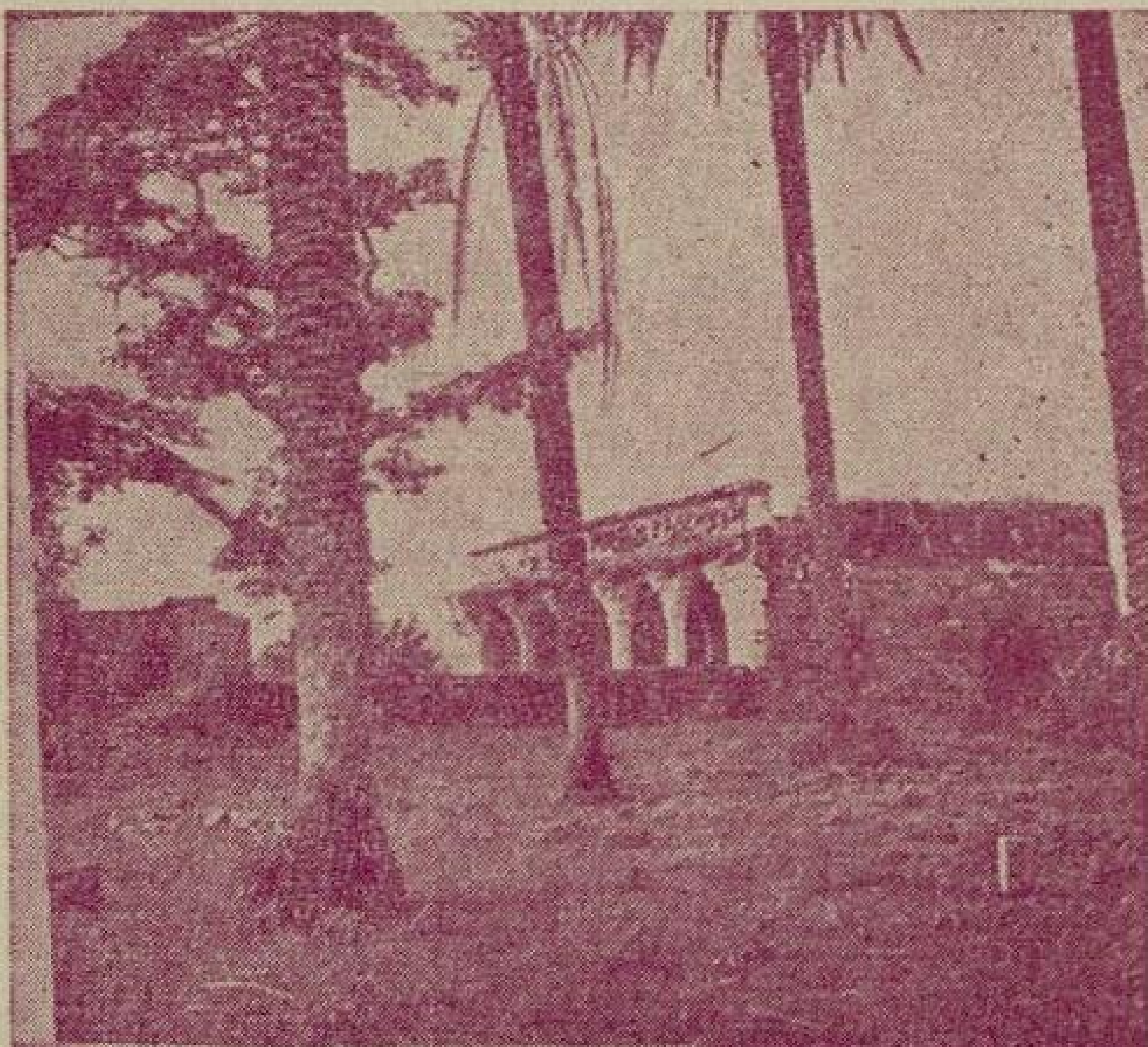


مسجد حکیم محمد کمال کے دو کتبے


لال مسجد



مسجد شیر کا صدر گیٹ



مسجد حضرت دیوان شاہ کبیر

مثل جنت کے دروازے دیکھ رہا ہوں ایک مسجد سلطان محمد دوسرا مکان کہ اللہ کے حکیم۔ سنہ ۹۸۶ھ [1]

مسجد شیر جونپور اس مسجد کا نام "مسجد شاہ شیخو" ہے۔ یہ دونوں پل کے درمیان واقع ہے۔ چونکہ اس مسجد کے سامنے پتھر کا خوبصورت شیر اور ہاتھی کا مجسمہ ہے جو بودھ دور کی یادگار ہے اس مناسبت سے یہ مسجد شیر مشہور ہوئی۔

حضرت شاہ شیخو رحمۃ اللہ علیہ ایک مجذوب فقیر تھے جو اسی پشتے پر رہتے تھے۔ اکبر اعظم کے دور حکومت میں منعم خانخاناں نے پل کی تعمیر کے بعد اس مقام پر ایک عالی شان پتھر کی مسجد اور خانقاہ حضرت شاہ شیخو رح کیلئے تعمیر کرایا۔ باہری حصوں میں دو کانیں ہیں۔ حضرت شاہ شیخو رح بعد وفات اپنے قیام گاہ مسجد کے صحن میں دفن ہوئے۔ آپ بہت بافیض بزرگوں میں ہیں۔ مزار مرجع خلائق ہے۔ مسجد نہایت حسین ہے اور اندرونی حصہ نہایت شاندار ہے۔ محراب پر آیۃ الکرسی کندہ ہے۔ [2]

مسجد دیوان شاہ کبیر رح محلہ تاڑتلہ جونپور اس سنگین مسجد کو بابا بیگ جلائر نے عہد ہمایوں بادشاہ میں شروع کیا جو عہد اکبر اعظم میں تکمیل کو پہونچی۔ حضرت دیوان شاہ کبیر سہروردی رح کے لئے بابا بیگ نے تعمیر کرایا تھا۔ اسی مقام پر حضرت دیوان شاہ کبیر رح کا مدرسہ و خانقاہ بھی تھی اور بابا بیگ جلائر نے اپنے قیام کے لئے ایک عالیشان مکان

---

[1] تاریخ جونپور صفحہ ۴۳-۴۲۔ جغرافیہ جونپور صفحہ ۵۶-۵۵۔ شرقی منومنٹ

[2] جغرافیہ جونپور صفحہ ۵۵

بہشت منزل بھی بنوایا تھا۔ اس مسجد سے متصل جارولطرف کافی زمین وقف تھی جسکا اسوقت کوئی پتہ نہیں چل رہا ہے۔ مسجد نہ اچھی حالت میں ہے اور نہ خراب۔ کئی قبریں مسجد کے اندر بھی ہیں۔

حضرت دیوان صاحب کا مزار مسجد سے باہر درخت املی کے نیچے ہے کچھ لوگوں نے اپنے متعلقین کو اس مسجد کے صحن میں دفن کر دیا ہے۔ یہ طریقہ کسی طرح مناسب نہیں۔ دیوان صاحب اعلیٰ درجے کے خوش نویس تھے۔ اس مسجد کے محراب کے اوپر جو اشعار پتھر پر اُبھرے ہیں وہ آپکی خوش نویسی اور خطاطی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں ؎

شکر کز باری توفیق باتمام رسید　　این عبادت گہ آراستۂ کعبہ نظیر

کہ بود بانی این پاک مکان بابابیگ　　ترک قبچاق نسب فائض خورشید منیر

بود از سال بنی نہصد و یکسال بود　　کہ شدہ جامعہ بر روئے زمیں نقش پذیر

سال تاریخ بنائش کہ خرد کرد رقم

منزل پاک عبادت گہ اصحاب کبیر ؎[۱]

(ترجمہ) اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ اس تعمیر کے اختتام کی توفیق ہوئی جو عبادت گاہ آراستہ مثل کعبہ کے ہے۔ اس پاک مکان کے تعمیر کنندہ بابا بیگ ہیں جو ترک قبچاق نسب مثل آفتاب روشن ہیں۔ اس تعمیر کی ابتدا سنہ ۹۰۱ھ میں ہوئی اور اسکی بنیاد زمین پر قائم کیگئی۔ اے خرد سال تاریخ اختتام تعمیر کی لکھ کہ یہ پاک مکان عبادتگاہ حضرت شاہ کبیر ہے ۹۹۹ھ

---

[۱] جونپور نامہ فارسی قلمی۔ تاریخ جونپور ص ۴۶-۴۵۔ جغرافیہ جونپور شرقی منومنٹ فصیح الدین۔

یہ مسجد دیوان شاہ کبیر محلہ تاڑتلہ میں ہے۔ پہلے اس محلہ کا نام محلہ دیوان شاہ کبیر تھا۔ اسکے متصل کئی ایک درختانِ کھجور اب بھی ہیں۔

مسجد مستجاب الدعوات ہنومان گھاٹ جونپور

یہ مسجد لب دریائے گومتی داہنے ساحل پر جین مندر سے متصل واقع ہے۔ مستجاب الدعوات کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ پل کی تعمیر کے وقت بڑی بڑی رکاوٹیں پیدا ہوگئی تھیں اور کسی بھی صورت سے پانی کم نہ ہوتا تھا۔ منعم خاں خانخاناں نے فقرائے کاملین کو جمع کرا کے دعا خوانی کرائی اور پل کی تعمیر کے سلسلے میں جو رکاوٹیں تھیں وہ ان بزرگوں کی دعاؤں سے دور ہوگئیں۔ اس مقام پر منعم خاں خانخاناں نے مسجد تعمیر کرائی اور اس کا نام مستجاب الدعوات مشہور ہوا۔ آج بھی اس مسجد کے فیوض و برکات جاری ہیں۔ دعا کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ سخت سے سخت مشکلات اور مہمّات میں عوام نصف شب کو دعا کے لئے آتے ہیں اور انکی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ مجھ راقم الحروف کو اس مسجد سے بہت فیض پہونچا ہے۔

اس مسجد کے صحن میں پورب طرف دکھن کے کونے پر ایک بزرگ کا مزار ہے۔ گمان غالب ہے کہ یہ مزار حضرت شاہ شیخو رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مولوی نورالدین صاحب نے بھی حضرت شاہ شیخو کا قیام دریائے گومتی کے شمالی کنارے پر لکھا ہے جس سے ثابت ہے کہ یہ مزار حضرت شاہ شیخو رح کا ہے۔ حضرت شیخو رح بھی اور بزرگوں کے ساتھ اس دعا میں شریک تھے۔ میرے خیال میں نورالدین زیدی کی نشاندہی کے مطابق شیر کی مسجد میں حضرت شاہ شیخو رح کے مزار پر جو کتبہ لگا ہے وہ غلط ہے کیونکہ وہ دریا کا شمالی حصہ نہیں ہے بلکہ جنوبی حصہ ہے۔

متواتر سیلاب کیوجہ سے مسجد کی دیواریں گر گئی تھیں مسلمانوں نے چندہ سے مرمت کرایا اور مسجد کو سرخ رنگ دیا۔ اسوقت سے یہ لال مسجد مشہور ہوگئی۔ اسکے مرکزی چہرے کے بائیں بازو پر (یا فتح فتیح) پتھر پر ابھرا ہوا ہے جس سے تاریخ ۹۳۷ھ نکلتی ہے۔

اس مسجد سے متصل کافی زمین دریا کے کنارے وقف ہے جس پر لکڑی کی ٹال اور دوسری دو کانیں لگتی ہیں مگر انتظام درست نہیں ہے۔ ١؎

مسجد عیدگاہ شاہی محلہ عمر پور جونپور

یہ الہ آباد روڈ پر اکبری پل کے تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایک بہترین عمارت ہے۔ پہلے حسین شاہ شرقی نے تعمیر کرایا تھا عید الفطر و عید الاضحیٰ کے موقع پر کشتیوں کا پل دریائے گومتی پر بناکر بادشاہ مع افواج و اہلیان شہر نماز کے لئے جاتے تھے۔ سلطنت شرقیہ کے زوال کے بعد جونپور کی مرکزی حیثیت اور رونق جاتی رہی کسی نے بھی اس عیدگاہ کی مرمت اور دیکھ بھال کی طرف توجہ نہ کی جسکی وجہ سے دیواریں گر گئیں۔ مگر اکبر اعظم کے دور حکومت میں جونپور کو پھر ایکبار امتیازی حیثیت حاصل ہوگئی جب منعم خاں خانخاناں یہاں کے ناظم مقرر ہوئے تو انھوں نے بادشاہ کی ایما سے عیدگاہ کی طرف خاص توجہ دی۔ اسکی دیواریں بلند از سر نو تعمیر کرائی گئیں اور صدر دروازہ نہایت بلند و عالیشان اور دربان کے لئے اس پر ایک کمرہ اور صحن مسجد میں ایک حوض اور کنواں بھی بنایا۔ حکام جونپور ہمیشہ دیکھ بھال کرتے اور اس عمارت کا خیال رکھتے ہیں۔ عیدین میں صفائی

١؎ جونپور نامہ فارسی قلمی۔ تاریخ منعمی۔ جغرافیہ جونپور صفحہ ۵۳-۵۲ تاریخ جونپور صفحہ ۴۶



عیدگاہ شاہی کا اندرونی منظر


عیدگاہ شاہی کے منبر کا کتبہ
منبر این بنا کہ از رہ قدر
بر کیوان کشیدہ از سر سو
آسمان بلند پایہ بود
پست چون پایہ زیر پای او
واعظ او پسر اعلو مکان
نا رود بر پیمبر سدرہ فرو
سال تاریخ او طلب کردم
ہاتف غیب گفت وعظ بگو

وفروشش اور شامیانہ کا انتظام کرتے اور نماز مسلمانوں کے ہمراہ ادا کرتے ہیں اور یہ دستور نواب کلب علیخاں کے وقت تک جاری رہا۔ اسکے بعد یہ انتظام راجہ شیولال دوبے کے سپرد کیا گیا۔ موصوف کچھ عرصہ تک سفیدی، صفائی اور فروشش کا انتظام کرتے رہے۔ چند سال تک انکے داماد جے گوپال پانڈے نے انتظام کیا اور خلعت قاضی و خطیب پہونچا یا کرتے تھے۔ پھر سب بند ہو گیا اور تمازت آفتاب کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑی تکلیف ہونے لگی۔ آخر کار مسلمانوں نے نماز عیدین بجائے عیدگاہ کے جامع مسجد میں پڑھنا شروع کر دی عیدگاہ پھر ویران ہو گئی اور کچھ افغان جو عیدگاہ کے قرب میں آباد تھے صحن میں کاشتکاری کرنے لگے۔ ۱۹۰۲ء میں مسٹر ابراہم ولندصاحب کو اس کی اطلاع ہوئی۔ موصوف نے موقع کا معائنہ کرکے کاشتکاری کو فوراً بند کر دیا۔ اور راجہ شیولال دوبے کو سفیدی۔ فرش اور شامیانہ کا حکم دیا۔ مسٹر ابراہم کے زمانے تک راجہ صاحب پابندی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ مرزا احمد بخش ناظر جونپور کو عیدگاہ کی مرمت کا حکم دیا گیا۔ اسکی مرمت جاری تھی کہ مسٹر ابراہم ولندصاحب کا تبادلہ ہو گیا اور یہ کار خیر رک گیا۔ اس سے متصل چاروں طرف کافی افتادہ زمین تھی جسکا کافی حصہ کھیتوں میں شامل ہو گیا ہے۔ یا لوگوں نے اپنے مصرف میں لے لیا ہے۔

اتری و دکھنی حصہ میں بزرگان دین اور شہر کے کچھ خاندانوں کی قبریں ہیں۔ اسی طرح پچھم طرف افتادہ زمین پر سیکڑوں خام اور شکستہ قبریں ہیں اور عام مسلمانوں میں جو چاہتا ہے آزادی سے اپنے مردوں کو دفن کرتا ہے مگر کسی کو عیدگاہ کی زمین کی دیکھ بھال یا حفاظت کی قطعی فکر نہیں ہے۔ ہر سال اس زمین کا کچھ نہ کچھ حصہ کھیت والے اپنے کھیتوں میں شامل کرتے جاتے ہیں۔

منتظمین کو بھی اسکی حفاظت کی کوئی فکر نہیں ہے۔ کثرت آبادی کی وجہ سے مسلمانوں کو نماز عیدین میں بہت پریشانی اور دقت جائے نماز کی ہوتی ہے۔ بہت زیادہ آدمی کمی جائے نماز کی وجہ سے زمین پر نماز پڑھتے ہیں۔ عیدگاہ کے صحن میں جو گھاس اُگتی ہے وہ کانٹے دار ہوتی ہے۔ اسکی صفائی تک نہیں ہوتی اسکو صاف ہونا چاہیئے اور پختہ فرش کو وسیع ہونا چاہیئے حالانکہ خود عیدگاہ کے درختوں کے پھلوں اور عیدین میں مسلمانوں کی امداد سے کافی آمدنی ہو جاتی ہے جس سے صفائی کے اخراجات اور مرمت ہو سکتی ہے۔ عیدگاہ کی حفاظت کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ صدر گیٹ میں پیپل کے درخت سے شگاف آگیا ہے

منبر کے اوپر یہ اشعار پتھر پر ابھرے ہوئے ہیں :-

منبر آں بنا کہ از رہ قدر ۔۔۔ سر کیواں گشید از ہر سو

آسماں گو بلند پایہ بود ۔۔۔ پست چوں پایہ زیر پائے او

واعظ او سر از علو ومکاں ۔۔۔ می برد از سر یہ سدرہ فرد

سال تاریخ او طلب کردم

ہاتفِ غیب گفت وعظ بگو ۔۔۔ سنہ ۱۰۰۴ھ

(ترجمہ) یہ منبر از راہ عقیدت و بزرگی بنا۔ اسکی ظرف کی بلندی آسمان تک پہونچتی ہے گو آسمان کا پایہ بلند ہے۔ مگر اس منبر کے پایہ کے مقابلہ میں پست ہے۔ جو واعظ اس پر بیٹھتا ہے اسکا سر علو مکان تک پہونچتا ہے اور اس کا جسم سدرہ کے قریب ہے۔ سال تاریخ جو مجھ سے طلب کرتے ہیں ہاتف غیب نے کہا کہ وعظ بگو لکھ۔ سنہ ۱۰۰۴ھ۔

منبر کے اوپر دوسری منزل پر یہ اشعار پتھر پر ابھرے ہوئے ہیں۔

حامیٔ شرع نبیٔ منعم خاں ۔۔۔ کہ بجاں پیرو احمد باشد

در زمانش چه بنا ہا نشنید
باز پس عمر موید باشد

ایں بنا دوست محمد چوں نہاد
ظل عالیش مخلد باشد

بہر تاریخ بنایش گویند
مسجد دوست محمد باشد

سنہ ۹۶۹

(ترجمہ) منعم خاں جو پابند شریعت نبی ہے۔ جو اپنے جان کے ساتھ دین محمدی کا پیرو ہے میں نے ایسی تعمیر زمانے میں نہیں سنا باوجودیکہ میری عمر بہت دراز ہے۔ یہ تعمیر دوست محمد نے کیا جو نیک نہاد ہے۔ جو زیر سایہ خلد کے تھا۔ تاریخ تعمیر کہہ رہا ہوں مسجد دوست محمد باشد

وسطی محراب کے اوپر آیت الکرسی پتھر پر ابھرے ہوئے خط میں ہے۔ اسکے نیچے یہ اشعار ابھرے ہوئے خط میں ہیں :-

اکبر غازی جلال الدین محمد بادشاہ
آنکہ در عہدش بنائے شرع بس مستحکم است

بس عمارت ہائے عالی شد بنا در عہد او
خاص ایں منزل کہ مثلش در جہاں جائے کم است

چشم ما جز ایں بزیر گنبد گردوں نہ دید
ایں چنیں نادر بنائے تا بقائے عالم است

(ترجمہ) یہ تعمیر جلال الدین محمد اکبر غازی کے عہد سلطنت میں شرع کے مطابق مستحکم ہوئی۔ یہ عمارت عالی جو اس عہد میں تعمیر ہوئی اس عمارت کے مثل جہاں میں عمارت کم ہے۔ ہیں نے ایسی عمارت اس آسمان کے نیچے نہیں دیکھا۔ یہ نادر عمارت جب تک دنیا قائم ہے قایم رہے گی۔

مرکزی محراب کے بائیں طرف کچھ بلندی پر یہ اشعار پتھر پر ابھرے خط میں تحریر ہیں:۔

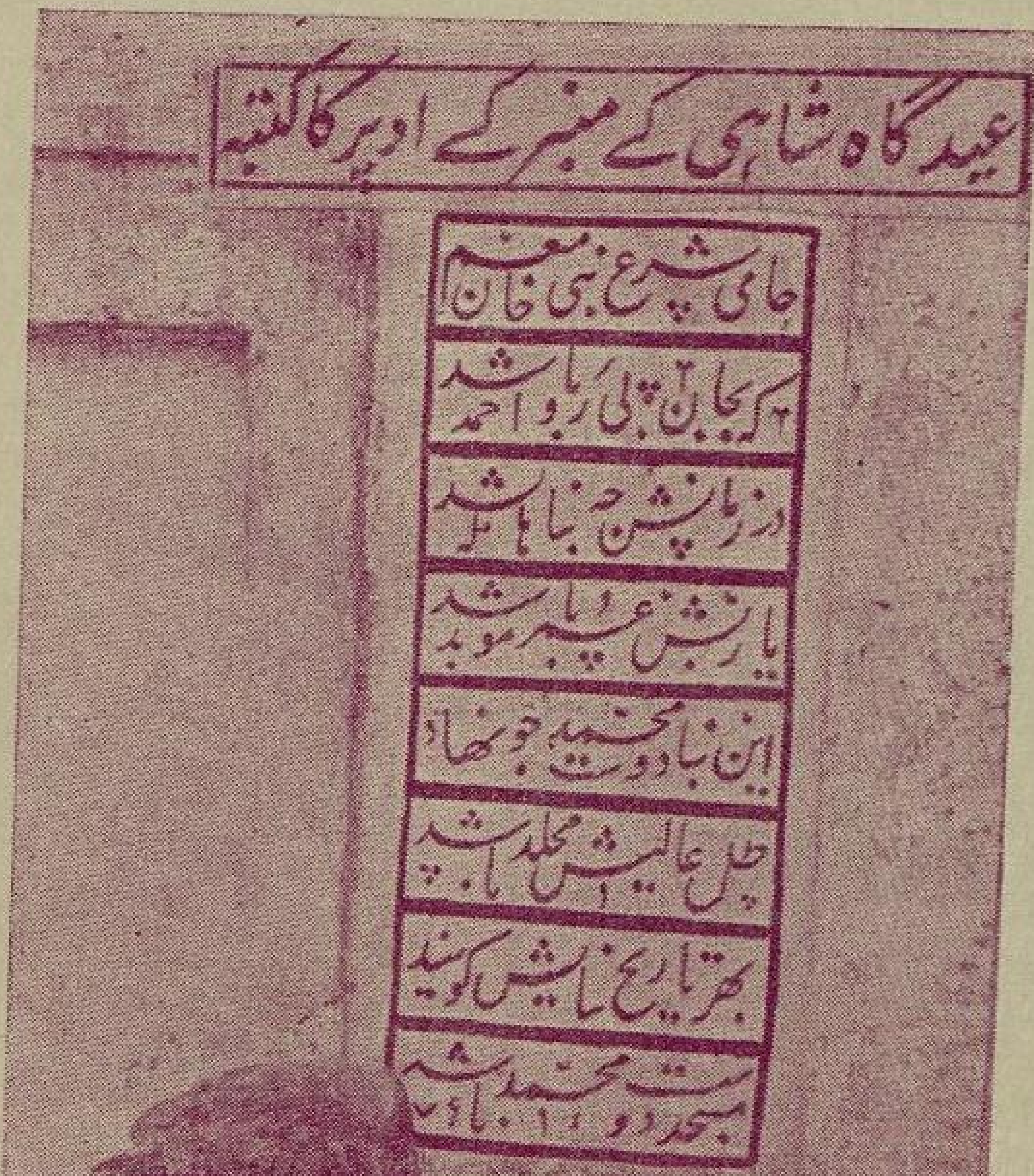
سپہر عدل منعم خانخاناں — بنا این مسجد صاحب کمالے
سکندر حشمت و جمشید جاہے — ہمایوں طالعے فرخندہ فالے
وکیلِ خسرو بودہ بنا کرد
بعہد خویش عید گاہ بے مثالے [۱]

(ترجمہ) عدل کے سپہر منعم خاں خانخاناں نے یہ مسجد تعمیر کرایا صاحب کمالوں سے۔ وہ منعم خاں جو سکندر کی حشمت اور جمشید کی جاہ اور ہمایوں کی تقدیر اور ہر کام میں نیک فال ہے۔ بادشاہ کے وکیل نے اسکو تعمیر کیا اپنے عہد میں بے مثال عید گاہ۔

قوم کی بد مذاقی اور جہالت پر افسوس ہوتا ہے کہ سیکڑوں سال سے ان کتبوں پر سفیدی پھیرتے پھیرتے خراب کر دیا ہے۔ حروف سب ٹوٹ گئے ہیں جس سے صحیح پڑھا نہیں جاتا بڑی کوشش صفائی اور رنگ آمیزی کے بعد اتنا پڑھا گیا ہے۔ مسجد عید گاہ کی دیواریں بڑی موٹی اور دس فٹ اونچی ہیں۔ عید گاہ تقریباً ۱۲-۱۵ ایکڑ کے رقبے میں ہے۔ باہری افتادہ زمین اسکے علاوہ تھی جو صحن کے طور پر خوبصورتی کے لئے چھوڑ دیگئی تھی۔ مگر مسلمانوں کی عدم توجہی کے سبب ضایع و برباد ہو رہی ہے۔

---

[۱] جونپور نامہ فارسی قلمی۔ جغرافیہ جونپور صفحہ ۵۴-۵۳ تاریخ جونپور صفحہ ۴۷-۴۶ شرقی منومنٹ صفحہ ۱۱۷-۱۱۵-۴۵



عیدگاہ شاہی کے منبر کے اوپر کا کتبہ


مسجد داراشکوہ

مسجد و سرائے خام مرزا میرک رضوی

یہ مسجد پتھر کی بنی ہوئی نہایت حسین سرائے مرزا میرک کے اندر واقع تھی، عہد عالمگیر بادشاہ میں یہ سرائے آباد تھی۔ مسجد درمیان سرائے واقع تھی بدینوجہ منتظمین سرائے اسکی مرمت کراتے رہے۔ ۲۰۰ سال کے قریب ہوا کہ شیخ محمد ساکن قصبہ گھسوہ نے مرمت کرائی۔ پھر مرمت کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ ۱۵۰ برس ہوا کہ اس کی چھت گر گئی۔ پتھر کباڑیوں نے خفیہ طور پر فروخت کر ڈالا۔ مسٹر ابراہم ولنڈ صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ موصوف نے اس معاملہ کو کوتوال شہر کے سپرد کیا۔ آخر کار وہ پتھر برآمد کئے گئے اور چوروں کو سزا دی گئی۔ ۱۸۰۲ء میں ولنڈ صاحب نے سرائے کی ناگفتہ بہ حالت دیکھکر منہدم کرا کے بازار کی صورت کر دی اور مسجد کی مرمت کا حکم مرزا احمد بخش ناظر کو دیا گیا۔ اس مسجد کو سید مرزا میرک رضوی نے تعمیر کرایا تھا۔ اسی سرائے کے اندر ایک پتھر کے وسیع چبوترے پر انکی قبر ہے اس مسجد سے متصل اتر طرف ایک پختہ کنواں لب سڑک اب بھی موجود ہے۔[۱]

مسجد میر محسن

یہ مسجد پتھر کی بنی ہوئی محلہ رضویخاں (الفنسٹین گنج) میں واقع ہے۔ اس مسجد کو میر محسن صاحب نے اکبر اعظم کے دور حکومت ۹۸۴ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ مسلمانوں کی عدم توجہی کیوجہ سے مسجد کی حالت اچھی نہیں ہے۔ اسکے اندر پتھر پر ابھرے خط میں جو سفیدی کیوجہ سے بالکل پڑھے نہیں جاتے۔ اشعار ذیل کندہ تھے

زفضلِ رضا میر محسن کہ او   بظل تو اور وحقا پناہ

---

[۱] جونپور نامہ فارسی قلمی

بخاکِ درت اشکِ ریزاں رسید — پریشاں و حیراں و نامہ سیاہ
جوابش چنیں داد پیرِ خرد — بیا تا بر ستیم از غیر راہ
بدل گفت تاریخ ایں بقعہ را
چوں تاریخ جوئی __بہ بخشد گناہ__ [1] سنہ ۹۸۴ھ



(ترجمہ) وہ میر محمد محسن جو تیرے فضل و رضا اور تیرا سایہ و پناہ کا طلبگار تیرے در کے خاک پر روتا حیران پریشان نامہ اعمال سیاہ لیئے ہوئے پہونچا ہے۔ پیر خرد نے جواب دیا کہ تیرا یہ راستہ غیر راہ نہیں ہے تو دل سے اس تعمیر عمارت کی تاریخ کہہ تاریخ کے ڈھونڈنے میں تیرے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

اس مسجد کے حجرے میں ایک بزرگ عالم شاہ رہتے تھے جو بہت ہی صاحب فیض بزرگ تھے۔ اہل جونپور نے ان سے بہت فیض اٹھایا۔ اہل حاجت حاضر ہوتے اور مقصود

---

[1] تاریخ جونپور۔ شرقی منومنٹ ص __۴۹__

بر آتا۔ ان کا انتقال اسی مقام پر ہوا اور مسجد سے پورب ۲۵ قدم کے فاصلہ پر دفن ہوئے۔ آپ کا مزار بیب کے درخت کے نیچے رام نراین سنتھالیہ وکیل کے مکان سے متصل اب بھی موجود ہے۔ یہ مسجد بعد کو آبیر کی مسجد مشہور ہوگئی۔ اس مسجد کے پورب افتادہ زمین پر عبدالرحیم صاحب وکیل نے دوکانیں تعمیر کرادی ہیں اور اوپر مکانات ہیں جس میں کرایہ دار آباد ہیں جس سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے۔

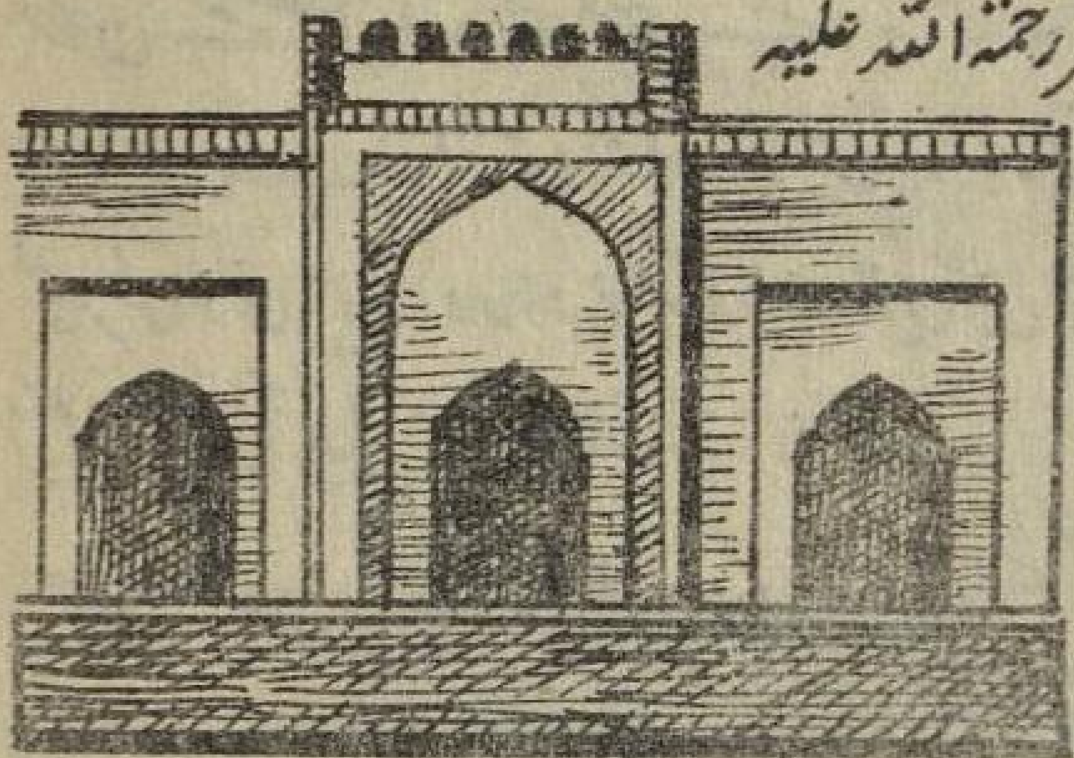
پختہ سرائے جونپور

یہ سرائے پختہ سرائے کے نام سے موسوم ہے اسکو منعم خاں خانخاناں نے ۹۷۶ھ میں اکبری پل کے فوراً ہی بعد اسی کے بچے ہوئے سامان سے تعمیر کرایا تھا۔ یہ سرائے دو پھاٹک سے گھری ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ پھاٹک اپنے وقت میں نہایت حسین رہے ہونگے۔ اب عدم توجہی کی وجہ سے بہت خراب حالت میں ہیں کبھی مرمت نہیں ہوتی۔ اس سرائے میں پچھم طرف ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ گوکہ اس وقت مسجد کی وہ خوبصورتی نہیں ہے جو اکبری دور میں تھی مگر پھر بھی اپنی قدامت کو پورے طور پر ظاہر کر رہی ہے۔

منعم خاں خانخاناں خود بھی ایک شاعر تھے اور انھوں نے علم و فن کی پوری سرپرستی اپنے دور میں کی۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحتوں پر خوب عمل کیا ہے اور رفاہ عام کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے۔ بعد کو سرائے کے اندر ترمیم کر کے دوکانیں کنوائی گئیں۔ آج کل پولیس چوکی اسی سرائے کی عمارت میں ہے۔ اور پیٹرول کی ٹنکی۔ سبزی فروش ہوٹل اور حلوائیوں کی دوکانیں ہیں۔ دکھنی پھاٹک کے کھمبے کا ایک پتھر ٹوٹ گیا ہے۔

مسجد شاہ مظفر محلہ رضویخاں جونپور

یہ مسجد محلہ رضویخاں میں اٹالہ مسجد سے پچاس ساٹھ قدم دکھن طرف لبِ سڑک واقع ہے۔ شاہ مظفر رحمۃ اللہ علیہ ایک کامل اولیاء اللہ اور خدا دوست بزرگ عہد اکبر بادشاہ میں تھے۔ اسی مقام پر سڑک کے بعد پورب طرف انکی خانقاہ اور مدرسہ تھا۔ قوچقار جو منعم



خاں خانخاناں کا غلام تھا شاہ صاحب کا مرید اور بیحد عقیدت مند تھا۔ اسی نے انکی عبادت اور مریدین کی تعلیم کے لئے یہ مسجد اور خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔ اب صرف مسجد باقی ہے اور خانقاہ مسمار ہوکر نیست ونابود ہوگئی نشان تک باقی نہیں ہے۔ اسی مسجد کے صحن میں اترجانب شاہ مظفر صاحب کا مزار پختہ اندر چہار دیواری ہے۔

مسجد کے مرکزی محراب پر یہ اشعار پتھر پر ابھرے ہوئے ہیں۔ جس کے کافی حروف سفیدی کی وجہ سے ٹوٹ گئے ہیں میں نے اس کتبے کی صفائی کراکے رنگ آمیزی کرادی ہے۔

صد شکر کہ مسجد این بنا شد　　در عہد شہ ملک ستودہ
شہ اکبر غازی آنکہ حکمش　　زنگ از دل کافران دودہ
خورشید فلک مدار منعم　　کز عکس رخش قمر فزودہ
از عدل طریق ظلم بستہ　　وز لطف در کرم گشودہ
قوچقار بدو نقش بنا کرد　　این بقعہ کہ سر بچرخ سودہ

تاریخ بنائے او خرد گفت
از بہر خدا بنا نمودہ [۱]

(ترجمہ) سیکڑوں شکر ہے کہ یہ مسجد تعمیر ہوئی۔ عہد میں ایک بڑے بادشاہ کے اکبر بادشاہ کے حکم سے اس مسجد کی تعمیر سے کفار کے بھی دلوں کا زنگ دھویا جاتا ہے۔ منعم جو آفتاب فلک ہے اور جس کے چہرے کا حسن چاند سے بھی زیادہ ہے جس کے عدل اور انصاف سے ظلم مٹ گیا اور جسکے لطف و کرم نے مخلوق کو سیراب کر دیا۔ فوجقا نے اس مسجد کو تعمیر کرایا۔ یہ وہ پاک مکان ہے جسکی روشنی آسمان تک پہونچتی ہے۔ تاریخ تعمیر اے خرد کہو۔ واسطے خدا کے یہ تعمیر ہوئی سنہ ۹۷۸ھ

مسجد سرائے پہاڑ خاں

یہ چھوٹی سی مسجد محلہ رضوی خاں میں سرائے پہاڑ خاں کے اندر واقع ہے جو آج کل پالی ٹکنک اسکول کے پیچھے ہے۔ اس کو اعتقاد خاں عرف پہاڑ خاں نے سرائے کے ساتھ مسافروں کے نماز پڑھنے کے لئے سنہ ۱۰۵۱ھ میں بنوایا تھا۔

پہاڑ خاں عہد شاہجہاں بادشاہ میں حاکم جونپور تھے۔ پہاڑ خاں کا مکان مسکونہ بھی اسی جگہ تھا۔ مزار آپ کا صحن مسجد کے اندر ہے پہلے کچھ افغان اس مسجد کے قریب رہتے تھے۔ مسجد کے صدر محراب پر یہ اشعار پتھر پر ابھرے ہوئے خط میں ہیں جو سفیدی کی وجہ سے ٹوٹ گئے ہیں اور پڑھے نہیں جاتے ہ

در عہد بادشاہ جہاں شاہجہاں بہ سعی　　ایں مسجدے کہ ہیبت نظیرش مگر جہاں

---

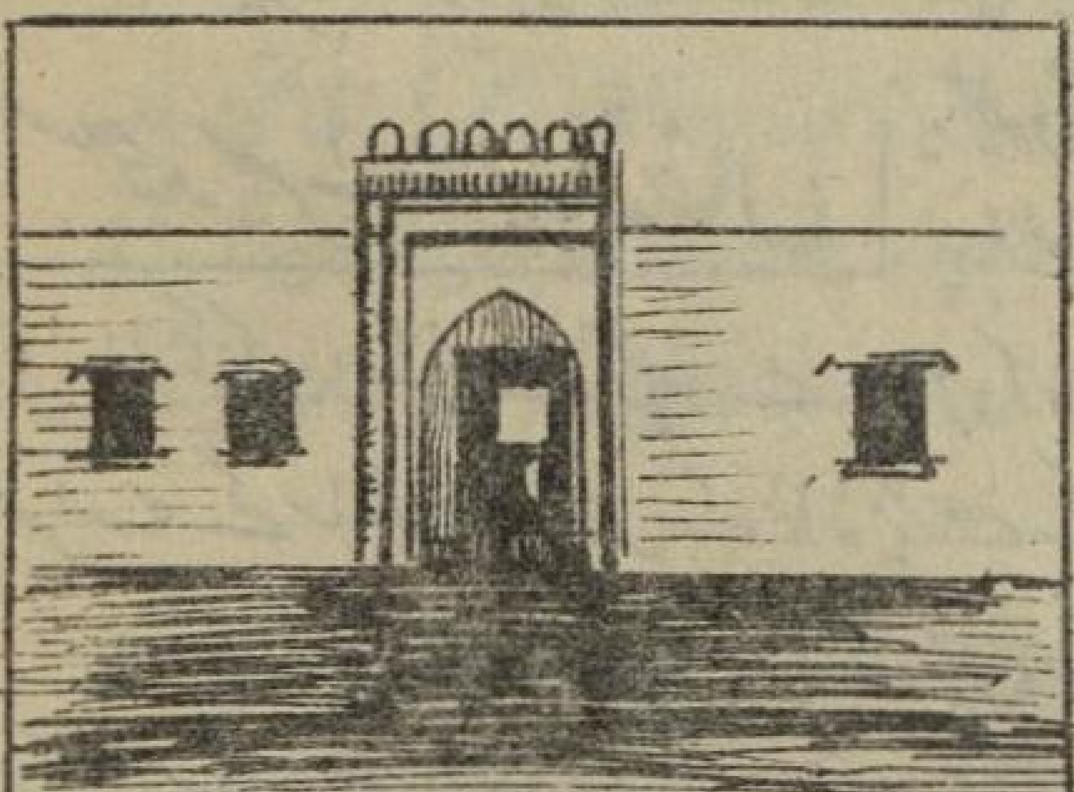
[۱] تاریخ جونپور ص ۴۲-۴۳

بقعہ بنا نمود و بخوبی تمام شد — از دولت عزیز جہاں اعتقاد خاں
سالِ بناء خواستم از پیر عقل گفت
لوحِ جبین طاعتیاں کردہ ایں مکاں — ۱۰۵۱ھ

(ترجمہ) عہد سلطنت شاہجہاں بادشاہ کے یہ مسجد جسکی نظیر نہیں بہ کوشش تعمیر ہوئی۔ اس مسجد کی تعمیر بخوبی تمام عزیز جہاں اعتقاد خاں نے کیا۔ سال تاریخ اسکی "لوحِ جبین طاعتیاں کردہ ایں مکاں" ہے۔

خانقاہ رشیدیہ جونپور

اسکا قطعی طور پر پتہ نہیں چلتا کہ خانقاہ رشیدیہ کی بنا کس سنہ میں پڑی مگر بہت چھان بین کے بعد یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ شاہجہاں بادشاہ کا دور حکومت تھا اس طور پر اسکی تعمیر کو ۳۵۰ سال کا زمانہ ہوتا ہے



اس خانقاہ سے اتر مسجد اور ایک کنواں پختہ حضرت مخدوم دیوان عبد الرشید نے بنوایا تھا مسجد پہلے مسطح تھی بعد کو گنبد بنے ہیں اور خانقاہ بھی پہلے سفالہ پوش نہ تھی بلکہ چھپر پڑے ہوئے تھے۔ لکھا ہے کہ حضرت مخدوم صاحب اندرون خانقاہ بیٹھے ہوئے تھے اور پانی برس رہا تھا چھپر ٹپکا تو کسی مرید نے کہا کہ چھپر اچھا نہیں بنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ پانی روکنے کے لئے نہیں بنا ہے بلکہ دھوپ کی روک کے لئے ہے۔

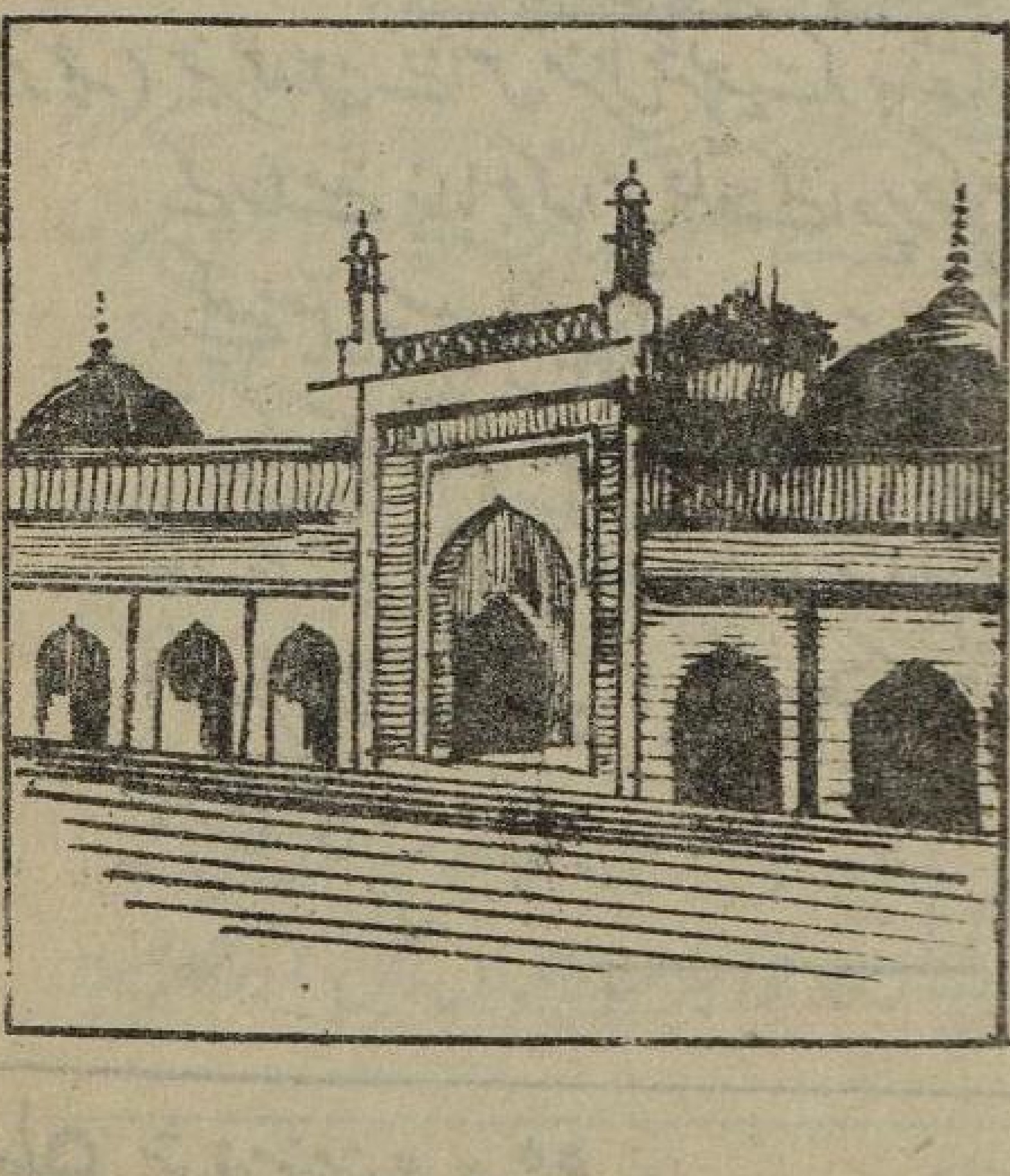
حضرت بدر الحق کے اور بھائیوں نے جب اپنے گھروں کی بنیاد ڈالی تو آپنے بھی سفالہ پوش بنوایا۔ بزرگوں کی اصل نشست گاہ وہی دکھنی دالان ہے۔

جو آجتک خام سفالہ پوش ہے۔ باقی اور جانب کے مکان مختلف زمانوں میں تبدیل ہوتے رہے سنہ ۱۲۹۰ھ مطابق سنہ ۱۸۷۱ء کے سیلاب میں جب اور سمتوں کے مکان گر گئے تو حضرت قطب الہند نے پختہ تعمیر کرا دیا۔

خانقاہ کا صدر دروازہ پہلے پورب رخ تھا آپ نے اتر طرف تعمیر کرایا مسجد سے متصل دکھن جانب ایک تنگ حجرہ ہے جس میں حضرت قطب الاقطاب ریاضت و عبادت فرماتے تھے۔ اور خانقاہ میں پچھم طرف ایک حجرہ ہے جس میں حضرت بدر الحق عبادت کرتے تھے۔ اسی حجرے میں اس خاندان کے بزرگوں کے تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ ان حجروں کو اپنی اصلی حالت میں رکھا گیا ہے۔ ۵۱

جامع مسجد منڈیاہوں ضلع جونپور

یہ مسجد قصبہ منڈیاہوں میں شہر جونپور سے دکھن مرزاپور روڈ پر بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسکو منڈیاہوں کے قاضی خیر الدین صاحب نے اکبری دور میں اپنے قلعہ کے اندر سنہ ۹۹۸ھ میں تعمیر کرایا تھا جن لوگوں نے تاریخ تعمیر سنہ ۹۹۰ھ لکھا ہے یہ تو اسکی بنیاد کی تاریخ ہی



۵۱ سمات الاخیار

نہ کہ اختتام کی۔ مسجد کے صدر پھاٹک پر کوئی سجاوٹ نہیں ہے۔ یہ ۱۹۳۳ء کا تعمیر شدہ ہے۔ شرقی مساجد کے مقابلہ میں یہ مسجد کم خوبصورت ہے لیکن پھر بھی بہت وسیع ہے اور دیکھنے میں حسین معلوم ہوتی ہے۔ اسکے مرکزی محراب کے پتھر پر یہ اشعار ابھرے ہوئے ہیں :-

چوں خیر الدیں شریعت منزلت را — تقاضائے رواجِ شرعِ دیں شد
بہ پیشِ قلعۂ خود ساخت مسجد — کہ از حکامِ آں حصنِ حصیں شد
بروئے حلقۂ قلعہ چو بینی — بہ زیب و زینت آں مسجد نگیں شد
۹۹۰ھ بود فکرم ز تاریخِ بنائش — بحمد اللہ اساسِ دیں متیں شد
رسانیدم بغرضِ حیلۂ خویش — کہ تاریخش بانجام ایں چنیں شد
پسندیدہ بفرمودند بالغور
زفیضِ حق چہ تاریخ متیں شد [1]

(ترجمہ) خیر الدین نے اس منزلِ شریعت کو بہ تقاضائے شرعِ دیں اپنے قلعہ کے سامنے بنایا جوکہ اس قلعہ کے اوپر حکومت کرتی ہے۔ حلقۂ قلعہ کو دیکھنے میں یہ مسجد زیب اور زینت میں نگینہ معلوم ہوتی ہے۔ بنا تعمیر کے تاریخ کی فکر ہوئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ "اساس دین متین شد" تاریخ نکلی۔ اب بزرگوں نے اختتام تعمیر کی تاریخ لکھنے کا حکم دیا انکے فرمانے کے بموجب تاریخ پر غور کیا "زفیضِ حق چہ تاریخِ متیں شد" تاریخ نکلی۔

---

[1] شرقی منومنٹ ص۵۵

مسجد میاں پورہ

یہ محلہ جونپور کے مشہور و معروف رئیس اور بزرگ میاں شیخ محمد ماہ کا آباد کیا ہوا ہے۔ مشہور ہے کہ یہ مسجد شاہزادہ دارا شکوہ بن شاہ جہاں بادشاہ دہلی کے حکم سے عہد شاہجہانی میں تعمیر کی گئی۔

شاہجہاں کے عہد میں شاہزادہ دارا شکوہ ملک کے نظم و نسق کے سلسلے میں جونپور آیا۔ وہ یہاں شرقیوں کی تعمیر کردہ مسجدیں دیکھکر متحیر ہوا اور خود بھی اپنی یادگار کے طور پر ایک مسجد تعمیر کرائی۔ یہ مسجد دریا کے کنارے ہے اور سطح دریا سے ۵۰ فٹ بلندی پر واقع ہے اور اپنی صناعی کا بہترین نمونہ ہر سیلاب کا سختی سے سخت مقابلہ کرنے کے باوجود بھی موجود ہے۔ یہ مسجد بہت ہی پر فضا مقام پر واقع ہے جہاں سے دریا کا نظارہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور دل کو سکون و فرحت و مسرت ہوتی ہے۔

پتھر کے مضبوط پشتے سے میاں پور سیلاب کی زد سے بچ گیا ہے ورنہ یہ محلہ کبھی ویران ہوگیا ہوتا۔ اسی مسجد سے متصل نہایت ہی حسین سنگین کنواں بھی ہے جو اسی عہد کا ہے۔ ایک کنواں اور بھی سنگین اسی محلہ میں کھدا ہی نہیں برآمد ہوا ہے جسکا پانی شیریں ہے۔ یہ کنواں شیخ محمد ماہ یا انکے صاحبزادے محمد نوح کا تعمیر کیا ہوا ہے۔ مسٹر ڈنکن صاحب نے میر زاہد کی نگرانی میں اس مسجد کی مرمت کرائی اور چھت کو از سر نو بنوایا۔ [۱]

قدم رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

شہر جونپور میں ۴ قدم رسول ہیں۔
(۱) خواجہ صدر جہاں اجملؒ اور حضرت

---

[۱] شرقی مونومنٹ ص ۶۳-۶۵ تجلی نور حصہ سوم قلمی ص ۱۹۵

سون برلیس رح کے مقبرے کے درمیان میں جو کہ بہت ہی خراب حالت میں ہے اور بڑی گندگی ہے۔

(۲) اسی محلہ سپاہ میں شاہ فیروز کے مقبرے کے قریب دکھن طرف ہی یہ نشان قدم مبارک بہرام خاں بلوچ عہد سلطنت ابراہیم شاہ شرقی مدینہ سے لائے تھے۔ یہ بھی بہت ہی ناگفتہ بہ حالت میں ہے۔

(۳) پٹنہ کے محمد ہاشم کے آباد کردہ محلہ باغ ہاشم کے اندرونی احاطہ میں ہے۔ یہ نشان مکہ شریف سے آیا تھا اور انھوں نے اکبر اعظم کے دور حکومت میں اپنے بیٹے کے قبر پر رکھا تھا۔ آج بھی یہ نشان بخوبی دیکھا جا سکتا ہے اور مقبرہ اچھی حالت میں ہے۔

پنجہ شریف جونپور

(۴) خواجہ میر کے بیٹے سید علی اس نشان قدم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دست مبارک کا نشان جہانگیر بادشاہ کے عہد زریں میں عرب سے ۱۰۲۱ھ مطابق ۱۶۱۲ء میں لائے تھے۔ انھوں نے اسکو نصب کرنے کے لئے ایک مضبوط احاطہ بلند دروازہ کے ساتھ بنوایا مگر وہ عمارت کے تکمیل ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ انکی قبر مفتی محلہ جونپور میں خواجہ میر کے مقبرے کے اندر تھی۔ اس عمارت کی تکمیل ۱۱۸۰ھ میں ہوئی تھی۔ مگر مقبرہ گر کر مسمار ہو گیا۔

جناب امیر المومنین سیدنا حضرت علی کے دست مبارک کا نشان "روضہ شاہ کا پنجہ" کے نام سے مشہور ہے۔

شاہ کے پنجہ کی زیارت کا میلہ ۲۰ رمضان المبارک اور محرم کی نوچندی جمعرات اور ۱۲ شعبان کو ہوتا ہے۔ احاطہ روضہ شاہ کے پنجے کی حالت

اچھی ہے۔ بقیہ تعمیر روضہ مذکور مسماۃ چمن طوائف نے اپنے مال خاص سے پوری کی اور اسکا صدر دروازہ نہایت بلند و عالیشان ہوا جس پر یہ قطعہ تاریخ ہے:۔

روضۂ شاہِ نجف کرد چمن چوں تعمیر
تاکہ سرسبز ازیں حسن عمل ہا باشد
سالِ تاریخ چنیں وجہ خرد گفت بلے
پنجۂ دست ید اللہ درا ینجا باشد

(ترجمہ) روضۂ شاہ نجف چمن نے تعمیر کیا تاکہ عمل نیک سرسبز رہے۔ اے خرد سالِ تاریخ کہو۔ ہاں "پنجہ دست یداللہ درایں جا باشد"۔ [له]

اس پنجہ شریف کے اتر میں سو قدم کے فاصلہ پر ایک روضہ حضرت عباس علمدار و امامباڑہ تعمیر کرایا ہوا مسماۃ نورتن طوائف جو چمن طوائف کی لڑکی تھی۔ سنہ ۱۲۹۸ھ میں ایک دالان پختہ متصل صدر دروازہ پچھم طرف مدد علی خاں رئیس جونپور کا تعمیر کرایا ہوا ہے۔ ایک عرصہ گذر جانے اور دیکھ بھال نہ کرنے کی وجہ سے تمام عمارت شکست ہوگئی تھی کہ مولوی عنایت حسین خاں نے شیعیان جونپور سے چندہ کر کے اور کافی سعی و کوشش کے بعد از سر نو مرمت کرایا۔ یہ عمارت دیکھنے میں بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ شہر سے الگ پورب طرف ۲ میل کے فاصلہ پر موضع بابو پور میں یہ عمارت ہے۔

انتظام کا یہ عالم ہے کہ شاہ کے پنجہ سے متصل زمین جو بطور راستہ کے تھی اور زائرین جس پہ بیٹھتے تھے کاشتکاروں نے جوت لیا ہے مگر ذرا بھی

له شرقی مونومنٹ ص ۳۷ تجلی نور حصہ سوم قلمی

کان پر جوں نہیں رینگتی ۔ خدارا شیعہ حضرات اپنے متبرک مقامات کی حفاظت کی طرف متوجہ ہوں

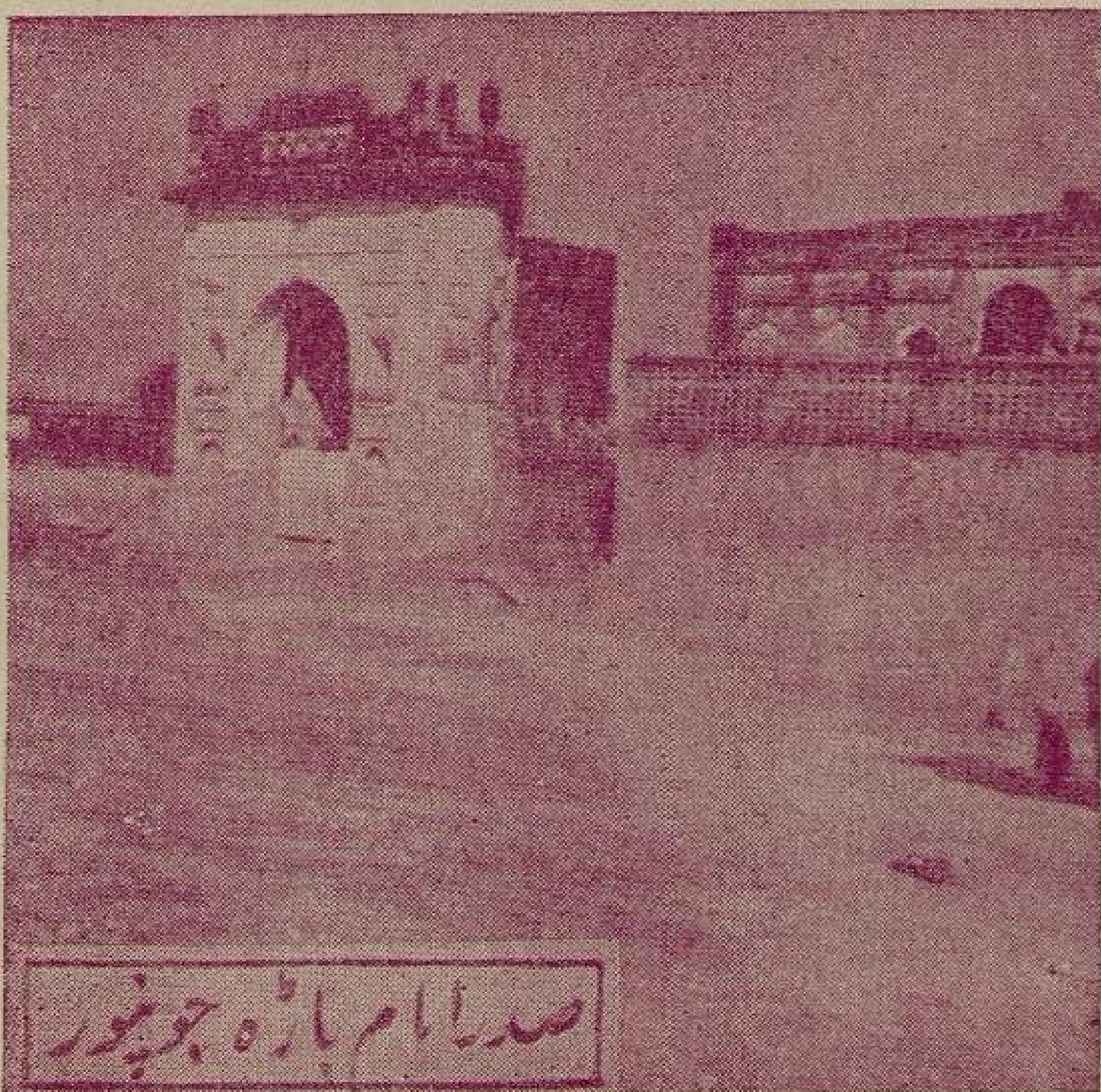
صدر امام باڑہ

یہ امام باڑہ شہر جونپور سے اتر و پچھم کے کونے پر موضع جگدیش پور میں واقع ہے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد حکومت میں شیخ فتح محمد عرف منگلی میاں مورث راجہ شیخ حاتم علی مچھلی شہری جو جونپور میں ناظم الہ آباد کے رسالدار تھے۔ اسوقت جونپور الہ آباد کے ماتحت تھا۔ مگر یہاں ایک ناظم رہتا تھا۔ منگلی میاں بہت ہی صاحب عزت و ثروت تھے۔ اسی زمانے میں آپنے صدر امامباڑے کی بنیاد شہر سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر دریائے گومتی کے کنارے ڈالی۔ اسکے بعد اہل شہر نے اکثر و بیشتر اسکی تعمیر کی طرف توجہ کی اور عمارت میں اضافہ ہوتا گیا۔

عشرہ محرم اور چہلم اور ۲۸ صفر کو شہر کے تمام تعزیے اسی امامباڑے میں دفن ہوتے ہیں۔ مرد عورتیں بچے اور گرد و نواح کے دیہات کے لوگوں کا ایک کثیر مجمع ہوتا ہے۔ خاص طور پر چہلم کے دن شیخ محمد اسلام کے تعزیے کے ساتھ کثیر مجمع ہوتا ہے اسی وجہ سے یہاں کا چہلم بہت مشہور ہوگیا ہے۔ بہت دور دراز سے لوگ آکر شرکت کرتے ہیں۔

اندر امام باڑہ۔ قدم رسول اور حضرت عباس کا روضہ بھی ہے صدر پھاٹک بہت خوبصورت ہے اور ۱۲۹۵ھ میں پھر سے تعمیر ہوا ہے۔ لکھنؤ کے مشہور شاعر میر نفیس کے یہ اشعار صدر پھاٹک پر کندہ ہیں ؎

اے رنہے کہ بلائے پاک امام — یاں کرو گر یہ فرض عین یہ ہے
یہ جو اس میں امام باڑہ ہے — جائے فریاد و شور و شین یہ ہے



صدر امام باڑہ جونپور


پنجہ شریف

باب جبکا ہوا ہے نو تعمیر ‏ ‏ ‏ مومنوں کے دلوں کا چین یہ ہے
ہے بجا کہیئے گر درِ فردوس ‏ ‏ ‏ باب جنت کا زیب و زین یہ ہے

سال تاریخ کہہ نفیسؔ حزیں
خانۂ ماتمِ حسین یہ ہے [1] سنہ ۱۲۹۵ھ

امام باڑہ کے اندر جو قبریں ہیں وہ زمین کے برابر ہیں اور اُن پر لگے ہوئے پتھروں پر متوفی کا نام اور سنہ وفات بھی کندہ ہیں۔ ناموں میں عام طور پر حسنؑ، حسینؑ، علیؑ، فاطمہؑ اور محمدؐ کے نام شامل ہیں۔ مگر لوگ پتھروں پر آزادی کے ساتھ پاؤں رکھتے ہیں اور عورتیں بھی بچوں کو لیکر پتھروں پر بیٹھتی ہیں۔ منتظمین کو ایسے لوگوں کو تنبیہ کرنا چاہیئے جو بے ادبی کے خود بھی مرتکب ہوتے ہیں اور دوسروں کے لئے راستہ پیدا کرتے ہیں۔ انکو ایسی راہ عمل اختیار نہ کرنا چاہیئے جو "دربار حسینی" کے شایان شان نہ ہو۔

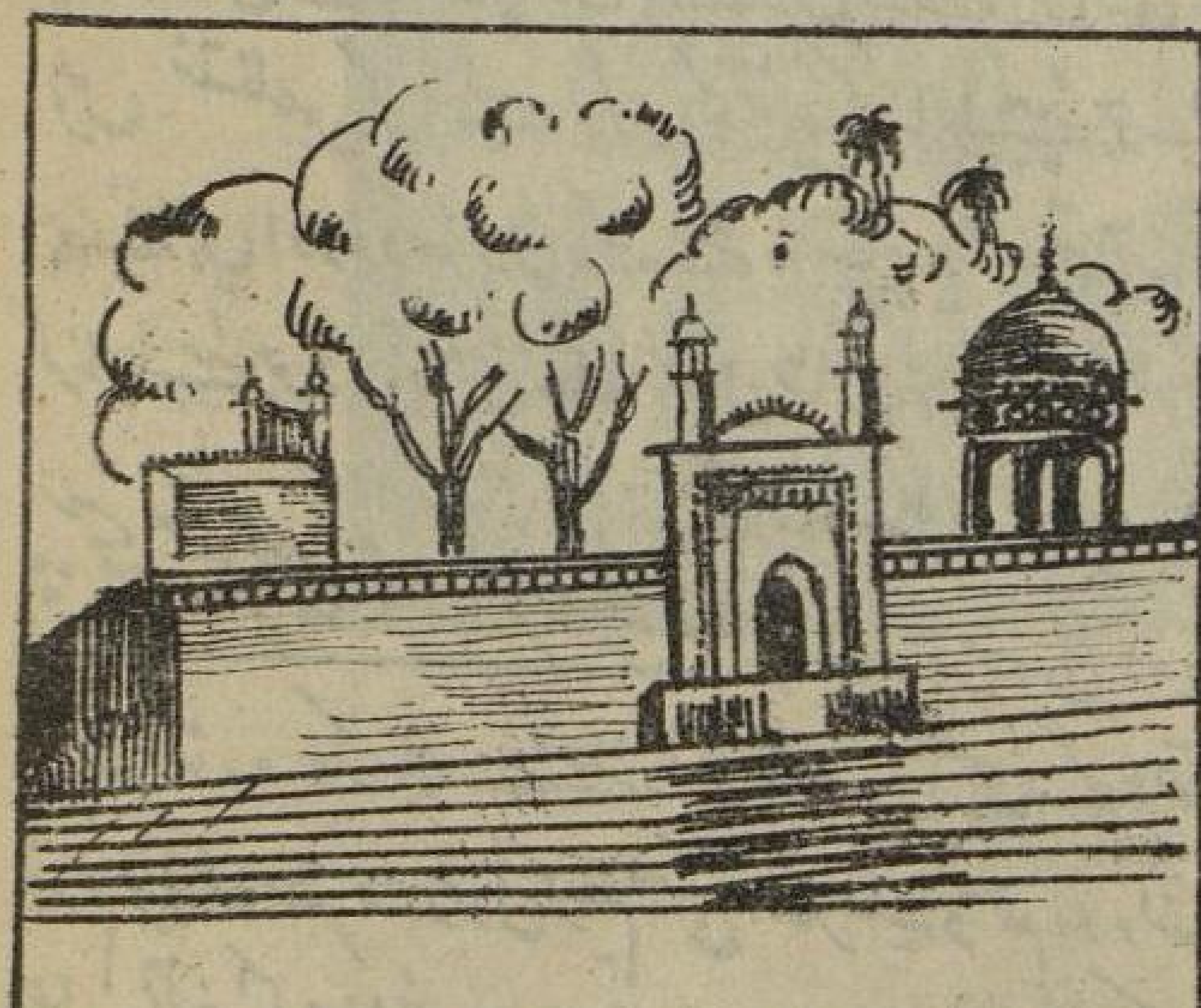
پنجہ شریف حمزہ پور

۲۰۰ سال کے قریب ہوتا ہے کہ شاہ مرتضیٰ رئیس پکّر تلہ جونپور حج و زیارت کے لئے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ و کربلاے معلےٰ گئے تھے۔ واپسی کے وقت ایک پتھر جس پر نشان قدم مبارک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نشان دست اقدس حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس علمدار کے قبر کی ایک اینٹ جونپور ساتھ لائے۔ کچھ روز تک بغرض حفاظت یہ چیزیں پنجہ شریف جونپور میں رکھی ہوئی تھیں اسکے بعد حمزہ پور جو انکی زمینداری تھی لے گئے اور اس مقام پر ایک چبوترہ پختہ تعمیر کرا کے اس پر نصب کرا دیا اور چاروں طرف پختہ چہار دیواری

---

[1] تجلی نور قلمی صد ۹۹۔ شرقی مونومنٹ ۱۲۴-۱۲۳

بنوادی اور اسی کے قریب ایک پختہ مسجد بھی تعمیر کرادی۔ اسی درمیان میں یہ بات مشہور ہوئی کہ پنجہ شریف جونپور سے نشانات قدم رسول و پنجہ شریف اور وہ اینٹ لوگ حمزہ پور لے گئے[۵۱]۔ یہ بات پنجہ شریف کے مجاوران کو سخت ناگوار ہوئی اور آپس میں صلاح و مشورہ کر کے ایک روز پوشیدہ طور پر رات کو حمزہ پور اس ارادے سے گئے کہ ان نشانات کو کھود کر جونپور اٹھا لادیں اور جونپور کے پنجہ شریف میں پھر نصب کردیں۔ مگر جس وقت حمزہ پور کے پنجہ شریف میں قدم رکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت ہی خطرناک شیر اس کی



حفاظت کر رہا ہے۔

اس شیر سے خوفزدہ ہو کر وہ لوگ اپنے ارادے سے باز آئے[۵۲]

اس مقام پر ہر سال بروز پنجشنبہ عشرۂ محرم مثل جونپور ہزاروں دیہات کے رہنے والے

---

۵۱ سید علی ضامن صاحب ترمذی "چراغ نور" کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ جونپور کے اصل پنجہ شریف کا نشان شاہ رعایت علی صاحب مرحوم ساکن حمام دروازہ کسی حرفت سے اپنے مقبوضہ موضع حمزہ پور میں منتقل کرالے گئے اب جو نشان ہے غیر مستند ہے (چراغ نور ص ۱۵۰)

۵۲ تجلی نور قلمی ص ۱۹۷

مردوں و عورتوں کا ہجوم ہوتا ہے اور بہت مشہور جگہ ہے اور ضرورت مند لوگ پنجشنبہ کی رات کو وہاں جاتے ہیں اور دعاخوانی کرتے ہیں۔

امامباڑہ کلّو مرحوم

یہ امامباڑہ محلہ مخدوم شاہ اڈھن خاص شہر جونپور میں پورب رُخ اس سڑک پر داہنی طرف واقع ہے جو ملاٹولہ و دریبہ کو جاتی ہے۔

سید فرحت علی خاں کے داماد جب انکی جگہ ریاست کے مالک ہوئے تو انھوں نے عمائدین اور حکام سے کافی رابطہ قائم کرلیا اور اپنے مکان کی کافی مرمت کرائی اور رونق دی اور ایک پختہ امام باڑہ محلہ مخدوم شاہ اڈھن میں تعمیر کرایا۔ جسکے اندر کافی عمارتیں تھیں۔ آجکل یہ امام باڑہ کلو کے امام باڑہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اپنے زمانے میں بڑے تزک اور احتشام سے مجالس عزا برپا کرتے اور واعظین و مجتہدین کو ذاکری کے لئے باہر سے بلواتے تھے اور کافی روپیہ اپنی جیب خاص سے صرف کرتے تھے۔ لہ

اسکا صدر دروازہ بہت ہی شاندار اور نقش و نگار سے مزین ہے اتر دکھن نازک وحسین برجیاں ہیں۔ اندرونی حصے میں ایک چھوٹی قناطی مسجد ہے اور دکھن طرف عزاخانہ ہے جسمیں مجلسیں ہوتی ہیں اسکے سامنے بہت بڑا صحن ہے جہاں پہلے عمارت تھی۔ باہر کے حصے میں امامباڑہ سے ملحق اتر دکھن افتادہ زمین ہے۔ جس میں شاید دوکان بنانیکا خیال ہوگا۔ جسکی آمدنی امامباڑہ کی مرمت وغیرہ میں صرف ہو۔ سال میں کئی

لہ تجلی نور حصہ سوئم قلمی صـ ۱۹۶

ایک مجلسیں بہت بڑی کئی کئی روز ہوتی ہیں جس میں باہر سے علما و مجتہدین ذاکری کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ صدر دروازے کے محراب پر درود شریف اور اسکے نیچے یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

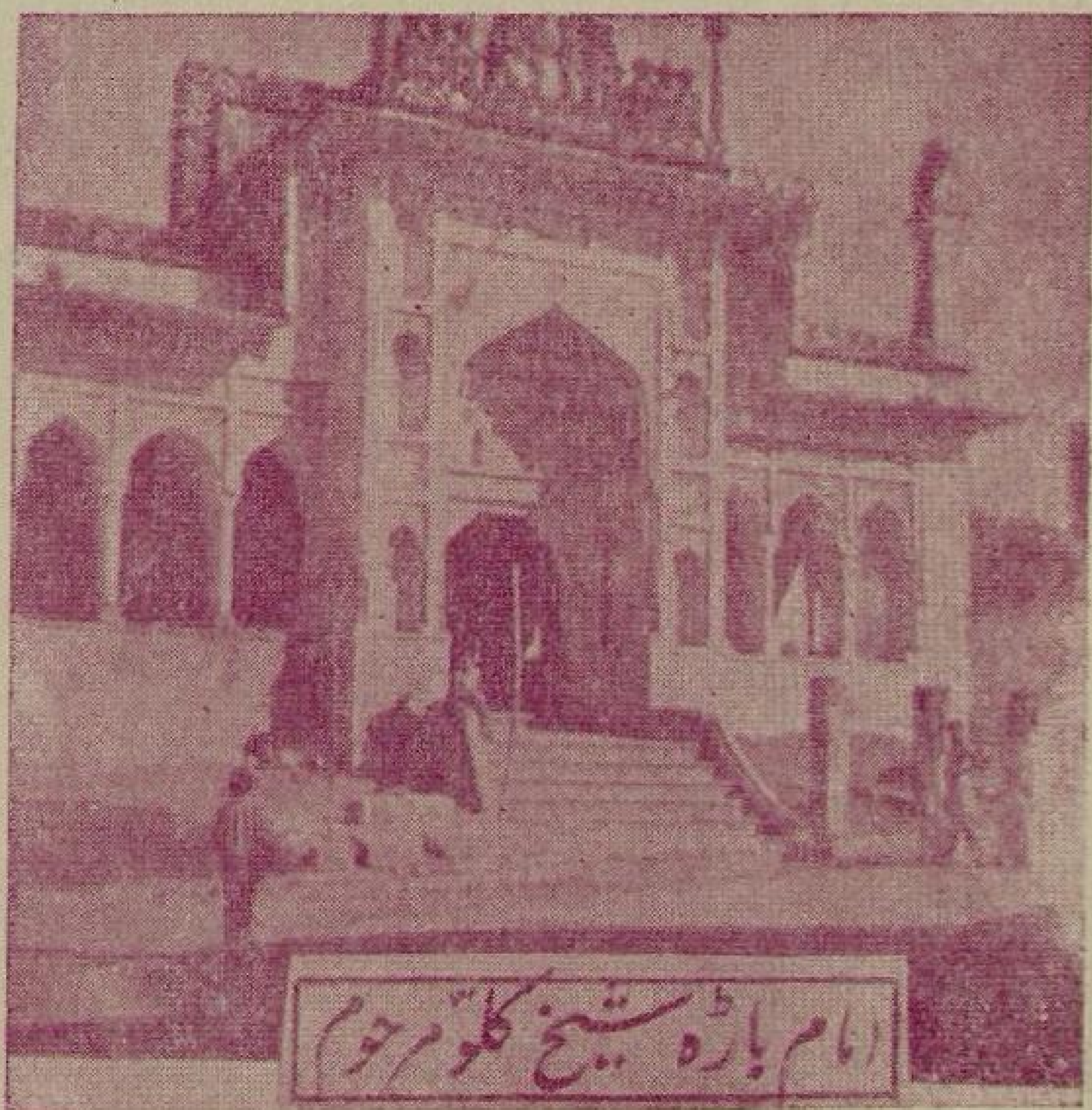
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

بے ادب پا منہ اینجا کہ عجب درگاہ است
سجدہ گاہِ ملک در روضۂ شاہنشاہ است

(ترجمہ) "بے ادب یہاں پاؤں نہ رکھ یعنی ہر آنیوالیکو ادب و احترام لازم ہے کیونکہ یہ روضہ ایسے شہنشاہ کا ہے جہاں ملک سجدہ کرتے ہیں۔"

اس عزاخانے کی وضع قطع اور ساخت نہایت مستحکم ہے مگر پلاستر نہونے کیوجہ سے بے رونق اور سنسان نظر آتا ہے۔ افسوس کہ شیعیان جونپور ایک عالیشان عزاخانے کو عدم توجہی کا مرکز بناکر دوسرے غیر ضروری مشاغل میں زیادہ انہماک سے کام لے رہے ہیں۔ خدا نیک کاموں کی توفیق دے۔

مسجد مفتی محلہ | یہ مسجد اکبر بادشاہ کے زمانے میں دریا کے دکھنی کنارے پر تعمیر کیگئی تھی۔ اسکی تعمیر کے متعلق ایک قصہ مشہور ہے۔ وہ یہ کہ اکبر بادشاہ کے عہد میں ایک ہاتھی کا سوداگر بہت سے ہاتھی لے کر جونپور فروخت کرنے کے لئے آیا۔ اسوقت منعم خاں خانخاناں جونپور کے حاکم تھے۔ ان ہاتھیوں کولیکر خانخاناں کے پاس گیا اور دل میں یہ ارادہ کیا کہ اگر ہاتھیوں کے فروخت کرنے میں منافع کثیر ہوا تو منافع کی نصف رقم سے ایک مسجد تعمیر کرائے گا۔ اتفاق سے تمام ہاتھی مناسب قیمت پر فروخت ہوگئے۔ سوداگر نے منافع کی نصف رقم سے ایک مسجد تعمیر کرائی۔ یہ مسجد اتنی مضبوط و پائدار ہے کہ دریا کے کنارے ہوتے ہوئے بھی صدہا سیلابوں کا سامنا



امام باڑہ شیخ کلّو مرحوم



مندر گرار بیر

کرچکی ہے اور اپنی اصلی حالت میں قایم ہے۔ اس مسجد میں سنہ تعمیر کا کوئی کتبہ نہیں ہے۔ سادات مفتی محلہ اس مسجد کو آباد کئے ہوئے ہیں۔ اعمال عاشورہ و نماز عیدین بھی اسی مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ ماہ رمضان المبارک میں افطار بھی ہوتا ہے۔ لہ

مندر کرار بیر یہ مندر گومتی ندی کے اتری کنارے پر قلعہ فیروز شاہی سے متصل پچھم و دکھن کے کونے پر واقع ہے۔ یہ جونپور کا سب سے قدیم مندر ہے جسکا زمانہ تعمیر جونپور کے آباد ہونے سے بہت پہلے کا ہے۔ اس وقت مندر کی قدیم عمارت تو موجود نہیں ہے مگر پتھر کا ٹھوس بت بہت بڑی جسامت کا جسکو گیروسے رنگ دیا گیا ہے موجود ہے۔ جس عمارت کے اندر یہ بت نصب ہے وہ زمانہ حال کی تعمیر ہے اسکے متعلق مختلف روایات ہیں:-

"اہل ہنود کا یہ عقیدہ ہے کہ بعہد راجہ رام چندر والی اجودھیا کرار بیر ایک بڑا دیو جو موضع کرارہ ضلع جونپور میں رہتا تھا۔ اور اکثر مسافروں کو تکلیف دیتا تھا۔ راجہ رام چندر جی نے اس خبر کو سنا اور خود آکر اس دیو ظالم کو ہلاک کر کے اسکے جسم کے تمام ٹکڑے چاروں طرف پھینکدیے۔ اسکے چیلوں نے پرستش کی غرض سے اکٹھا کر کے اس مقام پر بت خانہ بنا دیا۔ اس جوار کے راجگان اس پر تحفے تحائف چڑھاتے تھے اور مرمت وغیرہ کراتے تھے۔ فیروز شاہ تغلق ۷۷۲ھ میں جب جونپور کی آبادی

لہ تجلی نور حصہ سوم قلمی

کے لئے آیا تو اس نے اسکو توڑ کر قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ [۱]

(۲) تاریخ جونپور کا مصنّف لکھتا ہے :۔

"جب فیروز شاہ ۷۷۲ھ میں جونپور آباد کرنے کیلئے اس مقام پر آیا تو دریائے گومتی کے کنارے ایک بتخانۂ عظیم دیکھا حکم دیا کہ اس بتخانہ کو توڑ کر قلعہ تیار ہو۔ [۲]

(۳) مولوی خیر الدین "جونپور نامہ" میں لکھتے ہیں :۔

" سلطان فیروز تفریح کی غرض سے بطور سیر شاہی سوار موضع کرارہ جو کہ بلندی پر دریائے گومتی کے کنارے واقع ہے وہاں ایک زبردست بڑا بتخانہ دیکھا جسکو لوگ کرار بیر کہتے ہیں۔ حکم دیا کہ اس بت خانے کو توڑ کر اس مقام پر قلعہ تعمیر کیا جائے اور اسکے گرد شہر آباد کیا جائے"۔ [۳]

۴۔ پوتھی قنوج میں ہے کہ :۔

" بتخانہ دیول کرار بیر کو راجہ جے چند حاکم قنوج نے سمبت ۱۲۱۶ بکرمی میں توڑا تھا "۔ [۴]

(۵) فصیح الدین شرقی منومنٹ میں لکھتے ہیں کہ :۔

"کرار بیر پرانے بھر خاندان کے سردار تھے۔ [۵]

(۶) گزیٹر جونپور لکھتا ہے کہ :۔

---

[۱] جغرافیہ جونپور حصہ اول ص۳۷

[۲] تاریخ جونپور ص۷

[۳] جونپور نامہ خیر الدین

[۴] پوتھی قنوج

[۵] شرقی منومنٹ فصیح الدین۔

"راجہ رام چندر کے زمانے میں جونپور کا حاکم کرار بیر تھا جو ایک دیو تھا۔ رام چندر جی نے لڑائی میں اُسے مار ڈالا۔ سنہ ۱۱۶۸ء میں وجے چند نے کرار بیر میں ایک مندر بنوایا جسکو فیروز شاہ نے گروا کر اسکے پتھروں سے قلعہ کی بنیاد رکھی تھی۔ [۱]

ان اختلافات کی موجودگی میں کسی صحیح نتیجہ پر پہونچنا بہت دشوار ہے اگر یہ روایت درست ہے کہ اس مندر کو سری رام چندر جی یا وجے چند نے توڑا اور دیو کرار بیر کو قتل کیا تو پھر دوبارہ فیروز شاہ کے ہاتھوں توڑنے کی روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اگر یہ روایت درست نہیں تو فیروز شاہ تغلق کے ہاتھوں توڑا جانا درست ہے۔ مگر یہ بات بھی عجیب ہے کہ راجہ وجے چند نے سنہ ۱۱۶۸ء میں کرار بیر کا مندر تعمیر کرایا اور اسکے لڑکے جے چند نے اسکو توڑ ڈالا۔

مگر کرار بیر کی مورتی جس کا اوپری حصہ ٹوٹ چکا ہے مندر یا مورت کے توڑے جانے کی تردید کرتی ہے۔ کیونکہ اگر راجہ وجے چند یا فیروز شاہ نے اسے توڑا ہوتا تو اصل چیز جو کرار بیر کی مورت تھی ہرگز نہ باقی رہتی۔ کم سے کم فیروز شاہ تو پہلے ہی اسے قلعہ کی بنیاد میں دفن کرا دیتا تاکہ آیندہ کسی مقام پر نصب کرنے کا سوال ہی نہ پیدا ہو۔ اسلئے گمان غالب یہی ہے کہ مندر اپنی قدامت کی وجہ سے خود بخود گر گیا تھا جسکی مورت وہیں موجود تھی۔ بعد کے لوگوں نے اسے ایک مندر تعمیر کرا کے اس میں نصب کرا دیا۔ یہاں پر بھی بہت بھیڑ ہوتی ہے اور دیہات سے معتقدین کی ایک کثیر تعداد آکر گڑھی

---

[۱] گزیٹر جونپور جیپڑہ ص ۱۴۶

چڑھاتی ہے۔ نذر و نیاز اور تحفے تحائف گذارتی ہے۔

سیتلا جی کا مندر چوکیا دیوی

یہ مقام جونپور شہر سے پورب کی جانب دکھن کے کونے پر ڈیڑھ میل کے فاصلے پر موضع چوکی پور اور دیو چندپور کی سرحد پر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس جگہ پر بہت پہلے سے ایک کمرہ میں سیتلا دیوی کی ایک سنگین مورت رکھی ہوئی تھی۔ جس کا تعلق جونپور کی آبادی کے زمانے سے تھا اور بہت سے یاتری درشن کے لئے آیا کرتے تھے۔

تقریباً سوا سو برس سے اوپر ہوا کہ ساہو جگرناتھ پرشاد ساکن محلہ مچھر ہٹہ جونپور کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ ننگے پاؤں اس مندر تک آئے اور نہایت عقیدت مندی اور گریہ وزاری سے اولاد کے لئے دعا کی حسن اتفاق کہ انکی دعا مقبول وقت میں کیگئی تھی قبول ہوگئی۔ اور ان کے یہاں اولاد نرینہ مسمی ساہو مادھو پرشاد پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد ساہو جگرناتھ پرشاد بجید معتقد ہو گئے۔ اور انھوں نے اس جگہ پر ایک پختہ مندر بنوا دیا۔ اور اس خبر سے شہر و دیہات ہر جگہ کے لوگ دور دراز سے آنے لگے۔

سنہ ۱۸۶۱ء میں ساہو بہاری لال ساکن محلہ بلوا گھاٹ نے اس مندر کی تعمیر میں اور بھی اضافہ کیا۔ پختہ چہار دیواری تعمیر کرادی اور ایک عمارت "ٹھاکر دوارہ" کی بھی بنوادی اور اسکے سامنے ایک بہت ہی وسیع سنگین تالاب تعمیر کرا دیا۔ یہ تالاب بہت ہی بارونق اور زرکثیر خرچ کر کے مستحکم بنوایا گیا ہے۔ مندر کے اردگرد کافی افتادہ زمین بھی ہے۔ رفتہ رفتہ اس مقام کی بہت دور دور شہرت پھیل گئی یہانتک ہر دوشنبہ کو جوق در جوق عقیدت مند ہندو مرد عورت آکر حاجت براری کرتے ہیں۔


مندر سیتلا دیوی



پنج شوالہ

خاصکر چیچک کے دنوں میں مارچ سے لیکر جون تک ہر سال شہر و دیہات کے لوگوں کا روزانہ تانتا بندھا رہتا ہے۔ اور پورنماشی کے روز ایک کثیر مجمع تقریباً تین چار ہزار تک پہونچ جاتا ہے جس میں مرد عورت اور بچے سب ہی شریک ہوتے ہیں۔ منت مانتے ہیں یا اتارتے ہیں۔ خوب پوریاں پکتی ہیں اور تفریح ہوتی ہے۔

عرصہ سے صفائی نہ ہونے کی وجہ سے یہاں کے تالاب کا پانی بہت گندہ رہتا ہے جس سے بدبو بھی آتی ہے اور ارد گرد صفائی کا معقول انتظام نہیں ہے اسلئے نگر پالیکا خاصکر محکمہ حفظان صحت کو اس طرف توجہ دینی چاہیئے۔ لہ

پانچواں شیوالہ

یہ شیوالہ تعمیر کردہ دیوان بندھولال کا ہے جو پرانی بازار کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد کا نام منشی دیبی دیال تھا۔ یہ لوگ اصلی باشندے موضع پرسرام پور پرگنہ راری کے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ مغلیہ سلطنت کے زمانہ میں دو بھائی کھڑک سنگھ و پرسرام سنگھ نہایت ہی سربرآوردہ اور بااثر لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ کھڑک سنگھ نے اپنے نام پر ایک موضع کھڑک پور اور پرسرام سنگھ نے اپنے نام پر ایک موضع پرسرام پور آباد کیا تھا۔ یہ دونوں مواضعات پرگنہ راری میں ہیں ان دونوں بھائیوں کی اولادیں ابھی تک ان موضعوں میں آباد ہیں۔ دیوان بندھولال پرسرام سنگھ کی نسل سے تھے انکے والد بسلسلۂ ملازمت جونپور

لہ تجلی نور حصّہ سوئم قلمی

میں منتقل ہو گئے تھے۔ علمی قابلیت اور انشا پردازی میں خاص شغف رکھتے تھے۔ مقدر نے یاوری کی مشہور لوگوں میں شمار ہونے لگے اور بنارس کے راجہ کی اسٹیٹ میں نائب دیوان کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ جب راجہ چیت سنگھ ریاست کے مالک ہوئے تو دیوانِ کل ہو گئے۔

دوران ملازمت میں آپ نے کافی دولت جمع کر لی تھی۔ آپ کے کام سے خوش ہو کر راجہ نے تین مواضع جونپور تحصیل میں بطور معافی دیدیے۔ اور انگریزی راج میں پانچ مواضعات مسلم آپ نے اپنے نام بندوبست کرا لیا۔ اس طرح ایک اچھی خاصی ریاست کے مالک ہو گئے۔ دیوان بدھولال نے بڑی شان سے اپنی زندگی بسر کی۔ محلہ پورانی بازار جونپور میں چند عمارتیں تعمیر کرائیں اور اپنے نام کی بقا کے لئے پانچ شیوالے ایک ہی جگہ پر تعمیر کرائے جو پانچوں شیوالے کے نام سے مشہور ہیں اور ابتک قائم ہیں۔

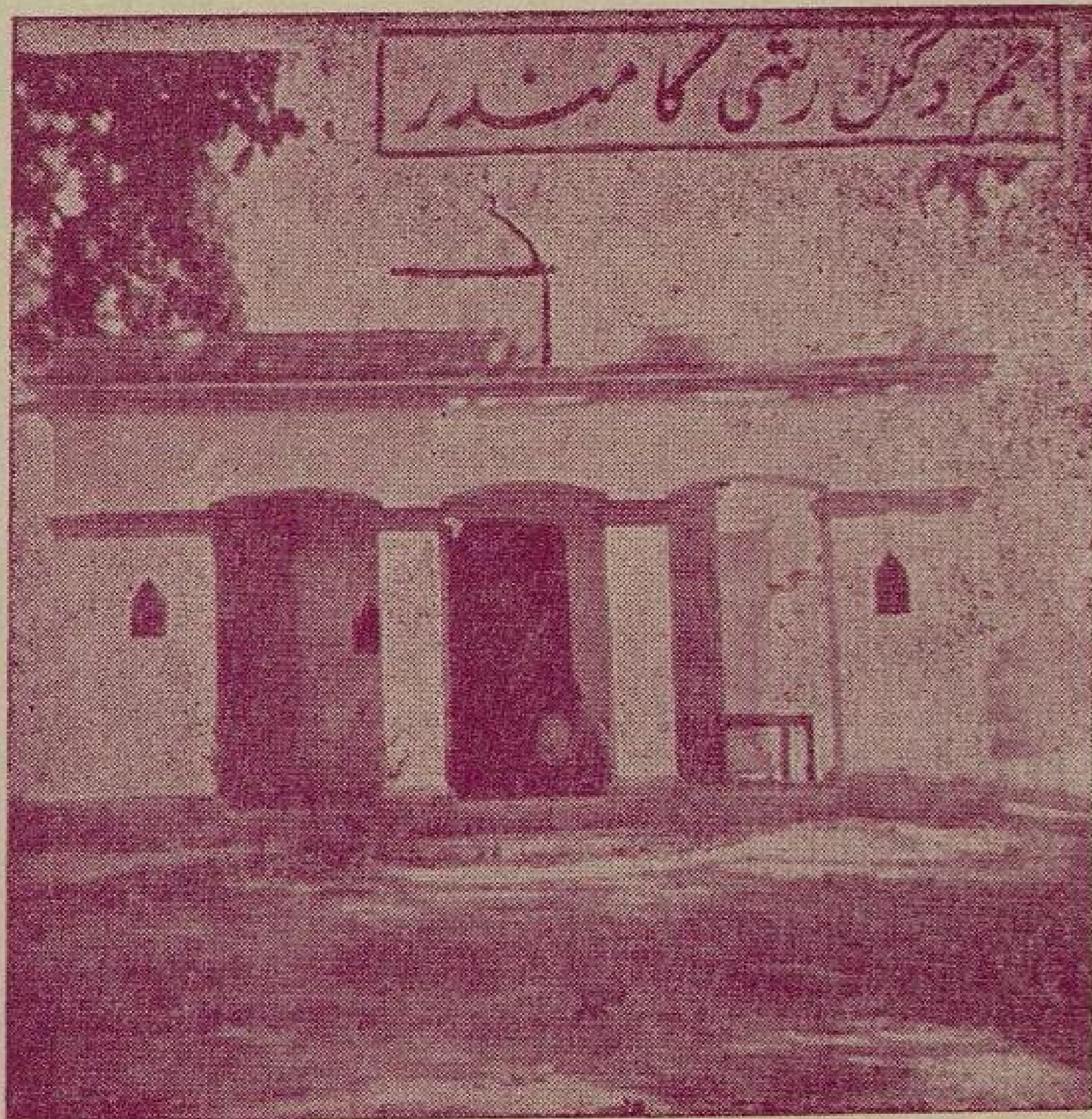
اسکے علاوہ محلہ چوکاگھاٹ بنارس میں بھی ایک مکان پختہ تعمیر کرایا تھا۔ جونپور کی عمارتیں انکے لڑکوں نے فروخت کر دیں۔ محض شیوالہ باقی ہے۔ شیوالہ کی دیکھ بھال کے لئے ایک سادھو کا اسمیں قیام ہے مگر مرمت وغیرہ کا انتظام نہیں ہے۔ صدر دروازے کے دائیں بائیں دیوار پر اُپلی پاتھی جاتی ہے۔ جس نے رہی سہی رونق کو ختم کر دیا ہے۔ بابو سیتا رام وکیل اسکے متولی ہیں۔[1]

مندر جم دگن رشی موضع جمیتھا جونپور

اسی مقام پر جماد اگنی رشی کی سکونت تھی۔ یہ مقام دریائے گومتی کے داہنے ساحل پر ظفرآباد اور جونپور کے درمیان واقع ہے۔ پرسرام جی

---

[1] تجلی نور حصہ سوم قلمی ص ۱۴۰



جمدگنی رشی کا مندر


مندر اچلا دیوی

جم دگن رشی کے لڑکے تھے۔ رشی جی اس مقام پر اور اسکے علاوہ پورب طرف سَو قدم کے فاصلے پر ایک دوسری جگہ بتائی جاتی ہے، رہتے تھے۔ یہ راجہ رام چندر جی کے ہمعصر تھے۔ جس جگہ پر جم داگنی رشی کی سکونت تھی قدیم میں سوائے ایک کٹی کے اور کچھ نہ تھا۔ پرم ہنس جی نے اس مقام کو پسند کرکے تپسیا شروع کردی۔ آپ زمانۂ حال کے بزرگوں میں تھے۔ آپنے محنت شاقہ برداشت کرکے اپنی آتما میں اتنی طاقت اور صفائی پیدا کرلی تھی کہ ۱۹۰۷ء کو ماگھ کے مہینے میں ایک روز جلال میں آکر چار ہزار جنتا کو اکٹھا کرلیا جس میں ضلع کلکٹر بھی تھے۔

جب تمام لوگ اکٹھا ہو گئے تو آپنے فرمایا کہ آج دنیا جل جاویگی۔ چنانچہ اسی شب میں دس بجے یہ واقعہ پیش آیا کہ آپنے داہنے ہاتھ میں گیتا کو کنٹوپ لیا اور بائیں ہاتھ میں گھی کا گھڑا۔ اسی وقت آپکی ناف سے یک بیک شعلے نکلنا شروع ہو گئے مگر نہ گیتا جلی نہ کنٹوپ۔ محض گھی جل گیا۔ وہاں پر جو لوگ تھے متحیر ہوئے کہ ہوش وحواس کھو بیٹھے۔ آخر کار لوگوں نے دریا سے ہزاروں گھڑا پانی لاکر آپ پر ڈالا کہ آگ بجھ جائے۔ مگر پانی ڈالنے سے آگ کے شعلے اور بھی بلند ہونے لگے اس حالت کو دیکھکر سب کو آپ کی آتما کی شکتی کا یقین ہو گیا۔ لوگوں نے پیر پکڑ کر زار وقطار رونا شروع کیا۔

تین دن متواتر آپ کا جسم جلتا رہا تب جاکر راکھ ہوا۔ جس جگہ پر جمیتھا میں جما داگنی رشی کا آشرم اور سکونت تھی اسی مقام پر آج لب دریائے گومتی پرم ہنس جی کی سمادھی ہے۔ اور نہایت مستحکم اور شاندار مندر گنبد نما بنا ہوا ہے اسکے چاروں طرف دالان ہے اسکے دکھن وپچھم ہنومان جی کا مندر زمانۂ حال کی تعمیر ہے۔ یہ دونوں مندر نہایت صاف ستھرے ہیں۔ سطح دریا سے تیس چالیس فٹ کی بلندی پر داہنی طرف ہے۔ دکھن میں کھیت اور پچھم طرف باغ ہے

جس میں آم - تاڑ اور کھجور کے درختان ہیں. جگہ بہت شاداب و پرفضا ہے اور قابل عبادت ہے - بابا دیانند گیر سادھو جو اسی موضع کے باشندے ہیں ان مندروں کے منتظم ہیں - انھوں نے یہ بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ یو. پی گورنمنٹ سے مدد لیکر مندر تک پختہ سڑک بنوادی ہے - سادھو جی بہت ہی با اخلاق اور شریف انسان ہیں - [1]

مندر اچلا دیوی جونپور یہ مندر روضہ جمال خاں میں واقع ہے جو محلہ سپاہ راسمنڈل اور فتو پور سے متصل ہے - یہاں پر کئی مندر ہیں -

(۱) اچلا دیوی مندر اسکے پچھم میں ہنومان جی اور شنکر جی کے مندر ہیں -
(۲) داہنے ہاتھ انہ جانب ہے. پہلی مورتی کالی جی جنکی زبان ٹوٹ گئی ہے -
(۳) اسکے بائیں نیچے اچلا دیوی کی مورت ہے -
(۴) اسکے بعد بھیروں جی کی مورت ہے -
(۵) اسکے بعد گنیش جی جسکا سونڈ ٹوٹ گیا ہے -
(۶) اسکے بعد سرسوتی دیوی کی مورت ہے -
(۷) اسکے بعد شنکر جی کا لنگ ہے

پہلا روم ۵ × ۶ کا دوسرا روم باہر والا ۶ × ۷ مربع فٹ میں ہے عمارت بعید قدیم ہے. بابا گنگا داس کا کہنا ہے کہ یہ مندر اسوقت کا ہے جب مسجد اٹالہ بنی تھی اور مندر دیکھنے کے بعد یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ بہت

---

[1] سادھو دیانند گیر نے تمام حالات خود نوٹ کرائے. جمدگن رشی کی موجودگی گزیٹر جونپور سے ثابت ہے - مؤلف -

قدیم ہے۔ اسکے اندر جانے کا راستہ تنگ اور پانچ فٹ اونچا ہے۔ اگر کوئی شخص بے خیالی کے عالم میں چلا جائے تو اسکا سر زخمی ہو سکتا ہے۔

ان مندروں کی دیکھ بھال بابا گنگا داس کے مرنے کے بعد بابا کالیداس کرتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ یہ مورتیاں عمارت میں نہیں تراشی ہیں بلکہ یہ پتھر جن پر یہ مورتیں ہیں کہیں سے لاکر نصب کیا گیا ہے مگر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مندر کی تعمیر کے وقت مورتیاں موجود تھیں جن کی مناسبت سے پتھر کو تراش کر مورتوں کے حصوں کو اس میں لگایا گیا ہے۔ اگر بعد کو لاکر اور توڑ کر لگایا گیا ہوتا تو ان دونوں پتھروں کا جوڑ اتنا صحیح نہ بیٹھتا۔ کچھ نہ کچھ عیب ضرور رہ جاتا جو بآسانی نظر آ سکتا تھا۔ ان مندروں پر جو گنبد ہیں وہ باہر سے گول اور اندر سے چوکور ہیں جس سے قدیم طرز کا پتہ چلتا ہے اور مورتیں بھی قدیم آرٹ کا نمونہ ہیں۔ جن میں صفائی اور فنکاری کو کم دخل ہے۔

دوسرا روم ۶ × ۶ فٹ ہے اسی سے ملا ہوا اتر جانب ۶ × ۶ کا ایک کمرہ اور بھی ہے۔ اس میں سب سے اوپر سیتلا جی کی مورت ہے جو پتھر میں کھدی ہوئی چسپاں ہے اور اوپر پرانے طرز کا محراب ہے جو اپنی قدامت ظاہر کر رہا ہے نیچے پانچ قسم کی سیتلا دیوی کی مورت ہے۔

(۱) گھوڑے پر سوار ہاتھ میں ترسول

(۲) " " " " پھول

(۳) " " " پھول اور تلوار

(۴) " " " " لگام

(۵) " " " گود میں بچہ و لگام لئے ہوئے

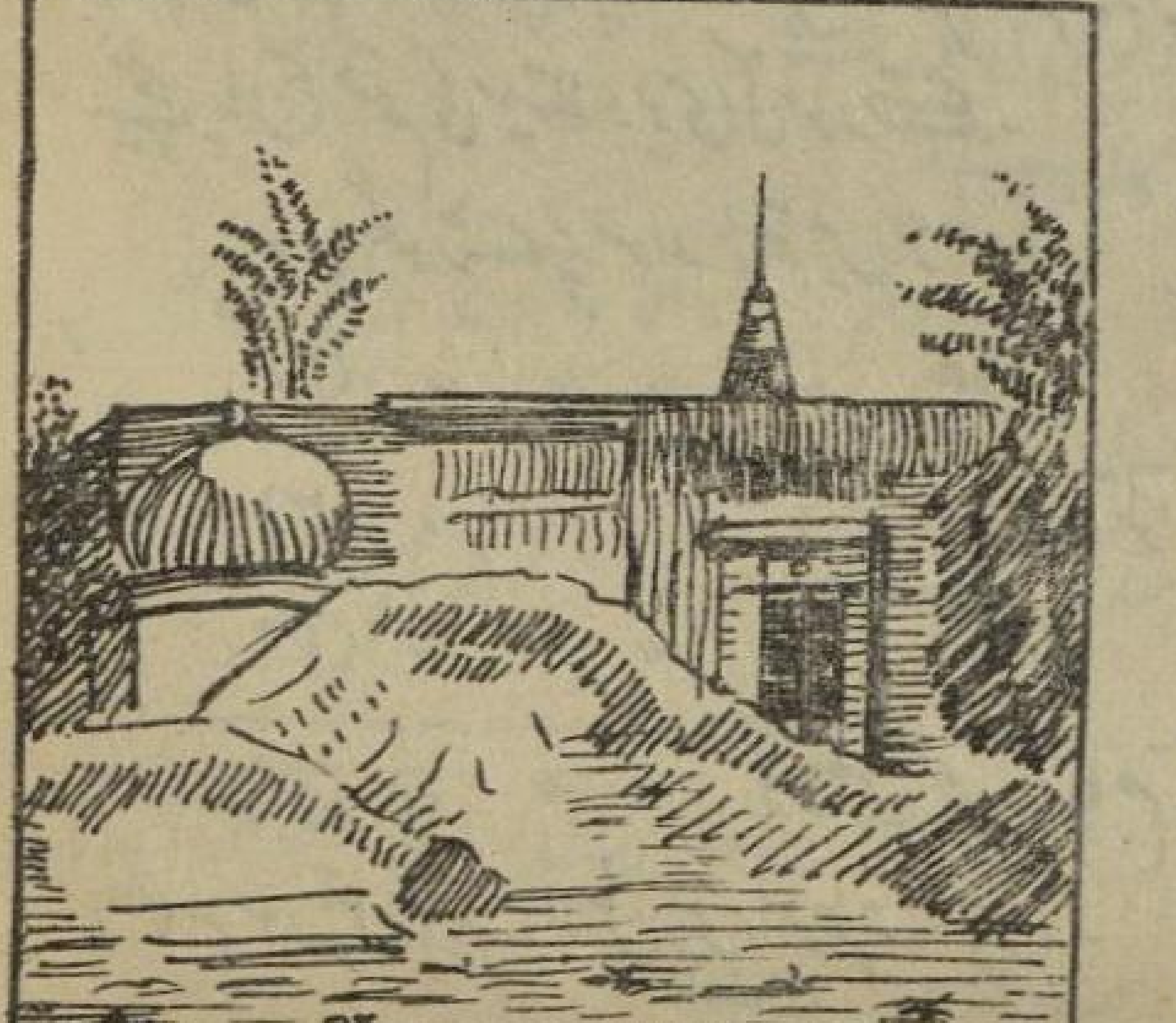
یہ تمام مورتیں ایک لائن میں اتر طرف ہیں۔

گھوڑے کی شکل اور ٹانگ بہت بدنما اور بالکل غیر فنکارانہ ہے اتنی قدیم معلوم ہوتی ہے جیسے اسوقت جونپور میں یہ فن بالکل تاریکی میں تھا اس مندر کے دروازے چار فٹ سے زیادہ بلند نہیں ہیں اور جانے والا کافی جھک کر ہی اندر جا سکتا ہے۔ بالکل ایک کھلا ہوا در ہے۔

اس مندر سے سو قدم کے فاصلہ پر دکھن طرف دریائے گومتی پر ایک سنگین گھاٹ باباگنگاداس کا تعمیر کردہ ہے جسکو انھوں نے بڑی کوشش و محنت وجانفشانی سے بنوایا ہے اور انکی زندگی کا حاصل ہے اور خود اسی گھاٹ کے دکھن طرف برگد کے درخت کے سایے میں اپنی سمادھی کے اندر آرام فرما ہیں۔

بھگوان کرشن مندر گولرگھاٹ

یہ مندر گولرگھاٹ جونپور میں دریائے گومتی کے داہنے کنارے پر دریا سے ۱۵ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ اینٹ چونہ کا بنا ہوا بہت قدیم ہے دکھن طرف پرانے طرز کا گنبد ہے۔ اس میں تین مورتیں ہیں۔ اُتر طرف شری کرشن جی، درمیان میں شری جانکی جی اور پچھم میں ہنومان جو ٹکھی کی مورت ہے مونی بابا اور ناگا بابا کا کہنا ہے کہ اس مندر کی



تعمیر کو قریب چار سَو و پانچسَو برس ہو چکا ہے۔ اسکے مہنت ناگا بابا ہیں جن کی عمر اس وقت ۱۲۵ سال کی ہے۔ اس پر کافی جائداد یں سلطان پور پرتاب گڈھ، صدیق پور اور جونپور کے اطراف میں وقف ہیں۔ ناگا بابا کے جسم میں اتنی گرمی اور زہر کا اثر ہے کہ سانپ وغیرہ زہریلے جانور کاٹتے ہی مرجاتے ہیں۔ ناگا بابا چودہ زبانیں جانتے ہیں۔ انھوں نے امیریکہ لندن اور جرمنی کا سفر بھی کیا ہے۔ مندر کی حالت اچھی نہیں ہے مگر استحکام کا یہ عالم ہے کہ سیکڑوں سیلاب کا مقابلہ کرنے کے باوجود اسی آب و تاب اور شان سے موجود ہے۔ اسکے اتر ندی دکھن افتادہ زمین جس پر ایک جدید مندر مونی بابا تعمیر کرا رہے ہیں اور بنیاد پڑ چکی ہے۔ پچھم میں مونی بابا کا پھوس کا بنگلے نما آشرم ہے۔ جہاں سیکڑوں آدمی روز درشن کو آتے ہیں پورب میں زمین افتادہ اور ایک بہت بڑا برگد کا درخت ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی درختان ہیں۔ اس مندر سے متصل پچھم اور اتر میں ایک اور سنگین مندر تھا جو زیادہ سے زیادہ دو سَو برس کا رہا ہوگا مگر سیلاب نے اسکو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینکدیا ہے جسکا بھیانک نظارہ گومتی کے پل سے ہی دکھائی دیتا ہے۔ [له]

مندر ہنومان گھاٹ جونپور

یہ مندر لب دریا گومتی پُل کے پورب اور اتر طرف واقع ہے۔ اسی سے متصل پورب طرف ایک قدیم جین مندر بھی ہے جو مسجد مستجاب الدعوات سے ملحق ہے۔ اس مندر کے سامنے اتر طرف ایک اور بھی سنگین مندر ہے جس میں

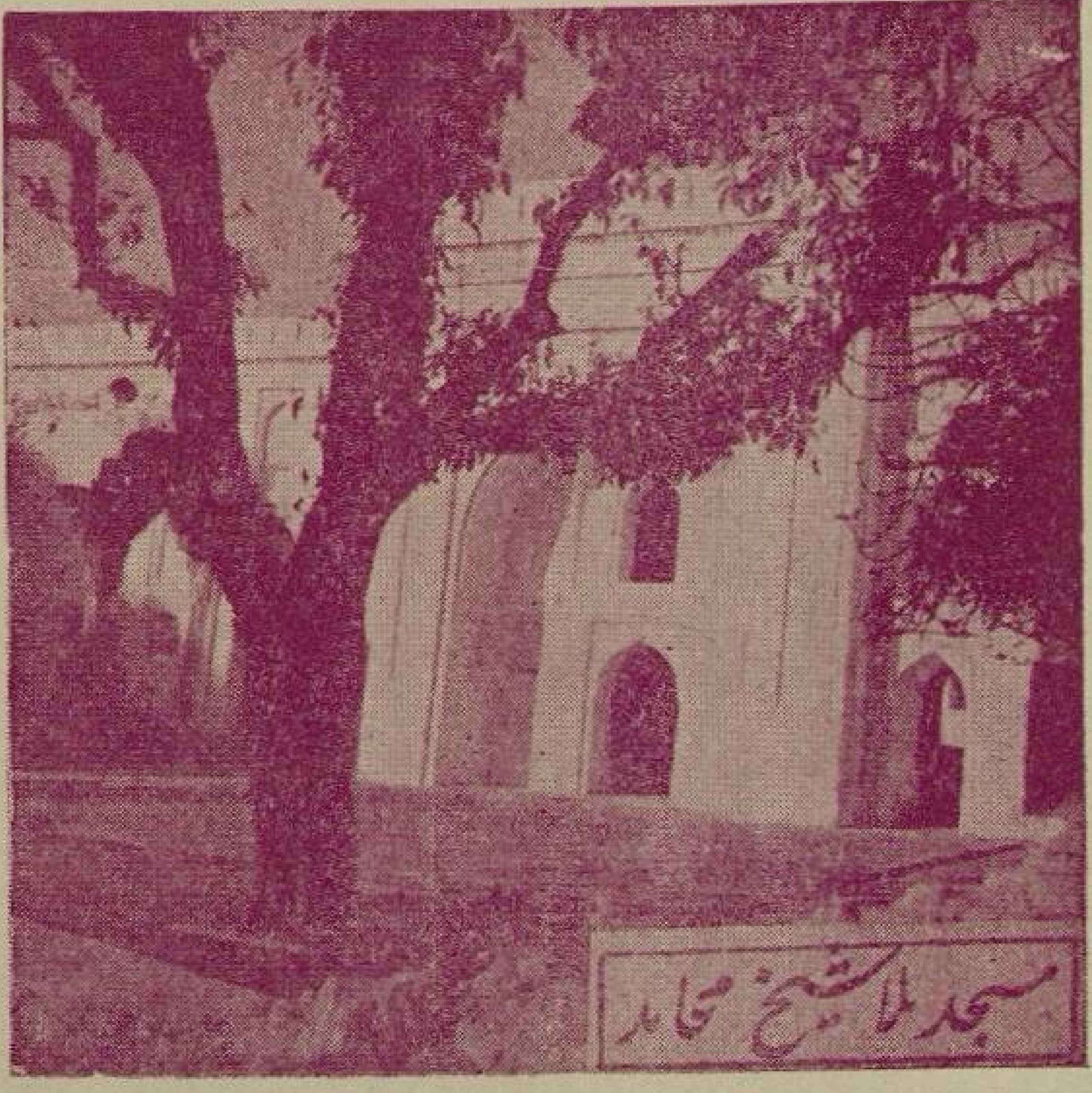
له یہ واقعات مندر پر جاکر ناگا بابا اور مونی بابا سے نوٹ کیے گئے۔ مؤلف

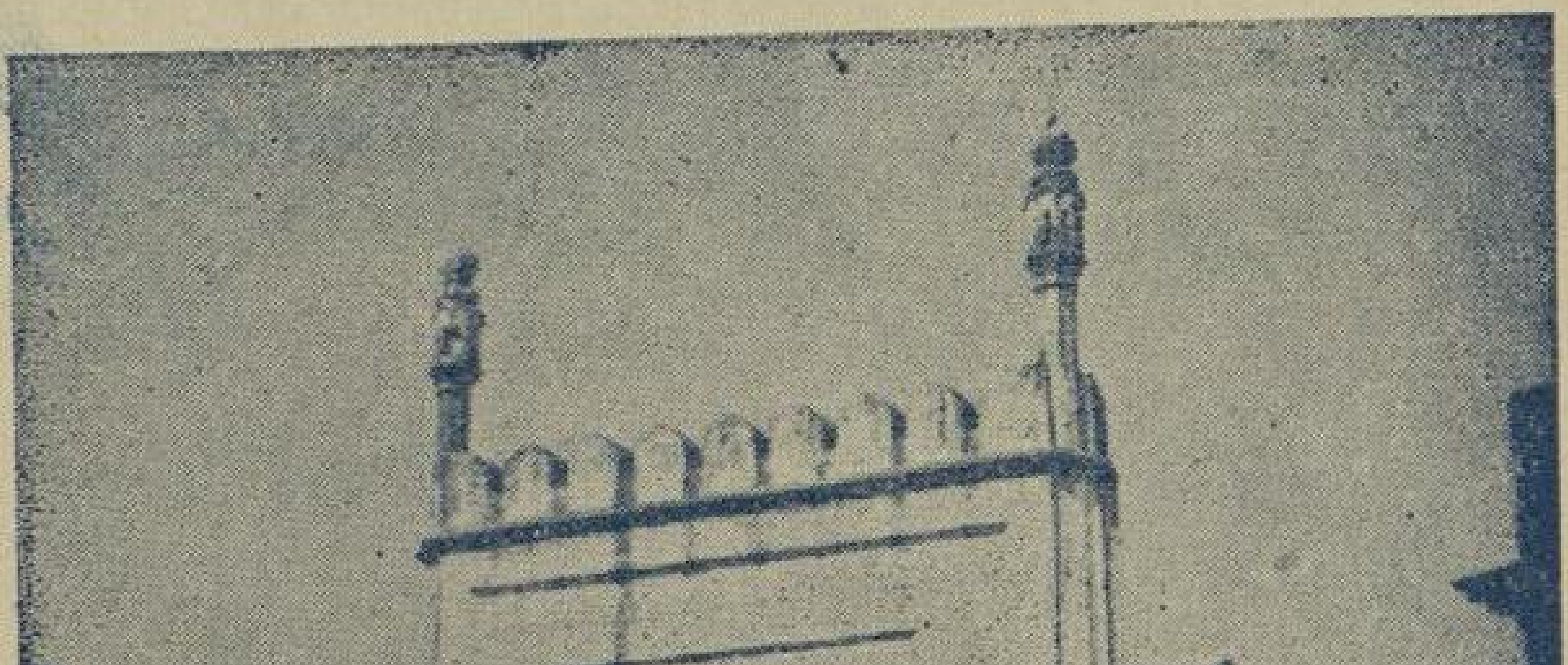
روزانہ صبح کو رامائن کا پاٹھ ہوتا ہے جس کو عورتیں اشنان کرنے کے بعد وہاں آکر سنتی ہیں۔ اس گھاٹ پر صبح کو اشنان کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ عورتیں کافی تعداد میں آتی ہیں۔

جدید گھاٹ دوارکا پرشاد مارواڑی کا تعمیر کردہ ہے۔ یہاں پیپل کے عظیم الشان درختوں سے درشن کرنے والوں اور دوسرے لوگوں کو کافی آرام ہے۔ ہر روز منگل کی شام کو درشن کرنے والے کثرت سے آتے ہیں۔ مندر اور گھاٹ کافی آباد ہے اور ہر مندر میں پجاری سادھو اور پنڈا موجود ہیں۔ یہ مندر ہر سال سیلاب میں ڈوب جاتا ہے۔

مسجد شیخ محامد

مُلّا محامد جونپور کے مشہور و معروف علماء میں سے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ میں از حد کمال تھا آپ نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ تحصیل علم اور درس و تدریس میں بسر کیا۔ معقولات میں آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند تھا۔ آپ کی فضیلت کا شہرہ اطراف ملک میں پھیل گیا اور شاہ عالم بادشاہ کے طلب کرنے پر دہلی تشریف لے گئے اور علماء شاہی میں داخل ہو گئے اور روز بروز اعلیٰ درجے پر ترقی ہی کرتے گئے آخر کار بادشاہ نے شاہزادہ اکبر ثانی کا اتالیق مقرر کر دیا۔ آخر زمانے میں آپ جونپور تشریف لائے اور ایک محلہ اپنے نام سے آباد کیا جسکا نام محلہ شیخ محامد ہے۔ یہیں پر آپنے سکونت کیلئے عالیشان مکان اور اسی سے ملحق ایک پختہ خشتی مسجد بھی بنوائی اسی سے ملا ہوا ایک مدرسہ بھی تھا۔ کافی دنوں تک درس و تدریس میں مصروف رہے اور یہیں پر آپکا انتقال ہوا۔ مسجد سے ۲۵ قدم کے فاصلے پر پورب واتر آپ کا مزار ہے۔ اسوقت صرف مسجد باقی ہے۔ دیگر عمارتیں گر گئیں اور زمین کو لوگوں نے کھیت بنالیا یا اپنے


مسجد ملا شیخ مجاہد



مسجد ملا محمود

مکان میں شامل کر لیا ہے۔ مسجد کی پوربی چہار دیواری کا کچھ حصہ گر چکا ہے اور جو موجود ہے وہ بھی بہت خطرناک ہے اور چند دنوں کا مہمان ہے۔ صحن مسجد کے اندر جو مدرسہ کی عمارت تھی وہ بھی گر گئی ہے اور گھاس پھوس کا ڈھیر ہے۔ اندر ایک مُرسلی کا بہت پرانا درخت موجود ہے۔ مسجد کی صفائی وسفیدی ہوتی رہتی ہے۔ رمضان المبارک کے زمانے میں ظہر اور عصر کی نماز باجماعت ہوتی ہے۔ باہری حصے کی اینٹ کھُلی ہوئی بلا پلاسٹر کی ہے جس سے دیوار کے گرنے کا اندیشہ ہے۔

مسجد دیکھنے میں سادگی کے باوجود بہت بھلی معلوم ہوتی ہے اور تعمیر کرانے والے کی نیک نیتی کا پتہ دیتی ہے۔ یہ مسجد شاہ عالم بادشاہ دہلی کے عہد میں تعمیر ہوئی ہے اور ملا شیخ مجاہد کی یادگار ہے۔

مسجد مُلّا محمود جونپوری

ملا محمود موضع ولید پور ضلع اعظمگڈھ میں ۱۰۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ سن بلوغ میں جونپور چلے آئے اور اپنے دادا سے پڑھنا شروع کیا جنکا نام شاہ محمدی تھا اور مدرسہ محلہ سپاہ میں تھا۔ ان کا انتقال ۱۰۳۱ھ میں ہوا۔ اسکے بعد آپ نے ملا افضل استاد العلما کی شاگردی اختیار کی۔ ملا افضل کے والد کا نام شیخ حمزہ تھا۔ ملا افضل رُدولی میں ۱۶ر رمضان ۹۹۷ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ ملا محمود کئی بار دربار شاہجہاں میں حاضری دی اور شاہجہاں کا لڑکا شجاع آپ ہی کا شاگرد تھا۔ ۱۰۶۲ھ میں پھر آپ جونپور آئے تو پھر کہیں نہ گئے۔ ایک مسجد اور اسی سے متصل ایک خانقاہ محلہ شیخ محامد میں تعمیر کرائی۔

یہ خانقاہ اور مسجد عرصے تک اپنی اصلی حالت پر قائم رہی۔ لعبد کو ملا محمود

کے انتقال کے بعد خانقاہ و مسجد حافظ عابد حسین وکیل کے سپرد ہوئی جو ملا محمود کے خاندان سے وابستہ ہیں۔ خانقاہ کو انھوں نے اپنے مکان کے طور پر استعمال کیا اور قدیم ملا محمود کی بنوائی ہوئی مسجد کا اکثر و بیشتر حصہ گر گیا تھا۔ جس کو از سر نو تعمیر کرایا مگر ملا محمود کے زمانے کا دروازہ تبرکاً قائم رکھا۔ جو ابتک باقی ہے اور مرمت ہوتی رہتی ہے۔

لکھا ہے کہ جس زمانہ میں ملا محمود اس مسجد کے اندر درس دیا کرتے اسوقت اتنے کم عمر تھے کہ بعض خاندانی روایات کی بنا پر جب لڑکوں کو چھٹی دیدیا کرتے تو مسجد کے پھاٹک کو بند کر کے چڑا (گوریا) پکڑا کرتے تھے جو وہاں کھوتے لگائے ہوئے تھے۔ لہ

مسجد سے ملحق دکھن طرف جو مدرسہ تھا وہ منہدم ہوگیا ہے۔ مسجد کی دیکھ بھال ہوتی رہتی ہے جسکی وجہ سے باقی ہے۔ کنواں پختہ ملا صاحب کا تعمیر کردہ ہے مگر پانی نمکین ہے۔ ابھی حال ہی میں مسجد کے اندر مولوی محمد داؤد صاحب نے مدرسہ محمودیہ قائم کر دیا ہے جسمیں بچوں کو قرآن کریم کا ناظرہ کرایا جاتا ہے۔ یہ مسجد بھی محلہ شیخ محامد میں ہے اور ملا شیخ محامد کی مسجد سے پورب سو قدم کے فاصلہ پر ہے۔ یہ مسجد عہد شاہجہاں بادشاہ میں تعمیر ہوئی ہے اور ملا محمود کی لافانی یادگار ہے۔

مسجد مولانا سراج الدین منہاج

مولانا سراج الدین کے والد کا نام مولانا خواجگی تھا جو امیر تیمور کے حملہ کے زمانے میں دہلی سے جونپور آئے تھے۔ ابراہیم شاہ شرقی

لہ ملا محمود از علی مہدی خاں۔ تجلی نور حصہ دوم۔ گنج ارشدی

کی علمی سرپرستی کی بنا پر محلہ سپاہ میں آباد ہو گئے۔ ابراہیم شرقی نے علوم ظاہری کی کچھ تعلیم آپ سے بھی حاصل کی تھی۔ آپ زبردست عالم تھے۔ اسی محلہ میں مولانا سراج الدین کا عالیشان مکان تھا۔ اور ایک خانقاہ ابراہیم شاہ شرقی کی تعمیر کردہ تھی۔ محل و مسجد میں سنگ موسیٰ کا کام بنا ہوا تھا۔

ابھی حال میں قاضی زکی صاحب کے مکان کی کھدائی میں ایک آیۃ الکرسی سنگ موسیٰ پر قریب پانچ چھ فٹ زمین کے نیچے برآمد ہوئی ہے جسکے محراب میں حروف ابھرے ہیں۔ وہ آیت الکرسی اسی محلہ کی ایک مسجد ننھی بیگم کے وسطی محراب میں نصب کر دیگئی ہے۔ یہ مسجد سنہ ۱۲۵۰ھ کی تعمیر شدہ ہے۔ اس آیۃ الکرسی کے اوپر سنگ سیاہ پر یہ اشعار کندہ ہیں:۔

ساخت ننھی ز روے طبع سلیم
مسجدے از براے اجر عظیم
شدہ تاریخش از سر تکمہ
کان ھٰذا امقام ابراھیم

(ترجمہ) مسماۃ ننھی بیگم نیک طبع نے اجر عظیم حاصل کرنے کے لئے مسجد تعمیر کیا۔ اسکی تاریخ لکھو "کان ہذا امقام ابراہیم"۔

یہ آیت الکرسی یقیناً مولانا سراج الدین کی مسجد کی تھی جو مکان و مسجد گر نے کی وجہ سے زمین میں مدفون تھی۔ حروف کی نشست میں بڑی فن خطاطی کارفرما ہے اور زبردست فن کا مظاہرہ ہے جسکا جواب نہیں اور یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ زمانہ ابراہیم شاہ شرقی کا تھا۔ کیونکہ اسکے بعد جو بھی عربی کتبے ملے ہیں وہ مغل دور کے ہیں۔ اس میں اور اس تحریر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور قدیم کتابوں اور شرقی عمارتوں سے یہ ثابت ہے کہ دہلی کی تباہ کاری کے بعد ابراہیم شاہ کی سرپرستی کی بنا پر جو بزرگ علماء

فن کا مرکز ہوگیا تھا۔ فن خطاطی کی مفصل بحث آیندہ صفحات میں ملاحظہ فرمایئے[1]

مسجد مخدوم جہانیاں

ابراہیم شاہ شرقی حضرت جہانیاں سے بیعت تھا اور ان ہی سے علوم باطنی اور سلوک کی تعلیم حاصل کی تھی۔ بادشاہ کی خواہش تھی کہ اسکے پیر روشن ضمیر جونپور ہی میں قیام کریں۔ چنانچہ بادشاہ نے آپکے قیام کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور محلہ بلوچ ٹولہ میں روضہ جمال خاں سے اتر دکھن جہاں اس وقت تکیہ ہے گومتی سے دکھن ایک بلند مقام پر آپکے لئے ایک مکان، خانقاہ اور ایک مسجد نقش ونگار اور آیت قرآنی سے مزین تعمیر کرایا۔ بادشاہ نے ہر ممکن کوشش کی مگر حضرت مخدوم جہانیاں بعد چند روز کے یہاں سے چلدیئے۔

"تجلیات العارفین" میں حضرت مخدوم کے جانے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں ابراہیم شاہ سے اس بات پر ناخوش ہوکر کے چلدیئے کہ بادشاہ اپنے وقت کا زیادہ حصہ بحث و مباحثہ اور مناظرہ میں ضایع کرتا ہے اور باوجود ممانعت کے باز نہیں آتا اور عبادت و ریاضت کی طرف کم توجہ کرتا ہے بادشاہ کو آپ کی ناراضگی بہت شاق گذری۔ بیتاب و بے چین ہو گیا۔ آخر کار علما کی ایک جماعت لیکر حضرت مخدوم کی منت و سماجت کے لئے الہ آباد گیا اور راضی کر کے اپنے ہمراہ لایا اور حسب وعدہ بحث و مباحثہ کی مجلسیں بند کر کے عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگیا۔ مگر پھر کچھ دنوں بعد حضرت مخدوم چلے گئے

محلہ بلوچ ٹولہ میں اس مسجد کے وسطی محراب کا ایک پتھر نور محمد کی مسجد میں ملا ہے جو قناتی ہے اور سنہ ۱۲۳۱ھ کی تعمیر ہے۔ یہ پتھر ایک مسجد میں روضہ

---

[1] تجلیات العارفین صہ ۴۴

جمال خاں سے از نصب تھا۔ وہاں کے باشندے اب بھی اس مسجد کی نشاندھی کرتے ہیں۔ یقیناً یہ مسجد وہی تھی جو حضرت مخدوم جہانیاں کے لئے ابراہیم شاہ نے تعمیر کرائی تھی۔ اس میں سورہ حشر کی آخری آیت اور آیت الکرسی خط طغرٰی و پیچاں میں تعویذی طور پر بہت باریک ابھری ہوئی ہے اور ابتدا سے لیکر انتہا تک کھڑے الف میں عظیم الشان فن کا مظاہرہ ہے۔ [۱]

قلعہ رائے بریلی

یہ قلعہ چونے اور اینٹ سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اسکو ابراہیم شاہ شرقی نے دشمنوں سے حفاظت کے لئے اس قسم کے بہت سے قلعے تعمیر کرائے تھے جس سے اسکا منشا کسی پر فوج کشی کرنا نہ تھا بلکہ اپنی سلطنت و حکومت کی حفاظت مدنظر تھی۔

ابراہیم شاہ کے عدل و انصاف اور اعلیٰ درجے کے نظم و نسق کی وجہ سے ہر طرف امن و اطمینان تھا۔ رعایا کے اندر بداعتمادی و بددلی نہ تھی یہی وجہ تھی کہ اس نے چالیس سال تک نہایت چین و سکون اور رعب و جلال کے ساتھ حکومت کی ہے۔ یہ قلعہ خشتی ہونیکی وجہ سے گر گیا ہے محض منہدم فصیلیں باقی ہیں۔ [۲]

مقبرہ حضرت بدیع الدین شاہ مدارؒ

حضرت بدیع الدین شاہ مدارؒ سلسلہ مداریہ کے ایک بزرگ کامل ابراہیم شاہ شرقی کے زمانے میں گذرے ہیں۔ آپ کا عرصہ دراز تک جونپور میں قیام تھا۔ صدر ڈاکخانہ کے پچھم میں آپنے سکونت اختیار کی تھی جو آجکل صدر

---

[۱] تجلیات العارفین قلمی ص ۷۵

[۲] آئینہ اودھ

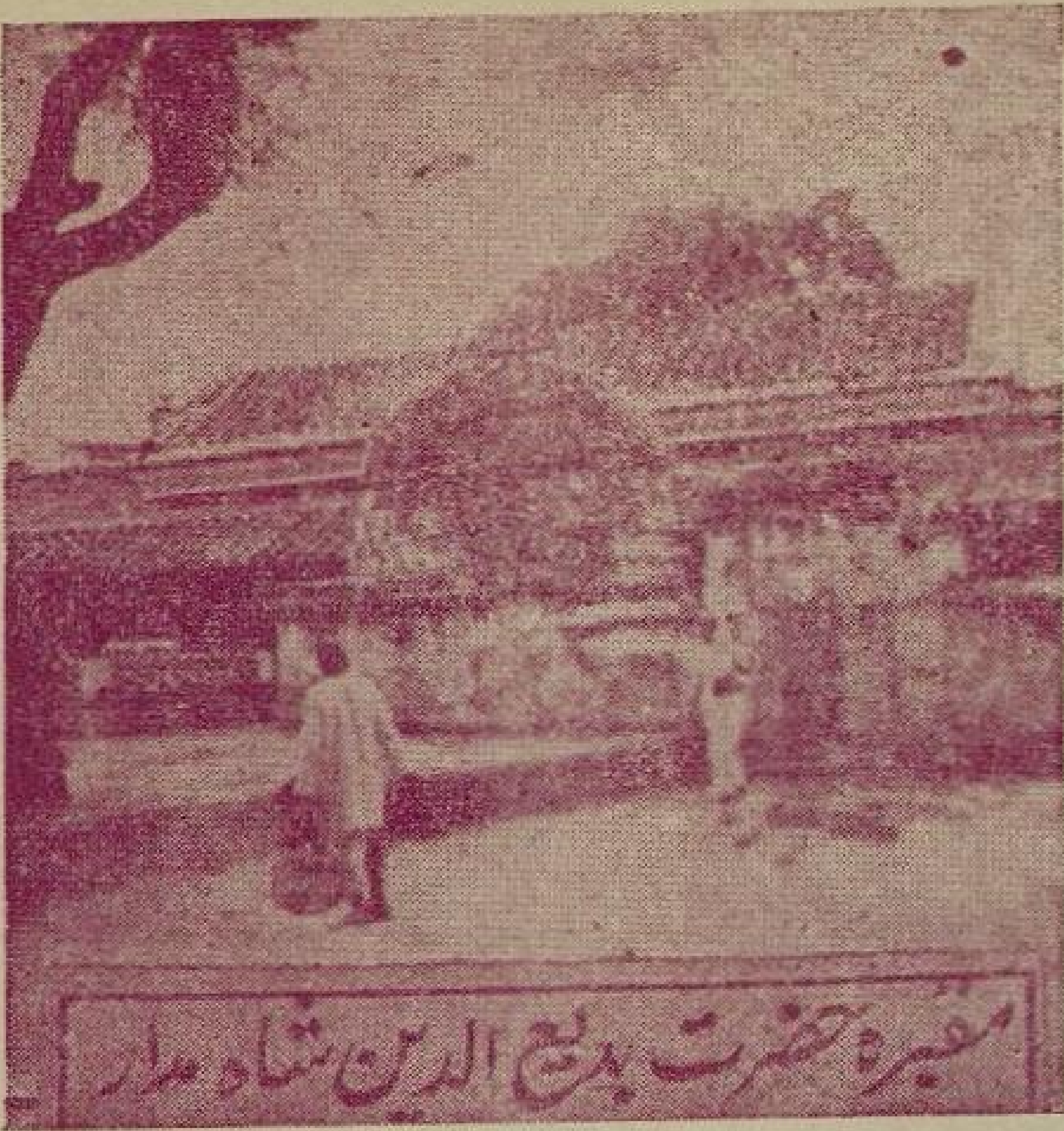
کوتوالی ہے۔ پہلے اسی میں حضرت شاہ مدار کی خانقاہ تھی۔ آپ سے بہت لوگوں نے فیض پایا ہے اور یہاں پر آپ نے بہت کافی مرید اور خلیفہ چھوڑے تھے جس مقام پر گنبد ہے وہاں آپ نے چلہ کشی فرمائی تھی۔ اسی زمانے کی مقبرہ سے ملحق مسجد بھی ہے اور ایک پختہ کنواں ہے جو حافظ یحییٰ نے ۱۳۵۶ھ میں بنوایا ہے۔ گنبد کے ارد گرد آپ کے خلفا اور مریدین کی قبریں ہیں۔ اس گنبد سے ملحق ایک چبوترہ ہے جو پورب طرف تقریباً ۵ گز لانبا اور اسی قدر چوڑا ہے۔ اسکی دیوار پختہ اینٹوں کی ہے۔ یہ چبوترہ بھی حضرت شاہ مدار کے گنبد سے متعلق ہے۔ اس پر ایک درخت نیب کا بہت بڑا تھا اسی کے قریب دو مزار ہے۔ منتظمین برابر اس ...... مسجد و کنواں، گنبد و مزارات اور چبوترے کی مرمت کراتے ہیں۔

آپ کا مزار مکن پور کانپور میں ہے جہاں آپ دفن ہیں۔ جس پر ابراہیم شاہ شرقی نے شاندار گنبد تعمیر کرادیا ہے۔ یہاں بھی سالانہ آپ کا عرس ہوتا ہے اور میلاد کی محفل منعقد ہوتی ہے۔ آپ کا انتقال ۸۴۰ھ میں ہوا اُس وقت آپ کی عمر ۲۵۲ برس کی تھی۔ آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہیں [۱]

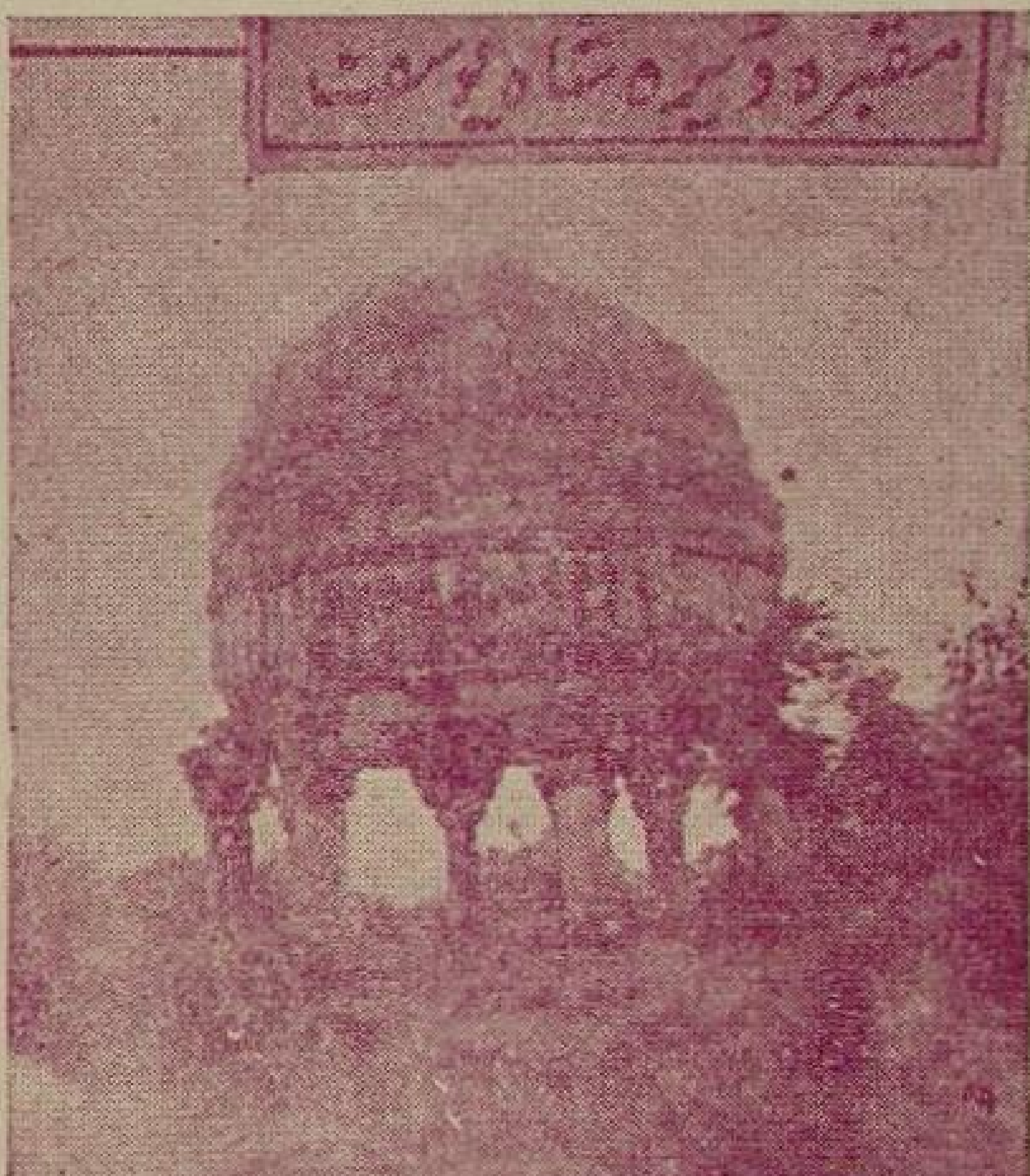
مقبرہ ڈیرہ شاہ یوسف رح

یہ مقبرہ لعل دروازہ مسجد کے پورب اتر کے کونے لعل دروازہ اور ڈیرا شاہ یوسف کی سرحد پر واقع ہے۔ اسکا پختہ چبوترہ ۵۰ فٹ کے مربع میں تھا جسکے شکستہ آثار اب بھی موجود ہیں۔ عہد قدیم میں یہ جگہ شہری آبادی کا سرحدی مقام تھا اور یہ فوجی چوکی تھی۔ شاہ یوسف صاحب اس فوج کے افسر اعلیٰ تھے

[۱] زبدۃ الکلام فی مشاہیر اسلام حصہ ۵ صفحہ ۱۴، تجلی نور حصہ دوم



مقبرہ حضرت بدیع الدین شاہ مدار



مقبرہ و حجرہ شاہ یوسف



عمارت ہندی ساہتیہ سمّیلن

اندرون شہر داخلہ کے وقت انکا اندراج کیا جاتا تھا اور اشیاء کے درآمد دبرآمد کی دیکھ بھال ہوتی تھی۔ چونکہ اسی کی پشت پر شرقیوں کے محلات تھے اس لئے بھی ایک حفاظتی چوکی اور فوج کا ایک دستہ رہنا ضروری تھا۔

یہ مقبرہ نہایت شاندار اور اندر سے تمام تر پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اسکے باہر پتھر کی پرچھتی چاروں طرف تھی جسکے بیچ میں سورج مکھی کا نہایت حسین پھول تھا۔ اس پرچھتی کو لوگ نکال کرلے گئے۔ پتھر کی کئی شہتیریں جس پر گنبد کی عمارت ہے ٹوٹ گئی ہیں اور کھمبے ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ گنبد میں بھی کئی جگہوں پر شگاف ہو گیا ہے۔

اس مقبرہ کی کبھی مرمت نہیں کیگئی۔ گھاس پھوس سے گھرا ہوا ہے کہ وہاں تک جانا مشکل ہے۔ اسکے اندر زمین پر کھیتی ہو رہی ہے۔ اس کے اندر کا مزار بھی شکست ہو کر اسوقت موجود نہیں ہے۔ فوری مرمت کی ضرورت ہے ورنہ بہت جلد گر جائے گا۔

ہندی ساہتیہ سمّیلن بھوَن

عہد حاضر میں جونپور کی سب سے اچھی اور قابل ذکر عمارت ہے اور بہت ہی اہم ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔ اس عمارت کا سنگ بنیاد ڈاکٹر سمپورنا نند سابق وزیر تعلیم یو پی نے ماہ چیت سمبت ۲۰۰۸ بکرمی میں رکھا تھا اور سری پرکاش جی راجپال مہاراشٹر نے اس بھون کا افتتاح ۹ پھاگن سمبت ۲۰۱۷ میں کیا تھا۔ اسکی تعمیر کے سلسلے میں بلا اختلاف مذہب و ملت نسل و قومیت سب نے چندہ دیا ہے۔ معاونت کرنے والوں میں ۱۸۱ آدمیوں کے نام کی تختیاں سنگ مرمر پر صدر گیٹ کے داہنے اور بائیں نصب ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے حضرات ہونگے جنھوں نے معاونت کی ہوگی۔

اس بھون میں ہر قسم کی مجلسیں اور محفلیں ہوتی ہیں اور کبھی کبھی کوی سمیلن اور مشاعرہ بھی ہوتا ہے۔ نمائشیں ہوتی ہیں اور سامان بھی نیلام ہوتا ہے۔ بڑی بڑی دعوتیں اور پارٹیاں بھی ہوتی ہیں اور انٹرویو بھی ہوتا ہے۔ ہر قسم کے آرام و آسائش کا سامان مہیا رہتا ہے اور بہترین انتظام ہے۔

بھون کی عمارت نہایت حسین، جاذب نظر اور بلند ہے اسکے پچھم میں ایک وسیع خوشنما لان ہے جسکے چاروں طرف قدآدم چہار دیواری اور کانٹے دار درختان ہیں۔ اس سے ملحق رنگ برنگ کے پھولوں کی قطار ہے اور بڑے بڑے سایہ دار درختان بھی ہیں۔ بیچ میں سبزہ زار ہے اور بچوں کی ورزش کے لئے تمام آلات نصب ہیں۔ صبح و شام بچوں کا ہجوم رہتا ہے اور کھیل کود ورزش میں مشغول رہتے ہیں۔ پورب طرف بھی ایک وسیع صحن ہے جس کے اتر طرف عمارت ہے۔ اس میں مسافر و سیاح آکر ٹھہرتے ہیں۔ تمام آرام و آسائش کا سامان موجود ہے ان سے معقول کرایہ لیا جاتا ہے۔ صحن کے وسط میں گولائی کے اندر سبزہ زار ہے جہاں نشست و برخواست ہوتی ہے۔ پورب و پچھم کے صحن نے عمارت کو بہت ہی حسن و جمال بخشا ہے اور جاذب نظر بنا دیا ہے اس سے بنوانے والے کی بلند حوصلگی اور سلیقہ مندی کا پتہ چلتا ہے۔

عمارت میں ایک بہت ہی خوبصورت اور وسیع ہال ہے جس کی آرائش اور زیبائش میں بڑے سلیقے سے کام لیا گیا ہے۔ اندر ایک لائبریری بھی ہے جہاں اخبار و رسائل اور کتابیں مہیا رہتی ہیں۔ ہال کے بیچ میں قطار سے کرسیاں اور بڑی بڑی میزیں لگی ہیں۔ دیکھ بھال اور لوگوں کی سہولت کے لئے مالی اور دوسرے ملازمین موجود رہتے ہیں۔

اس بھون کی تعمیر بابو رامیشور پرشاد صاحب کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے۔ آپ بہت با اخلاق اور ملنسار ہیں اور شہر کے اندر ہر دلعزیز ہیں اور با اثر لوگوں میں ہیں۔ بہت پرانے کانگریسی ہیں اور کچھ دنوں تک نگر پالیکا کے چیرمین بھی رہ چکے ہیں۔ نگرانی اور دیکھ بھال میں بہت مستعد شخص ہیں۔

آپنے اس عمارت کے لئے ایک بورڈ آف ٹرسٹ قائم کر دیا ہے۔ جسکے اوّل منتظم خود آپ ہیں اسکے بعد آپ کی اولادیں ہونگی۔ اس میں شک نہیں کہ آپنے سرزمین جونپور پہ بہت ہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیکر ایک مثال قائم کر دی ہے جس سے باحساس منتظمین سبق حاصل کریں اور تعمیری کام کرنے والے اس شاہراہ پر چل کر بہت سے مفید کام انجام دیسکتے ہیں۔

شعرائے جونپور

حضرت مولانا نظام الدین علامی سہروردی

آپ حضرت مخدوم آفتاب ہند ظفرآبادی قدس سرہٗ کے ہمراہ پہلے ظفرآباد آئے۔ جب فیروز تغلق نے جونپور آباد کیا تو جونپور میں سکونت اختیار کی۔ آپ حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور شاعری میں بہت بلند مقام حاصل تھا۔ یوں تو صنف شاعری کے ہر شعبہ پر عبور تھا مگر مادہ تاریخ نکالنے میں کمال حاصل تھا۔ کسی بزرگ کے انتقال پر جن کا پتہ نہ چل سکا تاریخ وفات آپ ہی نے کہی ہے۔

آپ کی وفات ۸۳۵ھ بعہد ابراہیم شاہ شرقی ہوئی۔

مادۂ تاریخ یہ ہے:۔

از خرد جستیم تاریخ وفات قطب حق
گفت مخدوم زمانہ سال علامی بخواں

حضرت ملک العلما قاضی شہاب الدین

آپ ابراہیم شاہی دور کے زبردست شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ علم و فضل میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں جنکا ذکر علیحدہ کیا گیا ہے۔ یہ قطعہ آپ ہی کی شان میں کہا گیا ہے۔

اے زجوشِ کرمت قطرہ بود دریائے
پیش اولاف زند بارشِ باراں تا چند
گر بہ فیضش نکند ابر بہاری شاداب
دعویٔ حُسن کند گل بہ گلستاں تا چند

(ترجمہ) اے کہ تیرے کرم کے جوش سے قطرہ دریا ہو جاتا ہے تو بارشِ باراں لاف زنی نہیں کر سکتی اور اگر تیرے فیض سے ابر بہاری شاداب نہ کرے تو گلستاں میں پھول دعویٰ حسن نہیں کر سکتے یعنی خدا ہی کے فیض و کرم سے بارش باراں و ابر بہاری اپنے فرائض انجام دیتی ہے

جس زمانے میں حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ اٹالہ مسجد میں مقیم تھے اور ملک العلما آپ کے پاس آئے تو برجستہ قطعہ ذیل پڑھا ؎

چہ خورشید است تاباں بر جبینش
کہ خورشید فلک زو ذرہ گردد
بگو ہر سید است دریاے امواج
کہ دریاے جہاں چوں قطرہ گردد

آپ کا دیوان جامع الصنایع تھا جسکو آپ نے حضرت مخدوم صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا ایک مرتبہ آپ نے ایک لڑکے کے طلب میں بادشاہ ابراہیم شرقی کے پاس یہ قطعہ لکھکر بھیجا تھا۔ اس قطعہ سے آپ کی ظرافت کا معیار بہت بلند ہو گیا ہے

قطعہ

ایں نفس خاکسار کہ آتش سرائے اوست	بر باد گشت لائق۔ بسا آب کردن است
شخصے چناں فرست کہ پا بر سرم نہد	ریزد ہمہ منی و تکبر کہ در من است

آپ کی وفات ۸۴۲ھ بعہد محمود شاہ شرقی ہوئی۔ اور مزار آپ کا راج کالج کے اندر ہے [۱]

حضرت مخدوم خواجہ عیسیٰ تاج آپ عہد ابراہیم شاہ شرقی کے مشہور و معروف شاعروں میں تھے۔ آپکے اشعار زیادہ تر عربی میں ملتے ہیں۔ مگر فارسی زبان پر بھی اچھی طرح حاوی تھے۔ نمونہ کلام میں ایک قطعہ مل سکا ہے جو فارسی میں ہے:۔

ابراہیم شاہ شرقی نے کچھ روپیہ اور کپڑے آپکی خدمت میں بھیجے تھے اسکے جواب میں آپ فرماتے ہیں۔

من دلق خود با طلس شاہاں نمیدہم
من فقر خود بہ ملک سلیماں نمیدہم
از رنج فقر در دل گنجے کہ یافتم
ایں رنج را بہ راحت شاہاں نمیدہم

آپ کا مقبرہ محلہ ارزن میں ہے۔

حضرت باسطی جونپوری حضرت مولانا عبدالقادر قلندر باسطی تخلص کرتے تھے اور ابراہیم شاہ کے شعرا میں سے تھے آپ کا کلام نہایت بلند ہوتا تھا۔ آپنے حضرت مخدوم سید نجم الدین غوث الدہر قلندر کی تاریخ وفات کہی ہے:۔

والنجم اذا ہوا چو خواندم ز امام
آغاز ندارد ایں کلام و انجام
از بہر امام دیں غوث الدہر
تاریخ وفات فہم کردند کرام

---

[۱] بحر ذخار۔ تجلی نور حصہ اول فارسی۔ گنج ارشدی وغیرہ۔

حضرت دانیال خضریؒ صاحب خزینۃ الاصفیا تحریر فرماتے ہیں کہ آپ مرید و خلیفہ حضرت سید راجی حامد مانکپوریؒ کے تھے اور حضرت مخدوم خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی سے بھی فیض باطنی پایا۔ آپ کی طبیعت موزوں تھی، عربی فارسی اور ہندی ہر زبان میں شعر کہتے تھے۔ صرف ہندی زبان کی ایک چوپائی دستیاب ہو سکی ہے۔

جگ جگ ہمر حضرت جی خواجا   حضرت نبی رسول نواجی
دانیال جیو پرگھٹ کینا   حضرت خواجہ حضرشہ دینا ؎۱

بنارسی داس جین آپ کا وطن جونپور محلہ راسمنڈل تھا۔ جہاں آپ کے باپ دادا اسوقت سے آباد تھے جب جونپور کی سلطنت شرقی بادشاہوں سے نکل کر مغل حکمرانوں کے قبضہ میں میں آچکی تھی۔ آپ اپنے وقت کے بہت مقبول شاعر تھے۔ اسوقت عدالت کی زبان۔ مصاحبین شاہی کی زبان دربار کی زبان فارسی تھی مگر عوام جس زبان کو استعمال کرتے تھے وہ یہی زبان ہے جسے بنارسی داس جین نے اپنی تصنیفات میں استعمال کیا ہے۔ آپکی تصنیف میں چار کتابیں مشہور ہیں۔ (۱) بنارسی بلاس (۲) ناٹک سمے سار۔ (۳) اردھ کتھانک (۴) نام مالا کوس

ان کتابوں میں اردھ کتھانک جو انکی پہلی تصنیف ہے زیادہ مقبول ہے۔ اس کتاب میں آپنے پچپن سال کی سوانح حیات کو نہایت شگفتہ انداز میں پیش کیا ہے جو ہندی ادب کا ایک شاہکار ہے۔ اکبر بادشاہ کے مرنے کی خبر جب جونپور پہونچی تو جونپور نے شاہی سوگ میں کافی نمایاں حصہ لیا تھا۔ اسوقت کی تھوڑی

؎۱ گنج ارشدی

سی منظر کشی بنارسی داس نے بھی کی ہے۔

اس ہی بیچ نگرمیں شور　　بھیو اُد نگل چار ہوں اور
گھر گھر در در دیے کپاٹ　　ہٹوانی نہیں بیٹھے ہاٹ
بھلے وستر اُر بھوشن بھلے　　تے تب گاڑے دھرتی تلے
گھر گھر سبن بسو ہے سستر　　لوگن پہرے موٹے وستر
ٹھاڑھی کمبل اتھوا کھیس　　نارن پہرے موٹے بیس
اد بج نیچ کوؤ نا پہچان　　دھنی دردری بھیے سمان
چوری چار دِسے کہوں ناہیں　　یوں ہی اسے لوگ ڈراہیں

بنارسی داس کی زبان خالص پوربی ہے۔ فارسی عربی الفاظ جو اسوقت عام ہو رہے تھے انکا استعمال بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے مثلاً شور اور در در آپ کی وفات جہانگیر کے عہد میں جونپور ہی میں ہوئی۔ ؎۱

حضرت علاء الدین لاہوری

آپ خلیفہ و مرید حضرت خواجہ گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ مرد بزرگ صاحب ذوق و شوق تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال کو پہونچے ہوئے تھے۔ آپکو موسیقی ہند میں کمال حاصل تھا اور زبردست شاعر بھی تھے۔ شعر فارسی زبان میں کہتے تھے۔ ابراہیم شاہ شرقی کے آخر دور میں آپکی شاعری اوج کمال کو پہونچی ہوئی تھی۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:۔

ندانم آں گل خنداں چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمن گفت گوئے او دارد

؎۱ جونپور کا اتہاس

بہ جہت جوئے نہ آید مراد خویش نہ یافت
کسے مراد بباید کہ جستجو دارد

حدیث عشق تو تنہا نہ من ہمی گویم
کہ ہر کہ ہست ازیں گونہ گفتگو دارد

متاع دل بکفِ دلبرے بدہ تو علاؔ
کہ ایں متاع گراں مایہ دانکو دارد

آپ کی وفات ۸۸۸ھ بعہد حسین شاہ شرقی ہوئی۔ مزار بلوہ گھاٹ میں ہے [۱]

ملا شیخ نظام الدین آپ حضرت مخدوم عیسیٰ تاج کی اولاد میں سے تھے اور پائے کے عالموں میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ شاعر بھی تھے۔ آپکا کلام نہایت پاکیزہ، رنگین اور شستہ ہوتا تھا افسوس کہ نمونہ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ [۲]

ملا محمود جونپوری آپ جونپور کے رہنے والے شاہجہاں بادشاہ کے عہد کے علما میں بہت پایہ کے عالم شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کی کتاب شمس بازغہ درس نظامیہ میں اعلیٰ تعلیم کے لئے پڑھائی جاتی ہے۔ آپ کو شعر و شاعری سے بجد ذوق و شوق تھا۔ طبیعت موزوں پائی تھی۔ نمونہ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ آپ اور دیوان عبدالرشیدؒ ہم سبق اور ہم عصر تھے۔

حضرت مخدوم دیوان عبدالرشیدؒ آپ نے اکبر۔ جہانگیر۔ شاہ جہاں اور عالمگیر چار بادشاہوں کا

---

[۱] تذکرۃ الابرار [۲] تاریخ جونپور

زمانہ پایا ہے اور بزمانۂ اکبر سنہ ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا علمی معیار بہت بلند تھا۔ آپ کی تصنیف کئی کتابیں ہیں اور شعر و سخن سے کافی ذوق تھا۔ آپکا تخلص شمسی تھا۔ آپ کا مجموعہ کلام ہفت دیوان کے نام سے فارسی میں شایع ہوا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

هر گناه او دعائے دیگر است | پیچش زلفش بلائے دیگر است
من به یکدم سیر عالم میکنم | روح را دستے و پائے دیگر است
بر بدن صد زخم خنجر گر زنی | کے بمیرم جاں بجائے دیگر است ؎

حضرت ملا عیوض رح

آپ جونپور کے رہنے والے تھے۔ علم و فضل اور درویشی میں آپکا مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپ ہمیشہ جذب کی حالت میں رہتے تھے۔ اور کبھی جونپور میں دکھائی دیتے تھے تو کبھی بنارس میں۔ آپ کا تخلص حکمت تھا اور ملا حزیں کے ہمعصر تھے۔

نقل ہے کہ ایک روز بنارس میں ننگے سر ننگے پاؤں چالکدامن مجلس شیخ علی حزیں میں پہنچ گئے اور بلا تکلف مسند پر بیٹھ گئے۔ شیخ علی حزیں نے آپکو دیکھکر یہ مصرع فی البدیہہ پڑھا ؏

دریں بزم رہ نیست بیگانہ را

ملا عیوض سے خاموش نہ رہا گیا۔ اور برجستہ اس مصرع سے جوابدیا۔ ؏

کہ پروانگی داد پروانہ را

دوسرا واقعہ آپکے متعلق یہ مشہور ہے کہ ایک روز ملا عیوض وحشت زدہ سر شام بنارس پہونچے۔ لڑکوں نے پاگل سمجھکر پتھر مارنا شروع کیا

؎ بحیرۂ ذخار۔ اخبار الاخیار۔ گنج ارشدی۔ تجلی نور۔

اور آپ کا سر پھٹ گیا۔ خون سے سارا جسم اور کپڑا تر ہوگیا۔ اتفاق سے اسی وقت ملا حزیں کی پالکی گذری۔ آپ نے پوچھا کیا حال ہے؟ ملا عیوض نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

ہرم از سنگِ طفلاں لالہ زار است
جنوں گل کرد ایّام بہار است

ملا عیوض کا یہ جواب سُنکر ملا حزیں پالکی سے اُتر پڑے اور اس شعر سے دیر تک لطف اندوز ہوتے رہے۔ [1]

مولوی فتح علی آپ شیخ فاروقی منڈیاہوں کے روسا میں سے تھے۔ آپ شاعر تھے۔ آپ کا کلام شیریں اور زبان فصیح تھی اور آپکا مذاق سخن پسندیدہ ہر خاص و عام تھا۔ آپ کو قطع تاریخ لکھنے میں مہارت خاص حاصل تھی مگر آپ کا نمونہ کلام دستیاب نہ ہوسکا

حضرت منجھن جونپوری منجھن کا نام بھی جونپور کے شعرا میں کافی بلند ہے۔ "مدھو مالتی" ان ہی کی تصنیف ہے جو عہد اکبری میں مقبول خواص و عوام ہوئی۔ اس کتاب کے کچھ متفرق اوراق لوگوں کے پاس ہیں مگر ریاست رامپور کے کتب خانے میں مدھو مالتی کا پورا نسخہ موجود ہے۔ اس نسخہ میں منجھن نے اس تصنیف کا زمانہ سنہ ۹۵۲ھ ظاہر کیا ہے۔

منجھن کی مدھو مالتی اپنی زبان، جذبات اور تاثرات میں وہی درجہ رکھتی ہے جو جائسی کی پدماوت کو حاصل ہے۔ منجھن اپنے دور کے بہت

---

[1] تجلی نور۔ تذکرہ العلماء

مقبول شاعر تھے۔ اودھ کے اندر ان کے کلام کے آگے کسی کو فروغ نہو سکا بلکہ بہت سے شعرا نے بھی منجھن کی تقلید کی۔ اور مثنویوں کو اسی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی جو منجھن کے کلام کا ہے۔

کوششوں کے باوجود بھی ہم قارئین کے سامنے منجھن کے کلام کا نمونہ پیش نہیں کر سکے جسکا ہمیں افسوس ہے۔ ؎

قاضی خوب اللہ

آپ جونپور کے رہنے والے تھے اور شعر وسخن سے خاص دلچسپی تھی۔

نقل ہے کہ ایک روز قاضی خوب اللہ قاضی ثناء اللہ جونپوری کی ملاقات کو تشریف لائے۔ بعد مزاج پرسی واشتیاق ملاقات نوکر کو حقہ لانے کا اشارہ کیا۔ نوکر نے حقہ حاضر کیا۔ قاضی ثناء اللہ نے چند شعر حقہ کی مذمت میں پڑھا۔ اسکو سُن کر قاضی خوب اللہ نے بھی یہ قطعہ فی البدیہہ سنا دیا۔

قطعہ

تمبا کو گرچہ ہست زیاں کار بسے　　زد فائدۂ ہیچ نہ دید است کسے
آخر بہ ازیں چہ خوب باشد کہ ترا　　خاموش کند ز ہرزہ گفتن نفسے ؎

(ترجمہ) تمباکو اگرچہ نقصان پہونچاتی ہے مگر اسکے جو فائدے ہیں وہ ہر کسی کو دکھائی نہیں دیتے۔ آپ کے لئے یہی کیا کم ہے کہ جتنا وقت آپکا کش لگانے میں صرف ہوتا ہے فضولیات سے بچاتا ہے۔

معین الدین حقاق جونپوری

معین الدین نام اور حقاق تخلص تھا آپ جونپور کے رہنے والے تھے۔ آپکو

؎ جونپور کا اتہاس۔

عربی و فارسی زبان پر پورا عبور تھا اور تا عمر درس و تدریس آپ کا مشغلہ رہا جونپور میں آپ کا مدرسہ بھی تھا۔

آپ ایک بار اورنگ زیب کی طلب پر دہلی تشریف لیگئے۔ بادشاہ آپ کی قابلیت کا شہرہ سُن کر ملاقات کا بہت متمنی تھا۔ آپ اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے اور برجستہ کہنے والوں میں تھے۔ آپ کافی سیاہ فام تھے جب بادشاہ کے روبرو آپکی حاضری ہوئی تو بادشاہ نے از راہِ تمسخر پوچھا " از سوادِ جونپور می آئی " ؟

آپنے فوراً اورنگ زیب کو شعر میں جواب دیا ؎

سوادِ جونپور با سواد دیدہ را مانندہ
کہ از وے برنمی خیزند اِلّا مردم بینا

مطلب اسکایہ ہے کہ اورنگ زیب نے پوچھا کہ کیا آپ جونپور کی سیاہی میں سے ہو کر آئے ہیں (جو اتنے کالے ہیں) ؟ آپنے جواب میں اپنی حاضر جوابی اور علمی قابلیت کا جوہر دکھاتے ہوئے جواب دیا کہ جونپور کی سیاہی میں آنکھ کی پتلی کی سیاہی موجود ہے اور یہی سبب ہے کہ وہاں سوائے مردم بینا کے نابینا نہیں پیدا ہوتے۔

آپکی اس برجستہ حاضر جوابی پر اورنگ بیحد محظوظ و متاثر ہوا اور آپکو دربار میں شامل کیا۔ اسکے بعد بادشاہ کے جشن سالگرہ پر آپنے ایک بہت ہی مرصع قصیدہ سنایا جس سے بادشاہ بہت خوش ہوا اور آپ کو ملک الشعراء کا خطاب عطا فرمایا۔ [۱]

---

[۱] تذکرۃ العلماء حصہ دوئم۔ اخبار الاخیار

شیخ فیروز جونپوری

ملک موسیٰ کے کسی بیٹے تھے۔ ان میں شیخ فیروز امتیازی شان رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے خاندان کی شہرت اور عظمت کو چار چاند لگا دیا۔ ابراہیم شاہی عہد کے بے مثل شاعر تھے اور شعر و شاعری کے علاوہ فن سپہ گری میں بھی یگانہ تھے سخاوت و فیاضی میں وحید عصر اور یکتائے زمانہ سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے سلطان بہلول لودی اور حسین شاہ شرقی کی جنگ کا پورا واقعہ نظم کیا تھا۔ اسکے دو شعر حضرت شیخ محدث دہلوی نے لکھا ہے جسمیں حسین شاہ شرقی بہلول لودی کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔ ؎

ایا قابضِ شہر دہلی بشنو — حیاتت چو خواہی ازیں جا بُرو
منم قابض ملک ما راست ملک — خدا داد ما را خدا را است ملک

ان دونوں اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ حسین شاہ شرقی نے بہلول لودی سے کہا کہ میں دہلی پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔ میں ملک پر قابض ہوں ملک میرا ہے۔ کیونکہ مجھے خدا نے دیا ہے جو تمام ملک کا مالک ہے۔

شیخ فیروز ۱۴۵۵ء میں بہرائچ کے کسی معرکے میں شہید ہوئے تھے اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ [۱]

جمال الدین حسینی

جمال الدین نام حسینی تخلص تھا۔ اصل وطن ایران تھا۔ خانزماں علی قلی خاں کے ہمراہ جونپور تشریف لائے۔ آپ کو علوم عقلی و نقلی میں تبحر حاصل تھا اور منطق و فلسفہ میں اپنا جواب نہ

---

[۱] اخبار الاخیار۔ تذکرۃ الامرا۔

رکھتے تھے۔ اکبر اعظم کے زمانہ میں جب جونپور کو دوبارہ عروج حاصل ہوا اور اسکی حیثیت دار الخلافہ کی ہوگئی تو علماء شعرائی ایک کثیر تعداد نے پھر جونپور کو اپنا مسکن بنالیا۔ حسینی نے بھی اپنی سکونت کے لئے جونپور ہی کو پسند کیا آپ اعلیٰ درجے کے شاعر تھے خصوصاً قطعہ تاریخ میں تو کمال حاصل تھا۔ شاہ حیدر الفتی آپکے ہمعصروں میں تھے۔ اکبر ان لوگوں کی بہت قدر کرتا تھا۔ انکے لئے جاگیر و وظائف مقرر تھے۔ شاہ حیدر الفتی کا انتقال آپکے وقت میں ہوا۔ الفتی کے لوح مزار کا قطعہ حسینی کا کہا ہوا ہے جسکا فوٹو الفتی کے ذکر میں دیا گیا ہے۔ لطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سرِ سروراں حیدرِ نامجو ۔۔۔ زنام آوران جہاں مرد کو
بہ ہمت بلند و بدل ہوشمند ۔۔۔ باخلاق خوش نافہٴ مشکبو
پریشاں دل از ہجر فرزند بود ۔۔۔ پئے او بجنت سرا کردہ پو
حسینی دگر جائے گفتار نیست
ترا خامشی بہ ازیں گفتگو

حسینی نے شاہم بیگ بن حیدر الفتی کے تمام واقعات اور شاہ حیدر کا اس سانحے سے متاثر ہونا بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جسکو ناظرین شاہ حیدر الفتی کے ذکر میں ملاحظہ فرمائیں۔ [1]

شاہ فیروز جونپوری

آپ کا سلسلہ نسب خاندان سلاطین چغتائی سے ملتا ہے۔ آپ بابر بادشاہ دہلی کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے۔ سب سے پہلے آپ میرٹھ کے جاگیردار ہوئے

---

[1] تحقیق مولف۔ تذکرۃ الکرام

جب بہادر خاں لوہانی نے خود کو سلطان محمد خاں مشہور کر کے شرقی سلطنت کے حدود میں فتنہ و فساد برپا کیا تو شاہ فیروز اسکی سرکوبی کے لئے دس ہزار جرار لشکر کے ہمراہ جونپور بھیجے گئے۔ حالانکہ اس مہم میں انکو شکست ہوئی۔ پھر دوبارہ تیاری کے ساتھ حملہ کیا اور سلطان محمد کو شکست فاش دیکر جونپور پر قبضہ کر لیا اور یہاں کے حاکم ہو گئے۔ آپ کو شعر و شاعری سے بہت رغبت تھی اور خود بھی شاعر تھے۔ آپ کے زمانہ حکومت میں شعر و سخن کی محفلیں برابر گرم ہوا کرتیں نمونہ کلام میں صرف ایک شعر مل سکا۔

به بیں کرامت بتخانۂ مرا اے شیخ
کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

آپ کا مقبرہ محلہ سپاہ کے راستے میں ہے۔ [1]

حضرت قطبن جونپوری

حسین شاہ شرقی کے عہد کا ایک مشہور حقیقت نگار شاعر تھا۔ اس نے اپنے زور کلام اور انداز بیان کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل کر لیا تھا۔ اسکی تصنیفات میں "مرگاوتی" کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کچھ دن قبل فتحپور میں مرگاوتی کا ایک قلمی نسخہ دستیاب ہو گیا ہے جسکو اشاعت کے لئے ترتیب دیا جا رہا ہے قطبن کی زبان خالص پوربی زبان کے قریب آگئی ہے اور ہندی کا کیچل اتار کر اور نکھر گئی ہے۔

مرگاوتی کا سنہ تصنیف بھادوں بدی چھٹھ سمبت ۱۵۶۰ بکرمی ہے مگر پنڈت بھاسکر کی تحقیق کے مطابق قطبن سمبت ۱۵۰۲ میں موجود تھے۔ قطبن کے دو[2]

---

[1] تذکرۃ الامراء حصہ دوئم

شعر بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں

ساہ حسین اہے بڑ ر اجا — چھتر سنگھاسن ان کو ساجا
پنڈت اور بدھ ونت سمانا — پڑھے پُران ارتھ سب جانا

حسین شاہ شرقی کی مدح کرتا ہوا لکھتا ہے کہ حسین شاہ بہت بڑا بادشاہ ہے اور تاج وتخت اسی کو زیب دیتا ہے۔ یہ بادشاہ بہت بڑا عالم اور عقلمند ہے الہامی کتاب (پُران) پڑھا ہے اور مطلب بھی خوب سمجھتا ہے۔ [۱]

حضرت عطائی جونپوری

آپ کا نام ملا عبدالکریم اور عطائی تخلص تھا۔ آپ شعرائے عہد اکبری وجہانگیری میں سے تھے۔ تحصیل علوم ومشق سخن اپنے بڑے بھائی ملا عبدالعزیز سے کیا۔ شروع میں معنوی تخلص تھا بعدہٗ عطائی تخلص اختیار فرمایا۔ آپ مسلم الثبوت شاعر تھے اور ہر صنف سخن پر قابو یافتہ تھے۔ قصیدہ پر زیادہ عبور تھا۔ آپ فارسی میں کہتے تھے۔

مرزا صائب نے سفینۂ انتخاب میں آپ کے اشعار درج کیے ہیں۔ آپ کی قبر محلہ تاڑتلہ شہر جونپور قریب مسجد ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

بہار حسن تو داماں اگر برافشاند
چمن چمن گل خورشید برزمیں ریزد
خویش را در حسنت رسوائے عالم می کنم
چوں تو پیدا می شوی من خویش را گم میکنم

---

[۱] جونپور کا اتہاس مرگا دتی۔ [۲] تذکرہ صبح گلشن

حضرت الفتی جونپوری

شاہ حیدر ہروی نام الفتی تخلص۔ ایام کی ناموافقت کیوجہ سے ہندوستان آئے اور ہمایوں بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہ کر عزت حاصل کی۔ بعدہٗ علی قلی خاں کے درباری شاعر مقرر ہو گئے۔ علی قلی خاں کی بغاوت میں بھی انکا ساتھ دیا اور جونپور میں مستقل سکونت اختیار کی اور سنہ ۹۶۹ھ میں جونپور ہی میں انتقال فرمایا۔ آپکی قبر پختہ خاص حوض کے پوربی ٹیلہ پر درخت نیم کے نیچے بلند مقام پر ہے۔ لوح مزار پر یہ قطعہ کندہ ہے۔

لوح مزار پر سب سے اوپر اللہ اسکے نیچے آیۃ الکرسی اور اسکے نیچے یہ اشعار ہیں

سر سروراں حیدرِ نامجو — ز نام آورانِ جہاں گُرد کو
بہمت بلند و بدل ہوشمند — باخلاق خوش نافۂ مشک بُو
پریشاں دل از ہجر فرزند بود — پئے او بجنت سرا کردہ پُو
ز یادش تن خود فراموش کرد — زخوں گریہ رو داشت در شست و شو
ز تیغ ستم در شہادت رسید — بجنبی شاہم شمارہ کش نکو
چو شد جائے حیدر بہشت بریں — بہشت بریں گفت تاریخ او
۹۶۹ھ

حسینی دگر جائے گفتار نیست
ترا خامشی بہ ازیں گفتگو

آپ شاعر خوش بیان و شیریں کلام تھے ایک روز ایک مطلع پر ایک ہزار روپیہ خانزماں علی قلی خاں سے انعام پایا۔ وہ مطلع یہ ہے۔

مشت خاشاکیم و داریم آتشے ہمراہ خویش
دور نبود گر بسوزم از شرارِ آہِ خویش

اپنے ناز پروردہ بیٹے شاہم بیگ کی تاریخ وفات بھی آپ ہی نے کہی ہے



شاہ عبدالغنی کا لوح مزار

چند شعر اور ملاحظہ ہوں

اندیشۂ کمال نہ آید ز ما درست
در دست دیگر است چو سود و زیان ما

زحضضم اے نسیم کوئے جاناں گر خبر داری
چرا یکرہ نیائی تا مرا از خاک برداری

حضرت بدر الحق شیخ محمد ارشد رح

آپ قطب الاقطاب دیوان عبد الرشید جونپوری کے منجھلے بیٹے اور صاحب سجادہ اور تمام علوم ظاہری و باطنی سے سرفراز تھے۔ آپ اعلیٰ درجے کے شاعر تھے اور صحیح مذاق شاعری کا رکھتے تھے۔ آپکا کوئی دیوان مرتب نہ ہوسکا۔ صرف ملفوظات رشیدیہ میں آپکا کلام درج ہے ملاحظہ ہو۔

رخ او بے نقاب باید دید　　روز را آفتاب باید دید
لب لعل تو با پیالہ مدام　　مست را با شراب باید دید [۱]

حضرت محبوب الحق شاہ فصیح الدین

آپ مولانا محمد جمیل جونپوری مرتب فتاوای عالمگیری کے پوتے اور مولوی رضی الدین کے بیٹے تھے اور حضرت قمر الحق رشیدی کے مرید تھے آپکو شعر و شاعری سے کافی دلچسپی تھی۔ ہر صنف سخن میں آپ کو عبور تھا۔ چونکہ آپ فنا فی الشیخ یعنی عاشق پیر تھے لہذا آپکا کلام نعت و مدح پیر میں ہی زیادہ ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

دین و ایمان ماست قمر الحق رح　　جان و جانانِ ماست قمر الحق

---

[۱] سبحات الاخیار

غم بے برگی خودم نہ بود سروساماں ماست قمرالحق
از لحد ہیچ باک نیست فصیح
در شبستان ماست قمرالحق [1]

حضرت نورالحق شاہ حیدر بخش رح

آپ کا دوسرا نام چراغ علی لقب نورالحق وقطب الدین ہے۔ آپ حضرت محبوب الحق شاہ فصیح الدین کے صاحبزادے اور قمرالحق کے نواسے ہیں۔ سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رض تک پہونچتا ہے۔ آپ اولیاے کاملین میں گذرے ہیں۔ اور اپنے نانا حضرت قمرالحق سے بیعت تھے۔

آپ کو شعر وسخن کا بھی ذوق تھا۔ آج سے دوسو برس پیشتر اردو زبان کی جو کائنات تھی اور جس حد تک نشو ونما ہوئی تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ مگر آپ نے نہایت فصیح اور عام فہم شعر اردو میں کہے ہیں۔ انکو پڑھنے کے بعد یہ بالکل ہی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ دوسو برس پہلے کے اشعار ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

جو دم کہ یاد حق میں گذر جائے واہ واہ
یہ بار فرض سر سے اُتر جائے واہ واہ
غسل و وضو نہ ہو تو تیمم سے چل نکل
یہ خشک بندگی بھی جو تر جائے واہ واہ

آپ نے اردو میں ایک ساقی نامہ لکھا ہے جسکا ایک شعر دستیاب ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو

خدا مے، نبی جام ساقی علی
اسی کا نشہ ہے کفی و جلی

---

[1] گنج ارشدی۔ سمات الاخیار

ایک مرتبہ آپ جونپور سے پٹنہ تشریف لیجا رہے تھے۔ خانقاہ جعفری میں پالکی سے اترے۔ پالکی سے اترتے وقت ایک نو تعمیر مسجد پر نگاہ جا پڑی جسکو میر سید علی ابراہیم جعفری فیاضی نے بنوایا تھا۔ آپنے معاً فرمایا

"ذٰلِکَ مقامِ ابراہیم" ۱۱۹۰ھ

اس سے تاریخ بنا نکلتی ہے۔ دوسرے وقت قطعہ درست کر کے عطا فرمایا۔ ملاحظہ ہو۔

قطعہ

سید ابراہیم عالی جاہِ ما	کرد بیت اللہ بنا دلخواہِ ما
مصرعِ تاریخ او کردم درست	بیت ابراہیم بیت اللہِ ما

وفات ۱۲۲۴ھ کو ہوئی اور مزار بھمن پرہ ضلع سارن میں ہے [۱]

حضرت غالب جونپوری

غالب تخلص شیخ اسد اللہ نام۔ اولاد سلطان محمود جونپوری برادر زادہ ملا افضل استاد الملک

آپ جملہ کمالات صوری میں ماہر اور نظم میں پایۂ ارجمند در سخن سنج تھے۔ مشق سخن حضرت آزاد بلگرامی کی خدمت میں کیا۔

آپنے ۱۱۶۳ھ میں انتقال فرمایا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

سیر مہتاب دو چنداں کند آرائشِ حسن
سایہ زلف بہ رخسارِ تو زلفِ دگر است

دلِ دیوانہ را نالم کہ خاموشی است تقریرش
برنگِ زلفِ خوباں بے صدا افتاد زنجیرش [۲]

---

[۱] سمات الاخیار ص ۳۲-۱۲۱

[۲] تذکرہ شعرا ص ۹۔ بحر ذخار

حضرت عزیز جونپوری

ملا عبدالعزیز نام اور عزیز تخلص تھا۔ قوم شیخ نبیرہ حضرت شاہ کبیر جونپوری۔ آپ تمام علوم سے فارغ ہوکر شاعری کی طرف راغب ہوئے اور شعرائے دیار امصار سے مشق سخن کیا اور درجہ استادی تک پہونچے۔ ہر قسم کی نظم پر آپکو قدرت حاصل تھی۔ آپ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں۔ نظم و نثر میں آپکی بیاسی ۸۲ تصنیفیں ہیں۔ ازانجملہ کتاب سیرت الاولیا مشہور ہے۔ بعد انتقال محلہ تارٹلہ جونپور اندر صحن مسجد سنگین قریب مزار حضرت رکن الدین دفن ہوئے۔ نمونہ کلام فارسی

دلِ دیوانہ شد آئینہ دار شاہدِ وحدت
دوئی بگذاشتم بیروں زچند مادمن رفتیم

گر بخورشید رخت لاف زند مہرِ منیر
آخر از گنبدِ فیروزہ نگوں خواہد شد

اردو کلام ملاحظہ ہو:۔

مسافرانِ عدم کا چلو پتہ پوچھیں
شکستہ قبریں ہیں کھولے ہوئے دہانوں کو [1]

حضرت عطائی جونپوری

تخلص عطائی نام شیخ شاہ محمد جونپوری آپ قصبہ سانڈی مضافات اودھ کے رہنے والے تھے۔ مگر قول غالب یہ ہے کہ آپ جونپور کے رہنے والے تھے اور یہیں آپ کا مدفن ہے۔ آپ کو علم فارسی میں دخل کامل تھا۔ آپنے

---

[1] تجلی نور ذکر شعرا حصہ ۲۔ صبح گلشن

قلیل تنخواہ معلمی پر قناعت کیا حالانکہ آپ کے شاگرد بہت اونچے درجوں پر فائز تھے لیکن آپ نے اپنا قدم دائرہ توکل سے باہر نہ نکالا اور کسی شاگرد کی امداد کی خواہش نہ کی۔ آپ کی سرمایۂ زندگی صرف شعر و شاعری تھی۔ آپ کی تصنیف میں عطائی نامہ ہے جس میں غزلیں بہ ترتیب حروف تہجی درج ہیں۔ چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

خندۂ لعلِ لبت شد رونق بازار گل
بوئے گیسوئے تو آید نافۂ تاتارِ گل
خامۂ رنگیں عطائی ہمچو بلبل مستِ شوق
در ثنائے روئے خوبت ریزد از منقار گل [1]

حضرت لائق جونپوری

آپ کا نام میر محمد مراد اور لائق تخلص تھا۔ سادات جونپور سے تھے۔ عہد عالمگیر بادشاہ میں مدت تک سوانح نگاری کے عہدے پر لاہور میں مقرر تھے۔ شوقِ حصول شاعری میں اصفہان سے پیدل دہلی تشریف لائے۔ مرزا صائب دلجوئی سے پیش آئے اور بطور عزیزوں کے ٹھہرایا اور کلام پسند فرمایا۔ میر عبدالجلیل بلگرامی سے بھی رابطۂ خاص تھا۔ آخر میں سرزمین جونپور کو پسند فرمایا۔ آپ ذہن رسا۔ و فکر بلند روش طبع فصاحت و بلاغت سے آراستہ شاعر رنگیں خیال و سخنور خوش مقال مسلم الثبوت تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

گرہے زد بہم زلفِ گرہ گیر کسے
کہ نشد وا از سر ناخن تدبیر کسے

تذکرہ شعرا ص۱۰

جونپور ہی میں آپ کی وفات ہوئی اور خاص حوض کے اتر پچھم طرف دفن ہوئے قبر آپ کی موجود ہے۔ مگر بہت شکستہ حالت میں ہے۔ مرمت کی ضرورت ہے۔

حضرت سخا جونپوری

نام سید سخاوت علی تخلص سخا جونپور کے سادات میں سے تھے۔ آپ خوش فکر و بلند پرواز شاعر تھے۔ نمونہ کلام میں غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں

گریہ از بس گہرِ اشک بدامانم کرد
در شبِ وصل تو شرمندہ احسانم کرد

بے تو یک چشم زدن دیدہ بطوفانم داد
آنچہ دشمن نہ کند ہجر تو باجانم کرد

زلفِ او بود سخا حاصل سرمایۂ عمر
شانۂ آخر نہ کفم بُرد و پریشانم کرد [1]

حضرت امانی جونپوری

آپ کا میر امان اللہ نام امانی تخلص تھا۔ آپ سادات عالی نژاد علوم متعارفہ میں کامل ماہر تھے۔ ہر قسم کی نظم پر آپ قادر تھے اور تاریخ گوئی میں آپ استاد تھے بعہد اکبری ہمراہ خانخاناں جونپور تشریف لائے۔ آپ نے بحالت سواری عربی گھوڑے سے گر کر انتقال فرمایا اور خاص حوض میں پورب طرف دفن ہوئے قبر موجود ہے۔ نازک خیال شاعر تھے اور مضامین جدت خیز ہوتے تھے۔ غزل کے دو شعر بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

سینہ چاک است و جگر ریش و دل افگار مرا — کرد عشق تو بصد درد گرفتار مرا

---

[1] تجلی نور تذکرہ شعرا ص۵ صبح گلشن

آہ صد آہ کہ سوزِ جگرِ دانشِ دل　　کرد رسوائے جہاں عاقبت کارِ مرا[1]

حضرت سامان جونپوری

آپ کا نام میر محمد ناصر اور سامان تخلص تھا آپ جونپور کے خوشحال لوگوں میں تھے اور تمام علوم عقلی و نقلی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ جب آپ کو شاعری کا شوق پیدا ہوا تو بخیال مشق سخن شاہجہان آباد گئے اور وہاں صحبت مرزا مظہر جانجاناں سے فیض پاکر فن عروض میں کامل ہوئے اور دربار شاہی میں کوشش فرماکر عہدہ بخشی گری پر مقرر ہوکر جونپور آئے۔ مگر ناظم جونپور سے نہ بنی اور جھگڑا ہوگیا۔ اس میں آپ ۱۱۸۲ھ میں شہید ہوگئے اور نصیر خاں منڈی میں دفن کئے گئے۔ آپ خوش فکر و نامور شاعر تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

ہرگز مرا دماغ سوال و جواب نیست
اے منکر و نکیر بجالم چہ محشر است

شیخ نبی جونپوری

جونپور کے موضع دوست پور کے قریب مئو کے رہنے والے تھے۔ سمبت ۱۶۷۶ کو عہد جہانگیر بادشاہ میں آپ نے "گیان دیپ" نامی ایک مثنوی تصنیف کی جس میں راجہ گیان دیپ اور رانی دیویانی کی پر اثر داستان ہے۔ یہ مثنوی حسن و عشق کا بہترین نمونہ خیال کی جاتی ہے۔ اسکے بعد کسی شاعر نے انکا تتبع نہیں کیا اور یہ اپنے رنگ کے آخری شاعر تھے۔

ان کے بعد مغل سلطنت کو زوال پذیر دیکھکر شاعروں نے بھی چولے

---

[1] تذکرہ شعرا ص ۱۰۰ صبح گلشن

بدلنے شروع کر دیے۔ فارسی اور بھاشا میں علحدہ علحدہ تصنیفات کرنے کے بجائے دونوں زبانوں کو میل دینا شروع کر دیا یعنی ہندی بنیاد پر فارسی عربی الفاظ کی مدد سے دیواریں اٹھا کر عمارت کو نئے نقشے میں پیش کرنے کی کوشش کرنے لگے جسکے نتیجے میں ایک علحدہ زبان نکل آئی جسے اُردو کہا جانے لگا۔

اس زبان نے اتنی مقبولیت حاصل کی کہ تمام شعرائے اردو اپنانے میں ایک دوسرے سے سبقت کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ پورے صوبے کی زبان اردو ادب میں تبدیل ہو گئی۔ جن لوگوں میں اس ممزوج زبان کو استعمال کرنے کی صلاحیت نہ تھی وہ کھٹے فارسی داں یا ہندی داں اور اس طرح کے لوگ اپنے اپنے زاویہ نظر کو فارسی یا ہندی ہی میں پیش کرتے چلے آئے [۱] شیخ نبی کا کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

حضرت شادابی جونپوری

آپ کا نام محمد حسین اور تخلص شادابی تھا۔ آپ جونپور کے باشندہ تھے۔ ہندی موسیقی میں نامور اور عالیمقام تھے۔ موزوں طبع سخن سنج تھے۔ بندش مضمون میں جادوگری کرتے تھے۔ ایام شباب میں ملازمت شاہی بھی کیا۔ بالآخر گوشہ نشین اور صاحب توکل ہو گئے۔ نمونہ کلام :-

نمی گردد بگرد مطلب دنیا دلِ دانا
کہ شمعِ کشتہ را بر سر نہ گردد ہیچ پروانا [۲]

حضرت لطیفی جونپوری

آپ کا نام لطیف الدین تخلص لطیفی تھا

---

[۱] جونپور کا اتہاس   [۲] تذکرہ شعرا مسلم

آپ جونپور کے خوش فکر شاعر تھے۔ علوم ظاہری میں دخل کامل رکھتے تھے۔ نظم ونثر فارسی میں بہت لطافت پیدا کرتے اور کلام بیان خوش فکر اور شیریں ہوتا تھا۔ آپکے دیوان لطف سے دلآویز اور معمور ہیں۔ بمنازل درجواب حدیقہ سنائی بکمال فصاحت و بلاغت نظم کیا۔ کہتے ہیں کہ اس گستاخی میں آپ برص ہو گئے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

ابروان و مژہ و چشم سیاہش نگہ بد
می برد دل بنگاہے نگاہش نگہ بد ؎۱

حضرت الفت جونپوری

آپ کا نام پیر محمد اور الفت تخلص تھا آپ جمیع علوم وفضائل میں ممتاز تھے اور نظم میں عارف حقائق۔ نکتہ سنج و واقفان دقائق سخن پرور تھے۔ آپ کی خوش بیانی اور شیریں زبانی کا شہرہ دنیا میں تھا۔ نمونہ کلام :-

نہ خالِ عنبریں باشد برایں رخسار دلجوئیش
ز داغِ سینہ ام عکسے ست بر آئینۂ رویش

بروز وصل شود تازہ داغ فرقتِ ما
لباط عیش بود مایۂ کدورتِ ما ؎۲

حضرت قلیچ خان

آپ کا شمار نامور امرائے کرام میں ہے اوّل آپ سورت میں بزمانہ اکبر بادشاہ قلعہ دار مقرر ہوئے۔ ۲۲ جلوس اکبری میں گجرات بھیجے گئے اور شاہجہاں بادشاہ کے عہد حکومت میں جونپور کا حاکم بنا دیا گیا۔ آپنے دریائے گومتی کے

؎۱ تجلی نور ص ۷ ؎۲ تجلی نور ص ۷ نگارستان سخن

کے کنارے پچھم طرف ایک نہایت عالیشان مکان اپنی سکونت کے لئے تعمیر کرایا اور تفریح کے لئے لب دریائے گومتی ایک نہایت پختہ وبلند اور جدید قطع کی بارہ دری تعمیر کی جو دو منزلہ تھی۔

آپ بہت ہی ذی علم اور شجاع وبہادر تھے۔ مفصل حالات بسلسلہ امراء تحریر ہیں۔ درس تدریس سے آپ کو بہت لگاؤ تھا۔ طلبہ کو امداد دیں دیا کرتے تھے۔ شعر وسخن کا بھی مذاق تھا۔ رباعی ذیل آپکی کہی ہوئی ہے

عاشق ہوسِ وصال در سر دارد
صوفی ذوقے ز خرقہ در بر دارد
من بندہ آں کسم کہ فارغ ز ہمہ
دائم دلِ گرم تو دیدہ تر دارد۔

آپکی وفات جونپور ہی میں ہوئی اور اسی بارہ دری میں دفن ہوئے۔ [1]

حضرت صغیر جونپوری

آپ کا نام شیخ محمد عیسیٰ اور صغیر تخلص تھا۔ آپ نے شوق تحصیل علم وکمال میں سیاحت فرمائی اور اکثر دیار امصار میں اہل کمال و دانش سے علوم وفیض حاصل فرمایا۔ آپ شاعر خوش فکر تھے۔ آپ کے کلام میں شوخی اور فکر سخن میں چاشنی اور مذاق سخن خوشگوار ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو:-

ز عشق زادہ ام و عشق زاد کرد دریغ
خبر نہ داد بہ رستم کسیکہ سہراہم [2]

حضرت فراہی جونپوری

آپ کا نام ملا ضیاء الدین ابو نصر اور

---

[1] تجلی نور حصہ سوم قلمی وفارسی [2] تذکرۂ شعرا صـ ۹

تخلص فراہی تھا۔ آپ شعر و سخن میں بہت بلند پایہ رکھتے تھے۔ بعد حصول علم درسی شاعری کی طرف متوجہ ہوئے۔ شاعر نازک خیال و شیریں گفتار تھے فنون نظم میں اپنے ہمعصروں میں برتری رکھتے تھے نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

اظہار درد بر دلِ دلدار چوں کنم
ترسم ز خوئے نازکش اظہار چوں کنم
نے نالہ ماند در دل وےنے آہ در جگر
لیکن مرا بخاطرِ یار آورندہ کیست
منم دریں چمن از بلبلان زارے
ولے بزاری من نیست از ہزارے

آپکی تصنیف میں نسخہ منظوم "نصاب صبیاں" ہے۔ جونپور ہی میں انتقال کیا اور جونپور ہی میں محلہ رضوکیاں میں اٹالہ مسجد سے پچھم دکھن دفن ہوئے[۱]

حضرت جلال جونپوری

جلال تخلص نام میر جلال الدین تھا آپ نظم و نثر فنون معانی و بیان میں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور جملہ علوم میں ممتاز تھے۔ آپ خوش بیان و نکتہ سنج ابداً مضامین لکھنے والے شاعر تھے۔[۲]

تار ہائے کار صد زنجیر کرد
بند و بست زلف را من دیدہ ام

---

[۱] تجلی نور حصہ دویم صد گنج ارشدی۔ نگارستان سخن۔
[۲] تجلی نور تذکرہ شعرا صلا و نگارستان سخن۔

شاعر اعظم حضرت عالم جونپوری

عالم نے جونپور ہی میں "عالم الکبیل" (عالم) تصنیف کی اور انکی زوجہ شیخ نے دوہوں کی تصنیف کی ہے۔ جونپور کی یہ پہلی شاعرہ تھی۔ اسکے بعد گووردھن شاعر کا نام آتا ہے جن کے کلام نے کافی مقبولیت جونپور میں حاصل کر لی تھی۔ مگر عالم کا کلام اس زمانے میں ہر خاص و عام سے ہر طرف داد تحسین حاصل کر رہا تھا۔ اور اسی شاعری کی بدولت عالم کو بائیس گاؤں جاگیر میں شاہی عطیہ ملا تھا۔ بڑا افسوس ہے کہ اب ایسے مشہور اہل فن کی کوئی یادگار باقی نہیں جو بطور نمونہ پیش کیجا سکے جس سے عالم کی فنی صلاحیتوں کا اندازہ ہو۔

حضرت نور محمد شاہ کامیاب

ضلع جونپور کی تحصیل شاہ گنج میں ایک مشہور موضع سبرحد ہے نور محمد اسی موضع کے رہنے والے تھے مگر بعد میں اعظمگڈھ کے موضع بھادوں میں چلے گئے جہاں انکی سسرال تھی اور باقی زندگی وہیں گذار دی اور ۱۷۸۰ء میں انتقال کیا۔ انکی زبان بالکل صاف اور نکھری ہوئی تھا شاہ ہے جو پورب کی طرہ امتیاز سمجھی جاتی ہے۔ بعض بعض مقامات پر طرز بیان میں جائسی کی بدعادت سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ فارسی زبان پر بھی آپکو پورا عبور حاصل تھا اور فارسی کے اشعار میں اپنا تخلص کامیاب رکھتے تھے۔ ان کے کلام میں صنایع بدایع کی کثرت ہوتی تھی۔ ان کی تین تصنیفات مل سکی ہیں۔ "اندراوتی" انکی سب سے پہلی تصنیف ہے جو اب سے ۲۰۰ برس پہلے کی ہے۔ اسکے بعد آپ نے "نل دمن" اور "انوراگ بانسری" تصنیف کی۔

نور محمد شاہ اچھے خاصے فارسی داں تھے مگر جذبات ہندی رکھتے

تھے۔ اس زمانے کے عوام ہندی داں تھے اسلئے اپنے کلام کو عوام تک پہونچانے کی غرض سے آپ نے زیادہ تر تصانیف ہندی ہی میں کیں۔ انوراگ بالنسری کے دو شعر ملاحظہ ہوں:-

جہاں حسنین بتول سینہا تہاں سمائی نہ دوسر دیہا
جہاں علی حیدر ہے اسد اللہ وہاں کہاں را چھپیں بادراہ

علم تصوف میں آپ اپنے وقت کے امام تھے۔ بعد نماز عشا آپ اندراوتی کا درس دیتے تھے۔ آپکا حافظہ بہت درست تھا۔ ہندی زبان کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اندراوتی میں حقائق اور اعمال نیک کا ذکر ہے اس میں اٹھائیس ابواب ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

دین آپ جگ سرجن ہارا
جن آکاش بن کھمب سنوارا [۱]

حضرت صافی جونپوری

آپ کا نام شاہ بدالدین تخلص صافی قوم شیخ انصاری اولاد حضرت شیخ رکن الدین سے تھے۔ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ مشق سخن اکثر استاد زمانہ سے کیا۔ فکر بلند طبیعت حقائق پسند صاف گو سادہ روش تھی۔ معمہ گوئی میں آپ کو کمال مہارت تھی۔ یہ اشعار آپکی یادگار ہیں:-

رباعی

صافی نے دینار و درم می خواہد ٭ نے در دو جہاں شادی و غم میخواہد
از ہستی خود کہ سنگ راہش گردید در ہر نفسِ خود نفسے کم می خواہد

---

[۱] انوراگ بالنسری ص۱۳ - جونپور کا اتہاس

رباعی دیگر

گفتم بطبیب عشق از درد نہاں گفتہ کہ غیر دوست بر بند زباں
گفتم کہ غذا گفت بجز خونِ جگر گفتم پرہیز گفت کزیں ہر دو جہاں

معمہ بانام علی

در شکستہ دارد بفشہ تا بیار
بر شکست زلف را آں ماہرو

آپکی وفات ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱۱۱ھ کو ہوئی۔ قبر آپکی محلہ تار ٹلہ جونپور میں ہے[۱]

حضرت خسرو جونپوری

آپ کا نام محمد احسن اور تخلص خسرو تھا۔ آپ جونپور کے مشہور شعرا میں تھے۔ آپ پیدائشی با اخلاق اور درویش صفت بزرگ تھے۔ تمام عمر مجاہدہ نفس اور عبادت میں گذرا۔ لب ولہجہ اہل زبان کا رکھتے تھے۔ آپ خوش بیان اور دقیقہ سنج شاعر تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

دیوانہ راحت ترا ہر رنج و راحت می شود
سنگے کہ آید بر سرش سنگِ جراحت میشود

یاراں بجائے فاتحہ بعد از وفاتِ من
در کوے او روید و دگر نالہ سر کنید[۵۲]

حضرت صمد جونپوری

آپ کا نام عبد الصمد نام اور صمد تخلص تھا علوم متعارفہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپنے اپنی عمر سیر و سیاحت میں آزادانہ اور فقیرانہ گذارا۔ آپ معرکہ سخنوری میں دلیر تھے

---

[۱] ذکر شعرا ص۲ [۵۲] تذکرہ شعرا صفحہ نہ نگارستان

آپ کے کلام میں مضمون بنا ہوتا تھا اور نکات رنگین۔ آپکا کلام پاکیزہ ہوتا تھا جس کو ارباب ذوق پسند کرتے تھے۔ آپ نے ایک قطعہ سلامیہ گورکھپور سے احباب جونپور کو لکھا جو بہت مشہور ہے۔ ملاحظہ ہو۔

برخاک جونپور گرائے باد بگذری
زیں آبِ چشم و آتشِ دل تحفہ بری
بر فیض جونپور رشد آنرا آب رشکِ عرق
یوناں زمیں کہ داد بہ آفاق برتری ؎۱

حضرت حسین جونپوری

آپ کا نام ملا سید حسین اور تخلص حسین تھا۔ آپ فضائل علوم صوری و معنوی میں کامل تھے عالم باعمل اور عبادت گذار تھے۔ مرید اور خلیفہ حضرت مخدوم شاہ کبیرؒ جونپوری کے تھے۔ طریقۂ فقر و سلوک و تزکیۂ نفس میں بہت کوشش فرمائی۔ آپ شاعری میں بلند پایہ رکھتے تھے اور اپنے زمانے کے مشہور شاعروں میں تھے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو :۔

بیخود شدیم آفتِ مینائے ادب بود
ساقی کرم افزود کہ در نشہ کمی کرد ؎۲

حضرت بہادر جونپوری

بہادر تخلص اور بہادر خاں خطاب شاہی نام محمد سعید خاں تھا۔ قوم ازبک سیستان سے اپنے بھائی علی قلی خاں کے ساتھ ہمایوں بادشاہ کے پاس دہلی آئے اور پھر جونپور میں سکونت اختیار کی۔ سرزمین جونپور اسوقت امن و امان کی جگہ تھی

؎۱ تذکرہ شعرا ص۱۲ ؎۲ تذکرہ شعرا ص۱۲

بالآخر خان خاناں کی جنگ میں مارے گئے۔ صاحب سیف وقلم اور نبرد آزمائے بزم رزم تھے۔ آپ کے کلام میں لطافت ورنگینی ودلچسپی ودلپذیری زیادہ تھی نمونہ کلام ملاحظہ ہو

آں شوخِ جفا پیشہ دلِ سنگ گرفتہ ❊ گویا بمن خستہ رہِ جنگ گرفتہ
بنشست مہِ من بہ سر مسندِ خوبی ❊ شاہیست کہ جا بر سر اورنگ گرفتہ [۱]

حضرت مجازیؔ جونپوری

اپ کا نام ملا جمال اور تخلص مجازی تھا۔ آپ خاصکر فارسی زبان میں بہت زیادہ قابلیت رکھتے تھے بدیں وجہ آپنے تمام عمر بچوں کی معلمی میں گذارا۔ صاحبِ توکل و رضا تھے۔ دل شاعری کی طرف مائل ہوا۔ آپ کا کلام حقیقت اور مجاز سے مملو ہوتا تھا آپ صوفی مشرب شاعر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

گفتمش سیم ساقیا داری ❊ خاطرش رنجہ شد زگفتنِ من
سخنے پاک وصاف میگویم ❊ گر غلط گفتہ ام بگردنِ من [۲]

حضرتِ نامیؔ جونپوری

منشی رنچھوڑ داس نام اور نامی تخلص تھا قوم کائستھ سریواستوا۔ موضع سنگارپور متصل قصبہ منڈیاہوں کے رہنے والے تھے۔ آپکے والد منشی رنجیت رائے بعہدۂ سخنتی گری مدت العمر لاہور میں ممتاز رہے وہیں نامی صاحب نے نشوونما پائی اور اچھے استادوں سے علم بھی حاصل فرمایا۔ نظم اور نثر میں بدرجہ کمال قدرت تھی۔ بعد انتقال پدر بزرگوار ملازمت کی ضرورت پڑی۔ لہذا آپنے سرکار نواب محسن خاں ذوالقدر جونپوری کے یہاں بعہدۂ دیوانی ملازمت

---

[۱] تذکرہ شعرا صہ ۱۴۱ ❊ [۲] تذکرہ شعرا صہ ۱۴

کیا۔ اور یہی وجہ آپ کے جونپور میں سکونت کی ہوئی۔ پھر اسکے بعد نواب خاں نیازہ خاں غازی پوری کے یہاں ملازم ہوئے اور مدت تک وہاں رہے آپ صاحب تصنیف کثیرہ ہیں از انجملہ دقائق الانشا۔ رقعات رگھپور داس دیوان نامی آپ کی یادگار تصنیفات ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

گلشن امروز عجب تازہ بہارے دارد
بلبل و گل بہ چمن قول و قرارے دارد

اردو

وہ اپنے وعدہ پہ آئینگے ہمنشیں لیکن
ہمارے دل کو مگر کیوں یقیں نہیں ہوتا[لہ]

حضرت فنائی جونپوری

میاں یحییٰ نام فنائی تخلص۔ آپ شیوخ جونپور سے تھے۔ حسب و نسب میں مستند تھے۔ آپ صاحب توکل واستغنا، درویش منش وآزاد روش شاعر حقیقت آگاہ اور ذہن تحقیق آشنا اور فکر انوار معرفت سے لبریز۔ خوش خیال اور حقیقت کا پردہ کھولنے والے بزرگ تھے۔ آپکے ہندی اشعار جو پند ونصائح سے بھرے ہوئے ہیں بہت زیادہ مشہور ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

کیا لے آئے کیا لیجانا شیخی ناحق نہ ہانکو
من ہزار کوٹھی میں گیہوں سنگ نہ جاتہ چھٹانکو
روٹی کپڑے کے تم چاکر پیٹ بھر و تن ڈھانکو
باقی سب سرکار کی ضبطی نہیں مجال جو تاکو

لہ رقعات رگھپور داس و تذکرہ نامی

دیگر

مردوں کے گھر انند بدھایا مُردوں کے گھر رونا ہے
جھوٹی پوتھی جھوٹا بابھن جھوٹا من ٹونا ہے
کوئی کوٹ کرم کی دیکھی ہوگی وہی جو ہونا ہے
جب تک جس کا طالع یاور مٹی چھوئے تو سونا ہے [۱]

حضرت برقؔ جونپوری

برقؔ تخلص منشی تلوک چند نام آپ کاتب صاحب جونپوری کے لڑکے ہیں آپ نے فارسی اسوقت کے اچھے استادوں سے پڑھکر اچھی لیاقت حاصل فرمائی اور بعہد سلطان محمد شاہ بزمرۂ محرران خالصہ مقرر ہوئے اور تا زیست اپنے عہدے کو خوبی سے انجام دیا۔ آپ نظم و نثر دونوں پر قادر تھے۔ ذہن رسا اور باریک بیں اور نزاکت آفریں تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

ہرگز بشکوہ وا نہ کنم لب زاہل بزم
چوں شمع زیر تیغ بود گر زبانِ ما [۲]

حضرت احقرؔ جونپوری

منشی رامدیال نام احقرؔ تخلص تھا۔ آپ حضرت برقؔ جونپوری کے لڑکے ہیں۔ آپ نے مدت تک سرکار انگلشیہ کی ملازمت کی۔ اولاً عدالت دیوانی بنارس میں مقرر ہوئے بعدہٗ ریذیڈنسی میں مامور ہوئے۔ بعد حصول پنشن آپنے جونپور کی سکونت ترک کرکے الہ آباد میں سکونت اختیار کی۔ نظم و نثر فارسی میں کافی مہارت رکھتے تھے اور قاضی محمد صادق خاں اخترؔ سے مشق سخن فرمایا

---

[۱] تذکرہ شعرا ص ۱۳ — [۲] تذکرہ مائی

مرا از جور شیریں کے نہ دل فریاد می آید
رفیقے داشتم فرہاد ہر دم یاد می آید

حضرت ثابت جونپوری

ثابت تخلص شیخ صدر الدین نام۔ جونپور کے رہنے والے تھے۔ آپ نے تمام فضائل علمی علمائے دیار سے حاصل فرمایا۔ زمانۂ سلطنت فرخ سیر بادشاہ آپ ایران کی سفارت پر مامور ہوئے اور وہیں مشق سخن فرمائی۔ جب ایران سے واپس ہوئے تو نواب آصف الدولہ کی ملازمت کی اور پھر بطلب سراج الدولہ حاکم بنگال راستہ میں انتقال کیا۔ آپ خوش گفتار اور سخن سنج تھے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:۔

صد شکر کہ سودائے چمن در سر من نیست
آلودۂ پرواز گلستاں پر من نیست ؎۱

حضرت جذبی جونپوری

تخلص جذبی نام میاں دوست علی۔ آپ جونپور کے ملاؤں میں تھے اور شہر کے خوش گو شاعر تھے۔ تمام عمر معلمی میں بسر کیا بالکل آزاد خیال انسان تھے۔ صرف ایک تہمد پر اکتفا کر لیتے تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

گر بہ محشر ایں چنیں آں سرو قامت بگذرد
از خرام او قیامت بر قیامت بگذرد ؎۲

حضرت شہرت جونپوری

شیخ محمد فصیح نام شہرت تخلص تھا۔ آپ مرد زوردار اور فن کشتی میں بے بدل

---

۱ نگارستان سخن

۲ نگارستان سخن

رستم ثانی تھے۔ اور شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ سخن سنج اور خوش گو تھے آپ کی قبر محلہ اردو میں ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

اے دل چرا ز ننگ نمیرم کہ پیش یار
امروز غیر رحم بحالِ تو کردہ است ؎۱

حضرت نظمی جونپوری

نظمی تخلص مولوی روشن علی نام۔ شیخ انصاری جملہ فضائل علم اور تمام علوم عربیہ و فارسیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ علم ادب و ریاضی میں خاص عبور تھا۔ آپ نے اپنی تمام عمر سرکار نواب مرشدآباد کے دربار میں گذارا۔ آپ موزوں طبع اور سخن سنج فصاحت بلاغت سے آراستہ تھے۔ آپ کا کلام پاکیزہ ہوتا تھا نمونہ کلام یہ ہے

شد خاک در وفا سر ارباب دیں ہمہ ؛ خوباں ہنوز بر سر آزاد و کیں ہمہ
با دیگراں بخندۂ شیریں کنی نگاہ ؛ با ما بزہر چشم بچیں جبیں ہمہ

آپ نے مرشدآباد میں انتقال کیا اور موتی جھیل کے قریب دفن ہوئے ؎۲

حضرت گلشن جونپوری

مولوی گلشن علی نام اور گلشن تخلص تھا آپ شیخ انصاری تھے اور نظمی صاحب کے بھائی تھے۔ آپ ہر علوم میں پایہ بسیط و سرمایہ رفیع رکھتے تھے۔ اولاً مشق سخن ثابت جونپوری سے کی بعدہ حلقۂ شاگردان شیخ علی حزیں میں داخل ہو کر ارشد شاگردان شیخ ہوئے۔ رمل۔ جفر۔ عروض و قوافی اور معما میں آپ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں۔ از انجملہ صنایع بدایع نثر میں رسالہ

؎۱ نگارستان سخن ؎۲ نگارستان سخن

کوہ قاف و مثنوی صورت حال لسبو الخمری خود و دو دیوان فارسی یادگار میں باقی ہیں۔

بعدہ بہ تلاش روزگار و ملازمت وجاہ و منزلت نواب شیر افگن کی خدمت میں پہونچے اور بہ زمانہ نواب شجاع الدولہ مدت تک رفاقت و مصاحبت نواب محمد علی خاں میں رہے۔ اور دس مواضعات معافی میں پائے۔ اور چار سو روپیہ پرگنہ ماہل سے ملتا تھا۔ سنہ ۱۲۰۰ھ میں ماہل ہی میں انتقال کیا اور وہیں دفن کر دیے گئے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

نقش بسم اللہ بر پیشانی دیوانِ ما
سرنوشتِ طالع سود است بر عنوانِ ما [لہ]

حضرت عزیزؔ جونپوری

عزیزؔ تخلص اور مولوی شیخ یوسف علی نام اولاد مولوی شیخ گلشن علی۔ فضائل علمیہ و محاسن انسانیہ سے آراستہ تھے۔ علوم عربی و فارسی علمائے جونپور سے پڑھا۔ بعد حصول علم بہ تلاش معاش حکام انگلشیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ بتدریج عہدہ ہائے مختلفہ سے گذر کر آخر میں داروغہ جنگی جونپور رہے بعد چند سال ملازمت ترک کر کے خانہ نشین ہو گئے اور سنہ ۱۳۰۶ھ میں انتقال کیا اور محلہ تارٹلہ جونپور میں دفن ہوئے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

دستِ حنائی میں یہ جھلک کیوں ہو نور کی ؞ مہندی پسی ہوئی تو نہ تھی سنگ طور کی
زلفیں تمہاری بڑھتی ہیں دیکھیں کہاں تلک ؞ نالے بھی اپنے لینگے خبر دور دور کی
وحشیوں کو کیا اجاڑے کا چمن سے باغباں ؞ چار تنکے جب چنیں گے آشیاں ہو جائیگا

[لہ] تجلی نور تذکرہ شعرا صفحہ ۲۱-۲۰ و نگارستان گلشن

دیکھی تمھارے حسن کی میں نے بہار رات
میلہ تھا اژدہام تھا دربار عام تھا [۱]

حضرت معجز جونپوری نام نظام خاں اور معجز تخلص تھا۔ اولاد صاحب زماں خاں شروانی جونپوری کے تھے۔ زبان فارسی میں مہارت کامل آپ کو تھی۔ آپ تلاش جاہ و منزلت دنیوی میں دہلی گئے اور سواران شاہی میں ملازمت پائی۔ جس زمانہ میں دہلی سے عبداللطیف خاں بیدل کابل گئے اسوقت حضرت معجز ہمراہ تھے اور بہت گرم صحبت رکھتے تھے اور اصلاح سخن بھی لیتے رہتے اور تمام نکتہ ہائے شعر و شاعری تنہا اطمینان سے حاصل کیا۔ نمونہ کلام۔

برگ گل زیر کف پائے تو نیست
پشت پائے تو حنا می بندد [۲]

حضرت قادری جونپوری قادری تخلص مولوی فخرالدین نام عالم علوم عقلی و نقلی و جامع فضائل و متقی نیک کردار بزرگ تھے۔ باوجود اس قدر علم وسیع رکھنے کے شعر و شاعری اور سخن سنجی میں بھی کمال اور مشہور دیار تھے۔ نمونہ سخن ملاحظہ ہو

جاں سخنم زغم امروز بلب می آید :: سخت تر مشکل اینست کہ شب می آید
اشک ما و مبدم آلودہ بخوں می آید :: تا بہ بینیم کہ چہ از پردہ بروں می آید [۳]

حضرت مہر جونپوری مہر تخلص میر مہر علی نام۔ ملا محمد حفیظ

---

[۱] تذکرہ شعرا ص۲۲
[۲] تذکرہ شعرا ص۲۳
[۳] تذکرہ شعرا ص۲۳

جونپوری کی اولاد سے تھے۔ آپ نے کافی علم حاصل کیا اور جملہ اوصاف بشری میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ طبیعت نکتہ رس اور شعر بہتر اور پاکیزہ کہتے تھے آپ فصاحت و بلاغت و شیوہ بیانی و شیریں زبانی میں بہت سر بلند تھے علی الخصوص تاریخ گوئی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ تاریخ روضہ شاہ نجف مشہور بہ "پنجہ شریف" جونپور ملاحظہ ہو۔ [۱]

روضۂ شاہ نجف کرد چمن چوں تعمیر ۔۔۔ تاکہ سر سبز ازیں حسن عملہا باشد
سال تاریخ چنیں وجہ خرد گفت پلے ۔۔۔ پنجۂ دست ید اللہ در اینجا باشد

حضرت حسن جونپوری

مولوی میر غلام حسن نام اور حسن تخلص تھا آپ علوم عربی و فارسی میں پوری قابلیت رکھتے تھے اور نثر و نظم میں استعداد کامل رکھتے تھے۔ آپ موزوں طبع اور شاعر خوش فکر تھے۔ آپ نظم کو زیب و زینت عطا کر دیتے تھے۔ اور نثر کو بادائے دلربائی آراستہ کر دیتے تھے۔ آپ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے۔ کتاب "مناقب مرتضوی" آپکی بہترین نظم ہے۔ اس نظم میں ایکہزار شعر ہیں۔ اور نثر میں ایک تاریخ ہے جس میں انگریزوں کا تسلط ہندوستان میں دکھایا ہے۔ مجادلہ حسن و عشق کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

صورت او صورت آئینہ حیراں میکند
زلف او جمعیت خاطر پریشاں میکند

سنہ ۱۲۴۸ھ میں آپنے انتقال فرمایا اور مفتی محلہ جونپور میں دفن ہوئے۔ [۲]

حضرت حسن ثانی جونپوری

مولوی حسن علی نام حسن تخلص تھا۔

---

[۱] تذکرہ شعرا صـ ۲۴

[۲] تذکرہ شعرا صـ ۲۵

آپ علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل استعداد رکھتے تھے۔ اور نظم و نثر عربی و فارسی بکمال متانت لکھنے پر قادر تھے۔ آپ کے جد الاجداد شیخ شاہ فتح اللہ بعہد سلطنت سلاطین تغلق دہلی آئے۔ چندے قیام کیا۔ بعدہٗ بزمانہ شاہان شرقیہ جونپور آئے اور یہیں سکونت اختیار کی اور تصوف کی مجلس قائم کیا۔

ایک روز حاکم وقت آپکی مجلس میں حاضر ہوا اور چند موضع معافی میں دیا۔ مولوی حسن علی نے علوم منقولات مولوی برکت علی الہ آبادی سے اور بعد اسکے ملا عسکری جونپوری سے حاصل فرمایا۔ تکمیل نظم و اصلاح سخن مدت تک ملا محمد عمر و شیخ علی حزیں و سراج الدین علی خاں آرزو سے فرمائی۔ بعد حصول کسب کمال سخن بطلب حکام انگریزی مدارس گئے اور ہیڈ مدرس مقرر ہوئے۔ بعدہٗ عہدۂ افتائے عدالت صدر مدرس مامور ہوئے اور وہیں انتقال کیا نسخہ "بصیرۃ الحکمت" جو طبعیات و الٰہیات میں ہے اور رسالہ منتخب العزیز در علم ریاضی و چند رسائل علوم تکسیر و جفر و رمل وغیرہ آپ کی تصنیفات میں ہیں۔ اشعار فارسی نہایت پاکیزہ و موزوں کہتے تھے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

پر از مشک ختن می بینم امشب کوہ و صحرا را
مگر باد صبا وا کردن زلف چلیپا را
نزاکت آنقدر دارد کف پائے نگارینش
کہ برگ گل بجائے خار باشد آں کف پا را[1]

حضرت حسینی جون پوری

حسینی تخلص مولوی سید امام علی نام سید حسن علی کے لڑکے وطن قصبہ منڈیاہو کی

---

[1] نگارستان سخن

مرد قابل و ممتاز زمانہ ۔ علوم عربی و فارسی میں بقدر ضرورت قابلیت رکھتے تھے اور سرکار مہاراجہ بنارس میں عہدۂ افسریت پر مامور ہوئے۔ آپ موزوں طبع اور سخن سنج تھے۔ ہر قسم کی نظم کہنے پر قادر تھے۔ نمونہ ملاحظہ ہو

بسکہ دارم دل یکے با عاشقان دردمند
گر کشم یک آہ صد جا میشود آتش بلند

حضرت امیر جونپوری

امیر تخلص حکیم سید امیر علی نام ۔ علوم عربیہ و فارسیہ میں کمال استعداد رکھتے تھے۔ علم طب میں ماہر اور حکیم حاذق تھے۔ نبض شناسی میں آپ بہت ماہر تھے اور خوشخط نستعلیق کے استاد تھے ۔

طبیعت موزوں و نکتہ رس تھی ۔ نظم فارسی و اردو کہنے میں قادر الکلام تھے۔ اردو نظم بہت کم کہی فارسی کلام زیادہ ہیں ۔ نمونۂ کلام :۔

دی شب ز ساقی یافتم در نشہ اشیائے دگر
یا آنکہ من بودم دگر یا بود صہبائے دگر
زاہد خیالِ خام تو از بہر حور و جنت است
ہیچ جمالِ یار را باشد نہ پروائے دگر [۱]

حضرت کاہش جونپوری

آپ کا نام حکیم اولاد علی کاہش تخلص نواسہ شاہ عنایت مخدوم کے تھے آپ ۱۲۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور جب سن تمیز کو پہونچے تو پڑھنے میں لگائے گئے۔ اولاً مختصرات عربیہ اپنے بزرگوں سے پڑھا بعدہٗ لکھنؤ گئے اور علمائے

---

[۱] تذکرہ شعراء ص ۲۹

فرنگی محل سے کافی فیض حاصل کیا اور علم طب حکیم مسیح الزماں سے پڑھا اور مطب میں بیٹھے۔ ہر قسم کا تجربہ تھوڑے عرصہ میں حاصل کر کے حکیم حاذق بن گئے۔ آپ کو شاعری سے بھی شوق تھا۔ کلام فارسی کی مشق و اصلاح مرزا قتیل سے اور اردو کلام کی مشق و اصلاح حضرت شیخ ہمدانی مصحفی سے کیا۔ آپ شاعر نازک خیال اور خوش گو تھے۔ بعد تکمیل کمالات آپ جاہ و منصب کے حصول میں کوشاں ہوئے۔

اولاً ضلع گیا میں عہدہ پیشکاری عدالت دیوانی مقرر ہوئے بعدہٗ سررشتہ داری کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ چند سال ملازمت کر کے ترک کر دیا اور گوشۂ قناعت میں بیٹھے۔

آپکی تصانیف میں رسالہ فارسی رسالہ مکتوبات۔ منتخب العروض۔ دیوان فارسی کلام۔ دو دیوان اردو ہیں۔ نمونہ کلام فارسی:۔

سینہ تا دل ہمہ پر داغ تمنا کردی   اے فلک با تو چہ کردیم کہ باما کردی

اردو

مسی ملی تو دیکھ کے سوسن نے آہ کی   نرگس شہید ہو گئی ترچھی نگاہ کی

غنی ہوتا ہے ہر محتاج تیری آشنائی کا
حباب بحر نے کاسہ لیا الٹا گدائی کا[1]

حضرت راز جونپوری

شیخ محبوب علی نام راز تخلص تھا۔ ملا شمس نور کی اولاد سے ہیں۔ مرد ذی استعداد خوش خلق نیک سرشت صاحب الوالالباب تھے۔ بتحصیل علوم عربی و فارسی

---

[1] تذکرہ شعرا ص ۲۸

کر کے ملازمت کی طرف مائل ہوئے اور سر رشتہ دار عدالت دیوانی گورکھپور ہوئے طبع موزوں رکھتے تھے مشق سخن شرر لکھنوی سے کیا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

جگر سے دل میں دل سے چشم میں چشموں سے مژگاں میں
یہ خوننابِ جگر بھی تین منزل کر کے آتا ہے

ہزار بار سے گو کم نہیں ٹٹولے پر
نہ کھولے پر مرے صیاد نے نہ کھولے پر [۱]

حضرت نثار جونپوری

نثار تخلص شاہ نثار حسین نام۔ شاعران متاخرین جونپور سے تھے مگر آپ کی بلند آوازی کا سکہ استادی تک پہونچا۔ اصلاح سخن آپ نے اپنے باپ سے لیا۔ اردو کی ہر قسم کی نظموں پر آپ کو قدرت حاصل تھی کلام سادہ نمکین اشعار پاکیزہ اور چاشنی دار ہوتا تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

کہدو اُن سے جو ہیں کوثر کے لُٹانیوالے
ہم بھی حاضر ہیں کئی خم کے چڑھانیوالے [۲]

حضرت غبار جونپوری

غبار تخلص نام شاہ تامل الحسین۔ شاگرد رشید شاہ نثار حسین نثار۔ مرد قانع اور آزاد منش تمام اوصاف حسنہ سے متصف تھے۔ کافی علمی لیاقت رکھتے تھے۔ آپ زیادہ تر اردو میں کہتے اور بہت زود گو تھے۔ آپکی عمر پچاس سال کی ہوئی۔ نمونہ۔

جنت میں جائیں گے تو جواں ہو کے جائیں گے
پیری ہماری ایک ہے اور ہیں شباب دو

---

[۱] تذکرہ شعرا ص ۳۱-۳۲ [۲] تذکرہ شعرا ص ۳۳-۳۲

عرشِ حق سے شب معراج کا تارا اُترا
لوحِ محفوظ سے قرآن دو بارا اُترا

حضرت کاتب جونپوری

کاتبؔ تخلص سورج بھان نام۔ آپ منشی رنچھورداس کے لڑکے ہیں۔ آپ کو علمی قابلیت ولیاقت اچھی تھی۔ دفتر شاہی میں بزمرۂ شقہ نویسان مدت تک مامور رہے۔ آپ مرد سنجیدہ و موزوں طبع تھے۔ اصلاح سخن اپنے باپ سے حاصل کیا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

من جان و دل بغمزۂ جاناں فروختم
جنسِ گراں نگر کہ چہ ارزاں فروختم ۱ے

حضرت عظیم جونپوری

عظیمؔ تخلص غلام حسین نام۔ شاگرد شاہ نثار حسین نثارؔ۔ علوم عربی و فارسی جونپور میں حاصل کیا۔ مدت تک سرکار انگلشیہ میں مختلف عہدوں پر ملازم رہکر نائب تحصیلداری تک پہونچے بالآخر پنشن لیکر علحدہ ہو گئے۔ آپ شاعر محقق و صاحبِ دیوان ہیں۔ آپ تا بدن شعر و شاعری اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ نظم و نثر میں اکثر رسائل و کتب مثل مثنوی "تردید النواصب" و رسالہ انجمن نصیحت۔ رسالہ عروض و منتخب الالفاظ وغیرہ ہیں۔ نمونہ کلام

جہاں میں آج یہ ساماں ہے یارب کس کی آمد کا
در و دیوار سے اک غل ہے پیدا یا محمد کا
جو ہیں دنیا پرست ان کو مبارک چاپلوسی ہو
نہ آیا ہم کو سکھلانے سے بھی کلمہ خوشامد کا

حضرت صدقؔ جونپوری

صدقؔ تخلص۔ سید مبارک حسین نام۔ آپ سادات بلند پایہ اور رؤسائے اعظم جونپور تھے۔ مرد وجیہہ وسیع الاخلاق صاحب مروت تھے۔ حکامان انگریزی کی خدمت میں حاضر باش۔ ممبر میونسپل بورڈ و ڈسٹرکٹ بورڈ و آنریری مجسٹریٹ اور وکیل دیوانی تھے۔ علوم ظاہری بقدر ضرورت حاصل کیا تھا۔ علم طب میں بھی دخل تھا۔ مشق سخن شاہ غلام اعظم افضل الہ آبادی شاگرد شیخ امام بخش ناسخ سے کی تھی۔ آپ خود اتنے پایہ کے شاعر ہوئے کہ اکثر شعرائے جونپور آپ سے اصلاح لینے لگے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

سخن گوئی میں ہاتھ آیا ہے رتبہ مجکو موسیٰ کا
ید بیضا بنا مطلع مرے دیوانِ ادنیٰ کا

دکھاؤں کھینچکر شکلِ معانی لاکھوں صورت سے
مصور ہوں یہاں تیار ہے ہر رنگ کا خاکا

غم ہوا وحشت ہوئی سودا ہوا　　ان بتوں کے عشق میں کیا کیا ہوا
صبحِ پیری خوابِ غفلت میں کٹی　　سو گیا میں رات کا جاگا ہوا

ہوئے خاک ترش آستاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

ادا ناز و انداز حسن و جوانی
ہیں اک رات کے میہماں کیسے کیسے

حضرت غزالی مشہدی

آپ فارسی کے باکمال شعرا میں سے تھے

تذکرہ شعراء ص۳۷-۳۶

تاریخ وقطعات اور قصائد میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ اصل وطن ایران تھا۔ اب سے ۳۵۰ برس پہلے یعنی اکبر بادشاہ کے عہد سلطنت میں دہلی آئے اور علی قلی خاں کی قدردانی کی شہرت سن کر جونپور تشریف لائے اور خانزماں علی قلی خاں کے یہاں ملازمت کرلی۔ جب آپ کے کمال کا شہرہ اکبر بادشاہ تک پہونچا تو اکبر نے درباری شعرا میں داخل کرلیا اور آخر میں دربار کے ملک الشعرا ہوگئے۔ آپ کی وفات ۹۸۰ھ میں ہوئی اور جونپور ہی میں خاص خوص کے پوربی ٹیلے پر دفن ہوئے۔ قبر پختہ گچ پر ہے۔

افتخار خاں عرف صندل شاہ کے لوح مزار پر جو اشعار ہیں وہ آپ ہی کے کہے ہوئے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

ما از سمند عمر گرفتیم از من عیش
ولیشاں دو اسپہ جانب ملک لقا شدند
بیہودہ نقد عمر غزالی مدہ زکف
بنگر کہ دوستان وعزیزاں کجا شدند [۱]

حضرت انصاف جونپوری

آپ کا نام شیخ محمد یحییٰ انصاف تخلص تھا۔ مرد گوشہ نشین متوکل، صاحب زہد وتقویٰ اور مرید حضرت شاہ خوب اللہ الہ آبادی کے تھے۔ آپ سخنوری میں بلند سلیقہ رکھتے تھے اور خوش ادا زبان شیریں تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

چالاکی نگاہ تو نازم کہ سوئے من ٭ دیدی چناں کہ چشم ترا ہم خبر نشد
از مذہبم نہ پرس نہ مومن نہ کافرم ٭ من رسم ایں دیار نہ دانم مسافرم [۲]

---

[۱] مشاہیر اسلام ج ۵ کتبہ صندل شاہ [۲] تجلی نور تذکرہ شعرا ص۱

حضرت دانش جونپوری

دانش تخلص اولاد حضرت مخدوم چراغ ہند ظفرآبادی سے تھے۔ بعد اکتساب علوم فارسی شوق شاعری و سخن گوئی پیدا ہوا۔ حکیم اولاد علی کاہش کے شاگرد ہوئے اور مشق سخن کیا۔ طبیعت موزوں تھی کلام آپ کا رنگین ہوتا تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے

بہار آئی ہے گلشن میں کھلے ہر سمت لالے ہیں
گل اندا موں نے ڈیرے آجکل باغوں میں ڈالے ہیں

مرے فیضِ قدم سے پیاس بجھ جائیگی کانٹوں کی
یہی گر جادہ پیمائی ہے اور پاؤں کے چھالے ہیں

کہیں سنبل کہیں مارسیہ دانش نے باندھا ہے
عجب پیچیدہ مضموں وصف کاکل میں نکالے ہیں لہ

حضرت ہنر جونپوری

سید محمد سعید خاں نام ہنر تخلص تھا۔ آپ آپ مصحفی کے شاگرد تھے۔ مفتی محلہ جونپور کے رئیسوں میں سے تھے۔ آپ وکیل عدالت دیوانی تھے۔ آخر وقت میں بصارتِ چشم سے مجبور ہو گئے۔ شعر نہ لکھ پاتے اور نہ پڑھ پاتے تھے۔ مشاعروں میں سب سے آخر میں منبر پر آتے اور مصرع طرح دریافت کر کے فی البدیہہ پانچ سات شعر پڑھکر اُتر آتے۔ پھر انتقال کیا قبر مفتی محلہ جونپور میں ہے۔ نمونہ۔

مرنے کے بعد بھی یہ مرا احترام ہے
آگے مرا جنازہ ہے پیچھے امام ہے

حضرت ادیب جونپوری

حکیم محمد امیر علی نام ادیب تخلص تھا

لہ تجلی نور حصہ سوم قلمی فارسی

آپ فصیح الملک حضرت داغؔ کے شاگرد تھے۔ طبابت پیشہ تھے۔ بہت قادر الکلام اور پختہ شاعر تھے۔ آپکی پیدائش ۱۸۷۳ء میں ہوئی اور ۱۹۴۷ء میں انتقال فرمایا اور مزار حضرت حمزہ چشتی جونپوری کے متصل دفن ہوئے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:۔

آپ جب چاہیں ہم سے آکے ملیں　　دن گیا ہے کہیں نہ رات گئی
اُن سے رسمِ مراسلات گئی　　اب وہ قصہ گیا وہ بات گئی

جس نے سنا کلام ادیبؔ اس نے یہ کہا
ترکیبِ شعر بلبلِ ہندوستان ہے[1]

حضرت رنگینؔ جونپوری

راجہ ہر بہر دت دوبے نام۔ رنگینؔ تخلص تھا۔ حضرت غبارؔ جونپوری کے شاگرد تھے آپ کے والد کا نام ہری غلام تھا۔ صوفیانہ خیال رکھتے تھے۔ شعر و شاعری میں پھنسکر جائداد اپنے بھائی شنکر دت کے حوالے کردی۔ جو ایکہزار روپیہ ماہوار جیب خرچ کو دیتے تھے۔ برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یاترا کی غرض سے دکھن چلے گئے اور وہیں ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔

رنگینؔ جونپور کے اچھا کہنے والوں میں مشہور تھے۔ ان کے مصاحبین میں شعرائے کرام کی کثیر تعداد تھی۔ برابر شعر و سخن کی محفلیں منعقد ہوا کرتیں راجہ ہر بہر دت اور شنکر دت دونوں بھائی لاولد تھے اسلئے انکی بیوہ رانی گمانی کنور نے راجہ سری کرشن دت دوبے کو متبنیٰ کیا جنکے لڑکے موجودہ شری یادویندر دت دوبے بقیدِ حیات ہیں اور جن سنگھ کے ٹکٹ سے یوپی اسمبلی کے

---

[1] تذکرۃ الشعرا

ممبر منتخب ہوئے۔ راجہ ہری ہر دت کا نمونہ کلام یہ ہے :-

کھڑا ہوں دیر سے میرے حضور کچھ کہیے
قیامت آگئی پھنکتا ہے صور کچھ کہیے

گرا جو دیکھ کے میں بام سے جمال اُن کا
تو لوگ کہنے لگے حالِ طور کچھ کہیے

حضرت حفیظ جونپوری

حافظ محمد علی نام اور حفیظ تخلص تھا۔ آپ امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ آپکے ہمعصروں میں ریاض خیر آبادی اور جلیل مانکپوری ہیں۔ آپ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید تھے۔ آپ شاگرد تو امیر مینائی کے تھے لیکن آپ کا کلام داغ دہلوی سے متاثر نظر آتا تھا۔ آپکے متعلق شفیق جونپوری نے لکھا ہے کہ فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم کے بعد جن شعرا کو اقلیم سخن میں خاص مقبولیت حاصل ہوئی ان میں حفیظ جونپوری صف اول کے شاعر تھے۔

حضرت مولانا حسرت موہانی نے آپ کا کلام انتخاب کر کے شایع فرمایا تھا۔ حکیم برہم اڈیٹر "مشرق" گورکھپوری اور شاہ نذیر ہاشمی غازی پوری جیسے ادیبوں نے حفیظ کے کلام پر بڑے قابل توجہ مضامین شایع کئے ہیں آپ صاحب دیوان ہیں۔ دو دیوان "خمخانۂ دل" اور "غمگسار" کے نام سے طبع ہو چکے ہیں۔ آپ کی آرام گاہ محلہ بلوہ گھاٹ جونپور تکیہ لب ساحل گومتی ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

بہت دور تو کچھ نہیں گھر مرا چلے آؤ اک دن ٹہلتے ہوئے

منہ دکھائے قضا تو دیکھیں ہم ⁂ کس ادا پر ہیں اسکی مرتے لوگ

اس شہر کو حفیظؔ کیا ہم نے لکھنو ⁂ ٹکسال چڑھ گئی ہے زباں جونپور کی

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

دل کو اک نور برستا ہے مری تربت پر

رات کو چادر مہتاب تنی ہوتی ہے

پی لو دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات حفیظؔ

صاف انکار سے خاطر شکنی ہوتی ہے

حضرت منصبؔ جونپوری

مولوی منصب علی نام اور منصبؔ تخلص تھا۔ آپ حضرت امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ عربی فارسی پر کامل عبور تھا۔ جہتر یہ ڈگری کالج میں پرشین ٹیچر تھے آپ صاحب دیوان شاعر گزرے ہیں۔ پیدائش اور وفات جونپور میں ہوئی۔ قبر آپکی محلہ بلوا گھاٹ لب دریائے گومتی ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

یہ محفل میں جل مرنے کی خو ٹھیک نہیں پروانے میں

جب راز محبت فاش ہوا کیا لطف رہا مر جانے میں

مجرموں کو جرم کرنیکی کبھی جرأت نہ ہو

آگے آگے دل بڑھاتی گر تری رحمت نہو ؎۱

حضرت وحیدؔ جونپوری

وحیدالحق نام وحیدؔ تخلص تھا۔ حضرت داغ کے شاگرد تھے۔ فیض باغ جونپور

؎۱

میں سکونت تھی۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مختار عدالت تھے۔ آپکی آخری آرام گاہ رشید آباد میں ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:-

ان دنوں فکرِ معیشت میں رہا کرتا ہوں میں
کیا کروں فکرِ سخن جب فکر سے فرصت نہو سلہ

حضرت بخت جونپوری

حکیم مولانا قیام الدین نام اور بخت تخلص تھا۔ آپ اعلےٰ درجے کے حکیم اور عربی فارسی کے عالم تھے۔ شعر و سخن میں امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ آپ کچھ دنوں آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ محلہ ملا ٹولہ شہر جونپور میں مکان تھا۔ تاریخ گوئی میں ملکہ حاصل تھا۔ بادشاہ دکن کے ولیعہد کی پیدائش پر ایک رسالہ تاریخ لکھا جس میں ہر صنفِ سخن پہ تاریخ نکالی۔ آپ بہت قادر الکلام اور پختہ شاعر تھے۔ پیدائش جونپور میں ہوئی مگر انتقال آپ کا بنگال میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:-

نشانِ خط نہیں اِس بت کے روئے انور پہ
نئی ہے بات کہ سبزہ اُگا ہے پتھر پہ
تمھارے آتے ہی ساری اذیتیں بھولے
کہو تو ہاتھ بھی رکھیں نہ قلبِ مضطر پہ سلہ

حضرت گہر جونپوری

شیخ التفات حسین نام اور گہر تخلص تھا آپ مرد نامور۔ صائب الرائے۔ سنجیدہ طبع

وخوش اخلاق۔ موزوں طبع۔ بلند فکر۔ راتدن مضمون کی تلاش میں لگے رہتے
آپ شاہ نثار حسین نثار کے شاگرد تھے۔ اگرچہ آپ نے ہر قسم کی نظم میں خامہ
فرسائی کی ہے مگر تاریخ گوئی میں عدیم البدل و بے ہمتا تھے۔ آپ کی قبر محلہ
ڈھالگر ٹولہ شہر جونپور میں ہے۔ تاریخ تعمیر تعزیہ خانہ شیخ محمد اسلام ملاحظہ ہو۔

بود شیخ اسلام از گلزار دیں تازہ گلے
ہمچو سلطاں ذی شرف رکن رکیں جنت مکیں
تعزیہ خانہ کہ از نامش لبا مشہور ہست
میشوند آنجا بمحفل جمیع ارباب یقیں
کرد تعمیرش یکے از عاشقانِ بوتراب
نام پر نورش بشارت با علی حق گزیں
داد ہاتف ایں ندا ہنگام سالش اے گہر
آستانِ سرورِ دیں کعبۂ ایمان دیں ۱۳۰۵ھ

حضرت انیق جونپوری

حافظ محمد یعقوب نام انیق تخلص تھا۔
آپ نے زانوے تلمذ حضرت داغ کے روبرو
تہ کیا۔ آپ صاحبِ دیوان ہیں۔ محلہ مدار ٹولہ شہر جونپور میں سکونت تھی
آپ بہت متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ یوں تو ہر صنف سخن پر طبع آزمائی
فرماتے تھے لیکن نعت گوئی میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ آپکا نعتیہ دیوان
"دیوان انیق" کے نام سے طبع ہوچکا ہے۔ آپکی قبر پر انوار متصل مزار شریف
حضرت حمزہ چشتیؒ ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

سلہ پہلے یہ امامبارہ خام تھا سنہ [illegible] میں پختہ تعمیر ہوا

ملا نام خالق سے نام آپکا ہے
کلام الٰہی کلام آپ کا ہے
غلاموں کا ہے کام فریاد کرنا
مصیبت میں کام آنا کام آپکا ہے

حضرت وحید ثانی جونپوری

عبدالوحید نام وحید تخلص تھا۔ مرزا فائز بنارسی کے شاگرد تھے۔ آپ ایم اے پاس گورنمنٹ ہائی اسکول جونپور کے انگلش ٹیچر تھے اور وطن بنارس تھا مگر ترک وطن کرکے جونپور میں رہنے لگے اور جونپور ہی کو وطن بنالیا۔ آپ کی قبر محلہ بلوہ گھاٹ جونپور تکیہ لب گومتی ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

گو دیر سے پہونچا اے ساقی میں آ تو گیا میخانے میں [1]
گر مے نہیں بوئے مے ہی سہی کچھ تو ہے ابھی پیمانے میں

حضرت موج جونپوری

منشی چھوٹو لال نام اور موج تخلص تھا۔ آپ حضرت داغ کے شاگرد تھے۔ منڈیاہوں تحصیل کے رہنے والے قوم کے کائستھ تھے۔ منشی رنچھورداس نامی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے آباواجداد سلطنت مغلیہ سے وابستہ تھے۔ خود موج صاحب رانی دھن دئی کنور صاحبہ اور وبار راجہ جونپور کے ریاست کے منیجر تھے۔ شعر و شاعری کا اچھا خاصا مذاق رکھتے تھے۔ آپکا انتقال جونپور میں ہوا۔ نمونہ

مروّت کب تمھارا نام لینے دیگی محشر میں
مگر اتنا تو کہہ دینگے اسی مجمع میں قاتل ہے [2]

حضرت ناشاد جونپوری

منشی سنکٹھا پرشاد نام ناشاد تخلص تھا حضرت شہیر مچھلی شہری کے شاگرد تھے

---

[1] لہ

[2] لہ

تحصیل مچھلی شہر میں پیدا ہوئے اور جونپور آکر مستقل سکونت اختیار کرلی۔ عربی فارسی پر آپکو عبور حاصل تھا۔ کلام صاف و ستھرا تھا۔ جونپور سے ایک ہفتہ وار اخبار اڈیلیشاک اجرا کیا۔ اس اخبار کے اڈیٹر۔ پرنٹر اور پبلشر آپ خود ہی تھے۔ یہ اخبار عرصہ تک کامیابی سے جاری رہا۔ جونپور ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

آئینہ ہے جو اس رخِ انور کے سامنے ؛ دلبر دکھائی دیتا ہے دلبر کے سامنے
میرا مقدمہ جو ہوا پیش دیکھئے ؛ چپ ہو گئے وہ داورِ محشر کے سامنے

حضرت ہاشم جونپوری

نام میر محمد ہاشم تخلص ہاشم تھا۔ عربی فارسی میں فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ انگریزی بھی حاصل کی۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں تحصیلدار اور سنہ ۱۸۹۳ء میں ڈپٹی کلکٹر ہوئے سنہ ۱۹۱۳ء میں پنشن لیکر وطن آئے اور اسپشل مجسٹریٹ مقرر ہوئے سنہ ۱۹۲۰ء میں جونپور محلہ دریبہ میں انتقال کیا۔ شعر و شاعری سے کمال ذوق و شوق رکھتے تھے۔ فن تاریخ گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ تقریباً ڈیڑھ سو تاریخوں کا ایک مجموعہ طبع ہو چکا ہے آپکی ایک نظم "واقعہ دہلی" بہت مشہور ہے۔

دسمبر کی تیئسویں روز شنبہ ؛ سنو قیصر آباد دہلی کا قصہ
گورنر کا تھا داخلہ شہر تو میں ؛ امیر و اراکیں تھے حاضر جلو میں
جلوس شہی چوک میں جبکہ آیا ؛ کسی شخص نے پھینکا اک بم کا گولا
بچیں لارڈ اور لیڈی صاحب کی جانیں ؛ نظر آگئیں سبکو قدرت کی شانیں

مسیحی کہا سال معجز بیاں نے
بڑی خیر کی خالق دو جہاں نے

۱۹۱۲ ء

حضرت ضامن جونپوری

سید علی ضامن نام ضامن تخلص تھا آپ کے مورث اعلیٰ ترمذ سے آکر جونپور میں آباد ہوئے۔ آپ نے مشق سخن اپنے والد صدق جونپوری سے کی۔ آپ نے بی۔ اے علیگڈھ سے کرنے کے بعد پٹنہ میں قیام کیا اور وہیں ایک بڑے گھرانے میں شادی بھی کی۔ آپ نے جونپور کی تاریخ بڑی محنت اور کئی سال کی تحقیق کے بعد مرتب کی مگر آج تک وہ چھپ نہ سکی ظفرآباد کی تاریخ "چراغ نور" پر آپ کے حواشی ہیں جو بڑے تحقیقی ہیں۔ پیدائش و وفات آکی جونپور میں ہوئی آپ کی آخری آرام گاہ امامباڑہ شیخ کلو مرحوم محلہ مخدوم شاہ اڈھن ہے۔ نمونہ

فقیر دیر سے بیٹھے ہیں آستانے پر
امید آنکھوں میں ہے جلوہ گر غریب نواز
نہ بھولئے گا کہ ضامن کو آپ سے ہے نیاز
ہوا ہے اسکا کبھی در تک گذر غریب نواز

قطع تاریخ
تاریخ وفات ہجریش ضامن گفت
خواب بستہ میر محمد ہاشم
سنہ ۱۳۳۹ھ

حضرت ذوالفقار جونپوری

سید ذوالفقار حسنین نام ذوالفقار تخلص تھا۔ ظفرآباد کے رہنے والے مفتی محلہ جونپور میں ننہال ہونیکی وجہ سے مستقل قیام رہا۔ جونپور سے انٹرنس پاس کر کے علیگڈھ سے فارغ ہوئے۔ تاریخ آپکا خاص مضمون تھا اسلامی تاریخ پر بھی کافی عبور تھا۔ شاعری میں اپنے ماموں ہنر جونپوری سے اصلاح لی۔ فن عروض میں آپ مانے ہوئے شخص تھے شہر جونپور میں آپکے شاگردوں کی کثیر تعداد تھی۔ غزل قصیدہ۔ مرثیہ۔ سلام۔ رباعی سب کچھ کہنے پر قادر تھے۔ سنہ ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے

اور ۱۹۵۰ء میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مزے تو آ گئے قاتل کو رقص بسمل کے ٭ تڑپ تڑپ کے نکلتے ہیں حوصلے دل کے

وہ ابخرات جو شیشے کو توڑ کر نکلے ٭ برس رہے ہیں وہ میخانے پر گھٹا بنکے

ترے حضور میں آیا ہوں میں گدا بنکے
مگر خموش ہوں تصویر مدعا بن کے

حضرت زیدی ظفرآبادی جونپوری

آپ کا نام مولوی نورالدین اور زیدی تخلص تھا۔ آپکا سلسلۂ نسب حضرت مخدوم آفتاب ہند زیدی ظفرآبادی جونپوری سے ملتا ہے۔ آپکو علوم عربی و فارسی منطق و فلسفہ میں کمال حاصل تھا اور آپ اعلیٰ درجے کے خوش نویس بھی تھے۔ آپ عرصہ تک سرکاری عہدوں پر فائز رہے اور تاریخ پر کئی کتابیں لکھیں۔ بزرگان دین کے تذکرے بھی آپ ہی کے رہین منت ہیں۔ شعر و سخن کا ابتدا ہی سے مذاق تھا۔ مرزا غالب دہلوی کے شاگرد تھے۔ کلام آپکا فارسی میں ہوتا تھا مگر جب فارسی کا رواج ختم ہوا تو اردو میں کہنے لگے۔ اردو کلام کی اصلاح میر ضامن علی جلال لکھنوی سے لیتے تھے۔ قطعات تاریخ میں آپ کو ملکہ خاص حاصل تھا۔ ظفرآباد و جونپور کے بزرگان دین کی اکثر تاریخیں آپ ہی کی کہی ہوئی ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں پنشن لینے کے بعد خانہ نشین ہو گئے۔ نمونہ کلام فارسی ملاحظہ ہو ؎

چشمم براہِ نیک ندانم براہ کیست ٭ تا رنگاہ رہگذر جلوہ گاہ کیست

گل پیرہن دریدہ و بلبل شہید ناز ٭ بوئے نوائے صبا زدہ جلوہ گاہ کیست

ل تذکرۃ الشعرا۔ تذکرۃ الامرا حصہ دوم

کلام اردو

ان کے آنے کا جو وعدہ ہے سحر ہونے تک
کون جیتا ہے شب غم کے بسر ہونے تک

سیلِ خونابِ جگر تھم نہ سکے دیدوں میں
منہ سے خوں آنے لگا آنکھوں کے تر ہونے تک

حضرت فدائی جونپوری

جسٹس سر سلیمان صاحب کے والد ماجد مولوی شاہ محمد عثمان صاحب مرحوم فاروقی فدائی جونپور کے رہنے والے تھے۔ اردو فارسی عربی کے ماہر تھے۔ پیشہ وکالت تھا۔ آپ ۱۲۷۶ھ میں پیدا ہوئے اور تکمیل علم مدرسہ حنفیہ جونپور میں کی۔ آپ حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب کے شاگرد تھے۔ آپکو شاعری سے بھی بحد شغف تھا۔ آپ حضرت آسی جونپوری کے شاگردوں میں سے تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

شاہد و ساقی و مطرب ہمہ مطلوب من است ؛ کیش من پیروی پیر مغانے دارد

آپ شیخ علی حزیں کے ہم پلہ شاعر تھے۔ شیخ علی حزیں فرماتے ہیں کہ:۔

زہرِ غمِ ہجر تو بجاں کار گر افتاد ؛ امید وصالِ تو بہ عمرِ دگر افتاد

فدائی صاحب فرماتے ہیں:ے

از دست بشد دل چو نگاہم بہ بر افتاد ؛ چوں زلف بدیدم ہمہ غمہا بہ سر افتاد

فدائی صاحب اردو میں بھی شعر موزوں کیا کرتے تھے اور مومن کے جانشین تھے

جینا آزار ہو گیا ہے ؛ مرنا دشوار ہو گیا ہے
جو داغ تھا دل میں روشن ؛ وہ شمع مزار ہو گیا ہے
سرمایۂ نشۂ جوانی ؛ پیری میں خمار ہو گیا ہے
کچھ ٹھیک نہیں دل و جگر کا ؛ جب سے غمِ یار ہو گیا ہے

حضرت مخدوم شاہ عبدالعلیم صاحب آسی کے رنگ میں ؎

اس دلق فقیری میں نہ کچھ مال نہ زر ہے ؏ ہے ایک دل آگاہ جو اللہ کا گھر ہے

مومن کا انداز ؎

ایک وہ ہیں جو ستم توڑ رہے ہیں ہم پر ؏ ایک ہم ہیں جو سمجھتے ہیں کرم کرتے ہیں

حضرت فگار ظفرآبادی جونپوری

آپ کا نام مولوی عبدالصمد زیدی اور فگار تخلص تھا۔ آپ مولوی نورالدین صاحب زیدی کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ اعلیٰ درجے کے شاعر تھے اور حضرت داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ آپکو ہر صنف سخن میں کمال حاصل تھا۔ برجستہ کہتے تھے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

دیکھ لی شمع تری ہم نے بھی ثابت قدمی سر کٹایا رہِ الفت میں تو روتا کیسا

کی تغافل نے ترے وہ بیداد کہ ستم کا بھی کچھ گلہ نہ رہا

اپنی حیرت نے وہ ہوا باندھی اڑ گیا رنگ آئینہ نہ رہا

بڑھا نامِ خدا میدانِ معنی میں قدم میرا لوائے غزوۂ انا فتحنا ہے قلم میرا

آپ کا انتقال ظفرآباد جونپور میں ہوا اور اپنے خاندانی قبرستان محلہ قاضی احمد نور قصبہ ظفرآباد جونپور میں دفن ہوئے۔

حضرت مصطفیٰ جونپوری

سید مصطفیٰ حسین نام اور مصطفیٰ تخلص تھا غبار کے شاگرد تھے۔ فن تاریخ گوئی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ محلہ بارہ دوریہ میں سکونت تھی۔ پیدائش و وفات جونپور میں ہوئی آپکی قبر محلہ بارہ دوریہ میں ہے۔ آپنے بہت سے قطعات تاریخی کہے ہیں۔ حکیم ہدایت اللہ کے انتقال پر آپنے قطعہ تاریخ کہا اور ان کے نام ہی سے وفات کا سنہ ہجری برآمد کیا۔ قطعہ ملاحظہ ہو:۔

حاذق حکیم تھے جو ہدایت علی قدیم ‏ ‏ سوئے کریم خلق سے لی راہِ مستقیم
تاریخ مصطفےٰ یہ لکھو اُنکے فوت کی ‏ ‏ تھے آدمی پر لانے ہدایت علی حکیم

حضرت احقر جونپوری

مولوی محمد مبین نام احقر تخلص تھا۔ اپنے چچا تجت جونپوری کے شاگرد تھے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں بنگال وغیرہ تشریف لیجایا کرتے تھے۔ ہر صنف سخن پر طبع آزمائی فرماتے تھے لیکن نعت گوئی آپکا خاص میدان تھا۔ جونپور کے مشہور محلہ ملا ٹولہ میں آپ پیدا ہوئے اور آخری آرامگاہ بھی ملا ٹولہ جونپور ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

زلفِ نبی پہ سنبل پیچاں نثار ہے
مجنوں نے رات کہدیا لیلےٰ کے سامنے

حضرت آسی رح

شاہ عبدالعلیم نام اور آسی تخلص تھا۔ آپ خانقاہ رشیدیہ جونپور کے سجادہ نشین تھے اور وطن غازیپور تھا۔ آپ درویش صفت بزرگ تھے۔ آپکا کلام معرفت وحقیقت عشق ومحبت میں ڈوبا ہوتا تھا۔ انتقال غازیپور میں ہوا اور اسی سرزمین میں دفن ہوئے۔ حضرت آسی رح ہندوستان کے اُن باکمال شعراء میں گذرے ہیں جنکے کلام پر بڑے بڑے نقاد نے قلم نہیں اٹھایا حیرت ہے کہ مجنوں گورکھپوری جن کے قلم سے کوئی نہ بچ سکا انھوں نے بھی حضرت آسی کو بہت سراہا ہے۔ آپکی فضیلت وبزرگی کے بہت سے واقعات ہیں جن کی تفصیل صوفیہ کے ذکر میں ملاحظہ فرمائیں۔ شیخ مرحمت حسین صاحب آپکے مریدوں میں ابھی تک بقید حیات ہیں اور اکثر واقعات بیان کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ ؎

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا ؂ پھر اسکے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

رات تو رات ہے بس مردِ خوش اوقات کی رات
گریۂ شوق کی یا ذوقِ مناجات کی رات

گریۂ غم سے لگی رہتی ہے ساون کی جھڑی
کوئی موسم ہو یہاں رہتی ہے برسات کی رات

شبِ دیجور ہے یا ظلمتِ ایامِ فراق
کیا لکھی تھی مری تقدیر میں دن رات کی رات

رات دن ہوتی ہے اللہ رے تیری قدرت
عید کا روز ہے یاروں کی ملاقات کی رات

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
ہے شبِ گور بھی اس گل کے ملاقات کی رات

دیگر

چار یارانِ نبیؐ میں آسی — تبعیت مجھے ہر یار کی ہے
طلبِ راہِ خدا میں لیکن — پیروی حیدرِ کرارؑ کی ہے

دیگر

جنون عشق سے ممکن نہیں ہے چھٹکارا — غبار ہو کے بھی آسی پھروگے آوارا
پوچھے کیا ہو شہ جیلاں کے مراتب آسی — ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

حضرت شفیق جونپوری

الحاج حافظ ولی الدین نام شفیق تخلص تھا۔ مولانا حسرت موہانی کے شاگرد تھے مولانا شفیق کو سب سے پہلے علامہ اقبال سہیل اعظمی نے "فخر مشرق" کا شبلی منزل کے آل انڈیا مشاعرے میں خطاب دیا تھا۔ اسکے بعد آل انڈیا مدح صحابہ مشاعرہ لکھنؤ میں انکے فخر مشرق ہونے کا اعلان کیا گیا۔ آپ کے موئدین میں ایک بڑی شخصیت مذہب امامیہ کے روشن خیال وسیع النظر مجتہد العصر حضرت مولانا شبر صاحب ردولوی اعلی اللہ مقامہ کی بھی جو حضرت شفیق کے قصائد پر فخر سے داد دیا کرتے تھے۔

SHAFIQ JAUNPURI



BORN IN 1902
DIED ON MARCH 5, 1963

شفیق صاحب بہت خلیق اور ملنسار واقع ہوئے تھے۔ آپکے دل میں انکساری اور ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ صوبائی اور مرکزی حکومتوں سے آخر وقت تک وظیفہ ملتا رہا۔

مولانا عبدالسلام ندوی۔ مولانا نیاز فتحپوری۔ مولانا حسرت موہانی اور ماہر القادری جیسے جلیل القدر مشاہیر شفیق صاحب کے کلام کو عہد حاضر کے شعرا کے مقابلہ میں اغلاط سے پاک اور فنی محاسن سے آراستہ تسلیم کرتے ہیں آپکی آخری آرام گاہ حضرت حمزہ چشتی کے آستانے میں ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

حریم ناز تک اپنی نظر نے کام کیا ❖ ہزار آپ نے پردے کا اہتمام کیا

فضائے چمن کے کلیاں توڑتی ہے شاخ ہستی سے

ہزاروں پھول مرجھائے مگر ہم کو نہ موت آئی

چمن والوں نے آزادی تو پائی ❖ بہار اب تک نصیب دشمناں ہے

مرے گلشن خدا جانے ترا انجام کیا ہوگا ❖ جسے مالی بناتا ہوں وہی صیاد ہوتا ہے

خدا کی شان وہ اور انتظام میخانہ

جسے خبر نہیں پیاسوں کی تشنگی کیا ہے

تصرف تشنہ کامان جنوں کا پوچھتے کیا ہو

کہ ٹھوکر ماردیں تو چشمۂ زمزم نکل آئے

عزیز ربانی صاحب اڈیٹر نئی دنیا "آپکے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ گوناگوں صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ بہت ہی ذہین اور فطین ہیں۔ اعلیٰ درجے کے مضمون نگار اور شاعر ہیں اور جو کچھ لکھتے ہیں قلم برداشتہ لکھتے ہیں مگر بہت بدقسمت ہیں اور اس بدقسمتی میں قوم کا زبردست ہاتھ ہے۔ وہ تھپکیاں دے رہی ہے اور آپ سو رہے ہیں۔ آپکو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کم ہے۔ کاش وہ اسے محسوس کرتے!

حضرت نازؔ جونپوری

شیخ ثروت حسین نام۔ نازؔ تخلص تھا۔ آپ فخر وطن حضرت حفیظؔ جونپوری کے شاگرد تھے۔ محلہ ڈھالگر ٹولہ شہر جونپور متقابل رلج کالج جونپور آپ کا مکان تھا۔ بہت زود گو اور پختہ مشق شاعر تھے۔ عربی و فارسی کے زبردست عالم تھے۔ پیدائش و وفات جونپور میں ہوئی۔ آپ کی قبر محلہ ڈھالگر ٹولہ فری اسکول اور امامباڑہ شیخ التفات حسین گھرؔ کے درمیان ہے۔ آپ چار غیر مطبوعہ دیوان چھوڑ گئے ہیں۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

کیا غریبوں کی طبیعت کیا غریبونکا مزاج
مہربانی آپ کی جو آپنے پوچھا مزاج

دیگر

بند اپنے ہاتھ سے درِ زنداں کئے ہوئے
جوشِ جنوں میں اف ترے وحشی کا چیخنا
دامن کو چاک تا بہ گریباں کئے ہوئے
پھرتے ہیں نازؔ کار نمایاں کئے ہوئے

بحر الکلام حضرت طرقؔ جونپوری

نام حافظ معین الدین تخلص طرقؔ خطاب بحر الکلام۔ تعلیم عربی فارسی اور اردو بقدر رواج زمانہ وطن آبائی شیراز ہند جونپور۔ زود گو۔ خوش گو۔ اور خوش فکر شاعر گوشہ نشین۔ تلمیذ سراج الملک حضرت حفیظؔ جونپوری تاج الشعرا حضرت نوحؔ ناروی قسام ازل نے جذبہ شعر و شاعری بدرجہ اتم عطا فرمایا تھا۔ محفل سماع کی شرکتیں اساتذہ کے مطالعے عموماً اور کلام حضرت آسیؔ غازیپوری نے خصوصاً اس جذبہ کو اچھی طرح ابھارا اور صحبت حفیظؔ و نوحؔ نے چار چاند لگا دیا۔ رنگ حفیظؔ اور بندش داغؔ کی جھلکیاں کلام میں نمایاں ہیں۔ شاعری کی اٹھان اور کلام کی خوبیاں دیکھکر حضرت افضل الدولہ مظفر الملک افضل علیخاں صاحب افضلؔ لکھنوی بے حد شفقت فرماتے

اور اپنے اہم "رسالہ منظر" میں خاص جگہ دیتے۔ آپ صاحب دیوان بھی ہیں "گلزار طریق" اور "نشتر غم" دو دیوان ہیں۔ چونتیس پینتیس برس پہلے ہندوستان کے تمام اچھے رسالوں اور اخباروں میں آپکا کلام شایع ہوا کرتا تھا کوئی صنف شاعری ایسی نہیں جس میں آپنے کامیاب طبع آزمائی نہ فرمائی ہو۔ زود گوئی ایسی کہ دریا کی روانی۔ خوش گوئی ایسی کہ دلوں کو مسخر کر لے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ ذوق و شوق عشق تصوف معرفت الٰہی کی طرف کھنچتا گیا۔ بقول خود

کمند عشق نے کھینچا ہے سوئے عرش مجھے
شعاع نور کی لڑیاں ہیں یا ہیں زنجیریں

اور اس عشق نے ایسا کھینچا اور ایسا گم کیا کہ شعر و شاعری کا یہ درخشندہ تارا قطعی گوشہ نشین ہو گیا۔ نمونتہً چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

اک ایک قدم پر پوچھتا ہے یہ دل بھی عجب دیوانہ ہے
اب ختم یہیں ویرانہ ہے یا آگے بھی ویرانہ ہے

وہ بازار محبت اور یہ کم مائگی اپنی
بڑھایا ہاتھ جس سودے پہ حسرت لٹ گئی اپنی

وصل دشوار طلب حوصلۂ دل ہے یہی
صبر ہوتا ہی نہیں عشق میں مشکل ہے یہی

جنت کے مزے لوٹے ساقی تری محفل میں
کچھ دیکھ لئے آنکھوں میں کچھ لیکے چلے دل میں

ماہ کیا چیز ہے خورشید میں وہ نور نہیں
دل میں وہ جلوے عیاں ہیں جو سر طور نہیں

طریق کی منزلت نہ پوچھو بندھا ہے رسوائیوں کا سہرا
عروسِ فطرت فریفتہ ہے وہ اسکو دولھا بنا کے مانگے

شری رام نریش ترپاٹھی جونپور میں عہد حاضرہ پر لکھنے والوں میں سب سے پہلا نمبر آپ کا ہے۔ آپ نے اپنے دیہاتی گیتوں سے ہندی ادب میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ آپ کے گیت برابر چھپتے رہتے ہیں۔

شری گرجا دت جی سُگل گریش آپ ہندی نظم و نثر دونوں پر عبور رکھتے ہیں۔ گیت جی کی کاویہ دھارا اور مہا کوی آری اودھ۔ ان دو تصنیفات کے علاوہ رسال بن۔ بہتا پانی۔ پریم کی کریڑا۔ بابو صاحب۔ باپ کی پہیلی اور جگنو بھی آپ ہی کے معاشرتی اور گھریلو زندگی پر لکھے ہوئے مضامین ہیں جو مقبولیت میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

شری راہانج داس دویدی آپ بھی عہد حاضرہ کے شاعروں میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ ایک عرصہ تک آپ نے اخبار "سمے" کی ادارت کے فرائض کو انجام دیا اور جونپور کی عدالتوں میں ہندی الفاظ کا استعمال آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

سری کرشن داس آپ بھی جونپور کی ذمہ دار ہستیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جونپور میں ہندی ادب اور تاریخ کا چرچا آپ ہی کے دم سے قائم ہوا۔ آپکا مصلحانہ قدم آپ کی تصنیفات میں رہبری کو تا نظر آتا ہے۔ آپ کی تصنیفات میں سے انگی انبتھ۔ کرانتی دوت سات راتیں۔ زلیخا۔ مارکس واد۔ گاندھی واد۔ جن کوی۔ تلسی داس ہماری ناٹیہ پرمپرا وغیرہ بہت مقبول ہیں۔ آپ ہمیشہ ہندی ادب کی بقا

و توسیع میں کوشاں رہتے ہیں۔ سیاسی اور ادبی حیثیت سے جونپور میں آپ محتاج تعارف نہیں ہیں۔

شری پرشوتم داس سریواستوا آپ ضلع جونپور کے موضع چھبیلے پور کے رہنے والے ہیں اور جونپور کے ادبی حلقوں میں روح رواں ممبر ہیں۔ "کبیر" پر آپ کی کتاب تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ اور آپ بھی ہندی ادب کی خدمت میں ہمہ تن مصروف نظر آتے ہیں۔

شری رام پرتاپ تریپاٹھی شاستری آپ جونپور میں علم سنسکرت کے مشہور عالم ہیں۔ آپ کی کئی تصنیفات سنسکرت میں موجود ہیں اور لوگ ان سے حسب دلخواہ استفادہ کر رہے ہیں۔

شری پال سنگھ چھیم آپ بھی ہندی ادب کے انمول رتن اور کئی تصنیفات کے مالک ہیں۔ آپ کی تصنیف میں جیون تری" نیلم جیوت۔ سنگھرش اور چھایا واد سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ بہت ہی ملنسار اور ذہین شخص ہیں۔

شری روپ نرائن تریپاٹھی آپ دیہاتی زندگی کے مصلح اور حقائق نگار ہیں۔ آپکی تصنیفات میں دھرتی کے سور۔ ماٹی کی مسکان نام کے دیہاتی گیتوں کے مجموعے مشہور ہیں۔

شری مارکنڈے آپ تحصیل کراکت ضلع جونپور کے رہنے والے ہیں۔ آپ کی مختصر کہانیاں بہت مقبول ہوئیں۔ ان کہانیوں میں محبت۔ ایثار۔ حوصلہ۔ بہادری۔ نیک نیتی اور پاکدامنی کے اچھے نمونے ہیں۔ آپنے طرز معاشرت کے ہر پہلوؤں کو اچھی طرح اجاگر کیا ہے

آپ کی تصنیفات میں پان پھول ۔ مہوے کا پیڑ ۔ ہنسا جائے اکیلا ۔ ماٹی کہانی سنگرہ ۔ پتھر اور پرچھائیاں ۔ سینبھل کے پھول وغیرہ شایع ہو چکی ہیں ۔

شری رویندر بھرمر آپ ہندی گیت نویسوں میں کافی مشہور ہیں ۔ آپکے قلم کی نغمہ ریزی کا ہر شخص معترف نظر آتا ہے بنشی نکھر کرد ۔ یگ دیوتا اور جاگو وغیرہ گیتوں کے سلسلے میں آپنے کافی نام پیدا کیا ہے ۔

شری رمیشور اپادھیا آپ بھی جونپور کے زندہ دل شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں آپنے اپنی ہندی نظموں کو اردو کی بحروں میں نظم کر کے ان میں چار چاند لگا دیے ہیں اور یہی آپکی مقبولیت کا سبب بھی ہے ۔

مذکورہ بالا شعرا کے علاوہ کچھ شعرا اور بھی ہیں جو ہندی ادب کے خادم اور فدائی ہیں اور اپنی کوششوں سے ہندی ادب کو ترقی دینے میں مصروف ہیں ان کے نام یہ ہیں :-

شری اکھلیش چند ۔ گنگا پرشاد ۔ سورج بلی سنگھ ۔ دگجیت سنگھ براگی ۔ بدھ ناتھ ۔ ہمانسو ۔ مدنیش ۔ پھول چند دویدی ۔ کوسومیش ۔ کوشل ۔ جناردن ۔ رادھے موہن سریواستوا ۔ لچھمی سہائے ۔ بنود کمار سنہا ۔ مدن موہن سریواستوا ۔ سورج بلی پانڈے ۔ اننت کشواہا ۔ اور برہم دیو صاحبان ۔

حکمائے جونپور

حکیم فریدالدین سرمست

آپ خواجہ جہاں ملک الشرق کے ہمراہ دہلی سے جونپور آئے اور شاہی طبیب کی حیثیت سے جونپور میں مقیم رہے۔ خواجہ جہاں کے بعد مبارک شاہ شرقی اور ابراہیم شاہ شرقی کے عہد میں بھی آپ موجود تھے۔ ابراہیم شاہ آپ کی بہت عزت کرتا تھا۔ آپ اعلیٰ درجے کے نباض اور قیافہ شناس تھے۔ آپکی وفات ۸۱۵ھ میں ابراہیم شاہ شرقی کے عہد میں ہوئی۔ آپ کی قبر محلہ ڈھالگر ٹولہ شہر جونپور میں میر رستم علی کے باغ کے اندر ہے تفصیل سے آپکا حال معلوم نہ ہو سکا۔ [۱]

حکیم سید محمد ابراہیم

آپ کا نام سید ابراہیم سلسلہ نسب آپ کا حضرت عباس علمبردار رضی اللہ عنہ تک سے ملتا ہے۔ آپ پندرہ سال کی عمر میں ۷۷۰ھ کو فیروز شاہ کے زمانے میں دہلی آئے۔ علوم ظاہری کی تکمیل مولانا ظہیرالدین سے کی۔ امیر تیمور کے حملے کے وقت آپ دہلی سے جونپور تشریف لائے۔ اور علوم باطنی کی تکمیل حضرت قاضی نصیرالدین

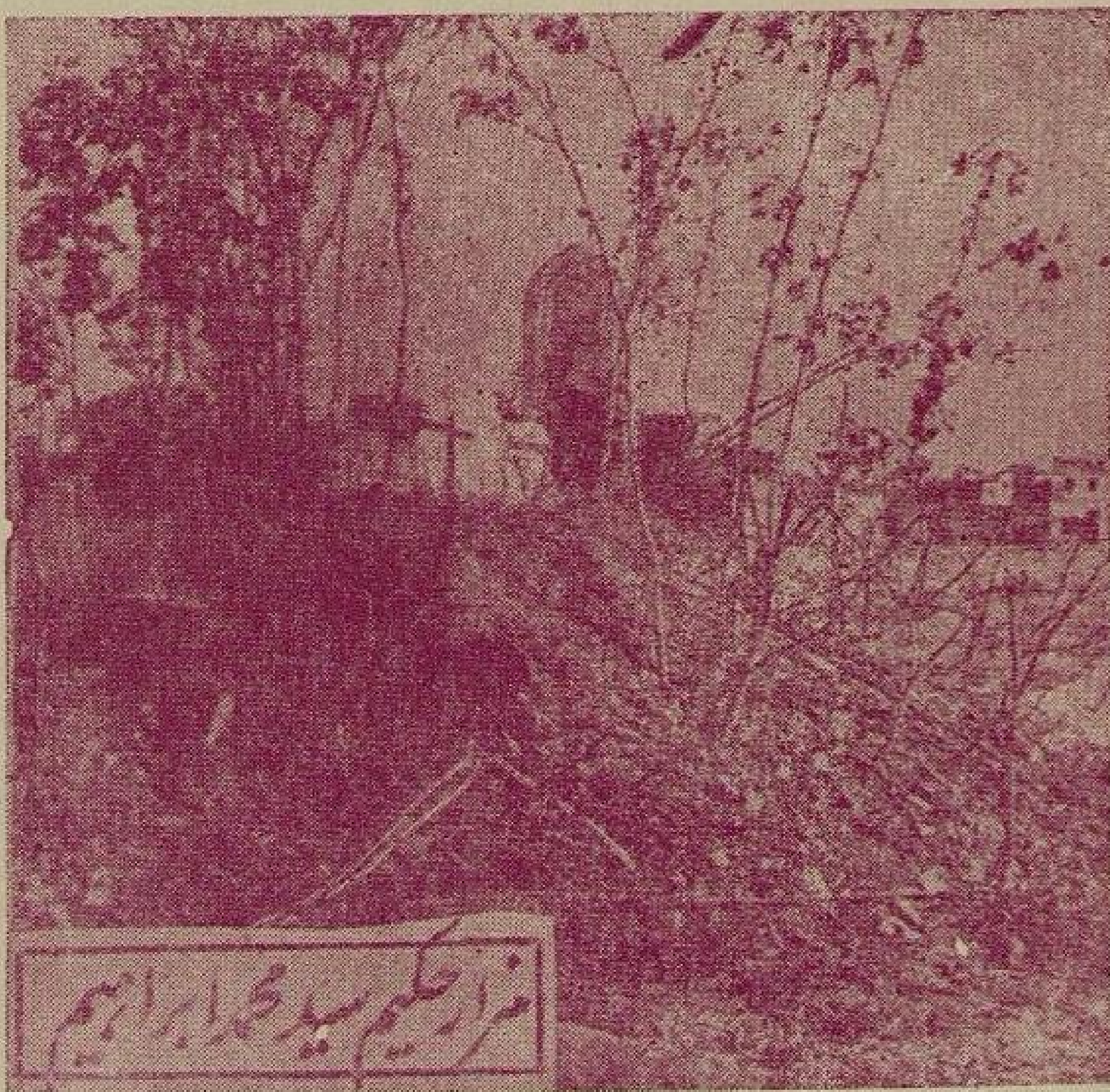
---

[۱] تجلیات العارفین

گنبدی جونپوری سے فرمائی آپ کو حضرت چراغ ہندؒ سے بھی محبت اور عقیدت تھی۔ آپ کی خدمت میں اکثر حاضر رہا کرتے۔ طب حضرت حکیم فریدالدین سرمست رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل فرمایا اور ابراہیم شاہ شرقی کا اپنے فنی کمالات کی وجہ سے اتنا تقرب حاصل کیا کہ بعد انتقال حکیم فریدالدین سرمست شاہی حکیم مقرر ہو گئے۔

آپ اعلیٰ درجہ کے قیافہ شناس اور ماہر فلکیات تھے۔ جڑی بوٹیوں کی شناخت اور انکے افعال و خواص کا اعلیٰ تجربہ رکھتے تھے۔ ہندی طب اور یونانی طب کی آمیزش کو آپ ہی نے رواج دیا۔ ابراہیم شاہ آپکی بہت عزت کرتا۔ مسجد اٹالہ کے متصل دکھن جانب قلعہ سے پورب ایک بلند جگہ پر آپکے قیام کے لئے ایک مکان و خانقاہ و مدرسہ تعمیر کرادیا۔ شب کے کھانے میں آپ کو دسترخوان پر اپنے قریب بٹھاتا جہاں بڑے بڑے قضاۃ۔ علماء فضلا اور معززین ہوتے۔ کھانے سے قبل مجلس مذاکرہ قائم ہوتی جس میں ہر امور پر بحث و مباحثہ ہوتا۔ اسکے بعد بہشت باغ کے حوض کے چبوترے پر جو سنگ موسیٰ سے تعمیر کیا گیا تھا کھانا چنا جاتا۔ ابراہیم شاہ علم دوست تھا۔ علما و فضلا فقراء کاملین کی بیحد عزت کرتا تھا۔ جب کوئی بزرگ ہستی تشریف لاتی تو محل کے دروازے تک استقبال کے لئے خود آتا۔

حکیم سید ابراہیم اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے خط نسخ، ثلث اور طغریٰ میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ آپنے فن خوشنویسی خطاط زمانہ حضرت قاضی شہاب الدین ملک العلما سے حاصل فرمایا۔ حضرت ملک العلما ہفت قلم تھے۔ اسکے علاوہ حکیم صاحب موصوف کو شعروشاعری سے بھی کافی لگاؤ تھا۔ آپ حسینؔ تخلص کیا کرتے تھے۔ عربی فارسی ہر زبان میں فی البدیہہ شعر کہتے: آپ کی وفات



مزار حکیم سید محمد ابراہیم

۱۷ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ میں ہوئی اور اپنے صحن خانقاہ میں دفن ہوئے[1]

حکیم حسام الدین

آپ عہد حسین شاہ شرقی میں جونپور کے اندر موجود تھے اور شاہی طبیب کی حیثیت سے دربار سے متمسک تھے۔ اس بارے میں تاریخیں خاموش ہیں کہ آپکے مورث کس بادشاہ کے عہد حکومت میں جونپور تشریف لائے۔ ملک سرور خواجہ جہاں سے لیکر عہد اکبری تک جونپور میں باہر سے علماء و فضلا آتے رہے۔ اور ابراہیم شاہ شرقی کے عہد میں تو امیر تیمور کے حملے کیوجہ سے جونپور میں اہل علم اور اہل فن حضرات کثرت سے آکر بس گئے تھے۔ گمان غالب ہے کہ حکیم حسام الدین کے آبا و اجداد بھی اسی زمانے میں آئے ہونگے۔

حکیم حسام الدین اپنی فنی صلاحیتوں کی وجہ سے شرقی دربار تک پہونچ گئے۔ حسین شاہ آپ کی بیحد عزت کرتا تھا اور آپ پر اعتماد و بھروسہ رکھتا تھا جب شرقی سلطنت کا آفتاب غروب ہوا اور بہلول لودھی نے جونپور پر قبضہ و تسلط کیا تو اسوقت بھی آپ موجود تھے۔ آپ کی سکونت جونپور کے محلہ جہانگیر آباد میں تھی اور وہیں مسجد سے متصل بعد وفات دفن ہوئے۔ قبر پختہ موجود ہے مزید حالات دریافت نہ ہو سکے۔

حکیم محمد کمال

آپ اکبر بادشاہ کے دربار میں طبیب تھے۔ منعم خاں

---

[1] حکیم سید ابراہیم کا مکان اور خانقاہ و مسجد محلہ ڈھالگر ٹولہ شہر جونپور میں تھا۔ مکان و خانقاہ مسمار ہو کر آراضی مزروعہ ہوگئی۔ مسجد بھی منہدم ہو کر اینٹوں کا ڈھیر ہوگئی۔ حکیم صاحب کا مزار شکستہ حالت میں موجود ہے۔ مزار کا کتبہ کہنہ سالی کی وجہ سے مٹ گیا ہے بالکل پڑھا نہیں جاتا۔ تصویر ملاحظہ ہو۔

خانخاناں جب علی قلی خاں کے بعد جونپور کے ناظم ہوئے تو حکیم محمد کحال کو جونپور میں سرکاری طبیب کی حیثیت سے طلب کر لیا۔ حکیم محمد کحال امراض چشم کے خصوصی ماہر تھے۔ آپ کے کمال کا چرچا بہت جلد دور دور پھیل گیا۔ معصوم خاں خانخاناں نواسۂ عبدالکریم خاں نے آپ کے دور کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ:۔

"آپ (حکیم محمد کحال) مسجد کے سامنے فرش لگا کر بیٹھتے تھے۔ غربا کو مفت اور امراء کو بقیمت دوا دیتے تھے۔ اس طرح روزانہ چار پانچ سو روپیے کی دوا فروخت ہو جایا کرتی تھی۔ ایک روز آپ کے گماشتوں نے کہا کہ آج تو چند سو روپیے آئے ہیں آپ نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ جونپور اب ویران ہو گیا اور یہاں سے اکبر آباد چلے گئے۔"

حکیم اولاد علی صاحب

آپ شاہ عنایت حسین کے نواسے تھے سنہ ۱۲۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور جب سن تمیز کو پہونچے تو تعلیم کی طرف رجوع کیا۔ اولاً مختصرات عربیہ اپنے یہاں کے بزرگوں سے پڑھیں بعدہ تحصیل علم کے لئے لکھنؤ تشریف لے گئے اور علمائے فرنگی محل سے کافی فیض حاصل کیا بعدہ علم طب میں حکیم مسیح الزماں کے شاگرد ہوئے۔ اور خلق خدا کی خدمت شروع کر دی سنہ وفات معلوم نہ ہو سکا۔ آپکی قبر جونپور میں ہے۔

حکیم شاہ ثناء اللہ صاحب

آپ شاہ بخش رحمۃ اللہ علیہ کے پسر متبنیٰ تھے۔ آپ کے دادا شاہ گدا صاحب عہد اکبری میں دہلی سے جونپور تشریف لائے اور اسٹیشن سے پورب

نہایت ہی پرفضا مقام پر قیام کیا۔ اکبر بادشاہ نے آپ کے لئے کافی جاگیر و وظائف دیا تھا۔ حکیم شاہ ثناء اللہ صاحب نے علوم دینی کا تکملہ ملا افضل سے کیا۔ آپ کو منطق و فلسفہ میں بھی کافی درک حاصل تھا۔ ابتدا ہی سے آپکا رحجان طبع مخلوق خدا کو نفع رسانی کا تھا۔ اسلئے طب کی بھی تکمیل کی۔ اور ضروری کاموں کے علاوہ تمام اوقات عبادت و ریاضت اور توجہ الی اللہ میں بسر کرتے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں خدا نے شفا بخشی تھی۔ نہایت توجہ اور شفقت سے علاج کرتے اور سب کو بلا امتیاز امیر و غریب مفت دوا دیتے۔ جب آپ کی کامیابی کا شہرہ عالمگیر بادشاہ تک پہونچا تو شاہی طبیب کی حیثیت سے آپ کو جونپور کے تمام سرکاری معالجہ کے لئے مامور کیا گیا اور مزید جاگیر و وظائف بھی دیے گئے۔ یہ تمام فرامین جان علی شاہ کے خاندان والوں کے پاس محفوظ تھے۔ سنہ ۱۹۳۶ء کے اچانک سیلاب میں برباد ہو گئے۔ آپکے ہاتھ کی لکھی ہوئی طب پر کئی قلمی کتابیں تھیں جس میں آپ کے مجرب و آزمودہ تیر بہدف نسخے تھے وہ سب سیلاب کی نذر ہو گئے۔

آپ نے شادی نہیں کی تھی، تا عمر مجرد رہے اسلئے رمضان علی شاہ کو پسر متبنیٰ قرار دیا تھا۔ آپ کی وفات سنہ ۱۷۰۸ء میں شاہ عالم بہادر شاہ اول کے عہد میں ہوئی۔ قبر تکیہ جان علی شاہ کی مسجد سے اتر پچھم کے کونے پر دروازہ جان علی شاہ سے متصل موجود ہے۔

حکیم سید حسن عرف حکیم مئوی آپ جونپور کے ایک قریبی موضع مئو کے رہنے والے تھے اور نواب وزیر عہد کے باکمال حکماء میں سے تھے۔ بہت بڑے نباض اور قارورہ شناس تھے۔ عہد انگلشیہ تک بڑی خوبی اور نیک نامی کے ساتھ اپنی خدمات انجام

دیتے رہے ۔ علاج کے سلسلے میں بہت دور دور تک بلائے جاتے تھے اور راجگان و نوابین کثرت سے علاج کرتے تھے ۔ دہلی کے مشہور طبیب حکیم اجمل خانصاحب کے ہمعصر تھے ۔ تشخیص امراض میں نبض و قارورہ سے زیادہ قیافہ سے کام کیا کرتے تھے جسکے یہ واحد ماہر تھے ۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اطبائے ہند کی دہلی میں کانفرنس منعقد ہوئی جسکے حکیم اجمل خانصاحب پریسیڈنٹ تھے ۔ ہندوستان کے گوشے گوشے کے حکما دہلی میں جمع ہوئے ۔ حکیم ممدوح بھی کانفرنس کی شرکت کیلئے دہلی گئے جب آپ حکیم اجمل خانصاحب کے پاس ملنے گئے تو وہاں بہت بڑے بڑے حکما پہلے سے موجود تھے ۔ آپ کو دیکھتے ہی حکیم اجمل خانصاحب کھڑے ہوگئے مصافحہ کیا اور بڑے اعزاز سے بٹھایا ۔ لوگوں کو آپکا قدیم لباس یعنی اچکن جسکے بٹن بھی سلیقہ سے بند نہ تھے، پگڑی اور پرانے طرز کا جوتا دیکھکر بہت تعجب ہوا ۔ حکیم اجمل خانصاحب سے اس خصوصی اعزاز کی وجہ دریافت کی ۔ آپنے فرمایا کہ آج یہاں جتنے لوگ آئے ہیں اس میں سے جو بہت ہی مشہور شخصیت کے مالک ہیں ان کے نسخے بھی میں نے منگوائے ہیں اور آپکے نسخے بھی میرے پاس ہیں ۔ آپ واحد شخص ہیں جنکے نسخے بہت درست ہیں اور ہر اول نسخہ آخری نسخہ ہے ۔

آپنے اپنی تمام جائداد طبابت کے سلسلے میں برباد کی ۔ آپکے یہاں دور دراز سے مریض آکر ٹھہرتے انکے لئے پرہیزی کھانے کا انتظام خود کرتے اور دوا بھی اپنے پاس سے دیتے ۔ غریبوں سے کوئی معاوضہ نہ لیتے ۔ بڑے بڑے راجاؤں اور نوابوں نے اشرفیوں سے بھری سینیاں پیش کیں مگر آپنے قبول نہ کیا ۔

آپ کی قابلیت اور شہرت کا یہ عالم تھا کہ ریاست حیدرآباد کے نواب عثمان علیخاں کے والد ماجد آپکو اکثر و بیشتر بلوایا کرتے تھے اور اس سلسلہ

سے حیدر آباد کے بہت سے دوسرے لوگ بھی استفادہ کیا کرتے تھے۔ آپ کی قارورہ شناسی کا یہ عالم تھا کہ ایک ٹھاکر نے آپکو قارورہ دکھایا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ تم نے بیل کا گوشت کھایا ہے۔ ٹھاکر کو بحد تعجب ہوا اور اس نے انکار کر دیا۔ اسکے انکار پر آپنے کہا تو تم نے کسی ایسی عورت سے مجامعت کی ہوگی جس نے بیل کا گوشت کھایا تھا۔ اس پر ٹھاکر نے گردن نیچی کر لی۔ اسی طرح جونپور کے اسٹیشن ماسٹر کی موت کا قصہ بھی مشہور ہے۔

ایک شخص اپنی بیوی کا قارورہ گھر سے لیکر چلا راستے میں قارورہ گر گیا اس نے اپنا قارورہ شامل کر لیا اور حکیم صاحب کے پاس حاضر ہوا۔ حکیم صاحب نے قارورہ دیکھتے ہی اس سے کہا کہ تمھارا علاج کردں یا تمھاری بیوی کا ہ

غرضکہ آپ کی قابلیت کے متعلق بہت سے ایسے ہی قصے مشہور ہیں۔

حکیم سید مجتبیٰ اقلی

یہ خاندان دہلی سے امیر تیمور کے حملے کے وقت فتح پور ہنسوا موضع کوڑا جہان آباد میں آکر آباد ہوا آپکے دادا قاسم علی دعباس قلی فرخ سیر کے عہد حکومت میں قاضی کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ کی سسرال جونپور کے محلہ سپاہ میں تھی۔ ابتدائی درسی کتابیں فتح پور میں پڑھیں اور اعلیٰ کتب درسیہ عربی فارسی منطق فلسفہ کی تکمیل حضرت مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی سے کی بعدہٗ طب کی تعلیم تاج الحکما جناب حکیم منے آغا مرحوم سے کی اسکے بعد جونپور چلے آئے اور محلہ سپاہ میں مطب شروع کیا۔ کچھ دنوں کے لئے کتب درسیہ اور طب کی تعلیم دینے کے کیلئے پورنیہ ضلع بہار میں بحیثیت مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے۔ وہاں سے واپسی پر ایک عرصہ تک بندگانِ خدا کی جونپور میں خدمت کرتے رہے۔

آپ اعلیٰ درجے کے حکیم تھے۔ نباضی و قارورہ شناسی میں ایک خاص

ملکہ حاصل تھا۔ ایک ہیضے کے مریض کے متعلق جونپور کے تمام اطبا کھانا دینے کے لئے تیار تھے مگر حکیم مجتبیٰ علی کا اصرار تھا کہ ابھی کھانا نہ دیا جائے۔ مریض کے اہل خانہ بھی مریض کو کھانا دینے کی موافقت میں تھے۔ حکیم صاحب نے مریض کا کھانا منگواکر لوگوں کو کھلا دیا اور فوراً مریض کو ایک قے ہوئی جس میں صفرا یعنی پت کا کچھ حصہ گرا۔ اب تمام لوگوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی اگر مریض کو کھانا دیا گیا ہوتا تو سب زہر ہو جاتا اور مریض رخصت ہو جاتا۔

آپ مزامیر کے زبردست ماہر تھے اور بڑے شوق سے بجاتے اور کہا کرتے کہ جو اس علم کو نہیں جانتا وہ کیا علاج کر سکتا ہے۔

حکیم ہدایت علی

آپ کے والد حکیم گوہر علی تھے۔ ابتدائی تعلیم کتب درسیہ عربی و فارسی جونپور میں پڑھی اور طب کی تکمیل حکیم بنا صاحب لکھنوی سے فرمائی جو طبیب شاہی تھے اور اودھ میں انکے کمال فن کا طوطی بول رہا تھا۔ حکیم ہدایت علی صاحب تمام امراض کا علاج بڑی کامیابی سے کرتے۔ مگر سرسام۔ جنون اور دماغی امراض میں کمال حاصل تھا۔ آپ کا مطب مچھرہٹہ (مصطفے آباد) میں تھا۔ علم فلکیات میں بھی کامل دخل تھا۔ بڑے ہی با اخلاق اور ملنسار تھے۔ غربا کا علاج مفت کرتے تھے اور نسخہ بہت ہی مختصر اور کم قیمت لکھتے تھے۔ اور آپ زیادہ تر علاج بالغذا فرماتے۔

ایکدفعہ ایک مریض سرسام میں تڑپ رہا تھا۔ حکیم صاحب اُسے دیکھنے تشریف لیگئے۔ مریض سے پوچھا۔ تمھاری خواہش کس چیز کے کھانیکی ہے مریض نے کہا کھیر کھاؤنگا۔ آپنے اُسے کھیر کھانے کی اجازت دیدی۔ حکم خدا کہ مریض کو نقصان کے بجائے فائدہ ہوا اور وہ تندرست ہو گیا۔

دوسرا واقعہ سدھاری ضلع اعظم گڈھ کا ہے کہ ایک مریضہ عبد الرحمن صاحب کے یہاں بخار میں مبتلا تھی۔ تمام ڈاکٹر و طبیب علاج سے عاجز آچکے تھے۔ آخر کار ان لوگوں نے آپ سے رجوع کیا۔ آپ نے حالات کا پورا جائزہ لینے کے بعد نہایت ہی نفیس کھانوں اور مرغن غذاؤں کو کھلانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی شربت انار استعمال کرایا۔ حکم خدا سے مریضہ صحتیاب ہوگئی اور اسکے بعد کئی بچے ہوئے اس قسم کے بہت سے علاج بالمثل کئے ہیں جن کی ان صفحات میں گنجائش نہیں۔

حکیم مراد علی جہانگیر آباد آپ کے والد کا نام حکیم تراب علی تھا جو جونپور کے بہت ہی مشہور و معروف طبیبوں میں تھے اور مولوی قائم علی صاحب رئیس کھیتہ سرائے کے طبیب خاص تھے۔ حکیم مراد علی صاحب نے علوم رسمیہ کی تعلیم جونپور ہی کے مختلف مدرسوں میں حاصل کی اور درس نظامیہ کا دورہ ختم کیا۔ اس کے بعد طب کی تکمیل حکیم بقا صاحب لکھنوی طبیب شاہی سے کی اور برسوں انکی صحبت میں رہکر تجربہ حاصل کیا۔ جب آپ کے کمال کا شہرہ ملک کے اندر پھیلا تو ریاست جمنڈا اسٹیٹ بہار کے راجہ نے آپ کو طلب کیا اور آپ طبیب خاص مقرر ہوگئے۔ راجہ کے انتقال کے بعد پھر جونپور چلے آئے اور کھیتہ سرائے میں اپنے والد کی جگہ پر مقرر کئے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حج بیت اللہ کی فکر دامنگیر ہوئی اور حج کیلئے تشریف لیگئے اور سات سال تک آپنے حدیث کا وہاں درس دیا۔ علم فقہ میں آپ کو اسدرجہ کمال حاصل تھا کہ مولوی ہدایت اللہ صاحب پیچیدہ فتوؤں کو آپ کے پاس بھیجدیا کرتے تھے اور آپ اسکو نہایت ہی آسانی سے حل کر دیتے تھے۔ آپ کی ذاتی صلاحیت اور اعلیٰ قابلیت کا یہ عالم تھا کہ جونپور کے ہمعصر علما آپ کے کمال علم کی بنا پر اکثر مسئلوں

کو دریافت کرتے اور اکثر و بیشتر آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرتے۔ آپکی تعمیر کردہ ایک مسجد مکان سے متصل محلہ جہانگیر آباد میں موجود ہے۔ آپکی قبر پشت عیدگاہ آم کے باغ میں ہے۔

حکیم کلن بیگم گنج

آپ جونپور کے ان حکیموں میں سے تھے جو تعلیم سے زیادہ تجربات پر حاوی تھے۔ حکیم کلن عربی فارسی کی زیادہ قابلیت نہ رکھتے تھے مگر ذہین بلا کے تھے۔ آپکو سب سے پہلا شوق جراحی سیکھنے کا پیدا ہوا۔ پھر اسکے بعد کیمیاوی نسخوں کی طرف مائل ہوئے اور علم طب سے شوق بڑھتا گیا۔ حکیم باقر حسین ولد حکیم عشرت علی ساکن محلہ دریبہ سے ربط ضبط زیادہ تھا۔ حکیم آغا صاحب حکیم محمد حی صاحب اور حکیم بنا صاحب وغیرہ کے نسخے لکھنؤ سے منگوا کر ان پر غور و خوض ہونے لگا۔ تھوڑے ہی عرصے میں حکیم صاحب موصوف اعلیٰ حکیموں کی صف میں آگئے۔ آپ مریضوں کا علاج ہمیشہ مفرد اجزا سے کرتے اور زیادہ تر تازہ بوٹیاں استعمال کراتے۔ شہر کے علاوہ بیرونجات سے بھی مریضوں کا تانتا بندھا رہتا۔ حکیم کلن کی مالی حالت اچھی نہ تھی اور نہ انھوں نے دوا کی قیمت سے فائدہ اٹھایا۔ صحتیاب ہونے کے بعد مریضوں نے البتہ کافی مدد کی۔ مشہور ہے کہ ایک دفعہ آپنے ایک ایسے مریض کا علاج کیا جسکے پیٹ میں کلیاں پڑ گئی تھیں جو کتوں کے جسم میں پڑتی ہیں۔ مریض کا معدہ چھلنی ہو گیا تھا۔ اور وہ زندگی سے ناامید ہو چکا تھا۔ حکیم صاحب نے مریض کو اسکی لاعلمی میں کتے کا گوشت کھلا دیا اور تھوڑی دیر بعد جب قے کرائی تو سب کلیاں باہر آگئیں اور پھر آسانی سے اسکو تندرست کر دیا۔ اس مریض نے اپنی خوشی سے حکیم صاحب کو کافی آراضی لکھ دی تھی جو حکیم صاحب کے پس ماندگان میں باقی رہی۔ حکیم ہادی حسن محلہ بیگم گنج حکیم صاحب کے قریبی رشتہ داروں میں ہیں اور اچھی تشخیص و معالجہ کیلئے مشہور ہیں

حکیم لیاقت علی صاحب

آپکے والد کا نام حکیم مراد علی تھا جب آپ سن شعور کو پہنچے تو ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں اسکے بعد درس نظامی کا تکملہ جونپور ہی میں فرمایا۔ آپ کو فلسفہ و منطق میں بھی کمال حاصل تھا اور علم ہیئت و نجوم میں بھی کافی دخل رکھتے تھے آپ حافظ و قاری بھی تھے اور آواز نہایت شیریں پائی تھی۔ اور بہت عمدہ قرأت کرتے تھے۔ جدید تعلیم علیگڑھ یونیورسٹی سے انٹرنس تک حاصل کی اسکے بعد طب کی تکمیل "حکیم محمود خاں صاحب دہلوی" سے فرمائی اور وہاں ہی کے مطب میں بحیثیت اسسٹنٹ چند سال تک خدمت انجام دیتے رہے۔

آپ زیادہ تر نوابوں اور رئیسوں کا علاج کرتے اور شاہانہ نسخہ لکھتے آخر عمر میں جونپور تشریف لائے اور مولوی محمد شکور صاحب رئیس مچھلی شہر کی طلب پر مچھلی شہر تشریف لے گئے۔ اور تیس ۳۰ سال تک وہاں بندگان خدا کو فیض پہنچایا۔ اسکے بعد جونپور میں رانی دھن دئی کنور کی ریاست میں طبیب خاص مقرر ہوئے اور ایک عرصہ تک اس خدمت کو نہایت حسن وخوبی سے انجام دیتے رہے آپکے بلند اخلاق اور کمال فن کی وجہ سے پنشن کے بعد بھی تا عمر پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا رہا۔ آپ کی وفات ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ قبر پس پشت عیدگاہ اپنے آبائی آم کے باغ میں حکیم مراد علی کے پائنتی دفن ہوئے۔

حکیم فتح محمد راسمنڈل

آپ کی ولادت ۱۸۵۵ء میں جونپور میں ہوئی آپکے والد کا نام حکیم رجب علی تھا جو ایک مشہور پہلوان بھی تھے۔ ابتدائی تعلیم عربی و فارسی مولوی امام بخش عرف مولوی بھگو خاں بلوہ گھاٹ سے کی اور طب کی تکمیل بھی مولوی صاحب موصوف سے کی۔ علم جفر مولوی زائر حسین صاحب چترساروی سے حاصل فرمایا

آپ جونپور کے مشہور حکیموں میں سے تھے اور تمام امراض کا کامیاب علاج کرتے تھے مگر تپِ دق میں آپ کو خاص مہارت تھی۔ سیکڑوں مایوس اور ناامید تپِ دق کے مریض آپ کے ہاتھ سے صحتیاب ہوئے۔ فصد کھولنے میں بید ماہر تھے۔ نواب عبدالجلیل صاحب اور نواب عبدالمجید صاحب کے خاص طبیب تھے۔ اور گھر کے ہر چھوٹے بڑے بیمار ونکو دیکھنے برابر پیلی کوٹھی بنارس جایا کرتے تھے سنہ ۱۹۲۱ء میں وفات پائی۔ محلہ راسمنڈل گھری کے امامباڑہ میں دفن ہوئے۔ مزید حالات معلوم نہ ہوسکے۔

حکیم رجب علی جونپوری

آپ کے والد کا نام حکیم تراب علی تھا۔ یہ خاندان شرقی دور میں کشمیر سے علم وفن کا شہرہ سن کر جونپور آیا اور آباد ہوگیا۔ یہ لوگ عرصہ دراز تک شاہی طبیب تھے۔ حکیم رجب علی نے علوم درسیہ جونپور ہی میں پڑھا اور طب کی تکمیل کیلئے دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی سے واپس آکر باقاعدہ طبابت شروع کردی اور اپنے فن سے لوگوں کو بہت فیض پہونچایا۔ آپ اعلیٰ درجے کے نباض اور قیافہ شناس بھی تھے۔ مریضوں کی شکل دیکھکر تمام حال بیان کردیتے اور نسخہ لکھ دیتے۔ آپکی شہرت کافی دور دور تک ہوگئی تھی اور بیرونجات سے کافی لوگ علاج کے لئے حاضر ہوتے۔

آپ اعلیٰ درجے کے پہلوان بھی تھے اور بہت وجیہہ شکیل بھی تھے ایک ساتھ دس دس بارہ بارہ شاگردوں کو زور کراتے تھے۔ آپ نے پالکی کے علاوہ کسی دوسری سواری کا استعمال نہیں کیا۔ بعض معتبر لوگوں کا بیان ہے کہ آپ کی شہرت سن کر نواب واجدعلیشاہ آخری تاجدار اودھ نے آپکو اپنے علاج کے لئے طلب کیا اور آپ نے اُن کا علاج کیا۔

حکیم مدار بخش

آپ نے عربی و فارسی کی کتابیں جونپور ہی میں پڑھیں حکمت و جراحی بڑے بڑے استادوں سے حاصل کیا آپ اپنے فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بہت سے لوگ آپ کے شاگرد ہوئے آپ علاج زیادہ تر غذاؤں اور چھوٹے چھوٹے چٹکلوں سے کرتے تھے۔ جو نسخہ ایک دفعہ لکھدیتے وہی اول و آخر ہوتا تھا۔ غربا کو اپنے دواخانہ سے مفت دوا دیتے تھے۔ فن جراحی میں بھی دخل کامل تھا۔ خطرناک سے خطرناک زہریلے پھوڑوں کا اور لاعلاج زخموں کا بڑا کامیاب علاج کرتے۔ آپ نے مخلوق خدا کو بہت فیض پہونچایا۔ ایک عرصہ دراز گزرنے کے بعد بھی لوگ آپ کو بڑی عزت و احترام سے یاد کرتے ہیں اور کمالِ فن کا چرچا ہوتا رہتا ہے۔

حکیم مولا بخش

آپ محلہ دیوان شاہ کبیر عرف تاڑتلہ کے رہنے والے تھے اور حکیم مدار بخش کے بیٹے تھے۔ ابتدائی کتابیں عربی فارسی مولوی باب اللہ خالصاحب سے پڑھا اور طب کی تعلیم اپنے والد حکیم مدار بخش صاحب سے کی۔ آپکا مطب محلہ تاڑتلہ میں تھا۔ اپنے وقت کے بہت ہی صاحب فن اور نباض حکیم تھے۔ نسخہ زیادہ تر مختصر ہوا کرتا تھا۔ جونپور میں بہت سے آپکے شاگرد ہوئے جن میں غلام نبی اور حکیم عبد الحمید قابل ذکر ہیں۔ آپکو امراض اطفال اور قوت باہ میں خاص ملکہ تھا کہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

آپکے دور کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مریض کی آنت اتر آئی تھی جسکی وجہ سے وہ تڑپ رہا تھا۔ حکیم صاحب نے مریض کے روبرو بہت سی مکھیاں پکڑکر ملیں جس سے اُسے ابکائی آئی اور آنتیں چڑھ گئیں۔ اسکے بعد اسکا کامیاب علاج کردیا کہ اُسے پھر دورہ نہ ہوا۔

فیل پا وغیرہ کے جو مریض آپکے ہاتھ سے شفایاب ہوتے پھر مرض

عود نہیں کرتا تھا۔ کھچڑی کے بعد ہفتہ میں دو بار قے کرلتے۔ نوابوں اور راجاؤں کے علاج کے لئے خاص طور پر جاتے تھے۔ آپ اعلیٰ درجے کے نباض اور فصّاد تھے۔ بڑے بڑے حکیم آپکی قابلیت و صلاحیت کالوہا مانتے تھے۔ آپ کو نسوانی علاج میں بھی کمال حاصل تھا۔ آجتک لوگ آپکو یاد کرتے ہیں۔ آپکی تعمیر کردہ ایک مسجد مکان سے متصل ہے جسکی تعمیر میں اور دوسرے لوگ بھی شریک تھے۔

حکیم میر محمد جان ترمذی حمام دروازہ آپ محلہ حمام دروازہ کے رہنے والے تھے اور فن طب جونپور ہی کے استادوں سے حاصل کیا تھا۔ ہاتھ میں ایسی دست شفا تھی کہ مطب ہر وقت مریضوں سے بھرا رہتا۔ جو مریض آتا شفایاب ہی ہو کر جاتا۔ آپ مریضوں سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے اور نہ حالات پوچھتے تھے۔ پہلا نسخہ آپ کا آخری نسخہ ہوتا۔ آپ کی اولادوں میں میر علی ضامن صاحب ترمذی اور میر علی اصغر صاحب تحصیلدار مرحوم تھے جنھوں نے آبائی فن کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

حکیم رمضان علی عرف حکیم کلو آپ محلہ خواجگی ٹولہ جونپور کے رہنے والے اور حکیم بخش اللہ کے لڑکے تھے۔ اصل سکونت مرزا پور تھی نواب وزیر کی حکومت میں ترک سکونت کرکے جونپور آکر آباد ہو گئے۔ طب کی تعلیم حکیم مولا بخش صاحب ناڑتلہ سے فرمائی۔ آپکا مطب محلہ خواجگی ٹولہ میں تھا۔ نسخہ کم قیمت اور مختصر ہوتا تھا۔ فن جراحی میں خاص ملکہ حاصل تھا اور ہر مرض کا نہایت کامیابی سے علاج کرتے تھے زہریلے پھوڑوں اور خطرناک زخموں کے علاج کیلئے مریض دور دور سے آتے

تھے اور شفایاب ہوتے تھے۔ آپ مریضوں کے ساتھ بہت ہی شفقت اور پیار سے پیش آتے تھے۔ وفات آپکی ۲۶ رجمادی الثانی سنہ ۱۳۳۴ھ میں ہوئی اپنی مسجد کے صحن میں دفن ہوئے۔ حکیم ظہیر الدین آپکے صاحبزادے بقید حیات ہیں۔

حکیم حافظ احمد علی ندوی

والد کا نام حکیم لیاقت علی تھا۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد اور خاندان کے دوسرے لوگوں سے پڑھیں اور تکمیل علوم مدرسہ ندوۃ العلما لکھنؤ سے فرمایا آپ بہت ہی ذہین تھے۔ حافظ مولانا قدرت اللہ جونپوری سے فرمایا۔ طب کی تکمیل لکھنؤ میں حکیم وہاج الحق بانی وہاجیہ کالج فرنگی محل کا پل لکھنؤ سے کی۔ کھیتا سرائے میں آکر مطب کیا اور بہت کامیاب رہے۔ آپکی شہرت اس درجہ ہوئی کہ دور دراز سے مریض آکر شفایاب ہوتے۔ آپکا رجحان تصوف کی طرف زیادہ تھا اسلئے شاہ کاظم صاحب کاکوروی سے بیعت تھے۔ آپکی وفات سنہ ۱۳۳۹ھ میں ہوئی اور آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

حکیم امیر علی ادیب

آپ سنہ ۱۸۷۳ء میں جونپور میں پیدا ہوئے۔ حکیم ہدایت علی صاحب کے لڑکے تھے ابتدائی تعلیم عربی و فارسی مدرسہ حنفیہ میں حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری سے حاصل کی اور طب تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے پڑھا۔ ایک عرصہ دراز تک مرزاپور اعظم گڈھ۔ بلیا۔ بنارس۔ دھنباد اور گیا میں اپنے کمال سے لوگوں کو فیض پہونچاتے رہے۔ ہزاروں مریض شفایاب ہوئے۔ خاندانی مجربات آپکے پاس بہت تھے جس سے خلق خدا کو کافی فائدہ پہنچایا۔ آپکا نسخہ والد کی طرح بہت مختصر ہوتا تھا۔ مزاج میں تلون ہونیکی وجہ سے کہیں جم نہ سکے اور غالباً یہی وجہ

ہے کہ بحیثیت طبیب آپ زیادہ شہرت حاصل نہ کرسکے۔

آپ بہت ہی با اخلاق اور رحم اور مروت سے بھرپور تھے۔ سب سے ہنسکر کلام کرتے اور باوجود غمگینی اور پریشانی کے بھی آپکے چہرے سے اسکا اظہار نہ ہوتا تھا۔ ۱۵ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۷ء کو آپکا انتقال ہوا اور حمزہ چشتی کے آستانۂ مبارک کے قرب میں دفن ہوئے۔

حکیم مولانا قیام الدین مرحوم

آپنے ابتدائی تعلیم جونپور ہی میں حاصل کی۔ آپ زبردست شاعر بھی تھے مفصل حال تذکرہ شعرا میں ملاحظہ ہو۔ طب کی تکمیل حکیم عبدالعلی صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے کی اور جونپور میں طبابت شروع کی۔ تمام امراض کا کامیاب علاج کرتے تھے۔ آپ آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ آپکی تشخیص بہت عمدہ تھی اور بہت معرکے کا علاج کرتے تھے۔ ایک سول سرجن جونپور نے آپ کا علاج خود کیا اور تندرست ہونے کے بعد بہت مریضوں کو آپکے پاس بھیجا اور سب تندرست ہوئے۔

آخر وقت میں بنگال چلے گئے اور دس سال طبابت کرنے کے بعد بنگال ہی میں آپ کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

حکیم سید احمد حسن نونہروی

اصل وطن نونہرہ ضلع غازیپور میں تھا ابتدائی کتابیں عربی فارسی گھر ہی پر پڑھیں اسکے بعد درعلوم کا تکملہ لکھنؤ میں فرمایا۔ اسکے بعد تاج الحکماء حکیم مینے آغا صاحب مرحوم لکھنوی سے طب پڑھکر سند حاصل کی اور وطن چلے گئے۔ جونپور کے محلہ سپاہ میں قاضی گھرانے میں رشتہ داری تھی اور آپ کا لڑکا یہیں تعلیم حاصل کررہا تھا اس لئے غازی پور کی سکونت ترک کرکے

جونپور چلے آئے اور محلہ سپاہ میں مطب قائم کرلیا۔

آپ حکیم منظور احمد صاحب جونپوری کے ہم سبق اور حکیم منے آغا مرحوم کے آخری دور کے شاگردوں میں تھے۔ جب انکی عمر اسّی نوّے سال ہوچکی تھی۔ مرحوم نے ان لوگوں کو آخری شاگرد سمجھکر تمام خاندانی اور اسرار ی نسخوں سے مالا مال کردیا۔ حکیم سید حسن بلا کے ذہین تھے۔ نبّاضی اور قارورہ شناسی میں خاص مقام حاصل تھا۔ مگر مریضوں کے علاج میں بعض اوقات اپنے مزاج پر قابو نہ پاسکتے۔ اگر کسی مریض نے آپکی ہدایت کے خلاف عمل کیا یا بتائی ہوئی غذا کے علاوہ دوسری چیزیں استعمال کرلیں تو نسخہ پھاڑ کر پھینک دیتے اور اسکا علاج نہ کرتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ فطرتاً جھلّے واقع ہوئے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک مریضہ نے پوچھا کہ ہم چٹنی کھا سکتے ہیں۔ آپنے اسکا نسخہ پھاڑ کر پھینکدیا۔ اسی طرح ایک شخص قارورہ لانا بھول گیا آپنے اسکو واپس کردیا۔ اسی طرح کے اکثر واقعات مطب میں پیش آیا کرتے۔ چونکہ تشخیص اور طریقہ علاج اچھا تھا اسلئے کچھ مریض مطب میں اسکے باوجود بھی آتے رہتے۔

جب آپکے لڑکے نے سلطان المدارس لکھنؤ سے سند حاصل کر کے پاکستان میں ملازمت کرلی تو آپ بھی جونپور سے پاکستان تشریف لیگئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

حکیم مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ مجتہد جونپوری

آپ کا تعلق لکھنؤ کے حضرت غفرانمآب طاب ثراہ سے ہے اور وہی وطن مالوف بھی ہے۔ آپ عراق سے سند اجتہاد حاصل کرنے کے بعد نجف اشرف میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے اور کافی مدت تک عراق میں قیام کیا یہانتک کہ ایک شادی بھی وہیں کی۔

آپ شروع ہی سے طب کے شائق تھے۔ عراق کی یونیورسٹی میں حکمائے یونان کی طبی کتابوں کے مطالعہ کا نادر موقع ہاتھ آیا جس سے آپکا طبی ذوق اور بھی مستحکم ہو گیا۔ طب کی تکمیل کا شوق اسدرجہ بڑھا کہ عراق سے واپس آنے کے بعد حکیم محمد حی صاحب لکھنوی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا جنکے کمال کی ہندوستان میں شہرت عام تھی۔ اور تاج العلما حکیم منے آغا مرحوم جیسے شاگرد حلقہ درس میں شامل تھے۔ آپکی غیر معمولی قابلیت دیکھکر حکیم محمد حی صاحب نے بڑی توجہ سے تعلیم دی اور طب کے تمام اسرار و رموز سے آگاہ و باخبر کیا۔ اسکے بعد آپ جونپور تشریف لائے اور مستقل سکونت اختیار کر لی۔

آپ کا علاج سستا نہ ہوتا تھا اسی لئے مریضوں کی بھیڑ آپکے مطب میں نہ ہوتی۔ آپ زیادہ تر اونچے طبقے کے مریضوں میں جی لگاتے جو قیمتی دوائیں بلاتکلف استعمال کر سکے۔ یوں تو آپکو تمام امراض کے علاج میں مہارت تھی مگر ذیابیطس ضعف باہ۔ نامردی اور بچوں کے سوکھے کا حتمی علاج کرتے تھے۔ مریضوں سے محبت اور شفقت سے پیش آتے اور خود بھی بااخلاق اور ملنسار تھے۔ خورد و کلاں کی یکساں عزت کرتے۔ علم کے سمندر تھے فقہ و تفسیر میں آپکی قابلیت عراق کے مجتہدین مانتے تھے۔ آپکے پاس نادر کتابوں کا ایک ذخیرہ تھا جو آپکے بعد ضایع ہو گیا۔ آپ کو جونپور سے اتنی محبت ہو گئی تھی کہ یہاں سے پھر کہیں نہ گئے اور یہیں آپ کا انتقال بھی ہوا۔ قبر صدر امام باڑہ کے اندر پوربی دروازے سے ملحق ہے۔

حکیم سید غلام نبی

آپ نے ابتدائی کتابیں کتب درسیہ عربی و فارسی اپنے والد مولوی مراد اشرف صاحب سے پڑھیں اسکے بعد منطق و فلسفہ درس نظامی اور طب کا تکملہ دیگر علمائے جونپور اور حکماء سے فرمایا۔ آپ بلا کے ذہین تھے اور فن طبابت پر پورا عبور تھا۔ بڑے حاذق

اور نباض تھے۔ آپکا اخلاق بہت وسیع تھا اور فیس کے معاملہ میں بہت بے نیاز تھے۔ قیافہ شناسی میں بھی بہت بلند مرتبہ تھا آپکی قابلیت کی اسقدر شہرت ہوئی کہ لوگ دور دور سے علاج کے لئے حاضر ہوتے اور شفایاب ہوتے تھے آپ جونپور کے حکاموں اور رئیسوں کا علاج کرتے تھے۔

آپ کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ جونپور کے ایک انگریز حاکم اعلیٰ کی بیوی بہت بیمار تھی جسکے علاج سے تمام ڈاکٹر اور حکیم عاجز آچکے تھے۔ اس نے آخر میں آپ سے رجوع کیا۔ آپنے اسکا نہایت کامیاب علاج کیا اور وہ صحتیاب ہوگئی۔ انگریز نے اس خوشی میں کافی مال وزر پیش کیا مگر آپنے لینے سے انکار کر دیا۔ آخر کار اس نے آپکو صدر الصدور کے عہدے سے سرفراز کیا۔ کچھ دنوں بعد وہ انگریز حاکم اعلیٰ انگلینڈ واپس چلا گیا اور اسکی بیوی پھر کسی وجہ سے بیمار ہوگئی۔ وہاں کے تمام ڈاکٹروں نے علاج کیا مگر صحت نہ ہوسکی۔ اس نے پھر جونپور کے انگریز حاکم کو لکھا کہ حکیم غلام نبی کو فوراً انگلینڈ بھیجدیا جائے۔ آپنے انگلینڈ جانے میں پس و پیش کیا مگر آخر میں مجبوراً جانا پڑا۔ وہاں دو ماہ رہکر علاج کیا جب مکمل صحت ہوگئی تو آپ واپس آئے۔ اس انگریز نے جونپور کے حاکم کو لکھا کہ سید غلام نبی کو قاضی جونپور مقرر کیا جائے۔ اور آپنے تمام عمر خدمت قضا انجام دی۔ آپکے بعد آپکے لڑکے قاضی سید سلامت علی اس عہدے پر مامور ہوئے اور اس وقت سے یہ خاندان قاضی خاندان مشہور ہوا اور آج بھی وہ دالان کچہری اور اسی سے متصل جیل شکستہ حالت میں موجود ہے جہاں مقدمات کے فیصلے ہوتے تھے اور سزائیں سنائی جاتی تھیں۔ یہ واقعات غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے کے ہیں

حکیم جان علی شاہ جونپوری

آپ رمضان علی شاہ کے لڑکے تھے۔ پیدائش ۱۸۱۵ء میں ہوئی۔ عربی و فارسی

کی کتابیں علمائے جونپور سے پڑھیں اور یہیں پر طب کی بھی بقدر ضرورت تکمیل کی آپکی طبیعت فقر و درویشی کی طرف مائل تھی۔ برسوں صوفیہ اور بزرگان دین کی صحبتوں میں بسر کیا اسکے بعد اپنی آبائی تکیہ پر مستقل مقیم ہوگئے اور مخلوق خدا کو فیض پہنچانا شروع کر دیا۔ آپ زبردست عامل تھے اور تمام امراض آسیب اور ارواح خبیثہ کا قوت روحانی کے ذریعے علاج کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ بحیثیت حکیم شہرت عامہ حاصل نہ کر سکے حالانکہ آپ بہت کامیاب حکیم تھے۔ آپکے یہاں مریضوں کی ہر وقت بھیڑ لگی رہتی تھی اور لوگ دعا اور دوا کے لئے دور دراز سے آتے تھے۔

حکیم صاحب بہت با اخلاق اور ملنسار تھے۔ بڑی نام آوری اور شہرت حاصل کی تھی۔ آپکا انتقال ۱۹۱۰ء میں ہوا اور آبائی تکیہ جانعلی شاہ متصل اتر طرف دفن ہوئے۔ قبر موجود ہے۔ مسجد سے اتر پچھم متصل تین قبریں ایک قطار میں ہیں جسمیں پچھم طرف پہلی قبر بخشش شاہ کی ہے اور دوسری گدا شاہ اور تیسری جان علی شاہ کی ہے۔ ان قبروں کی چہار دیواری پختہ ہے اور بیچ میں خام مگر اب چہار دیواری گر رہی ہے۔ اگر لوح مزار کندہ کرا کے لگا دیا جائے تو زائرین اور سیاح حضرات کے لئے آسانی ہو۔

حکیم عبد العزیز جونپوری

آپنے ابتدائی کتابیں علمائے جونپور سے پڑھیں اور درس نظامی کا تکملہ علمائے فرنگی محل سے فرمایا۔ ابتدا ہی سے طبیعت طب کی طرف مائل تھی۔ اسلئے منطق اور فلسفہ کی طرف پوری توجہ دی۔ حکمت کی تکمیل حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ سے فرمایا۔ حضرت آسی صاحب قبلہ بہت بڑے تجربہ کار اور حاذق طبیب تھے اور خدا نے آپکے ہاتھ کمال شفا بخشی تھی۔ آپنے اپنے شاگرد خاص

حکیم عبدالعزیز پر بھی خاص مہر و محبت کی نگاہ ڈالی۔ اور تمام تجربات کا گنجینہ بنا دیا۔ حکیم عبدالعزیز صاحب کا بھی مطب خانقاہ رشیدیہ میں تھا۔ آپ ہر مرض کا نہایت کامیاب علاج کرتے تھے اور نسخہ بھی کم قیمت اور مختصر ہوتا تھا۔ آج بھی لوگ آپکی ذہانت اور تجربات کے تذکرے کرتے ہیں۔ آپ بہت با اخلاق اور ملنسار تھے۔ ہر شخص پر شفقت و محبت کی نظر رکھتے اور امیر و غریب سے یکساں برتاو رکھتے۔

ٹھاکر شیو سہائے سنگھ وید

آپ موضع بچھ گھر تحصیل منڈیاہوں کے رہنے والے تھے۔ جونپور ہی میں تعلیم حاصل کی اور بڑے بڑے ویدوں سے تحصیل علم کر کے خود بھی جونپور کے بہت بڑے وید بن گئے۔ آپ اعلیٰ درجے کے قیافہ شناس تھے لوگوں کی نبض بہت کم دیکھتے۔ محض چہرہ دیکھکر مرض بتا دیا کرتے تھے۔ مزاج میں چڑچڑاپن اور غصہ بہت تھا۔ ذرا ذرا سی بات میں مریضوں کو ڈانٹ دیا کرتے۔ چھوٹے بڑے کا لحاظ بھی کم کرتے۔ ہر مرض کا نہایت کامیاب اور کم خرچ علاج کیا کرتے

جونپور کے ایک انگریز جج کی بیوی کو بچہ کی ولادت میں بہت دشواری پیدا ہو گئی تھی۔ جونپور اور بنارس کے تمام ڈاکٹر عاجز آچکے تھے۔ آخر کار وید جی تشریف لے گئے۔ آپ کی وضع قطع چال ڈھال دیکھ کر تمام ڈاکٹر ہنس رہے تھے۔ آپنے جج صاحب سے چند سوالات کئے اور کہا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں بہت آسانی سے بچہ پیدا ہوگا۔ دائی کو بلوا کر کچھ سمجھایا اور کچھ ترکیبیں بتائیں تھوڑی دیر میں بلا دوا اور علاج صحیح سالم اور تندرست بچہ پیدا ہو گیا۔ تمام ڈاکٹر متحیر ہو کر منہ دیکھتے رہ گئے۔

ایک مریض کے پیٹ میں مینڈک کے بچے پیدا ہو گئے تھے۔ وہ جاں بلب

ہو رہا تھا۔ تمام اطبا علاج سے ہمت ہار چکے تھے۔ اس مریض نے ویدجی سے رجوع کیا۔ ویدجی نے کہا تمھارا علاج مدار کا دودھ ہے۔ اس نے ویدجی کے مکان کی پشت پر لگے ہوئے مدار کے درختوں میں سے مقدار سے زیادہ دودھ نکال کر پی لیا اور وہیں بیہوش ہوگیا۔ آپنے دیکھتے ہی کہا کہ دودھ زیادہ پی گیا ہے اور اسکی دونوں ٹانگیں اوپر کرکے لٹکا دیا۔ تھوڑی دیر بعد مریض کو ایک بہت بڑی قے ہوئی اور بہت سی مینڈکیاں گریں اور اسکو ہوش آگیا پھر اسکے بعد مدار کے دودھ کا مُصلح استعمال کرا کے تندرست کردیا۔ آج تک لوگ آپکے تجربات اور علاج قصے کہانی کی طرح سنتے اور سُناتے ہیں۔

آپ غریبوں اور راجہ مہاراجاؤں سب کا علاج جی لگا کر کرتے۔ نوّے سال کی عمر میں آپنے انتقال کیا۔ آپنے کئی اولادیں چھوڑیں مگر کسی نے اپنے آبائی فن کو باقی نہ رکھا اور ویدجی کے تمام دیرینہ تجربات ہمیشہ کے لئے گنگا ندی کی نذر ہوگئے۔

رام ناتھ وید گجین پور

قوم کایستھ سریواستوا۔ آپنے شروع میں اپنے یہاں کے پنڈتوں سے پڑھا اسکے بعد کلکتہ چلے گئے۔ چونکہ بہت ذہین تھے اسلئے تھوڑے ہی عرصہ میں آیورویدک کے اندر کافی مہارت حاصل کرلی اور ایک عرصہ تک علاج کرتے رہے۔ وہاں کی آب وہوا موافق نہ آئی اسوجہ سے اپنے وطن گجین پور واپس چلے آئے اور راوریہاں ایک دواخانہ کھولدیا۔ آپکی مہارت کا اسدرجہ چرچا ہوا کہ دور دور سے لوگ علاج کے لئے آپکے پاس آنے لگے۔

آپ مریضوں کی شکل وصورت دیکھتے تشخیص مرض کردیا کرتے تھے اور پیچیدہ سے پیچیدہ امراض کا بہت کامیاب علاج کرتے۔ ہیضے کے ایک



الحاج حکیم منظور احمد

مریض کو جو اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا آپنے اسکی حالت اور کیفیت دیکھکر ایک دوا کے ساتھ دودھ اور پوڑی کھلایا اور مریض صحتیاب ہوگیا۔ آپ کی قابلیت اور مہارت اسدرجہ مسلم تھی کہ مرنے کے بعد آجتک لوگ تشخیص اور علاج کا تذکرہ کیا کرتے ہیں۔ آپکا انتقال ۱۹۴۳ء میں ہوا اور وہیں پر سپرد گومتی کئے گئے۔

الحاج حکیم منظور احمد سبزی بازار

آپکے والد کا نام حافظ نذیر احمد تھا جو اپنے وقت کے بہت ہی قابل حکیموں میں سے تھے مگر بحیثیت حکیم زیادہ روشناس نہ ہوسکے۔ حکیم منظور احمد نے اپنا بچپن بہت غربت میں بسر کیا مگر چونکہ علم مقدر میں تھا لہذا غربت کے باوجود آپنے تحصیل علم سے منہ نہ موڑا۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حضرت مولانا اسحاق صاحب، مولوی منصب علی صاحب۔ حضرت مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب جونپوری سے حاصل کی اور طب کی تکمیل لکھنو جاکر تاج الحکما جناب حکیم مینے آغا صاحب فاضل لکھنوی سے فرمائی اور اجازہ لیکر ۱۹۲۷ء میں جونپور آئے اور اپنے مکان پر طبابت شروع کی۔ لکھنؤ کے قیام کے دوران آپنے طب کی اکثر کتابیں حکیم مظفر حسین و حکیم محبن صاحبان سے پڑھیں اور طبیہ اور واجبیہ کالج میں جاکر مطب کے تجربات حاصل کرتے رہے۔ غرضکہ آپنے علوم کی تحصیل میں شروع سے آخر تک بڑی محنت و مشقت سے کام لیا۔ چونکہ آپ فطرتاً ذہین واقع ہوئے تھے اکثر کتب درسیہ وغیر درسیہ کو زبانی یاد کرلیا تھا۔ چھٹی کے بعد استادوں کی خدمت کرتے، گھر کا پانی بھرتے بازار سے سودا سلف لاتے۔ حدیث کا دورہ اور دوسری کتابیں بزمانہ طبابت مولانا قائم صاحب فرنگی محلی سے پڑھیں جو اسوقت مدرسہ حنفیہ کے صدر مدرس تھے۔ اس مدرسے نے تقصف صدی تک

جونپور میں علم کی شمع روشن کی اور بڑے بڑے فضلائے نامور پیدا کئے۔

آپ اعلیٰ درجے کے نباض و قارورہ شناس اور طبیب حاذق ہیں سچ تو یہ ہے کہ جونپور کی طبابت آپ پر ختم ہے۔ مایوس العلاج مریضوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ مطب میں کافی بھیڑ ہوتی ہے اسلئے مریضوں کو نمبر وار دیکھتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خالص طب یونانی کے طریقہ پر علاج کرتے ہیں۔ محض نبض اور قارورہ دیکھکر مرض تشخیص کر دیتے ہیں اور سب دیسی جڑی بوٹیاں اور دوائیں استعمال کراتے ہیں۔

آپ کو تمام امراض کے علاج پر قابو حاصل ہے مگر میعادی بخار کا علاج بے مثل کرتے ہیں۔ بڑے بڑے ڈاکٹر آپ کی قابلیت کا لوہا مانتے ہیں اتوار کے روز باہر سے آئے ہوئے مریضوں سے مطب بھرا رہتا ہے۔ غازیپور بلیا۔ گورکھپور۔ فیض آباد۔ اکبرپور۔ ٹانڈہ۔ سلطانپور۔ پرتاپگڈھ۔ اعظم گڈھ۔ بنارس اور مرزاپور تک کے مریض آتے اور شفایاب ہوتے ہیں۔ لکھنؤ۔ دہلی اور حیدرآباد ہر طرز کا نسخہ لکھتے اور علاج کرتے ہیں۔ فن پر پورا عبور ہے۔

آپ کو لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی میں خاص ملکہ ہے۔ انداز بیان دلربا اور مزاحیہ ہے جو خداداد ہے۔ روتے ہوئے لوگوں کو ہنسا دیتے ہیں۔ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ حکیم کو خوبصورت ہونا چاہیئے۔ لباس فاخرہ پہننا چاہیئے علم نجوم سے بھی پوری واقفیت ہو۔ اور ساتھ ہی مزامیر (فن موسیقی) کا ماہر بھی ہو اگر ان صفات کا حامل نہیں تو اسکو حکمت نہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ حکیم نہیں ہے آپ کی ہر بات حکمت و نصیحت سے پُر ہوتی ہے۔ بوڑھوں میں بوڑھے بچوں میں بچے اور جوانوں میں جوان رہتے ہیں۔ بہت ہی با اخلاق اور ملنسار ہیں۔ ہر شخص سے پیار و محبت سے پیش آتے ہیں اور حسب مراتب سب کا احترام بھی کرتے ہیں۔

تبلیغی جماعت سے منسلک، نماز روزہ اوراد و وظائف کے پابند بڑے مشرع اولیا صفت۔ دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ کتاب و سنت کے نمونہ ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ سرزمین جونپور کے لئے آپکی ذات باعث رحمت ہے۔ خدا نے آپ کے ہاتھ میں شفابخشی ہے کافی نام اور شہرت حاصل کی اور ضرورت سے زیادہ مال و زر بھی اکٹھا کیا مگر اپنے وطن کے گنبد و مزارات اور مقامات مقدسہ کے تحفظ کے سلسلے میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جس سے تا قیامت اجر و ثواب ملتا رہتا اور یہ قدیم آثار و اخبار تباہی اور بربادی سے بچ جاتے۔ حالانکہ اولیائے کاملین اور بزرگان دین سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ علماء اور سادات کا احترام بھی کرتے ہیں اور زبان پر وطن کا درد بھی ہے۔ حافظے اور ذہانت کا یہ عالم ہے کہ ابتک کتب درسیہ اور قانون شیخ کی عبارتیں زبانی یاد ہیں۔ آخر میں میری دعا ہے کہ ؎

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

حکیم سید علی نقی

آپ کی پیدائش ۱۸۸۳ء میں ہوئی۔ ابتدائی کتابیں اپنے چچا قاضی محمد حسن سرامیری سے پڑھیں باقی کتب درسیہ امامیہ بنارس میں پڑھا اور وہیں سے ۱۹۰۹ء میں امتحان ملا پاس کیا۔ ۱۹۱۰ء میں لکھنؤ جاکر درس نظامی مدرسہ ناظمیہ اور سلطان المدارس میں تکمیل کیا۔ اسکے بعد علم طب حکیم مرزا محمد مہدی صاحب لکھنوی و حکیم امیر حسن صاحب لکھنؤ سے پڑھا۔ ۱۹۱۴ء میں مدرسۃ طبیہ شاہی شفاخانہ سے سند لیاقت حاصل کی اسکے بعد پریا ناتھ گھوش ہائی اسکول جونپور میں اڑتیس ۳۸ سال تک فارسی کے ہیڈ مدرس رہے۔ آپ کو خط شکستہ پڑھنے میں خاص

مہارت حاصل ہے۔ نباضی اور قارورہ شناسی میں مہارت تامہ حاصل ہے۔ اور تشخیص مضبوط اور تجویز پختہ ہوتی ہے۔ ان اوصاف کے باوجود آپ بحیثیت حکیم روشناس اور مشہور نہ ہو سکے۔ آپکی سکونت محلہ ڈھالگر ٹولہ جونپور میں ہے۔

حکیم عبدالغفور رضوبخاں

والد کا نام بقر عید تھا۔ ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے علوم رسمیہ کا تکملہ مولوی عبداللہ صاحب جونپوری سے کیا۔ حکیم صاحب کا رجحان ابتدا سے طب کی طرف تھا اسلئے اس موضوع پر کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ذہن کے تیز تھے اور چونکہ مقدر میں مخلوق خدا کو فیض پہونچانا لکھا تھا اسلئے آپکی محنت و مشقت کو قدرت نے قبول کیا اور آپ بلا کسی استاد کے سامنے زانوے ادب تہ کئے ہوئے شہر کے اعلیٰ درجے کے حکیم ہو گئے۔ نباضی و قارورہ شناسی میں بھی کافی مہارت پیدا کر لی۔ ہر مرض کا بہت کامیاب علاج کرتے تھے۔ مریضوں سے بہت ہی پیار و محبت سے پیش آتے تھے۔ غربا کے ساتھ خاص رعایت کرتے تھے اور مفت بھی دوائیں تقسیم کرتے تھے۔ آپ شہر کے با اخلاق و ملنسار حکیموں میں سے تھے اور کافی شہرت کے مالک تھے۔ آپ کا ذاتی دواخانہ تھا اور خوشبو سازی کا کام بڑے پیمانے پر ہوتا تھا آپ کا قدیم مکان بلوہ گھاٹ میں تھا والد کی حیات میں ترک سکونت کر کے محلہ رضوبخاں میں آباد ہو گئے۔ ۷۵ سال کی عمر میں ۱۹۵۶ء کو انتقال کیا اور اپنی مسجد کے صحن میں پورب طرف دفن ہوئے

ڈاکٹر محمد عثمان خاں ایل ایم پی

آپ اصل باشندے زمانیہ ضلع غازیپور کے تھے۔ ایک عرصہ دراز تک جیل کے ڈاکٹر رہے پنشن لیکر جونپور آئے اور ایک ذاتی دواخانہ محلہ نصیر خاں منڈوی میں کھول دیا۔ آپ بیحد خلیق اور ملنسار تھے ہر شخص سے پیار و محبت سے باتیں کرتے تھے۔ چہرہ رعب و جلال سے بھرپور تھا۔ سفید گھنی داڑھی

تھی ترکی ٹوپی پہنتے تھے۔ اعلیٰ درجے کے نباض اور تجربہ کار تھے۔ نسوانی امراض میں بھی کافی تجربہ تھا۔ خدا نے آپ کے ہاتھ میں شفا بخشی تھی۔ بڑے متقی پرہیز گار تھے۔ مذہب سے بہت لگاؤ تھا۔ نادر کتابیں تلاش کر کے خریدتے تھے اور زیادہ وقت مطالعہ کتب میں گزرتا تھا۔

آپ کو فن موسیقی سے بہت لگاؤ تھا۔ ہندوستانی سنگیت کے اچھے خاصے ماہر تھے۔ بہت سے لوگ آپ سے راگ راگنیاں سیکھنے آتے تھے اور اکثر قوال اور گوئیے حاضر ہوتے رہتے جن کی وجہ سے گانے بجانے کا ایک مشغلہ جاری رہتا تھا۔ آپ طبلہ بھی بجا لیتے تھے گتیں اور پرنیں بھی نکالتے تھے۔ ہارمونیم پر زیادہ مشق تھی۔ غزل۔ دادرہ۔ ٹھمری اور ٹپے گانے کے تال میں بجا لیتے تھے۔ بڑے با اخلاق پر مذاق اور فیاض تھے۔ آخر میں بوجہ کبرسنی اور ضعف چارپائی پر پڑے رہتے تھے۔ مگر مریض اسوقت بھی گھیرے رہتے۔ شہر بھر میں ہر دلعزیز تھے۔ تصوف کا اچھا خاصا ذوق تھا۔ بزرگوں سے حد درجہ عقیدت و محبت تھی۔ اکثر بزرگان دین کے مزار پر بغرض ایصال ثواب تشریف لیجاتے تھے۔

آپکی وفات ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ حضرت حمزہ چشتی رح کے مزار اقدس سے اتر چند قدم کے فاصلے پر دفن ہوئے۔

خوش نویسان جونپور

جونپور کے خوش نویسوں کا ذکر کرنے سے پہلے خوش نویسی پر ایک مختصر سا نوٹ ضروری سمجھا گیا جس سے اس فن کی ابتدائی اور انتہائی حالت کا اندازہ کیا جا سکے (مولف)

خوش نویسی کی مختصر تاریخ

پہلے زمانے میں حروف پر اعراب نہیں لگتے تھے۔ ان پر نقطے لگا دیے جاتے تھے جن کا رنگ عبارت مکتوب سے غیر ہوتا تھا۔ زبر کے لئے اوپر اور زیر کے لئے نیچے اور پیش کے لئے ایک سرخ نقطہ لگا دیتے تھے۔ خلیل احمد عروضی نے ہر حرکت کی ایک صورت معین کی جسکا اب رواج ہے۔

ہر گروہ اپنا خط جدا ہی رکھتا ہے۔ ہندی۔ سریانی۔ یونانی۔ عبرانی قبطی معقلی۔ کوفی۔ کشمیری۔ حبشی۔ ریحانی، عربی، فارسی۔ رومی۔ حمیری بربری۔ اندلسی۔ روحانی وغیرہ اتنے خط ہم دیکھتے ہیں۔

بعض عبرانی خط کا موجد حضرت آدم معنت ہزاری کو بتلاتے ہیں اور بعض حضرت ادریسؑ کو۔ بعض کہتے ہیں اس نے معقلی خط ایجاد کیا اور بعض کہتے ہیں کہ اس معقلی خط سے امیر المومنین حضرت علیؑ نے خط کوفی ایجاد کیا۔ خطوط میں اختلاف سطح و دور سے ہوتا ہے۔ چنانچہ خط کوفی میں ایک درنگ دور ہے اور باقی سطح اور معقلی میں سب سطح ہے۔ پرانی عمارتوں کے کتبے اسی خط میں ہیں۔

سب سے بہتر وہ خط ہے جس میں سیاہی وسفیدی عمدہ روش سے جدا ہو اور پڑھنے میں کچھ اشتباہ نہ ہو۔

ایران و توران۔ روم و ہند میں آٹھ طرح کے خطوں کا رواج ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک خط میں ایک گروہ لکھتا ہے۔ ان آٹھوں میں سے ابن مقلہ نے ۳۱۰ھ میں خط معقلی و کوفی سے چھ طرح کے مزید خط ایجاد کئے ہیں ثلث۔ توقیع۔ محقق۔ نسخ، ریحاں۔ رقاع۔

اعجاز رقم نے اپنی تصنیف میں یہ نام ظاہر کئے ہیں ع

سنبل و ریحاں محقق نسخ توقیع و رقاع

ایک گروہ خط غبار کو بھی اس میں داخل کرتا ہے۔ بعض خط نسخ کو یاقوت مستعصمی کی ایجاد بتاتے ہیں۔ رقاع و توقیع سے ایک ساتواں خط تعلیق پیدا ہوا۔ آٹھواں خط نستعلیق ہے جسمیں دائرے بہت ہیں۔ اس خط کو امیر صاحبقران کے عہد میں خواجہ میر علی تبریزی نے نسخ و نستعلیق کی آمیزش سے ایجاد کیا ہے۔

اکبر اعظم کی قدردانی اور رازشناسی سے بہت طرح کے خطوط میں ترقی ہوئی نادرہ کار ہنر پردازوں کی قدر زیادہ ہو گئی خصوصاً نستعلیق خط کا رواج زیادہ ہو گیا ہے۔ محمد حسین کشمیری مخاطب بہ زریں قلم بادشاہ کے پاس بے مثل خوش نویس تھے۔

(تاریخ ہند مولوی ذکاءاللہ جلد پنجم ص ۶۲۸)

ابتدائے اسلام میں عراق۔ حجاز اور عرب میں خط کوفی و عبرانی و مسند حمیری خطوط رائج تھے جن سے عربی (نسخ) کا خط ۳۱۰ھ میں ابن مقلہ نے ایجاد کیا اور خط کوفی سے ۳۲۲ھ میں حسن نے تعلیق خط ایجاد کیا۔ کوفی

خط کے جوڑ عربی خط نے اختیار کر لئے۔ ساتویں صدی ہجری میں نسخ اور تعلیق خط ایران میں رائج تھے۔ نسخ اور تعلیق سے اسی ساتویں صدی ہجری کے آخر میں میر علی تبریزی نے نستعلیق خط ایجاد کیا۔"

(تعلیم خط و املا از شیخ ممتاز حسین جونپوری)

میر علی تبریزی نسخ اور تعلیق کے کامل خوشنویس تھے۔ وہ خدا سے اور دکر دعا کیا کرتے تھے کہ خداوندا میرے ذریعہ سے ایک بہت خوبصورت خط کی ایجاد کرا دے۔ چنانچہ ایک شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت علیؓ ہدایت فرما رہے ہیں کہ بط اور مرغابی کی گردن، سر اور آنکھوں کو دیکھو کہ کیسی خوشنما گولائی ہے۔ ان ہی پر بغور نظر کر کے ایک نیا خط ایجاد کر لو۔"

(پیدائش خط و خطاطان مطبوعہ مصر)

چنانچہ اتنے اشارے سے میر علی تبریزی کو بڑی مدد ملی ہوگی اور خط کی ایجاد نہایت آسانی سے ہو گئی اور یہ ایجاد اتنی مقبول ہوئی کہ اسکے بعد اب کسی دوسرے خط کی نہ ضرورت رہی اور نہ ایجاد ہی ہو سکتا ہے۔

عراق۔ عرب۔ مصر۔ ایران میں جتنے بھی خطوط ایجاد و اختراع کیے گئے ان میں سے ڈو خط سرزمین ہند میں سب سے زیادہ مقبول و مروج ہوئے۔ ایک نسخ دوسرا نستعلیق۔

نسخ اس خط کو کہتے ہیں جس میں عام طور پر قرآن مجید کی کتابت کی جاتی ہے اور **نستعلیق** اس خط کو کہتے ہیں جو اہل فارس اپنے ساتھ ہند میں لائے اور جس خط میں اردو کو رواج دیا گیا۔

ایران میں نسخ اور نستعلیق دونوں خطوں کے ماہرین پیدا ہوئے مگر عراق۔ عرب اور مصر میں صرف نسخ کے ماہرین پیدا ہوئے۔ نسخ کے

خوش نویسوں نے خط ثلث کو بھی نسخ کے ساتھ رواج دیا کیونکہ اس خط کی انفرادیت وضاحت پیدا کرتی ہے۔ اگر نسخ کی سطروں میں خط ثلث کا کوئی لفظ یا ٹکڑا لکھ دیا جائے تو وہ سرخی یا عنوان کا کام دیتا ہے۔ دوسری ضرورت ثلث کی دروازوں کے گرد آیات لکھنے میں محسوس ہوتی ہے چونکہ خط ثلث میں کشش مدات کی بیحد گنجائش ہے اسلئے طغریٰ نویسی اور دروازوں کے گرد عبارت لکھنے میں آسانی اور خوبصورتی کے خیال سے اسے رواج دیا گیا۔

ہندوستان میں ان مسلم فاتحین کے علاوہ جنھوں نے حملہ کرکے مال غنیمت سمیٹا اور اپنے وطن واپس چلے گئے، بہت سے فاتحین اپنے ساتھ ہر قسم کے فنکار لائے۔ اور مسجدوں اور محلات کی تعمیر میں جہاں جہاں خوش نویسوں کی ضرورت ہوئی اُن سے کام لیا۔ دہلی۔ لاہور۔ ملتان جونپور۔ دکن اور گجرات میں بے شمار اسلامی عمارتیں تعمیر ہوئیں اور ہر عمارت میں کوئی کتبہ ضرور ہے۔ دوسری ضرورت مزاروں پر قطعہ تاریخ اور لوح مزار نصب کرنیکی پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہندوستان میں بھی خوش نویسوں کی ضرورت محسوس کیگئی۔ ہو سکتا ہے کہ ایک فاتح کے عہد کا خوش نویس دوسرے فاتح یا کسی فاتح کے دور تک باقی رہا ہو مگر ہر عہد میں خوش نویسوں کا ہونا لازم قرار پاتا ہے۔

مورخین نے عام طور پر اس طرف کوئی توجہ نہ دی اور اسی لئے ہم تفصیل سے اسلامی دور کے ہر بادشاہ کے عہد کے خط نسخ اور خط نستعلیق کے خوش نویسوں کو پیش کرنے سے مجبور ہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ دہلی اور کشمیر میں مسلمانوں کی سلطنت قائم ہونے کے بعد نسخ اور نستعلیق کے بہترین خوشنویس

اکٹھا ہو گئے تھے جن کا استفادہ براہ راست ایران و عرب و مصر سے تھا۔ خط نستعلیق کا سلسلہ ایران کے خوش نویس میر علی تبریزی اور عماد الحسنی سے تھا۔

آغا عبد الرشید دیلمی اور حافظ نور اللہ خط نستعلیق کے بہترین ماہر تھے انلوگوں نے اپنے فن سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں خوش نویس پیدا کر دیے۔ ان کے قطعات اور وصلیاں لائبریریوں اور قدیم گھرانوں میں ابتک محفوظ ہیں۔ ان ہی کے ہمعصروں میں ابراہیم خوش نویس بھی تھے جو اودھ کی سلطنت میں آئے اور لکھنؤ میں بہت سے شاگرد پیدا کر دیے۔

منشی شمس الدین اعجاز رقم نستعلیق کے اسوقت کے استاد فن گذرے ہیں جب کتابیں بجائے قلمی لکھی جانے کے چھپنے لگیں اور لوگوں نے اس فن کو عام طور پر روزی کمانے کے لئے سیکھنا شروع کیا۔ منشی اعجاز رقم کا فن اودھ سے نکل کر ہندوستان کے گوشے گوشے تک پہونچا اور سیکڑوں سے ہزاروں کی تعداد میں شاگرد در شاگرد پیدا ہوتے گئے۔

خط نسخ اور ثلث کے واسطے بھی یہی صورت ہوئی کہ باہر سے آئے ہوئے خوش نویسوں نے ہندوستان میں اس فن کو پھیلایا۔ خط نسخ نے ایران میں آکر بجد ترقی کی تھی۔ ایک طبقہ نسخ نویسوں کا "تبریزی" کہلاتا تھا اور دوسرا مستعصمی۔ خلیفہ مستعصم باللہ کے عہد کا خوش نویس جو یاقوت رقم مشہور تھا بادشاہ کے دربار سے متعلق ہونے کے بعد یاقوت مستعصمی ہو گیا۔

تبریزی کے جاننے والوں کی بلاد گجرات اور دکن میں زیادہ قدردانی ہوئی اور یہ خط وہاں کثرت سے رائج ہو گیا۔ اور یاقوت مستعصمی دہلی، اودھ شمالی ہند اور بہار میں رواج پایا۔ اس طرح ہندوستان میں خط نسخ کی دونوں شان علیحدہ علیحدہ رواج پا گئیں۔

جونپور میں خوشنویسی کی ابتدا

تاریخیں ایک طرف تو یہ بتاتی ہیں کہ جونپور میں مسلمان سنہ ۷۶۴ھ میں آئے جب اسے فیروز تغلق نے آباد کیا تو دوسری طرف یہ بھی بتاتی ہیں کہ جونپور سے ۶ میل پورب جانب ایک شہر ظفر آباد نام سے ۲۵-۳۰ برس پہلے آباد ہو چکا تھا جسے شہزادہ ظفر خاں نے سنہ ۷۲۱ھ میں آباد کیا تھا لہذا وہاں بھی مسلمانوں کا پتہ ملتا ہے۔ اب ذرا اور اوپر جائیے تو محمود غزنوی۔ سید سالار مسعود غازی اور شہاب الدین غوری کے بھیجے ہوئے افسروں اور ساتھیوں کا آکر آباد ہونا اس سے بھی پہلے ظاہر ہوتا ہے۔ غرضکہ فن خوشنویسی نسخ ہو یا نستعلیق، کوفی ہو یا عبرانی مسلمان اپنے ساتھ لائے جب بھی وہ یہاں آئے ہوں۔

جب تک ظفر آباد میں اسلامی سلطنت کی شاخ قائم رہی یہ شہر علم و فن کا مرکز بنا رہا۔ یہاں علماء بھی پیدا ہوئے اور خوشنویس بھی حضرت مخدوم چراغ ہند کے صدر دروازہ پر کتبہ بتاتا ہے کہ ظفر آباد میں بھی اچھے اچھے خوشنویس گذرے ہیں جب فیروز تغلق نے جونپور آباد کیا تو ظفر آباد کے اہل علم و فن حضرات دہلی اور بیرونجات سے آنے والے اہل علم و فن حضرات سے پہلے جونپور پہونچ چکے تھے اور اس طرح جونپور علم و فن کا مرکز بننا شروع ہو چکا تھا۔ شاہان شرقی خصوصاً ابراہیم شاہ شرقی کے عہد میں چودہ سو ۱۴۰۰ پالکیاں ایکساتھ نکلنے لگیں۔ ان علماء میں پتہ نہیں کتنے خوش نویس رہے ہونگے جبکہ ہر مدرسہ میں خوشنویسی کی تعلیم لازم تھی۔

سوری اور مغل عہد میں بھی علم و فن کی بقا و ترقی کی کوششیں برابر جاری رہیں مگر انگریزی راج کے وقت سے مشرقی علم و فن پر زوال آنا

شروع ہو گیا اور علم و فن قدر دانی کے بجائے بدحالی کا شکار ہو گیا اسی زد میں خوشنویسی بھی آگئی ۔ خوشنویسی کے ایسے ایسے شاہکار جو ہندوستان کے لئے قابل فخر تھے ناقدری کیوجہ سے تباہ و برباد ہونے لگے ۔ کلک و مشک بید کی جگہ لوہے کے قلم دکھائی دینے لگے سیاہ روشنائی کی جگہ نیلی اور سبز روشنائی استعمال ہونے لگی اور الف ب ج د کی جگہ اے ۔ بی ۔ سی ۔ ڈی نے لیلی ۔ ابھی خوشنویسی ہندوستان سے پورے طور پر رخصت نہ ہوئی تھی کہ ہندوستان آزاد ہو گیا اور ہندوستان کے طریقۂ تعلیم و نصاب تعلیم میں اہم تبدیلیاں پیدا ہو گیئں اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی ۔ اسکولوں میں اُردو درجے کم کئے جانے لگے ۔ اردو کتابیں جو ہر سال لاکھوں کی تعداد میں چھپتی تھیں چھپنا بند ہو گیئں اردو کے خوش نویسوں نے یہ پیشہ ترک کرنا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ خوشنویسی اس منزل پر آگئی کہ دہلی اور لکھنؤ میں چند خوش نویس برائے موجود ہیں جو کسی قدر اُردو کی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں ۔ اور اب اس فن کو سیکھنے کی طرف کسی کا میلان طبع نہیں پایا جاتا اور وہ زمانہ بھی قریب آگیا ہے جب یہ فن بہت گہری قبر میں دفن کر دیا جائے ۔

ہم اپنی گورنمنٹ سے پر زور الفاظ میں گذارش کرینگے کہ وہ اردو کی بقا کے لئے کوئی معقول انتظام کرے اور فن خوشنویسی کو ہندوستان میں پھلنے پھولنے کے مواقع بہم پہونچائے تاکہ اس فن کے ذریعے ۔ ایران ۔ عراق مصر ۔ عرب اور ٹرکی وغیرہ ملکوں کے فنکار آپس میں رابطۂ عمل برقرار رکھ سکیں

اس سلسلہ میں بہتر یہ ہوگا کہ دہلی اور لکھنؤ میں فن خوشنویسی کی سرکاری طور پر تعلیم کا ایک شعبہ کھولدیا جائے ۔ جہاں سے طالب علم سرٹیفکیٹ حاصل کر سکیں ۔ اس طرح اس فن کو بقا نصیب ہو سکتی ہے ۔

اب سے تقریباً پانچ چھ سو برس قبل جونپور نے خوشنویسی میں جو ترقیاں کی تھیں اور جو فنکار پیدا کئے تھے ان کی تلاش آسان نہ تھی۔ حقیر کو جن جن مصائب سے دوچار ہونا پڑا وہ بڑے ہمت شکن تھے مگر ایک عزم راسخ تھا کہ میں اپنی دھن میں لگا رہا۔ متعدد جگہوں پر پتھر اور دیواروں پر کندہ کتبات کو صابن اور سوڈے سے دھونا پڑا۔ کہیں چونے کے پرتوں کو حرف تراش سے کھرچنا پڑا۔ اکثر کتبوں پر روشنائی چڑھانے کے لئے مزدور کاریگر اور پینٹر سے مدد لینا پڑی۔ سڑے گلے کاغذوں کو جوڑ جوڑ کر پوری عبارت درست کرنا پڑی۔ غرضکہ خوشنویسی کے نمونوں کی تلاش میں جو دقتیں پیش آئیں اسکی وجہ سے ہم ناظرین کے سامنے جونپور کی خوشنویسی کے اس سرمایے کی جھلک بھی پیش نہ کر سکے جو یہاں اب بھی موجود ہے۔ پھر بھی جو کچھ مل سکا اس سے ناظرین جونپور کی ایک سو برس سے لیکر پانچ چھ سو برس قدیم خطاطی کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

حضرت مخدوم چراغ ہندؒ کے صدر دروازہ کا کتبہ

جونپور سے ۶ میل پورب قصبہ ظفرآباد میں حضرت مخدوم چراغ ہندؒ کے صدر دروازہ پر ایک کتبہ ہے۔ جسکے کاتب کا نام نہیں ہے مگر یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مخدوم چراغ ہند یا حضرت مخدوم آفتاب ہند کے گھرانے کے کسی خوشنویس کا شاہکار ہے کیونکہ اس خطہ زمین پر سب سے پہلے ان ہی دونوں بزرگوں کا قدم آیا۔ اس کتبہ کو دیکھکر اندازہ ہوتا ہے کہ اب سے ۷۰۰ برس قبل خط نسخ اور خط ثلث کی ارتقائی منزل کیا تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسوقت تک خط نستعلیق کی ایجاد نہیں ہوئی تھی اور ایران و عرب میں خط نسخ ہی کا زور تھا اسلئے ہندوستان نے بھی ایران و عرب کی تقلید کی اور نسخ کے خوشنویس پیدا ہونے لگے

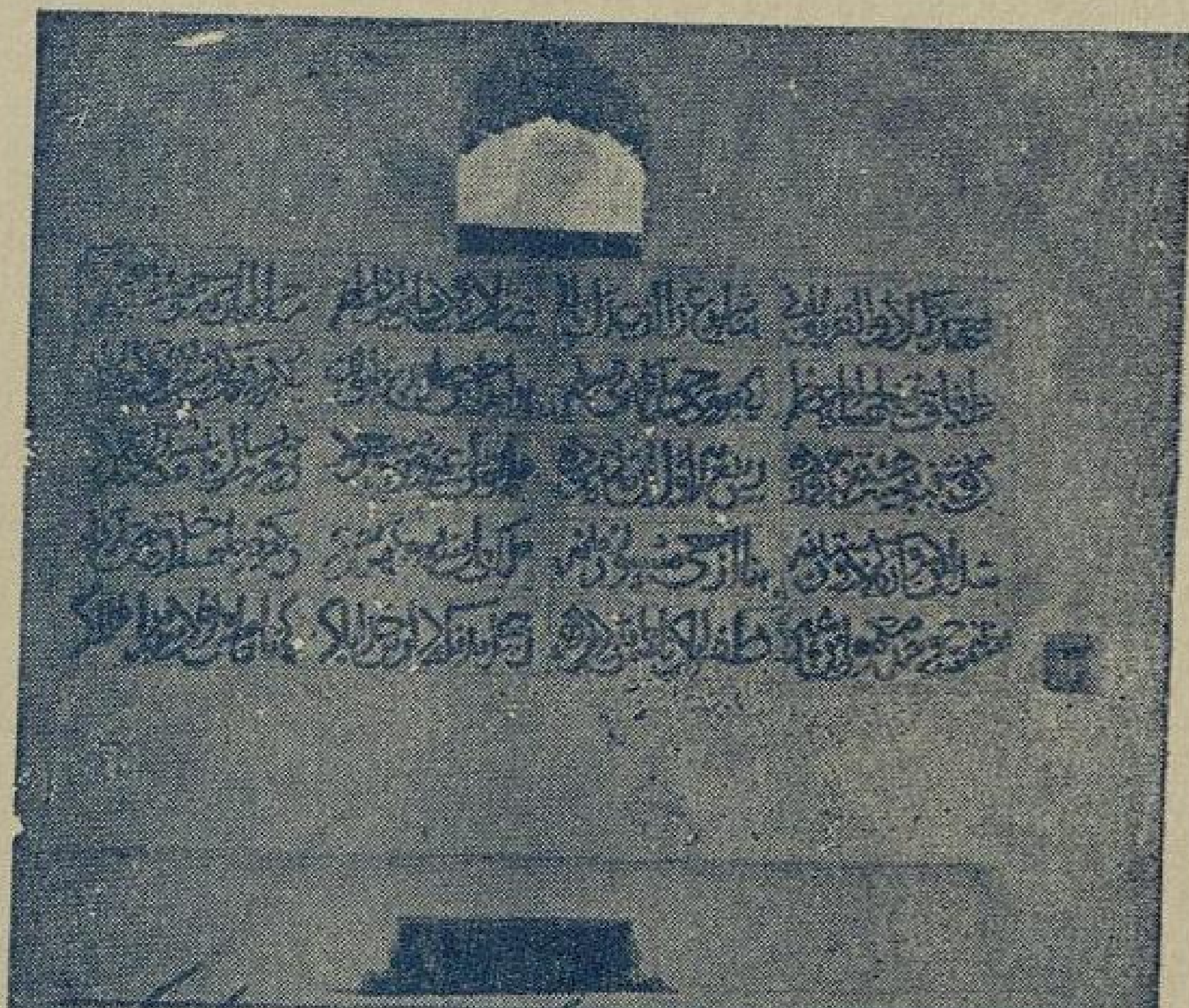
یہ کتبہ بہت ہی فنکارانہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ الفاظ کی نشست اور خوش سلیقگی اس کتبہ کے نقطہ نقطہ سے عیاں ہے۔ اور زورِ قلم کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔ اس خط کا کاتب اپنے فن کا کامل تھا اور جس خط میں اس کتبہ کو لکھا ہے اسے ثلث کہتے ہیں۔ اس ثلث پر کوفی خط غالب ہے اور یہی وہ زمانہ تھا جب خط ثلث اپنی ابتدائی منزل میں تھا۔ کتبہ کا عکس ملاحظہ ہو۔

اٹالہ مسجد کے اندرونی محراب کا کتبہ

اس کتبہ کے کاتب حکیم سید محمد ابراہیم ہیں۔ آپ حکیم بھی تھے اور اعلیٰ درجے کے خوشنویس بھی تھے۔ طبابت میں حکیم فریدالدین مرست کے شاگرد تھے اور خوشنویسی میں ہفت قلم مولانا شہاب الدین دولت آبادی شاگرد تھے۔ اس کتبہ کی آیت کو آپنے اس انداز سے طغرائیت میں پیش کیا ہے کہ ایک نئے خط کا طرز قائم ہو گیا ہے جو اپنی جگہ پر جدید اور جاذب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کتبہ کو غور سے دیکھنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خط اپنے وقت کا شاہکار ہونے کے علاوہ آج بھی شاہکار ہے۔ حکیم سید محمد ابراہیم نے اسے اب سے ساڑھے پانچسو برس قبل ابراہیم شاہ شرقی کی فرمائش پر لکھا تھا جبکہ وہ فیروز تغلق کی نامکمل مسجد کی ...... تکمیل کرا رہا تھا۔ یہ کتبہ اٹالہ مسجد کے اندرونی محراب پر آج بھی محفوظ ہے۔ کافی مرمت اور پینٹنگ کرنے کے بعد موجودہ شکل میں ظاہر ہے۔

مخدوم جہانیاں کی مسجد کا کتبہ

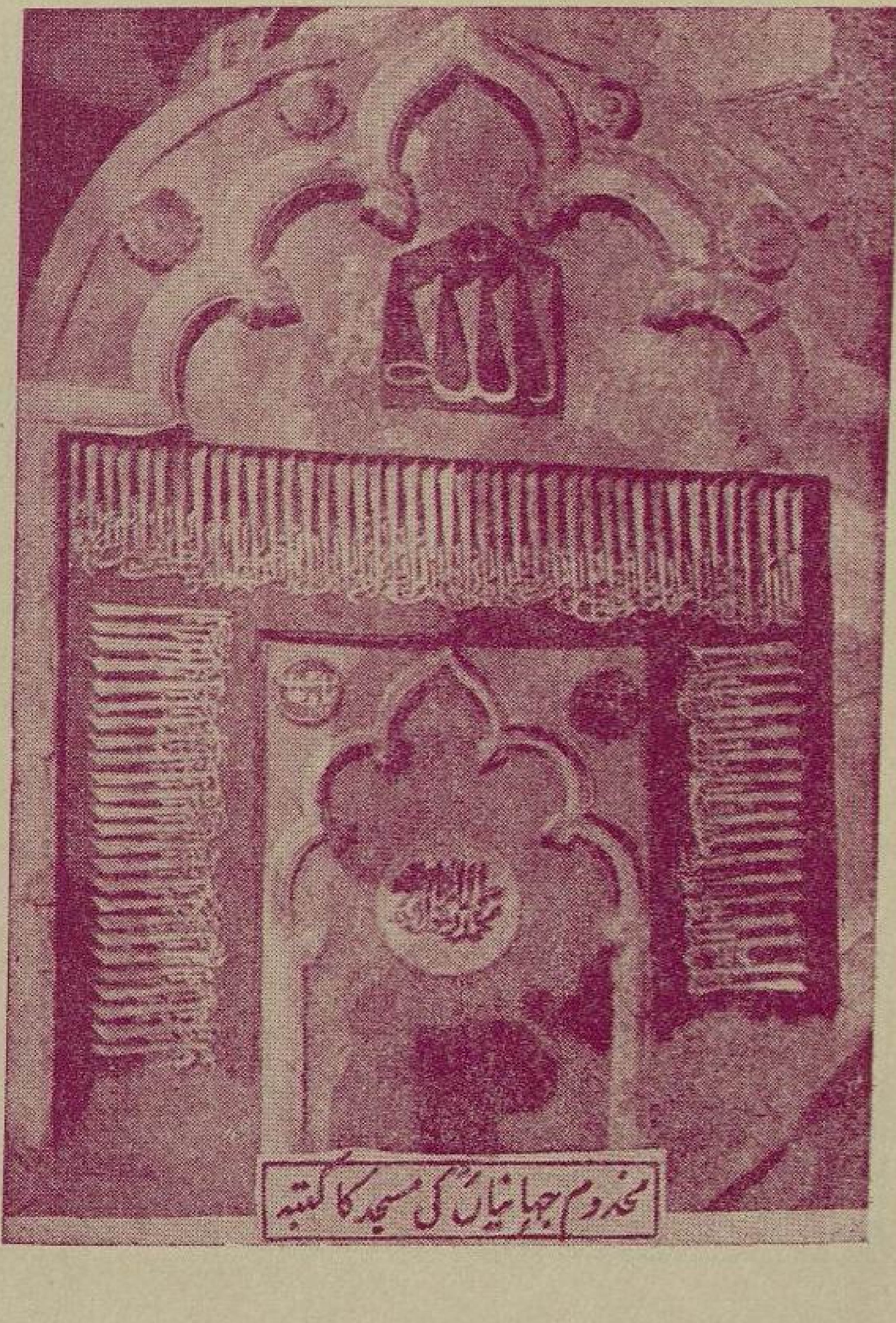
حکیم محمد ابراہیم کے ہاتھ کا ایک اور کتبہ مخدوم جہانیاں کی مسجد واقع محلہ بلوچ ٹولہ میں لگا ہوا تھا۔ مسجد کے گر جانے کی وجہ سے یہ کتبہ بھی زمین پر آگیا اور سیکڑوں برس اس کس مپرسی کے عالم میں پڑا رہا کہ پتھر پر کندہ نقوش مٹنا شروع ہو گئے۔ ہوشیار پینٹروں کی مدد سے جو کچھ حصہ ابھارا جا سکا اسکا



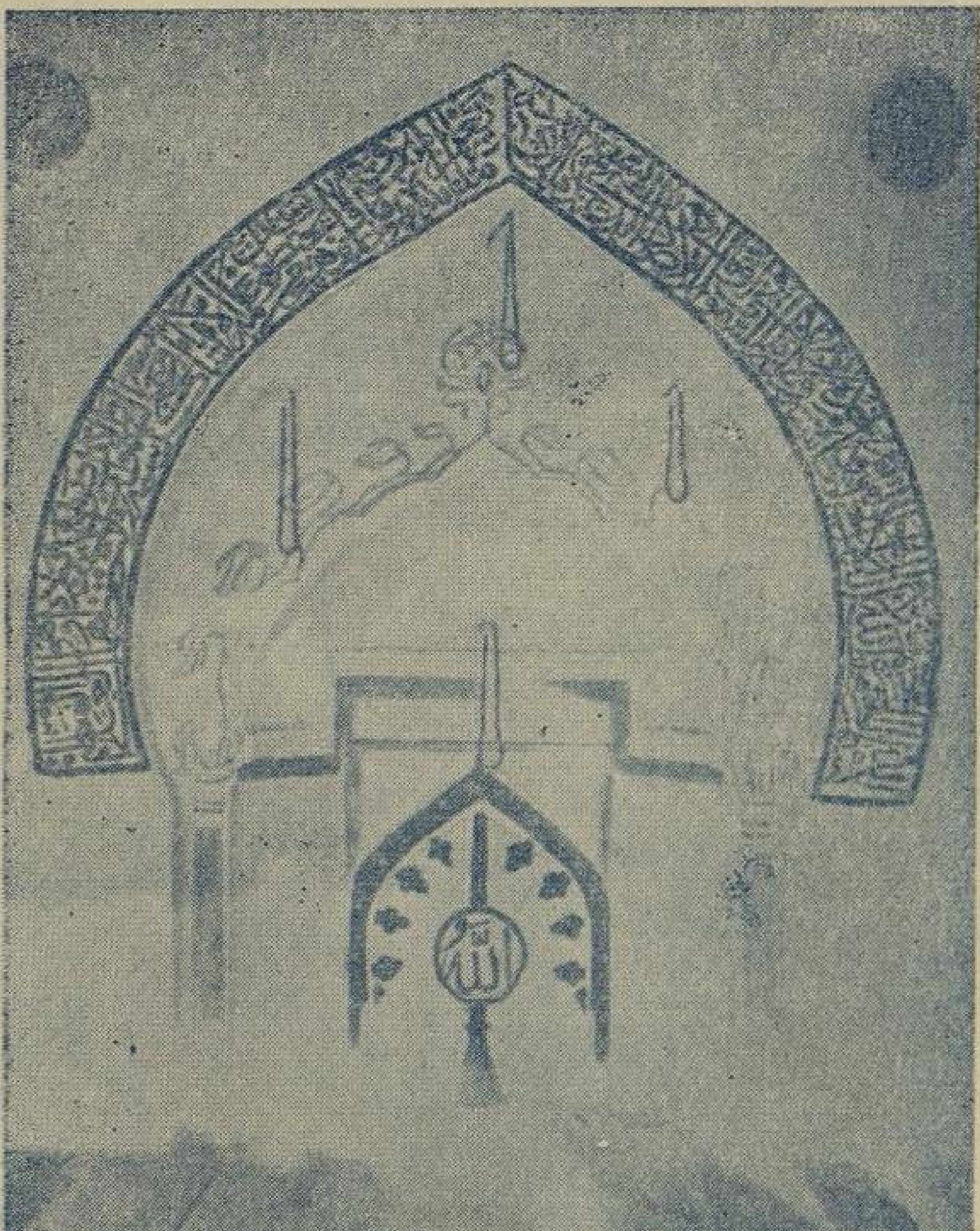
حضرت مخدوم چراغ ہند کے صدر دروازہ کا کتبہ



اٹالا مسجد کے اندرونی محراب کا کتبہ



مخدوم جہانیاںؒ کی مسجد کا کتبہ



فوٹو لیکر نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔ حکیم صاحب موصوف کے یہ دونوں شاہکار فن کی معراج ظاہر کرتے ہیں اور یہ حکیم صاحب ہی کی ذات تھی کہ ایک شاہکار کے بعد دوسرا اس سے بڑھ چڑھ کر شاہکار پیش کر دیا۔ ان دونوں کتبوں کی کتابت کا ایک ہی زمانہ تھا۔

یہ دونوں کتبے پتھر پر اس طرح کندہ کئے گئے ہیں کہ حروف کو ابھرا ہوا رکھا گیا ہے اور زمین کو تراش کر نیچا کر دیا ہے۔ کندہ کرنے میں سنگ تراش کو بھی سراہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کیونکہ اس نے حروف کے خد و خال کو مع انکی نزاکتوں کے باقی رکھنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے۔

سراج الدین منہاج کی مسجد کا کتبہ

ایک شکستہ مسجد کے محراب کا ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے جو سنگ موسیٰ پر کندہ ہے۔ اس کتبہ کے حروف بھی ابھرے ہوئے کندہ کئے گئے ہیں اس کتبہ کی عبارت آیۃ الکرسی ہے جو اندازہ کیا جاتا ہے کہ سراج الدین منہاج کی مسجد میں لگا ہوا تھا۔ مسجد کے منہدم ہونے کے بعد زمین کے نیچے دب گیا تھا۔ محلہ سیاہ کے قاضی صاحبان کو مکان کی تعمیر کے سلسلہ میں کھدائی میں ملا انھوں نے محلہ سیاہ کی ایک مسجد میں جسے مسماۃ ننھی بی بی نے سنہ ۱۲۵۲ھ میں تعمیر کرایا تھا لاکر محراب میں لگا دیا۔ اس طرح اسکی پوری حفاظت ہو گئی ہے۔

اس آیۃ الکرسی کے کاتب حضرت ملک العلما شہاب الدین دولت آبادی ہفت قلم ہیں۔ خط ثلث کی پختگی کاتب کے عروج کمال کا پتہ دیتی ہے اور الفاظ کی نشست و کرسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کاتب اپنے فن کا امام وقت تھا۔ ہندوستان کے بہت سے ماہرین فن خوشنویسی نے مختلف مقامات پر آیۃ الکرسی کو خط ثلث میں پیش کیا ہے اور جونپور کی کئی مساجد میں آیۃ الکرسی کے محراب اب تک موجود ہیں مگر اس آیۃ الکرسی میں وصل

فصل نشست و کرسیٔ الفاظ دیکھنے کے بعد تمام کتبے پھیکے پڑ جاتے ہیں۔

جھنجری مسجد کے مرکزی محراب کا کتبہ

یہ مسجد ابراہیم شاہ شرقی کی تعمیر کردہ ہے اور محلہ سپاہ میں واقع ہے
اس مسجد کے محراب کی گولائی میں آیت الکرسی خط ثلث میں ابھری ہوئی کندہ ہے جو تقریباً ساڑھے پانچسو برس قبل لکھی گئی ہے۔ اس کے کاتب کا نام معلوم نہ ہو سکا مگر شانِ خط بتاتی ہے کہ اسکا کاتب بھی انتہائی درجہ کا فنکار تھا۔ اور اسکی تحریر میں اپنے فنی کمال کا پوری طرح اظہار کیا ہے۔ وہ پٹی جو اتر سے دکھن کو گئی ہے اس میں وہ حدیث کندہ ہے جو تعمیر مسجد کے فضائل میں ہے۔ یہ پٹی چھ انچ چوڑی ہے اور حروف کی جسامت بھی چھ انچ ہے۔

لعل دروازہ مسجد کے چہرہ کا کتبہ

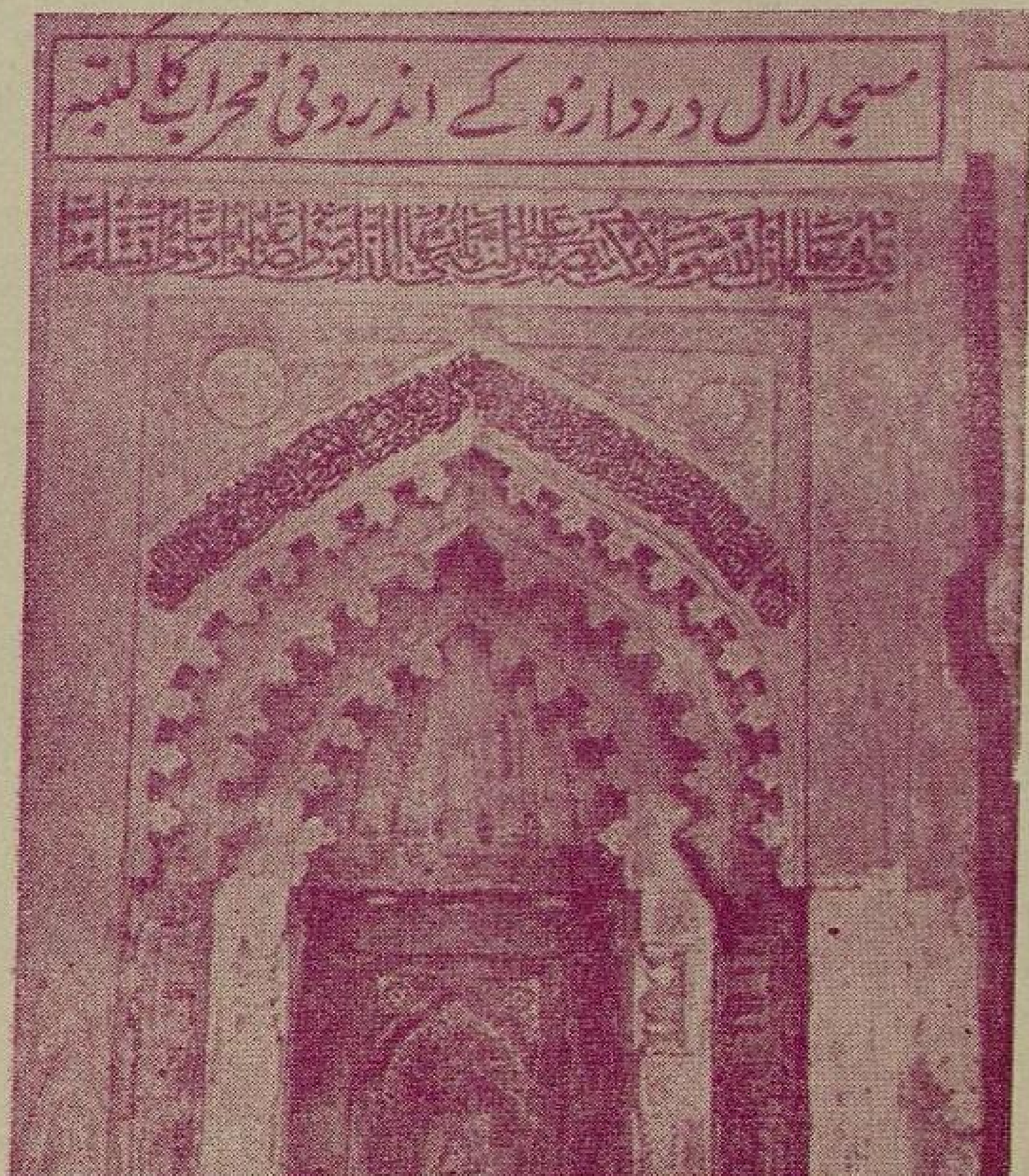
یہ کتبہ مسجد راجے بی بی محلہ لعل دروازہ کے چہرہ پر لگا ہوا ہے اسکے کاتب کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ اس محلہ میں علی داؤد کا مدرسہ اور خانقاہ تھی مدرسہ میں خوشنویسی کی تعلیم بھی لازمی تھی۔ لال دروازہ مسجد کے چہرے اور اندرونی محراب کے کتبے اسی مدرسے کے زیر اہتمام تیار کیئے گئے ہونگے۔ چہرہ کی عبارت " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بہت سے خوشنویسوں کی لکھی ہوئی ملتی ہے اسکے کاتب نے اپنے فن کو حد کمال سے بھی آگے پہنچا دیا ہے۔ فن شناس نظریں خود اسبات کا اندازہ کر سکتی ہیں کہ کلمہ شریف کے پانچ سات الفاظ میں کاتب نے کتنی سحر نگاری سے کام لیا ہے جتنا غور کیجیے لطف بڑھتا جاتا ہے

اندرونی محراب کا کتبہ

اس مسجد کے اندرونی محراب میں بھی اسی فنکار کے ہاتھ کا کتبہ موجود ہے۔ محراب کے اوپر کی آیۃ میں فنکار نے نشست الفاظ میں کافی ریاض اور محنت کی ہے۔ لفظوں کے بھراو کا اچھوتا انداز اپنے فن کی پختہ کاری پر دال ہے اور محراب کی عبارت اوپر کی



لال دروازہ مسجد کے چہرہ کا کتبہ



مسجد لال دروازہ کے اندرونی محراب کا کتبہ



عکس جھنجری مسجد تعمیر کردہ ابراہیم شاہ شرقی

عبارت سے زیادہ لائق تحسین و تعریف ہے کیونکہ اوپر کی پٹری سیدھی ہے اور محراب کی عبارت میں گھماؤ ہے۔ ایسے ہی مقامات پر خطاط کی فنی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ کتبہ بھی اپنی خوبیوں کے لحاظ سے داد طلب ہے۔

مسجد دیوان شاہ کبیر کا کتبہ

اس مسجد کا کتبہ خود حضرت دیوان شاہ کبیر نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ کتبے کے نیچے آپکا نام پڑھا جاتا ہے۔ آپ کا زمانہ اب سے چار سو برس پہلے کا تھا آپنے ہمایوں اور اکبر بادشاہ کے زمانے میں بہت سے کتبات لکھے ہیں آپ نسخ و نستعلیق دونوں خطوں کے ماہر تھے اور آپنے اپنی زندگی میں بہت سے شاگرد پیدا کئے۔

ایران کے خوشنویس اور جونپور

عہد شاہ جہاں کے بعد سے جونپور کی خوش نویسی نے ایک نیا موڑ اختیار کیا اب میر علی تبریزی۔ عماد الحسنی۔ ابراہیم۔ آغا عبد الرشید دیلمی۔ حافظ نور اللہ اور محمد میرزا جواہر رقم کے قطعات اور تختیاں آسانی سے فراہم ہونے لگیں اور جونپور کے ہر مدرسے میں خط نستعلیق کا رواج بڑھنے لگا۔ اودھ کی سلطنت کے قیام تک یہ فن اتنا عام ہوا کہ جونپور کے ہر محلے میں خوش نویسوں کی اکثریت نظر آنے لگی۔ اس فن کے اتنی جلد ترقی کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ملازمت میں خوشنویسی ایک امتیازی حیثیت رکھتی تھی۔ خوش نویسوں کو ہر ملازمت میں ترجیح دیجاتی تھی۔

ایران کے خوش نویسوں میں سے محمد ابراہیم خوش نویس نے اودھ میں اپنے فن کا جھنڈا گاڑ دیا اور محمد میرزا جواہر رقم نے جونپور میں اپنے فیض سے لوگوں کو مالا مال کرنا شروع کر دیا۔

محمد ابراہیم خوشنویس

فن نستعلیق کے تمام خوشنویسوں سے زیادہ محمد ابراہیم خوشنویس لائق مبارکباد ہیں جنھوں نے لکھنؤ میں ایسے

ایسے خوشنویس پیدا کئے جن کا سلسلہ سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔ ابراہیم کا شمار صفِ اوّل کے کاتبوں میں ہوتا ہے آپکے خط کا نمونہ ملاحظہ ہو

محمد میرزا جواہر رقم

محمد میرزا خط نسخ اور ثلث کے استاد فن اور صاحب طرز یاقوتی تھے۔ آپ کی تصنیف کتاب قطعات الجواہر ہے جسمیں آپنے خط نسخ کی وہ تمام منزلیں جنکو طے کرنیکے ہزاروں سال بعد بھی آج نسخ کہے جانے کا مستحق ہے حل کر دی ہیں۔ گیارہ تختیوں اور مشہور قطعات کے ذریعہ حروف کے جوڑ توڑ نشست وکرسی۔ جسامت وحدود کو اس طرح پیش کر دیا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سند ہو گیا ہے۔ زمانہ ان سے ہر وقت مستفید ہوتا رہیگا۔

محمد میرزا نے جونپور میں کئی شاگرد پیدا کئے جنکی ذات سے سیکڑوں خوش نویس بنتے رہے۔ محمد میرزا کے ایسے شاگردوں کی تعداد زیادہ ہے جنھوں نے اس فن کو ذریعہ معاش نہیں بنایا مگر اس فن کو رواج دینے میں سب سے آگے رہے۔ مطلّا قرآن مجید کی کتابت کے وقت شاگردوں کا بہت کچھ سہارا لیتے۔ علی اختر صاحب وکیل مفتی محلہ کے پاس جو قرآن مجید مطلّا تھا اسکے تمام صفحات سونے کے پتروں کے تھے وہ محمد میرزا کے اکیلے بس کا نہ تھا بہت سے شاگردوں نے مختلف کاموں میں ہاتھ بٹایا تھا محمد میرزا خود تو مر گئے مگر فن کو زندہ کر گئے یہی جملہ انکے لئے بہت ہے۔

محمد میرزا کے جانشین

یوں تو محمد میرزا کے شاگردوں کا سلسلہ ہندوستان بھر میں تھا مگر جونپور میں دو شاگرد ایسے تھے جو انکے ارشد التلامذہ کہے جانے کے مستحق تھے جن میں سب سے پہلا نمبر شیخ حشمت علی منصرم عدالت کا تھا اور اسکے بعد سید محمد محسن صاحب ذوالقدر تھے۔ میرزا کے ان لائق شاگردوں نے استاد اور فن دونوں کی قدر دانی کی۔ شیخ حشمت علی مرحوم نے کئی قرآن۔ پنجسورے ہفت سورے اوراد و وظائف۔ اور دعائیں لکھ کر لوگوں میں تقسیم کئے جو بعض گھروں

مسجد دیوان شاہ کبیر کا ایک کتبہ





ہیں ابتک موجود ہیں۔ آپنے اپنی زندگی میں بہت سے شاگرد بنائے جن میں شیخ ممتاز حسین جونپوری مرحوم کی شخصیت کافی نمایاں تھی۔ محلہ بازار بھوا میں ۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳۳ھ میں انتقال کیا۔ میر محمد ہاشم جونپوری نے تاریخ کہی

مبتلا در مرض فالج شد — آخرش موت نداده مہلت
دہم ماہ صفر وقت شب — کرده زیں عالم فانی رحلت
ہاتف غیب بسالش گفتا
جائے حشمت علی باد اجنت ۱۳۳۳ھ

سید ابو نجیب ابو الفضل آپ عہد شاہجہاں بادشاہ میں جونپور کے خوشنویسوں میں سے تھے۔ نسخ و نستعلیق دونوں خطوں پر عبور تھا۔ آپکے لکھے ہوئے قطعات غدر ۱۸۵۷ء سے قبل لوگوں کے پاس موجود تھے۔ آپ کچھ دنوں تک کڑہ میں بحیثیت ناظم مامور رہے پھر شاہی فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ ہمایوں کے ساتھ ۳۳ جنگوں میں شرکت کی جسم پر تلوار کے ۵۵ زخم موجود تھے۔۔ ۵ بیگھہ آراضی معافی میں ملی تھی آخر میں گوشہ نشین ہو گئے اور تمام دولت فقرا اور مساکین پر خرچ کر دی۔ آپ بھی بلند پایہ خوشنویس تھے اور یہی فن ذریعہ معاش رہا۔ ۱۰۶۱ھ میں بعہد شاہجہاں بادشاہ آپ کی وفات ہوئی۔ قبر آپکی ظفر آباد میں ہے۔

سید علی خوشنویس آپ اورنگ زیب کے زمانے کے بہترین خوش نویسوں میں سے تھے آپ کا فن ایک لوح مزار سے جو چار سو برس پرانی قبر پر عیدگاہ شاہی کی پشت پر لگا ہوا ہے پوری طرح ظاہر ہے۔ شان خط ایرانی ہے۔ خط کی پختگی بتاتی ہے کہ آپ اپنے وقت کے استاد کامل تھے۔

حضرت شاہ زاہد حسین فقیر سہروردی آپکا سلسلہ نسب حضرت مخدوم آفتاب ہند سے ملتا ہے۔ آپ کو خط نستعلیق اور خط شکست و شفیعہ میں کمال حاصل تھا

آپ کے خط کا نمونہ دستیاب نہ ہو سکا۔ لوگوں کے پاس کچھ تحریریں محفوظ ہیں جو دعاؤں کی شکل میں ہیں۔

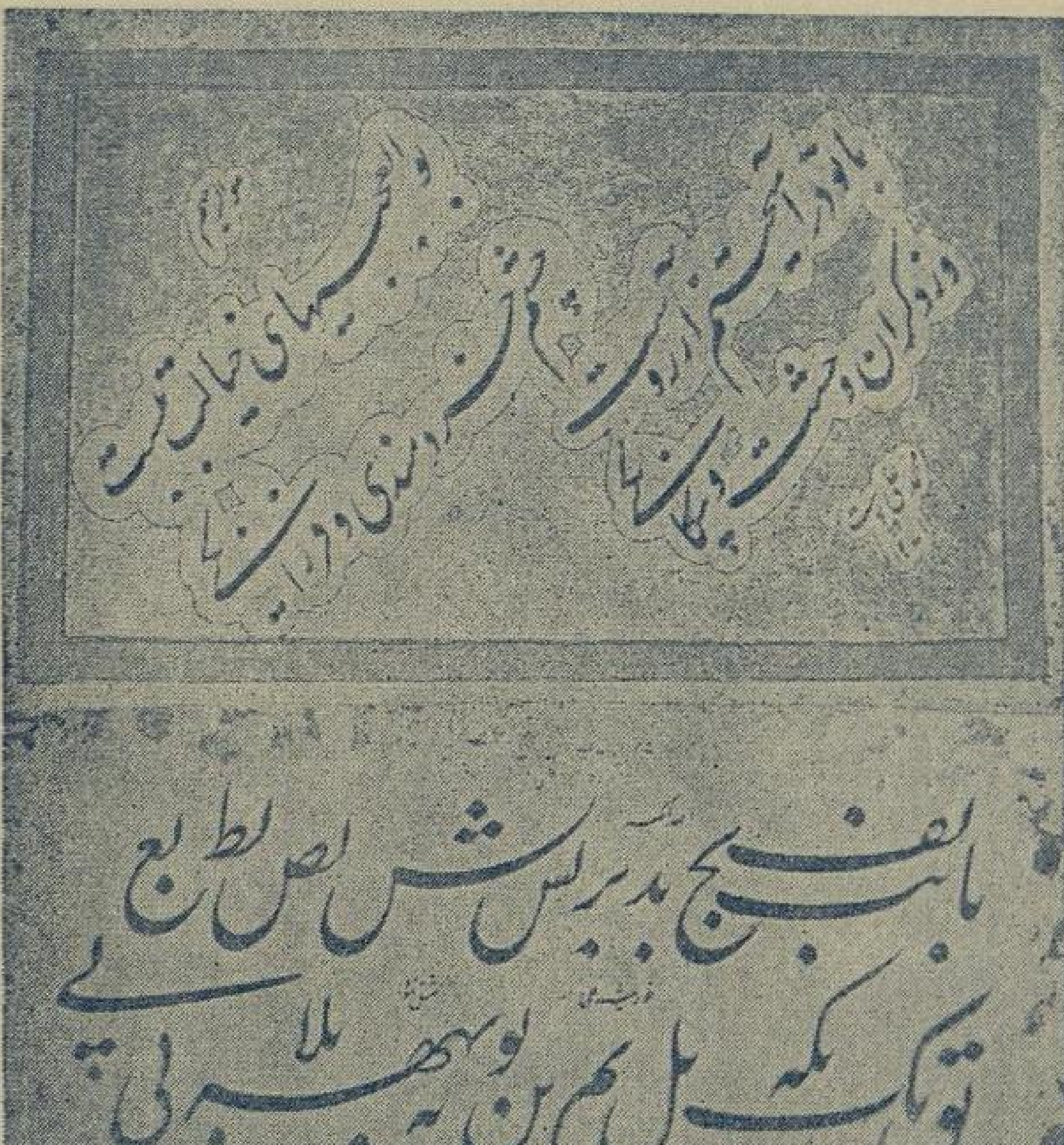
حکیم امیر علی خوشنویس ۔ آپ کو حکیم ہونے کے باوجود خوشنویسی سے بھی شوق تھا اسلئے اسے باقاعدہ استادوں سے حاصل کیا۔ خط پاکیزہ اور روشن تھا۔ طغرے اچھے لکھتے تھے۔ اور کافی شہرت کے مالک تھے۔

سید امیر علی وکیل ہائیکورٹ ۔ آپ محلہ سیاہ کے رہنے والے مولوی سید باقر علی کے صاحبزادے تھے۔ آپنے خوشنویسی پر اتنا ریاض کیا جسطرح اہل پیشہ ریاض کرتے ہیں اور شہر کے علاوہ دور دور آپکی شہرت ہوگئی۔ آپنے اپنے خاندان کے بہت زیادہ لوگوں کو خوشنویس بنا دیا۔ آپنے اپنے والد سید امام علی سے خط نسخ اور اپنے بھائی مولوی سید کامل علی وکیل ہائیکورٹ سے نستعلیق سیکھا اور دونوں خطوں میں مشہور ہوگئے۔

سید علی حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر (خانبہادر) آپ سید امیر علی وکیل ہائیکورٹ کے صاحبزادے تھے۔ اپنی ذہانت و قابلیت سے سرکار انگلشیہ میں ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ آپکو خوشنویسی سے بیحد ذوق تھا چنانچہ اپنے والد محترم اور عم معظم سے اس فن کو اصول و قواعد کے ساتھ حاصل کیا اور مشق کو اسدرجہ ترقی دی کہ استاد فن کہلانے لگے۔ آپ بھی محلہ سیاہ کے رہنے والے تھے۔

آپکی خوشنویسی کے بارے میں مشہور ہے کہ جھنجری مسجد کے اوپری محراب میں ایک پتھر جس پر آیۃ الکرسی ابھری ہوئی کندہ تھی ٹوٹ گیا تھا۔ مختلف مقامات کے خوشنویسوں نے وہ ٹکڑا لکھا مگر شان خط کسی کی نہ ملی آخر کار خان بہادر صاحب کو جب علم ہوا تو موصوف نے پہلی ہی کوشش میں آیۃ الکرسی کے اس ٹکڑے کو خط ثلث میں اس استادی سے لکھ دیا کہ پوری آیۃ الکرسی میں جوڑ کا پتہ نہیں چلتا





آپ کا یہ کارنامہ ابھی تک جھنجری مسجد میں موجود ہے۔ اسکے علاوہ آپنے بے شمار قطعات اور وصلیاں لکھی ہیں جو لوگوں کے پاس محفوظ ہیں۔ آپنے بہت سے لوگوں کو شاگرد بنایا جن میں اکثر شہرت کے مالک ہوئے۔ نادِ علیاً آپکا نمونہ ہے۔

سید حسن علی خوشنویس آپنے اپنے بھائی سے اس فن کو حاصل کیا اور کافی شہرت کے مالک ہوئے۔ آپ کے خط میں بجید پائداری، صفائی اور اصول کی پابندی پائی جاتی ہے۔ آپ کے تحریر کردہ قطعات و وصلیاں بہت ہیں جنکی حفاظت نہ ہونے کی وجہ سے کرم خوردہ ہو رہے ہیں بڑی تلاش کے بعد یہ وصلی پیش کی جا رہی ہے اسکے الفاظ پوربی زبان کے ہیں۔

امی ہلاہل مدھ بھرے، سیت شیام رتنار
جیت مرت جھک جھک پرت جہ چیوت اِکبار

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق کی آنکھوں میں سفیدی امرت ہے۔ سیاہی زہر ہے اور نارنجی رنگ شراب ہے وہ جسکی طرف دیکھتا ہے تو کوئی زندہ ہو جاتا ہے کوئی مر جاتا ہے اور کوئی لڑکھڑانے لگتا ہے۔ شاعر کا نام معلوم نہیں شعر معنوی حیثیت سے بہت بلند ہے اور فنی حیثیت سے صنعت لف ونشر مرتب کا حامل۔

سید خورشید علی خوشنویس آپ بھی محلہ سپاہ کے رہنے والے اور جونپور کے مشہور خوشنویسوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اپنے فن کو کمال کے درجے تک پہونچا دیا اور اس قدر شہرت حاصل کی کہ اضلاع غیر سے لوگ آکر آپکے شاگرد ہوئے۔ آپ کے کتبات جونپور کے ہر شوقین گھرانوں میں پائے جاتے ہیں جونپور میں خط نستعلیق کو ترقی دینے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ کے خط میں بجید پختگی اور سلیقہ مندی ہے بڑے بڑے مشہور اہل فن نے سراہا ہے اور داد دی ہے۔ بابِ نجف آپ کا نمونہ ہے۔

محمد علی خوشنویس آپ جونپور کے اساتذہ میں شمار کیئے جاتے ہیں۔ آپ کا مشغلہ ہی خوشنویسی تھا۔ دن رات میں جب بھی اپنے نجی کاموں سے فرصت پاتے تختیوں کی مشق میں مشغول ہو جاتے۔ شان خط خالص ایرانی ہے آپکے قطعات بہت سے مقامات پر محفوظ ہیں۔ اور اچھی حالت میں ہیں خط کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ "بو العجبیہای" آپ کا کتبہ ہے۔

سید محمد باقر صاحب منصف آپ خان بہادر علی حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر کے صاحبزادے تھے۔ خوشنویسی اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اس فن میں اتنی مشق بڑھائی کہ بڑے بڑے استادوں کی وصلیاں من وعن نقل کر دیتے۔ یہ بہت بڑا کمال ہے جو آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھا۔ زیادہ مشق عماد الحسنی کے خط سے کی تھی اور اسی لئے آپ کے خط میں عماد الحسنی کا پورا رنگ جھلکتا ہے۔ آپکے خط کا کوئی نمونہ نہ مل سکا۔ سب برباد ہو گیا۔

حکیم سید نور الحسن آپ بھی محلہ سپاہ کے رہنے والے اور اپنے وقت کے طبیب حاذق تھے۔ دروازے پر خلاف وقت بھی مریضوں کا ہجوم رہتا۔ طبابت سے جو وقت مل جاتا تو خوشنویسی کی مشق میں لگ جاتے۔ آپ نے اپنے خط میں ایک امتیازی حیثیت پیدا کر لی تھی۔ آپکی تحریر میں ایک کشش تھی جو کچھ لکھتے جاذب نظر ہوتا۔ خط شکست میں بھی بڑی لطافت تھی۔

سید غلام مہدی صاحب آپ حکیم سید نور الحسن صاحب کے صاحبزادے تھے۔ آپ کو فنون لطیفہ سے کافی ذوق وشوق تھا۔ خوشنویسی اپنے خاندان میں حاصل کی۔ اور یک بیک شاعری کی طرف مائل ہو گئے لکھنؤ کے مشہور مرثیہ گو حضرت میر انیس لکھنوی کے شاگرد ہو گئے۔ کلام میں اپنے استاد کا ایسا رنگ پیدا کیا کہ لوگوں نے آپکو انیس جونپور کا خطاب دیدیا خط کا نمونہ دستیاب نہ ہو سکا۔

سید مظفر جہاں حسینی خوشنویس

شہر سے باہر دیہات میں جہاں جہاں خوشنویسی پہونچی دو مقامات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ایک کجگاؤں دوسرا پرگنہ ماہل جو پہلے جونپور میں شامل تھا۔ ماہل میں راجہ ارادت جہاں کا خاندان آباد تھا اور کجگاؤں میں مولوی گلشن علی کا خاندان تھا یہ لوگ جونپور کے خوشنویس گر کی حیثیت سے یاد کئے جاتے ہیں۔ راجہ ارادت جہاں کے لڑکے سید مظفر جہاں تھے انلوگوں کا نام غدر ۱۸۵۷ء کے سلسلے میں زیادہ مشہور ہے راجہ ارادت جہاں اودھ کے پہلے شخص تھے جس نے سرکار انگلشیہ کے مقابلہ میں کئی لڑائیاں لڑیں اور کئی مرتبہ انگریزوں کو پسپا کر دیا سامان و اسلحہ تک چھین لیا مگر غداری بھی ہندوستانیوں کا طرۂ امتیاز ہے راجہ ارادت جہاں کے حقیقی بھائی سید فصاحت جہاں نے انگریزوں سے مل کر انکو گرفتار کرا دیا یہی وہ پہلے شخص تھے جنکی جائدادیں ضبط ہوئیں اور اور پھانسی کے تختے پر لٹکائے گئے۔

سید مظفر جہاں راجہ ارادت جہاں کے بیٹے تھے۔ ان کے کارناموں سے پتہ چلتا ہے کہ سید مظفر جہاں فن سپہ گری کے ماہر اور جنگ جو آدمی تھے جو غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے لڑے مگر آپ کی گھریلو زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ کو زندگی کے دیگر شعبوں میں کافی دخل تھا۔ آپ ایک اچھے خاصے ادیب اور شاعر ہونے کے علاوہ خطاط بےمثال بھی تھے۔ آپکی اولادوں کے پاس اکثر وصلیاں اور تختیاں آپکے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہیں جو عدم توجہی کی وجہ سے پانی کھا کر ایک دوسرے سے چپک گئی ہیں۔ علحدہ کرنے میں بوسیدہ اور شکستہ ہو جاتی ہیں۔ بیحد احتیاط کے بعد دو ایک تختیاں حاصل ہوئی ہیں جو نمونے کے طور پر شایع کیجا رہی ہیں۔

اس وصلی میں آپ نے تمام خطوں کو پیش کیا ہے جو اس وقت رائج تھے۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان ۱۵ خطوں میں زیادہ تر ایسے ہیں جن پر آپ کو پورا عبور تھا کیونکہ ان خطوں کے اسلوب اور نوک پلک۔ دائرہ ودامن۔ جوڑ توڑ۔ وصل وفصل نشست وکرسی میں آپ نے وہی پابندی کی ہے جو ان کے لئے مقرر ہے۔ خط کی پختگی بتاتی ہے کہ آپ اپنے وقت کے یگانۂ روزگار خوشنویس گذرے ہیں۔

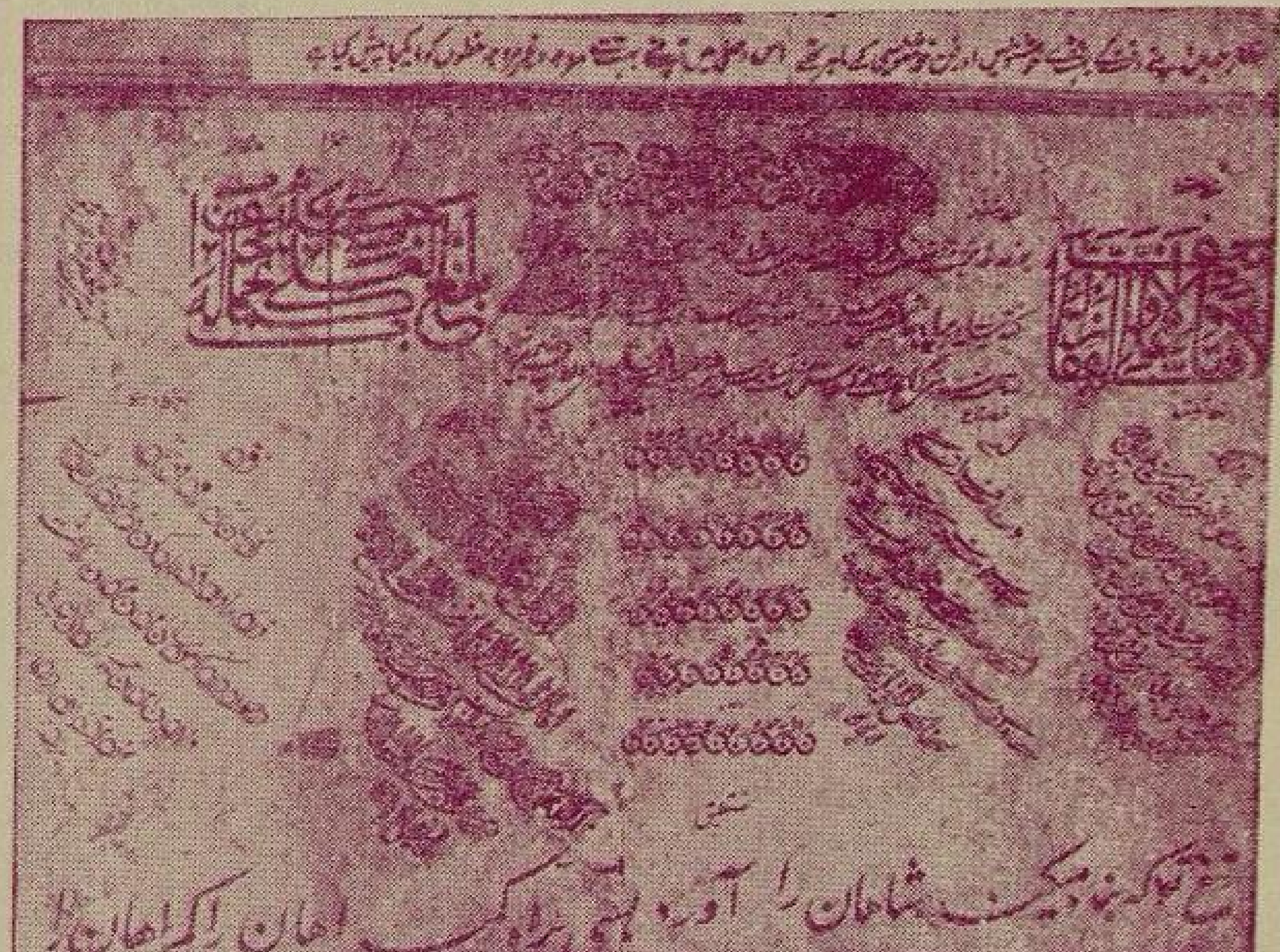
اس وصلی میں آپ نے سب سے اوپر خط توقیع کو پیش کیا ہے اسکے نیچے دائیں بائیں پہلے خط طغریٰ بعد میں خط شفیعہ اور پھر خط طغریٰ ہے۔

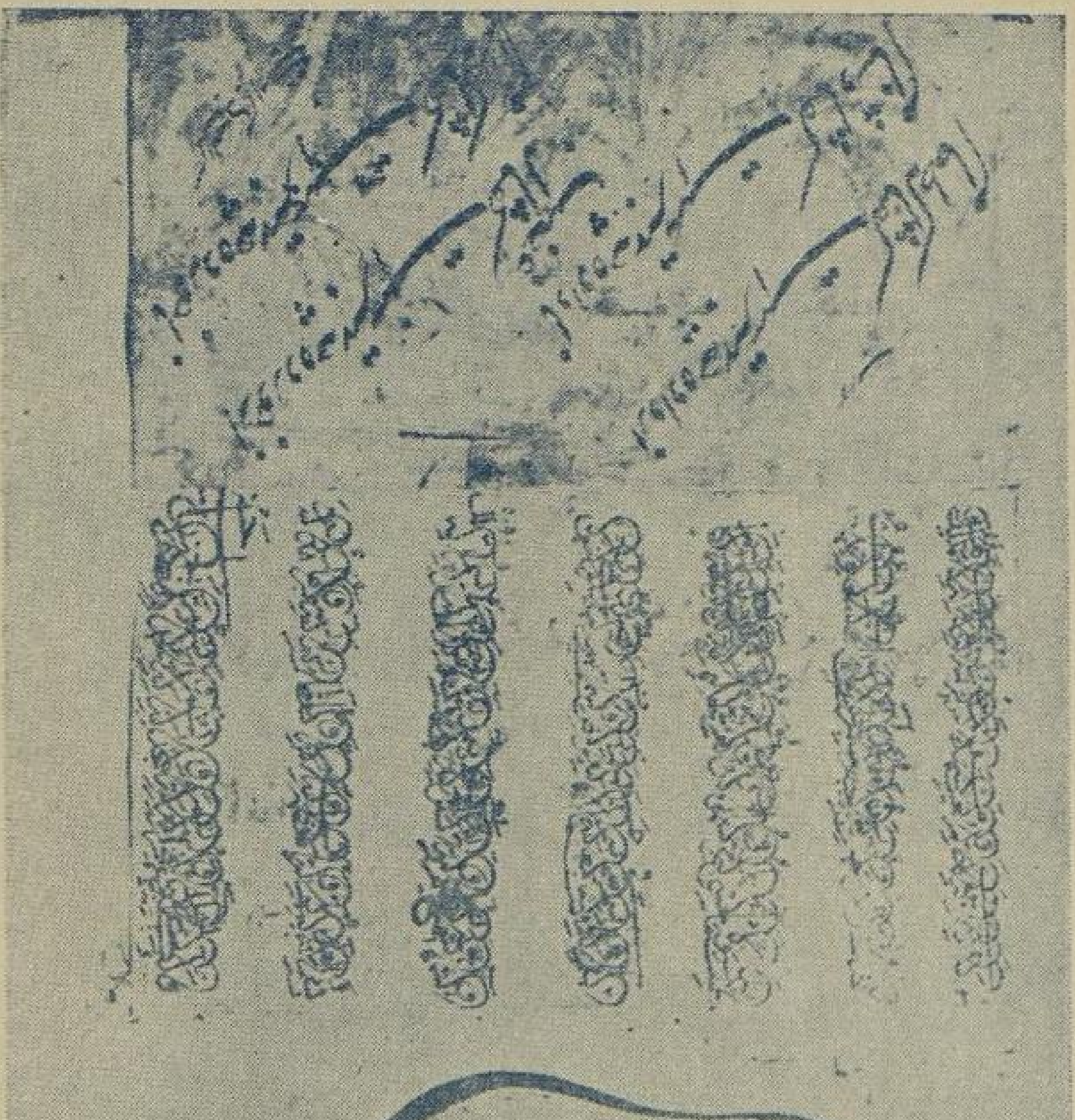
تیسری سطر میں دائیں سے بائیں پہلے خط تعلیق پھر رقاع پھر محقق پھر خط ریحان اور پھر خط درپیے پیش کیا ہے۔

چوتھی سطر پوری خط نستعلیق کی ہے۔

پانچویں سطر میں پہلے ناگری پھر سنبلی پھر شکست پھر تالیفی پھر سفل آمیز پھر شکست ریحاں پیش کیا ہے۔ سب سے آخر میں خط شکست کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے

آپ خوشنویس زمانہ منشی رجب علی کے شاگرد تھے۔ رجب علی کے قطعات بوسیدہ حالت میں موجود ہیں۔ مولانا کرامت علی صاحب بھی رجب علی کے شاگرد تھے۔ سید مظفر جہاں اور مولانا کرامت علی پیر بھائی تھے۔ سیرۃ کرامت علی میں آپکو منشی عبد الغنی کا شاگرد بتایا گیا ہے مگر آپ نسخ و نستعلیق دونوں کے ماہر تھے ہو سکتا ہے کہ دونوں سے سیکھا ہو۔ دونوں خوشنویسوں کی بہت سی تختیاں سید مظفر جہاں کی اولادوں کے پاس محفوظ ہیں جو بوسیدہ حالت میں ہیں۔ بسم اللہ کی چڑیا اور خط ریحاں کا نمونہ مظفر جہاں کے ہاتھ کا تحریر کردہ ہے۔ ساتھ ہی مولانا کرامت علی جونپور کا بھی نمونۂ خط دیا گیا ہے۔





مولوی فضل قلندر | آپ بھی فن نستعلیق کے بہت بڑے استاد تھے۔ آپکی وصلیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا درجہ آغا عبدالرشید دیلمی اور حافظ نوراللہ سے کم نہ تھا خط میں ایسی پاکیزگی اور لطافت ہے کہ ولایتی خط کا دھوکا ہوتا ہے بخیال طوالت نمونہ پیش نہیں کیا جاسکا۔

ضابطہ خاں | آپ راجہ مظفر جہاں کے شاگردوں میں تھے آپکے ہاتھ کی لکھی ہوئی وصلیاں مظفر جہاں کی اولادوں کے پاس وصلیوں کے ذخیرے میں موجود ہیں۔ مشق بتاتی ہے کہ اپنے وقت کے آپ بھی اچھے خوش نویس تھے۔

محمد علی خوش رقم | آپ نسخ اور نستعلیق دونوں کے ماہر تھے۔ آپکی مشق بتاتی ہے کہ آپ سجید کہنہ مشق اور تجربہ کار خوشنویس تھے اور فن پر اتنا عبور تھا کہ جو وصلیاں آپنے لکھدی ہیں وہ محمد ابراہیم اور محمد میرزا کے ہم پلہ ہیں آپنے اپنی حیات میں بہت سے شاگرد پیدا کیئے۔ آپکے خط کا نمونہ مظفر جہاں کی اولادوں کے پاس محفوظ ہے۔

سبحان علی | آپ محمد علی خوشنویس کے شاگردوں میں سے تھے۔ صرف نستعلیق پر مشق کی تھی اور اپنے استاد کی ہو بہو نقل کرتے تھے اور کامیاب نقل ثابت ہوتی تھی۔ آپکی تحریریں موجود ہیں۔

کرم علی | آپ بھی محمد علی کے شاگرد اور سبحان علی کے گر بھائی تھے آپکے خط میں بھی استاد کا پورا رنگ جھلکتا ہے۔

مظفر جہاں اور انکے سلسلے کے شاگرد اور تمام اہل فن ۱۸۴۰ء سے لیکر ۱۸۶۰ء تک کی پیداوار ہیں۔ نمونۂ خط سب کا موجود ہے۔

مولانا کرامت علی صاحب مرحوم | آپ محلہ ملاٹولہ جونپور کے رہنے والے تھے آپ سید مظفر جہاں کے ہمعصر تھے آپ نے خوشنویسی کو اتنا رائج کیا کہ محلہ اور

خاندان کی ہر فرد کو خوشنویس بنا دیا۔ آپ نسخ و نستعلیق دونوں کے ماہر تھے آپنے اس فن کو حافظ عبدالغنی اور رجب علی خوشنویس دونوں استادوں سے حاصل کیا تھا۔ اور دونوں خط کے زبردست ماہر تھے۔ حافظ عبدالغنی محمد علی صاحب خوش رقم کے شاگرد تھے۔ جب مولانا خوشنویسی میں اپنے استاد کے ہم پلہ ہو گئے تو استاد مرحوم نے خوشخطی کا تمام ذخیرہ جو انکو اپنے استاد سے ملا تھا مولانا کے حوالے کر دیا۔ خدا کی شان کہ وہ ذخیرہ مولانا کے گھر ہی میں رہ گیا یعنی جب مولانا کے بھتیجے مولوی محمد محسن صاحب مرحوم خوشنویسی میں کامل ہوئے تو مولانا نے وہ ذخیرہ اپنے لائق و کامل بھتیجے کو مرحمت فرمایا اور انھوں نے اپنے لائق فرزند مولوی ابوالحسین صاحب مرحوم کو سپرد فرمایا۔

حضرت مولانا ہفت رقم تھے آپکی تحریر کردہ عربی کتابیں اور قرآن شریف اب بھی لوگوں کے پاس موجود ہے۔ آپ ایک چاول پر پورا سورہ قل ہو اللہ مع بسم اللہ کے لکھتے تھے اور آخر میں اپنا نام بھی لکھتے تھے حروف نہایت صاف و خوشخط ہوتے تھے (سیرۃ مولانا کرامت علی جونپوری ص ۱۵-۱۶)

مولانا عبدالاول مرحوم آپ مولانا کرامت علی کے صاحبزادے تھے. فن خوشنویسی اپنے والد سے حاصل کیا اور خط نسخ کے ماہر ہو گئے آپکے خط کا نمونہ آپکے کمرہ کی دیوار پر کندہ دیکھا جا سکتا ہے۔

مولوی محمد محسن صاحب آپ مولانا کرامت علی صاحب کے بھتیجے تھے. آپنے نسخ اور نستعلیق دونوں خط مولانا کرامت علی اور اپنے والد سے سیکھا۔ ابوالحسین کے خط میں بیحد شیرینی اور حلاوت ہے۔ ملا ٹولہ کی مسجد کے دروازے پر آپ ہی کی تحریر کندہ ہے۔ آپنے اپنے محسنی پریس کے قیام کے دوران قاعدے اور سیپارے بھی چھاپے جسکی کتابت خود ہی کی تھی۔

حافظ محمد یعقوب آپ ملاٹولہ میں بچوں کو پڑھاتے تھے اور خوشنویسی میں حافظ شکر اللہ ملاٹولوی کے شاگرد تھے۔ نسخ و نستعلیق دونوں خط کے ماہر تھے اعظم المطابع جونپور اور جادو پریس جونپور کی کتابیں لکھتے تھے۔ آخر میں بعارضہ فالج کتابت سے کنارہ کش ہو کر سنہ ۱۹۶۰ء میں انتقال کیا۔

منشی عبد المجید آپ بھی ملاٹولہ کے رہنے والے تھے خوشنویسی میں حافظ شکر اللہ کے شاگرد تھے۔ اعظم المطابع کی کچھ کتابیں لکھی ہیں۔

حافظ شکر اللہ آپ بھی ملاٹولہ کے رہنے والے تھے۔ منشی شمس الدین اعجاز رقم کے شاگرد تھے۔ نسخ بھی کسیقدر لکھ لیتے تھے۔ اعظم المطابع کے مستقل ملازم تھے۔ باہر کا کام نہ کرتے تھے۔

جونپور کا آخری فنکار شیخ ممتاز حسین آپ کا اصلی وطن محلہ چتر ساری شہر جونپور ہے سرکار انگلشیہ کی ملازمت میں ہمیشہ باہر رہے پنشن لینے کے بعد مستقل سکونت لکھنؤ میں اختیار کی اور قومی کاموں میں بڑی دلچسپی لینے لگے۔ آپ کا شمار جونپور نہیں بلکہ ہندوستان کے کاملین فن میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے فن کی تحصیل کے سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ :-

"کچھ ایسا اتفاق کہ بچپن ہی سے مجھے مضمون نگاری پھر تصنیف و تالیف کا شوق رہا اور خوش نویسی میں ہر قسم کے خط کو اس خط کے کامل خوشنویس سے تکملہ فن کیلئے سیکھا چنانچہ نستعلیق کو شیخ محمد حسن صاحب و شیخ زائر حسین صاحب جونپوری سے سیکھنے کے بعد اپنے عہد کے کامل خوشنویس مولوی محمد باقر صاحب خوشنویس محلہ سپاہ سے اور خط نسخ کو قطعات الجواہر جیسی کتاب کے لکھنے والے خوشنویس جناب محمد میرزا صاحب کے

شاگرد رشید شیخ حشمت علی صاحب منصرم سے حاصل کیا
پھر شکست اور شفیعہ اور دیگر خطوط اپنے ہموطن اور عزیز کامل
شیخ علی یاور خوشنویس سے سیکھے اسکے بعد متعدد کتابیں مختلف
زبانوں میں تاریخ خطاطی پر پڑھ ڈالیں اور بے شمار استادان
فن سے مدتوں تبادلۂ خیالات اور اکتسابات سے جو فائدہ ہوا
ان سب کا نچوڑ یہ کتاب ہے جو اپنی قسم کی شاید پہلی کتاب ہو
(تعلیم خط و املا مصنفہ شیخ ممتاز حسین جونپوری)

شیخ صاحب موصوف نے اس فن کو علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے سمجھا اور سیکھا اور ہمیشہ اس فن کو رواج دینے اور اسکے اہل تک پہونچانے میں کوشاں رہے۔ آپ نے ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء میں ایک کتاب "تعلیم املا و خط" کے نام سے شایع کی جسمیں (۱) نستعلیق کی ایجاد (۲) حرفوں کی ساخت اور جوڑ (۳) نستعلیق میں ہتھیاروں کی نشانی (۴) تین اہم اعضاے نستعلیق (۵) جائز مد (۶) جوڑ پیوند (۷) جوڑ کی مختصر اور مختلف شکل (۸) مشابہ آواز کے حروف (۹) جوڑ لگانے کا طریقہ (۱۰) نستعلیق کی خصوصیات (۱۱) نستعلیق کی وسعت (۱۲) املا اور خوشخطی کے لیے مشترکہ ہدایتیں (۱۳) حرف آخر (۱۴) چہار حرفی اور زیادہ حرفی نقشہ تیار کرنے کا قاعدہ وغیرہ عنوانات کے تحت بے حساب معلومات فراہم کی ہیں۔ اس کتاب پر بھارت سرکار نے آپ کو انعام بھی دیا ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کے علاوہ باہر کے ملکوں میں بھی پہونچ چکی ہے جس میں سب سے پہلی مانگ جرمنی کی لائبریری سے آئی تھی۔

آپ کے شاگردوں میں میر علی ضامن صاحب ترمذی جونپوری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جنھوں نے الف سے ی تک تمام حروف مفردہ کے علم المساحت کے

تحت ارض وطول وبلندی کے حدود مقرر کر دیے تھے تاکہ ان حروف کو بلا دیکھے بھی بنایا جاسکے۔ ترمذی صاحب کا یہ کارنامہ انکے ساتھ ہی چلا گیا۔

شیخ علی یاور صاحب مرحوم آپ محلہ چتر ساری کے رہنے والے تھے یہ محلہ بھی زمانہ شاہان شرقیہ سے علوم وفنون کا آماجگاہ رہا ہے۔ شرقی سلاطین کا اس محلہ سے قریبی لگاؤ تھا بہت سے ملازمین خاص اس محلہ میں رہتے تھے۔ اسکا قدیم نام چتر شاہی تھا۔ شرقی زمانے کے کاملین فن کا کوئی نشان نہیں ملتا البتہ مغل سلطنت کے آخری دور سے کچھ اہل فن کے حالات ملتے ہیں جنکی اولادوں میں شیخ علی یاور صاحب ۱۹۱۵ء تک بقید حیات تھے

آپ خط شکست وشفیعہ کے ماہر تھے۔ شیخ ممتاز حسین جونپوری جو اپنے وقت کے امام فن خوشنویسی سمجھے جاتے تھے آپکے بھی شاگرد تھے۔ آپکے کتبات شیخ ممتاز حسین مرحوم کے پاس محفوظ تھے۔

شیخ محمد مصطفےٰ آپ بھی محلہ چتر ساری کے رہنے والے تھے نسخ اور نستعلیق اپنے محلہ کے استادوں سے سیکھا اور پریس میں کتابت کرنے لگے۔ آپکی تحریر کردہ ایک کتاب ۲۱ر دسمبر ۱۸۹۹ء میں جعفری پریس جونپور میں چھپی ہے۔ آپکا فن اپنے زمانے کے لحاظ سے کافی ترقی یافتہ تھا۔ آپکو نقاشی اور طغری نویسی سے بھی کافی لگاؤ تھا۔ عین شباب میں سیاسی سرگرمیوں پڑکر آپ کلیفورنیا چلے گئے وہاں سے واپسی پر رنگون جیل میں نظر بند رہے۔ آخر میں جیل ہی میں انتقال کیا۔

شیخ زائر حسین آپ بھی محلہ چتر ساری کے باشندے تھے۔ نسخ ونستعلیق دونوں خطوں کے ماہر تھے۔ عربی فارسی میں کافی استعداد رکھتے تھے۔ آپکو علم الاعداد۔ نجوم اور جفر سے بیحد شوق تھا۔ جفر کے ذریعے آپ نے محیر العقول جوابات نکالے اور اسی سے زیادہ مشہور ہوگئے۔

سید محمد محسن ذوالقدر بہادر قصبہ سادات مسونڈہ عرف کجگاؤں میں سب سے پہلے خوشنویس مولوی گلشن علی تھے۔ آپ نے محلہ دریبہ کے قرابتداروں میں اس فن کو کافی رواج دیا۔ سید محمد محسن ذوالقدر نسخ میں محمد میرزا جواہر رقم کے شاگرد تھے اور نستعلیق مولوی گلشن علی صاحب مرحوم سے سیکھا۔ آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں میں اس فن کو پھیلایا اور اپنے فن کو محدود رکھا۔ رباعیاں۔ قصیدے اور مرثیے لکھنے میں وقت گزار دیا۔

سید علی حامد صاحب جج آپ علی جواد صاحب ڈپٹی کلکٹر کے صاحبزادے تھے۔ شاعری اور خوشنویسی میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے فن خوش نویسی اپنے خاندان ہی میں حاصل کی۔ آپ کے قطعات اور وصلیاں آپ کی اولادوں کے پاس محفوظ ہیں

سید علی مہدی صاحب انجنیر آپ مولوی گلشن علی صاحب کے شاگرد تھے اور صحیح معنوں میں خوشنویسی حاصل کیا۔ اپ سید علی حامد صاحب کے بھائی تھے خوشنویسی سے فطری طور پر لگاؤ تھا۔ اور اس فن کو آخر عمر تک اپنا ذریعہ تفریح بنائے رہے۔ آپ میں ایک کمال یہ بھی تھا کہ نستعلیق کے ہر کاتب کی شانِ خط بجنسہ نقل کر دیتے۔ جلی خط پر زیادہ قابو حاصل تھا۔ آپ کے کتبات خاندان کے لوگوں کے پاس موجود ہیں۔

سید محمد کاظم ڈپٹی کلکٹر آپ بھی محلہ دریبہ کے رہنے والے اور اچھے خوش نویس تھے۔ بہت سی وصلیاں اور تختیاں لکھکر اولادوں کو چھوڑ گئے جن میں سے اکثر تختیاں خاندان میں موجود ہیں آپ کے صاحبزادگان میں سید احمد حسن مرحوم چیف سکریٹری بنارس اسٹیٹ اور سید منصور حسن صاحب نے اس فن کو باقاعدہ حاصل کیا جن کے کتبے خاندان میں موجود ہیں۔

سید محمد ہاشم صاحب ڈپٹی کلکٹر آپ سید محمد کاظم صاحب ڈپٹی کلکٹر کے بھائی تھے خوش نویسی اپنے بھائی صاحب موصوف کے ساتھ خاندان میں حاصل کی قطعات وصلیاں نہیں پائی جاتیں۔ اصلاح کا سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رکھا۔ آپ اعلیٰ درجے کے شاعر بھی تھے خصوصاً قطعہ تاریخ میں بہت کمال حاصل تھا۔

سید ناصر علی ذوالقدر ثانی آپ سید محمد احسن صاحب مرحوم کے صاحبزادے اور سید محمد محسن صاحب ذوالقدر کے پوتے بقید حیات ہیں۔ آپ نستعلیق اور نسخ دونوں خطوں کے ماہر ہیں، فن خوشنویسی اپنے خاندان میں سیکھا مگر اسکا استعمال نہ کر سکے۔ اب اس خاندان کے افراد میں اس فن کا جاننے والا کوئی نہیں ہے نہ کسی میں سیکھنے کا ذوق وشوق۔ آپ کی ذات بھی ٹمٹماتے چراغ کی مثل ہے۔

آپکے خاندان میں بہت سی وصلیاں اور تختیاں جو نسخ و نستعلیق کا شاہکار ہیں موجود ہیں۔ مولف کے بار بار اصرار پر بھی فوٹو لینے سے گریز کیا گیا وہاں جاکر آسانی سے دیکھی جاسکتی ہیں۔

شیخ لیاقت علی خوشنویس محلہ بازار بھوا کے رہنے والے تھے خط نستعلیق منشی محمد علی خوش رقم سے حاصل کیا اور جونپور میں اصلاح کا سلسلہ عام کرکے بہت سے شائقین کو فائدہ پہنچایا کہ ہر محلہ میں خوشنویس نظر آنے لگے۔

شیخ محمد حسن آپ بھی محلہ بازار بھوا کے رہنے والے تھے اور شیخ لیاقت علی خوشنویس کے صاحبزادے تھے۔ شیخ ممتاز حسین جونپوری جیسا صاحب فن آپ ہی کا شاگرد تھا۔ آپ نے بھی جونپور میں کافی شاگرد بنائے ان میں بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے اسے پیشہ کے طور پر استعمال کیا۔

کاظم حسین خاں آپ محلہ تاڑتلہ کے رہنے والے اور کاظمی پریس جونپور کے مالک تھے۔ آپنے خوشنویسی کسی خاص استاد فن سے نہیں سیکھی چونکہ آپ ذہین اور طباع ضرورت سے زیادہ تھے اسلئے استادوں کی تختیوں سے بہت کچھ حاصل کرلیا۔ آپ کا قول تھا کہ شان خط میں جاذبیت ہونا چاہیئے اصول و قواعد کوئی چیز نہیں۔ اور آپ اسی اصول کو ماننے بھی تھے۔ آپنے اپنے پریس کا کام بڑی توجہ سے کیا اور اپنے بڑے لڑکے علی مہدی خاں کو اپنا وارث وجانشین بناکر بعارضہ فالج کچھ دنوں مبتلا رہکر انتقال کیا۔

سید رضا حسین آپ مولوی محمد محسن صاحب خوش نویس کے شاگرد ہیں اور محلہ بارہ دوری جونپور کے رہنے والے ہیں۔ ابتدائی تعلیم سے فراغت کرنے کے بعد خوش نویسی کی طرف مائل ہوئے۔ پہلے رسمی طور پر مشق جاری رکھی بعد میں مولوی محمد محسن صاحب کے باقاعدہ شاگرد ہوگئے اور فن پر اتنا ریاض کیا کہ خط میں استادانہ رنگ پیدا ہوگیا۔ آپنے ملازمت کے سلسلہ میں بہت سے شہروں کا سفر کیا اور وہاں اپنے فن کا جھنڈا گاڑ دیا۔ آجکل جاسوسی دنیا رانی منڈی میں مستقل ملازمت کرلی ہے جہاں صرف ٹائٹل اور موٹے کام پر مامور ہیں اور آجکل کے مشہور کاتبوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

ایم محتشم کاشانی آپ محلہ بازار بھوا کے رہنے والے ہیں اپنے جد امجد شیخ حشمت علی مرحوم سے فارسی کی ابتدائی کتب پڑھیں اور خط نسخ کی مشق شروع کی۔ انکے انتقال کے بعد شیخ محمد حسن مرحوم سے خط نستعلیق سیکھنا شروع کیا۔ جب ہاتھ میں قوت آگئی تو حافظ محمد یعقوب ملا ٹولہ سے فن کتابت سیکھ کر سنہ ۱۹۲۳ء میں ترک وطن کرکے لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں منشی شمس الدین اعجاز رقم کے ہونہار شاگرد میرزا محمد جواد مالک نظامی پریس لکھنؤ کے ساتھ ۲۲ سال

مسلسل گزار دیے۔ اس عرصہ میں آپ کا دونوں خط نسخ اور نستعلیق ترقی کرتا گیا۔ اسکے علاوہ نقاشی ومصوری کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ تیس ۳۰ روپیہ ہدیہ والا قرآن مجید جسکے ہر صفحہ پر پانچ رنگ کی بیل چھپی ہے اور سات رنگوں میں ٹائیٹل ہے آپ ہی کی فنی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اسکے علاوہ ۵۶ روپیہ قیمت کا باتصویر مرثیہ بھی آپ ہی کی نقاشی کا رہین منت ہے۔ اسکے علاوہ نسخ و نستعلیق کی بہت سی کتابیں آپ کی تحریر کردہ ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں آپ بمبئی چلے گئے وہاں ۴-۵ قرآن مجید مکمل اور ۳-۴ غیر مکمل قرآن مجید لکھے۔ اور خط نسخ اور ثلث میں کافی مہارت حاصل کرلی۔

آپ کا خط نہایت پاکیزہ ہے۔ سب سے زیادہ خوبی یہ ہے کہ زود نویسی اور صحت نویسی آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ خط شفیعہ کے بھی ماہر ہیں اور خط میں خوبصورتی سب سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ ہندی، انگریزی۔ بنگلہ۔ گجراتی۔ عربی اور اردو زبان کے بھی بمثل خطاط ہیں۔ اور ابھی تک بقید حیات ہیں۔

شیخ علی حسن | آپ مفتی محلہ کے رہنے والے نسخ و نستعلیق کے ماہر تھے آپ نے محلہ سپاہ کے سید حسن علی سے نستعلیق مشق کیا اور کتابت کا پیشہ اختیار کیا اخبار مدینہ بجنور جو کتابت وطباعت کا معیاری پرچہ سمجھا جاتا تھا ۲۰-۲۲ برس لکھا خفی خط موتی کی لڑی سے ملا دیتے تھے۔ عربی کی قابلیت میں علماء و مجتہدین کے ہم پلہ تھے۔ آخر عمر میں بمبئی چلے گئے اور وہاں خوجہ قبرستان میں قرآن خوانی پر ملازمت کرلی اور وہیں انتقال کیا۔

چند خوشنویسوں کے حالات مع نمونۂ خط اور باقی کے صرف حالات دیے گئے ہیں جونپور شاہان شرقی کا ایک صدی تک پایہ تخت رہا اور بے شمار علما کا مرکز۔ انہیں کتنے خوشنویس گذرے اسکا اندازہ لگانا ناممکن ہی مگر ابھی بہتوں کا نام ملتا ہی جو درج نہ ہو سکا۔

مغنیانِ جونپور

ہندی اور عجمی موسیقی کا اختلاط مسلم فاتحین نے جب ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی تو ہندوستانی معاشرت کا ان پر کافی اثر پڑا اور بہت سی چیزیں اہل ہنود کی اختیار کرنے لگے۔ ہندی علوم کا معیار کافی بلند پایا جن میں ہندی موسیقی۔ ہندی فراست الید، ہندی طب اور ہندی نجوم خاص طور پر معیاری تھے۔ ان علوم کے ترجمے ماہرین کی نگرانی میں فارسی زبان میں کرانا شروع کیا۔ اور اسلامی موسیقی، فراست الید، طب اور نجوم سے مقابلہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے اختلاط سے ترقی کی نئی نئی راہیں نکلنا شروع ہوگئیں

حضرت امیر خسروؒ اور ہندی موسیقی عجمی موسیقی اور ہندی موسیقی کی آمیزش اور باہمی اختلاط سے موسیقی میں ایک تیسرا راستہ نکالنے والے شخص حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ تھے۔ آپکا نکالا ہوا راستہ اتنا مقبول خاص و عام ہوا کہ شمالی ہند سے لیکر پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔

اکثر مصنفین نے ہندی موسیقی (سنگیت) کی سنسکرت اور ہندی کتابوں کے ترجمے کئے اور بادشاہوں کی خدمت میں پیش کر کے انعامات حاصل کئے بعض مصنف نے ہر علم کو ترجمہ کر کے علٰحدہ شکل دیکر کتاب تیار کی اور بعض مصنف نے کئی علوم کو ایک جگہ کر کے کتاب کی شکل میں پیش کیا۔ چنانچہ

کتاب "لہجات سکندری" میں صرف موسیقی کو فارسی زبان میں ترجمہ کرکے سکندر لودی کو پیش کیا گیا اور کتاب "تحفۃ الہند" میں ہندی طب، سنگیت اور سامُدریک (قیافہ) کو فارسی زبان میں ترجمہ کرکے کتاب کی شکل دیگئی۔

ہندی علوم میں موسیقی نے مسلمانوں کو زیادہ متاثر کیا اور سب سے زیادہ مقبولیت حاصل کی کیونکہ اس علم میں مسلمانوں کو کچھ ایسی کرامتیں نظر آئیں کہ انھوں نے درباروں تک پہونچایا اور بادشاہوں کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکی

تاریخیں بتاتی ہیں کہ خاندان تغلق۔ خلجی اور مغلیہ کے تمام بادشاہوں کا دربار بہترین نائکوں، کلاونتوں، سازندوں اور رقاصوں سے بھرا ہوا رہتا تھا۔ مصنف معدن الموسیقی رقمطراز ہیں کہ:۔

"زمانہ تغلق بادشاہوں سے ڈھاڑیوں کو حکم سامنے بیٹھکر گانے کا ہوا اور اسی وقت سے گویّے دربار میں طلب کئے جانے لگے۔ اس سلسلہ میں سلطان علاءالدین خلجی کے زمانے کو سب پر ترجیح دیجا سکتی ہے کیونکہ امیر خسرو" جیسا باکمال نائک اسی بادشاہ کے عہد میں موجود تھا جس نے ہندی اور عجمی موسیقی کی آمیزش سے ایک نیا راستہ پیدا کیا۔

تغلق بادشاہوں کے عہد میں جو گویّے دربار سے منسلک تھے وہ بالکل آزاد روش تھے اور اپنے فن میں کوئی خصوصیت پیدا نہ کرسکے تھے۔ مصنف "معارف النغمات" لکھتے ہیں کہ:۔

"گوپال نائک نے تغلق کے درباری گویوں کو عاجز کردیا تھا۔" اور اسی لئے فن موسیقی دہلی میں مقبولیت اور مرکزیت حاصل نہ کرسکا تھا شاہ علاءالدین خلجی نے اس کمی کو محسوس کیا اور حضرت امیر خسرو نے پوری کرنے پر کمر ہمت باندھی۔

حضرت امیر خسروؒ میں موسیقی کو جزوی اور کُلّی ہر طرح پر سمجھنے اور علمی اور عملی حیثیت سے انجام دینے کی خداداد صلاحیتیں موجود تھیں جو بوقت مقابلہ گوپال نائک دربار علاءالدین خلجی میں ظاہر ہوئیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ گوپال نائک دکن سے علاءالدین خلجی کے دربار میں آیا۔ بادشاہ نے اسکا گانا سُننے میں بڑا اہتمام کیا۔ تمام درباری امراء اور ملازمین اور معززین شہر کو دعوت دی اور دربار مخصوص انداز میں آراستہ کیا گیا۔ گوپال نائک جسکے لئے مشہور ہے کہ ڈھائی سو شاگرد اُس کی سواری کا رتھ کاندھوں پر لیکر چلتے تھے اور کاندھا دینا فخر سمجھتے تھے وقت معینہ پر دربار میں حاضر ہوا۔ اور اسکے تمام ساز ملائے جانے لگے۔

گوپال ہر جلسے میں نیا راگ ایجاد کرکے گایا کرتا جس سے سامعین اور بڑے بڑے فنکار دنگ رہ جاتے اور یہی سبب اسکی شہرت کا تھا۔ اس جلسہ میں امیر خسروؒ بھی موجود تھے مگر صفِ سامعین سے علٰحدہ اور گوپال کی نظروں سے اوجھل تھے۔ مگر گوپال کی پوری گائکی سُنتے رہے۔

گوپال نائک نے سامعین کے سامنے نئے نئے راگ سناکر خوب خوب انعامات اور دادِ تحسین حاصل کی۔ جب گانا ختم ہوا تو بادشاہ نے امیر خسروؒ کو بلاکر گوپال نائک کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ہمارے گویّے کو بھی بنظر اصلاح سُنیئے۔ گوپال راضی ہوگیا اور دوبارہ دربار آراستہ ہوا۔ سامعین امیر خسرو کو سُننے کے لئے بیٹھ گئے۔ حضرت امیر خسرو کے سازندوں نے ساز کھولے ڈھولک پر تھپکی پڑی اور بلبل موسیقی نے چہکنا شروع کیا۔ جن جن راگوں کو گوپال نے سُنایا تھا ہر راگ کو مشکل سے مشکل تالوں میں توم تانانا دے رے نا وغیرہ بول کے ساتھ بھرے دربار کے سامنے پیش کردیا۔ گوپال نائک کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور اس نے

بیساختہ امیر خسرو کو داد دینا شروع کی۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اسکے گائے ہوئے
راگوں کو دوسرا نہ گا سکے گا۔ امیر خسرو کا وقتی طور پر بنایا ہوا گانا ترانہ
کے نام سے مشہور رہا۔ سلہ

امیر خسروؒ کا ترانہ آجتک رواج میں ہے اور پسندیدہ ہر خاص و عام
ہے۔ ترانہ میں آستائی اور انترہ مثل دیگر گانوں کے ہوتا ہے مگر الفاظ
تا۔ نا۔ دے۔ رے۔ نوم۔ تنوم وغیرہ ہوتے ہیں۔

گوپال نائک کے زور دینے پر امیر خسرو نے اس طرز کو عام کر دیا اور ہر
شاگرد کو طبلہ، ستار۔ ڈھولک۔ ترانہ۔ قول۔ قلبانہ۔ نقش و گل۔ سوتشہ اور ہوا
کی تعلیمات دینے لگے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں امیر خسروؒ کی موسیقی ہر مستند
گھرانوں میں پھیل گئی اور میرٹھ۔ آگرہ۔ بڑودہ۔ الور۔ اندر۔ جیپور۔ تلونڈی
لاہور۔ گجرات۔ بنارس۔ بنگال۔ بہار۔ کچھ۔ حیدرآباد۔ بہار۔ لکھنؤ اور جونپور
وغیرہ مقامات میں آپ کا طرز مقبول عام ہوگیا اور ہر گھرانے میں بہتر سے
بہتر ماہر فن پیدا ہونے لگے۔

یہ گھرانا قوال بچوں کا گھرانا کہا جاتا ہے۔ ان کی گائکی دُھرپد گانے
والوں سے علیحدہ ہے۔ خیال کی گائکی میں ان گھرانوں کی بندشیں آڑی اور
لے شوخ ہوا کرتی ہے اور ٹھیکہ عام طور پر سولہ ماتروں کا ستارخانی ہوتا ہے
ان گھرانوں کی علیحدہ علیحدہ بانیاں تھیں جن میں سے بارہ بانیاں مستند سمجھی جانے
لگیں مثلاً جونپوری رائج کردہ سلطان حسین شاہ
(۲) کبیری رائج کردہ چاند خاں کبیر

سلہ یہ واقعہ تمام کتابوں میں ذرا ذرا سے فرق کیساتھ موجود ہے (مؤلف)

(۳) ٹپہ خوانی راجح کردہ شوری جی۔
(۴) قول (قوالی) رائج کردہ امیر خسروؒ۔
(۵) خیر آبادی اسکے موجد کا نام معلوم نہو سکا۔

غرضکہ اسی طرح بارہ ۱۲ بانیوں کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ جن میں تمام ہندوستان کے گھرانے اپنا گانا پیش کرتے ہیں۔

امیر خسرو علیہ الرحمہ کے بعد موسیقی میں حسین شاہ شرقی جونپوری کا نام آتا ہے جنھوں نے دنیائے موسیقی میں دوسرا انقلاب پیدا کر دیا۔

حسین شاہ شرقی بحیثیتِ نائک

شہزادہ حسین شاہ بن محمود شاہ شرقی فطری طور پر رنگین مزاج واقع ہوا تھا اور شروع ہی سے فنون لطیفہ کا شائق تھا۔ اپنے بھائی محمد شاہ شرقی سے تخت سلطنت حاصل کرنے کے بعد آزادانہ طور پر فنون لطیفہ کی سرپرستی کرنے لگا۔ فنون لطیفہ میں سب سے زیادہ اسکا مرغوب طبع مشغلہ موسیقی تھا جسکے ماہرین کی اس نے خاطر خواہ قدردانی اور عزت افزائی شروع کر دی۔ تھوڑے ہی عرصے میں دربار میں بڑے بڑے پنڈت، نائک، گنی اور گندھرب دکھائی دینے لگے۔ حسین شاہ کی موسیقی کی تعلیم رسمی طور پر نہیں ہوئی تھی جو محض تفریحات کیلئے کافی ہو۔ اس نے اس فن کو اصول و قواعد کے ساتھ سیکھنے کیلئے استادان فن کو اکٹھا کر لیا تھا۔ اور جو کچھ سیکھا اسکا عالم باعمل بھی تھا۔ ہر طرح کی ایجادات پر اتنا قابو رکھتا کہ زمانہ کی نگاہ میں نائکِ وقت کہلایا۔

حسین شاہ نے گانے کو مزید اور پُراثر بنانے کیلئے گانے کی صنف

میں ایک نیا طریقہ ایجاد کیا جسکو خیال کہتے ہیں۔ خیال کے رواج کا دھرپد پر کافی اثر پڑا۔ حالانکہ خیال کی ایجاد سے پہلے دھرپد کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ راجہ مان تنوار نے چودھویں صدی عیسوی میں کبت۔ چھند اور پربند کے رواج کو ختم کر کے دھرپد کو رواج دیا تھا اور سارے ہندوستان کا اہم اور محبوب ترین گانا بن گیا تھا۔

دھرپد میں حمد باری تعالیٰ۔ رزمیہ کارنامے اور مدح کا مضمون ہوا کرتا ہے۔ کئی تالوں میں گایا جاتا ہے مگر اس کا خاص ٹھیکہ چوتالہ ہے جسکے بول ہیں۔ دھا دھا دِھن تا کِٹ دھا دِھن تا تِٹ کت گد گِن۔ یہ ٹھیکہ بارہ ماتروں کا ہوتا ہے اور پکھاوج سے اسکے بول نکالے جاتے ہیں۔

دھرپد گانے والے بیحد محتاط ہوا کرتے تھے۔ وہ حرام چیزوں کا کھانا۔ جھوٹ بولنا۔ ناپاک رہنا۔ راگوں کو خلاف وقت استعمال کرنا بُرا سمجھتے تھے اور بے موقع و بے ضرورت گانے سے احتراز کیا کرتے تھے اسی لئے ان کے گانے میں ایک اثر ہوا کرتا تھا۔

دھرپد کا بول آستائی:۔ پروردِگار کرتار سنسار بھار پار کرن ہار یہی بچار سوہی پاوے ردھ سدھ ٹرے جنجال۔

انترہ:۔ جھوٹی مایا موہ لوبھ کرت جات جگت میں پار برن کی بات چھانڈ دیت بھرمت پھرت چھوں اور۔ (دھرپد بھوپالی کرمک پستک حصہ سوم صفحہ ۵۶)

حسین شاہ کی ایجاد خیال سے پہلے اسی دھرپد پر سارے ہندوستان کی گائکی کا دارومدار تھا۔ دیوتاؤں کو بطور نذرانہ سنایا جاتا تھا۔ پتھر موم کیا جاتا تھا آگ لگائی جاتی تھی۔ پانی برسایا جاتا تھا۔ مگر خیال کی گائکی نے آہستہ آہستہ اپنا رنگ جمانا شروع کیا اور ایک دن ایسا آیا کہ سب طرزوں پر حاوی ہوگیا۔

مصنف "معارف النغمات" رقمطراز ہیں کہ :-

"محمد شاہ کے عہد تک ہوری دھرپد اور سادھرے کا رواج تھا لیکن محمد شاہ کے عہد سلطنت میں شاہ سدا رنگ نے سلطان حسین شاہ شرقی کی ایجاد خیال کو اس درجہ ترقی دی کہ دھرپد کا رنگ پھیکا پڑ گیا........ شوری نامی گویے نے ٹپہ ایجاد کیا۔ یہ طرز پہلے بھی پنجاب میں رائج تھا لیکن اسکو اتنی وقعت حاصل نہ تھی کہ گانے کے اقسام میں شمار کیا جاتا۔ شوری کی بدولت تمام ہندوستان میں یہ طرز پھیل گیا۔ اب بھی جو مرتبہ خیال کو حاصل ہے وہ ٹپہ کو نہیں ہے۔"

خیال کی تعریف گانوں کے مروجہ اقسام میں ایک قسم خیال بھی ہے جو بیحد مقبول اور عام پسند ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے گویے خیال گانا اور اس میں فنی کمال دکھانا فخر سمجھتے ہیں خیال میں دو حصے ہوتے ہیں۔ پہلا حصہ آستائی اور دوسرا حصہ انترہ کہلاتا ہے خیال دو قسم کی لے میں گایا جاتا ہے۔ پہلی قسم کی لے میں زیادہ تر دھیما تیتالہ ٹھیکہ بجایا جاتا ہے جو سولہ ماتروں کا ہوتا ہے اور اکتالہ۔ تلواڑہ اور جھومرہ وغیرہ ٹھیکے بھی خیال ہی کے ہیں۔ اور دوسری قسم کی لے میں جلد تیتالہ بجایا جاتا ہے۔ یہ بھی ۱۶ سولہ ماتروں کا ہوتا ہے۔

دھیما تیتالہ اس ٹھیکے کے بول ہیں دھا دِھن دِھن دھا دھا دِھن دِھن دھا دھا تِن تِن تا تا دِھن دِھن دھا۔ یہ ٹھیکہ اتنا ٹھہر کر بجایا جاتا ہے کہ عام طور پر ۳۰-۳۵ سیکنڈ میں ایک دَور پورا ہوتا ہے مگر بڑے بڑے اُستاد ۴۰-۵۰ سیکنڈ تک کا دورہ رکھتے ہیں۔

جلد تیتالہ:۔ اس ٹھیکہ کو برابر کی لے میں بجاتے ہیں مگر فنی تیاری کے مظاہرے کے وقت ۵ سے ۷ سکنڈ میں اسکا ایک دورہ پورا کرتے ہیں اور استاد لوگ تو ۲۔ ۲½ سکنڈ میں دورہ پورا کرتے ہیں۔

خیال کا مضمون

خیال میں عام طور پر مضامین عاشقانہ ہوتے ہیں چونکہ خیال کی ایجاد ایسے زمانے میں ہوئی جب اُردو کا نام ونشان تک نہ تھا اسلئے خیال کی زبان زیادہ تر فارسی۔ اودھی اور پوربی ہوتی ہے۔ خیال کی تصنیف میں عشق کا جذبہ عورتوں کی طرف سے پیدا کیا جاتا ہے جیساکہ ہندی شاعری کا رواج ہے اور پورے مضمون کا تعلق محض تصورات پر ہوتا ہے جو محبوب کی جدائی اور ملنے کی تمنا ظاہر کرتا ہے۔

خیال کے بول

آستائی:۔ من شمعِ جانگدازم تو صبحِ دلکشائی
انترہ:۔ سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی

(خیال رنگولہ راگ ایجاد امیر خسروؒ معارف النغمات ص۲۰۵)

(۲) آستائی:۔ دِر گن بدرا بھر آئے برسائے پریم رس بام
انترہ:۔ اے ری سکھی میں توسے پوچھت ہوں، اجھوں نہ آئے شام

(معارف النغمات ص۱۹۵)

(۳) آستائی:۔ پیا بن جیا مورا نکسو جات ہے کاسے کہوں اپنے من کی بات۔
انترہ:۔ رین دنا موہے کل نہ پرت ہے سگرا سکھ گیا اُنکے ساتھ۔

(سرمایہ عشرت ص۸۰)

ٹھمری اور خیال میں فرق

ٹھمری اور دادرہ کے مضامین بھی عاشقانہ ہوتے ہیں مگر دادرہ تو اپنے خاص ٹھیکے کی وجہ سے خیال سے

بالکل الگ ہو جاتا ہے مگر ٹھمری کو بھی اکثر گائک خیال کے ڈھنگ سے گاتے ہیں یعنی ۱۶ ماتروں کے تال میں گاتے ہیں اور پہلے بلمبت لے میں اسکے بعد دُرت لے میں گاتے ہیں جو خیال کی گائکی کا قاعدہ ہے۔ اس سے بعض لوگوں کو ٹھمری اور خیال میں امتیاز حاصل کرنے میں دِقّت ہوتی ہے۔

خیال اور ٹھمری میں فرق یہ ہے کہ خیال کے بول معشوق کی عدم موجودگی ظاہر کرتے ہیں اور ٹھمری کے بول سامنا اور چھیڑ چھاڑ ظاہر کرتے ہیں۔

ٹھمری کے بول

(۱) آستائی :۔ سوہنی سوہنی موہنی موہنی مورت واری رے سلونے سنوریا رے۔

انترہ :۔ من ہاں لبت رست چھب چتون کی چوری امی ہلاہل من موہنیاں نند تلن چپل درگ تہارے رے ڈلارے رے۔

(معلم نغمات)

(۲) موہے چھیڑو نا کنھائی۔ کاہے کو رار مچائی۔ (بندادین کتھک لکھنؤ)

حسین شاہ مصنفین کی نظر میں

حسین شاہ شرقی کے خیالوں میں لفظ حسینی بطور تخلص ہوتا تھا۔

اس نے سیکڑوں خیال ہر راگ میں تصنیف کئے اور چٹکلے بھی مگر اب کسی گائک کی زبان سے سُنے نہیں جاتے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد سلطنت میں شاہ سدارنگ جونپوری بانی کے علمبردار پیدا ہوئے اور انھوں نے سلطان حسین شاہ کی ایجاد خیال کو اتنا رواج دیا کہ ۲۴ مستند گھرانوں نے اپنی گائکی کا دارومدار خیال کو قرار دیا۔

شاہ سدارنگ کی بندش کے خیالوں میں لفظ سدارنگ بطور تخلص کے ضرور رہتا ہے اور یہی تخلص خیال کے ٹکسالی اور غیر ٹکسالی ہونیکی پہچان ہے

سدا رنگ کے علاوہ اور گھرانوں کی بندش کے خیال بھی سننے میں آتے ہیں مثلاً ادا رنگ۔ من رنگ۔ ہر رنگ وغیرہ مگر شاہ سدا رنگ کی بندش مستند سمجھی جاتی ہے۔

حسین شاہ شرقی کے لئے مصنف سرمایہ عشرت رقمطراز ہیں کہ:۔

"سلطان حسین شرقی بن محمود شرقی آخر طبقہ سلاطین شرقیہ تھا۔ عزل برادر اپنے سے کامران ہوا اور ایک لاکھ سوار اور چار سو زنجیر فیل جمع کر کے متوجہ ولایت اڑلیسہ کا ہوا اور وہاں سے مظفر و منصور پھرا اور مغرور ہو کے عیش و عشرت میں پڑا اور راگ و رنگ میں شبانہ روز مصروف ہوا"

جناب حکیم محمد اکرم امام خاں اپنی تصنیف معدن الموسیقی میں رقمطراز ہیں:۔

"سلطان شرقی بادشاہ جونپور کہ صاحب اسرار تھے، اس دار پائدار سے منھ موڑ ملک اپنا شاہزادگان پر چھوڑ جونپور خاص میں قیام کیا اور بار احسان خویش و بیگانہ کا نہ لیا۔ کسی قدر مال و منال تقسیم کر دیا۔ فقیرانہ گذران پر قناعت کی ایک کوڑی تحصیل سے نہ لی۔ راگنی جونپوری اور بارہ شیام ایجاد اُن سے ہیں اور خیال گانے کے نائک تھے۔ طرز قوالی میں بعد حضرت امیر خسرو ایسا کامل خلق نہیں ہوا۔"

راجہ نواب علیخاں آف اکبر پور ضلع سیتاپور اپنی تصنیف معارف النغمات میں رقمطراز ہیں کہ:۔

"سلطان حسین شرقی جونپوری (پندرھویں صدی عیسوی) سلاطین شرقیہ کا آخری بادشاہ علم موسیقی کا استاد اور خیال

کا موجد تھا۔ خیال کو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں شاہ سدا رنگ نے ترقی کے درجہ کمال پر پہونچا دیا تھا۔ بہت سے راگ اس بادشاہ نے ایجاد کیئے جن میں سے جونپوری حسینی کا نھڑہ۔ حسینی توڑی ابتک مروج ہیں اور بہت سے مفقود ہو گئے"۔

حسین شاہ شرقی کی ایجادات

حسین شاہ شرقی نے راگوں کی ایجاد میں سب سے زیادہ نام اور شہرت حاصل کی۔ راگ کی ایجاد کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لوگ سمجھتے ہونگے کہ دو راگوں یا تین چار راگوں کو ملا کر نیا راگ بنایا جاسکتا ہے حالانکہ راگوں کو ملا کر ایک نئی شکل پیدا کرنا بھی بہت مشکل ہے مگر سب سے زیادہ دشوار کام یہ ہے کہ راگ کا موجد شاستر کے تمام مارگ اور دیسی راگوں پر عبور رکھتا ہو اور یہ اچھی طرح سمجھ سکے کہ اسکا ایجاد کردہ راگ کہیں پہلے سے موجود تو نہیں ہے! ورنہ ساری محنت بیکار ہوجاتی ہے۔ اسلئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ گرنتھوں اور شاستروں کے تمام مارگ اور دیسی راگ خواہ وہ اُڈو ہوں یا کھاڈو یا سمپورن۔ شدھ ہوں یا مشرمیل سب کے سب حسین شاہ کی نظروں کے سامنے رہے ہونگے۔ اور یہ چیز حسین شاہ کے لئے ایسی باعث فخر و مباہات ہے کہ جسکی نظیر ملنا ناممکن ہے۔

(۱) معدن الموسیقی اور تحفۃ الہند میں ہے کہ حسین شاہ نے بارہ سام ایجاد کیئے۔ شدھ سام پہلے سے اہل ہند کا ایجاد کردہ موجود تھا۔ حسین شاہ نے گور سام۔ ملار سام۔ بھوپال سام۔ گنبھیر سام۔ ہو ہو سام۔ پوربی سام رام سام۔ میگھ سام۔ بسنت سام۔ براری سام۔ کبرائی سام اور گونڈ سام یعنی جملہ بارہ سام ایجاد کیئے۔

جنجھوٹی سنگت میں ہے ایجاد سلطان شرقی نائک
جونپوری ۔ جونپوری ٹوڑی نہایت رنگین سنگت مالسری و بھیروں سے ایجاد سلطان شرقی ۔
راما ٹوڑی ۔ رسولی ٹوڑی ۔ بہلی ٹوڑی ان چاروں ٹوڑیوں کے موجد سلطان شرقی فرمانروائے جونپور نائک قوال ہیں ۔ بلکہ بہت سے راگوں کے موجد ہوئے ۔ بعد حضرت امیر خسرو ایسا نائک قوالی کا نہیں ہوا اور اہل تصوف بھی باکمال صاحب نسبت ہوئے ۔ (سرمایۂ عشرت)
سندھ بھیروی سنگت سندھ کہ دھن مشہور ہے ایجاد سلطان شرقی
مہمندی ۔ جونپوری آساوری ۔ جونپوری بسنت ایجاد سلطان حسین شرقی ۔
حسینی ٹوڑی ۔ حسینی کانھڑہ ایجاد کردہ حسین شاہ شرقی
(معارف النغمات)

مذکورہ بالا راگوں کے نام کتابوں میں بھی ملتے ہیں اور بڑے بڑے اہل فن حضرات اسے تسلیم بھی کرتے کہ حسین شاہ شرقی کی ایجاد ہیں ۔ اسکے علاوہ بہت سی ایجادات اس بادشاہ کی ایسی بھی تھیں جو قید وجود میں نہ رہ سکیں ۔
چوتکلہ ۔ خیال کے علاوہ گانے کی ایک قسم ہے جسے حسین شاہ شرقی نے ایجاد کیا تھا ۔ اس میں آستائی ۔ انترہ ۔ سنچاری اور ابھوگ چار حصے ہوتے تھے اور ۱۲ تالیں یکے بعد دیگرے استعمال کی جاتی تھیں ۔ یعنی آستائی سے ابھوگ تک ۱۲ تالوں کا استعمال ہوتا تھا ۔
چوتکلہ ہر گویا نہیں گا سکتا جبتک کہ اُسے راگوں اور تالوں پر کلیتہً عبور نہ ہو ۔ بلکہ یہ گانا وہی گا سکتا ہے جو نائکِ زمانہ ہو ۔

بخشو نائک

کتابوں میں بخشو اور بکسو دو نائک کے نام ملتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں لکھنے میں غلطی سے بخشو کو بکسو لکھ دیا گیا۔ مگر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بکسو اور بخشو دونوں نائک علٰحدہ علٰحدہ گذرے ہیں۔

"خلاصتہ العیش عالم شاہی" میں ہے کہ "بعض بخشو و بکسو کو ایک جانتے ہیں لیکن غلط ہے تحقیق یہ ہے کہ نائک بکسو اور نائک بخشو دو آدمی گذرے ہیں۔ نائک بکسو کی اکثر چیزیں تصانیف سے مروج ہیں۔ بعض مطربان کا یہ قول ہے کہ نائک بکسو بڑا اہل کمال اس فن کا ملک دکن میں گذرا ہے۔ درویش صفت تھا ایام پیری میں تارک الدنیا ہو گیا تھا۔ سو شاگرد رشید نامی اس کے ہوئے۔ انہیں سے ہر ایک مرتبہ نائکی پر پہنچا۔ چنانچہ تانسین بھی ایک شاگردان شاگرد اس کا ہوا۔"

مصنف "سرمایہ عشرت" لکھتے ہیں کہ:۔

"بخشو ایک شخص شاگردان بیجو مذکور سے گذرا ہے بلکہ وہ شاگرد رشید تھا کہ ہو بہو اسکے طور پر گاتا بجاتا تھا اور اپنے عہد میں نائک وقت تھا اور زاہد و عابد بھی تھا۔ چنانچہ ایک راجہ راجہائے ہندوستان سے اسکی تعریف سن کر گیا تھا۔ جب وہ وہاں پہونچا تو اسوقت نامبردہ عبادت میں مصروف تھا۔ راجہ کی طرف کچھ خیال نہ کیا اور نہ اسکی تعظیم و تکریم کی۔ راجہ کو بخشو کی بے اعتنائی نہایت ناگوار معلوم ہوئی۔ غرضکہ جب نامبردہ عبادت سے فارغ ہوا اسوقت اپنی فوج میں آکر گانے لگا اور مستغرق لجہ یاد الٰہی میں ہوا۔ مآل کار اسوقت

جتنے سوار راجہ کے ہمراہ تھے سن کر بیہوش ہو گئے اور گھوڑوں
پر سے گر پڑے اور راجہ بھی راگ کے اثر سے از خود رفتہ ہوا
جب بخشو چپ ہوا تب سب کو ہوش آیا اور اسکی پھر سبھوں
نے قدر و منزلت کی اور راجہ نے بخشو کو انعام دینا چاہا
لیکن اس نے کچھ نہ لیا درویش متوکل لاطمع تھا۔ ؎۱

کتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بخشو کا تعلق بھی جونپور سے رہا ہے اور یہی حسین شاہ کا نائک گر تھا۔ حسین شاہ کے گویوں میں راما پنڈت رسول خاں اور بہوبل وغیرہ استاد زمانہ سمجھے جاتے تھے مگر ان سب کا گرد بخشو ڈھاڑی تھا۔ جونپور کا محلہ ڈھاڑیانہ ٹولہ جو اب بگڑ کر ڈڑھیانہ ٹولہ ہو گیا ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ محلہ ڈھاڑیوں کا محلہ تھا جو شرقی بادشاہوں کے زمانے میں آباد ہوا تھا۔ بخشو ڈھاڑی کا تعلق اسی محلہ سے تھا۔ سارنگی اور دیگر ساز کے بنانے والے اب بھی اسی محلہ میں آباد ہیں۔

بخشو کے لائق شاگردوں میں عبدالرحمن مغل بھی اچھے فنکار تھے۔ انکے شاگردوں کی نسل کے لوگ اب بھی موجود ہیں۔

بخشو کا قیام جونپور میں مستقل نہیں رہتا تھا۔ بڑے بڑے راجاؤں مہاراجاؤں کے یہاں محفل رقص و سرود کے موقع پر طلب کر لیا جاتا اور مدتوں پڑا رہتا۔ راجہ مان گوالیری کے یہاں زیادہ حاضری دیتا کیونکہ اسوقت راجہ مان گوالیری کا مرتبہ سنگیت میں بہت تھا اور وہیں کی تعلیم و تربیت کا اثر اس پر زیادہ پڑا تھا۔

؎۱ یہ روایت خلاصۃ العیش اور مراۃ سکندری میں بھی موجود ہے۔

حسین شاہ کے تخت سلطنت پر متمکن ہونے سے قبل بخشو راجہ کیرتی سنگھ کے یہاں مقیم تھا جو ترہت (اڑیسہ) کے راجہ تھے۔

مراۃ سکندری میں ہے:-

"نائک بخشو راجہ مان کا تربیت یافتہ تھا گانے کا مسلک سب سے نرالا تھا۔ ساز کے معاملہ میں بڑی واقفیت رکھتا تھا۔ راجہ مان سنگھ کے بعد راجہ بکرماجیت کے لڑکے کے ساتھ بسر کی جب اسکے باپ سے نکل گئی تو راجہ کیرتی سنگھ کے پاس (کالنجر) پہونچا۔ اسکے کمال کا شہرہ سن کر سلطان بہادر گجراتی نے راجہ کیرتی سنگھ سے طلب کر لیا۔"

راجہ کیرتی سنگھ کا زمانہ حسین شاہ کے دادا ابراہیم شاہ کا زمانہ تھا اور تعلقات بھی دونوں کے اچھے تھے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سیاست سے علیحدہ ہونے کے بعد حسین شاہ نے درویشی اختیار کر لی تھی اور محفل سماع وغیرہ میں وقت گذارنے لگا تھا۔ بخشو بھی اسی زمانے میں حسین شاہ سے ملا اور پوری توجہ حسین شاہ کو نائک بنانے میں صرف کر دی۔

معارف النغمات میں ہے:-

بہاری۔ پہاڑی جھنجوٹی ایجاد بخشو نائک حسینی ولایت میں مروج تھی۔ ؎۱

ان دونوں راگوں کو حسینی علاقہ سے اچھا گانے والا دوسرا علاقہ نہیں ہے۔

؎۱ بہاری اور پہاڑی جھنجوٹی دونوں نام راگنیوں کے ہیں اور حسینی علاقہ سے مراد خاص جونپور۔ پورب میں اڑیسہ اتر پچھم قنوج کالپی دکھن میں بندھیاچل تک۔

موسیقی کا عوام پر اثر

مسلمانوں کی آمد سے پہلے سنگیت کا استعمال پوجا پاٹھ یا خوشی یا جنگ کے موقع پر کیا جاتا تھا اور سنگیت کے عالم اسکو الہامی سمجھکر نہایت ادب سے استعمال کیا کرتے تھے۔ جب امیر خسرو نے اس میں عجمی موسیقی کا میل دیا تو اسکی شکل تبدیل ہوگئی اور یہ مسلمان بادشاہوں کے درباروں میں نظر آنے لگی۔ بہت سے لوگوں نے اسے پیشے کے طور پر سیکھا اور ذریعہ معاش بنالیا اور یہ لوگ ڈھاڑی اور میراثی[1] کہلائے اور بہت سے لوگوں نے اسے شوقیہ سیکھا جو عطائی (بے علم) کہلائے۔

ان عطائیوں میں بڑے بڑے راجہ مہاراجہ۔ بادشاہ۔ صوفیائے کرام اور عوام سب شامل ہیں۔

راجہ مان تنوار گوالیار کا راجہ تھا۔ بہت بڑا ماہر موسیقی تھا دھرپد اسی کا اختراع کیا ہوا ہے۔ بخشو اسی کے دربار کا تربیت یافتہ تھا بیجو اسی کے دربار کا شاہی گویّا اور بخشو کا اُستاد تھا۔ (معارف النغمات)

حسین شاہ شرقی انکے حالات گذشتہ صفحات میں لکھے جا چکے ہیں۔

سلطان بہادر گجراتی والی گجرات موسیقی کا شائق سنہ ۱۴۹۶ء سے سنہ ۱۵۱۶ء تک سلطنت کی۔ بیجو نائک کی آخری عمر اسی بادشاہ کے یہاں گذری۔ بیجو نے اسکے یہاں کے قیام میں ایک نئی قسم ٹوڑی

---

[1] میراثی کے معنی میراث پانے والا۔ تعجب ہے کہ گانے بجانے والی قوم میراثی کہی جاتی ہے اگر میراثی کو معراثی مان لیا جائے جسکا تعلق دُھن سنوارنے والی قوم سے ہوتا ہے تو مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ لفظ معراثی کو لوگوں نے میراثی لکھنا غلطی سے شروع کیا۔

کی ایجاد کی جس کا نام سلطان بہادر کے نام پر "بہادری توڑی" رکھا جو آج تک مروج ہے۔ (معارف النغمات)

شیخ منجھو قوال جونپوری

شیخ منجھو جونپور میں پیدا ہوا اور یہیں انتقال کیا۔ موسیقی کا بچپن ہی سے دلدادہ تھا۔ مخدوم شاہ اڈھن کے یہاں سماع کی محفلوں میں برابر حاضر رہتا۔ یہاں بڑے بڑے باکمال اہل فن برابر آتے رہتے۔ مخدوم صاحب کی فرمائش پر شیخ منجھو نے اس علم کو باقاعدہ سیکھنا شروع کر دیا۔ گلا آواز خداداد پائی تھی تھوڑے ہی عرصہ میں کاملین فن کی صف میں آگیا۔ بادشاہ اکبر کے شاہی گویّے میاں تانسین کا ہمعصر تھا۔ حضرت مخدوم شاہ اڈھن کا دربار چھوڑ کر کہیں جانا پسند نہ کیا۔

مولانا محمد حسین آزاد دربار اکبری ص ۱۲۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"ملا[1] فرماتے ہیں شیخ منجھو قوال صوفیانہ وضع رکھتا تھا۔ شیخ ادھن جونپوری کے مریدوں میں سے تھا۔ ان ہی دنوں میں حوض[2] مذکور کے کنارے پر اسے بلایا اسکا گانا سن کر بہت خوش ہوئے تانسین اور اچھے اچھے گویّوں کو بلوا کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کیفیت کو تم میں سے ایک نہیں پہونچتا۔ پھر اس سے کہا "منجھو! جا سب نقدی تو ہی اٹھالیجا۔" اس سے کیا اٹھ سکتی تھی۔ عرض کی حضور یہ حکم دیں کہ جتنی غلام اٹھا سکے اتنی لیجائے۔ منظور فرمایا

۱؎ ملا عبد القادر بدایونی

۲؎ یعنی انوپ تلاؤ۔ مگر تزک جہانگیری میں کپور تلاؤ نام ہے (دربار اکبری)

غریب ہزار روپئے کے قریب ٹکے باندھ لے گیا۔"

شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی رح

آپ بہت بڑے عالم اور صوفی مشرب بزرگ تھے آپ نے علم دین پھیلانے میں بڑی محنت کی ہے۔ حضرت شیخ صاحب حال وقال بزرگ تھے آپ کے یہاں سماع کی محفلوں میں بڑا اہتمام ہوتا اور اچھے اچھے ماہرین فن آکر شریک ہوتے۔ آپ کو موسیقی میں خود بھی اتنی معلومات تھی کہ اس فن کے استاد سمجھے جاتے تھے

شیخ بہاء الدین ذکریا کے متعلق معدن الموسیقی ص ۲۶ میں ہے کہ :-

"نقل ہے کہ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی بر نا سنہ جلوس شاہجہانی میں شکار کرتے کرتے ایک ہرن پر بندق سر کی آہو نے کہا" بہار الدین! اللہ نے تجھے اسی واسطے پیدا کیا ہے؟" آپ نے یمین و یسار دیکھا تین مرتبہ ایسا ہی ہوا آخر کار، پھر آہو نے کہا" میں ہوں ہرن" اسوقت آپکو خوف خدا آیا توبہ کر صحرا نوردی اختیار کی۔ پچیس برس گذرے زاں بعد علم موسیقی حاصل کر گوشہ گیری اختیار کی۔ تمام عمر مجرد و سبز پوش رہے۔ علم مارگ میں مثل انکے کوئی دوسرا پیدا نہ ہوا اور رباب و بین و امرتی خوب بجاتے۔ دُھرپد و ترانہ و خیال خوب تصنیف کرتے۔ اکثر کہتے کہ چونکہ بارہ تال کا مثل جھومرہ جسکے موجد سلطان شرقی شاہ جونپور تھے پڑھنا یعنی گانا بہت مشکل ہے۔ جمیع تصانیف گانے سے خیال نامی ایک ساز ایجاد کیا۔ ایک سو ستّرہ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔

عہد بابر اور تیمور کے گویّے

مصری خاں ڈھاڑی۔ فقیر اللہ کشمیری۔ سودرس سین۔ رنگ خاں۔ خوشحال خاں غلام محی الدین۔ سواد خاں۔ کن خاں۔ شیخ سعد اللہ لاہوری۔ امیر بھگوان۔ شوقی کشمیری محمد رس بین وغیرہ۔

عہد اکبر بادشاہ کے گویّے

جگناتھ۔ سوبھل سین۔ میر صالح قوال حسن خاں قوال۔ گن سین کشمیری۔ شیخ کمال بخت خاں گجراتی۔ ولی کشمیری۔ تاراچند۔ درنگ خاں۔ لال خاں۔ بلاس خاں تانسین۔ محمد حسین شادابی وغیرہ۔ جہانگیر کے عہد میں فیروز ڈھاڑی اور اللہ داد خاں کا نام ملتا ہے شاہجہاں اور اورنگ زیب کے زمانے میں گائکوں نے دوسرا پیشہ اختیار کرنا شروع کیا اور محمد شاہ کے وقت میں پھر موسیقی نے رواج پایا اور ہزاروں ماہرین فن پیدا ہو گئے۔

نوابین اودھ کے عہد کے گویّے

شنکر۔ مکھن۔ میاں جانی۔ غلام رسول۔ شوری ٹپہ باز۔ چھجو خاں۔ جیون خاں۔ میاں گاموں وغیرہ

عہد واجد علی شاہ کے گویّے

شادی خاں پیار خاں۔ باسط خاں دولہ خاں۔ جعفر خاں۔ کاظم علیخاں صادق علیخاں۔ بہادر سین۔ بہادر خاں۔ حیدر خاں۔ امراؤ خاں۔ محمد علی بین نواز تراب علیخاں۔ رحیم خاں۔ ننھے خاں۔ حدّو خاں۔ حسّو خاں۔ مراد خاں۔ سلیم خاں وزخاں۔ مغل خاں۔ موج خاں۔ کریم خاں خیال لئے وغیرہ

غیر پیشہ ور یعنی عطائی ماہرین فن

نواب سالار جنگ۔ نواب قاسم علیخاں بابو رام سہائے۔ سید میر علی لکھنوی

موجد سوز خوانی ۔ رامانج داس ۔ نراین داس بیراگی ۔ نواب سلطان علی خاں استاد دھرپد ۔ نواب چھمن[1] خاں ملبسی ۔ حسین علی خاں ۔ میر احمد عظیم آبادی ۔ محمد دلاور علیخاں ۔ علیم اللہ خاں ۔ بابو ایشری پرشاد باجپیئی بنارسی ۔ اکرم امام[2] خاں رئیس سنڈیلہ ۔ راجہ نواب[3] علیخاں تعلقدار اکبرپور ۔ ایم محتشم[4] ۔ احمد خاں ۔ محمد خاں ۔

مولف معدن الموسیقی نے اور بھی نام تحریر کئے ہیں ۔ یہ وہ غیر پیشہ ور ماہرین فن کے نام ہیں جنھوں نے پیشہ وروں سے داد تحسین حاصل کی اور سینکڑوں پیشہ ور بنا دیے ۔ ان میں اکثر صاحب تصنیف بھی گذرے ہیں ۔ اور فن موسیقی کے آخری نظام کے بانی ہیں ۔

جونپور نے بھی موسیقی کے نہ جانے کتنے انمول رتن پیدا کئے جو اپنے جوہر دکھا کر پیوند خاک ہو گئے ۔ بخشو کے شاگرد عبد الرحمن مغل اور مجھو قوال نے سیکڑوں شاگرد بنائے جن کی نسل کے لوگ جونپور ۔ بنارس اور اودھ وغیرہ میں ابتک آباد ہیں ۔ نصیر الدین خاں ۔ رشید خاں ۔ گوہر خاں ۔ موتی درگا بائی ۔ شہزادی ۔ یاد علی وغیرہ بیسویں صدی کے درخشندہ ستارے تھے جو جونپور میں کافی نام پیدا کر گئے ۔

کالکا ۔ بندادین کا چراغ نواب واجد علیشاہ کے عہد سے ابتک روشن ہے جو موسیقی اور رقص کے استاد تھے ۔ جونپور کے موضع پانڈے پور کے باشندہ تھے

---

[1] آپ کو چودہ سو ہوری دھرپد زبانی یاد تھے ۔ " نغمات الهند " آپکی تصنیف ہے

[2] آپ نئے نئے راگوں اور تالوں کے موجد ہیں معدن الموسیقی آپکی تصنیف ہے

[3] آپ اپنے وقت کے نائک گذرے ہیں معارف النغمات ۳ حصہ آپکی تصنیف ہے

[4] آپ نئے نظام موسیقی کے ماہر اور انڈین میوزک آپ کی تصنیف ہے ۔

مصنّفین جونپور اور انکی تصنیفات

تغلق دور یعنی سنہ ۱۳۶۰ء سے لیکر عہد حاضر یعنی سنہ ۱۹۶۳ء تک کے جونپور کے مصنفین کی تصنیفات ہم نذر ناظرین کر رہے ہیں۔ بسعید تلاش و جستجو کے باوجود بھی ہم مطمئن نہیں ہیں کہ یہ پورا ذخیرہ ہے۔ کیونکہ گمنام اور غیر شہرت یافتہ مصنفین اور انکی تصنیفات کی تعداد بہت زیادہ ہے جنکا پتہ آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔

نمبر شمار	نام مصنف	تصنیفات	نمبر شمار	نام مصنف	تصنیفات
۱	حضرت مخدوم شیخ حسن طاہر چشتی رح	مفتاح الفیض	۱۰	مخدوم بدرالحق محمد ارشد	ہدایت النحو۔
			۱۱	شاہ غلام رشید	شرح ہدایت النحو۔
۲	حضرت مخدوم شاہ عبدالسلام قلندر رح	شرح مختصر الوقایہ	۱۲	"	شرح قصیدہ غوثیہ
			۱۳	"	سراج حکمت شرح ہدایہ
۳	حضرت مخدوم دیوان عبدالرشید جونپوری رح	رسالہ رشیدیہ	۱۴	"	حاشیہ بر ہدایہ
۴		خلاصۃ النحو	۱۵	"	فتاوی در فقہ
۵	"	شرح ہدایت الحکمت	۱۶	"	مکتوبات در تصوف
۶	"	شرح اسرار المخلوقات	۱۷	"	اربع منازل
۷	"	زاد السالکین	۱۸	حضرت مولانا قاضی شہاب الدین ملک العلماء	بحر مواج
۸	"	مقصود الطالبین	۱۹	"	بحث اصول شرحی
۹	"	دیوان فارسی شمسی	۲۰	"	رسالہ در تقسیم علوم

۲۱	شہاب الدین ملک العلما	صنایع	۴۲	خواجہ ارزانی محدث	مصابیح الانوار
۲۲	"	شرح کافیہ	۴۳	ملا عبد الباری	چند حواشی کتب درسیہ
۲۳	"	کتاب ارشاد	۴۴	ملا نور محمد مداری	تحفۃ الابرار
۲۴	"	بدیع البیان	۴۵	ملا نور الدین مداری	حاشیہ رشیدیہ
۲۵	حضرت مولانا الہداد محشی	شرح کافیہ	۴۶	"	تحفۃ الابرار در جواب الحیات باقیہ
۲۶	"	شرح ہدایہ	۴۷	مفتی سید ابو البقا	اعراب القرآن
۲۷	"	شرح بزودی	۴۸	"	حاشیہ بر شرح ملا
۲۸	"	شرح مدارک	۴۹	"	حاشیہ بر قطبی
۲۹	قاضی نظام الدین کیکلانی	ابراہیم شاہیہ فی فتاوائے حنفیہ	۵۰	مولوی محمد علی	شرح سلم عرف معراج الفہوم
۳۰	" صلاح الدین عثمان	شرح الاشباہ والنظائر	۵۱	مولوی عبد العلی خاں	عنقائے مغربی
۳۱	سید عبد الاول محشی	شرح وحور سنی فی الفروع	۵۲	مولوی ذاکر علی	شرایع الاسلام
۳۲	قاضی سلطان قلی خاں	تفسیر سورہ یوسفؑ	۵۳	"	ذریعہ مغفرت
۳۳	ملا محمود جونپوری	الدوحۃ المیابت فی حدیقۃ الصورت والمدح	۵۴	مولوی سید ناصر حسین	علم الادب فی محاورۃ الکتاب
۳۴	"	شمس بازغہ	۵۵	"	الشق المنبال
۳۵	"	رسالہ فی تحقیق الکلی والجزئی الطبیعی	۵۶	"	رسالہ میلاد شریف
۳۶	"	رسالہ فی تحقیق ارتفاع النقیضین	۵۷	"	رسالہ آیہ تطہیر
۳۷	"	مطوون متین	۵۸	"	رسالہ اکبرآبادیہ
۳۸		وحدت الوجود	۵۹	"	کتاب مبسوط
۳۹		اقسام نسواں	۶۰	"	رسالہ رد اخبار
۴۰		جبر و اختیار	۶۱	حضرت ملا محمد جمیلؒ	حاشیہ مطول
۴۱	شیخ احمد زین زاہد	رسالہ نافع	۶۲	"	بحث عطف

۶۳	حضرت ملا محمد جمیل رح	رسالہ تنبیہات جمیلی	۸۴	مولوی عبد القادر	رسالہ مختصر مایۃ عامل
۶۴	شیخ علی المتقی	جمع الجوامع	۸۵	"	ترجمہ بوستان سعدی
۶۵	"	دیگر تصانیف ایک سو ۱۰۰ سے زیادہ	۸۶	مولوی معشوق علی	تحفہ لطیفہ
۶۶	ملا باب اللہ جونپوری	حاشیہ شرح سلم	۸۷	"	فرائض اسلمیہ
۶۷	مولوی فتح محمد	رسالہ فلسفہ	۸۸	مولوی گلشن علی	کفایت الحساب
۶۸	"	رسالہ حکمت	۸۹	جلال الدین محمد	فتاوائے عالمگیری
۶۹	مولوی روشن علی	شرح خلاصۃ الحساب	۹۰	مولوی شاہ باب اللہ	رسالہ فقہ
۷۰	"	شرح مقامات حریری	۹۱	مولوی محمد علی	" چہار عنصر
۷۱	مولوی غلام حسین رہال	زیچ بہادر خانی	۹۲	"	منہاج الاسلام
۷۲	مولوی سخاوت علی	رسالہ تقویٰ	۹۳	"	تہذیب الایمان
۷۳	"	رسالہ اسرار	۹۴	مولوی علی کبیر	مخروطات جبری
۷۴	"	عرفان الاوقات	۹۵	"	" مہندی
۷۵	"	تعداد لغات	۹۶	مولوی عبد الشکور	شرح مقامات مہندی
۷۶	"	السلم فی المنطق	۹۷	"	حل ابجات وزائد
۷۷	"	تویم فی احادیث النبی	۹۸	"	شرح کنز الدقائق
۷۸	"	عقائد نامہ	۹۹	"	شرح طوطی نامہ
۷۹	"	رسالہ فقرا	۱۰۰	مولوی عبد اللطیف	حکایات عربی
۸۰	"	رسالہ وصول دہم کلمات کفر	۱۰۱	مولوی محمد سلیم	رقیہ السلیم
۸۱	"	رسالہ ناسخ و منسوخ	۱۰۲		حاشیہ شرح چغمینی
۸۲	مولانا محمد شبلی جونپوری	وسیلۃ النحو	۱۰۳		ہفواۃ الالحاد
۸۳	مولوی عبد القادر	رسالہ عربی عروض	۱۰۴		رسالہ جبر و مقابلہ

۱۰۵	مولوی محمد سلیم	میزان الوافی	۱۲۶	حضرت فراہی	نصاب صبیان منظوم
۱۰۶	"	دوازدہ گانہ	۱۲۷	عزیز جونپوری	سیرت الاولیا
۱۰۷	"	قند پارسی	۱۲۸	عطائی جونپوری	عطائی نامہ
۱۰۸	"	رسالہ مصطلحات	۱۲۹	لطفی جونپوری	مثنوی بمنازل جواب حدیقہ سنائی و حکیم
۱۰۹	"	جونپور نامہ	۱۳۰	نامی جونپوری	دقایق الانشا
۱۱۰	"	دیوان قصائد عربی	۱۳۱	"	رقعات رنچھور داس
۱۱۱	"	" " فارسی	۱۳۲	"	دیوان نامی
۱۱۲	"	ادب و دانش "	۱۳۳	گلشن جونپوری	نسخہ صنایع بدایع
۱۱۳	مولوی حسین علی	شرح سکندر نامہ	۱۳۴	"	رسالہ کوہ قاف
۱۱۴	مولوی خیر الدین محمد (عہد انگلشیہ)	جونپور نامہ فارسی	۱۳۵	"	مثنوی صورت حال
۱۱۵	"	بلونت نامہ	۱۳۶	"	دیوان فارسی
۱۱۶	مولوی نعمت حسین	لغت الصرف شرح زبدہ	۱۳۷	حسن جونپوری	مناقب مرتضوی
۱۱۷	"	منافع الکاظمیہ	۱۳۸	"	تاریخ ہند انگلشیہ)
۱۱۸	"	رسالہ فرائض	۱۳۹	حسن دویم	بصرۃ الحکمت
۱۱۹	"	رسالہ عروض	۱۴۰		منتخب العزیز
۱۲۰	"	مثنوی گفتار شیریں	۱۴۱		رسالہ صرف فارسی
۱۲۱	"	دیوان فارسی	۱۴۲		رسالہ مکتوبات
۱۲۲	"	دیوان اردو	۱۴۳		منتخب العروض
۱۲۳	مولوی کرامت علی متولی	رسالہ ماخذ علوم	۱۴۴		دیوان فارسی
۱۲۴	"	رسالہ عروض قوافی	۱۴۵		دیوان اردو ۲ حصہ
۱۲۵	مولوی امام بخش	رسالہ خمس اردو	۱۴۶	عظیم جونپوری	دیوان عظیم

۱۴۷	عظیم جونپوری	مثنوی تردید النواصب	۱۶۸	شفیق جونپوری	شفیق
۱۴۸	〃	رسالہ انجمن نصیحت	۱۶۹	اکرم جونپوری	لغزشیں
۱۴۹	〃	رسالہ عروض	۱۷۰	مولوی غوث علی د کمیل	سلاطین جونپور
۱۵۰	〃	منتخب الالفاظ	۱۷۱	مولانا کرامت علی	مفتاح الجنۃ
۱۵۱	اسد الدین آفتاب ہند	عشقیہ (معرفت)	۱۷۲	〃	زینت المصلیٰ
۱۵۲	مولانا اشیق	نذر حجاز	۱۷۳	〃	مخارج الحروف
۱۵۳	شفیق جونپوری	حجاز نامہ	۱۷۴	〃	زینت القاری
۱۵۴	〃	فانوس	۱۷۵	〃	شرح ہندی جزری
۱۵۵	〃	صبح کعبہ	۱۷۶	〃	کوکب دری
۱۵۶	〃	اخلاص مشرق	۱۷۷	〃	ترجمہ شمائل ترمذی
۱۵۷	〃	نئے بزرگوں کی باتیں	۱۷۸	〃	ترجمہ مشکوٰۃ
۱۵۸	〃	خلد مسرت	۱۷۹	〃	عقائد حقہ
۱۵۹	〃	تجلیات	۱۸۰	〃	تزکیۃ العقائد
۱۶۰	〃	حیات ادیبۃ النساء	۱۸۱	〃	قول الثابت
۱۶۱	〃	رہنمائے حجاز	۱۸۲	〃	مفتاح المبتدعین
۱۶۲	〃	سعادت دارین	۱۸۳	〃	حق الیقین
۱۶۳	〃	خاتم	۱۸۴	〃	بیعت و توبہ
۱۶۴	〃	خرمن عشق	۱۸۵	〃	قول الامین
۱۶۵	〃	سفینہ	۱۸۶	〃	مراد المریدین
۱۶۶	〃	خون حسین	۱۸۷	〃	قول الحق
۱۶۷	〃	طوبیٰ	۱۸۸	〃	مراۃ الحق

۱۸۹	مولانا کرامت علی	اطمینان القلوب	۲۱۰	مولانا کرامت علی	عکازۃ المومنین
۱۹۰	"	ملخص عربی	۲۱۱	"	فتح باب صبیان
۱۹۱	"	مکاشفات رحمت	۲۱۲	"	دعوات مسنونہ
۱۹۲	"	فیض عام	۲۱۳	مولانا عبدالاول	النفحۃ العنبریہ
۱۹۳	"	حجت قاطعہ	۲۱۴	"	جوامع الکلم
۱۹۴	"	نورالہدیٰ	۲۱۵	"	اصح الکلام
۱۹۵	"	کتاب استقامت	۲۱۶	"	شرح اربعین
۱۹۶	"	نور علی نور	۲۱۷	"	انجاح السول
۱۹۷	"	زادالتقویٰ	۲۱۸	"	الفتاوی الیمانیہ
۱۹۸	"	راحت روح	۲۱۹	"	خیرالزبور
۱۹۹	"	قوت الایمان	۲۲۰	"	تفصیل البیان
۲۰۰	"	احقاق الحق	۲۲۱	"	فتوی سجود لغیراللہ
۲۰۱	"	رفیق السالکین	۲۲۲	"	فتوی رقص وغنا
۲۰۲	"	تنویرالقلوب	۲۲۳	"	ایذان الورع
۲۰۳	"	تزکیۃ النسوان	۲۲۴	"	مفید المفتی
۲۰۴	"	نسیم الحرمین	۲۲۵	"	التحقیقات الخیرہ
۲۰۵	"	براہین قطعیہ	۲۲۶	"	تاریخ الاولیا
۲۰۶	"	مولود خیرالبریہ	۲۲۷	"	لب التواریخ
۲۰۷	"	کرامت الحرمین	۲۲۸	"	اثمار المعمرین
۲۰۸	"	قرۃ العیون	۲۲۹	"	وفیات المشاہیر
۲۰۹	"	رسالہ فیصلہ	۲۳۰	"	الزلازل

۲۳۱	مولانا عبدالاول	سفر نامہ بلو قیا	۲۵۲	مولانا عبدالاول صاحب کی ۹۷ تصنیفات ادر ہیں جو بوجہ عدم گنجائش درج نہیں کیگئیں۔ آپکی سوانحعمری "سیرت عبدالاول" میں صفحہ ۱۹۱ لغایتہ ۱۹۶ دیکھی جا سکتی ہیں۔ (مولف)	
۲۳۲	"	تذکرۃ الحفاظ			
۲۳۳	"	النواد والمسفیہ			
۲۳۴	"	المسطے فی بیان الصلوۃ			
۲۳۵	"	المحاکمہ بین فضیلت عائشہ و فاطمہ			
۲۳۶	"	الدر الغالیہ			
۳۷	"	زغیتہ الہامہ	۳۳۱	منشی نظر الدین	تاریخ جونپور
۳۸	"	المقاتب المنیفہ	۳۳۲	مولوی شکر اللہ	جونپور نامہ
۳۹	"	البیان المستجم	۳۳	مہدی حسن چیر ساروی	"
۴۰	"	تحسین الحلیہ	۳۴	ذو الفقار علی	جغرافیہ دار السرور
۴۱	"	الطریف الادیب لطریف	۳۵	مہدی علیخاں	ملا محمود
۴۲	"	المنطوق	۳۶	شاہ وارث علی	تذکرہ درویشیہ
۴۳	"	تمرین الطلاب	۳۷	سید محمد اسمعیل درویش	بیاض درویشیہ
۴۴	"	مبادی الادب	۳۷	میر علی عاشقاں	رسالہ علم جفر
۴۵	"	ترقین الادب	۳۹	سید ابو محمد درویش	مناقبات درویشیہ
۴۶	"	نامحۃ الادب	۴۰	شاہ فتح محمد سہروردی	اوراد درویشیہ
۴۷	"	المترادفات	۴۱	×	مناقب درویشیہ
۴۸	"	حاشیہ بانت سعاد	۴۲	مولوی خیر الدین	جونپور نامہ
۴۹	"	مجلۃ الادیب	۴۳	مولوی امام الدین	تذکرہ علمائے حنفیہ
۵۰	"	الدر النضید	۴۴	محمد حسین کاشف	صبح صادق
۲۵۱	"	شرح قصیدہ امرؤ القیس	۳۴۵	میر قوام جونپوری	رسالہ علم النجوم

۳۴۶	شیخ ممتاز حسین	تعلیم املا وخط	۳۶۷	بنارسی داس جین	نام مالاکوش
۴۷	〃	خط ساغر	۶۸	عالم جونپوری	عالم کیل
۴۸	لامعلوم	تذکرہ شاہان جونپور	۶۹	قطبن جونپوری	مرگاوتی
۴۹	مولوی معشوق علی	مسودہ تاریخ ہند	۷۰	منجھن جونپوری	مدھو مالتی
۵۰	عبدالرحمٰن چشتی	مرأۃ آفتاب نما	۷۱	نور محمد شاہ	انوراگ بانسری
۵۱	نورالدین زیدی	چراغ نور	۷۲	گرجادت شکل	مہاکوی اری اودھ
۵۲	علی ضامن ترمذی	حاشیہ چراغ نور	۷۳	〃	رسال بن
۵۳	نورالدین زیدی	تجلی نور حصہ اول	۷۴	〃	بہتا پانی
۵۴	〃	〃 دوم	۷۵	〃	پریم کی کریڑا
۵۵	〃	〃 سوم	۷۶	〃	بابو صاحب
۵۶	〃	تاریخ بدایوں	۷۷	〃	باپ کی پہیلی
۵۷	نور محمد صاحب	مقالات قادری	۷۸	〃	جگنو
۵۸	میر کاظم علی	احوال سلاطین	۷۹	سری پال چھیم	جیون تری
۵۹	مولوی غلام حسین	تہذیب المنطق	۸۰	〃	نیلم جیوت
۶۰	〃	تحفۃ الابرار	۸۱	〃	سنگھرش
۶۱	روشن علی	قواعد فارسی	۸۲	〃	چھایا واد
۶۲	سید احمد جونپوری	مظہر الہدیہ	۸۳	روپ نرائن	دھرتی کے سور
۶۳	شیخ نبی	گیان دیپ	۸۴	〃	ماٹی کی مسکان
۶۴	بنارسی داس جین	بنارسی بلاس	۸۵	شری مارکنڈے	پان پھول
۶۵	〃	ناٹک سمے سار	۸۶	〃	مہوے کا پیڑ
۳۶۶	〃	اردھ کتھانک	۳۸۷	〃	ہنسا جائے اکیلا

۳۸۸	شری بارکنڈے	مالی	۴۰۹	سید محمد مرتضیٰ مجتہد	تقویم الشیعہ
۳۸۹	"	کہانی سنگرہ	۱۰	"	مفتاح الشفاعۃ
۹۰	"	پتھر اور پرچھائیاں	۱۱	"	مجالس الابرار
۹۱	"	سینبھل کے پھول	۱۲	شاہ حسین	رسالہ غوثیہ
۹۲	"	بنشی کھرکرو	۱۳	سید حسن علی وقار	تاریخ معاویہ
۹۳	"	یگ دیوتا	۱۴	"	قول صواب
۹۴	"	جاگو	۱۵	"	ساصلیۃ السقر
۹۵	سید مجتبیٰ حسن	بزم سخنوراں		پنڈت بھاسکر	جونپور کا اتہاس
۹۶	"	طلسم عمل			جن پد
۹۷	"	نصیر الدین حیدر شاہ	۴۱۶	فخر رضوی	غم جاودانی
۹۸	مولانا ابوبکر محمد شیث	سیرت نبی کریم	۴۱۷	"	شاہکار غم
۹۹	نور الحسن ایم اے	تاریخ آگرہ	۴۱۸	"	تجلیات غم
۴۰۰	قمر الدین احمد	دیوان قمر	۱۹	واثق جونپوری	جرس
۴۰۱	عزیز الدین احمد شاہ	مباحثہ جونپور مناظرہ	۲۰	سلام مچھلی شہری	معری
۲	"	ثبوت غیب	۲۱	داغ جونپوری	گلدستۂ احادیث
۳	"	دیوان عزیز	۲۲	محمد محتشم جونپوری	انڈین میوزک
۴	ذو الفقار حیدر	انسان کا ابتدائی مذہب	۲۳	"	ہندی کی دنیا
۵	حضرت آسی	رسالہ فی المنطق	۲۴	"	حیات خانخانہ عبد الرحیم
۶	ابوبکر محمد شیث	تقویم الاوقات	۲۵	سید اقبال احمد	خلافت علی و شہادت حسین
۷	سید محمد مرتضیٰ مجتہد	فوائد القرآن	۴۲۶	"	قوموں کا عروج و زوال
۴۰۸	"	اصلاح الرسوم			مذاہب کی روشنی میں

۴۲۷	مولانا عبد الباطن	سیرۃ مولانا کرامت علی	۴۴۴	مولانا عبد الباطن	قرآن غیر مسلموں کی نظر میں
۲۸	"	علوم عرب غیر مسلموں کی نظر میں	۴۵	"	پیغمبر اسلام
۲۹	"	ارشاد السالکین	۴۶	"	القول المتین
۳۰	"	کشکول باطن	۴۴۷	"	مقالات حکمت
۳۱	"	اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا	۴۸	مولانا ابو المبشر	تحقیق السماع
۳۲	"	انجیل برناس	۴۹	"	معیز النازہ
۳۳	"	مساوات اسلام اور اچھوت	۴۵۰	شیخ محمد یوسف سہروردی	تجلیات العارفین
۳۴	"	السیانۃ الدائن	۴۵۱	حضرت طریق	گلزار طریق
۴۳۵	"	سیرۃ مولانا حافظ احمد	۴۵۲	"	نشتر غم
۴۳۶	رشید احمد صدیقی	آشفتہ بیانی میری	۴۵۳	سلام اللہ صدیقی	سیرت عائشہ
۴۳۷	"	گنج ہائے گرانمایہ	۴۵۴	محمد زبیر قاسمی	تاریخ جامع الاقتباس
۴۳۸	"	مضامین رشید	۴۵۵	"	چار بنیادی باتیں
۴۳۹	عزیز ربانی	بادۂ نورس	۴۵۶	شمس الدین احمد	قواعد الاعراب
۴۴۰	مولوی محمد داؤد	گلدستہ نماز	۴۵۷	"	قواعد النظر
۴۴۱	"	گلدستہ درود شریف	۴۵۸	"	قانون شریعت دو حصہ
۴۴۲	"	تبیان المشہور	۴۵۹	ڈاکٹر سید محمود	آج سے قبل کا ہندوستان
۴۴۳	سلام اللہ صدیقی	فاتح مصر عمرو بن العاص	۴۶۰	فخر رضوی	شاہنامہ اسلام

جونپور کے مدرسہ جات

شرقی عہد سے لیکر سنہ ۱۹۶۳ء تک

اسلامی عہد حکومت میں جونپور کی تعلیمی و علمی اہمیت اس درجہ ممتاز تھی کہ اسکو "شیراز ہند" کا لقب دیا گیا۔ شاہجہاں فخر یہ کہا کرتا تھا کہ "پورب شیراز ما ست" جونپور ہی کے مدارس سے بڑے بڑے نامور عالم نکلے جنھوں نے لکھنؤ اور الہ آباد وغیرہ میں علم کی شمع روشن کی۔ سنہ ۱۰۴۵ھ میں جونپور میں مدرسوں کی کثرت تھی۔ اس میں راجے بی بی زوجہ محمود شاہ شرقی کا مدرسہ خاص اہمیت کا مالک تھا۔ شاہجہاں کا عام طور پر حکم تھا کہ وہاں کے علماء طلباء کو ہمیشہ وظائف دیے جایا کریں اور واقعہ نگار ہر مدرسہ کے حالات لکھیں۔ جب شاہ جہاں کو کسی نئے مدرسے کے قیام کی اطلاع ملتی تھی تو وہ فوراً اسکے لئے وظائف مقرر کرتا تھا۔ جب ملک کے امراء و شاہزادے اور حکام جونپور سے گذرتے تھے تو وہ ان مدرسوں کو دیکھنے کے لئے لازمی طور پر قیام کرتے تھے اور جیب خاص سے بیش از بیش عطیے دیتے تھے

سنہ ۱۱۴۷ء میں نواب سعادت علی خاں کے دور سے مدرسوں پر زوال آنا شروع ہو گیا کیونکہ انھوں نے جاگیر و وظائف یکقلم ضبط کر لئے تھے سنہ ۱۱۸۷ء میں نواب آصف الدولہ نے ان جاگیروں کی واپسی کا حکم دیا سنہ ۱۷۸۸ء میں جب ڈنکن صاحب نے اس شہر کو دیکھا تو اسکی بربادی پر افسوس کیا اس زمانے کے کمشنر اور کلکٹر بنارس کے سرکاری کاغذات میں اسکی گذشتہ عظمت کے غیر فانی نقوش باقی ہیں

اس میں لکھا ہے کہ :-

"جونپور جو مسلمانوں کے علوم و فنون کا مرکز اور علما کا مرجع تھا جسکو شیراز ہند کا خطاب حاصل تھا۔ جہاں بہت سے مدارس قائم تھے اور جس کی اب صرف گذشتہ عظمت کی داستان ہی داستان باقی رہگئی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شہر (مدرسوں اور علم و فن کے لحاظ سے) ہندوستان کا شیراز تھا یا ازمنہ وسطیٰ کا پیرس۔ جونپور کا ہر شاہزادہ اس پر فخر کرتا تھا کہ وہ علم و حکمت کا مربی ہے۔ علما و حکما اس شاہی دار الحکومت کی پرامن سرزمین میں ہر طرح کی علمی ترقیوں کیلئے کوشاں رہتے تھے۔ محمد شاہ کے زمانے میں ۲۰ بہت ہی مشہور و معروف مدرسے جونپور میں موجود تھے۔ جن کے اب صرف نام ہی نام باقی ہیں ان میں سے ایک کا بانی پندرہویں صدی کے وسط میں مرا اور ایک کا بانی سترہوں صدی کے وسط میں [1]"

وہ مدرسے جو ابراہیم شاہ شرقی سے لیکر عہد محمد شاہ تک قائم ہوئے

نمبر شمار	نام مدرسہ مع محلہ	تعداد طلبا	شمار	نام مدرسہ مع محلہ	تعداد طلبا
۱	سراج الدین سپاہ	۰	۳	ملا محمود شیخ محادر	۹۵
۲	قاضی شہاب الدین مسجد اٹالہ	۸۵	۴	عبدالباقی ۰	۹۱

[1] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں کتاب نند راناتھ ص۲۳-۴۰

۵	ملا نور الدین		۴۳	۱۴	ملا صدر جہاں اجمل	سپاہ	۴۹
۶	مفتی سید مبارک	مفتی محلہ	۶۰	۱۵	ملا شمس الدین	.	۵۳
۷	ملا محمد حفیظ	"	۵۰	۱۶	حافظ غلام شاہ	.	۳۵
۸	ملا شیخ حامد	شیخ محامد	۴۵	۱۷	ملا میر محمد عسکری	مفتی محلہ	۴۷
۹	ملا شیخ ماہ	میاں پور	۴۴	۱۸	مولوی ثناء اللہ	بازار الف خاں	۴۴
۱۰	ملا معمور	.	۴۷	۱۹	مولوی عطاء اللہ	.	۵۹
۱۱	ملا محمد امین	.	۷۱	۲۰	معین الدین حقانی اللہ	.	۸۴
۱۲	ملا محمد اعلیٰ	.	۷۳	۲۱	مخدوم شاہ ادہن	مخدوم شاہ ادہن	۸۵
۱۳	میر محمد ملیح	دریبہ	۴۲	۲۲	ملا الہداد	متصل عیدگاہ	.

مدرسوں کی مزید تفصیل

نمبر شمار	نام مدرسہ	محلہ	عہد	نمبر شمار	نام مدرسہ	محلہ	عہد
۱	مدرسہ شمس نور	عالم گنج	شاہجہاں	۸	مدرسہ جلال الدین احمد	مچھلی شہر	عالمگیر
۲	" ملا محمد جمیل	مفتی محلہ	عالمگیر	۹	" مفتی روح اللہ	مفتی محلہ	"
۳	" باب اللہ	خواجگی ٹولہ	"	۱۰	" ملا نجیب الدین		"
۴	" قاضی محمد پناہ	بازار الف خاں	محمد شاہ	۱۱	" شیخ نظام الدین اولیا	محلہ ارزن	.
۵	" صدر جہاں انگنوں	مفتی محلہ	"	۱۲	ملا عیوض ۲ـہ		.
۶	" مولوی گلشن علی	کمجگاؤں	سعادت علی	۱۳	مولوی علی محمد	مچھلی شہر	.
۷	" قاضی ثناء الدین	مچھلی شہر	شرقی دور	۱۴	شیخ چندان	فروشہ پور	شرقی

۱ـہ اس مدرسہ میں دستکاری بھی سکھائی جاتی تھی

۲ـہ یہ چلتا پھرتا مدرسہ تھا آپ صحرانوردی کرتے طالبان علم ہمراہ رہتے۔

نمبر شمار	نام مدرسہ مع محلہ	عہد	نمبر شمار	نام مدرسہ مع محلہ	عہد
۱۵	مدرسہ شاہ مظفر رضویخان	اکبر	۱۷	محمد مرزا رودپٹہ	.
۱۶	مولوی نعمت حسین	.		سلہ	

کتبخانے

ان مدرسوں کے ساتھ بڑے بڑے کتب خانے بھی ہوتے تھے جس میں طالبان علم کے مطالعہ کے لئے ہر علم وفن کی کتابیں مہیا رہتی تھیں۔ شرقی دور حکومت میں بھی کتب خانوں کی کثرت تھی مگر بارہا تباہ کاریوں سے سب برباد ہوگئیں بطور نمونہ مغل دور میں منعم خاں خانخاناں اور مولوی معشوق علی کے کتب خانے کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں :۔

منعم خاں خانخاناں کا کتب خانہ بہت ہی نفیس کتابوں پر مشتمل تھا۔ اس علم دوست شخص نے رفاہ عام کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے ۔ وہ کتابیں جمع کرنے کے بھی بہت شائق تھے اور اس مد پر بہت فیاضی سے روپے صرف کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ آپ نے کلیات سعدی " کے ایک نسخے کے لئے ۵۰۰ انعام دیا تھا۔ آپ کا قیام زیادہ تر جونپور میں رہا۔ اس نسخے کے بارے میں منعم خاں خود لکھتے ہیں :۔

این کلیات حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ کی کلیات

سلہ تجلی نور حصہ اول و دوم۔ تذکرۃ العلما۔ گنج رشیدی دارشدی۔ بحر ذخار۔ خزینۃ الاصفیہ

آں عزیز بہادر خاں در بلدۂ پرسرور جونپور را بدیں فقیر فرستادہ بود پنج صد روپیہ انعام شد نہ صد ہفتاد عدد اوراق۔ سی صد وچہار است عدد ابیات۔ وسطورش از متن حاشیہ نوزدہ ہزار و ہفت صد حاشیہ چہار ہزار و ہفت صد و بست ہشت است مشتمل بود واسم دیباچہ مصور و چہارم لوح شیرازی [1]

عزیزم بہادر خاں (برادر علی قلی خاں) کے واسطے مجھ فقیر کی معرفت جونپور بھیجی گئی تھی جس پر انھوں نے پانچسو روپیہ انعام دیا تھا (تفصیل یہ ہے) کہ اوراق ۹۷۰- اشعار ۳۰۰۰ اور متن کے حاشیہ کی سطریں ۱۹۷۰۰ اور حاشیہ ۴۷۲۸ عدد پر مشتمل تھی نام کتاب و دیباچہ تصویر دار اور چہارم لوح شیراز اندازکی تھی۔

دور آخر کے کتب خانوں میں مولوی معشوق علی کا کتب خانہ نہایت اعلیٰ درجے کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ اس میں ۵۰۰۰ کتابیں تھیں جن میں زیادہ تر فقہ، اخلاقیات پر تھیں۔ بلحاظ درس و تدریس مولوی صاحب کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ ان کے پاس ہر وقت طالب علموں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سے تحفۂ طیطہ تھا۔ سنہ ۱۲۶۲ھ میں مولوی صاحب کا انتقال ہو گیا مگر انکا کتب خانہ جونپور کے گذشتہ عظمت کی بہت بڑی یادگار [2] تھی وہ بھی برباد ہو گیا۔

---

1. اسلامک کلچر حیدرآباد ج ۱۹ ص ۳۳۴
2. اسلامی کتب خانے ص ۹۹-۳۰۰

تغلق دور سے مغل دور تک کی خانقاہیں

خانقاہ اشرفیہ جونپور حضرت مخدوم سید جہانگیر اشرف سمنانیؒ کی ایک خانقاہ جونپور میں تھی جہاں سلسلۂ اشرفیہ کے متوسلین کو تعلیم دیجاتی تھی۔

"چنانچہ سید محب اللہ ابن سید شاہ ولی اللہؒ در ملفوظات خود آوردہ اند کہ بعد ایں ہدایت نور العین را وصیت حضوری مزار من و ہدایت مردمان جونپور و قصبہ جائس و ردولی را زیادہ نگاہدارند۔

چنانچہ حضرت نور العین وقت وفات خدمت جاروب کشی بخلف اکبر سپردند و سید حسین را بجونپور و سید احمد را بجائس و سید فرید را بردولی فرستادہ وصیت بجا آوردند۔ انتہی بلفظہ۔

ونیز در ملفوظات مذکور مسطور است کہ چوں بست و دو مواضع اند

چنانچہ سید محب اللہ ابن سید شاہ ولی اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ اس ہدایت کے بعد نور العین کو میرے مزار کی حضوری اور مردمان جونپور۔ جائس اور ردولی کو ہدایت کی وصیت کی۔

چنانچہ حضرت نور العین نے بعد وفات بڑے لڑکے کو خدمت جاروب کشی اور سید حسین کو جونپور اور سید احمد کو جائس اور سید فرید کو ردولی بھیجکر وصیت پوری کی۔ فقط۔

اور اسی ملفوظات میں تحریر ہے کہ چونکہ ۲۲ مواضع بعض معتقدین

بعض معتقدین بفتوح دارند و حصّہ
سید حسین خلف ثانی نیز در آں قرار
یافت بدیں بتعلق سکونت کچھوچھہ
اختیار کردند و چندے فرزندانِ
او بکار خویش پرداختند بعد وفات
پدر ایشاں را بکچھوچھہ آمدند۔
(ماخوذ از صحائف اشرفی (قلمی)
مصنفہ حکیم مولانا سید نذر اشرف صاحب
فاضل۔ سن کتابت سنہ ۱۳۱۱ھ ص ۱۲۱)

نے اپنے قبضہ میں رکھا ہے اور
سید حسین خلف ثانی کا حصہ بھی اسی
میں ہے اسوجہ سے کچھوچھہ کی سکونت
اختیار کی اور انکے کچھ لڑکوں نے
اپنے تصرف میں لے لیا اور اپنے
باپ کے انتقال کے بعد کچھوچھہ چلے آئے

مذکورہ بالا اقتباس سے حضرت شاہ سید حسین خلف ثانیؒ کا جونپور میں رونق افروز ہونا واضح ہو جاتا ہے اور اس بات کی بھی شہادت مل جاتی ہے کہ آپ ہی خانقاہ اشرفیہ جونپور کے سجادہ نشین تھے بعد میں انکی اولاد کا تعلق کچھوچھہ شریف سے کس طرح ہوا؟ ناظرین کی سہولت کے پیش نظر شجرہ نسب درج ذیل ہے جسے مذکورہ بالا اقتباس کا اجمال کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ (المتوفی سنہ ۸۰۸ھ)

|

حضرت قطب الافاق حاجی الحرمین سید عبد الرزاق نور العین
(مرید و خلیفہ و ہمشیر زادہ حضرت مخدومؒ)

|

- سید شاہ شمس الدین ناکتخدا انتقال کیا
- سید شاہ حسن خلف اکبر سجادہ نشین مقام کچھوچھہ
- سید شاہ حسین خلف ثانی سجادہ نشین مقام جونپور
- سید شاہ حاجی بندگی احمدؒ سجادہ نشین مقام جائس
- سید شاہ فرید الدین سجادہ نشین مقام بسوڑھی

عہد فیروز شاہ کی ۷ خانقاہیں

(۱) خانقاہ قلعہ فیروز شاہ　　مہتمم سجادہ نشین حضرت مخدوم شیخ اخی قدس سرہٗ
(۲) ملا قاضی خلیل اللہ　　قاضی وقت تھے در تیبہ میں خانقاہ تھی
(۳) خانقاہ حضرت مخدوم ملا نور الدین ہروی۔ محلہ فیروز شاہ پور میں خانقاہ تھی
(۴) حضرت مخدوم ملا نظام الدین　　"　"　"
(۵) حضرت مخدوم ملا فتح اللہ　　بلوچ ٹولہ　"　"
(۶) حضرت ملا شاہ محمدیؒ　　فتحپور
(۷) حضرت ملا یعقوب سمرقندی　　محلہ آدم پور
خواجہ جہاں ملک الشرق کے عہد میں بھی یہی خانقاہیں تھیں۔

ابراہیم شاہ کے عہد کی خانقاہیں

(۱) خانقاہ حضرت مخدوم قطب بنیا دل کی خانقاہ　　محلہ علن پدہ موجودہ شیخپورہ
(۲) " مخدوم محمد ماہ　　میاں پور
(۳) قاضی نصیر الدین گنبدی　　چاچک پور
(۴) شیخ مبارک خیر صمدی　　سپاہ
(۵) ملا صدر جہاں اجمل　　سپاہ
(۶) مخدوم ابو الفتح سونبرسی } ماموں بھانجے　　" دریا کنارے۔
ملا شاہ اجمل
(۷) حضرت مخدوم عیسیٰ تاج　　محلہ ارزن
(۸) حضرت شیخ علی داؤد　ازطرف راجے بی بی　　محلہ لعل دروازہ
(۹) سید عثمان شیرازی　　متصل مسجد خالص مخلص

(۱۰) حضرت نور الدین مداری — مدار تلہ
(۱۱) میر طاہر تیز رو مرید حضرت شاہ عبد الجلیل — ڈھڑیانہ ٹولہ
(۱۲) خانقاہ فراہی۔ اس میں ۴۹ کمرے اور مدرسہ تھا۔ — تار تلہ

مغلوں کے دور کی خانقاہیں

(۱) خانقاہ ملا محامد
(۲) خانقاہ خواجہ اجمیری
(۳) خانقاہ خواجہ دوست
(۴) خانقاہ عبد الغنی
(۵) خانقاہ ملا جمیل
(۶) خانقاہ شاہ مظفر
(۷) خانقاہ مرزا میرک رضوی
(۸) خانقاہ ملا عبد الباری
(۹) خانقاہ منعم خاں خانخاناں
(۱۰) خانقاہ شاہ شیخو
(۱۱) خانقاہ شاہ کبیر

... ...

عہد شاہجہاں اور عالمگیر کی خانقاہیں

(۱) خانقاہ ملا محمود — شیخ محلہ
(۲) خانقاہ رشیدیہ — میر مست
(۳) خانقاہ ملا احمد جیون
(۴) خانقاہ مولانا الہداد
(۵) خانقاہ مولانا شیخ رکن الدین [۱]
(۶) خانقاہ ملا شمس نور
(۷) خانقاہ قادریہ — باغ ہاشم
(۸) خانقاہ ثناء اللہ — تکیہ جابلی شاہ
(۹) خانقاہ محمد ذاکر — بلوچ ٹولہ

... ...

ان کے علاوہ چھوٹی چھوٹی کئی اور خانقاہوں کا پتہ ملتا ہے۔

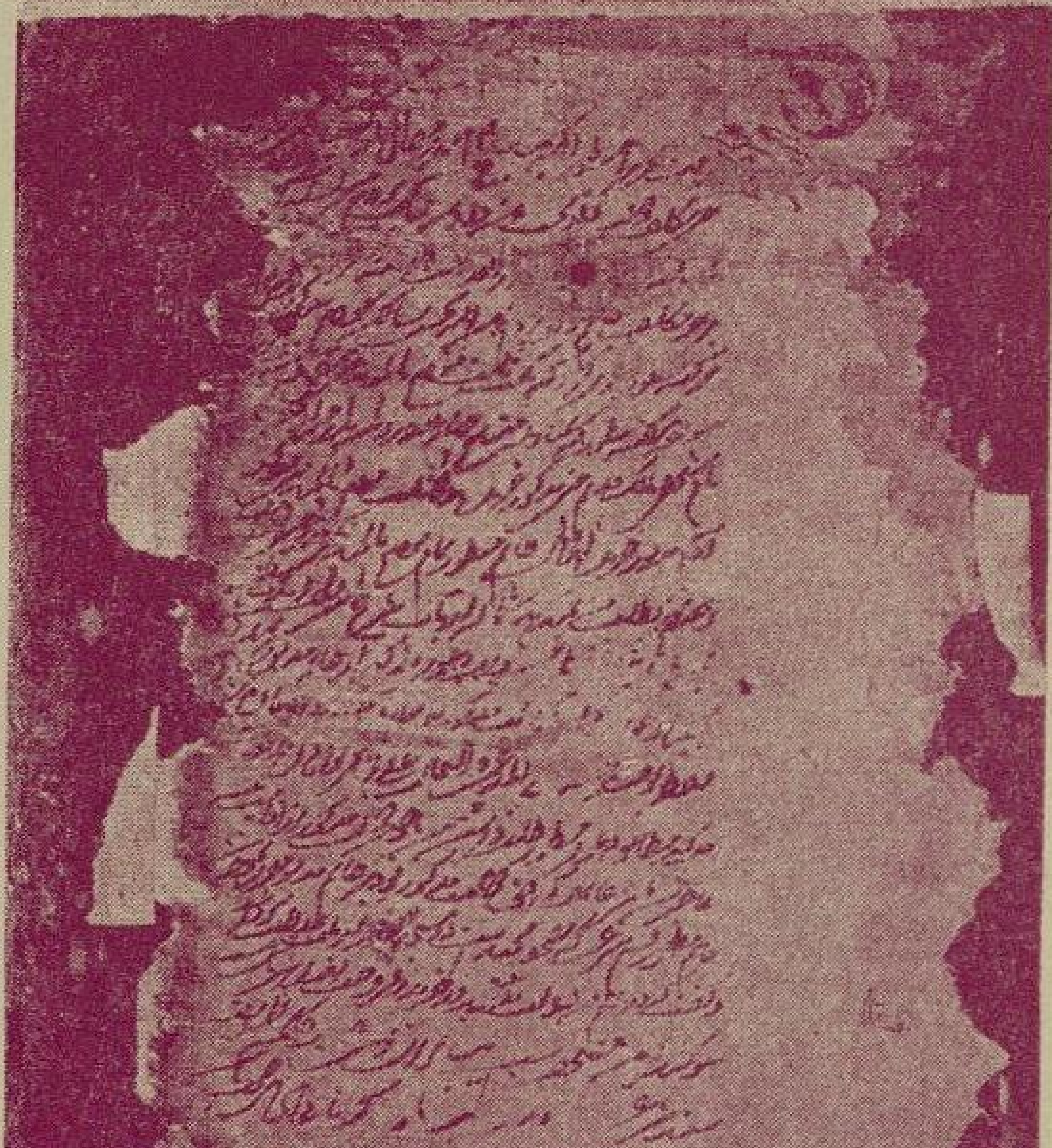
---

[۱] تجلی نور ہر حصہ تجلیات العارفین چراغ نور گنج رشیدی۔ گنج ارشدی۔ بحر ذخار۔ خزینۃ الاصفیا

عہد حسین شاہ کا ایک فرمان



محمد ابراہیم شاہ کا ایک فرمان



فرامین و سندات

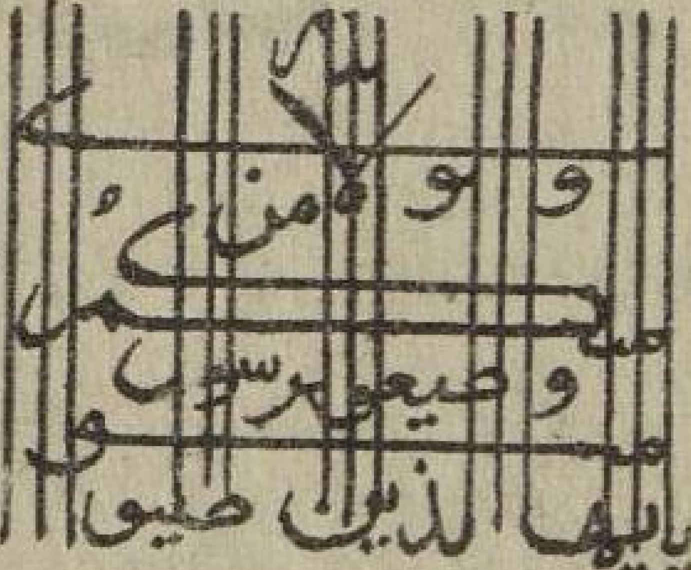
جونپور میں تغلق دور سے علمار کی آمد اور خانقاہوں اور مدرسوں کی ابتدا ہو چکی تھی اور ابراہیم شاہ شرقی کی قدردانی اور علمی سرپرستی کی وجہ سے ان میں اور بھی اضافہ ہوگیا تھا کہ بہ یک وقت یہاں چودہ سو علمار و صوفیا کی پالکیاں نکلتی تھیں جنکے فضل وکمال کا چرچہ مصر و عرب عراق و ایران تک تھا۔

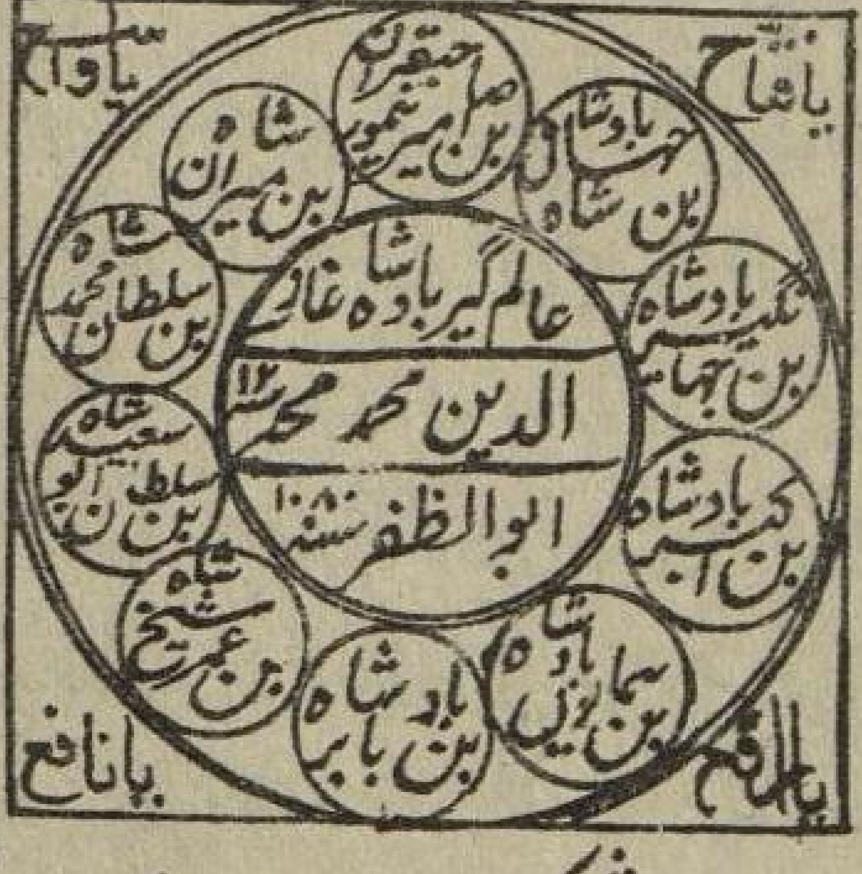
مغل دور میں بھی جونپور کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی اور "سرکار جونپور" کے خطاب سے مشہور تھا، اس دور میں بھی مدرسوں اور خانقاہوں کی کثرت تھی جن میں طالبان علم و فن بھرے ہوئے تھے۔ اس دور کے سیکڑوں آثار گنبد و مینار۔ عظیم الشان مسجدیں اور کتبات اب بھی موجود ہیں۔

شرقی دور سے مغل دور تک ہزاروں علمار و صوفیا اور شعرا اور ان کے متعلقین کی گذر اوقات کیلئے وظائف اور خانقاہوں اور مدرسوں کے لئے جاگیریں وقف کی گئیں جنکے لئے فرامین جاری کئے گئے جو تباہ و برباد ہوگئے۔ بڑی تلاش وکوشش کے بعد چند فرمان دستیاب ہوسکے ہیں جو بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں جو زیادہ بوسیدہ تھے انھیں روک لیا ہے۔ ان فرامین سے جونپور کی قدیم عظمت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں قسم کے فرمان مولف کتاب ہذا کے پاس محفوظ ہیں جو دیکھے جا سکتے ہیں۔ شرقی دور کے دو فرمان کو فوٹو کے ذریعہ اور بقیہ کو لیتھو کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔

نقل فرمان منجانب اورنگ زیب بادشاہ بنام سید احمد ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم





دریں وقت کہ فرمان والاشان صادر شد کہ موازی.... زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع
از پرگنہ .... سرکار جونپور مضاف بصوبہ الہ آباد در وجہ مدد معاش ملا سید احمد حسب الضمن مقرر باشد
کہ حاصلہ .... رذ نمودہ بدعا بقاے دولت ابد پیوند مواظبت نماید باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران
و کرو... آراضی مزبورہ رامپودہ و چک بستہ بتصرف او باز گذارند .... بعد تشخیص
چک و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحم نشوند...... و اگر
در محلے چیزے داشتہ باشد آنرا اعتبار کنند ۔ بست و چہارم شہر محرم الحرام

نقل فرمان شاہجہان بادشاہ بنام سید معین الدین

اللہ اکبر

خلد اللہ ملکہ ۔ خدا و رسول خدا

مرقوم شد کہ متصدیان مہمات حال و استقبال پرگنہ اری سرکار جونپور بدانند کہ
چوں نعابت و نجابت ساہی قصلت دستگاہی صلاح اثار سید معین الدین بجمیع فضائل آراستہ اند
و بہیچ وجہ معیشت ندارند بنا براں مدد موازی چہار صد بیگہ زمین بالمناصفہ از موضع جورک
تیہ بہاری من اعمال پرگنہ مذکور از ابتدائے فصل خریف لوی ئیل در وجہ مدد معاش ام مشار الیہ
مقرر نمودیم باید کہ اراضی مذکورہ را بموی الیہ واگذارند کہ حاصل آں را صرف معیشت خود نمودہ در دعا
بقای دولت ابد پیوند اشتغال نماید و بعلت مالوجہات و سائر وجوہات کل تکالیف دیوانی
و خطابات سلطانی مزاحمت نرسانند و ہر سال سند مجدد طلب ندارند درین باب تاکید تمام دانستہ و
انحراف نورزند تحریر فی تاریخ ۲۹ رمضان المبارک سنہ ۱۰۲۵ھ

جہانگیر شاہ
بن اکبر
لشکری

نقل فرمان عالمگیر بادشاہ بنام شیخ غلام علی

متصدیان مہمات حال و استقبال پرگنہ انگلی سرکار جونپور مضاف
بصوبہ الہ آباد بدانند ۔ چوں بموجب حکم والا متولیان ممالک محروسہ برطرف شدند و خدمت
سر رشتہ داری ائمہ پرگنہ مرقوم مسمات وصدارت شاہ رفعت و معالی دستگاہ میر سید احمد صدر جز سرکار
مسطور وغیرہ بمشیخت شیخ غلام نبی ولد شیخ عبد الشکور مقرر نمودہ اند لہٰذا مطابق تمہاد حکام بتبادل
وصدور ابق و حال خدمت سر رشتہ داری پرگنہ مذکور الشیخ مشار الیہ بحال مقرر بامیں
شیخ موی الیہ را سر رشتہ دار ائمہ بکیفیہ مسطور دانستہ معاملہ ارباب معاش ...

...... بست و ششم ذی الحجہ سنہ ۱۱۲۶ ہجری

عالمگیر شاہ
محمد فرخ سیر بادشاہ
جعفر

نقل فتویٰ علمائے جونپور

چہ فرمایند علماء دیندار و فضلائے شریعت شعار کثر اللہ

الی یوم القرار اندر آنچہ زید کامل الاہلیہ کہ سعی بفساد دارد و در صدد ایذائے

مسلمین می باشد شرعاً مستحق تادیب و تعزیر ہست یا نہ و حاکم شرع را رسد کہ

بعد اثبات سعی و ایذاء بدلوری اند بدلوری را نادرست ہمیوده از سعی بکنار و ایذا......

دارد یا نہ۔ بینوا توجروا









نقل فرمان منجانب عالمگیر بادشاہ بنام مسماۃ بی بی

متصدیان مہمات حال و استقبال پرگنہ انگلی سرکار جونپور من مضاف

صوبہ الہ آباد متعلقہ جاگیر اینجانب بدانند کہ بموجب فرمان عالیشان

حضرت مرقوم بتاریخ بست ہفتم ماہ آذر الٰہی سنہ ۴۲ موازی یکصد و

چہل بیگہہ زمین از پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش باسم مسماۃ



بی بی و غیرہا در موضع ملکوٹی مہر کا جہہ مقرراست باید کہ اراضی مسطورہ را مو اہداری جاگیر

از محلعدم بدستور سابق بتصرف آنہا واگذارند.......... حاصلات آنرا

فصل بفصل و سال بسال صرف معیشت خود ہا موده در دعاگوئی دوام دولت ابد الاقبال

مبدا شتہ باشند۔ التاریخ بست ششم ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳ جلوس والا

محمد فرخ سیر
فدوی بادشاه غازی
بهادر
جان قلیچ خان مرید

فرمان محمد فرخ سیر بادشاه بنام مسماة فاطمه وغیره

متصدیان مهمات حال واستقبال پرگنه معظم آباد
سرکار جونپور مضاف صوبه الهآباد بدانند که
چون مواضع یکصد وشصت وپنج بیگه از موضع
گوپی ناته تپه ماله عالمه پرگنه مذکور بموجب فرمان عالیشان واسناد
حکام سابق در وجه مدد معاش مسماة فاطمه وغیرها مقرر است ودر تولد نیز بدستور
سابق حسب الضمن بحال ومسلم هست باید که مواضع مذکور بتصرف مشار الیها
واگذاشته بوجهی من الوجوه از قسم مقرری وکهست جنباوان وغیره
مزاحمت نرسانند درین باب تاکید دانسته حسب المسطور بعمل آرند
بتاریخ بست وششم شهر محرم الحرام سنه ۲ جلوس والا

نقل فرمان منجانب عالمگیر بادشاه بنام مسماة صفیه ومسماة العیه

عالمگیر محمد
شاه
صدر باد یحیی

حضرت بادشاه عالمگیر خلد الله ملکه
گماشتهای جاگیرداران کروریان حال واستقبال
پرگنه کهومی اعمال سرکار جونپور بدانند اعلام آنکه

چون موازی دو صد بیگه زمین بگز الهی بموجب فرمانهای عالیشان سعادت نشان

هر دو صحیح سنه چهار از جلوس مبارک در وجه مدد معاش مسماة صفیه و مسماة رابعه

مقرر است قبل از این بتصحیح صدور سابق رسیده در پتولا که بتصدیق مردم معتبر

منصرم معلوم مسماة مذکورتان رسیده و استحقاق آنها بوضوح پیوست لهذا

حسب الحکم الارفع الاعلی ازلعی مذکوره بموجب ضمن تصدیق ورق مبارک بیگمان

حضرت سلیمان مرتبت سکندر منزلت بادشاه جهان پناه ظل سبحانی خلیفه الرحمانی

عموماً الیهما مقرر و مسلم داشته

باید که این مطوره را از ابتدای فصل ربیع توشقان ئیل از محل مذکور

بدستور سابق بتصرف آنها واگذارند و بعلت مال وجهات و غیره ابواب ممنوعه

مزاحم و متعرض نشوند تا که حاصلات آنرا فصل بفصل و سال بسال صرف

معیشت خود نموده بدعاگوئی دوام دولت ....

... در این باب نهایت تاکید دانسته تخلف و انحراف نورزند و از روی نگردند

تاریخ تحریر ۱۱ شهر ذی الحجه سنه ۳۱ جلوس والا سنه ۱۰۹۸ ه

نقل فرمان منجانب عالمگیر بادشاه بنام سید مصطفی و فرزندان

بسم الله الرحمن الرحیم

سید شمس الدین محمد رضوی البخاری ۱۱۰۸ ۳۰

حضرت بادشاه عالمگیر خلد الله ملکه

گماشتهای جاگیرداران و کروریان حال و استقبال

پرگنه راری من اعمال سرکار جونپور مضاف صوبه الهآباد را

اعلام آنکه چون موازی چهار صد و نود و [illegible] بیگه و

پانزده بسوه زمین بگز الهی بموجب فرمان عالیشان [illegible] از ابتدای [illegible] ماه

آبان الهی سنه ۲۵ در وجه مدد معاش سید مصطفی و فرزندان و غیره مقرر بود مشار

الیهم و بعضی فوت شده سید صدر سابق اراضی مذکوره را بنام مسماة فاطمه و غیره

وارثان متوفی [illegible] نموده مقرر داشتند درین ولا [illegible] سابق بمهر شیخ محمد

فاضل [illegible] ... برحسب [illegible] و تصرف مسماة مذکوره و غیرها وارثان متوفی مذکور

رسیده و استحقاق آنها بوضوح پیوست [illegible] حسب الحکم [illegible] عالم مطیع

اراضی مذکوره را بموجب [illegible] مبارک [illegible]

خداوند [illegible] ظل ظلیل [illegible] بادشاه دین پناه [illegible] خلیفه [illegible]

بوارثان متوفی مقرر و مسلم داشته شد.

باید که این سطور را از ابتدای فصل ربیع [illegible] سنه ۱۱۰۶ فصلی [illegible]

[illegible] بشرط [illegible] و تصرف متصرف انها واگذارند [illegible]

مزاحم و متعرض نشوند ......

تحریر فی التاریخ ۲۵ شهر ربیع الثانی سنه ۱۱۱۰ هجری

نقل فرمان محمد شاه بادشاه بنام مولوی قاضی شیخ ثناء الله

محمد محمد شاه
بادشاه غازی
شریف خان فدوی

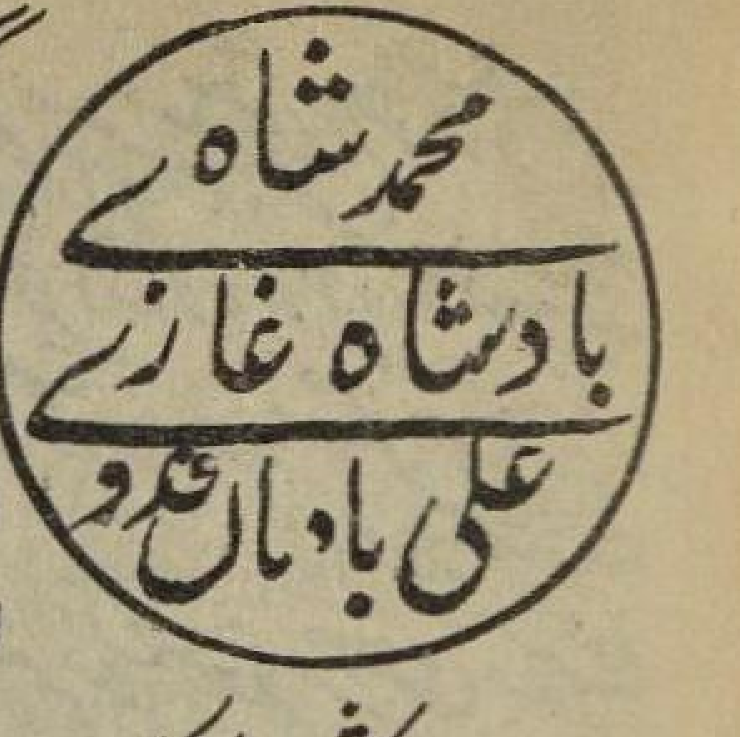
سنه ۱۱۹ علی
خادم شرع اطهر حاجی
عاصی باسط

متصدیان مهمات حال و استقبال پرگنه [illegible] جونپور سرکار مذکور مضاف صوبه اله آباد بدانند
چون موضع [illegible] در بست مدد معاش پرگنه مذکور مشروط منصب قضا بنام شریعت و فضیلت
پناه افادت و افاضت دستگاه جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول
مولوی قاضی شیخ ثناء الله مقرر است باید که موضع مذکور حسب الضمن شریعت و فضائل
پناه مذکور واگذارند و بعلت من الوجوه مزاحم و متعرض نشوند که حاصلات آنرا
فصل بفصل سال بسال صرف معیشت نموده بادعای امور ساعیه و تدریس
علوم دینیه اشتغال مدد رسیده باشند درین باب تاکید دانسته
تاریخ هشتم جمادی الاخری سنه [illegible] جلوس

نقل فرمان محمد شاه بادشاه بنام عبد الکریم و عبد القادر

بسم الله الرحمن الرحیم

حضرت محمد شاه بادشاه غازی خلد الله ملکه



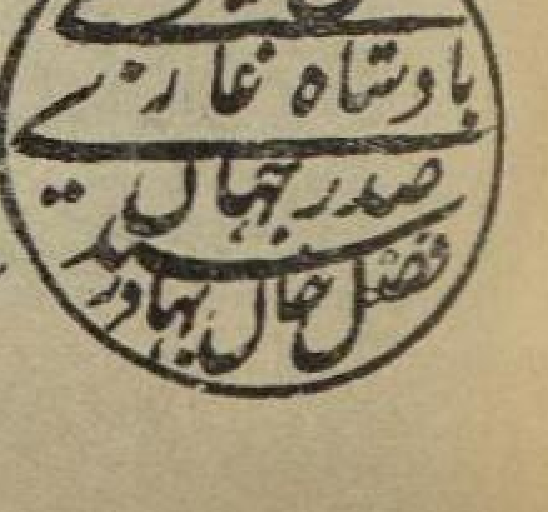
گماشتهای جاگیرداران وکروریان حال واستقبال پرگنه
انگلی مراعمال سرکار جونپور مضاف صوبه الهٰ آباد اعلام آنکه
چهن مواز ششصد بیگهه و چهار بسوا زمین تکیه رابهی
از جمله فرمان عالیشان حضرت باشیخ حامد
یعنی انهد السبح ۲۷ ماه مهر الٰهی

در وجه مدد معاش عبدالکریم و عبدالقادر مقرر بود مسار الیهما که بعد حیوة سپردند
صدور لبق اراضی مذکور را بنام مسماة دهنی و مسماة بان بجیبی ورثه معه عیشن
تجویز نموده مقرر داشتند در ینولا .... بوارثان
موقوف مقرر و مسلم داشته شد. باید که بر طبق پروانه مرقوم ...... متصرف انها باز
گذاشته .... درین باب تاکید بلیغ دانسته تخلف و انحراف نورزند.
تحریر فی التاریخ بست و پنجم شهر رجب المرجب سنه ۱۷ جلوس مطابق سنه ۱۱۴۷ ه

نقل فرمان بادشاه فرخ سیر بنام پیر محمد وغیره







گماشته جاگیرداران وکروریان پرگنه حویلی سرکار جونپور مضاف صوبه الهٰ آباد اعلام آنکه

بموجب یادداشت واقعه عهد مرقوم بیست و هشتم ۲۸ شهر محرم ۲ جلوس ... هشت و ششم

جمادی الآخر ۱۰۹۳ سنه که در بحر منی معتمدی سید سعید و هیچ بگیه زمین بنجر افتاده لا بور زراعت خارج جمع از پرگنه جونپور سرکار مذکور انعام بعوض مدد معاش پیر محمد وغیره متعلقانش حسب الحکم مقرر کرده ... باید که ... از اخراج مقنت نموده بدعای بقای دوام ... لعهده کنفنی ... نوزدهم شعبان المعظم ۳ جلوس معلی شد

نقل استغاثه



بتاریخ دوم شهر رمضان المبارک سنه ۱۰۹۰ سید ناصر ولد سید حامد بن سید راجی ثابت الوکالة از قبل میر سید احمد ولد میر سید صالح بن میر سید راشد بدار العدالت بلده محفوظ جونپور حاضر آمده استغاثه نمود بدینوجه که موضع شادی پور معموله پرگنه نظام آباد سرکار جونپور محدود بحدود ذیل مقدمی و مدد معاش موکل مذکور است رعایای شکاریان بقول موکل مذکور مزرع کشت و کار میکنند عرب پنج سال است وقتی که آکرندهای مذکور ... زراعت طیار میکنند نمری و سیحو ولدی سنهر بن کبر کیال زمینداران موضع جلیه وله معموله پرگنه مسطور بر موضع شادی پور مذکور آمده بعدی ازر رعایان ... حسب الحکم الاشرف الاعلی بنام کما اوردو ...... لهذا بحسب درخواست مستغیث مذکور این چند کلمه ...... وسیله بدربار عالم بدار رسید تحریر فی التاریخ العاشر من الشهر صفر ختم الیه بالخیر والظفر سنه الف و تسعون من الهجرة النبویه صلی الله علیه و علی آله و علی اصحابه و سلم۔

صوفیائے کرام و علمائے جونپور

میر سید کمال ترمذی

میر سید کمال ترمذی حادثہ ہلاکو خاں میں ترمذ سے دہلی آئے سلطان علاؤالدین خلجی نے اعزاز و اکرام فرمایا اور قصبہ کنتھل میں ٹھہرایا۔ آپ کی اولاد بہت تھی اور آپ کے جد کلاں سید صدر الدین شہر قنوج میں سکونت پذیر ہوئے۔ حضرت میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ آپ بہت بڑے عالی نسب ہیں۔ سادات کنتھل کے عالی نسب و صحت نسب میں لکھنے کی جگہ نہیں ہے اور لکھتے ہیں کہ حضرت سید علیم الدین پسر عموی سید احمد سنجیلے نے جو لکھا ہے اسکے یہ معنی ہیں کہ ذکر علیم الدین بلائیں بجائے پدر خود سید نظام الدین لکھا ہے مرتضیٰ خاں نے ۷۶۸ھ میں انتقال فرمایا اور باپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اب مضمون مذکورہ بالا پر آرہا ہوں۔ دشمنان دربار تعصب سے پیش آئے۔ بعض امرا سلطان الشرق نے جو قنوج سرکار میں تعینات تھے کوشش زبردست کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اور اسوقت کے علمائے جونپور میں نام لکھا گیا۔ اور سلطان الشرق خواجہ جہاں کو تمام امور سے آگاہ کیا گیا۔ مخدوم شیخ اخی کو بجز زندگی قائم رکھنے کے لئے غذا اور جسم ڈھانکنے کے لئے کپڑا اور کسی چیز کی ضرورت نہ تھی اور بحکم اللہ و رسول جو کچھ کرنیکا حکم دیا گیا اور جس کام سے منع کیا گیا تھا اسپر عمل کرنا اور خط کو انکساری فروتنی کے موافق بہر کطریقے بہ حضرت خواجہ جہاں سلطان شرقی بادشاہ جونپور نے درج فرمایا۔ اور کمال بزرگی اس مکتوب سے ظاہر ہے جو عبارت نقل کیگئی ہے۔ چونکہ وہ تحریر سلطان الشرق تک پہنچی اسنے سجدۂ شکر کیا کہ میرے عہد حکومت میں اللہ کے دوست موجود ہیں اور بہت بہت قسم سے عذر کیا۔ اور عرضداشت کمال نیازمندی عقیدت تحفہ تحائف ہدایا کثیر ارسال کیا حضرت مخدوم شیخ اخی جمشید میں کرامات و خوارق عادات بہت تھے۔ جن کے مختصر لکھنے کی بھی

گنجائش نہیں ہے۔ مرقد پاک آپ کا موضع راجگیر نا میں حاجت روائے خلق اللہ ہے۔
وفات مخدوم بروز منگل دس شوال کو ہوئی۔ ایک بوڑھی عورت جو آپ کے مکان کے
متصل رہتی تھی۔ آپ کا جنازہ دیکھ کر بہت روئی اور کہا کہ حضرت مخدوم شیخ اخی نے باوجود
عارف باللہ و صاحب ولایت ہونے کے نحس دن منگل کو انتقال کیا۔ مخدوم نے بعد دو
یا تین ساعت کفن سے سر نکال کر فرمایا کہ اگر تیرے نزدیک آج کا دن نحس ہے تو کل
اس عالم سے انتقال کروں گا۔ پس بروز بدھ گیارہ شوال آپ نے پردہ فرمایا۔ سنہ
وفات آپ کا معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن تا آخر سلطنت سلطان ابراہیم شاہ شرقی بقید
حیات تھے۔ اور سلطان ابراہیم شاہ نے چالیس سال حکومت کیا۔

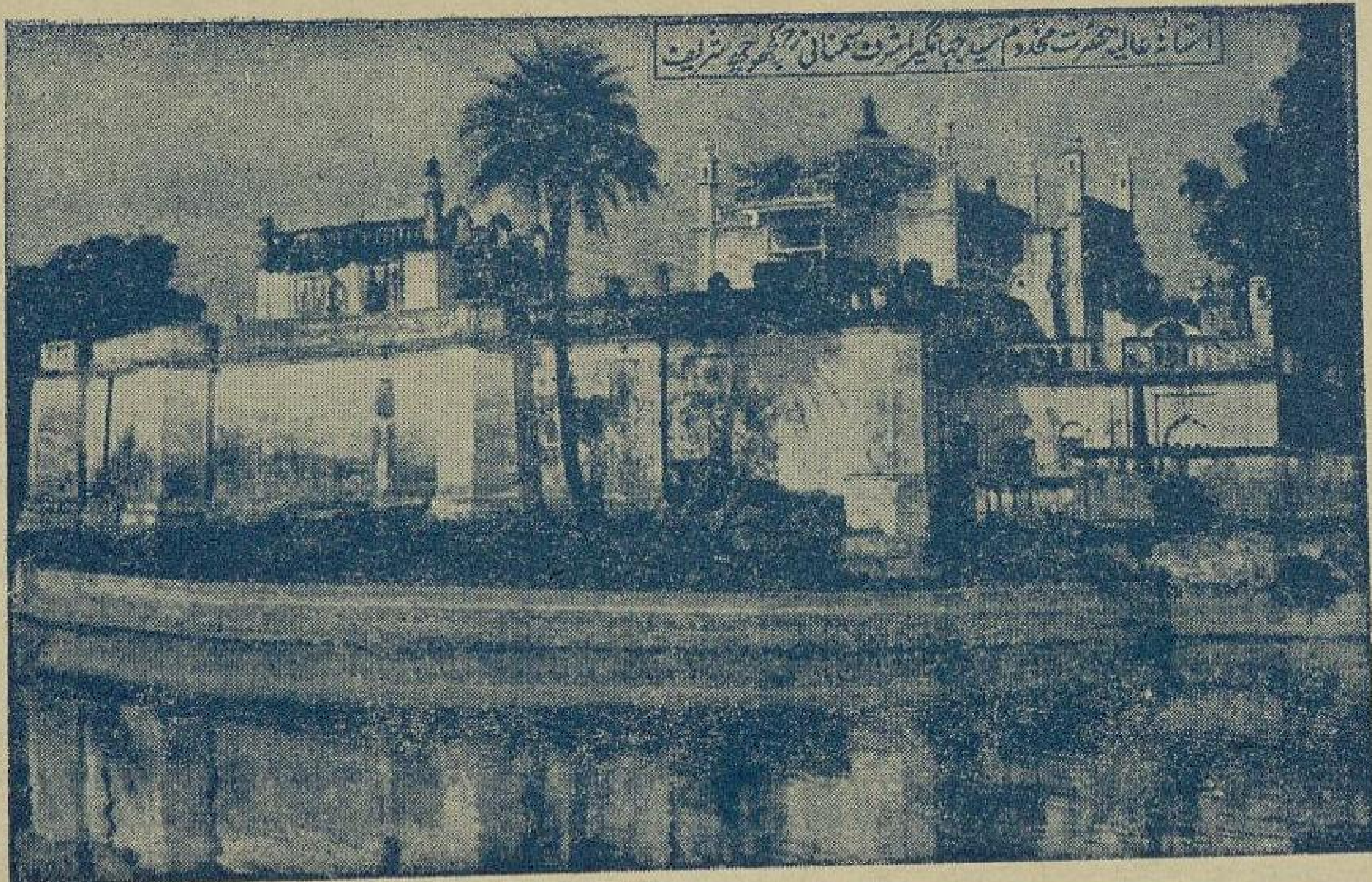
حضرت مخدوم کے کوئی اولاد نہ تھی۔ بہن کے لڑکے شیخ نور زاولد قیام الدین
ساکن موضع زہرہ سو بجائے فرزند کے نشانی ہیں۔ [1]

حضرت مخدوم سید جہانگیر اشرف سمنانی رح

رح ظفر آباد سے نکل کر حضرت مخدوم صاحب رح
جون پور پہونچے اور وہاں سلطان ابراہیم شرقی کی مشہور و معروف مسجد میں قیام
فرمایا۔ جس کے شمال جانب آپ کا چلہ خانہ موجود تھا جو استبداد زمانہ سے منہدم
ہو گیا۔ آپ کا حال سن کر سلطان کو قدم بوسی کا بیحد شوق ہوا۔ درباریوں سے سلطان
نے کہا کہ میں حضرت مخدوم صاحب رح کی زیارت کا مشتاق ہوں۔ اس وقت ملک العلما
حضرت قاضی شہاب الدین دولت آبادی موجود تھے، فرمایا کہ نو وارد بزرگ کے
متعلق میں نے بھی سنا ہے کہ سادات کرام سے ہیں اور ولی کامل ہیں۔ میں چاہتا
ہوں کہ پہلے خود جا کر ان سے ملاقات کر کے رنگ ڈھنگ دیکھ لوں تو پھر اس کے

---

[1] مراۃ الاسرار قلمی فارسی۔



آستانۂ عالیہ حضرت مخدوم سید جہانگیر اشرف سمنانی رح کچھوچھہ شریف

لہذ شاہی سواری جائے۔ سلطان نے اس رائے کو بہت پسند کیا۔ اور حکم دیا کہ اچھا پہلے تم جاکر مل آؤ۔ لہذا حضرت قاضی محافہ پہ سوار ہوکر روانہ ہوئے۔ ادھر حضرت مخدوم صاحبؒ نماز ظہر سے فارغ ہوکر اہل علم کے حلقے میں جلوہ فرما تھے۔ جیسے ہی حضرت قاضی دکھائی پڑے۔ حضرت مخدوم صاحب نے دریافت فرمایا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ حضور یہ قاضی شہاب الدین ہیں، تمام علوم و فنون میں ان کو پوری مہارت حاصل ہے۔ قاضی صاحب نے بھی آداب حاضری کا بڑا لحاظ کیا اور محافہ سے دور ہی اوتر پڑے۔ اور ساتھ کے مولویوں سے کہدیا کہ دیکھو وہاں جاکر اپنی مولویت کا بھرم نہ دکھانا اور چپ رہنا کیوں کہ جس سید کی سرکار میں جاتے ہو ان کی پیشانی سے ولایت کی چمک ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح سمجھا بجھا کر حضرت مخدوم صاحبؒ کے پاس آئے اور برجستہ یہ قطعہ پڑھا ؎

چہ خورشید است تاباں از جبینش
کہ خورشید فلک زو ذرہ گردد
بگوہر سید است دریائے امواج
کہ دریائے جہاں چوں قطرہ گردد

حضرت مخدوم صاحبؒ نے بھی قاضی صاحب کا چند قدم استقبال فرمایا اور ملاقات کی۔ قاضی صاحب نے مولوی صاحبان کو تو بہت کچھ سمجھا بجھا دیا تھا کہ درویشوں سے حجت نہ کرنا اور اپنی قابلیت مت جتانا۔ مگر ان مولویوں کا یہ حال تھا کہ کروٹیں بدلتے تھے اور بار بار کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن قاضی صاحب کے ڈر سے رک جاتے تھے۔ حضرت مخدوم صاحبؒ کی محفل میں حضرت شیخ ابوالوفا خوارزمی موجود تھے۔ ان کو مولوی صاحبان کی بے کلی کا حال بطور کشف معلوم ہوگیا ان کے دلمیں جن جن علوم میں جو جو شبہے تھے۔ سب کو ایسا حل فرمایا کہ مولوی صاحبان

کی ایک بات بھی نہ چلی۔ قاضی صاحب نے خود شیخ خوارزمی کو داد دی۔ مولوی صاحبان کی بحث جب ختم ہو چکی اور دل کی بھڑاس نکل گئی تو حضرت قاضی نے حضرت مخدوم صاحبؒ سے عرض کیا کہ آج سلطان المعظم شرف قدمبوسی کے لیئے حاضر ہونے والے تھے مگر شرف تقدم زیارت حاصل کرنے کے لیئے میں نے آج ان کو روک دیا ہے۔ وہ کل حاضر ہوں گے۔ اور میں بھی رہوں گا۔ حضرت مخدوم صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک آپ سلطان سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔ اگر سلطان آئیں گے تو آئیں، وہ حاکم ہیں۔ حضرت قاضی کے جانے کے بعد حضرت مخدوم صاحبؒ نے فرمایا کہ ہندوستان میں ایسا عالم میں نے کم دیکھا ہے۔

دوسرے دن حضرت مخدوم صاحبؒ وظائف معمولہ سے فارغ ہو چکے تھے کہ شاہی سواری کی آمد کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ کہ سلطان المعظم (ابراہیم شاہ شرقی) مع شہزادگان و فوج و سپاہ کے آ رہے ہیں۔

مسجد کے دروازے پر پہونچ کر قاضی شہاب الدین نے رائے دی کہ اس مجمع کیساتھ دربار ولایت میں جانا ٹھیک نہیں ہے۔ مبادا آدمیوں کی کثرت سے حضرت مخدوم صاحبؒ کو تکلیف پہونچے۔ سلطان المعظم نے اس کو مناسب خیال کیا چنانچہ سواری سے اوتر کر شاہی خاندان اور علمائے سلطنت سے منتخب کر کے کل بیس آدمی لے کر حاضر ہوئے۔ اور کچھ ایسا دربار کا ادب کیا کہ حضرت مخدوم صاحبؒ کو پسند آ گیا۔

انھیں دنوں میں سلطان المعظم (ابراہیم شاہ شرقی) نے قلعہ جناوہ پر قبضہ کرنے کے لیئے اسلامی فوج کو روانہ کیا تھا۔ اور ہر وقت اسی کا تردد رہا کرتا تھا۔ دل ہی دل میں سوچا کہ کاش حضرت مخدوم صاحب کی ولایت سے مدد ملتی اور زبان سے صرف ایک قطعہ پڑھ دیا کہ

ولے کاں انورست از جام جمشید
روان روشن تر از خورشید باشد
چہ حاجت عرض کردن بر ضمیرش
کسے کورا یقیں امید باشد!

حضرت مخدوم صاحبؒ کو سلطان المعظم کے دل کا حال معلوم ہو چکا تھا سلطان کی خوش اعتقادی سے حضور بہت متاثر ہوئے اور فرمایا۔ بیت۔

گر بہ یقیں شد قدمت استوار
گرد ز دریا، نم از آتش برار

اگر تم حسن عقیدت سے کام لوگے تو قلعہ فتح کرنا کیا چیز ہے، دریا سے غبار اُڑا سکتے ہو اور آگ سے تری نکال سکتے ہو۔ سلطان المعظم کو اس پیشین گوئی پر پورا اطمینان ہوگیا، جب رخصت ہونے لگے تو سمنان کا ایک مسند ہمراہ تھا وہ سلطان کو عطا فرما دیا، سلطان خوش خوش دربار شاہی میں پہنچے اور تخت سلطنت پر بیٹھ کر کہا کہ واقعی جیسا سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان میں ایسے بزرگوں کے قدم آئے۔ تین دن کے بعد سلطان پھر کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر حاضر ہوئے۔ خادموں نے کچھ کھانے پینے کا سامان کیا اور کھانے ہی والے تھے کہ قلعہ جناوہ سے خط آگیا کہ قلعہ فتح ہوگیا۔ لوگوں نے سلطان المعظم کو مبارکباد دی۔ سلطان نے فرمایا کہ مبارک باد حضرت مخدوم صاحبؒ کو جنہوں نے اپنے بازوئے ہمت سے فتح باب فرمایا ہے۔

اب سلطان کا عقیدہ پہلے سے ہزار گنا بڑھ گیا، عرض کیا کہ حضور! میں تو حضرت میر (جہانیاں جہاں گشت) کا مرید ہو چکا ہوں۔ مگر حضور کے جتنے بندہ زادے ہیں وہ دست اقدس ہی پر بیعت کریں۔ چنانچہ دو تین شاہزادے

اسی دن داخل سلسلۂ اشرفیہ ہوئے۔ سلطان نے بہت کچھ چاہا کہ کوئی بڑی نذر حضرت قبول فرمالیں مگر حضرت مخدوم صاحبؒ نے اس کو قبول نہ فرمایا۔ اب سلطان کی آخری خواہش یہ ہوئی کہ حضرت مخدوم صاحبؒ جون پور ہی میں ہمیشہ مقیم رہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ناممکن ہے۔ مگر ہاں تمہاری سلطنت سے باہر گھر نہ بناؤں گا سلطان ابراہیم نے اسی کو اپنے لیے نعمت عظمیٰ سمجھا۔

جون پور میں حضرت مخدوم صاحبؒ کو رہتے دو مہینے گذر گئے۔ حضرت قاضی شہاب الدین کی عقیدت اتنی بڑھ گئی کہ اگر روز نہیں تو دوسرے تیسرے دن ضرور حاضر ہوتے۔ اور اپنی تصنیف کردہ کتابیں سنا کر تصدیق حاصل کرتے۔ آپ نے بہت سی کتابوں کی تعریف فرمائی۔ علم نحو میں کتاب ارشاد کو بہت پسند کیا اور ارشاد فرمایا کہ ہندوستان کے جادو کو جو لوگ کہتے ہیں وہ یہی ہے۔ علم بیان میں بدیع البیان اور فن تفسیر میں بحر مواج کو فرمایا کہ طول تحریر کمال میں بڑا دخل ہے۔ فن شاعری میں جامع الصنائع کو جب پیش کیا تو حضرت مخدوم صاحبؒ نے فرمایا کہ قاضی صاحب نے شعر و شاعری میں دخل دیا ہے۔ اس وقت شیخ واحدی موجود تھے۔ حضرت مخدوم صاحبؒ کی شان میں جو قصیدہ لکھا تھا پڑھ کر سنایا۔ حضرت نے دونوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور متبسم انداز میں قاضی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے سارے علوم تو حاصل ہی کر لئے فارسی کو شیخ واحدی کے لئے چھوڑ دیجئے۔ شیخ واحدی نے حضرت قاضی سے کہا۔ قطعہ۔

لشکر علم تو بہ تیغ بیاں ... از عجم تا عرب گرفتہ دیار
چوں گرفتی عراق عربیت! ... فارسی را بواحدی بگذار

کہتے ہیں کہ دوبارہ جون پور آنے پر حضرت مخدوم صاحبؒ نے قاضی صاحب

کو لباس خرقہ اور کتاب ھدایہ جو سمنان کی یادگار تھی، عطا فرمایا تھا۔ ایک دن سب چھوٹے بڑے جمع تھے، حضرت مخدوم صاحبؒ نے فرمایا کہ بس اب جون پور سے چلو اور وہاں جلد پہونچیں کے لئے حضرت پیر و مرشد نے حکم دیا ہے [۱]

حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دراز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دراز بن شیخ

محمد متوکل کنتوری کو حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی سے خرقۂ خلافت پہونچا۔ چنانچہ لطائف اشرفی میں ہے۔ کہ شیخ محمود کنتوری خلیفہ آں حضرت نے التدعا کیا اور درخواست بہت کیا۔ آپ کی درخواست پر حضرت مخدوم سمنانی نے اپنے پاس قصبہ میں بلایا۔ شیخ سعد اللہ مخدوم صاحب کے پاس کچھوچھہ حاضر ہوئے۔ اور ملازمت مخدوم سے مشرف ہوئے۔ جب جونپور جانے لگے۔ تو درخواست خرقہ کیا۔ حضرت مخدوم میر سید اشرف نے التماس منظور فرمایا۔ اور شیخ سعد اللہ کیسہ دراز کو سلسلہ چالیس خانوادہ مخصوص عطا فرمایا۔

الغرض زمانہ وفات حضرت شیخ سعد اللہ قریب آپہونچا۔ آپکے بڑے لڑکے شیخ معین الدین قنوج میں تھے۔ بطلب سلطان ابراہیم شاہ شرقی جون پور آئے۔ شیخ نے فرمایا۔ کہ وہ ہرگاہ حاضر نہیں ہے۔ ہمارے پاس اس خرابا تی کو طلب کرو۔ بطلب شیخ عین الدین آئے اور شراب خانہ میں بیٹھے اور آسمان

---

[۱] ماخوذ از "حیات غوث العالم" مصنفہ حضرت مولانا مفتی الحاج ابو المحامد سید محمد صاحب محدث اعظم ہند کچھوچھوی۔ مطبوعہ مجلہ اشرفی جلد ۲ شمارہ ۷ بابت ماہ اپریل ۱۹۲۷ء صفحہ ۷ تا ۱۰ مراۃ الاسرار قلمی فارسی۔

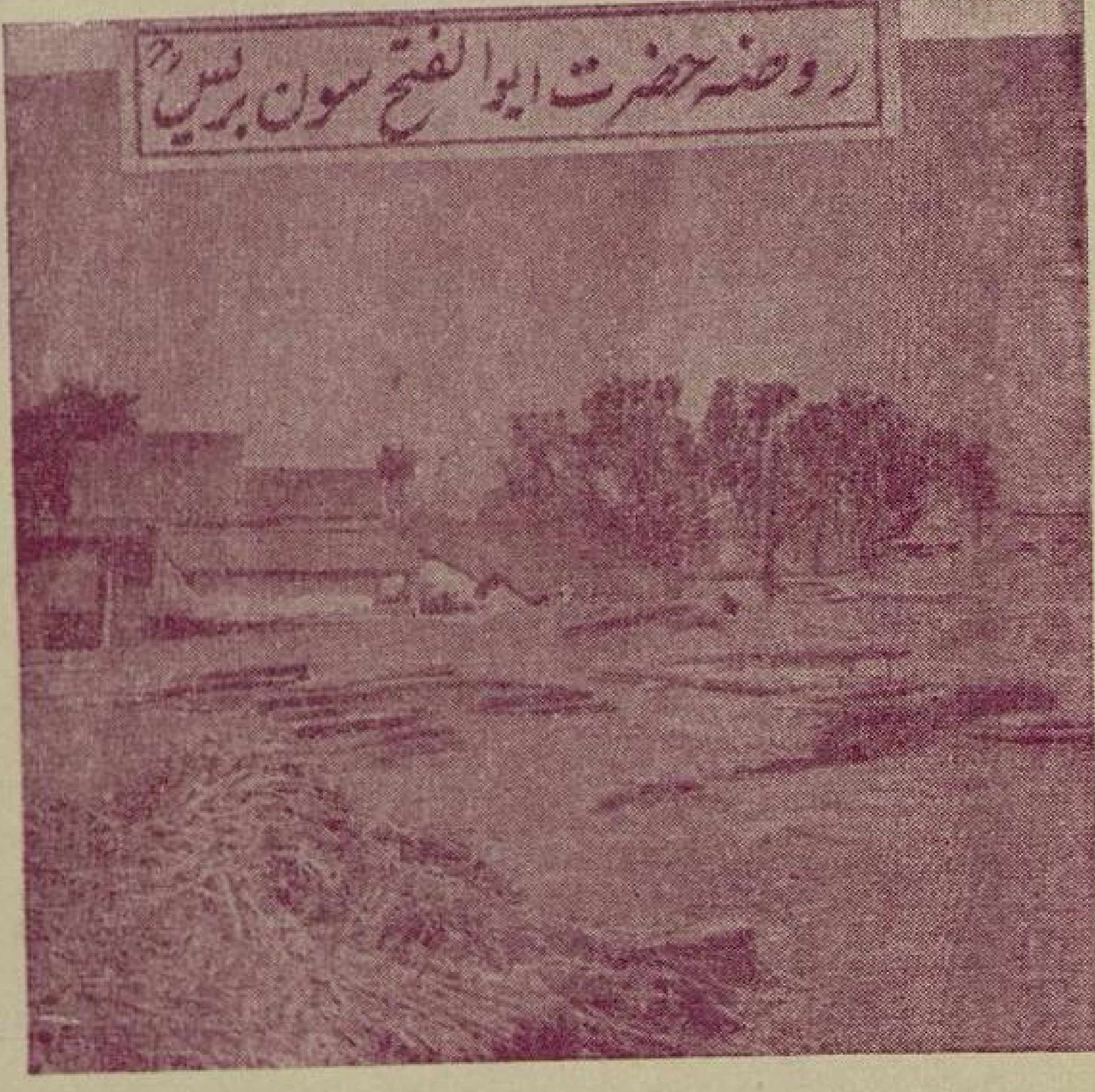
کی طرف دیکھا اور کہا۔ کہ ایک پیالہ دے کہ میری قسمت کو ماندہ نہ کیجئے۔ پیالہ شراب منہ سے لگایا اور زمین پر ڈال دیا۔ حضرت شیخ سعد اللہ نے خرقہ خلافت بہ جمیع امانت ہائے خواجگان چشت عطا فرمایا۔ اور فرمایا کہ دونوں عالم میں خدا افتخار عطا کرے۔ آپ کی قبر محلہ سپاہ میں املی کے درخت کے نیچے ہے۔ سلہ

حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ

ملک العلماء، قاضی شہاب الدین قوم شیخ تھے اور دولت آباد دکن میں پرورش پائی اور تحصیل علوم دہلی میں علامہ دہر قاضی عبد المقتدر رحمہ اکرم شیخ ابو الفتح سونبرلیں سے فرمایا۔ اور مولانا خواجگی دہلوی سے بھی تحصیل علوم میں آپ کو فائدہ پہونچا۔ آپ طبیعت و ذہن کے تیز اور حافظہ درست رکھتے تھے۔ ایک روز حضرت قاضی عبد المقتدر نے آپ کی نسبت حاضرین سے فرمایا کہ میرے پاس ایک طالب العلم آیا ہے کہ اس کا چمڑہ علم مغز علم اور ہڈی علم ہے۔ بالآخر جب آپ تکمیل علوم سے فارغ ہوئے تو ظہور میں آیا کہ چند سال کے اندر تکمیل تمام علوم فرماکر۔ اجل علماء وقت اور افضل فضلاء زمانہ ہوئے۔ اور جملہ علوم عقلی و نقلی کامل طور پر حاصل کر کے علم کے سمندر ہوئے۔

بروقت ہنگامہ امیر تیمور حضرت مولانا خواجگی نے قیام دہلی ترک کیا حضرت قاضی شہاب الدین مولانا خواجگی کے ہمراہ آئے۔ مولانا خواجگی نے کالپی میں قیام فرمایا اور حضرت قاضی شہاب الدین حسب طلب ابراہیم شرقی جونپور آئے سلطان نے بہت تعظیم و تکریم فرمایا۔ اور مجلس میں چاندی کی کرسی بیٹھنے کو عطا فرمایا اور قاضی القضات کا منصب بھی عطا کیا۔ آپ کی بہت زیادہ شہرت ہوئی۔ حالانکہ اس

سلہ مراۃ الاسرار قلمی فارسی۔



روضہ حضرت ابو الفتح سون برسی رح



مزار حضرت ملک العلما قاضی شہاب الدین رح

زمانہ میں ہندوستان کے اندر اہل علم بہت تھے۔ لیکن پروردگار عالم نے جو شہرت اور مقبولیت حضرت قاضی شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ کو عطا فرمایا وہ دوسروں کو حاصل نہ ہو سکی۔

چوں کہ آپ جملہ علوم میں حاضر اور جمیع علوم میں ماہر تھے۔ آپ کی یہ شہرت اور بادشاہ کا تقرب آپ کے ہم چشموں کے حسد کا باعث بنی۔ حضرت قاضی شہاب الدین ملک العلماء کی شکایت حاسدوں نے حضرت مولانا خواجگی رحمتہ اللہ علیہ تک پہونچایا۔ چنانچہ کچھ زمانہ کے اندر آپ کے حسادوں میں کوئی باقی نہ رہا۔ حضرت ملک العلماء کی تصنیفات میں بہت سی شرح کافیہ، کتاب ارشاد، بدیع البیان، بحر مواج تفسیر قرآن مجید، بر بحث اصول شرحی، رسالہ در تقسیم علوم، در صنائع فارسی، علاوہ اس کے دیگر مضامین ہیں اور کتابیں اور رسالے بعبارت عمدہ موجود ہیں۔ فن شاعری میں بھی آپ کو مہارت کامل تھی۔ جو تذکرہ شعراء میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت ملک العلماء نے ایک رسالہ مناقب السادات لکھا جس میں علویت سادات کا ذکر کیا۔ اور لکھا کہ عقیدت اور محبت اہل بیت نبوت سلام اللہ علیہم اجمعین سرمایۂ سعادت و موجب نجات آخرت ہے۔ مگر علماء کا ذکر متقدم کیا۔ اس زمانے میں حضرت سید اجمل عالی نسب سید تھے۔ باوجود بزرگ ہونے کے عالم علوم ظاہری نہ تھے۔ ایک روز ملک العلماء و سید اجمل شاہی مجلس میں آئے۔ اس تقدم و تاخیر پر بحث ہوئی۔ حضرت ملک العلماء نے فرمایا کہ عالم کی شخصیت اظہر من الشمس بوجہ فضیلت علم ہے۔ اس وجہ سے قبل ذکر سادات عالم کی فضیلت لکھی گئی۔ مگر سادات کی اعلیٰ النسبی موہوم۔ اس کا ثبوت بہت مشکل ہے۔ بعد ازاں آپ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ

وسلم کو خواب میں دیکھا۔ کہ آپ عتاب فرما رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ کتاب حسب خواہش سید اجمل ہونا چاہیئے۔ جب آپ صبح سو کر اٹھے بہت شرمندہ ہوئے۔ اور کتاب تصنیف شدہ دریا میں ڈال کر پابرہنہ خدمت میں سید اجمل کی حاضر ہوئے معذرت کیا، اور توبہ کیا......

ملک العلماء قاضی شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ نے فقر اور درویشی میں بہت ریاضت فرمایا۔ آپ خلیفہ اکبر حضرت مولانا خواجگی حسینی کے تھے۔ اور حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی سے بھی استفادہ پہونچا۔ پابند اتباع شریعت بہت زیادہ تھے۔ امور خلاف شرع پسند نہ فرماتے تھے۔ حضرت شاہ بدیع الدین عرف مدار کی مونچھ کا بال کاٹنے کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ آپ نے آپ کے مونچھ کا جو بال خلاف شریعت تھا۔ باوجود کرامت شاہ مدار تراش دیا۔ اور باز نہ آئے۔

کہتے ہیں کہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے، جس وقت آپ بیمار ہوئے سلطان عیادت کے لئے حاضر ہوتے۔ اور دریافت احوال مزاج و اظہار لوازم مہربانی ایک پیالہ پانی سے بھرا ہوا آپ کے سر سے نثار کر کے "خود پی لیا"۔ اور کہا کہ رب العالمین جو کچھ بلا آپ پر آنے والی ہو وہ مجھکو نصیب کر اور حضرت ملک العلماء کو شفا دے۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین نے بادشاہ کے ساتھ بہت محبت و اختصاص فرمایا۔ اور مغموم ہوئے۔ بقول صاحب تاریخ فرشتہ حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین نے ۸۴۶ھ میں وفات پائی۔ اور آپ کی وفات کے دو سال قبل ۸۴۴ھ میں سلطان ابراہیم شاہ شرقی نے انتقال فرمایا۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین جون پور میں محلہ رضویخاں میں قیام پذیر تھے۔ اور بعد وفات محلہ رضویخاں متصل

دروازہ جنوبی مسجد اٹالہ مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر اندر احاطہ مشن اسکول جواب
راجہ کالج ہے آج بھی موجود ہے۔ نشان مکان و مدرسہ مولانا باقی نہیں ہے
اور نہ آپ کی کوئی اولاد باقی ہے [سلہ] آپ کے مزار کا فوٹو آگے گذر چکا۔

حضرت مخدوم خواجہ شیخ ابوالفتح سوبرس رح

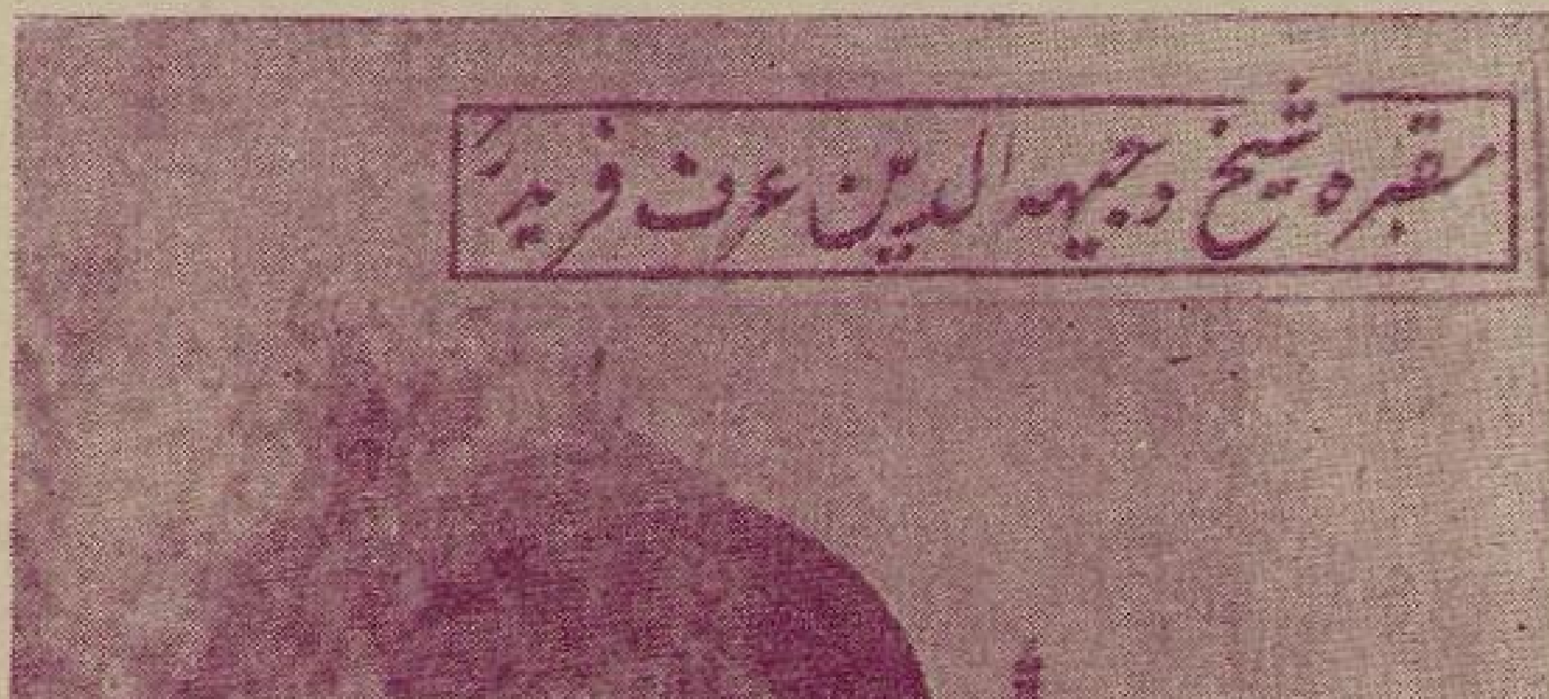
حضرت مخدوم خواجہ شیخ ابوالفتح سوبرس چشتی رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ یحییٰ مرید و شاگرد اپنے جد بزرگوار حضرت قاضی عبدالمقتدر کے تھے اور مثل طریقہ اپنے جد بزرگوار فاضل اور دانشمند تھے۔ اور بموجب حکم و وصیت تاحیات درس و تدریس اور فوائد علوم میں مشغول رہے۔ بدیں وجہ خواجہ ابوالفتح اپنے زمانہ میں فصیح اللسان اور زبان داں سمجھے جاتے تھے۔ قصائد بزبان عربی اور شعر بزبان فارسی بھی آپ کے موجود ہیں۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ اور اکثر اصول کلام و فروع فقہیہ علوم میں ملک العلماء سے بحث ہو جایا کرتی تھی۔ اور بحث میں آپ گوئے سبقت لے جاتے تھے۔۔۔۔

کہتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوالفتح اپنی والدہ ماجدہ کے شکم میں چودہ ماہ رہے۔ اس وجہ سے آپ کے جد بزرگوار قاضی عبدالمقتدر بہت پریشان اور متفکر رہا کرتے تھے۔ ایک رات حضرت رکن الدین ابوالفتح سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں فرمایا۔ تمہارے گھر میں لڑکا بزرگ کامل اور مشہور زمانہ پیدا ہوگا۔ لہذا اس کا نام ابوالفتح جو میرا نام ہے رکھنا۔

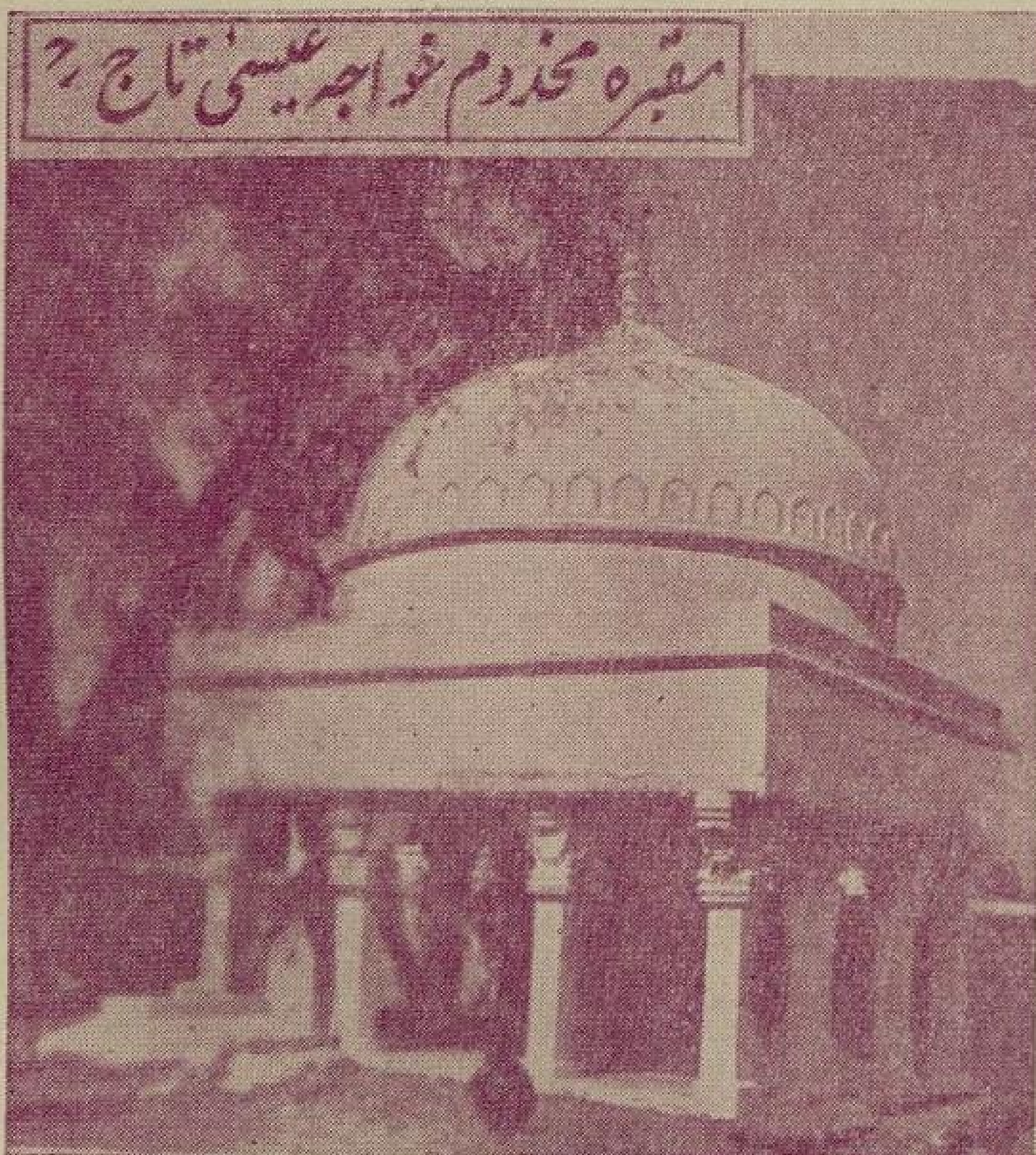
سلہ تجلی نور دوم صفحہ ۳۳ تا ۳۷۔ بحر زخار، اخبار الاخبار، تاریخ فرشتہ، خزینۃ الاصفیا، کشف الظنون، لطائف اشرفی، سبحۃ المرجان۔

آپ ۱۴ محرم الحرام ۷۷۲ھ کو پیدا ہوئے۔ اور نام ابو الفتح رکھا گیا جس روز آپ پیدا ہوئے قاضی عبد المقتدر کے گھر حضرت جمال الدین مرید شیخ عثمان سیاح تشریف لائے۔ اور بشارت دی کہ جو لڑکا پیدا ہوا ہے یہ ولی باکرامت ہے۔ شیخ کی جائے پیدائش اور جائے مسکن دہلی تھا۔ واقعہ امیر تیمور میں دوسرے اکابرین کے ہمراہ دہلی سے جون پور آئے۔ بطریقہ فقر و توکل بسر کرتے رہے۔ اور فقرائے کاملین کی خدمت میں حاضر ہو کر ریاضت فرماتے اور ایک بے مثالی حالت وجد میں رہا کرتے۔

جون پور آنے کے بعد بہت دنوں تک بلا مکان سایۂ دیوار کے نیچے مجاہدہ میں مصروف رہے۔ کھانے پینے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ اکثر بھوک کی وجہ سے ایسا ضعف پیدا ہو جاتا تھا کہ ہاتھ پیر کانپنے لگتے تھے۔ اکثر آپ کے خاندان والوں اور مریدوں نے آپ کے لئے مکان رہائش وغیرہ کا انتظام کرنا چاہا۔ آپ نے منظور نہیں کیا۔ کچھ روز بعد خزانہ غیب آپ پر ظاہر ہوا۔ آپ نے مکان اور خانقاہ تعمیر فرمائی۔ صاحب گنج ارشدی فرماتے ہیں کہ ایک روز قوالان آئے۔ اور مجلس سماع شروع ہوئی۔ اور شیخ وجد میں آئے۔ قوالوں کو انعام دینے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ آپ نے توجہ فرمائی۔ اسی وقت اشرفی برسنا شروع ہوئی۔ اس وجہ سے آپ سونا برس مشہور ہوئے۔ آپ کی وفات ۸۵۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار جون پور محلہ زین سپاہ میں ہے۔ پچاس فٹ مربع کا ایک احاطہ ہے جس میں پورب طرف آپ کا مزار ہے۔ چہار دیواری گر گئی ہے۔ اور خانقاہ کی عمارت گر کر ڈھیر ہو گئی ہے۔ بڑی بڑی پتھر کی چٹانیں اور کھمبے پڑے ہوئے ہیں۔ دروازہ بھی موجود ہے۔ پچیس ۲۵ قبریں شکستہ حالت میں ظاہر ہیں۔ اور کافی زمین دوز ہو گئی ہیں۔ سب پر اللہ اور آیت



مقبرہ شیخ وجیہہ الدین عرف فریدؒ



مقبرہ مخدوم خواجہ عیسیٰ تاج رح

اُبھری ہے۔ بڑی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کو فوری توجہ کی ضرورت ہے ورنہ عظیم نقصان ہوگا۔ ۱؎ فوٹو آگے گذر چکا۔

حضرت مخدوم خواجہ عیسیٰ تاج چشتی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مخدوم شیخ محمد عیسیٰ تاج چشتی رحمتہ اللہ علیہ جونپور کے سب سے اونچے اولیاء کرام میں سے تھے۔ آپ کے والد شیخ احمد عیسیٰ دہلی کے اکابرین سے تھے۔ خرابی زمانہ بوجہ آمد امیر تیمور دیگر بزرگوں کے ہمراہ جون پور کی طرف معہ اہل و عیال تشریف لائے اس وقت محمد عیسیٰ کی عمر آٹھ سال سات ماہ کی تھی۔ تائید ربانی اور سعادت ازلی آپ کے حال پر نازل ہوئی کہ اس چھوٹی عمر میں پہلے شیخ ابوالفتح جونپوری سے فیض حاصل ہوا۔ اور آپ ہی کے ذریعہ سے حضرت شیخ فتح اللہ اودھی سے ارادت ہوئی۔ اور آپ شیخ فتح اللہ سے مرید ہوئے۔ اور علوم ظاہری حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین سے پڑھا۔ حضرت قاضی شہاب الدینؒ نے شرح اصول بزوری آپ ہی کے لئے تحریر فرمایا۔ بعد فراغت علوم ظاہری صفائی باطن کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ایسی کوشش فرمائی اور اس قدر مراقبہ فرمایا کہ گردن کی ہڈی ٹھنڈی اور سینہ سے چپک گئی تھی۔ اور اس قدر شغل باطنی میں مصروف رہے کہ بارہ سال تک آپ نے اپنی پیٹھ زمین سے نہیں لگائی۔ استغراق کے عالم میں بیٹھے رہتے تھے۔ نماز جماعت پنجگانہ اور نماز جمعہ کی جب آپ کو اطلاع دی جاتی تھی تو آپ حجرہ سے باہر تشریف لاتے تھے اور

۱؎ تجلی نور صفحہ ۱۹ تا ۲۱۔ اخبار الاخیار، معراج الولایت بحر ذخار۔ خزینۃ الاصفیاء۔

ہمیشہ سر بگریباں رہتے اور بجز اللہ کے اور کچھ نہ جانتے تھے کہ یہ کون ہے اور میں کون ہوں۔ اور کہاں ہوں۔ بجز استغراق سر اونچا نفرماتے اور اپنے ارد گرد کی چیزوں سے بھی آپ کو آگاہی نہ تھی۔ ایک روز آپ کے بیٹھنے کی جگہ پر پتیاں درخت کی جمع ہوگئیں۔ آپ نے خادم سے دریافت فرمایا۔ کہ یہ پتیاں کہاں سے آئیں۔ خادم نے عرض کیا۔ کہ آپ کے قریب جو درخت ہے۔ یہ پتیاں اس کی ہیں۔ اس وقت آپ کو یہ معلوم ہوا۔ کہ آپ کے قریب کوئی درخت بھی ہے۔ چالیس سال تک آپ گوشہ نشین رہے۔ اور تمام عمر توکل میں گذار دی۔ اگر بادشاہ وقت کچھ ہدیہ بھیجتے تو قبول نہ فرماتے۔

ایک روز ابراہیم شاہ شرقی نے کچھ روپے اور چند کپڑے بھیجے۔ آپ نے قبول نہ فرمایا اور جواب میں یہ رباعی فرمائی ؎

من دلق خود با طلس شاہاں ندہم   من فقر خود بملک سلیماں ندہم
از رنج فقر در دل گنجے کہ یافتم   ایں رنج را براحت شاہاں ندہم

ترجمہ:۔ اپنی گدڑی بادشاہوں کے اطلسی پوشاک کے بدلے میں نہیں دے سکتا۔ اور اپنے فقر کو حضرت سلیمان کی سلطنت کے بدلے نہیں دے سکتا۔ میں نے اپنے دل کے اندر جو رنج و فقر کا خزانہ اکٹھا کیا ہے اسے بادشاہی عیش و آرام کے بدلے نہیں دے سکتا۔

آپ کا فقر اس حد تک پہونچا ہوا تھا کہ حجرہ مبارک میں چراغ تک نہ جلتا تھا۔ جو کچھ فتوحات غیبی ہوتی تھی اس پہ نگاہ نہ ڈالتے تھے۔ شام تک ختم ہوجاتی تھی۔ سلطان ابراہیم شرقی اور سلطان محمود کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ نماز جمعہ حضرت مخدوم مسجد خالص مخلص محلہ بان دریبہ میں ادا فرماتے تھے۔ ایک روز سلطان محمود شاہ نے اپنے پیر کو دیکھا۔ عرض کیا۔ اگر حکم ہو تو خانقاہ کے قریب ایک مسجد تعمیر کرادی جائے

فرمایا۔ نیت اچھی ہے۔ بدیں وجہ جامع مسجد کی تعمیر سلطان محمود شرقی نے شروع کیا۔ اور سلطان حسین شرقی نے تعمیر مسجد کو مکمل کر کے ختم کیا۔ آپ کا وصال ۱۴ ربیع الاول کو ہوا۔ سال وصال میں اختلاف ہے۔

صاحب گنج ارشدی لکھتے ہیں کہ آپکا وصال ۸۰۰ھ میں ہوا۔ اخبار الاخبار میں ۸۰۴ھ لکھا ہے اور یہی درست ہے۔ اولاد آپ کی پورہ ارزن جون پور اور محلہ مصطفےٰ آباد بھنڈاری میں آباد ہے۔ تعمیر مقبرہ جنید برلاس نے جو حاکم جونپور تھا۔ بعہد بابر شاہ تھا کیا۔ بعد کو اس مقبرے کی مرمت شیخ محمد ماہ نے کی۔ اس احاطہ کے اندر مقبرہ کے باہر خلفاء و مریدین کے کافی مزارات ہیں۔ ۱؎

ملا خواجہ شیخ عثمان صالح رحمتہ اللہ علیہ

آپ جون پور کے مشہور علماء میں سے تھے اور حقائق و معارف سے باخبر اور اہل باطن میں سے تھے۔ بلاغت میں "شرح تلخیص" اور اصول میں "شرح مینار" آپ کی گرانقدر تصنیفات ہیں اور فقر و درویشی میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے خلیفہ تھے۔ ابراہیم شاہ شرقی کے طلب کرنے پر آپ دہلی سے جون پور تشریف لائے اور یہاں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ بہت سے علماء و فضلاء نے آپ سے اکتساب علم کر کے فراغت حاصل کی بعد وفات محلہ سپاہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار پختہ بلند عمارت میں تھا۔ جو اب گر گیا ہے۔ حالاں کہ روضہ کی دیوار بھی سڑک کے قریب تھی۔ آپ کی اولاد محلہ سپاہ میں آباد تھی۔ آپ نے علوم عقلی و نقلی میں اتنی دستگاہ حاصل کی کہ آپ پر

۱؎ تجلی نور سگرف اول۔ صفحہ ۲۱ لغایتہ ۴۲۔ اخبار الاخیار گنج ارشدی۔ خزینۃ الاصفیا۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی نظر پڑی۔ آپ کی خدمت میں جاکر مدتوں، درس و تدریس و تصفیہ قلب میں مصروف رہے۔ عالم نامور و صوفی صاف دل اور اللہ والے بزرگ تھے۔ آپ نے ایک سو ۱۴ سال کی عمر پائی۔ سال وفات ۸۴۶ھ ہجری ہے۔

تاریخ فوت :۔ "فوت تاج العارفین" ہے

۸۴۶ھ

حضرت قاضی نظام الدین احمد کیکلانی رح

حضرت نظام احمد قوم شیخ صدیقی اکابر شہر جون پور سے تھے آپ کا وطن اصلی خطہ کیکلان ملک عرب تھا آپ کے جد بزرگوار ہندوستان آئے اور گجرات میں قیام فرمایا اور حضرت قاضی نے وہیں نشو و نما پائی اور علوم عقلی و نقلی سے فراغ حاصل کیا۔ آپ علوم فقہ و اصول و تفسیر حدیث میں زیادہ قابلیت رکھتے تھے۔ اس وجہ سے بڑے فضلاء زمانہ مشہور رہے۔ اور ہندوستان میں ہر چہار طرف آپ کا شہرہ تھا۔ سلطان ابراہیم شرقی بہت علم دوست بادشاہ تھا۔ اور خاطر مدارات میں بے حد ہمت رکھتا تھا۔ آپ کو علماء و فقراء کے جمع کرنے کا شوق بھی تھا۔ شہرت و فضائل حضرت قاضی سن کر آپ کو جونپور آنے کی استدعا کی۔ حضرت قاضی حسب الطلب جون پور تشریف لائے۔ سلطان نے مراحم خسروانہ فرمایا۔ اور جونپور کا قاضی مقرر کیا۔ حضرت قاضی نے نہایت دیانت و امانت و انصاف کے ساتھ اپنے منصب کو انجام دیا۔ اور بہت عرصہ تک آپ نے علوم ظاہری کا درس بھی دیا۔ قاضی شہاب الدین ملک العلماء آپ کے ہم عصر تھے۔

کہتے ہیں کہ قاضی نظام الدین علوم دینیات میں اس قدر بلند پایہ تھے کہ ملک العلماء قاضی شہاب الدین استفتا پر اس وقت تک مہر نہ کرتے تھے جب تک حضرت قاضی نظام الدین دستخط نہ کر دیتے تھے۔ دیگر علماء کے دستخط کا اعتبار نہ فرماتے تھے۔ قاضی نظام الدین کی تصنیف ہیں کتاب ابراہیم شاہیہ فی فتوی حنفیہ ہے۔ جو بحکم ابراہیم شاہ شرقی لکھی گئی۔ جس کا شروع دیباچہ الحمد للہ الذی رفع منارۃ العلم و علیٰ مقعد ادرکہ ہے۔ کتاب بہت مشہور اور کثیر الحجم مثل فتویٰ قاضی خاں ہے۔

وفات آپ کی ۸۲۵ھ میں ہوئی۔ مزار محلہ چاچک پور شہر جونپور میں ہے۔ اور قریب جامع مسجد جونپور جس جگہ قاضی خانہ ہے مکان سکونتی تعمیر کیا۔ اور وہ محلہ قاضی نظام مشہور ہوا۔

حضرت شیخ وجیہ الدین اشرف معروف شیخ فرید رح

شیخ وجیہ الدین اشرف المعروف شیخ فرید۔ آپ عالی نسب شیخ فاروقی تھے آپ کے بزرگ بندگی خلیل نے ملک عرب سے تشریف لاکر ہندوستان میں سکونت اختیار فرمائی۔ شیخ فرید لشوق تحصیل علوم بنارس آئے اور وہاں بعد تکمیل علوم پایہ درویشی تک پہونچے۔ آپکو خواجہ مبارک بنارسی مرید حضرت عیسیٰ تاج جونپوری سے ارادت تھی۔ مدت تک سیر سیاحت میں رہے۔ چند مرتبہ سعادت زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ آخر کار بحکم پیر سیاحت ختم کر کے جونپور تشریف لائے۔ محمود شاہ شرقی کے دور میں کچھ دنوں تک مشیر سلطنت رہے۔ اس کے بعد جو گوشہ نشین ہوئے تو مرتے دم تک پھر قدم باہر نہ نکالا۔ آپ کا مزار محلہ شاہ گنج جونپور میں بعمارت پختہ و بلند موجود ہے۔ مقبرہ کی حالت بہت خراب ہے لوگوں

نے اینٹ نکال کر اپنے مکانوں میں استعمال کیا ہے۔ خود رو درختان نے اس عالی شان مقبرے کے اندر شگاف کر دیا ہے مسلمانوں کو بالکل توجہ اور خیال نہیں دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ یہ مقبرہ بہت جلد گر کر ڈھیر ہو جائے گا سے ۱ ۔ فوٹو گذر چکا ہے۔

حضرت مخدوم رکن الدین سہروردیؒ

حضرت مخدوم رکن الدین

سہروردی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا نسب شریف حضرت خواجہ عبداللہ انصاری تک پہونچتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار مخدوم صدر الدین ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں سکونت اختیار فرمائی۔ اور دہلی ہی میں انتقال فرمایا۔ حضرت مخدوم رکن الدین زمانہ شورش امیر تیمور دیگر اکابرین دہلی کے ہمراہ ابراہیم شاہ کے دور میں جون پور تشریف لائے۔ اور یہ شہر پسند فرمایا۔ اور یہیں قیام کیا نعمت سلسلہ سہروردیہ بابا تاج الدین سے اس طور پر بواسطہ دو پشت حضرت مخدوم جلال بخاری سرخ تک پہونچے اور حضرت مخدوم جہانیاں سے بھی فیض پایا۔ ہر گاہ حضرت مخدوم کے دل میں لذت عشق خدا بہت زیادہ تھی۔ چند بار گھر کا پورا سامان فقیروں کو بخشدیا۔ ایک روز ایک فقیر قلندر آیا۔ اور سوال کیا کہ ہم نے آج سنا ہے کہ حضرت مخدوم نے راہ حق میں اپنا گھر تاراج کر دیا۔ یعنی لٹا دیا۔ لہذا اب جو کچھ باقی ہو ہم کو دے دو۔ شیخ جلال نامی پسر مخدوم دس بارہ ۱۲ سال عمر کے تھے۔ لڑکے کا ہاتھ فقیر کے ہاتھ میں دے کر حکم دیا کہ ان کو فروخت کر کے اپنی حاجت پوری فرمائے۔ یہ خبر عماد الملک قاضی خاں وزیر بادشاہ ابراہیم شاہ

---

۱ ۵ بحر ذخار۔

شرقی نے سنا فوراً بھاگتے ہوئے آئے۔ پانچ سو تنگہ قلندروں کو دے کر شیخ جلال کو حضرت مخدوم کے گھر لائے اور اپنی لڑکی کا عقد شیخ جلال سے کر دیا۔

روزانہ ایک لاکھ تنگہ فتوحات و نذرانہ حضرت مخدوم کو ہوتی تھی۔ سب فقراء کو تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ دوسرے دن کے لئے کچھ نہ رکھتے تھے۔ ایک روز ایک عورت فاطمہ اپنا بیمار قریب المرگ لڑکا بارہ سال کا جس کا نام فتح خان تھا لے کر آئی۔ اور دروازہ حجرہ مخدوم پر لڑکے کو ڈال کر بہت گریہ وزاری کے ساتھ حضرت مخدوم سے دعا کے لئے عرض کیا۔ حضرت مخدوم نے دعا فرمائی۔ بہ برکت نام اللہ پاک لڑکا تندرست ہو گیا۔ اس زمانہ میں قاضی جونپور حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین تھے۔ یہ خبر سن کر ملک العلماء حضرت مخدوم سے بہت ناخوش ہوئے۔ شیخ عبدالملک نے شاگرد حضرت مخدوم کے پاس روانہ کیا۔ اور کہلا بھیجا کہ آپ کے مریدوں کے لئے یہ مشہور ہے کہ وہ بیان توحید و ادائے سجدہ صحیح طور پر نہیں جانتے۔ لہذا آپ لوگ مکان خالی کر دیجئے۔ شیخ عادل مع جماعت طلبہ حاضر خدمت مخدوم ہوئے۔ جیسے پہونچے جو کچھ علم تھا غائب ہو گیا۔ اور عجیب حالت طاری ہوتی۔ جو کچھ لکھا پڑھا تھا شیخ عادل اور عام طلبا بھول گئے۔ اس کرامت کی وجہ سے شیخ عادل اور تمام طلبہ کا اعتقاد حضرت مخدوم کی طرف بہت زیادہ ہو گیا۔ اور کچھ عرض نہ کر سکے۔ اس واقعہ نے حضرت ملک العلماء کو بہت رنجیدہ کیا۔ اور کوتوال نصرت خاں کو مکان خالی کرنے کا پروانہ دیا کوتوال خانقاہ مخدوم پر حاضر ہوا۔ حاضر ہوتے ہی عقیدت و ارادت مخدوم دل میں پیدا ہوئی۔ کچھ عرض نہ کر سکا۔ اور واپس ہو کر بادشاہ ابراہیم شاہ شرقی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یہ معاملات فقیروں کے ہیں میری صلاح حضور میں یہ ہے کہ حضور اس معاملہ میں دخل نہ دیں۔

بادشاہ کو حضرت مخدوم سے عقیدت ہو گئی اور معاملات کو درگذر کیا۔ حضرت

مخدوم کی وفات ۱۳؍جمادی الثانی ۸۶۴ھ کو ہوئی۔ قبر پختہ اندر مسجد سنگین محلہ تاڑ تلہ کنارے دریائے گومتی موجود ہے۔ ؎۱

حضرت عثمان شیرازی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت عثمان شیرازی درویش باصفا و حق آگاہ علوم ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ اور سلوک و معرفت میں بے مثال تھے۔ آپ کا اصل وطن شیراز تھا۔ آپ پہلے دہلی آئے۔ بعدہٗ بزمانہ امیر تیمور دہلی سے بعہد سلطان ابراہیم شاہ شرقی جون پور آئے۔ اور جون پور ہی میں سکونت اختیار فرمائی۔ امرا شاہی ملک خالص مخلص آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کی خواہش پر ایک سنگین مسجد آپ کے واسطے تعمیر کرائی جو محلہ دریبہ شہر جون پور میں خالص مخلص کے نام سے موجود ہے۔ اور اسی مسجد کے گرد آپ کی قبر ہے۔ اور حالات تفصیلی نہیں معلوم ہو سکے۔ قبر بہت شکستہ حالت میں ہے۔ کسی کو مرمت کی توفیق نہیں۔ ضرورت ہے کہ مزار کی مرمت کرا کے اس پہ لوح مزار نصب کیا جائے۔ ؎۲

حضرت مخدوم سیّد علی داؤد رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مخدوم سید علی داؤد رحمتہ اللہ علیہ۔ تمام علوم ظاہری و باطنی اور رموز صوری و معنوی سے واقف تھے اور درجۂ فقر میں مقام عالی رکھتے تھے۔ بی بی راجے اور سلطان محمود شرقی کو حضرت مخدوم علی داؤد سے بہت ارادت اور عقیدت تھی۔ آپ کے واسطے ایک مسجد سنگین لال دروازہ اور خانقاہ تعمیر کرائی۔ حضرت مخدوم علی داؤد نے اسی مقام پر ایک

؎۱ گنج ارشدی۔ تجلی نور سگرف اول ص ۳۲ و ۳۳۔

؎۲ تجلی نور حصہ اول ص ۴۵۔ سیرت الاولیا۔ جونپور نامہ۔

موضع سید علی پور آباد کر کے سکونت اختیار فرمائی۔ بجز جون پور نامہ کے اور دوسری تاریخوں میں آپ کے حالات نہیں ملتے ہیں۔ آپ کا نسب نامہ حضرت سید حسین اصغر بن امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ختم ہوتا ہے۔ آپ مرد بزرگ حق شناس اور مخدوم وقت تھے۔

آپ کے لڑکے مخدوم شاہ جبر و مخدوم شاہ عبد القادر مورث اعلیٰ شاہ مقیم تھے۔ دونوں صاحبزادے باپ سے بہت ارادت و عقیدت رکھتے تھے فقر و معرفت میں دونوں بزرگوں کا بڑا نام تھا۔ مخدوم شاہ جبیر نے اپنے نام پر ایک موضع شاہ جبیر پور آباد کر کے وہیں سکونت اختیار کی۔ آپ کی اولاد وہاں موجود ہے۔ اور مخدوم شاہ عبد القادر نے محلہ لال دروازہ جون پور میں سکونت اختیار فرمائی۔ سادات لال دروازہ آپ کی اولاد میں ہیں۔ مزار سید علی داؤد موضع سید علی پور میں ہے۔ سال وفات آپ کا معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ عہد سلطنت ابراہیم شرقی میں تھے۔ ؎۱

حضرت مخدوم شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم شیخ محمد قوم شیخ فاروقی آپ کے والد حضرت مخدوم خضر رحمۃ اللہ علیہ حضرت مخدوم شیخ رکن الدین رکن عالم سے خرقہ پہنا۔ اور دہلی میں قیام فرمایا۔ وہیں شیخ محمد پیدا ہوئے۔ اور تعلیم و تربیت پائی۔ آپ کو باپ سے ارادت تھی۔ آپ نے اس قدر ریاضت فرمائی کہ قطب وقت اور مرجع خلائق ہوئے۔

کہتے ہیں کہ حضرت شیخ محمد ہنگام یورش امیر تیمور دہلی سے برخاستہ ہو کر بعہد سلطان ابراہیم شرقی مع عیال جون پور تشریف لائے اور میدان دو پرانہ

؎۱ تجلی نور حصہ اول ص۲۶ ۔ جونپور نامہ خیر الدین۔

نواح محلہ سپاہ میں قیام فرمایا۔ کچھ دن درخت کے نیچے بسر کیا۔ جب موسم برسات شروع ہوا۔ تو پانی نہیں برسا۔ خشک سالی نمودار ہوئی۔ خشک سالی کی وجہ سے خلق کو تکلیف پہونچی اور بادشاہ بھی بہت مضطرب حال ہوئے۔ اس زمانہ میں حضرت قاضی نصیر الدین گنبدی شیخ المشائخ تھے۔ بادشاہ کو بوجہ کرامت حضرت قاضی نصیر الدین سے بہت عقیدت تھی۔ بادشاہ نے قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر بارش نہ ہونے کی شکایت کی۔ حضرت قاضی نے فرمایا کہ اللہ کے دوست بے سایہ دار درخت کے نیچے زندگی بسر کریں دوست کی دوستی کب یہ گوارا کرے گی کہ پانی برسا کر دوست کو تکلیف و رنج پہونچاوے۔

بادشاہ نے مطلع ہوکر تلاش کیا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ ایک فقیر معہ اپنے چند متعلقین کے ویرانے اور میدان میں ٹھہرا ہوا ہے اور فقیر کے چہرے پر انوار مہر ولایت روشن ہے۔ بادشاہ بنجیدہ ہوکر فوراً حضرت شیخ محمد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور چھپر کا مکان جلد از جلد تیار کیا۔ جیسے ہی حضرت شیخ معہ اہل وعیال مکان میں تشریف لے گئے۔ بارش شروع ہوئی اور اتنا پانی برسا کہ دنیا آسودہ ہوگئی۔ بادشاہ بہت خوش ہوکر واپس ہوا۔ ایک عورت اہیرن جو ہندو تھی آپ سے اعتقاد صحیح اور نیت درست پوشیدہ رکھتی تھی۔ اور ایمان بھی لائی تھی۔ اس کا معمول تھا کہ روزانہ گائے کا دودھ لے کر حاضر خدمت شیخ ہوتی، کچھ دن کے بعد اس عورت کا انتقال ہوا۔ اس کی تجہیز و تکفین میں جھگڑا پڑا بالآخر معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ متوفی اگر خود اپنا دین اسلام بتادے تو۔ قاضی نے کہا کہ بہت بہتر ہے۔ الغرض حضرت قریب جنازہ جاکر کھڑے ہوئے۔ اور پوچھا تو کون ہے اگر تو بہ تصدیق دل اور بقلب مسلمان ہے۔ تو کلمہ شہادت پڑھ۔ بحکم اللہ اس عورت نے کفن سے سر نکال

کر کلمۂ شہادت پڑھا اور پھر کفن میں سر چھپا لیا۔ آں حضرت نے نماز جنازہ پڑھی اور دفن کیا۔ وفات آپ کی ۱۳ر جمادی الاول ۹۱۸ھ کو ہوئی۔ قبر آپ کی محلہ سپاہ روضہ حضرت خواجہ سون برس سے دکھن ہے۔ اولاد حضرت شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ مواضعات بہرہ و نوہرہ ضلع اعظم گڈھ میں سکونت پذیر ہے۔ مخدوم شاہ اسمٰعیل مہروی و مخدوم شاہ ابو الغوث گرم دیوان نوہروی آپ کی اولاد میں ہر ایک مسند مشیخت پر شیخ الشیوخ اور قطب وقت گذرے ہیں۔ ۱؎

حضرت سید علاؤ الدین لاجوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید علاؤ الدین لاجوری رحمۃ اللہ

علیہ چشتی مرید اور خلیفہ سید محمود گیسو دراز تھے۔ آپ عالی نسب سید اور مرد بزرگ صاحب ذوق اور اہل کشف کرامت تھے۔ تحصیل علوم ظاہری و باطنی میں کمال کو پہونچے تھے۔ اور اپنے وقت کے بہت مشہور زمانہ تھے۔ کبھی آپ پر سلوک غالب رہتا اور کبھی جذب۔ جب آپ مستی سے حواس میں آتے تو طالب علموں کو درس بھی دیا کرتے تھے۔ آپ موسیقی ہند میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ آپ کا تعلق شرقی دور سے ہے۔ آپ شاعر بھی تھے۔ تذکرہ شعراء میں ملاحظہ ہو۔

حضرت علاؤ الدین نے عمر طبعی زیادہ پائی تھی۔ یعنی سو سال سے زیادہ آپ کی عمر ہوئی تھی۔ اس دیار میں بچوں کی سال گرہ میں تبرکاً آپ کا فاتحہ دانہ تل پر دلاتے ہیں۔ آپ کو دانہ تل بہت مرغوب تھا۔ کہتے ہیں کہ آپ نے تمام عمر گوشۂ تنہائی میں گذارا۔ اور بجز یاد حق اور درس و تدریس کے دوسرا کام نہ کیا۔ وفات آپ کی ۸۶۷ھ میں ہوئی۔ مزار آپ کا محلہ ملوا گھاٹ جونپور میں ہے۔ ۲؎

۱؎ تجلی نور حصہ اول ص ۱۴۲ تا ۱۴۶۔ ۲؎ تجلی نور حصہ اول ص ۴۸ و ۴۹۔ تذکرۃ الابرار۔

حضرت مخدوم شاہ سید اسمٰعیل رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مخدوم شاہ سید اسمٰعیل رحمتہ اللہ علیہ

علیہ امیر تیمور کے حملہ کے وقت جون پور آئے۔ آپ اپنے زمانہ کے کامل فقرا اور ممتاز زمانہ واہل توکل وصاحب رضا وتسلیم بزرگ تھے۔

کہتے ہیں کہ حضرت مخدوم اولاد حضرت خضر رحمتہ اللہ علیہ سے تھے۔ اور آپ نے علوم باطنی انھیں سے پایا۔ آپ تمام عمر عبادات وریاضات ومجاہدات نفس میں مشغول رہے۔ اور اسی حالت میں وفات پائی۔ مزار اسی جگہ محلہ گڈھی کے راستہ پر پختہ موجود ہے۔ آپ کا سال انتقال معلوم نہیں ہوسکا۔ آپ کی اولاد محلہ دریبہ وکجگانوں میں آباد ہے۔ اور محلہ شاہ اسمٰعیل آپ کا آباد کردہ ہے۔ [۱]

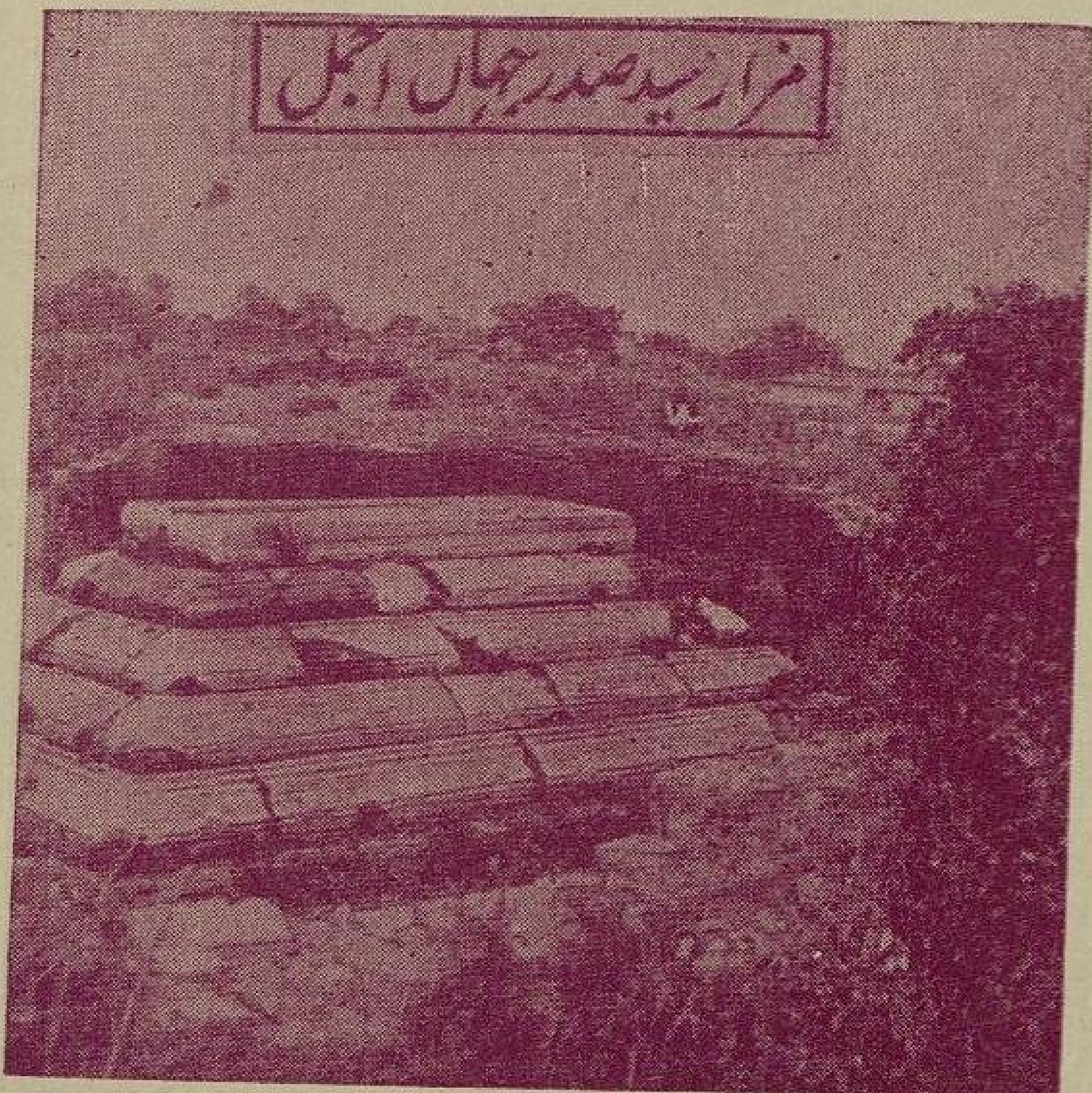
حضرت خواجہ سید صدر جہاں

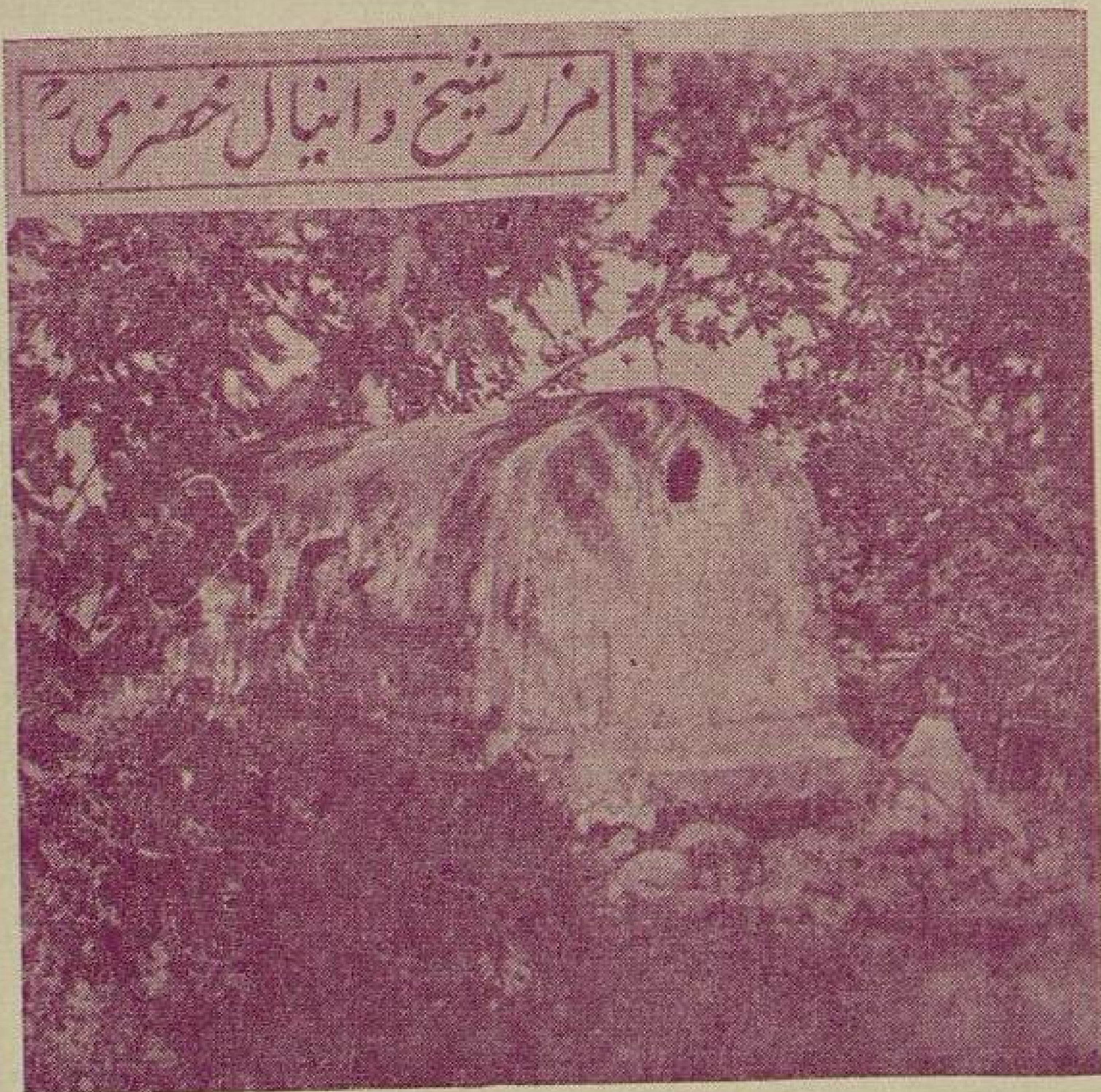
حضرت خواجہ سید صدر جہاں اجملؒ

اجمل رحمتہ اللہ علیہ مرد بزرگ اور جامع علوم شریعت وطریقت صاحب زہد و ورع تھے۔ آپ نے ریاضت وعبادت ومجاہدات کیا۔ آپ کبار مشائخ واپنے زمانہ کے گروہ اولیاء میں سے تھے۔ سلطان ابراہیم شرقی آپ سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ اُس نے آپ کے واسطے متصل محلہ سپاہ کنارہ دریا ایک سنگین مسجد تعمیر کرائی۔ جو اب تک موجود ہے۔ اور جھنجھری مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اسی زمانہ میں بادشاہ کا لڑکا انتقال کر گیا۔ اور متصل خانقاہ دفن ہوا۔ مقبرہ شاہ زادہ پر گنبد کلاں دبارہ دری عالیشان تھی۔ مگر اس کی مرمت اور دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے گر گئی۔ اینٹوں پتھروں کا ڈھیر ہے۔

---

[۱] تجلی نور حصہ اول ص ۴۹۔


مزار سید صدر جہاں اجمل


مزار شیخ دانیال خضری

ایک رات جس کی صبح سعادت تھی۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کی خواب میں زیارت فرمائی اور صبح کو آپ کے دونوں قدم کے نشانات زمین مبارک پر پائے گئے۔ اسی مقام پر آپ نے قدم رسول تعمیر کیا جو اب تک قائم اور قدم رسول کے نام سے مشہور ہے۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو محلہ سپاہ جون پور میں جہاں آپ کی خانقاہ تھی۔ دفن ہوئے سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔ ۱

حضرت شاہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شاہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ صاحب ریاضت وکرامت اہل سلوک و معرفت بزرگ تھے۔ آپ کا خانوادہ چشتیہ تھا۔ آپ زمانہ سلطنت سلاطین شرقیہ دہلی سے جون پور تشریف لائے اور جس مقام پر آپنے قیام فرمایا۔ اس جگہ کا نام اجمیری مشہور ہوا۔ اور آپ کا مزار بھی محلہ اجمیری جونپور میں ہے۔ اور حالات تفصیل کے ساتھ معلوم نہیں ہو سکے۔ آپ کی اولاد جون پور میں موجود ہے۔ ۲

حضرت سید مخدوم شاہ محمد رح

آپ اصل باشندے ملک عرب کے تھے آپ کے جد اعلیٰ غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں دہلی آئے اور وہیں قیام کیا۔ مولانا ظہیر الدین محمد تغلق شاہ کے استاد تھے۔ اور بادشاہ آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ آپ کے بڑے بھائی سید اسمٰعیل بھی آپ کے ہمراہ امیر تیمور کے حملہ کے وقت جون پور آئے۔ جنکا مزار گڈھی پر لب سڑک وسیع پختہ چبوترہ پر ہے۔ دونوں بھائیوں نے کتب درسیہ اور علوم ظاہری کی تکمیل دہلی کے مشہور اساتذہ سے کی۔ اسکے

---

۱ تجلی نور حصہ اول صفحہ ۵۱ ۔ گنج ارشدی ۲ سیرت الابرار۔ تجلی نور صفحہ ۵۰

بعد علم باطن کا تکملہ حضرت مولانا خواجگی سے فرمایا۔ آپ نے مجاہدات کثیرہ اور ریاضت شاقہ برداشت کی۔ اور مخدوم جہانیاں سے بھی فیض حاصل کیا اور زبردست اولیاء کاملین میں گذرے ہیں۔ آپ سے بے حد کشف کرامات کا ظہور ہوا۔ ابراہیم شاہ شرقی آپ کی بے حد قدر و منزلت کرتا تھا۔ اور خاص نظر عنایت تھی۔ بہت سے طالبان علم نے آپ سے کسب فیض کیا ہے۔ آپ میں جمال جلال دونوں تھا۔ اور مزار سے اب بھی فیض جاری ہے۔

۱۸۶۴ء میں از سر نو مسجد اٹالہ سے سڑک نکالی جا رہی تھی۔ چوں کہ آپ کا مزار بیچ میں پڑ رہا تھا۔ اس وجہ سے کلکٹر صاحب نے عام قبر سمجھ کر اس کو کھودنے کا حکم دے دیا۔ مسلمانان محلہ نے منع کیا۔ مگر کچھ بھی شنوائی نہیں ہوئی بیلداروں نے قبر کھودا۔ لاشہ تازہ کفن میں لپٹا ہوا نظر پڑا۔ آخر کار کلکٹر ضلع نے خوف زدہ ہو کر اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ اور جس طور پہ قبر پتھر کی بنی ہوئی تھی پھر درست کر دی گئی اور سڑک وہاں سے ٹیڑھی کر کے نکالی گئی ہے۔ آپ کی وفات ۸۴۹ھ میں ہوئی۔ مسجد اٹالہ کے پورب اتر کے گوشہ پہ اپنے مکان کے صحن میں افتادہ زمین پہ دفن کئے گئے۔ مزار کی بناوٹ بالکل شرقی دور کی ہے۔ آج کل یہ مزار لب سڑک مسجد اٹالہ کے پورب میں واقع ہے۔ اور ہر جمعرات کو چادر چڑھتی ہے۔ اور لوگ حاضر ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قاضی شکر اللہ صاحب کا مزار ہے۔ مگر کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے۔ چوں کہ مسجد اٹالہ کے قریب بہت سے مزارات تھے جن کے نشانات مٹ چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اسمیں قاضی شکر اللہ کا مزار رہا ہو۔ عام طور پر آپ کو لوگ بچھڑے شہید کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ غلط ہے۔ اسلئے کہ جونپور میں کوئی بھی ایسی جنگ نہیں ہوئی خاص کر عہد شرقی میں کہ جس میں

شہادت کا سوال پیدا ہو۔ کچھ دنوں تک یہ مزار ایک چہار دیواری کے اندر گھیر دیا گیا تھا۔ مگر یہ بات آپ کو پسند نہیں آئی۔ اور پے در پے شیخ محمد مرتضیٰ و شیخ محمد عمر صاحبان کے یہاں موتیں ہوئیں۔ اور کافی نقصانات اٹھانے پڑے آخرکار خواب میں آپ نے چہار دیواری ہٹانے کی اطلاع دی اور چہار دیواری منہدم کر دی گئی۔ مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ اور رعب جلال ٹپک رہا ہے۔ سلہ

حضرت مخدوم بندگی شیخ معروف رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم بندگی شیخ معروف

کے والد شیخ عارف شیر سوار جو شیخ جلال بخاری کی اولاد سے تھے۔ ناموافقت زمانہ کی وجہ سے اپنا وطن مالوف ترک کر کے بعہد ابراہیم شاہ شرقی جون پور تشریف لائے اور جون پوری میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار موضع پکھریا پور قریب جون پور لب سڑک الہ آباد ہے۔ حضرت شاہ معروف جون پور تشریف لانے کے بعد حضرت مولانا الہداد چشتی سے علوم ظاہری و باطنی حاصل فرمایا۔ اور اس قدر ریاضت فرمائی کہ شیخ وقت و بزرگ زمانہ گذرے۔ اور صاحب مجاہدات و ریاضات و صاحب ذوق و حالات تھے۔ باوجود اس قدر علم کے سب کچھ ترک کر کے اسی سال تک گوشہ نشین رہ کر عبادت فرمائی۔ اور دنیا کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ آپ کا مزار مبارک محلہ خالص پور جون پور میں ہے۔ آپ کی وفات ۹۸۷ھ میں بعہد بابر بادشاہ ہوئی۔ سلہ

سلہ سمات الاخیار صفحہ ۱۵۰، ہمدم اخبار مورخہ ۱۲ر فروری ۱۹۲۳ء فیوض الابرار قلمی۔

سلہ گنج ارشدی۔ اخبار الاخیار۔

حضرت خواجہ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ نبیرہ بندگی شیخ معروف تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ کو اپنے جد سے ارادت خود پیدا ہوئی اولاً شیخ تارک الدنیا ہو کر گوشہ نشین ہوئے اور اس قدر ریاضت فرمائی کہ راہ سلوک میں کامل ہو کر۔۔۔ اپنے جد بزرگوار کے سجادہ نشین ہوئے اور آپ کے مشیخت کا شہرہ دنیا میں ہوا۔ علماء و امراء وقت کا جم غفیر ارادت و عقیدت کے ساتھ فیض صحبت سے مشرف ہونے لگا۔ تاریخ وفات آپ کی ۷ر صفر المظفر ۹۷۰ھ ہے۔ پائیں مزار اپنے بزرگ کے دفن ہوئے۔ [۱]

حضرت خواجہ ابو سعید چشتی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابو سعید چشتی رحمتہ اللہ علیہ فرزندان مخدوم بندگی شیخ معروف کے تھے۔ سلسلہ ارادت و عقیدت اپنے والد شیخ قطب الدین سے پایا۔ پہلے آپ علوم ظاہری حاصل کر کے فارغ ہوئے بعدہ درس تدریس میں مشغول ہوئے۔ بعد ازاں جذبۂ محبت الٰہی بیدار ہوا۔ ترک دنیا کا ارادہ فرمایا ایک روز مکان کے اندر دروازہ بند کر کے بیٹھے۔ اور سوچا کہ دنیا اور دین کا کام ایک ساتھ نہیں ہو سکتا یہ سوچ کر تعلیم کا خیال چھوڑ دیا اور ایک گوشہ سے آواز سنتے ہی آپ کی حالت برگشتہ ہو گئی۔ تاریخ وفات چہارم صفر سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔ قبر آپ کی باپ کے قبر کے بائیں جانب ہے۔ [۲] آپ عہد ابراہیم شاہ شرقی میں تھے۔

---

[۱] تجلی نور اول صفحہ ۵۱۔ سیرت الابرار۔ [۲] تجلی نور اول ص ۵۲ فارسی قلمی۔ سیرت الابرار۔

مخدوم سید صدر الدین شاہ زاہدیؒ

مخدوم سید صدرالدین شاہ سید زاہد تھے۔ ابتدا حال میں بادشاہ کی خدمت کرتے رہے۔ اور بہت دولت پیدا کی۔ بعد ازاں کشش و جذب عشق الہٰی پیدا ہوا۔ اور آپ نے دنیا کے مال و اسباب سے ہاتھ کھینچا۔ اور بخدمت حضرت مخدوم شاہ حسام الدین رحمتہ اللہ علیہ مانکپوری حاضر ہوئے۔ آپ کے ارادتمند وعقیدتمند ایسے ہوئے کہ سب مال متاع چھوڑ کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اور بعد حصول خرقہ خلافت جونپور تشریف لائے۔ اور جھنڈا مشیخت لہرایا سلسلہ زاہدی سے بھی بہت زیادہ نعمت حاصل کی۔ آپ شاعر بھی تھے۔ تذکرہ شعراء میں ملاحظہ ہو۔

سید بدرالدین بدر عالم زاہدی۔ جن کا مزار مبارک بہار میں ہے۔ آپ کے حقیقی بھائی ہیں۔ آپ کی وفات ۵ رمضان المبارک ۹۳۲ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار جونپور میں متصل محلہ ملاٹولہ جانب دکھن درخت املی کے نیچے واقع ہے۔ [1]

حضرت مخدوم بندگی شاہ لطف اللہؒ

حضرت مخدوم بندگی شاہ لطف اللہ رحمتہ اللہ علیہ ایک بہت بڑے مشائخ اور خلفاء اکبر حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر رحمتہ اللہ علیہ کے تھے۔ لکھا ہے کہ آپ اپنے وقت کے بڑے عالم علوم شریعت اور واقف رموز طریقت اور محرم اسرار حقیقت اور جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ بعد حاصل کرنے خرقہ خلافت جونپور تشریف لائے اور یہاں سکونت اختیار فرمائی۔ حالت وجد و سماع میں آپ بہت مضطرب ہو جاتے اور مستی میں جس کی

---

[1] خزینۃ الاصفیا قلمی۔ مرات الابرار۔

طرف نگاہ پڑ جاتی وہ بے ہوش ہو جاتا۔ آپ کے حلقہ ارادت میں بہت لوگ آئے۔ اور کمال کو پہونچے۔ آپ کا مزار مبارک حمام دروازہ شہر جون پور بر دروازہ شاہ راحت علی ہے۔ تاریخ وصال معلوم نہ ہو سکی۔ پہلے آپ کی اولاد اس جگہ آباد تھی۔ اب باقی نہیں رہی۔ ۵

حضرت شیخ مخدوم دانیال خضری رحمتہ اللہ علیہ

مخدوم دانیال خضری رحمتہ اللہ

علیہ ملفوظات شیخ۔ موسوم مقالات خضر رویہ جو آپ کے ایک خلیفہ شیخ میر سید احمد بن عبداللہ چشتی کی جمع کی ہوئی ہے۔ لکھا ہے کہ آپ کی جائے پیدائش شہر بلخ ہے۔ اور آپ کے والد شیخ حسن ابن شیخ حسام الدین بلخی ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب شریف حضرت عمر فاروق رضی تک پہونچتا ہے۔ کچھ ایام تک آپ نے اپنے وطن میں عیش و عشرت کی زندگی بسر فرمائی۔ کسی حادثہ کی وجہ سے آپ کو ترک وطن کرنا پڑا۔ اور بلخ سے ہندوستان بعدہٗ دہلی تشریف لائے۔ چوں کہ آپ ایک مشہور شخصیت کے مالک تھے۔ بادشاہ دہلی کی خدمت میں عزت حاصل فرمائی اور چند سال باعزت بسر ہوا۔ ایک روز کشش جاذب حقیقی ہر چیز ترک کر کے مانکپور پہونچے اور گوشہ نشین ہو گئے۔ مانک پور میں بھی دل نہیں لگا۔ گھبرا کر بنارس تشریف لائے اور ہر روز چار سو چالیس مرتبہ سورہ مزمل شریف کا ورد مقرر فرمایا۔ خدا ہادی و رہبر ہے۔ غیب سے آپ کا مقصود حاصل ہوا۔ ایک روز ایک معمولی حیثیت کا ایک شخص آیا۔ جو دیکھنے میں بہت کم حیثیت معلوم ہوتا تھا۔ مگر باطن میں علم حقیقت و معرفت کا خزانہ تھا۔ شیخ کو تعلیم اذکار باطنی کی دی۔

---

۵ تجلی نور اول صفحہ ۵۵۔

اور خرقۂ خلافت واجازت عطا فرمایا۔ اور بتایا کہ میں خواجہ خضر ہوں۔ بحکم خدا تمہاری تربیت کے لئے آیا۔ اور تم کو خدا تک پہونچایا۔ اس کے بعد حضرت شیخ دانیال رحمۃ اللہ علیہ جون پور تشریف لائے۔ اور قیام فرمایا اور جون پور ہی میں رحلت فرمائی۔

صاحب خزینۃ الاصفیا تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ دانیال مرید وخلیفہ حضرت راجے حامد شاہ مانک پوری تھے۔ اور روح پر فتوح حضرت خواجہ بزرگ غریب نواز خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی سے بھی فیض باطنی پایا۔ حضرت خواجہ بزرگ نے شیخ کو پوشیدہ طور پر حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے حوالہ فرمایا۔ چنانچہ مشہور شعر ہندی حضرت شیخ دانیال ان تمام باتوں کی تصدیق کرتا ہے آپ کے اشعار ہندی یہ ہیں۔ ؎

جگ جگ عمر حضرت جی خواجی — حضرت ہمنی رسول نواجی

دانیال جیو پر گھٹ کینا — حضرت خواجہ خضر تپہ دیا

حضرت شیخ دانیال بہترین مشائخ عصر اور گروہ فقرا زمانہ۔ صاحب حال وقال اہل کشف کرامت بزرگ تھے۔ اکثر آپ سے کرامتیں صادر ہوئیں اور آپ نے علوم ظاہری اپنے بھائی سے حاصل فرمایا اور کچھ ایام تک درس بھی دیا۔ آپ کے شاگردوں میں کچھ لوگ بہت مشہور عالم ہوئے۔ جب آپ کے وفات کا زمانہ نزدیک آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ ہم ۱۳ ربیع الاول کو وفات کریں گے۔ لہذا ہم کو صحن حجرہ میں دفن کرنا۔ اور کفنی کے لئے یہ گلوبند کافی ہے۔ اور دو چادریں جو خواجہ کی عنایت کی ہوئی ہیں اوپر اڑھا دینا۔ چنانچہ بتاریخ مذکور ۹۹۲ھ بزمانہ اکبر اعظم میں وفات فرمائی۔ اور بموجب وصیت صحن خانہ حجرہ متصل ٹیلہ خاص حوض پس پشتہ محمود سلطان شرقی آپ

کا مزار مبارک ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کے دفن کے ایک ماہ بعد آپ کی قبر سے خوشبو مشک و کافور کی آتی تھی۔ جو کوئی زیارت کو آتا مستفید ہوتا۔ صاحب مراۃ الاسرار تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان حسین شرقی کے زمانہ میں حضرت شیخ دانیال جونپور آئے اور اپنا نسب حسب ارشاد حضرت خواجہ خضر سے منسوب فرمایا۔ اور خوارق آپ سے بہت ظاہر ہوئیں۔ اور بہت سے شہر کے آدمی آپ کے معتقد تھے۔ دو سید زادہ سید احمد اور سید محمد دونوں بھائی آپ کے مرید ہوئے اور بعد تکمیل علوم ظاہری و باطنی خلافت پائی۔ اور بعد وفات حضرت شیخ دانیال حضرت سید احمد سجادہ نشین ہوئے۔ اور اپنا لقب بمتابعت خویش سید احمد خضری رکھا۔ سید احمد صاحب باطن اور اہل تصوف گذرے ہیں آپ کے فرزندان خضری مشہور ہوئے سید احمد کی وفات جونپور میں ہوئی۔ آپ کی قبر محلہ دریبہ جونپور جہاں امام باڑہ حکیم باقر ہے۔ موجود ہے۔ اور شیخ دانیال خضری کا مزار پرانی بازار پشتہ حوض سے متصل ہے۔ اور اسی کے متصل ایک مسجد بھی ہے۔ آپ کا مزار صحن خانقاہ میں ہے۔ اس کے علاوہ سات قبریں ظاہر ہیں۔ بقیہ شکست ہو کر زمین کے برابر ہوگئی ہیں۔ خود رو درختان اور جھاڑ جھنکاڑ نے ان قبروں کو توڑ دیا ہے۔ صفائی بالکل نہیں ہے۔ مسلمان بالکل اس طرف متوجہ نہیں ہیں اور آپ کی ذات گرامی سے بھی بے خبر ہیں۔ [1] فوٹو گذر چکا۔

---

[1] تجلی نور اول صفحہ ۵۵ تا ۵ فارسی۔ مراۃ الاسرار قلمی۔

حضرت شیخ صدرالدین ثابت مداری رح

حضرت شیخ صدرالدین ثابت مداری رحمتہ اللہ

علیہ جون پور کے رہنے والے۔ اور خلیفہ حضرت قطب المدار کے تھے۔ کہتے ہیں کہ قطب المدار شاہ بدیع الدین جب جونپور تشریف لائے تو سب سے پہلے حضرت شیخ صدرالدین ہی آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے اور بزرگ ہوئے۔ اور جب تک حضرت قطب شاہ مدار رحمتہ اللہ علیہ جون پور میں رہے۔ آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور بہت زیادہ نعمت مداریہ حاصل فرمایا۔ شیخ علوم صوری و معنوی میں اونچا مرتبہ رکھتے تھے۔ جون پور سے رخصت ہونے کے وقت حضرت قطب المدار رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صدرالدین تیرا ظاہرہ مسلک سلامتی رہے گا۔ مگر حقیقت کا آئینہ ہوگا۔ تو دیوانہ و پاگل ہوکر زندگی بھر پھرتا رہے گا۔ اور تو ٹھنے والا لباس ساتھ خلقت کے نہ پہنیگا۔ یہاں تک کہ تا زندگی اسی طرح جنگل و بیابان میں بسر کیا۔ حتیٰ کہ آپ کا وقت آخر آپہونچا۔ اور آپ جون پور آئے۔ اور گنبد حضرت قطب المدار میں انتقال فرمایا۔ اور اندر چہار دیواری دفن ہوئے آپ عہد سلطنت ابراہیم شاہ شرقی میں گذرے ہیں۔ مگر وفات حسین شاہ کے عہد میں ہوئی۔ [۱]

حضرت شیخ سلطان محمود رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ سلطان محمود رحمتہ اللہ علیہ حضرت

شیخ عثمانی کی اولاد میں تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مفتی شیخ حمزہ مضافات مازندران سے ہندوستان تشریف لائے اور قصبہ ردولی میں قیام فرمایا۔ اور وہیں

---

[۱] تجلی نور اول ص۶۲ فارسی۔ بحر زخار قلمی۔

سلطان محمود پیدا ہوئے۔ جب سن شعور کو پہونچے تو اپنے بڑے بھائی۔ ملّا محمد افضل استاد الملک کے ہمراہ جون پور تشریف لائے اور محلہ سپاہ میں قیام فرمایا اور دختر حضرت مبارک خیر محمدی سے آپ کا عقد ہوا۔ علوم ظاہری اپنے بھائی ملا استاد الملک سے حاصل فرمایا۔ چوں کہ طبیعت فقر آشنا تھی اور دل آپ کا اللہ کی یاد اور اس کے منشاء سے آگاہ تھا۔ لہذا اپنے خسر حضرت شیخ مبارک خیر محمدی سے مرید ہوئے اور ریاضات باطنی حاصل کر کے منازل سلوک طے فرمائی۔ حضرت سید میر علی عاشقان سرائمیری سے آپ نے بہت زیادہ فیض... پایا۔ اور بہت خلق خدا آپ کی گرویدہ تھی۔ کبھی کبھی آپ سے کرامت بھی ظہور میں آئی۔ تاریخ وفات دریافت نہ ہو سکی۔ مزار محلہ چاچک پور شہر جون پور میں ہے۔ اولاد آپ کی دائرہ شاہ اجمل الہ آباد و قصبہ کوڑا جہان آباد میں آباد ہے۔ آپ مشرقی دور میں گذرے ہیں۔[1]

حضرت شاہ نعیم رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شاہ نعیم کے والد بزرگوار جونپور کے قاضی تھے۔ بعد انتقال پدر بامید میراث قضا۔ کہرام ملک پنجاب بخدمت حضرت میران سید بھیکہ گئے۔ جو اس زمانہ میں اللہ کا بھید جاننے والے بزرگ تھے۔ آپ نے ان کے روبرو تمنا قاضی جونپور ہونے کی ظاہر فرمائی۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ درجہ قضا فانی ہے۔ فکر باقی رہیگی اسی وقت آپ کو کشش جاذب حقیقی پیدا ہوئی اور تمام مال و اسباب دنیاوی سے متنفر ہوئے۔ اور آپ کے مرید ہوئے۔ بالآخر صاحب معرفت ہوئے۔ آپ نعرۂ سوزناک کرتے تھے۔ اور دل سے درد بھری ہوئی آہ نکلتی تھی۔ تا زندگی

---

[1] تجلی نور اول ص‍‍ ۲۲ فارسی قلمی۔ بحر ذخار۔ گنج ارشدی فارسی قلمی۔

خدمت پیر میں حاضر رہے۔ اور فیض صحبت پیر سے بہت زیادہ حاصل فرمایا اپنے پیر کی وفات کے بعد جون پور واپس ہوئے اور بعد وفات ٹیلہ پچھی دد کھنی خاص حوض دفن ہوئے۔ قبر پختہ ہنوز موجود ہے۔ سال وفات آپ کا معلوم نہ ہوسکا [۱]۔

حضرت قاضی نصیر الدین گنبدی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت قاضی نصیر الدین

گنبدی رحمتہ اللہ علیہ۔ مرد دانشمند درویش صفت و فاضل وقت قوم شیخ تھے۔ اولاً دہلی آئے۔ گردش زمانہ امیر تیمور دہلی سے جون پور تشریف لائے۔ حضرت قاضی عبد المقتدر دہلوی نے بہت نوازش فرمائی۔ اور بہت شفقت فرمایا۔ اور علوم ظاہری کی تعلیم دیا کہ حضرت نصیر الدین آپ کے شاگرد وں میں قاضی اور مشہور زمانہ ہوئے۔ حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین حبب حواشی کافیہ لکھا تو آپ قاضی نصیر الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ اگر یہ حواشی قابل درس ہوں تو قبول فرلیتے۔ بعد بحث مباحثہ فرمایا کہ یہ کتاب اچھی لکھی گئی ہے اور قابل درس ہے۔ آپ نے علم و فضل صوری و علوم باطنی حاصل فرمایا۔ اور بہت زیادہ فیض و کمالات روحانیہ سے سرفراز ہوئے اور اکثر خانوادوں سے آپ کو نسبت درست حاصل تھی۔ سترد ع میں بعہد ملک الشرق قاضی جونپور تھے۔ اور بادشاہ کی نظر عنایت بہت زیادہ تھی۔ بالآخر نمائش دنیا سے آپ کو نفرت ہوئی اور حجرہ میں بیٹھے تو باہر نہ آئے۔ اس وجہ سے آپ کو گنبدی کہتے ہیں۔ بجز "تصفیہ قلب" و "اشغال باطنی"۔ یا درس و تدریس علوم دینیات کے

---

[۱] تجلی نور اول صفحہ ۸۲۔ خزینۃ الاصفیا۔ بحر ذخار۔ فارسی قلمی۔

دوسرا کام نہ تھا۔ آپ بجز فقر و فاقہ اور کوئی اسباب نہ رکھتے تھے اور دنیا کی طرف التفات نہ فرماتے۔ اور نہ آپ کو حرص و طمع دنیا کی تھی حتیٰ کہ طالب علمان و مریدان زنجیر حجرہ ہلاتے۔ مگر آپ ضعف فقر و فاقہ کی وجہ سے اٹھ نہ پاتے تھے۔ آپ کی تصنیفات نے شہرت نہ پائی۔ شائد بوجہ غلبہ اشغال باطنی اس کا موقعہ نہ ملا۔ وفات آپ کی ۳ صفر ۸۲۷ھ کو بعہد حکومت ابراہیم شاہ شرقی ہوئی۔ اور حجرہ میں دفن ہوئے۔ مزار پرانوار محلہ چاچک پور قریب سڑک ریلوے قبر پختہ موجود ہے۔ مگر گنبد و حجرہ گر کر مسمار ہو گیا اور ایک اینٹوں کے ڈھیر کے سوا اور کچھ نہیں ہے [۱]

حضرت ملا شیخ عبدالملک عادل رح

حضرت ملا شیخ عبدالملک عادل شیخ فاروقی سلسلہ

نسب آپ کا حضرت سلطان التارکین ابراہیم بن ادہم بلخی تک پہونچتا ہے۔ آپ ممتاز شاگردان حضرت ملک العلماء سے تھے۔ آپ کے والد نواب عماد الملک وزیر سلاطین شرقیہ تھے۔ حضرت ملا عادل جونپور میں پیدا ہوئے۔ آپ مرد ذہین و ذکی تھے۔ جب سن شعور کو پہونچے تو ملک العلماء قاضی شہاب الدین نے بہ خواہش خود تربیت و تعلیم دی۔ اور تھوڑے عرصہ میں آپ کو ابتدا سے انتہا تک پہونچا یا۔

کہتے ہیں کہ ملا عادل اٹھارہ سال کی عمر میں جملہ علوم معقول و منقول، فروع و اصول کی تکمیل فرمائی۔ ایک روز آپ نے شرح ہندی کا حاشیہ لکھ کر حضرت ملک العلماء کی خدمت میں پیش کیا۔ جو آپ کے حاشیہ سے بہت ملتا جلتا تھا

---

[۱] تجلی نور دوئم ص ۳۲،۳۱ فارسی قلمی۔

دیکھ کر فرمایا۔ کہ علم قاضی در سینہ عادل آیا۔ اس روز سے زیادہ قربت پائی اور کام درس و تدریس و عہدۂ قضا آپ کے سپرد کیا گیا۔ جس کی وجہ سے آپ کے علم و فضل کا شہرہ بہت بلند ہوا۔

تزکیۂ نفس میں حضرت مخدوم رکن الدین سے آپ نے بہت فیض پایا۔ ایک روز حکیم قاضی شہاب الدین در بیان توحید و ادا سجود صوفیہ حضرت مخدوم رکن الدین جون پوری کی خدمت میں آئے۔ کہ دفعتاً عجیب حالت طاری ہوئی۔ بے اختیار حضرت مخدوم رکن الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ اور علوم باطنی کی تکمیل فرمائی۔ عہد سلطنت سکندر لودی میں بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۸۹۷ھ میں وفات ہوئی۔ مزار مبارک محلہ کٹگھرہ شہر جون پور اندر باغ تختہ جواب فیض باغ مشہور ہے۔ آپ اپنے بزرگوں کی قبرستان میں دفن ہوئے۔ مزار پر عالیشان گنبد تھا جو گر گیا۔ [لہ]

حضرت ملا علاء الدین عطاء الملک رح

حضرت ملا علاء الدین عطاء الملک برادر ملا عبد الملک عادل اور پسر خورد نواب عماد الملک وزیر سلاطین شرقیہ تھے۔ تمام علوم کی تکمیل حضرت قاضی شہاب الدین ملک العلماء سے کیا۔ اور قاضی صاحب کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہونے لگا ملا عطاء الملک نے کتاب کافیہ جس کا مضمون سخت عام فہم آپ کو نظر نہ آیا۔ اس وجہ سے بپاس خاطر قاضی شہاب الدین شرح ہندی بر کافیہ لکھا جس کے دیباچہ میں شارح کا تذکرہ ہے۔ ملا عطاء الملک نے شروع سے آخر تک شرح ہندی ملک العلماء کی پڑھا۔ اس زمانہ میں آپ کا ذہن بہت تیز تھا۔ ہر

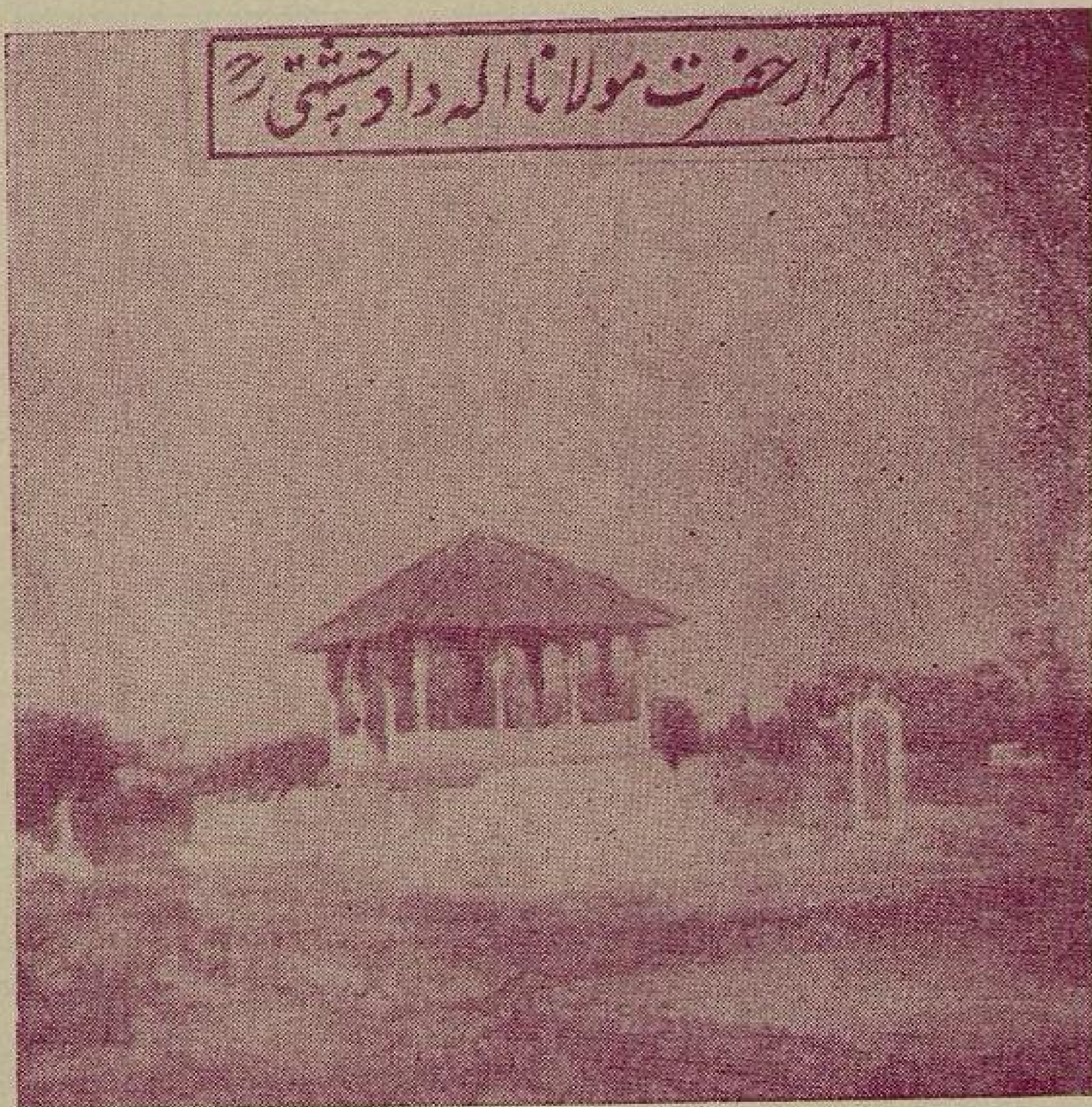
لہ تجلی نور دوم صفحہ ۳۷ و ۳۸ فارسی قلمی۔

مشکل مضامین کو بہت غور و فکر سے حل کیا جو کہ استاد کی شفقت اور محبت کا اصلی سبب تھا، بالآخر آپ نے خود بہت کوشش اور تحقیق سے حاشیہ بر شرح ہندی لکھا۔ شروع دیباچہ اس کا الحمد للہ الذی انعم علینا بنعمۃ العظام ہے۔ آپ کا مزار پُر انوار در باغ پختہ جس کو اب فیض باغ کہتے ہیں محلہ کشگھر، شہر جون پور ہے۔ تاریخ سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔ لہ

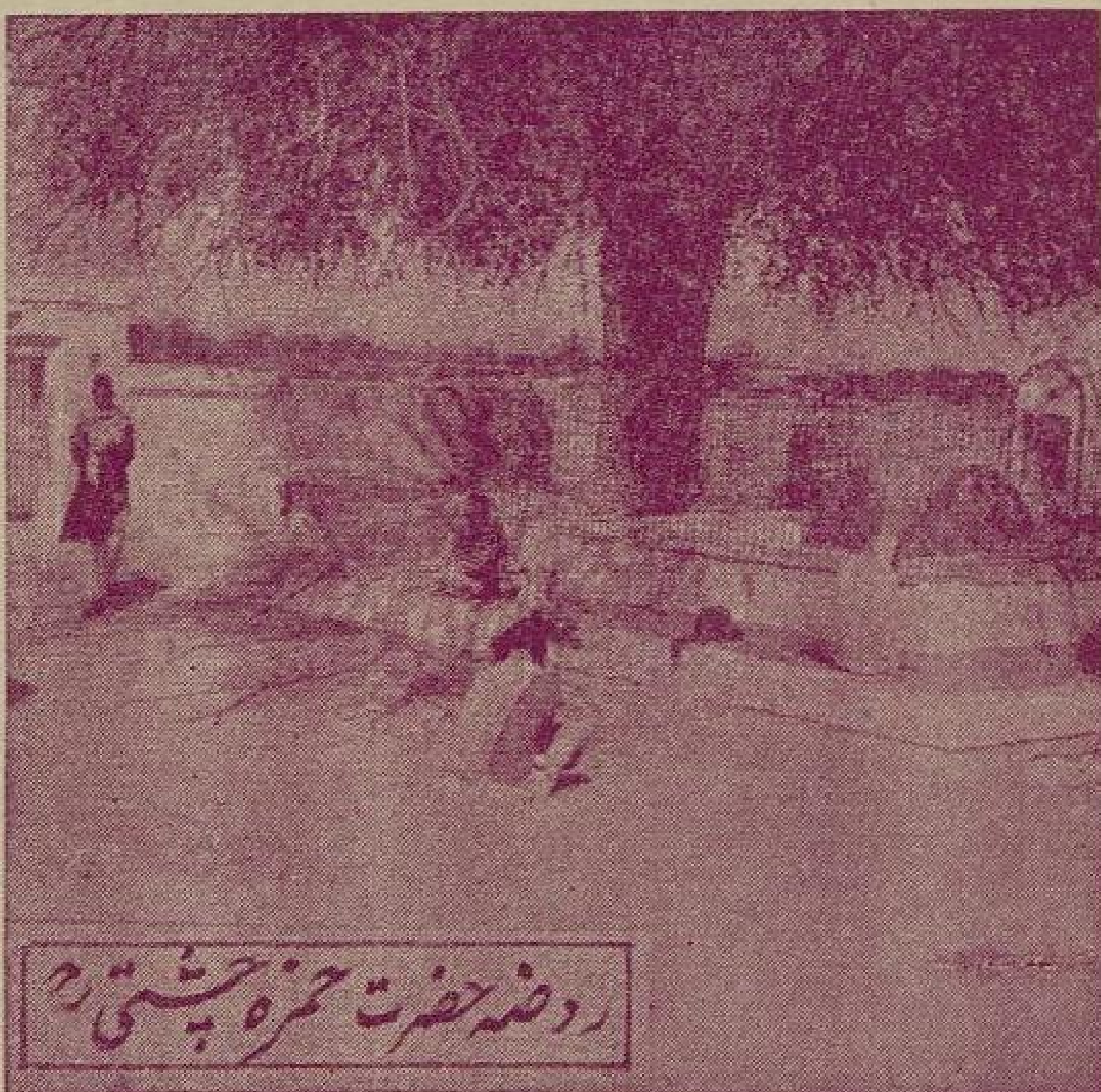
حضرت مولانا الہداد محشی جونپوری رح

حضرت مولانا الہداد محشی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ آپ جون پور کے ایک زبردست عالم اور بڑے فقہا سے تھے۔ آپ شاگرد ملا عبد الملک عادلی جون پوری کے تھے اور مولانا عبد اللہ صاحب بدیع المیزان سے علوم ظاہری کی تکمیل فرمایا۔ علوم عقلی و نقلی میں اپنی مثال آپ خود تھے اور فقہ کے سمندر تھے۔ اکثر کتابوں کی جن کے مضامین ادق و مشکل تھے حاشیہ لکھا۔ جن میں سے یہ ہیں۔ شرح کافیہ در نحو۔ شرح ہدایہ در فقہ۔ شرح بزدوی شرح مدارک در تفسیر۔ ہر ایک کتاب کی عبارت نہایت عمدہ اور نہایت تحقیق کے ساتھ لکھا۔ اور عرصہ تک تمام علوم کا درس دیتے رہے۔ آپ کے علم و فضل کی شہرت ہر چہار طرف ہندوستان میں تھی۔ خانقاہ و مدرسہ حضرت مولانا الہداد محلہ رضونجاں شہر جون پور میں تھا۔ مگر اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ نہ آپ کی اولاد کا پتہ ہے۔ حضرت مخدوم حسن طاہر جو کہ مشائخ جون پور سے ہیں۔ آپ کے مخلص دوست تھے۔ جس وقت حضرت راجے حامد شاہ رحمتہ اللہ علیہ جون پور تشریف لائے۔ حضرت حسن طاہر آپ کے مرید ہوئے۔ مولانا الہداد نے بلحاظ

لہ۔ تجلی نور دوئم ص ۳۸-۳۹ فارسی۔ کشف الظنون، گنج ارشدی، فارسی قلمی۔



مزار حضرت مولانا الہ داد چشتی رح



روضہ حضرت حمزہ چشتی رح

پند و نصیحت دوستانہ حضرت حسن طاہر رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ نے عزت طالعلمان اور توقیر علم برباد کر دیا۔ حضرت حسن طاہر نے کہا کہ مولانا امتحان کر کے دیکھیے۔ ایک دن دونوں دوست ایک ساتھ خدمت میں حضرت سید راجے حامد شاہ مانکپوری چند مسائل مشکل ہدایہ وبزدوی سوچکر حاضر ہوئے۔ جب یہ لوگ پہنچے تو سید حامد شاہ ہنسے اور فرمایا۔ آج روز امتحان ہے اور خود بخود حسب عادت حکایت و سرگذشت احوال خود اس طرح شروع کیا۔ کہ تمام مسائل مشکلہ کا جواب ہوگیا۔ ملا الہداد آپ کی اس کرامت پر فوراً سید راجے حامد شاہ مانکپوری کے مرید ہوئے۔ وفات آپ کی ۹۲۳ھ بعہد سکندر لودی ہوئی۔ مزار پُر انوار متصل دیوار شمالی وغربی عید گاہ شہر جون پور ہے۔ قبر پختہ اور اونچی مرجع خلائق ہے [۱]

حضرت مولانا عبد اللہؒ

حضرت مولانا عبد اللہ... مولانا الہداد جون پوری کے لڑکے تھے اور صلاح و تقوی و توکل میں مشہور زمانہ تھے۔ اور اپنے والد کے شاگرد تھے۔ مگر صحبت بہت زیادہ مشہور علماء کی آپ کو حاصل ہوئی۔ کتب متداولہ اور جملہ علوم کا درس نہایت تحقیق و کوشش کے ساتھ دیتے تھے۔ آپ کے اکثر شاگرد بہت مشہور ہوئے۔ جملہ مسائل کلیہ وجزئیہ میں آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی۔ بدیں وجہ علماء وفضلاء میں معزز ومحترم تھے۔ بارہا ملا الہداد نے فرمایا کہ عبد اللہ مغز استخوان علم اور الہداد کے ناز کی پونجی ہے۔ کتاب شرح میزان المنطق آپ کی تصنیف میں یادگار باقی ہے۔ سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔ متصل دیوار شمالی عید گاہ جونپور

---

[۱] تجلی نور دوم صفحہ ۳۹۔۴۰ فارسی قلمی، بحر ذخار خزینۃ الاصفیا۔ سبحۃ المرجان۔ کشف الظنون۔

اپنے والد کے مزار کے داہنے طرف مدفون ہوئے۔ مزار پختہ موجود ہے۔ ۱؎ فوٹو گذر چکا۔

حضرت ملا شیخ احمد زین زاہدؒ

حضرت ملا شیخ احمد زین زاہد مشائخ جونپور اور شاگرد ملا افضل استاد الملک اور حضرت شیخ معروف رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ عالم کامل و فاضل متبحر تھے اکثر علماء نے آپ سے تحصیل علم کر کے فراغ حاصل کیا۔ آپ نے تمام عمر زہد و تقویٰ کے ساتھ گذاری اور شریعت کے بہت پابند اور طریقت میں کامل تھے۔ رسالہ نافع آپ کی تصنیفات سے ہے۔ تمام عمر سوا گھر کے کہیں کھانا نہیں کھایا۔ اور نہ کسی کا نذر و ہدیہ قبول فرمایا۔ آپ کے کھانے میں ایک فلوس کا خرچ تھا۔ اسی ایک فلوس میں کھانے پینے کا سامان ہو جاتا۔ آپ دنیا اور دنیا والوں سے بجز ضرورت واقعی کے کام نہ رکھتے تھے۔ آخر انجام بتاریخ ۵ جمادی الآخر کو انتقال فرمایا۔ مزار پر انوار موضع بر ونہ ضلع جونپور ہے۔ ۲؎

حضرت حمزہ چشتیؒ

حضرت شیخ حمزہ چشتی رحمتہ اللہ علیہ اولاد حضرت مخدوم شیخ الاسلام بہاء الدین ذکریا ملتانی کے ہیں۔ آپ کو سلسلہ طریقت حضرت میر گیسو دراز سے پہونچا۔ آپ کے پیر بہت بڑے بابرکت و نعمت باکرامت و معمور الاوقات و دائم العبادت تھے۔ اور زمانہ بہلول سے تا زمانہ اسلام شاہ موجود رہے۔ شروع زمانہ میں ایک بادشاہ کی نوکری کرتے رہے۔ رات کو بادشاہ کے محل کا پہرہ دیتے تھے۔ ایک روز آپ

۱؎ تجلی نور دویم ص۱۱ فارسی قلمی ۲؎ تجلی نور دوئم ص۵۳۔ تاریخ جد ولیہ۔ گنج ارشدی قلمی فارسی۔

نے سوچا کہ میں غیر کی حفاظت کروں اپنی حفاظت نہ کروں۔ یہ خیال آتے ہی
ملازمت شاہی ترک کردیا۔ اور بزیارت مزار حضرت خواجہ بزرگ اجمیر شریف
تشریف لے گئے۔ اور وہاں دیوانہ حمزہ کے نام سے مشہور ہوئے اور نعمت
باطنی پایا۔ اس کے بعد صحبت شیخ احمد مجد د شیبانی سے مشرف ہوئے اور حضرت
سید گیسو دراز سے آپ کو ارادت و عقیدت بہت زیادہ ہوئی اور آپ کو بہت
زیادہ فیض حضرت گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ پہونچا۔ صاحب اخبار الاخیار فرماتے
ہیں کہ مجھ کو حضرت کے مریدوں میں سے ایک مرید سے معلوم ہوا۔ کہ ایک بار شیخ
کسی ضرورت سے ریگستان کی طرف تشریف لے گئے۔ اس بیابان میں پانی
بالکل کہیں نہیں تھا۔ پیاس کی وجہ سے سب کی حالت مرنے کے قریب پہونچی۔
آپ نے اپنے مریدوں کو حکم دیا۔ کہ پانی کی تلاش کرو ورنہ سب ہلاک ہو جائیں گے
کہ ایک چرواہا بکریاں چراتا یکایک دکھلائی دیا۔ جس کے بغل میں ایک مشک لٹکی
ہوئی تھی۔ سب لوگ چرواہے کے قریب گئے اور پانی مانگا۔ چرواہے نے
کہا کہ اس بیابان میں پانی کہاں ہے۔ البتہ میرے پاس دودھ ہے۔ اگر پینا
چاہیں تو میں دودھ دوں۔ اور اس نے تھوڑا دودھ دیا۔ ہم لوگوں نے پیا۔
تھوڑی دیر کے بعد پھر پیاس بہت غالب ہوئی۔ دیکھا گیا کہ ریگستان میں
ٹھنڈا اور میٹھا پانی موجود ہے سب نے آسودہ ہو کر پیا اور اللہ کا شکر
ادا کیا۔ حضرت شیخ حمزہ کو اللہ نے بہت زیادہ قوت و زور عطا فرمایا تھا۔
کہتے ہیں کہ ایک رات کو آپ نے خواب میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ
وجہہ کو دیکھا۔ اور آں جناب ولایت مآب سے زور آوری میں بہت فیض
پایا۔۔۔۔۔۔ اس وجہ سے کشتی لڑنے والے پہلوان آپ سے بہت زیادہ
عقیدت رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ حمزہ بزمانہ سلطنت باربک شاہ لودی

جون پور تشریف لائے۔ وفات آپ کی پانچ ربیع الاول ۹۵۷ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک آپ کا آبادی شہر سے باہر محلہ چھپیا شہر جون پور قریب تالاب راجہ جونپور مرجع خلائق ہے۔ ۱؎

آپ کے مزار کے چاروں طرف لوہے کا خیطرہ گھرا ہوا ہے۔ اسی سے متصل ایک مسجد بھی ہے۔ مزار سے متصل اتر دکھن میں قریب باؤن بگیہ آراضی تھی جو عرصہ سے عام مسلمانوں کے قبرستان کے طور پر استعمال ہو رہی ہے زمین کا کافی حصہ لوگوں نے کھیت بنا لیا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کو اس بات کی توفیق نہ ہوئی کہ قبرستان کی تمام زمین کو چہار دیواری سے گھیر دیں۔ اگر فوری توجہ نہ ہوئی تو اس کا انجام بہت خراب ہوگا۔ ۱؎

حضرت مخدوم سید نجم الدین غوث الدہر قلندرؒ

حضرت مخدوم سید نجم الدین غوث الدہر قلندر کے والد سید نظام الدین غزنی کے رہنے والے تھے ان کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے۔ آپ حضرت مخدوم سید خضر رومی سے بیعت تھے۔ اور سید ہی صاحب نے آپ کو غوث الدہر کا خطاب دیا تھا۔ آپ سلسلہ قلندریہ کے بہت ہی باکمال بزرگوں میں گذرے ہیں اور بہت کرامتیں صادر ہوئیں۔ آخر وقت تک داڑھی مونچھ سے بے نیاز رہے۔ مگر وفات سے پندرہ برس قبل داڑھی رکھ لی تھی۔ اور نکاح بھی کیا تھا۔ آپ کی پیشانی پر نورانی خطوط اس طور پر مجتمع تھے کہ جس سے لفظ قطب الاقطاب لکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

۱؎ شنگرف حصہ اول صفحہ ۵۳ و ۵۴۔ اخبار الاخیار۔ گنج ارشدی۔ قلمی فارسی۔

ایک روز ارشاد فرمایا۔ کہ جو آدمی مرتا ہے تو نہ کہیں سے آتا ہے اور نہ کہیں جاتا ہے۔ یہ بات بہت باریک ہے۔ فرمایا ابلیس علٰحدہ موجود نہیں۔ ہر شخص کا ابلیس اس کے اندر رہے۔ [1]

آپ کی وفات ۲۰ ذی الحجہ بروز بدھ ۸۳۷ھ بزمانہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی مالوہ میں ہوئی۔ آپ سترہ روز علیل رہے۔ زمانہ علالت میں کسی مرید نے ایک روز عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ حضور ہمیشہ زندہ رہیں۔ آپ نے مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا۔ کہ ہم کیسے رہ سکتے ہیں ہر وقت تو دوست کے یہاں سے طلبی آتی ہے۔ ہماری موت و زندگی دونوں یکساں ہے جس طرح زندگی میں ہم متصرف ہیں اسی طور پر بعد موت بھی متصرف رہیں گے۔ آپ کی عمر دو سو بیس سال کی ہوئی۔ مزار مبارک صوبہ مالوہ میں قریب گڈھ مانڈو قصبہ نعلچہ یا نالچہ میں متصل گھاٹی لونہرہ ہے جہاں پر سلطان شہاب الدین غوری کا عالیشان محل اور حوض ہے۔ سلطان غیاث الدین خلجی نے آپ کے مزار پر اسی تالاب کے کنارے ایک گنبد تعمیر کرایا تھا۔ تاریخ وفات مولانا، عبدالقادر قلندر باسطی جون پوری نے ارشاد فرمایا ہے

والنجم اذا ہوی چوں خواندم ناکام   آغاز ندارد ایں کلام و انجام
از بہر امام دین غوث الدہر   تاریخ وفات فہم کردند کرام

آپ کے خلفاء یہ حضرات ہوئے۔ حضرت حسین جون پوری مصنف رسالہ غوثیہ۔ ان کے حالات نہ تو کسی کتاب میں ہیں اور نہ کسی ذریعہ سے اب تک دریافت ہو سکے۔ ملفوظ سید علی قوام عاشقان میں ہے کہ۔

---

[1] تجلی نور اول صفحہ ۶۵۔ تذکرۃ الابرار۔ بحر ذخار۔ گنج ارشدی۔

حضرت بہاء الدین ننھو جون پوری را اجازت سلسلہ قلندریہ بہ ایشاں بود و آنچہ بعضے آں حضرت را بجائے سہروردی، سرہرپوری میگویند غلط است کہ شیخ حسین سرہرپوری جون پوری متقدم است۔ از حضرت نجم الدین غوث الدہر و قبر مبارک اورا سرہرپور است و اماں شیخ حسین سہروردی صاحب رسالہ غوثیہ از خلفاء سید نجم الدین قلندر است۔ و مرشد حضرت شیخ بہاؤ الدین ننھو و قبر مبارک در جونپور متصل بلوہ گھاٹ است۔

ترجمہ:۔ حضرت بہاؤ الدین ننھو جون پوری کو اجازت سلسلہ قلندریہ حضرت غوث الدہر سے تھی۔ بعض حضرات سہروردی کے بجائے سرہرپوری کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ کہ شیخ حسین سرہرپوری جون پوری آپ کے خلیفہ متقدم ہیں۔ اور حضرت نجم الدین غوث الدہر کی قبر سرہرپور میں ہے۔ اور شیخ حسین سہروردی مصنف رسالہ غوثیہ خلفاء سید نجم الدین قلندر سے ہیں آپ کے پیر حضرت شیخ بہاء الدین ننھو جون پوری۔ اور آپ کی قبر مبارک جونپور میں متصل بلوا گھاٹ ہے۔

حضرت مخدوم قطب الدین بنیا دل قلندر سرانداز غوثی جون پوری حضرت شیخ من اللہ عرف اڈہن ابن شیخ حضرت شیخ بہاؤ الدین جون پوری۔ اور تراجم صاحب اذکار ابرار حضرت شاہ نصیر الدین جونپوری خلیفہ و داماد حضرت قطب الدین بنیا دل کو آپ ہی سے اجازت بیعت حاصل تھی۔ سلہ

سلہ اذکار ابرار۔ مناقب قلندریہ۔ تذکرۃ الابرار ص ۵۵ و ۵۶۔ ملفوظ سید علی قوام۔

حضرت قطب الدین قطب بنیادل قلندر قدس سرہٗ

آپ نسباً فاروقی ہیں۔ شیخ جنید بن شیخ بایزید شیخ سدو بخیال سیر ملک ہند معہ اپنے قبائل کے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور اثنار راہ میں انتقال کرگئے۔ جہانگیر بن شیخ جنید سب کو لے کر بغداد پہونچے۔ اور وہاں قیام کیا پھر شیخ منور بن شیخ محمد بن شیخ طاہر بن شیخ جہانگیر اجمیر تشریف لائے۔ پھر شیخ احمد موسیٰ وہاں سے برخواست ہوکر دہلی آئے۔ اور شاہ وقت کے اصرار سے وہاں مقیم ہوئے۔ ان کے بعد علاءالدین شیخ الاسلام جو درویش کامل و عالم فاضل تھے جونپور آئے۔ اور موضع سرہرپور میں مقیم ہوئے۔ آپ کی ولادت ۷۷۶؁ھ میں ہوئی اور سرہرپور رجن پور میں پیدا ہوئے۔[1]

حضرت مخدوم سید نجم الدین غوث الدہر قلندر ۸۲۶؁ھ میں بہ عہد ابراہیم شاہ شرقی ہندوستان تشریف لائے۔ اور سرہرپور میں قیام کرکے آپ کو مرید کیا۔ اذکار و افکار۔ ریاضات و مراقبات تعلیم دیکر خرقہ و خلافت کبریٰ عنایت فرمایا ـــــ مناقب قلندریہ میں ہے کہ حضرت غوث الدہر قلندر جس سال کہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی نے کوہ کنتت میں قلعہ بنایا اور جنت آباد نام رکھا۔ سرہرپور میں تشریف لائے تھے۔ جب کوہ مانڈو کا ارادہ مصمم ہوگیا جونپور تشریف لائے۔ اور تیرہ روز قاضی ارشد کے یہاں قیام فرمایا۔ عارف سوداگر مانڈو جا رہے تھے۔ انھوں نے حضرت غوث الدہر کا سامان بار کرایا اور آپ کے ساتھ مانڈو کا سفر کیا۔ حضرت مخدوم قطب بنیادل چند روز اذکار

---

[1] بیاض شاہ پیر محمد قلندر۔

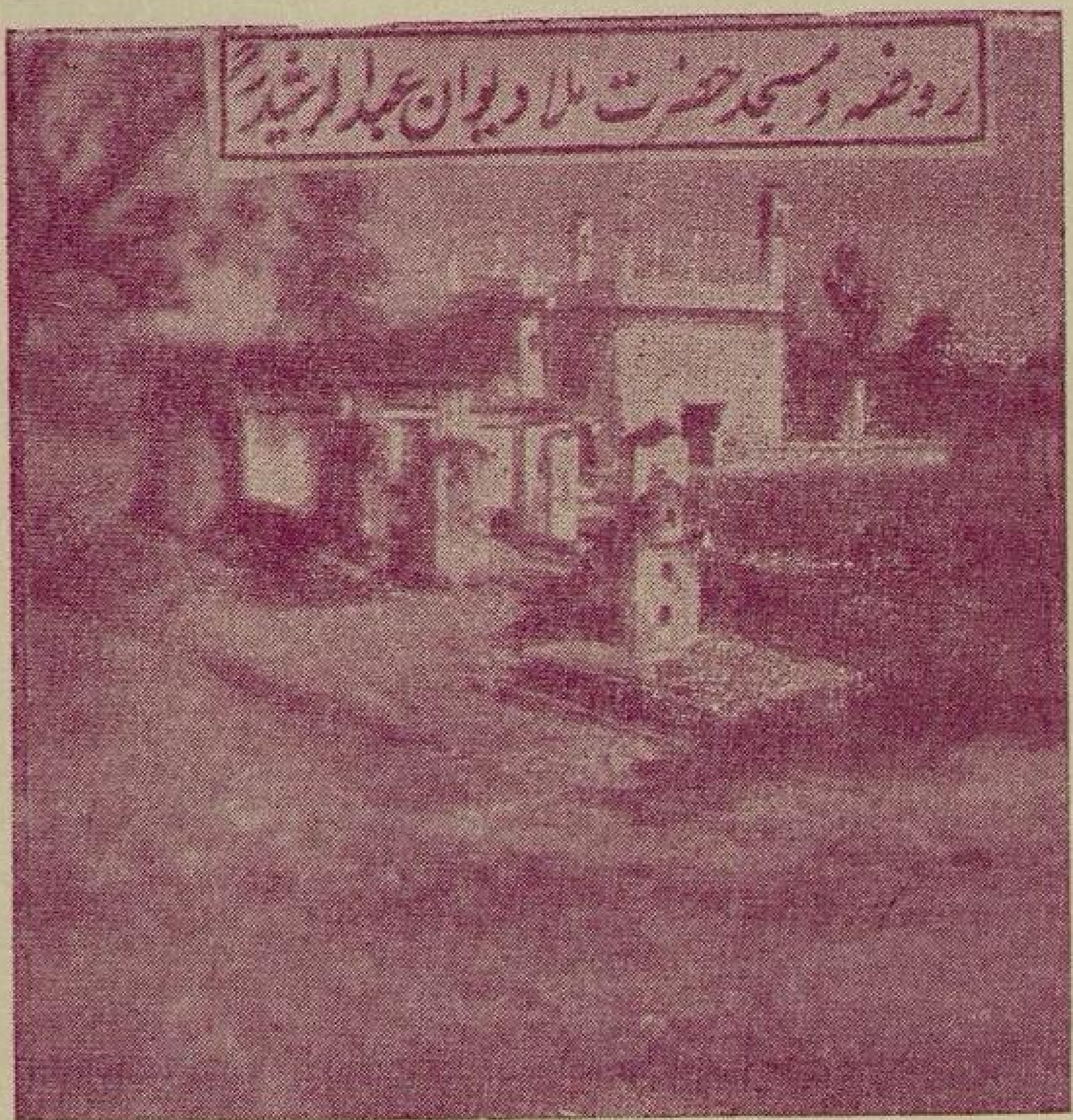
واشغال کر کے شہر پور سے بقصد جون پور چلے۔ راستہ میں موضع سونگرہ پور کو دلچسپ پاکر ایک حجرہ بناکر ذکر غوثیہ اور شغل دائرہ ہو میں مشغول ہو گئے۔ حضرت سید العرفا نے انیس العاشقین میں اس کسب کے بیان میں لکھا ہے کہ ازیں کسب قطب العارفین غوث الواصلین شاہ قطب الدین بینادل قلندر۔

سرانداز غوثی جون پوری راسیر سمٰوات وطے ارض حاصل بود۔

ترجمہ:۔ اس کسب ریاضت سے حضرت مخدوم قطب العارفین غوث الواصلین شاہ قطب الدین بینادل قلندر سرانداز غوثی جون پوری نے سیر تمام آسمان کی کی ہے۔ اور تمام زمین کو طے فرمایا۔

اسی زمانہ میں حضرت شیخ عبد اللہ شطاری قدس سرہٗ ہندوستان تشریف لائے وہ جس بزرگ سے ملاقات کرتے اس سے دو تین سوال کرتے تھے۔ جس سے ناخوش ہو جاتے اس کی نسبت سلب کر لیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ میرے پیر کا حکم ہے کہ طالب صادق کو فائدہ پہونچاؤ اور اپنے سے بڑے سے حاصل کرو۔ جب آپ جون پور تشریف لائے تو حضرت قطب کے خلیفہ داؤد سرمست قلندر ایک روزن سے ملنے گئے۔ دربانوں نے بہت روکا۔ مگر آپ نہ مانے اور بیر و تیں کیچڑ بھرے ہوئے عبد اللہ شطار کے قریب جاکر بیٹھ گئے۔ انھوں نے غصہ میں آکر ان کی نسبت بھی سلب کرنی چاہی مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ جھلا کر کہنے لگے کہ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہونچتا۔ انھوں نے جواب دیا کہ کوئی با ادب خدا تک نہیں پہونچتا۔ جب عشق آگیا تو ادب کہاں۔ پوچھا کس سلسلے کے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت قطب صاحب کا ادنیٰ خادم و غلام ہوں۔ پھر عبد اللہ شطار حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور پوچھا کہ حق اور عالم میں نسبت کیا ہے۔ آپ نے حضرت شاہ نصیر قلندر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ تمہارے


روضہ حضرت قطب بینائے دل رح



روضہ و مسجد حضرت ملا دیوان عبدالرشیدؒ

سوال کا جواب دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ حق اور عالم ایسی نسبت ہے جیسی کہ طاق کی دیوار سے۔ پھر وہ اور آپ مراقب ہوئے۔ کچھ دیر بعد آپ مراقبہ سے اُٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے۔ اور عبداللہ شطاری اپنے یہاں واپس گئے۔

ان کے ایک مرید نے ان سے اس مراقبہ کی کیفیت دریافت کی آپ نے فرمایا کہ جا کر اپنے پیر سے پوچھو۔ اس نے جا کر مراقبہ کا حال پوچھا کہ حضرت قطب صاحب کس مرتبے کے ہیں۔ حضرت عبداللہ شطار نے کہا کہ حضرت قطب صاحب اللہ کے پہلوان ہیں۔ مراقبہ میں میری اور ان کی روح فلک اول میں پہونچی۔ پھر اول سے دوئم۔ اسی طرح فلک ششم تک۔ وہاں ایک شیخ قطب الدین سے ہزار قطب الدین ہو گئے اور سب کا ایک لباس تھا۔ تب میری روح حیرت زدہ واپس آئی اور ان کا پتہ نہ چلا۔

مناقب الاصفیا میں ہے کہ ایک روز آپ سلطان ابراہیم شرقی کے پاس جون پور تشریف رکھتے تھے۔ اس نے کہا کہ فقرا کو مجاھدے وجہ سے ناتواں وضعیف۔ اور لاغر ہونا چاہئے۔ برعکس اس کے آپ فربہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری فربہی غفلت سے نہیں ہے۔ اور میرے جسم میں بجز ہوا یا پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ ابراہیم شرقی نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو کوئی عضو چاک کر کے دکھلائیے۔ فرمایا کہ انگلی چاک کر کے دیکھ لو۔ چنانچہ انگلی چاک کی گئی جس سے ہوا پانی کے سوا ایک قطرہ بھی خون نہ نکلا۔ تب آپ نے فرمایا کہ اس انگلی چیرنے کا کیا بدلہ ہوگا۔ پھر خود ہی فرمایا کہ اس کا بدلہ بادشاہ، وزیر و قاضی کے سر سے ہوگا۔ قاضی شہاب الدین ملک العلماء نے عرض کیا کہ میں تفسیر بحر مواج لکھ رہا ہوں۔ فرمایا تمہاری موت اختتام تفسیر تک موقوف رہے گی چنانچہ بعد اختتام تفسیر ان کا انتقال ہو گیا۔

بخشی محمد ناصح بن قاضی غلام رسول جون پوری آپ کے دوست۔ ایک قوال کے لڑکے سے محبت کرتے تھے۔ جب وہ مرگیا تو انھوں نے اسکو اپنے پائنتی دفن کیا۔ ان کا یہ فعل آپ کی مرضی کے خلاف ہوا۔ شب کو اس کی نعش نکل کر قبر سے ایک بگیھ کے فاصلہ پر گری۔ آپ کی وفات ۹۲۵ھ میں ہوئی۔ حالاں کہ بعض رسائل میں ۴ ۲ شعبان درج ہے۔ آپ کی عمر شریف ایک سو اونچاس ۱۴۹ سال کی ہوئی آپ کا مزار جیل کے باہر لشت جیل جون پور محلہ علی پور میں مرجع خلائق ہے جیل کے پھاٹک کا قدیمی کنواں آپ کا بنوایا ہوا ہے۔ مزارات کے گرد پتھر کا خطیرہ مولوی محمد یحییٰ رئیس منڈیاہوں ضلع جون پور نے تعمیر کرایا ہے۔ خطیرے کا فرش اور دروازہ بھی سنگی ہے۔ خطیرے کی دیوار ایک گز اونچی ہے سب کے سرہانے آپ کا مزار ہے۔ آپ کے پائیں حضرت شیخ محمد قلندر...... ان کے داہنے جانب عبدالسلام قلندر ان کے پائیں داہنے جانب ہٹا ہوا...... حضرت شاہ عبدالقدوس قلندر کا مزار ہے۔ حضرت شاہ محمود قطب قلندر کا مزار بھی اسی خطیرے میں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی مزارات اس خطیرے کے اندر باہر ہیں۔ آپ کے خلفاء یہ حضرات ہوئے ہیں۔ اس خطیرے کے پچھم اتر دکھن، پورب بے شمار کافی زمین ہے جس میں آپ کے متوسلین کی قبریں ہیں۔ حضرت محمد قطب قلندر، حضرت محمود قطب قلندر صاحبزادگان، مخدوم شاہ عماد جد اعلیٰ مولوی شاہ عبدالقادر باسطی۔ سید فضل اللہ قلندر معروف بہ سید گوشائیں۔ قطبی مینری، حضرت شاہ داؤد سرمست قلندر، حضرت شاہ نصیر الحق قلندر۔ حضرت شاہ نور الحق قلندر، حضرت شاہ نظام الدین بلہاری، یہ آپ کے بھانجے اور بڑے بزرگ تھے۔ قصیدہ کبریٰ اور اس کی شرح صراط المستقیم بعہد حسین شاہ شرقی موسومہ بہ گنج الاسرار لکھی گئی۔ یہ قصیدہ اذکار قلندریہ کے بیان میں تھا۔ فوٹو گذر چکا۔

حضرت مخدوم عبداللہ شطاری رح

سلاسل طریقت میں جسطرح طریقہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، اور قلندریہ وغیرہ مشہور ہیں۔ اسی طرح ایک مستقل سلسلہ شطاریہ بھی ہے اصطلاح تصوف میں ابرار و اخیار کے ساتھ شطار کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ سلسلہ شطاری کا شجرہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ تک پہونچتا ہے۔ ہندوستان میں سلسلہ شطاریہ کے بانی رئیس العارفین سیدنا عبداللہ شطاری ہیں۔ شجرہ نسب آپ کا شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ تک پہونچتا ہے۔ عراق، عرب، ایران، توران وغیرہ میں اس سلسلہ کو بہت فروغ ہوا۔ خزینۃ الاصفیا میں مفتی غلام سرور صاحب فرماتے ہیں کہ

> "آپ اپنے پیر و مرشد کے حکم کے مطابق ہندوستان تشریف لائے اور مانکپور وارد ہوئے۔ حسن اتفاق سے ان دنوں فتح پور میں شیخ حسام الدین چشتی۔ حضرت شیخ حامد قادری، حضرت شاہ قادری بھی قیام فرما تھے۔ ان کی محفل میں سید عبداللہ شطاری کی آمد کا تذکرہ آیا۔ ان بزرگوں نے باہم مشورہ کیا اور حضرت عبداللہ شطاری کے استقبال کو حاضر ہوئے۔ ان بزرگوں کے درمیان حقیقت اور معرفت کی خوب باتیں ہوئیں۔"

اس کے بعد سید عبداللہ شطاری نے مانکپور سے سفر کر کے جون پور میں اقامت اختیار کی۔ یہاں یہ ان کی آمد کی خبر سن کر بزرگوں نے حاضر خدمت ہوکر استفادہ کیا۔ حضرت عبداللہ شطاری کے کمالات کا شہرہ سن کر جون پور کا خدا پرست و علم دوست بادشاہ ابراہیم شاہ شرقی ملاقات کو حاضر ہوا۔

اور شیخ سے دریافت کیا کہ اس نے سنا ہے کہ آپ کو دعویٰ حق نمائی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ نے ہمیں کیوں محروم رکھا۔ شیخ نے فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ہر شخص کو کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سلطنت بخشی آپ کا کام یہ ہی ہے کہ نفع رسانی خلق میں مصروف رہیں۔ ابراہیم شاہ نے کہا کہ یا شیخ اس وقت ہزاروں اشخاص مجلس میں موجود ہیں کسی پر کچھ تصرف فرمائیے۔ ارشاد ہوا تصرف کے لئے جوہر قابل ہونا شرط ہے۔

سلطان نے کہا۔ تعجب ہے ہزاروں آدمیوں میں کوئی جوہر قابل آپ کو معلوم نہیں ہوتا۔ شیخ کو کیفیت جلال پیدا ہوئی۔ ابراہیم شاہ شرقی کا مخصوص مقرب بارگاہ جو لپشت پر کھڑا مگس رانی کر رہا تھا۔ شیخ کی نگاہ جوان پر پڑی۔ وہ تڑپ کر زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ جب سکون ہوا تو ترک دنیا کا اعلان کیا اور شیخ عبداللہ شطاری کے مریدین میں داخل ہو گیا۔ ابراہیم شاہ شرقی اور تمام حاضرین اس واقعہ سے متحیر تھے مگر بعض معاندین نے شیخ کی شان کے خلاف الفاظ استعمال کئے۔ جس سے شیخ رنجیدہ ہوئے۔ اور دوسرے ہی روز جونپور سے مالوہ کو روانہ ہو گئے۔ والی مالوہ نے شیخ کا بحد احترام کیا۔ اور خاص شہر مانڈو میں جو اس وقت مالوہ کا پایہ تخت تھا ٹھہرایا۔ آپ کی وفات مانڈو ہی میں ہوئی۔ مقبرہ جہانگیر بادشاہ کے حکم سے تعمیر کیا گیا۔ [1]

حضرت مخدوم شیخ محمد قطب قلندرؒ

حضرت مخدوم شیخ محمد قطب قلندر پسر و مرید حضرت مخدوم قطب الدین جنیا دل کے تھے۔ اور مرد بزرگ اہل حالی و قالی و صاحب کشف و کرامات تھے۔

---

[1] آستانہ اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۶-۲۷۔ تذکرۃ الابرار۔

اور علمائے صوفیہ تابعین شیخ محی الدین ابن العربی سے ہیں۔ اور مسئلہ توحید میں کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے ابتدا حال میں دو دلیل مسئلہ توحید میں۔ بعد جد و جہد پایا۔ جو میرے لئے کافی ہے۔

"فرمایا میرے نزدیک درویشی دو چیز ہے۔ ایک تہذیب اخلاق دوسرے محبت اہل بیت اطہار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔"

وفات آپ کی ۹ ذی قعدہ کو ہوئی۔ سال رحلت معلوم نہ ہو سکا۔ بعد وفات پائین مزار اپنے والد کے دفن ہوئے۔ سلہ

حضرت مخدوم شاہ عبد السلام قلندر رح

حضرت مخدوم شاہ عبد السلام قلندر شیخ علی قلندر بھی مشہور ہیں۔ اپنے والد محمد قطب قلندر کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور اپنے جد حضرت مخدوم قطب الدین بینا دل سے بہت زیادہ نعمت پایا۔ اور سلسلہ سہروردیہ میں فیض حضرت شیخ اڈہن ظفر آبادی صاحب سجادہ مخدوم چراغ ہند قدس سرہ سے پایا۔

کہتے ہیں کہ شیخ علی مشہور دانشمندان روزگار اور ممتاز علماء جونپور گذرے ہیں۔ آپ کی تصنیف میں "مختصر الوقایہ" عربی بہت مشہور ہے۔ اور فقر و درویشی میں اولیائے عظیم اور صاحب کشف و کرامت تھے۔ و شاہ عبد الرحمٰن لاہرپوری و شاہ محمود لکھنوی آپ کے ارشد خلیفہ میں تھے۔ وفات آپ کی ۱۴ر جمادی الثانی کو ہوئی ہے۔ سال وفات معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ محلہ چچگیا پور جونپور میں مزار جد کے پائین مدفون ہوئے۔ سلہ

سلہ تذکرۃ الابرار، بحر ذخار، گنج ارشدی سلہ تجلی نور اول ص ۶۷۔

حضرت مخدوم شاہ عبدالقدوس قلندرؒ

حضرت مخدوم شاہ عبدالقدوس قلندر مشہور شاہ قدن تھے اور حضرت مخدوم قطب الدین بنیا دل کی اولاد سے ہیں۔ نعمت فقر اپنے خاندان سے پایا۔ آپ مرد بزرگ زاہد متقی و عاشق عشق الٰہی تھے بجز ذکر و فکر کے دوسرا کام نہ تھا۔ اور کھانے میں احتیاط رکھتے تھے۔ بہت مدت تک حلال روزی کے حصول کے لئے خفیہ گھاس چھیل کر بازار میں فروخت کرتے تھے۔ اور بقدر ضرورت خود صرف کرتے اور بقیہ فقیروں کو کھلا دیتے۔ اور اپنا معاملہ فقر پوشیدہ رکھتے مگر پوشیدہ نہ رہ سکا۔ آپ دنیا میں مشہور ہوئے اور مشہور ہوتے ہی خلائق آپ کی طرف رجوع ہوئی۔

ایک روز خادم نے کھانا لاکر رکھا۔ آپ نے ایک لقمہ کھایا۔ کھاتے ہی فوراً فرمایا کہ اس کھانے سے دل میں کدورت طاری ہوئی۔ اس کھانے میں بوئے تصرف آتی ہے۔ خادم بحد ششدر و حیران ہوا۔ بہت جانچ کے بعد معلوم ہوا کہ کھانا حلال ہے۔ خادم آگ لینے پڑوسی کے یہاں گیا۔ آگ لے کر جب چلا تو صحن پڑوسی سے کچھ پھوس بلا اجازت اٹھا لایا ہے۔ حضرت مخدوم سن کر فوراً اٹھے اور ہمسایہ کے پاس گئے اور حق ملکیت گھاس جو خادم بلا اجازت لایا تھا معاف کرایا۔ جب کھانا کھایا ـــــ حضرت مخدوم عبدالقدوس قلندر نے ایک سو پچاس سال کی عمر پائی۔ حضرت میر علی قوام نظام آبادی اور حضرت مخدوم دیوان عبدالرشید جون پوری نے آپ سے سلسلہ قلندری میں فیض پایا۔ وفات حضرت مخدوم بارہ شوال ۱۰۵۲ھ میں ہوئی اور موضع جوگیا پور میں دفن ہوئے۔ سلہ

سلہ تجلی نور اول صفحہ ۶۷-۶۸۔

حضرت شاہ فتح قلندر رح

حضرت شاہ فتح قلندر سیرت و صورت میں صاحب حال و قالی و معمر و مسن بزرگ حضرت مخدوم قطب بنیادل کی اولاد سے تھے۔ بیعت و خلافت حضرت شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ سے ملی۔ اور حضرت شاہ عبد الرحمٰن لاہرپوری سے آپ کو فیض عطا ہوا۔ شروع زمانہ میں آپ بحالت جذب و سکر بادیہ گرد رہے۔

کہتے ہیں کہ بحالت شوریدہ سری آپ دہلی گئے۔ اور شاہزادہ دارا شکوہ سے علم سلوک اور معرفت میں بحث فرمایا۔ بعدہٗ اسی حالت میں وطن کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور پیر کے حکم سے جون پور ترک کر کے۔ موضع سونگر پرگنہ انگلی ضلع جون پور میں قیام کیا۔ اس کے بعد پرگنہ نظام آباد ضلع اعظم گڈھ میں ایک موضع بنام قلندر پور آباد کر کے مستقل قیام فرمایا۔ اہل دیہات قرب و جوار آپ سے بہت عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ سال انتقال معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کی اولاد موضع قلندر پور میں آباد ہے۔ [۱]

حضرت شاہ منصور قادری رح

حضرت شاہ منصور قادری کا اصلی وطن جون پور ہے۔ آپ قوم شیخ سے ہیں۔ اور سلسلہ قرابت بواسطہ حضرت مخدوم قطب بنیادل سے بھی ہے خانوادہ عالیہ قادریہ میں حضرت عبد اللہ بٹیونی سے مرید ہیں۔ اور نسبت اویسی حضرت مخدوم سید جلال بخاری سے پایا۔ اور بہت فیض حاصل فرمایا۔ مرد بزرگ بابرکت اور صاحب خرق و کرامات و معرفت کے سمندر تھے۔ سلوک میں حضرت خواجہ خضر کے مثل تھے۔ آپ کا شہرہ مشیخت دنیا میں چاروں طرف مشہور ہوا۔ کہتے

---

[۱] - تجلی نور اول ص۶۔ گنج ارشدی۔

ہیں کہ شروع حال میں آپ نے معاش دنیوی قبول نہ فرمایا۔ فقر و فاقہ میں زندگی بسر فرماتے رہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں کی روح کے اشارہ سے... ترک وطن فرما کر پرگنہ نظام آباد ضلع اعظم گڈھ میں سو بگھہ آراضی اوسر خریدی۔ اس زمین میں ایک موضع جہانیاں آباد کر کے سکونت اختیار کی۔ بقیہ زمین زراعت کے کام میں لائے یہ آپ کی کرامت تھی کہ زمین اوسر نا قابل زراعت بہتر اور اچھی آراضی ہو گئی جس میں زعفران تک پیدا ہوتا۔ اور لطف یہ کہ حکام اس زمین پر آپ کے جلال کی وجہ سے لگان نہ قائم کر سکے۔ اگر کوئی حاکم وقت زبان پر ضبطی معافی کا نام لاتا تو لقوہ کے آثار منہ پر نمایاں ہو جاتے۔ اگر حکم لکھتا تو ہاتھ خشک ہو جاتا۔ لہذا وہ زمین بلا مالگذاری رہی۔ سال وفات دریافت نہ ہو سکا۔ مزار مبارک آپ کا موضع جہانیاں پور میں مرجع خلائق ہے۔ اور ہر سال آپ کا عرس ہوتا ہے آپ کی اولاد موضع جہانیاں میں آباد ہے۔ حضرت شاہ پیر دمکی جون پوری آپ کے خلفا میں ہیں [۱]

حضرت مخدوم دیوان عبدالرشید قدس سرہٗ

حضرت مخدوم دیوان عبدالرشید قدس سرہ

آپ کا لقب شمس الحق فیاض دیوان ہے۔ آپ شیخ عثمانی تھے۔ سلسلہ نسب آپ کا حضرت مخدوم سری سقطی پر ختم ہوتا ہے۔ آپ کے والد قطب وقت حضرت مخدوم شاہ جمال مصطفےٰ متوطن موضع برونہ ضلع جون پور تھے۔ حضرت دیوان عبدالرشید رحمتہ اللہ علیہ موضع بروبہ میں ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اسی زمانہ میں حضرت شیخ عبدالجلیل رحمتہ اللہ علیہ کسی تقریب میں بروبہ تشریف

---

[۱] شنگرف اول صفحہ ۶۹، فارسی قلمی۔ تحجر ذخار قلمی۔

لائیے۔ آپ کو دیکھا اور فرمایا کہ یہ لڑکا شیخ وقت اور عالم بے مثال ہوگا۔
جب حضرت دیوان پڑھنے کے لائق ہوئے تو ابتدائی تعلیم حضرت شمس نور برجنی سے پائی۔ جب حضرت مولانا نور شاہزادہ پرویز کی تعلیم کے لئے الہ آباد تشریف لے گئے تو حضرت دیوان عبدالرشید بحکم حضرت مولانا شمس نور استاد الملک حضرت ملا افضل جون پوری کے شاگردی میں تمام علوم ظاہری پڑھ کر مشہور علماء فضلا ہوئے۔ ملا محمود جون پوری آپ کے ہمعصر تھے۔

چوں کہ روز ازل سے آپ کے مقدر میں دولت علوم ظاہری و باطنی لکھی تھی آپ نے کشش وجذب الہٰی میں سب کچھ ترک کر کے پہلے اپنے والد بزرگوار کے مرید ہوئے جو ایک واسطہ میں حضرت نظام الدین امٹھیوی کے مرید تھے۔ اور آپ نے اپنے والد ہی سے کسب علوم باطنیہ میں کوشش فرمایا اور ریاضت فقر میں بہت مجاہدے کئے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم طیب بنارسی رحمتہ اللہ علیہ سے ارادت ہوئی اور آپ سے بہت کچھ فیض ملا۔

اس کے بعد چند واسطوں سے اجازت ونعمت خاندان حضرت مخدوم آفتاب ہند سہروردی ظفر آبادی سے حاصل ہوئی۔ پھر اجازت ونعمت خاندان مخدوم قطب الدین بینا دل جون پوری۔ بعدہٗ اجازت ونعمت خاندان مخدوم شاہ اڈھن رحمتہ اللہ علیہ پایا۔ آخر میں بہت سے سلاسل وخانوادوں سے بھی نسبت وارادت وافر حاصل فرمایا۔ آپ علوم ظاہری وباطنی کے ایک خزانہ تھے۔ آپ نے سکونت موضع برونہ ترک کر کے شہر جون پور میں خانقاہ تعمیر کیا۔ اور سجادہ نشیخت پر بیٹھ کر جھنڈا ہدایت وارشاد کا لہرایا۔ اور درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔ اور ہندوستان کے چاروں طرف آپ کی شہرت ہوئی۔ آپ ذکر جہر بہت زیادہ کرتے۔ اور ہر کام میں پابند شرع نبوی تھے۔ ہزارہا

مخلوق آپ سے مرید ہوئی۔ اور راستہ صادقانِ حق کا پایا۔

آپ کی مشہور تصنیفات میں ایک رسالہ رشیدیہ ہے جو استاد الملک کے حکم سے علم مناظرہ میں لکھا تھا۔ جو بہت مشہور رہے۔ اور درس علوم عربی میں شامل ہے۔ دوسرا خلاصۃ النحو عربی۔ تیسرا شرح ہدایۃ الحکمت عربی۔ چہارم شرح تجربی بہت قابل تعریف کتاب اسرار المخلوقات از تصانیف شیخ محی الدین العربی ہے۔ پنجم رسالہ زاد السالکین فارسی میں۔ ششم مقصود الطالبین سلوک اور معرفت میں۔ ہفتم دیوان فارسی بہ تخلص شمسی ہے۔

وفات آپ کی ۹ رمضان المبارک ۱۰۸۳ھ کو ہوئی۔ آپ صبح کی نماز میں جب سجدہ میں گئے انتقال فرما گئے۔ مزار آپ کا محلہ رشید آباد شہر جونپور میں ہے۔[1]

حضرت شیخ محمد حمید قدس سرہٗ

آپ ۱۰۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت ابو عطا محمد حمید ہے۔

آپ سب بھائیوں میں بڑے ذہین اور فطین تھے۔ اور درسی کتابوں پر پورا عبور تھا۔ علم و فضل کے علاوہ سپہ گری کا فن بہت اچھا جانتے تھے۔ ابتدا میں فوج شاہی میں ملازم تھے۔ اور شجاعت و بہادری کا زبردست مظاہرہ کیا تھا۔ آپ ۱۰۷۶ھ میں اپنے والد سے مرید ہوئے۔ اور خرقہ خلافت پایا۔ ایک سال کے بعد نوکری ترک کردی اور تمام عمر درس و تدریس اور خلق کی ہدایت میں بسر کیا۔ آپ کے مزاج میں کبر و غرور نام کو نہ تھا۔ اخلاق نبوی اور سیرت نبوی کا نمونہ تھے۔ ہر شخص سے اس کے مزاج کے مطابق باتیں کرتے تھے۔ آپ نے ایک خرقہ اس طور پر تیار کیا تھا کہ جب سوئی میں تاگہ چھوڑتے۔ شکرانہ کی دو رکعت نماز ادا کرتے۔ تہذیب

---

[1] بحر ذخار، گنج ارشدی قلمی۔ تجلی نور اول صفحہ ۱۷و۲۷، فارسی قلمی۔

زاہد کا یہ عالم تھا کہ باپ کی وفات کے بعد ان کی جگہ پر بیٹھکر درس دیتے تھے۔ مگر جب آپ کے چھوٹے بھائی ارشد آجاتے تھے تو ان کو اس جگہ پر بٹھاتے تھے۔ دیوان شمسی آپ ہی کی مرتب کی ہوئی ہے۔ وفات آپ کی ۴ر رمضان سنہ ۱۰۸۶ھ کو پورنیہ میں ہوئی۔ اور بقر عید کے روز بعد نماز ظہر نعش جون پور میں لاکر رشید آباد میں دفن کی گئی۔ قطعہ تاریخ یہ ہے۔

آں محمد رشید ابن حمید — از جہاں سوئے باغ رضواں رفت
بود بست چہارم از رمضاں — کہ ز دہران دلیل عرفاں رفت
ہاتف غیب گفت سال وصال
جانب بارگاہ سبحاں رفت [1]

حضرت شیخ غلام معین الدینؒ

آپ کی ولادت ۴۲ر شوال سنہ ۱۰۶۳ھ کو ہوئی۔ آپ کو حضرت قطب الاقطاب جس قدر چاہتے تھے بیٹوں اور عزیزوں میں کسی سے بھی اتنی محبت نہ کرتے تھے آپ کی کوئی آرزو ایسی نہ تھی جو پوری نہ کیجائے۔ ادھر ادھر سے جب تحائف آتے تو پہلے آپ پالیتے تب دوسروں کو دیا جاتا تھا۔ فن سپہ گری میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ کہتے تھے کہ سپہ گری میں مجھے کسی سے بھی شرم نہیں آتی مگر جب قطب الاقطاب کے کمالات کا ذکر ہوتا ہے یا حضرت شیخ محمد ارشد کا نام آجاتا ہے تو بہت شرمندگی ہوتی ہے۔ کہ مجھے ایسے بزرگوں سے نسبت ہے اور ان لوگوں کا مجھ میں کوئی وصف نہیں۔ آپ ۲۳ر رمضان سنہ ۱۰۸۰ھ کو شب جمعہ میں باپ سے سلسلہ چشتیہ احمدیہ میں مرید ہوئے اور سنہ ۱۰۸۲ھ میں خرقہ

---

[1] سمات الاخیار ص ۵۶ و ۵۷۔

خلافت پایا مگر کبھی کسی کو مرید نہیں کیا۔ حالاں کہ اس بارہ میں لوگوں کا اصرار ہوتا تھا۔ آپ بادشاہ شاہ عالم کے یہاں فوج میں ملازم تھے۔ اور ان کے ہمراہ حیدرآباد تشریف لے گئے۔ وہیں ۸ ذی قعدہ ۱۱۲۰ھ کو واصل بحق ہوئے۔ ۱۱۲۱ھ کو لاش حسب وصیت جون پور لائی گئی۔ اور حضرت شیخ محمد ارشدؒ کے مزار کے پہلو میں رشید آباد میں دفن کیا گیا۔ قطعہ تاریخ۔

آں غلام معین دیں کہ بود — مرد میدان و متقی و اجل
بے بدل در فن سپاہ گری — منفرد بود فقر و علم و عمل
ہمرہ فوج شاہ عالم بود — در دکن بر سرش رسید اجل
بود ہشتم ز ماہ ذیقعدہ — کہ شدہ عین او بجان بدل
فاضل دہر و بحر فضل ہداں — سال ترحیلش از حساب جمل

دل بہ یک مصرع گفت دو تاریخ
علم جانگاہ نیک — بخت ازل
۱۱۲۰ھ — ۱۱۲۰ھ [1]

حضرت شیخ غلام قطب الدینؒ

آپ کی ولادت ۱۱ ربیع الآخر یوم جمعہ ۱۰۶۷ھ کو ہوئی۔ آپ جامع جمیع فضائل و کمالات تھے۔ اور شجاعت میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ ۱۰۸۰ھ میں سلسلہ چشتیہ طیبہ میں اپنے والد بزرگوار سے مرید ہوئے۔ اور باپ ہی سے خلافت و نعمت پائی۔ جب دن حضرت دیوان جی نے شیخ غلام معین الدین کو خرقہ عنایت کیا تو آپ کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ اگر مجھے بھی خرقہ عنایت ہوتا تو

---

[1] سمات الاخیار صفحہ ۵۷ و ۵۸۔

سعادت کا باعث ہوتا۔ حضرت نے آپ کی طرف دیکھکر خادم کو فرمایا کہ شیخ یٰسین کی بھیجی ہوئی دونوں کالی لنگیاں اٹھا لاؤ۔ جب دونوں لنگیاں آگئیں تو فرمایا کہ تھوڑے دنوں سے ایک میرے کاندھے پر تھی اور دوسری غسل اور تہجد کے مصرف میں تھی۔ تو اسی کو خرقہ سمجھو یہ فرماکر اپنے دست مبارک سے اڑھا دیا۔ آپ قدمبوس ہوئے۔ اس کے بعد ایک استعمالی دستار بھی مرحمت فرمائی۔ آپ باوقات آدمی تھے۔ صبح سے پھر دن تک تلاوت قرآن پاک اور وظائف میں مشغول رہا کرتے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے۔

آپ کی وفات ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۱۴۷ھ کو ہوئی۔ حضرت قمر الحق رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور رشید آباد میں مدفون ہوئے۔ قطعہ تاریخ

قطب دین خدا عارف بے بدل
زین سرائے فنا رفت سوئے جناں
گفت کاتب پئے سال ترحیل او
سوئے دار بقا ہائے رفت از جہاں ؎۱

۱۱۴۷ھ

حضرت میر سید محمد جعفر بلخی قدس سرہٗ

آپ کا نام محمد جعفر اور لقب بحر الحقائق ابی الفیض نجم الحق تھا۔ سلسلہ نسب حضرت امام جعفر صادق رضؓ تک پہونچتا ہے آپ کی عمر ابھی آٹھ برس کی تھی کہ آپ کے والد سید ابوالحسن نے وفات پائی۔ دادا نے پرورش اور تعلیم و تربیت

؎۱ سمات الاخیار صفحہ ۵۰۔ گنج فیضی۔

کی اور سلسلہ چشتیہ میں مرید کر کے خرقہ خلافت دے کر اپنا جانشین بنا دیا جب سن شعور کو پہونچے تو علم کا شوق دامنگیر ہوا ۔ اس وقت جون پور میں ملا دیوان عبدالرشید کے مدرسے کی شہرت تھی ۔ آپ اس شہرت کی بنا پر تحصیل علوم کے لئے جون پور آئے ۔ اور حضرت قطب الاقطاب کے مدرسہ میں مستقل قیام کیا ۔ جب پورے طور پر تمام علوم کا تکملہ ہوگیا تو حضرت نے سلسلہ قادریہ میں مرید کر لیا ۔ اور کچھ عرصہ تک خدمت اقدس میں رہ کر باطنی کمالات اور فیض و برکات کو حاصل فرمایا ۔ اس کے علاوہ آپ نے اور دوسرے سلاسل ۔ چشتیہ سہروردیہ ، فردوسیہ ، مداریہ ، نقشبندیہ میں خلافت و اجازت حاصل کر لی ۔ اور بحکم شیخ پٹنہ میں قیام کیا ۔ ایک مدت تک مجرد رہے ۔ اور ایک مسجد میں عمر کے کافی دن بسر کئے ۔ جب آپ کی عمر زیادہ ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ کی تحریک سے حضرت قطب الاقطاب نے میر سید فضل اللہ عرف سید گوشائیں داماد حضرت قطب بینا دل جون پوری کی صاحبزادی سے نسبت طے کر کے عقد کرا دیا پھر جو فرزند پیدا ہوئے وہ ولی مادر زاد تھے ۔

آپ کا مرتبہ اس سے ظاہر ہے کہ ایک بار حضرت قطب الاقطاب نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن مریدوں کو پیروں سے شفاعت کی امید ہوگی اور مجھ کو اپنے مرید میر سید جعفر ٹبنوی اور میر سید قیام الدین گورکھپوری سے ۔ آپ کی وفات ۳ رمضان المبارک ۱۱۰۵ھ کو ہوئی ۔ شریعت آباد بیرون شہر پٹنہ مدفون ہوئے ۔ ؎۱

؎۱ سمات الاخیار صفحہ ۶۵ و ۶۶

میر سید حسن رسول نما رح

آپ کا نام سید حسن اور لقب رسول نما تھا۔ آپ سلسلہ قادریہ کے مشائخ کبار میں گذرے ہیں۔ آپ سے خرق عادات بہت صادر ہوئیں۔ اپنے مریدوں کو پہلے ہی روز زیارت نبوی سے مشرف فرما دیتے تھے۔ حضرت قطب الاقطاب دیوان عبدالرشید جون پوری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے درسی کتابیں پڑھیں اور استعداد حاصل فرمایا۔ اور مدت تک خانقاہ رشیدیہ میں رہ کر باطنی فیوض و برکات حاصل کیے۔

ایک حکایت ہے کہ آپ کو کوئی کتاب شروع کرنا تھی۔ حضرت قطب الاقطاب نے ارشاد فرمایا کہ کتاب شروع کرتے ہو تو فاتحہ کے لئے شیرینی لاؤ۔ آپ نے کہا کہ اس شرط پر لاؤں گا کہ ہمارے آپ کے سوا کوئی تیسرا نہ کھائے۔ حضرت نے منظور فرمالیا۔ اور مٹھائی آئی۔ اور دونوں حضرات نے کھانا شروع کیا۔ حسن اتفاق کہ اسی دوران ملا محمود جون پوری خانقاہ میں تشریف لائے اور انھوں نے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت سید حسن نے ملا محمود کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور مٹھائی چادر میں لے فقراء کو تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے۔ اور وہیں آپ کی وفات ۱۱۰۳ھ میں ہوئی۔ اور وہیں آپ کا مزار بھی ہے۔ [^1]

حضرت شیخ نوراللہ قدس سرہٗ

آپ کے والد شیخ بدرالحق تھے اور اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ بڑے تھے۔ ۲۲ صفر ۱۰۶۵ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کی تاریخ ابو

---

[^1]: سماۃ الاخیار ص۷۶ ۔ گنج فیضی

محمد نور اللہ عثمانی" ہے۔ آپ نے ابتدائی کتابوں کا درس اپنے والد ہی سے لیا۔ اور علوم باطنی کا تکملہ فرمایا۔ حیا و مروت کے پتلے تھے۔ دوسروں کا کام بخوشی انجام دیتے تھے۔ مشکلوں اور مصیبتوں میں کام آتے تھے۔ اعزہ و اقارب کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ والد کو آپ سے بے حد پیار تھا حتیٰ کہ اگر آپ بیمار ہو جاتے تو والد صاحب دفع آزار کے لئے روزے رکھتے تھے۔

آپ کی وفات ۱۰ رجب سنہ ۱۰۹۳ھ کو ۲۹ سال کی عمر میں جمعرات کے روز ہوئی تھی۔ موضع قیام پٹی ضلع جون پور میں حضرت شیخ محمد طٰہٰ کے روضہ کے اندر املی کے درخت کے نیچے اپنی والدہ کی قبر کے پائنتی دفن ہوئے۔ [۱]

حضرت نور الحق شاہ حیدر بخش قدس سرہٗ

آپ کا مشہور نام حیدر بخش ہے اور امام الدین و چراغ علی بھی ہے۔ لقب نور الحق اور قطب الدین ہے۔ آپ محبوب الحق شاہ فصیح الدین کے صاحبزادے اور قمر الحق کے نواسے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ اول امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے۔ آپ نے علوم کی تکمیل حضرت مولانا عبدالقادر قلندر قادری سیگھر پوری المتوفی سنہ ۱۲۰۲ھ سے کی ہے۔ جو ایک متبحر عالم اور کامل درویش تھے۔ آپ سنہ ۱۱۶۳ھ کو اپنے نانا حضرت قمر الحق سے سلسلہ چشتیہ احمدیہ میں مرید ہوئے۔ آپ کی باطنی تعلیمات کا تکملہ نانا کے ہاتھوں ہو چکا تھا۔ رفع شر کے لئے وصال سے چار برس پیشتر حضرت قمر الحق نور الحق کے نام خلافت نامہ لکھکر سر بمہر رکھوا گئے تھے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے شاعر

---

[۱] سمات الاخیار صفحہ ۸۱ و ۸۲۔

تھے۔ سیوان ضلع سارن کے اطراف میں ایک موضع کھمن برہ ہے۔ یہ مقام آپ کو بہت پسند تھا۔ جب وہاں جاتے تھیں قیام فرماتے۔ خود خانقاہ اور مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ ۲۵ر شوال ۱۲۲۷ھ کو اسی مقام پر وفات ہوئی مزار کھمن برہ میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ [ل]

حضرت قیام الحق شاہ امیر الدین قدس سرہٗ

آپ حضرت نور الحق کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ جب آپ شعور کو پہونچے تو اپنے حقیقی چچا مولانا شاہ حبیب الدین اور دوسرے اساتذہ جون پور سے کتب درسیہ پڑھیں۔ آپ میں ذہانت وفطانت بہت تھی۔ اپنے والد نور الحق سے سلسلہ چشتیہ احمدیہ میں بیعت تھے۔ اور تمام سلاسل کی اجازت وخلافت اور خاندانی فیوض وبرکات سے مشرف وبہرہ یاب تھے۔ آپ سے کرامت کا بہت ظہور رہا۔ آپ کا مرتبہ اس درجہ بلند تھا کہ بہت لوگ فیضیاب ہوکر مقام عروج پر پہونچ گئے۔

مولوی شاہ عبد الغفور ابو العلائی۔ یوسف پوری جو اپنے وقت کے ایک جلیل القدر درویش تھے۔ جنھوں نے ہند وعرب تک سیاحت کی۔ بزرگوں سے ملے۔ اور مقامات مقدسہ کی زیارت کی تھی۔ عرب میں ایک بزرگ سے ملے جو نہایت استغراق کی حالت میں تھے۔ آپ کو ان کے مقام اور کیفیت سے حیرت ہوئی کہ اس زمانہ میں ایسے بزرگ بھی موجود ہیں۔ پوچھا آپ کس سے مرید ہیں۔ جواب دیا کہ اپنے باپ سے۔ پھر پوچھا کہ ان کے شیخ کون ہیں جواب

[ل] سمات الاخیار صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲۔

دیا کہ حضرت قیام الحق شاہ امیر الدین جون پوری۔

آپ کی بزرگی و کرامت سے تاریخ و سیر کے اوراق لبریز ہیں۔ آپ کی وفات ۹ محرم ۱۲۶۵ھ کو ہوئی۔ اور رشید آباد میں دفن ہوئے۔ [1]

حضرت عوض علی شاہ پیر دمکی رح

حضرت عوض علی شاہ پیر دمکی مرید و خلیفہ ارشد حضرت مخدوم شاہ منصور جہانیاں کے ہیں۔ حضرت پیر دمکی صاحب سکر و جذب بزرگ تھے۔ آپ سے بہت سی کرامتیں ظہور میں آئیں۔ آپ نے شروع میں شوریدہ سری اور وارستہ مزاجی میں بسر کیا۔ بعدہٗ حسب حکم پیر جون پور میں جس جگہ قصر سلطانی بدیع المنزل تعمیر تھا جس کو سلطان بہلول نے مسمار کیا۔ آپ نے بستر لگایا۔ اور سکونت فرمائی۔ ہنوز وہ جگہ پیر دمکی کے نام سے مشہور ہے۔ اور آپ کے حلقہ عقیدت و ارادت میں بہت خلائق آئی۔ آپ کی وفات پانچ محرم کو ہوئی۔ سال وفات دریافت نہ ہو سکا۔ لہٰذا پانچ محرم کو آپ کے مزار پر بطور عرس بہت سے افراد جمع ہوتے ہیں۔ [2]

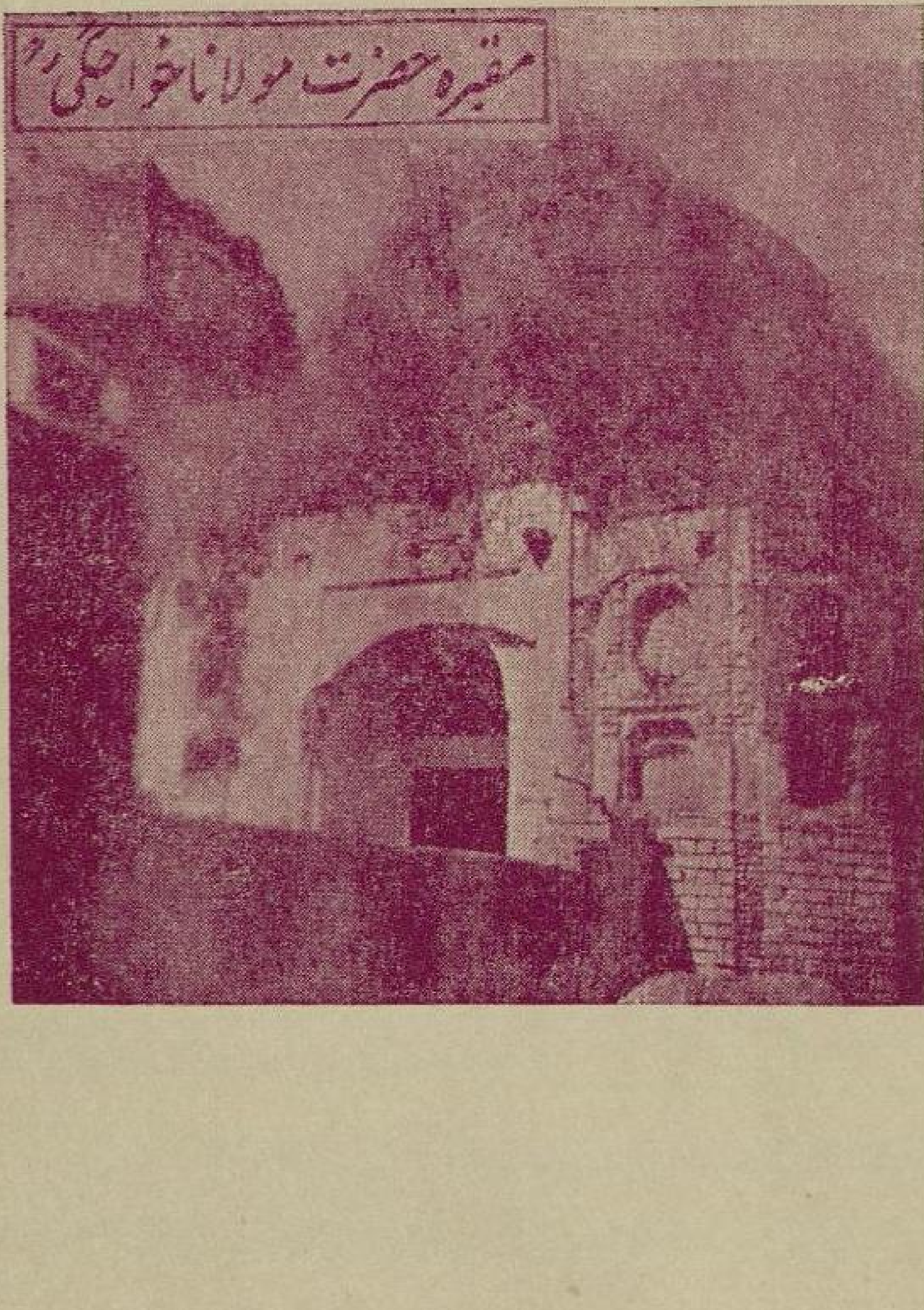
حضرت مولانا خواجگی رح

آپ علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار تھے۔ بڑے بڑے اہل کمال نے آپ سے فیض حاصل کیا ہے۔ آپ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں دہلی میں مقیم تھے۔ اور بادشاہ کی خاص نظر عنایت تھی۔ فیروز شاہ آپ کا بڑا معتقد اور بہت ہی ادب و احترام کرتا تھا۔ امیر تیمور کے حملہ کے بعد آپ نے دہلی کی سکونت ترک کردی اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے ہمراہ وہاں سے چلے

---

[1] سمات الاخیار صفحہ ۱۲۹ و ۱۳۰۔ [2] تجلی نور اول ص۔ گنج ارشدی


مزار بابا پیر دمک شاہ


مقبرہ حضرت مولانا خواجگی رح

آئے۔ ملک العلماء نے جون پور میں قیام فرمایا۔ اور آپ کالپی تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ابراہیم شاہ کو آپ کی بزرگی اور کمال شہرت کی وجہ سے قدم بوسی کی تمنا ہوئی۔ بادشاہ کالپی تشریف لے گیا۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عقیدت و ارادت اور ادب و احترام سے ملا۔ اور آپ سے جون پور آنے کے لئے بہت اصرار کیا۔ مگر ضعف اور پیری کی وجہ سے آپ رضامند نہ ہوئے۔

ابراہیم شاہ نے جون پور واپسی کے بعد آپ کی خدمت میں کئی خطوط لکھے اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین اور دوسرے علماء کرام سے سفارشیں کرائیں بمشکل تمام حضرت مولانا خواجگی راضی ہوئے۔ اور جون پور تشریف لائے۔ بادشاہ استقبال کے لئے کئی میل گیا۔ آپ کی آمد کے لئے بے پناہ خلقت کا ہجوم ہونے لگا۔ کچھ ہی عرصہ میں بے شمار عقیدتمند ہو گئے۔ ابراہیم شاہ شرقی نے آپ کی صحبت سے بہت فیض حاصل کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں ایک کثیر جماعت نے اسلام قبول کیا۔

آج جس مقام پر آپ کا مقبرہ ہے وہیں آپ کا قیام تھا۔ اور مکان سکونت تھا۔ اور اسی سے متصل ایک قناتی مسجد تھی۔ آپ کے نام سے ایک محلہ خواجگی ٹولہ آباد ہوا۔ جو آج بھی موجود ہے۔ اور سرکاری کاغذات میں درج ہے۔

فصیح الدین صاحب اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مولانا خواجگی جونپور آنے کے بعد پھر واپس چلے گئے۔ مگر مقبرے کے اندر دو قبریں خام موجود ہیں۔ جو اس بات کی شہادت پیش کر رہی ہیں کہ وہ مولانا اور ان کی اہلیہ کی ہیں۔ اب بھی مزار سے فیض جاری ہے۔ اور لوگوں کے کشود کار ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ حافظ عبد الغفور صاحب ساکن محلہ سبزی منڈی جون پور حضرت مولانا خواجگی کا عرس ۱۲ ذی الحجہ کو کیا کرتے تھے۔ چونکہ ان کے انتقال کے بعد بند ہو گیا۔ شہر جون پور کا کوئی شخص

آپ کے صحیح حالات یا واقعات بتلانے سے قاصر ہے۔ عمارت روضہ کی حالت اچھی نہیں ہے۔ گھاس پھوس کا ڈھیر ہے۔ مسمار اور شکست ہونے کے بہت ہی قریب ہے [1]

حضرت مخدوم ملا احمد عرف ملا جیون جونپوری قدس سرہٗ

حضرت مخدوم ملا احمد عرف جیون آپ اپنی عرفیت کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ آپ کا خاندان کس زمانہ اور کس بادشاہ کے عہد سلطنت میں جون پور آیا۔ تاریخ خاموش ہے حضرت ملا جیون تمام علوم ظاہری و باطنی سے سیراب تھے۔ زہد، تقویٰ، پابندی شریعت میں آپ کا بہت بلند مرتبہ تھا۔ نام و نمود سے پرہیز تھا۔ توکل آپ کا شیوہ تھا۔ درس تدریس اور یاد الٰہی دنیا میں یہ ہی دو کام تھے۔

چنانچہ جب شاہ جہاں بادشاہ کو شہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم کے لئے ایسے استاد کی ضرورت ہوتی۔ جو علوم ظاہری کے علاوہ اخلاق، عادات اور آداب نبوی کے طریقہ پر تعلیم دے سکے۔ اور شاگرد کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر سچا اور پکا مسلمان بنا سکے۔ چنانچہ پہلے دہلی میں اور اس کے قرب وجوار میں ایسا استاد تلاش کیا گیا۔ مگر دستیاب نہ ہو سکا۔ پھر جون پور پر نظر پڑی حاکم جون پور بلایا گیا۔ بادشاہ نے خود منشا ظاہر فرمایا۔

حاکم جون پور حضرت مخدوم ملا جیون کا عقیدتمند تھا۔ درباری علماء سے مرعوب ہو کر حضرت ملا جیون کے متعلق دربار میں کچھ عرض نہ کر سکا۔ واپسی جونپور

---

[1] شرقی منومنٹ ص۲۳۔

کی اجازت حاصل کر کے جون پور واپس آیا۔ اور حضرت ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کا منشاء ظاہر فرمایا۔ آپ نے دہلی جانے سے انکار کر دیا۔ الغرض بڑی منت سماجت کر کے حضرت ملا جیون رحمتہ اللہ علیہ کو لے کر دہلی پہنچا اور دربار میں حاضر ہو کر حضرت مخدوم ملا جیون کے زہد، تقویٰ، علم وفضل کے مختصر حالات بیان کئے۔ اور ملا صاحب کی حاضری دربار کی اجازت حاصل کر کے ملا صاحب کو لا کر روبرو شہنشاہ ہند کے کھڑا کر دیا۔ بادشاہ حضرت ملا جیون کو دیکھتے ہی گرویدہ ہو گیا۔ حضرت ملا ایک سیدھے سادے مسلمان گاڑھے کے موٹے کپڑوں میں ملبوس دنیا کی ہر فطرت سے ناواقف، پابند شریعت اللہ کے ذکر میں دل ذاکر۔ السلام علیکم بآواز بلند کہہ کر دربار میں کھڑے ہو گئے نگاہ سلطانی نے کئی بار حضرت ملا صاحب کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ شہزادہ بلایا گیا۔ استاد شاگرد ملائے گئے۔ شہزادے نے استاد سے مل کر بادشاہ کے حضور میں کچھ کہا۔ شہزادہ حضرت ملا جیون رحمتہ اللہ علیہ کو لے کر شاہی محل میں چلا گیا۔ حضرت ملا صاحب کو خدمت اتالیقی عطا کی گئی۔ رفتہ رفتہ بادشاہ، وزراء امراء اور تمام ارکین سلطنت حضرت ملا جیون کے عقیدتمند وارادت مند ہو گئے۔ حضرت ملا جیون نے بعد عطائے جاگیر قصبہ امیٹھی ضلع لکھنو نیز جون پور کی سکونت ترک نہ فرمائی۔ اور نہ آپ کبھی بادشاہ کے شان وشکوہ سے مرعوب ہوئے۔

حضرت ملا احمد جیون کے سفر کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ عالمگیر جب تخت سلطنت پر رونق افروز ہوا تو حضرت ملا صاحب کی خدمت اقدس میں جون پور عرضداشت لکھا کہ خادم بوجہ خدمات سلطنت حاضر ہونے سے قاصر ہے۔ مگر یہ بھی بے ادبی ہے کہ حضور کو دہلی آنے اور سفر کی زحمت اٹھانے کی تکلیف دوں۔ مگر اشتیاق زیارت مجبور کر رہا ہے کہ اس

قسم کی زحمت دوں۔ انتظام سفر درست کر دیا گیا ہے۔ ملا صاحب نے بادشاہ کو دہلی آنے کی اطلاع دی۔ مگر وقت مقررہ پر آپ دہلی نہ پہونچے۔ بادشاہ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں ملا صاحب نے لکھا کہ بموجب وعدہ وقت مقررہ پر دہلی پہنچا مگر جمنا کے پل پر ایک گاڑی خالی جون پور جاتی ہوئی ملی۔ گاڑی وان نصف کرایہ پر جون پور پہونچانے پر تیار ہو گیا۔ میں سستا کرایہ دیکھ کر جون پور واپس لوٹ آیا۔ اب دہلی ضرور آؤں گا۔ ملا صاحب دہلی پہونچے۔ بڑے تپاک سے بادشاہ خود اور اراکین سلطنت نے آپ کا استقبال کیا۔ شاہی محل کے اندر آپ کے قیام کا انتظام ہوا۔ ملا صاحب نے ایک تھان گزی کا بادشاہ کو سوغات میں دے کر فرمایا کہ اس سوت کے ہر تار پر کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کو والدہ نے کاتا ہے۔ اور پھر اس کے سوت کی پنڈی درود شریف پڑھ کر بنائی ہے۔ پھر حلال پیسے سے اس کی بنائی دی گئی ہے۔ عالمگیر نے اس متبرک تھان کو آنکھوں سے لگایا۔ چوما اور سر پر رکھا۔ پھر داروغہ توشہ خانہ کے حوالے کر کے اس کو حفاظت سے رکھنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد ایک ہانڈی مٹی کی دیا جس میں گلگلے تھے۔ فرمایا کہ والدہ صاحبہ نے چرخہ کات کر حلال پیسوں سے یہ گلگلے تیار کیا ہے۔ بادشاہ نے بڑی تعظیم سے گلگلہ لیا۔ اور تھوڑا منہ میں رکھا۔ چونکہ کئی روز کا پکا ہوا ہانڈی میں بند تھا اس لئے مزہ خراب ہو گیا تھا۔ بادشاہ اس ایک لقمہ کو بھی نہ کھا سکا۔ اور ابکائی آئی تھوک دیا۔ بادشاہ کی یہ حرکت ملا صاحب کو پسند نہ آئی۔ اور کہا کہ حرام کا لقمہ کھانے والے کی حلال لقمہ کھانے کی قوت سلب ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ حلال لقمہ کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ بادشاہ نے اپنے استاد کی سخت باتوں پر اُف نہ کیا۔ اور نصیحت حاصل کی۔

کہتے ہیں کہ آپ کی وفات جون پور میں سنہ ۱۱۳۰ھ میں ہوئی۔ اور آپ کا مزار متصل عیدگاہ جون پور ایک کھرنی کے درخت کے نیچے مرجع خلائق ہے سال وفات دریافت نہیں ہو سکا آپ کی اولاد قصبہ امیٹھی ضلع لکھنؤ میں راجہ کے خطاب کے ساتھ جاگیر و عطیات شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر زندگی بسر کر رہی ہے۔ —— حضرت مخدوم ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ سے بادشاہ عالمگیر نے شاہی محل سرا کا پردہ اٹھا دیا تھا۔ بعض کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے۔ کہ حضرت ملا صاحب بادشاہ سلامت سے مل کر جائے قیام پر تشریف لے جا رہے تھے اور بادشاہ اندر محل آرام کے لئے جا چکا تھا۔ جب ملا صاحب ڈیوڑھی محل پر پہونچے تو ایک سائل پریشان آپ کو ملا۔ اور بہت گریہ وزاری کے ساتھ عرض کیا کہ میں دوڑ رہا ہوں میری عرضی بادشاہ تک نہیں پہونچتی۔ آپ اس کی گریہ وزاری پر پریشان ہو گئے۔ اور اس کی عرضی لے کر محل سرا میں بادشاہ کے پاس پہونچ گئے۔ اور فرمایا کہ اورنگ زیب اس پریشان کی عرضی پر حکم دیدے اور اس کی پریشانی دور کر دے میں تیرے آرام میں مخل ہوا۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا اور فوراً مناسب حکم لکھ دیا۔ اور حکم دیا کہ آپ سے محل کے اندر کوئی پردہ نہیں۔ آپ بلا کسی خیال کے جب چاہیں تشریف لاویں۔ ملا صاحب دعا دیتے ہوئے باہر تشریف لائے اور سائل کو عرضی واپس کیا۔ کہ ایک بڑھیا عورت نے گریہ وزاری کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں بھی عرصہ سے بادشاہ کے حضور میں عرضی پیش کرنے کے لئے آتی ہوں مگر مجھ ضعیفہ پر کسی کو رحم نہیں آتا۔ آپ اس سے عرضی لے کر پھر محل سرا میں تشریف لے گئے۔ اور بادشاہ سے کہا کہ اس سائل کی درخواست پر حکم دیدے بادشاہ کھڑا ہو گیا۔ اور آپ کی داڑھی مبارک کو بوسہ دیا۔ اور حکم لکھ کر دیدے

دیا۔ اور اراکین ڈیوڑھی کو بہت سخت حکم صادر فرمایا۔ کہ جب کوئی سائل آئے فوراً اس کی عرضی میرے پاس پہونچائی جائے۔ ایک منٹ کی دیر نہ کی جائے اور ایک خاص آدمی اس خدمت پر مقرر کیا گیا۔

رسالہ[1] ساقی ستمبر ۱۹۳۱ء کے صفحہ ۲۴ میں ہے کہ ایک روز شب میں بعد فراغت بادشاہ نے حضرت ملا جیون کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور، جبتک کمرے میں روشنی نہیں ہوتی مجھے اندھیرے میں نیند نہیں آتی پریشان ہوں کہ قبر کی تاریکی میں کیسے سو سکوں گا۔ حضرت ملا جیون نے فرمایا کہ اے اورنگ زیب تیری یہ پریشانی حق بجانب ہے۔ جب تو دفن کیا جائے گا۔ تو تجھ پر حقیقت ظاہر ہو گی۔ کہ جب سے وہ آفتاب رسالت یعنی حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم زیر زمین جلوہ گر ہوتے ہیں۔ زمین کے تمام طبقات روشن اور جلوہ گر ہو گئے ہیں۔ تم کو حبیب کبریا رحمتہ اللعالمین کے صدقے میں آرام سے پیر پھیلا کر انوار رحمت میں سونا نصیب ہو گا۔ اس طرح کے بہت سے واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت شمس الحق بڑے حقانی رح

حضرت شمس الحق بڑے حقانی۔ خانوادہ چشتی روشن سلوک زہاد مشرب جونپور کے بڑے مشائخوں میں سے تھے۔ اور خواجہ عیسیٰ تاج کے خلیفہ اکبر تھے۔ آپ علوم ظاہری سے بہت کم عمری میں فارغ ہو گئے۔ اور علم معرفت میں یگانہ روزگار تھے۔ حضرت شمس الحق رحمتہ اللہ علیہ بزرگ جامع علوم شریعت، طریقت و حقیقت و معرفت، زہد و ورع و اہل سماع و وجد تھے۔

---

[1] رسالہ ساقی ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۴۔ تذکرۃ الکرام فی تاریخ خلفائے عرب و الاسلام

ایک مرتبہ آپ کی محفل میں قوال نے ایک شعر ہجر اور فراق کا پڑھا حضرت شیخ کو وجد اس حد تک ہوا کہ لوگوں نے سمجھا کہ وصال ہوگیا۔ حاضرین محفل جو اس حال سے واقف تھے انھوں نے قوال کو حکم دیا کہ دوسرا شعر جس میں قرب و وصال محبوب کا ذکر ہو پڑھو۔ قوال نے پڑھا۔ سنتے ہی آپ میں تازگی اور فرحت پیدا ہوئی۔ گویا پھر سے نئی روح آپ کے قالب میں آئی۔ شیخ کی درس و تعلیم میں یہ اثر تھا کہ بہت سے اکابر شہر جون پور بخیال شرف سعادت و برکت آپ سے سبق پڑھا کرتے تھے۔

کتاب ثمرات القدس میں لکھا ہے کہ بادشاہ و فقیر کے معاملات میں حق فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی عمر شریف ایک سو اسّی سال سے اوپر کی ہوئی۔ بدیں وجہ اس دیار میں تقریب سال گرہ میں بخیال برکت عمر آپ کا فاتحہ ہوتا ہے۔ آپ کی وفات جون پور میں ۲۸ رصفر ۹۵۰ھ ہمایوں بادشاہ کے عہد میں ہوئی۔ مزار پختہ محلہ پورانی بازار میں موجود ہے۔ [۱]

حضرت شیخ فتح اللہ حقانی قادری رح

حضرت شیخ فتح اللہ حقانی قادری۔ حضرت شیخ بڑے حقانی کی اولاد سے تھے۔ اور سید صدر الدین راجو بخاری سے آپ کو بڑی عقیدت و ارادت تھی۔ اور حضرت سید صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو خلافت کی خلعت ملی۔ حضرت شیخ فتح اللہ بزرگ اور صاحب کشف و کرامت تھے۔ اکثر آپ سے کرامتیں بھی صادر ہوئیں۔ اور اس قدر عبادت و ریاضت میں کوشش فرمائی کہ بہت مشہور عالی مرتبہ ہوئے مزار

---

[۱] تشگرف صـ۲۵۔ بحر ذخار۔ گنج ارشدی۔

محلہ ارزن شہر جون پور میں ہے۔ [1]

حضرت شیخ ارزانی قادری رح

حضرت شیخ ارزانی قادری شیخ فاروقی تھے۔ آپ کے باپ دادا بنارس میں دفن ہیں۔ حضرت شیخ میں علم، حلم، صبر و رضا و تسلیم بہت زیادہ تھا۔ آپ سے کرامت و خوارق بھی ظاہر ہوئیں۔ خرقہ خلافت و اجازت حضرت فتح اللہ حقانی سے پہونچا۔ آپ نے بہت بڑی قبولیت پائی۔ اور صاحب سلسلہ بزرگ گذرے ہیں آپ کے مریدوں میں اکثر کمالات ظاہری و باطنی کو پہونچے۔ رات دن تلاوت قرآن میں گذارتے۔ اور ہر روز بعد نماز تا نصف شب ایک قرآن ختم کرتے۔ بعد ازاں کھانا کھاتے۔ کلام پاک آہستہ آہستہ زیر لب پڑھتے۔ اکثر آیات سنائی نہ دیتی۔ اذان و کلام اللہ کے سننے کا اس قدر شوق تھا کہ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا مدفن ایسی جگہ ہو جہاں سے آواز اذان و نماز سنائی دے۔ چنانچہ بروز جمعہ بتاریخ ۲ ار رجب المرجب ۱۰۱۰ھ ہجری انتقال فرمایا۔ اور قریب جامع مسجد آپ کا مزار پختہ موجود ہے۔ جب آپ قبر میں رکھے گئے اور منہ کھولا گیا تو دیکھا گیا کہ آپ کے لب ہائے مبارک ہل رہے ہیں اور کلام پاک تلاوت فرما رہے ہیں [2]۔

حضرت مخدوم شیخ بہاء الدین چشتی رح

حضرت مخدوم شیخ بہاء الدین جون پوری چشتی مشہور مشائخ و اکابر جون پور اور قاضی حمید الدین ناگوری کی اولاد سے تھے۔ بیعت و ارادت حضرت شیخ محمد عیسیٰ سے تھی۔ اور خلافت سید راجے حامد شاہ سے پایا۔ چونکہ سعادت

---

[1] تجلی نور اول ص ۲۶۔ دار الآخرت [2] زاد الآخرت، گنج ارشدی۔

ازلی مقدر ہیں تھی۔ ایک مرد بزرگ صاحب نعمت وکرامت شیخ حسین نام گجرات کی طرف سے بہ شوق ملاقات حضرت شیخ محمد عیسیٰ جون پور تشریف لائے۔ وہ کیمیا بنانا جانتے تھے۔ ایک روز شیخ بہاء الدین کو دیکھا کہ طالب العلم اور جوان صالح مستحق فیض باطن ہے، شیخ بہاء الدین کو لے کر جنگل کی طرف گئے اور کیمیا بنانے کی ترکیب بتلایا اور فرمایا کہ بقدر ضرورت اس طور پر بنالیا کرو۔ حضرت شیخ بہاء الدین نے عرض کیا کہ مجھے اس کیمیا کے علاوہ دوسری کیمیا کی ضرورت ہے۔ حضرت شیخ حسن حضرت شیخ بہاء الدین کی اس گذارش پر بہت خوش ہوئے۔ اور باطن کی تربیت کی طرف توجہ فرمائی۔ اس درمیان میں حضرت شیخ حسین حضرت محمد عیسیٰ رحمتہ اللہ علیہ سے نعمت خلافت وخرقہ حاصل فرمایا اور گجرات کی طرف واپس گئے۔

شیخ حسین کی واپسی کے بعد حضرت شیخ بہاء الدین حضرت شیخ محمد عیسیٰ کے حلقہ ارادت ہیں شامل ہوکر خلافت کے علاوہ نعمتیں حاصل فرمایا۔ بوقت رحلت حضرت شیخ محمد عیسیٰ رحمتہ اللہ علیہ۔ جب شیخ بہاء الدین حاضر ہوئے تو حضرت شیخ محمد عیسیٰ نے فرمایا کہ بہاء الدین خرقہ خلافت تم کو سید سے ملے گا۔ جو مانک پور ہیں رہتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سید راجے حامد شاہ جونپور تشریف لائے اور خرقہ خلافت حضرت شیخ بہاء الدین کو پہنایا۔

وفات حضرت شیخ بہاء الدین ۹۴۷ھ ہیں ہوئی۔ مزار پختہ محلہ شاہ اڈہن شہر جون پور احاطہ مکان مولوی انعام حسین موجود ہے۔ [1]

---

[1] اخبار الاخیار۔ بحر ذخار۔ انوار العارفین۔

حضرت مخدوم شاہ اڈھن چشتیؒ

حضرت مخدوم شاہ اڈھن چشتی مرید و تربیت یافتہ اپنے والد بزرگوار حضرت مخدوم شیخ بہاء الدین جون پوری کے تھے۔ حضرت مخدوم شاہ اڈہنؒ اپنی تمام عمر کوشش کے ساتھ عبادت اور تحصیل علوم ظاہری و باطنی میں گذاری۔ علم ظاہری میں کامل ہونے کے باوجود آپ نے درس نہیں دیا۔ حضرت مخدوم شاہ اڈہن ہمعصر حضرت مخدوم بندگی جلال الحق قاضی خاں ناصحی ظفرآبادی و مخدوم سید درویش ابی محمد محمود ظفرآبادی و مخدوم سید علی عاشقاں سرائمیری تھے۔ حضرت مخدوم شاہ اڈھن کے زمانہ میں ایک عظیم گروہ بزرگوں کا تھا۔ مگر حضرت مخدوم شاہ اڈہن سلسلہ چشتیہ میں بہت زیادہ شہرت رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم شاہ اڈہن کی عمر طبعی صحیح نہیں معلوم ہوسکی۔ مگر آپ کی عمر سّو سال سے زیادہ تھی۔ آپ کے حیات میں پسران ستّر و اسّی سال کے موجود تھے۔

کہتے ہیں کہ جب آپ کے لڑکے آپ کے گرد بغرض تربیت بیٹھتے تھے تو یہ سمجھنے میں دشواری ہوتی تھی کہ حضرت مخدوم کون ہیں اور ان میں اولاد کون ہیں۔ ایک روز شیخ بہاء الدین کی خدمت میں حضرت شیخ محمد عیسیٰ موجود تھے۔ حضرت شیخ محمد عیسیٰ نے بر وقت نماز اول تکبیر میں دریافت کیا۔ کہ تمہارا لڑکا انتقال کرگیا ہے مگر باوجود اس کے کہ کوئی دوسرا آدمی تجہیز و تکفین کیلئے موجود نہیں ہے۔ آپ نے نماز باجماعت نہ چھوڑی اور جب آخر تشہد میں پہونچے تو بعد فراغت نماز فرمایا کہ اسی سال کے اندر شیخ اڈھن تمہارے گھر میں پیدا ہوں گے۔

آپ کی وفات سنہ ٩٧٠ھ جون پور میں عہد سلطنت اکبر اعظم میں ہوئی اور محلہ مخدوم شاہ اڈھن جون پور میں مزار پختہ موجود ہے۔ آپ کی اولاد اسی محلہ

شاہ اڈہن میں اور کچھ خاندان کے لوگ قصبہ سلون میں آباد ہیں۔ مقبرہ مخدوم کا منعم خان خاناں نے باہتمام میرزاہد بیگ معتمد خویش تعمیر کیا۔ مگر اس وقت مقبرہ کی عمارت نہیں ہے بلکہ مزار سے ایک فٹ بلند دیوار ہے۔ منجھو قوال آپ ہی کے حلقۂ ارادت میں شامل تھا۔ ؎۱

حضرت شیخ قطب الدین چشتیؒ

حضرت شیخ قطب الدین چشتی حضرت مخدوم شاہ اڈہن کے لڑکے اور انھیں کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ صاحب ریاضت و عبادت تھے۔ بعد وصال حضرت مخدوم شاہ اڈہن مسند مشیخت پر بیٹھے۔ تعلیم و تلقین میں مصروف ہوئے وفات آپ کی ۲۰ رمضان شریف ۱۰۷۶ھ میں ہوئی۔ مزار پختہ اندر روضہ مخدوم ہے ؎۲

حضرت قیام الدین چشتیؒ

حضرت قیام الدین چشتی پسر شیخ قطب الدین نبیرہ و مرید و خلیفہ مخدوم شاہ اڈہن ہیں آپ صاحب حال و قال اور شیخ وقت اپنے زمانہ کے قطب بڑے اللہ والے بزرگ تھے۔ آپ کے جمال مبارک میں اولیائے عظام کی طرح بہت زیادہ فیوض تھا وفات آپ کی ۲ جمادی الثانی ۱۰۹۳ھ میں ہوئی۔ مزار شریف مقبرہ مخدوم شاہ اڈھن پائین مزار ہے۔ ؎۳

؎۱ تذکرۃ العلماء اول صفحہ ۲۸ تا ۳۰۔ منتخب التواریخ۔ سفینۃ الاولیاء۔ اخبار الاخیار ؎۲ تجلی نور اول ص۳۰۔ دفینات الاعلام ؎۳ شنگرف اول ص۳۱۔ گنج ارشدی۔

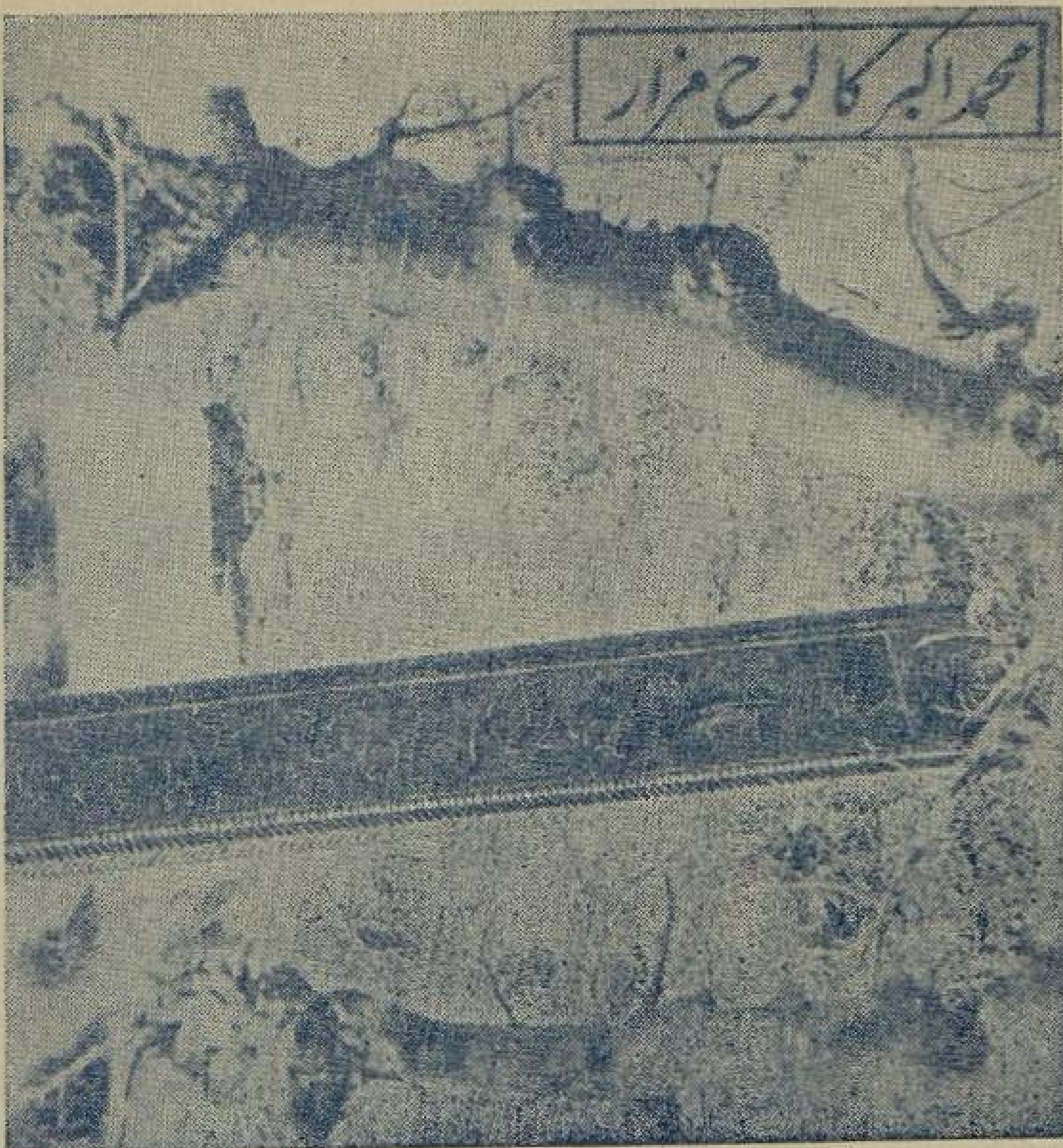
حضرت شیخ عبدالحی چشتی رح

حضرت شیخ عبدالحی چشتی نبیرہ حضرت مخدوم شاہ اڈہن ۹۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بروز دوشنبہ بتاریخ ۸ ربیع الاول ۱۰۱۸ھ رحلت فرمایا۔ مزار پختہ اندر مقبرہ مخدوم شاہ اڈہن ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ بہت بڑے بزرگ اور صاحب کمال اہل سماع وجد تھے۔ آپ امیروں کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے فقر و توکل و قناعت میں بسر کرتے تھے۔ سلہ

حضرت مخدوم شیخ جہانگیر سہروردی رح

حضرت مخدوم شیخ جہانگیر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سیرت الاولیا لا عبدالعزیز میں لکھا ہے کہ بعد وفات مخدوم رکن الدین شاہ جلال بڑے لڑکے سجادہ نشین ہوئے اور اپنے پیروں کی طرح تمام کام انجام دیتے رہے۔ اور خانقاہ، حجرہ و مسجد سنگین تعمیر کرایا۔ اسی مسجد سنگین کے صحن میں مزار حضرت مخدوم رکن الدین ہے۔ جہانگیر پسر اوسط مخدوم رکن الدین مرید و خلیفہ اپنے بڑے بھائی کے تھے۔ تمام عمر مضبوط خاندانی طریقہ میں ختم کیا۔ کہتے ہیں کہ شاہ جہانگیر سلسلہ سہروردیہ میں بے مثال نیک نفس بزرگ تھے۔ اور ہمیشہ مجاہدہ و مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ اور نفس امارہ کو اپنے ریاضت کے زور پر ختم کر دیا تھا۔ سلطان حسین شرقی کبھی کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ مگر آپ سے ملاقات نہ ہوتی۔ بجز اس دن کے کہ آپ حضرت مخدوم عیسیٰ تاج رحمۃ اللہ علیہ کے دفن میں شریک ہوئے تھے۔ آپ سلطنت سکندر لودی تک زندہ رہے۔ وفات آپ کی ۲۲ شوال ۹۱۵ھ کو ہوئی۔

سلہ گنج ارشدی۔



محمد اکبر کا لوح مزار



جلال الدین کا لوح مزار



مزار و مسجد حضرت مخدوم شاہ اڈھن رح

مزار پختہ اندر صحن مسجد جانب راست قبر مخدوم رکن الدین جون پور میں ہے۔
محلہ جہانگیر آباد آپ ہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ سلطان جہانگیر کا آباد کردہ
نہیں ہے [1]

حضرت مخدوم شاہ کبیر سہروردیؒ

مخدوم شاہ کبیر سہروردی پسر و مرید و خلیفہ مخدوم شاہ جہانگیر سہروردی کے تھے۔ شریعت القدس میں ہے شیخ کبیر عجائب روزگار، صاحب کشف وکرامات علم ظاہری و باطنی میں مجتہد وقت تھے کثرت عبادات اور مجاہدات میں اپنے زمانہ کے مشائخوں میں بلند مرتبہ رکھتے تھے شاہ کبیر پدر بزرگوار کے روبرو بارہ سال کی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد طریق سلوک میں درجہ کمال حاصل کیا۔ آپ کو لذت عشق ایسا حاصل ہو گیا تھا کہ آپ دنیا کی تمام لذتوں سے متنفر ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ سلطان عادل شاہ نے ایک ہزار روپیہ بطور ہدیہ بھیجا۔ اس وقت خانقاہ میں جو لوگ اور فقرا موجود تھے وہ روپیہ تقسیم کر دیا گیا۔ اپنے لیے کچھ نہ رکھا۔

زمانہ قحط سالی میں چند جماعت فقیروں کی آئی۔ آپ نے نہایت آسودگی سے فقیروں کو کھانا کھلایا۔ کہ دنیا کو تعجب ہوا کہ ظاہرا کوئی صورت و ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اور یہ بخشش اور عطا کیلئے کیسے انتظام ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ شیخ کو مرتبہ غوثیت حاصل تھا۔ اور آپ اپنے اس مرتبہ اور درجہ کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ صاحب گنج ارشدی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ناصر

---

[1] شگرف اول۔ صفحہ ۴۳۔ سیرت الاولیا۔ گنج ارشدی۔
جغرافیہ جون پور قلمی ص۲۷

وہاجی بڈن اور مخصوص لوگوں سے سنا۔ کہ حضرت مخدوم شاہ کبیر کا ہر عضو جسم سے علیحدہ ہوکر ذکر الٰہی میں مصروف ہوتا تھا۔ وفات آپ کی ۲۰ شعبان بروز پنجشنبہ ۹۶۲ھ میں ہوئی۔ قبر پختہ محلہ تاڑتلہ کنارے دریا۔ دروازہ مسجد سنگین پورب جانب موجود ہے۔ ؎۱

میر انصاری جونپوری

ایک پختہ قبر پورانی بازار میں حضرت مخدوم شاہ بڑے کے مزار کے پورب سمت پانچ قدم کے فاصلہ پر ہے۔ پورا پتھر بلا جوڑ کا ہے جس کے چاروں طرف پہلو میں آیۃ الکرسی اور صاحب مزار کا نام اور تاریخ ودیگر اشعار ابھرے ہوئے لکھے ہیں۔ بہت سے حروف ٹوٹ گئے ہیں مزار کے چاروں طرف گندگی اور کوڑوں کا ڈھیر ہے۔ قبر کے پتھر کی لمبائی نو بالشت چوڑائی دو بالشت اور موٹائی ڈیڑھ بالشت ہے۔ دکھن طرف "قدمات دست میر انصاری" کندہ ہے۔ اور پورب جانب حاشیہ پر العشرین من شہر رمضان سنہ ستین ثمانیہ کندہ ہے۔ جو لوگ وہاں آباد ہیں ان سے دریافت کیا گیا مگر کچھ پتہ نہیں چلتا۔ حالاں کہ یہ خاندان صدیوں سے آباد ہے

سید محمد اکبر و سید جلال الدین جونپوری

یہ دونوں مزار محلہ قاضی قطبی جونپور میں ایک بہت ہی بلند اور وسیع چبوترے پر واقع ہے ایک قبر اور پورب کیطرف تھی جو شکستہ ہے اور اس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ یہ دونوں قبریں بھی شکست ہوگئی ہیں۔ پچھم طرف کی قبر پر پائینتی ایک لوح مزار ہے جس پر

؎۱ تشریعت القدس۔ تجلی نور اول صفحہ ۳۶،۲۵۔ سیرت الاولیاء۔ گنج ارشدی

ایک شعر ابھرا ہے ؎

از بہر سال تاریخ از طبع خود نہانہ
کردم چو فکر گفتا رفت اکبر از زمانہ

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب مزار کا نام اکبر تھا۔ جن کی وفات اکبر اعظم کے عہد حکومت ۱۰۱۳ھ میں ہوئی ہے۔ اس کے بعد دائے مزار پہ سراہنے ایک لوح مزار پڑا ہوا ہے۔ اس پر بھی ایک شعر ابھرا ہوا تھا اور صاحب مزار کا نام سید جلال الدین کندہ تھا۔ مگر عبارت کا زیادہ حصہ ٹوٹ گیا ہے۔ البتہ سراہنے ایک لوح مزار رکھا ہوا ہے۔ جس پر قرآن کی آیت نہایت شاندار عربی خط میں ابھری ہوئی ہے۔ چبوترے کی بلندی قبر کی بناوٹ اور سجاوٹ اور مختلف لوح مزار کا ہونا اس بات کا قطعی ثبوت ہے۔ کہ یہ دونوں بزرگ عہد ہمایوں بادشاہ سے اکبر اعظم کے دور حکومت تک نہایت ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔ اہل محلہ اب بھی ان کے فیض اور برکت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان قبروں کی حالت دیکھکر بڑا افسوس ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کی ذرا بھی توجہ نہیں بلکہ ایک نیب کا درخت تھا اس کو بھی فروخت کر کے اس کے روپئے کو بری طرح برباد کیا۔ حالاں کہ وہ لوگ بزرگان دین سے الفت و محبت کا راگ الاپتے ہیں۔ اور دیوبندی و بریلوی کی تفریق میں زبردست حصہ لیتے ہیں مگر اعمال سے کورے ہیں۔ اس وقت مزار اور چبوترے پر خود رو جلیبل کے درختان ہیں جنھوں نے اور بھی قبروں اور چبوتروں کو توڑ دیا ہے۔ میں نے درستگی کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوسکی۔

حضرت بندگی شیخ فخرالدین فخرعالم سہروردی

حضرت بندگی شیخ فخرالدین فخرعالم سہروردی حضرت شیخ کبیر کے پسر اور خلیفہ تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ فخرعالم اسی سال کی عمر تک علوم ظاہری حاصل کرنے میں مصروف رہے۔ بعد تکمیل چند سال درس تدریس بھی دیا۔ پھر چالیس سال خلوت میں گزرا۔ تین سال اپنے عزیز قریب اور دوسرے لوگوں سے بالکل قطع تعلق رہے۔ اس قدر مشغول و بدحواسی تھی کہ رات دن ہاتھ زمین پر رکھے سجدے میں مستغرق مشاہدہ الٰہیہ میں محو رہتے۔ اور اس قدر عالم استغراق تھا کہ چیونٹیاں جمع ہو کر داہنے ہاتھ کا گوشت و چمڑہ کھا گئی تھیں۔ اور آپ کو قطعی خبر نہ ہوتی ایک روز آپ کی والدہ روتی ہوئی حجرہ میں پہونچیں آپ کا ہاتھ مبارک بیچ حجرہ سے باہر لائیں۔ عزیز اقارب دوست آشنا حاضر ہوئے۔ مگر آپ جذب دل ایسا رکھتے تھے کہ کسی کو پہچان نہ سکے۔ ایک روز مجلس سماع حضرت مخدوم شاہ اڈہن میں تشریف لے گئے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میاں فخرالدین اللہ کا شکر ہے۔ کہ آپ کے دل سے خوشبو طلب خدا کی آتی ہے۔ وفات آپ کی ۲۲ رمضان المبارک ۹۹۵ھ میں ہوئی۔ قبر پختہ داہنے جانب قبر حضرت کبیر رحمۃ اللہ علیہ موجود ہے۔[1]

حضرت مخدوم شاہ منصور سہروردی رح

حضرت مخدوم شاہ منصور سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔ برادر سوئم حضرت مخدوم کبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جملہ اکابر و خدام و علماء جون پور حاضر ہوئے۔ اور حضرت شاہ منصور کو خرقہ سجادگی و دستار فضیلت پہنایا۔ اور دیگر لڑکوں کو

---

[1] شنگرف اول صفحہ ۳۸ - گنج ارشدی۔

تبرکات خرقہ تقسیم کیا۔ قوالوں نے غزل حضرت امیر خسرو دہلوی پڑھی۔ غزل ؎

اے بدرماندگی پناہ ہمہ　　کرم تست عذرخواہ ہمہ

بہ طفیلے ہمہ قبولم کن　　اے الا من والا ہمہ

گر د نعلین رہروان رہت

شرف تکمہ کلاہ ہمہ

پس حضرت شاہ منصور پر عجب حالت طاری ہوتی اور درد دل میں ایسے گرفتار ہوئے کہ دل کو ہوش تھا اور نہ جسم میں جوش تھا۔ کہتے ہیں کہ شاہ منصور نے اپنے بزرگوں کی طرح سلسلہ سہروردیہ کو فروغ دیا۔ اور فقراء وطلبہ کی خدمت کرتے رہے صاحب گنج ارشدی لکھتے ہیں کہ ایک روز شاہ منصور نماز کے لئے کھڑے ہوئے درمیان نماز ایک فقیر مجذوب نے بروقت سجدہ جست لگایا جس سے آپ کا سر مبارک زخمی ہوگیا اور خون جاری ہوگیا۔ نماز توڑ دی گئی۔ حاضرین نے کہا کہ فقیر نے آپ کو تکلیف دی ہے۔ لہذا اس کو سزا دی جائے۔ مگر آپ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ مہمانوں کی خاطر مدارات و خدمت ہم فقیروں کے بزرگوں کا طریقہ رہا ہے۔ نہ کہ تکلیف۔ دوبارہ وضو کرکے نماز جماعت ادا فرمایا۔ دوسرے وقت جب تذکرہ فرمایا کہ مجھ کو نماز میں قطعی خبر نہیں ہوئی۔ کہ میرا سر زخمی ہوگیا ہے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ میرے سر سے خون جاری ہے۔ میں نے نماز توڑ دی۔ سبحان اللہ اس قدر حضور قلب اور استغراق ذکر کے ساتھ آپ کو تھا کہ سر پھوٹ گیا۔ خون جاری ہوا مگر آپ کو ہرگز خبر نہ ہوئی۔ نوے سال کی عمر کے اندر تک آپ نے اپنے رہنے کے لئے مکان نہیں بنایا۔ عقیدتمندان و محبان صادق حاضر ہوکر عرض کرتے کہ اگر حکم ہو تو مہمانوں کے لئے مکان تعمیر کرایا جائے۔ آپ مسکرا کر فرماتے کہ مٹی کے کام سے بہتر ہے کہ دل کا کام کیا جاوے۔

منعم خاں خانخاناں کو آپ سے بہت عقیدت تھی اور اکثر حاضر خدمت رہا کرتے تھے۔ وفات آپ کی تیسری جمادی الثانی سنہ ۱۰۰۴ھ اکبر اعظم کے عہد میں ہوئی۔ آپ کا مزار پختہ شہر جون پور محلہ تاڑتلہ کنارہ دریا قبر حضرت کبیر سہروردی سے جانب پورب و دکھن بفاصلہ ۵۰ قدم اندر آراضی مزروعہ موجود ہے۔ اب یہ خاندان بے چراغ ہے۔ مکان اور خانقاہ کا نشان بھی موجود نہیں ہے۔ مسلمانوں نے خود ہی تمام مٹا ڈالا ہے۔ دیکھو اور اس قوم پر عبرت کرو۔ [۱]

حضرت مخدوم حسن طاہر چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم حسن طاہر چشتی جونپور کے بڑے شائخوں میں تھے اور حضرت مخدوم تاج علیؒ جون پوری کے داماد تھے۔ والد آپ کے ملتان سے بطلب علم جونپور آئے اور جون پور میں اقامت فرمائی۔ اور تا حصول علم مدت تک شیخ بڈے حقانی حاضر رہے۔ بعدہ شہر بہار قدم رنجہ فرمایا۔ اور وہیں شیخ طاہر پیدا ہوئے۔ شیخ طاہر نے جون پور میں نشو و نما پائی۔ اور شروع شباب زمانہ طالب علمی میں آپ کو طلب حق دامن گیر ہوئی۔ اور درویشوں کی صحبت اختیار فرمایا۔ جب آپ نے کتاب سلوک خصوص الحکم پڑھنا شروع کیا۔ آپ کے والد اس مضمون سے بیگانہ اور منکر تھے۔ ایک روز مسئلہ توحید وجودی پوچھا۔ حضرت حسن طاہر نے مثل علماء ظاہر ایسی تقریر فرمائی کہ تمام مشکل مسئلہ حل ہو گیا۔ آپ کے والد نے اسی وقت منع کر دیا کہ اس کتاب کو مت پڑھو۔ اس زمانہ میں حضرت راجے حامد شاہ کی بزرگی کا بہت بڑا زور و شور تھا۔ دیکھتے ہی بقوت جاذبہ ازلی معتقد ہوئے اور آپ کے سلسلہ ارادت میں داخل ہو گئے۔

---

[۱] تجلی نور اول صفحہ ۳۹ و ۴۰۔ گنج ارشدی۔

کہتے ہیں کہ اسوقت تک کوئی علماء میں سے آپ کی مریدی میں شامل نہیں ہوا تھا۔ سب سے پہلے عالم حضرت حسن طاہر حضرت راجے حامد شاہ کے مرید ہوئے۔ سلطان سکندر لودی حضرت حسن کا بہت معتقد تھا۔ کہتے ہیں کہ سکندر لودی کا ایک بھائی حضرت شیخ کا مرید اس خیال سے ہوا کہ آپ سے سلطنت دہلی کے لئے دعا کرائے۔ ایک روز سکندر لودی کا بھائی حصول سلطنت دہلی کے لئے طالب دعا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا خیال خام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی حکمت مخفی ہے جو تیرے بھائی کو بادشاہ بنایا۔ تو اس معاملہ میں حوصلہ نہ کر تو بادشاہ کا مطیع رہ۔

سلطان سکندر لودی یہ خبر سن کر حضرت شیخ کا بہت معتقد ہوا۔ اور حضرت حسن طاہر کو دہلی آنے کے لئے عرض کیا۔ حضرت حسن طاہر مشائخ دہلی کی زیارت کا اشتیاق رکھتے تھے۔ سلطان کی طلب پر دہلی روانہ ہوئے۔ پہلے آگرہ تشریف لے گئے۔ بعدہٗ دہلی پہونچے۔ اور محل بجے منڈل کہ برج حصار تغلق ہے مع اہل و عیال سکونت اختیار فرمائی۔ اور اسی جگہ دہلی میں بتاریخ ۴ ربیع الاول ۹۰۹ھ میں انتقال فرمایا۔ اور دہلی میں دفن ہوئے۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔ آپ کی تصنیف ہیں۔ رسالہ مفتاح الفیض۔ جو حقائق سلوک اور توحید میں لکھا ہے بہت زیادہ مشہور ہے۔ [۱]

حضرت شیخ محمد حسن معروف به شاہ خیالی رح

حضرت شیخ محمد حسن معروف بہ شاہ خیالی رحمتہ اللہ علیہ پسر بزرگ و مرید شیخ حسن طاہر و نواسہ حضرت مخدوم

---

[۱] شنگرف حصہ اول ص ۱۲۱ و ۱۲۲۔ اخبار الاخیار۔ خزینۃ الاصفیا۔

عیسیٰ تاج تھے آپ عارفان وقت وسالکان زمانہ تھے روزانہ ریاضات وعبادات سے فارغ ہو کر حجرہ سے باہر آتے اور ہندو مسلمان حاضر ہوتے ان پر نظر ڈالتے اور سب کو خیرہ چشم و بیخود کرتے۔ اصل سلسلہ باپ کی طرف سے ارادت کا چشتیہ تھا لیکن سلسلہ قادریہ آپ پر غالب تھا۔ آپ شہر یمن جو مضافات عرب میں ہے مشائخ قادریہ سے بیعت ہوئے تھے۔ بہت عرصہ تک حرم محترم مدینہ منورہ میں مجاوری بھی کی تھی۔ بعد نماز عصر باہر تشریف لاتے اور آسمان کی طرف اس طرح دیکھتے جیسے کسی محبوب کے آنے کا انتظار کر رہے ہوں۔ جب شام ہو جاتی تو خلوت میں جا کر حجرہ بند کرتے۔ اور روشنی کر کے یاد حق میں مشغول ہو جاتے۔ آپ حضرت شاہ فیض اللہ دہلی کے کاملین خلفاء میں تھے۔ جون پور میں پیدا ہوئے مگر آپ کا مدفن دہلی پائین مزار باپ کے ہے۔ آپ کی وفات ۷ رجب ۹۹۴ھ میں ہوئی سلہ

حضرت شیخ عبدالعزیز چشتیؒ

حضرت شیخ عبدالعزیز چشتی چھوٹے لڑکے حضرت حسن طاہر و مرید و خلیفہ حضرت مخدوم بندگی جلال الحق ظفر آبادی کے تھے۔ حضرت شیخ عبدالعزیز مشہور مشائخ چشت زمانہ تھے۔ اور بہت بڑے بزرگ اور عالم علوم شریعت و طریقت تھے۔ آپ علم صبر و رضا اور مخلوق خدا پر شفقت کرنے میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ آپ نے بہت خلق خدا کو فیض پہونچایا۔ دہلی کے قیام میں آپ نے سلسلہ ارشاد مشیخت بہت زیادہ پھیلایا۔ شروع زمانہ میں آپ نے ریاضت و عبادت اس قدر فرمائی کہ درجہ مشیخت کو پہونچے۔ اور اد و وظائف میں جو کچھ ابتدا میں شروع فرمایا۔ وہ مرنے کے وقت تک کبھی چھوٹا نہیں۔ جو کوئی آپ کو دیکھتا

سلہ اخبار الاخیار۔ خزینۃ الاصفیا۔

جس کی نظر آپ پر پڑتی وہ بے قرار ہو کر رونے لگتا۔ شیخ اہل سماع بزرگ تھے۔ آپ کی وفات حالت سماع و وجد میں۔ آیت۔ سُبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئ والیہ ترجعون ۵ پر ہوئی۔ جگہ پیدائش آپ کی جون پور ہے۔ آپ کی وفات چھٹی جمادی الثانی کو ہوئی۔ آپ کا مزار دہلی میں اندر صحن خانقاہ ہے۔ بعض سادات بلگرام بواسطہ دامادی حضرت حسین بلگرامی سلسلہ نسب اتہاتی موجود ہیں۔ ۱ے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کی تاریخ کہی ہے۔ ع

گشت از آں تاریخ فوتش یادگار اہل چشت ۹۷۵ھ

حضرت مخدوم نصیر الدین رح

حضرت شیخ نصیر الدین مشہور جون پور تھے اور حضرت مخدوم قطب بینا دل کے داماد تھے۔ شروع میں آپ کا طریق سلوک اپنے خاندانی پیروں کے مطابق قلندری تھا۔ مگر بعد میں آپ نے طریقہ ملامتی تبدیل کر کے صوفیوں کا خرقہ پہنا اور اس قدر ریاضت فرمائی۔ کہ اپنے بزرگوں کے ہی زمانہ میں شیخ الشیوخ اور قطب الاقطاب ہوئے اپنے پیر کے حکم سے آپ نے جون پور کا قیام ترک کر کے قصبہ ننگو پرگنہ ماہل ضلع اعظم گڈھ میں قیام فرمایا۔ وفات آپکی ۲۵ جمادی الاول ۹۱۵ھ کو ہوئی۔ اور قصبہ ننگو میں دفن ہوئے۔ حضرت شاہ نورحق کا مزار سرہرپور ضلع فیض آباد میں ہے۔ آپ کے لڑکے اور خلیفہ ہیں۔ اولاد شاہ نصیر الدین جون پور میں محلہ چتر ساری اور قصبہ ننگو، نورپور۔ حافظ پور۔ کچھوچھہ آباد ہے۔ ۲ے

۱ے تجلی نور اول ص۱۶۴۔ بحرزخار۔ خزینۃ الاصفیا ۲ے تجلی نور اول ص۱۶۶۔ بحرزخار۔

حضرت شاہ فضل اللہ مداریؒ

حضرت شاہ فضل اللہ مداری رحمتہ اللہ علیہ نے توبہ اپنے پدر بزرگوار کے ہاتھ پر فرمایا۔ آپ ظاہر و باطن سے آراستہ ہو کر درجہ کمال کو پہونچے آپ سے بہت کرامت و خرق عادات ظاہر ہوئیں۔ آپ کشف و کرامت کے سرچشمہ مشہور تھے۔ بہت سی جگہوں میں آپ نے عبادت کی اور معتکف رہے۔ لوگوں نے عقیدت اور یادگار کے خیال سے ان مقاموں پر حجرہ تعمیر کرایا۔ آپ کا حجرہ عبادت و اعتکاف بنارس، شیخپورہ۔ غازی پور و سید پور میں ہے آپ ایسے سیف زبان اور بلند آواز تھے۔ کہ بادشاہ وقت تک حکم مانا کرتے تھے۔ آپ ظاہری دولت بہت رکھتے تھے۔ اور مال لوگوں کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اور کپڑا عمدہ اور اچھا پہنتے تھے۔ ایک روز سید جمن بہاری نے فرمایا کہ باوجود مقدرت ہم نے ایک لنگی پر قناعت کیا۔ اور دنیا کی نعمت کو ترس رہا ہوں۔ اور آپ کا یہ لباس فاخرہ کیا سبب ہے۔ شیخ نے ہنس کر فرمایا کہ یہ گروہ محبوب خدا ہے۔ جس طریقہ سے چاہے رکھے۔ اس کو زیبا ہے۔ بتاریخ ۱۱ رجب ۹۷۸ھ کو وفات فرمایا۔ اور گرد گنبد شاہ مدار جون پور میں مدفون ہوئے۔ [لہ]

حضرت مخدوم بدر الحق محمد ارشدؒ

حضرت مخدوم بدر الحق محمد ارشد رحمتہ اللہ علیہ بڑے لڑکے حضرت مخدوم دیوان عبدالرشید قدس سرہ کے ہیں۔ آپ ۱۰۴۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اولاً آپ نے علوم ظاہری ملا عبدالشکور محمدی و ملا نورالدین مداری سے حاصل فرمایا اس

لہ تجلی نور اول صـ۶۳۔

کے بعد استاد الملک حضرت مخدوم ملا محمد افضل جون پوری سے بہت فیض حاصل کیا۔ بائیس ۲۲ سال کی عمر میں اپنے والد کے سامنے علوم ظاہری سے فارغ ہو کر مشہور علماء جون پور میں ہوئے۔

کتاب ہدایۃ النحو عربی مشہور تصنیف آپ کی ہے۔ آپ نے علم ظاہری پر اکتفا نہ کیا۔ اور علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس قدر ریاضت سخت فرمائی کہ قطب الاقطاب اور شیخ الشیوخ زمانہ ہوئے۔ آپ اپنے والد سے مرید تھے۔ اور خلافت واجازت خانوادہ چشتیہ وسہروردیہ و قلندریہ پایا۔ اور اپنے والد کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

اس کے علاوہ درویش صاحب باطن حضرت شیخ عبد اللطیف رح نے بھی سلسلہ چشتیہ اشرفیہ وسہروردیہ جنیدیہ میں اجازت وخرقہ حاصل فرمایا اور بہت سے آدمیوں نے۔ جو کہ آپ کے مریدوں میں تھے۔ آپ سے فیض معرفت پایا۔ اور اہل دل ہوئے جس وقت آپ مرض الموت میں بیمار ہوئے۔ بزرگ حق آگاہ حضرت مخدوم ملا جمیل رحمتہ اللہ علیہ عیادت کے لئے تشریف لائے۔ اور پوچھا کہ شیخ کیا حال ہے۔ آپ نے جواب میں شعر ملا جامی پڑھا۔ ؎

دل بہ عشق آں پری پیکر نمیدانم چہ شد
درد سر باقی بجا و سر نمیدانم چہ شد
آں کہ میگوئی چرا آشفتہ خاطر گفتہ
دل بزلف اش بستہ ام دیگر نمیدانم چہ شد

ترجمہ:۔ دل اس پری پیکر کے عشق کے ساتھ ہے اس کے سوا کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ درد سر باقی ہے مگر نہیں جانتا کہ سر گیا ہوا۔ آپ سے اپنی آشفتہ حالی کی کیفیت کیا کہوں۔ دل اس کے زلف میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ نہیں جانتا

کہ کیا ہوا۔

وفات آپ کی ۱۴ رجمادی الثانی سنہ ۱۱۳۱ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک محلہ رشید آباد گرد مزار پدر بزرگوار مرجع خلائق ہے۔ عرس سالانہ ہوتا ہے۔ ۱؎

حضرت شاہ قمر الحق غلام رشید رح

حضرت شاہ غلام رشید پسر و مرید و سجادہ نشین اپنے پدر شاہ ارشد کے ہیں۔ آپ علوم ظاہری و باطنی میں کامل ۔۔۔ اور شرع وسنت کے سخت پابند تھے آپ ۔۔۔ اوراد و وظائف کے اس قدر پابند تھے کہ ابتدا سے لے کر انتہا تک کوئی فرائض و واجبات وسنن و مستحبات آپ سے فوت نہیں ہوئے۔ آپ نے اپنے نفس کو توڑ ڈالا تھا۔ اور اس قدر ریاضت فرمائی کہ آپ اہل دل اور صاحب سوز و ساز و پیشوا سالکان صراط مستقیم ہوئے۔ اگرچہ آپ بہت عالی مرتبہ رکھتے تھے۔ مگر بے خودی میں اکثر کرامت ظاہر ہوجایا کرتی تھی۔ آپ کے بزرگوں کی موجودگی میں آپ کے ایک لاکھ چالیس ہزار مرید تھے۔ وفات آپ کی بروز سنیچر ۵ صفر سنہ ۱۰۶۷ھ میں ہوئی۔ مزار پُر انوار آپ کا محلہ رشید آباد جون پور میں ہے۔ ہر سال عرس ہوتا ہے۔ آپ کی تصنیفات میں شرح ہدایۃ النحو عربی و شرح قصیدہ غوثیہ فارسی ہے۔ ۲؎

حضرت شیخ مبارک خیر محمدی رح

حضرت شیخ مبارک خیر محمدی شیخ قریشی اولاد حضرت مخدوم چراغ ہند قدس سرہٗ ظفر آبادی سے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ خیر الدین نے سکونت ظفر آباد ترک کر کے۔ پرگنہ ماہل ضلع اعظم گڑھ اپنی معافی کی زمین میں موضع

۱؎ تنگرف اول ص۶۳ وفیات الاسلام، گنج ارشدی ۲؎ تجلی نور اول ص۴۷۔

بنام خیرالدین پور آباد کر کے سکونت فرمائی۔ شروع میں کچھ روز... علوم ظاہری اپنے والد سے حاصل فرمایا۔ بعد اس کے علماء جون پور سے رجوع کر کے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ اور والد سے بیعت ہوئے۔ اور بہت زیادہ فیض نعمت جمیع سلاسل حضرت میر سید علی قوام نظام آبادی سے پایا۔ اور کچھ دن نفس کشی اور مجاہدہ و ریاضت کر کے مشہور خلفاء ہوئے۔ پیر کے حکم کے مطابق محلہ سپاہ جون پور میں خانقاہ تعمیر کر کے ہدایت وارشاد خلق میں مصروف ہو گئے۔ اور طالبان علوم ظاہری کو درس دیتے رہے۔

وفات شیخ ۱۴ر شوال ۹۰۳ھ کو ہوئی۔ مزار پر انوار محلہ سپاہ شہر جون پور قریب خانقاہ تھا۔ اب نشان خانقاہ نہ قبر باقی نہیں ہے۔ اولاد آپ کی خیرالدین پور میں آباد ہے۔ [1]

حضرت شاہ فصیح الدین رح

حضرت شاہ فصیح الدین اولاد حضرت ملا محمد جمیل رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ علوم ظاہری اپنے جد بزرگوار سے حاصل فرمایا۔ حضرت غلام رشید رحمتہ اللہ علیہ کے کوئی لڑکا نہیں تھا۔ صرف ایک صاحبزادی تھیں۔ علم ظاہری سے فراغت کے بعد حضرت شاہ فصیح الدین سے حضرت غلام رشید رحمتہ اللہ علیہ کی صاحبزادی کا عقد ہوا۔ ابتداء زمانہ میں شاہ فصیح الدین نے اپنے بزرگوں کی میراث و دولت کو نہایت تکلف کے ساتھ صرف فرمایا۔ آخر میں شوق یاد الٰہی غالب آیا۔ سب کچھ ترک کر کے تمام مال و زر فقراء و مساکین کو تقسیم کر دیا اور حضرت غلام رشید سے مرید ہوئے۔ اور کمال خدمت و خاکساری کے بعد خرقہ

---

[1] تجلی نور اول ص۶۲۔ بحر ذخار۔ گنج ارشدی۔

وخلافت حاصل فرمایا۔ اور تمامدت عمر حقوق مراتبات پر جہاں تک ممکن ہوسکتا تھا بجالائے۔ اور فقر وفاقہ میں بسر کرکے ریاضت شاقہ برداشت کی اور مرتبہ فنافی الشیخ پر پہونچے۔ اور بعد وفات حضرت غلام رشید جانشین ہو کر مسند ارشاد پر بیٹھے۔ حضرت شاہ فصیح الدین رحمۃ اللہ علیہ مرد عارف کامل تھے۔ اور آپ کے مریدوں میں بہت سے لوگوں نے آپ سے دولت ابدی پایا۔ سال وتاریخ وفات معلوم نہیں ہوسکی۔ بعد وفات اپنے پیروں کے قبرستان محلہ رشید آباد شہر جونپور میں دفن ہوئے۔ مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ سلسلہ رشیدیہ کا سلسلہ ارشاد وہدایت ابھی جاری ہے۔ اور طالبان حق بہت زیادہ فیض پا رہے ہیں۔ ؎۱

حضرت شیخ محمد عیسیٰ رح

حضرت شیخ محمد عیسیٰ حضرت شیخ سلطان محمود کے ساتھ اپنے باپ سے مرید ہوئے اور خلافت پایا اور بعد اپنے والد کے سجادہ نشین ہوئے۔ اور تعلیم وتلقین طالبان حق ودولت ابدی میں مصروف ہوئے۔ اور درس وتدریس بھی فرماتے رہے۔۔۔ صاحب معرفت اور اہل دل تھے۔ اور درویشی میں بہت اونچا مرتبہ رکھتے تھے۔ مزار پر انوار آپ کا محلہ چاچک پور شہر جون پور ہے۔ تاریخ وسال وفات معلوم نہیں ہوسکا۔ ؎۲

حضرت شیخ حاجی محمد رح

حضرت شیخ حاجی محمد مرید اپنے پدر بزرگ شیخ محمد عیسیٰ کے تھے۔ اور چار واسطوں سے علی عاشقاں سرائمیری تک سلسلہ بعیت پہونچتا ہے۔ چوں کہ آپ نے علوم

؎۱ تجلی نور اول ص۸۵۔ بحر زخار ؎۲ تجلی نور اول ص۸۵۔ بحر زخار۔

باطنی میں بہت محنت فرمائی۔ اس وجہ سے سکر و جذب آپ پر بہت غالب ہوا۔ نوبت حالت جذب میں یہاں تک پہونچی کہ آپ کو زنجیر میں باندھ کر حجرہ میں قید کر دیا گیا۔ اس وجہ سے آپ نماز تہجد نہ پڑھ سکتے تھے۔ اگر کسی نے حجرے کا دروازہ کھولدیا تو اپنے بزرگوں کی مسجد میں نماز تہجد میں مشغول ہوتے۔ آخر آپ کی شہرت دنیا میں مشہور ہوئی۔ خلائق اطراف و جوانب سے بارادت عقیدت جمع ہونے لگی۔ آپ سے خوارق و کرامتیں بہت ظہور میں آئیں۔ آپ کے مکان کے اندر کنواں تھا۔ آپ بغیر رستی اس کنواں میں جاتے اور وضو کر کے باہر تشریف لاتے۔ ایک مرتبہ آپ سنجر پور متصل سرائمیر تشریف لے گئے۔ وہاں چند آدمی کنواں کھود رہے تھے۔ مگر پانی نہیں نکل رہا تھا۔ ان لوگوں نے آپ کو مرد بزرگ اور ولی اللہ سمجھکر بہت عاجزی سے اس معاملہ میں عرض کیا۔ آپ نے اس کنویں میں اپنا تھوک ڈالا فوراً وہ کنواں پانی سے بھر گیا۔

ایک روز آپ نے سنجر پور سے جون پور شام کے وقت آنے کا ارادہ فرمایا۔ خادم نے عرض کیا کہ جون پور بہت دور ہے۔ آپ خود و خادم اپنے عصا پر سوار ہوئے۔ اور کچھ عرصہ میں جون پور پہونچ گئے۔ وفات آپ کی ۱۰۶۹ھ میں ہوئی۔ مزار پر انوار محلہ چاچک پور شہر جون پور ہے ۱؎

حضرت مخدوم سید محمد جونپوری

۱۴؍ جمادی الاول ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء جون پور میں پیدا ہوئے۔ حضرت دانیال خضری جون پوری سے بیعت تھے۔ اور فیض باطنی حاصل کیا تھا۔ آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا اور دل دماغ بڑی خوبیوں کا مالک

۱؎ تجلی نور اول ص۲۷۔ بحر زخار۔

تھا۔ اس لئے معاصرین نے ان کو اسد العلماء کا خطاب دیا تھا۔ درس تدریس میں خاص مہارت تھی۔ ان کے حلقہ درس میں شاہ و گدا سب ہی شریک ہوتے تھے۔ چالیس سال کی عمر میں سید محمد جونپوری معتقدین کی ایک مختصر جماعت لے کر حجاز چلے گئے۔ وہاں عرصہ تک ارشاد و تلقین اور درس تدریس میں مصروف رہے۔

مہدوی تذکروں میں لکھا ہے کہ ۱۴۹۵ء میں جب آپ کی عمر باون[52] سال کی تھی انھوں نے مکہ شریف میں مہدویت کا اعلان کیا۔ اس کے بعد وہ گجرات کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور احمد آباد میں مہدوی تحریک کا مرکز قائم ہو گیا۔ وہاں علماء نے ان کی شدید مخالفت کی لیکن جتنی وہ مخالفت کرتے تھے اتنی ہی یہ تحریک ترقی کرتی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔ کہ

"عشق صداقت اور قلب کی پاکی نے ان کی دعوت تذکیر میں ایسی تاثیر بخشی تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں آدمی حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور متعدد سلاطین وقت نے ان سے بیعت کی۔ ان لوگوں کے طور طریق کچھ عجیب عاشقانہ و والہانہ تھے۔ اور ایسے تھے کہ صحابہ کرام کے خصائص ہمانی کی یاد تازہ کرتے تھے۔ عشق الٰہی کی ایک جاں نثار جماعت تھی۔ جس نے اپنے خون کے رشتوں اور وطن و زمین کی فانی الفتوں کو ایمان و محبت کے رشتہ پہ قربان کر دیا تھا۔ اور سب کو چھوڑ چھاڑ کر راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق و غمگسار بن گئے تھے۔ امیر و فقیر اعلیٰ و ادنیٰ سب ایک ہی حال میں اور ایک ہی رنگ میں رہتے۔

اور بجز خلق اللہ کی ہدایت و خدمت اور احکام شرع کے
اجرا و قیام کے اور کسی کام سے واسطہ نہ رکھتے تھے۔"[1]

حقیقت یہ ہے کہ سید محمد جون پوری کی تحریک گرد و پیش کے حالات کے خلاف ایک زبردست بغاوت کا اعلان تھی۔ مادیت کی "وبا" ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ شریعت سے انحراف روز بروز ترقی کر رہا تھا۔ علماء سو نے دین کی بے حرمتی پر کمر باندھی تھی۔ اور سیدھے سادے انسانوں کو گمراہ کر رہے تھے صوفیہ نے شریعت و طریقت کی تفریق میں اپنی بے راہ روی کا جواز تلاش کر لیا تھا۔ امراء و سلاطین ہنگامہائے نائے و نوش میں مدہوش تھے۔ اس صورت حال نے سید محمد کے حساس قلب میں کرب و بے چینی پیدا کر دی۔ انھوں نے اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

مولانا آزاد ان کی تحریک کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"میرا خیال ہے کہ اس کی بنیاد صداقت حق پرستی پر تھی یعنی دعوت تبلیغ حق اور احیاء شریعت و قیام فرض امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس کا مقصد اعلیٰ تھا۔ اور خود سید محمد اور ان کے پیروؤں کی پہلی جماعت کے اکثر لوگ بڑے ہی پاک نفس اور خدا پرست لوگ تھے۔"[2]

سلیم شاہ سوری کے عہد میں شیخ علائی، شیخ محب اللہ نیازی وغیرہ نے مہدوی تحریک کی نشر و اشاعت میں بہت کام کیا۔ اکبر کے عہد میں گجرات مہدیوں کا مرکز تھا۔ اور وہاں میاں مصطفےٰ کی مسند ارشاد بچھی

---

[1] تذکرہ آزاد۔ [2] تذکرہ۔

ہوتی تھی۔ علماء ان کے شدید مخالف تھے۔ ۱۵۷۳ء میں جب اکبر گجرات پہونچا تو انھوں نے میاں مصطفٰے کے قتل کی تجویز پیش کی۔ اکبر نے میاں مصطفٰے کو پٹن بلوایا۔ اور ان سے گفتگو کی۔ ان کی باتوں کا دل پر اثر ہوا۔ کہ خان اعظم کو حکم دیا کہ ان کو فتح پور بھیجدیا جائے۔ وہاں اکبر نے علماء کو جمع کیا اور میاں مصطفٰے سے مہدویت کے متعلق سوالات کیے۔ ملّا عبدالقادر بدایونی نے لکھاہے کہ

"در صحن دیوان خانہ علماء را طلبیدہ از شیخ مصطفٰے الحقیق مسئلہ مہدویت می نمودند۔ او مجیب بود۔ در مناظرہ باستداد کشید۔" [۱]

ترجمہ:۔ صحن دیوان خانہ میں علماء کو طلب کیا اور شیخ مصطفٰے سے مسئلہ مہدویت کی تحقیق میں سوالات کیے گئے۔ جواب باصواب پاکر علماء نے مناظرہ سے درگذر کیا۔

میاں مصطفٰے نے گجرات جاتے ہوئے ۱۵۷۵ء میں وصال فرمایا۔ ان کے بعد شمالی ہندوستان میں مہدویت کا اثر کم ہوگیا۔ سید محمد جونپوری کی تحریک احیاء سنت اور اماتت بدعت کے لیے وجود میں آئی تھی۔ لیکن یہ اپنے اصلی رنگ میں زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی۔ بظاہر مہدویت کا تصور اسلام کے ایک بنیادی اصول ختم نبوت سے ٹکرا گیا۔ اور علماء اسلام مثلاً شیخ علی متقی۔ شیخ ابن حجر مکّی اور شیخ عبدالحق اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے۔ شیخ عبدالحق نے لکھاہے۔ کہ

---

[۱] تاریخ بدایونی۔

"در اعتقاد سید محمد جون پوری ہر کمالے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم درست رسید۔ سید محمد را نیز بود فرق ہمیں است کہ آں جا باصالتہ بود و بہ اینجا بہ تبعیت رسول بتعبیت رسول بجائے رسید کہ ہیچو او شد۔

ترجمہ :۔ سید محمد جون پوری کے اعتقاد میں ہر کمال حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست خدا سے پہونچا۔ اب فرق یہ ہوا کہ رسول کو براہ راست ملا۔ اور محمد جون پوری کو بہ اطاعت و پیروی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہونچا۔

شیخ علی متقی جو ان کے سب سے زیادہ مخالفین میں تھے ان کو بھی اعتراف ہے کہ سید محمد جونپوری زہد و ورع میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اور ریاضت ومجاہدہ میں محنت شاقہ برداشت کی تھی۔ اصلیت یہ ہے کہ سید محمد جونپوری نے اپنے کو مہدی موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہاں مہدی سے مراد اپنی ذات کو خدا کا مہدی راہ ہدایت دیکھنے والا مقصد تھا۔ مگر ان کے متبعین اور پیرؤں نے ان کو مہدی مشہور کر دیا۔ اس کی تصدیق اس طور پر بھی ہوتی ہے کہ علامہ بدایونی لکھا ہے کہ

میاں عبداللہ نیازی سرہندی نے ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ جو ایک درویش کامل تھے۔ ان سے ایک مغل نے سید محمد جون پوری کا ذکر کیا کہ جس زمانہ میں سید محمد جون پوری کا انتقال ہوا۔ میں فراہ میں موجود تھا۔ انھوں نے مہدیت کے دعویٰ سے انکار کیا تھا۔ کہ میں مہدی موعود نہیں ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ اگر دعویٰ مہدویت تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ سب کچھ مقام حیرت میں کہا گیا۔ آپ کا

انتقال ۹۰۲ھ یا بقول دیگرے ۹۱۰ھ بمقام شہر فراہ ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ مزار مبارک آپ کا زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت ملا محمود جونپوری رح

قوم شیخ اور بہت بڑے عالم و فاضل اور مشہور اکابر جونپور تھے۔ آپ ۹۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ خدا کی مرضی سے آپ کی پیشانی مبارک پر آفتاب علوم تاباں و درخشاں تھا۔ اور آپ کا چہرہ فضیلت و دانائی سے مزین تھا۔ آپ کی تعلیم و تربیت حضرت ملا محمد افضل استاذ الملک سے ہوئی۔ صاحب مآثر الکرام لکھتے ہیں کہ آپ کا ذہن رسا حافظہ درست اور جسم محنت کش تھا۔ اسی وجہ سے اپنے زمانہ کے تمام طلبا سے سبقت لے گئے۔ اور سترہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تکمیل فرما کر فارغ — اور مشہور زمانہ ہوئے۔ اور کتاب شمس بازغہ لکھ کر ہند و بیرون ہند شہرت پائی۔

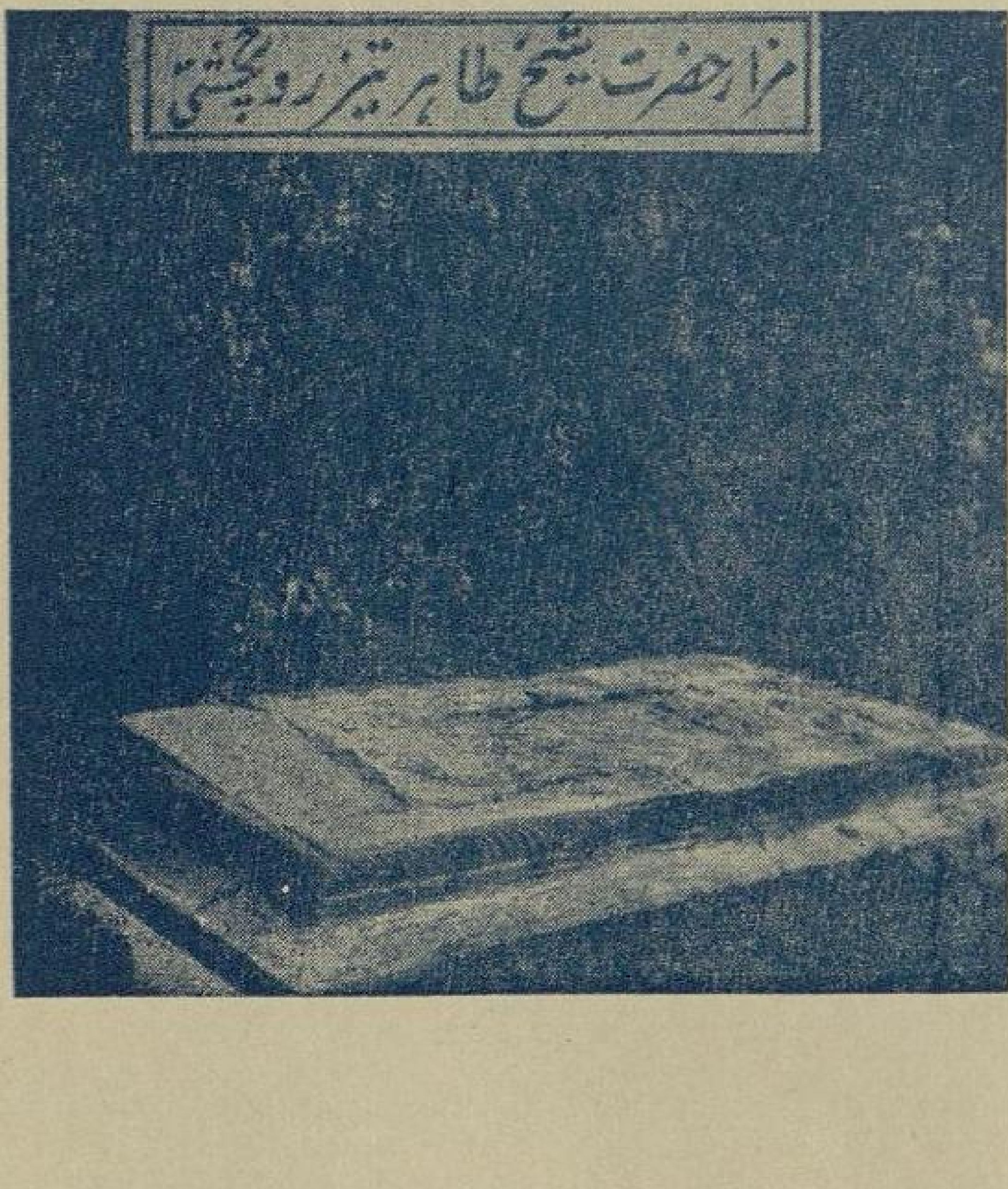
آپ سا عالم جیّد، فلسفہ و حکمت کا ماہر دوسرا ہندوستان میں نہ تھا۔ حضرت استاذ الملک نے بارہا فرمایا۔ کہ بعد علما تفتازانی اور جرجانی اجتماع دو عالم اور فاضل اجل مانند ملا محمود و دیوان عبدالرشید ایک شہر اور ایک زمانہ میں موجود ہے۔ آپ شاعر بھی تھے۔ مفصل ذکر تذکرہ شعراء میں پڑھیے۔

مولوی غلام علی آزاد سبحۃ المرجان میں فرماتے ہیں کہ

"ملا محمود فخر استاذ ہی نہ تھے۔ بلکہ باعث تفاخر و مباہات دانایان سبق بھی تھے۔ علم حکمت میں نقارہ لمن الملکی بجا۔ اور فن فلسفہ میں غلغلہ لیس کمثلہ تھا۔ ہندوستان میں تو کوئی آپ کا نظیر ہی نہ تھا۔ بلکہ ہفت اقلیم میں آپ کا سا علم رکھنے والا نہ تھا۔ رفتہ رفتہ آپ کے فضل و کمال کی خبر بادشاہ شاہجہاں تک پہونچی بادشاہ نے بکمال آرزومندی خود بلایا۔ اور بزمرہ فضلائے شاہی منصب سہ صدی پر



مزار حضرت ملا محمود و ملا ستار



مزار حضرت شیخ طاہر تیز رو چشتی

مامور کیا۔ جب ملا محمود دہلی کے قریب پہونچے تو بحکم بادشاہ سعد اللہ خاں وزیر بغرض پیشوائی گیا اور جب آپ دربار میں پہونچے تو بادشاہ نے اپنے پہلو میں بیٹھنے کی جگہ دی۔

ایک روز حضرت ملا محمود اپنے جملہ احباب کے ہمراہ سیر کرتے ہوئے حوض شمسی تک پہونچے۔ اور برسبیل تذکرہ فرمایا کہ اس حوض میں اسقدر پانی ہے۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ تھوڑے دن کے بعد اس حوض سے کچھ گھڑا پانی نکال کر حضرت ملا محمود سے پوچھا کہ آج اس حوض میں کتنا پانی ہے۔ ملّا نے حوض کی طرف دیکھکر بتلایا کہ اتنا گھڑا پانی کم ہے۔ جتنا کہ لوگوں نے نکالا تھا حاضرین آپ کے دانش و حکمت پر معترف ہوئے۔ ملا محمود اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی بادشاہ کے ہمراہ لاہور حضرت شاہ میر لاہوری کے پاس گئے۔ فقیر متوجہ نہ ہوا۔ بادشاہ کو بہت رنج ہوا۔ دونوں علماء نے فرمایا کہ علماء کی طرف توجہ نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ فقیر اٹھا اور اپنا کمبل بچھاکر خود بادب بیٹھا۔ اور دونوں علماء کو بٹھلایا۔ اور کہا کہ میں جاہل ہوں مجھ کو اس کا مطلب سمجھا دیجئے اور یہ شعر پڑھا ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد
کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

ترجمہ:۔ ایسا نہ ہو کہ دل فرومایہ شاد ہوجائے۔ جو دنیا کیلئے اپنا دین بادشاہ کی نذر کرچکا ہے۔

ملا عبد الحکیم اس شعر کو سن کر لوٹنے لگے۔ اور گریباں چاک کیا۔ اور ملّا محمود شاہی ملازمت ترک کرکے جون پور واپس آئے۔ اور تا زندگی درس میں مشغول رہے بالآخر ۹ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ کو انتقال فرمایا۔ اور محلہ

بلوچ ٹولہ جون پور میں آپ کی قبر ایک شکستہ احاطہ کے اندر موجود ہے۔ اور کافی کانٹے دار درختوں سے گھری ہوئی ہے۔ ؎۱

حضرت شیخ محمد علیسیٰ رح

سلطان محمود کے لڑکے تھے۔ اور اپنے باپ ہی سے مرید ہوئے اور خلافت پائی۔ اور بعد اپنے والد کے سجادہ نشین ہوئے۔ اور تعلیم و تلقین طالب حق و دولت ابدی میں معروف ہو گئے اور درس تدریس بھی فرماتے رہے۔ اور صاحب معرفت اور اہل دل تھے۔ اور درویشی میں بہت اونچا مرتبہ رکھتے تھے۔ مزار پرانوار محلہ چاچک پور شہر جون پور میں ہے۔ تاریخ و سال وفات آپ کا معلوم نہ ہو سکا۔ ؎۲

حضرت شیخ محمد لیسین رح

حضرت سلطان محمود کے فرزندوں میں سے تھے۔ آپ کم عمری میں جون پور سے الہ آباد آئے۔ اور کچھ روز ملا طاہر سید اکبر حضرت شاہ خوب اللہ سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعدہٗ حضرت خوب اللہ شاہ سے ظاہری علوم کا تکملہ فرمایا۔ اس کے بعد بیعت فرمائی اور سخت ریاضت کر کے بلند مرتبہ کو پہونچے۔ اور خلافت پائی۔ آپ نے تمام عمر معاش کی فکر نہ کی۔ مجردانہ و مسافرانہ زندگی بسر کیا۔ آخر میں نو سال فرخ آباد میں چند بزرگوں کے ہمراہ قیام فرمایا اور وہیں ۵ جمادی الثانی ۱۱۸۳ھ کو وفات پائی۔ ؎۳

؎۱ تجلی نور دوم صفحہ ۸۰ تا ۵۱۔ بحر ذخار۔ سبحۃ المرجان۔ توزک جہانگیری۔ گنج ارشدی اخبار الاخیار۔ ؎۲ بحر ذخار ؎۳ تجلی نور اول ص۷۹ بحر ذخار۔

حضرت میر محمد طاہر تیز روؒ

بدخشاں سے امیرانہ حیثیت سے گھوڑے اونٹ نوکر چاکر کے ہمراہ بطلب حق، ہندوستان آئے۔ درمیان راہ میں جہاں جہاں بزرگوں و درویشوں کو سنا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر ہدایت کے طالب ہوئے۔ اور ان بزرگوں نے حسب حالت ولیاقت تعلیم دی۔ مگر آپ کو تسکین خاطر نہ ہوئی۔ اس زمانہ میں جب کہ حضرت شاہ عبدالجلیل لکھنوی جون پور میں تشریف رکھتے تھے۔ جون پور تشریف لائے۔ تو حضرت شاہ عبدالجلیل کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ بیان فرمایا۔ کہ میں نے بہت سے بزرگوں کو دیکھا اور ان سے استفادہ کیا۔ مگر مجھ کو حسب خواہش فائدہ نہیں پہونچا۔ حضرت شاہ عبدالجلیل نے استغراق میں فرمایا کہ علم بے عمل اور ذکر بلا فکر حاصل نہیں ہوتا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر بوالہوس اس سرمایہ ناز کو بلا محنت حاصل کرتا۔ چوں کہ آپ کے دلی مقاصد پورا ہونے کا وقت بہت قریب آچکا تھا۔ لہذا حضرت میر محمد طاہر نے ذکر فکر کے ساتھ مراقبہ فکر و عمل بھی کرنا شروع کردیا۔ اور حضرت شاہ عبدالجلیل کی توجہ سے اپنے مقصد کو پہونچے۔ چوں کہ آپ پر دروازہ فتوح پیر کی توجہ کی وجہ سے بہت جلد کھل گیا تھا۔ اس لئے آپ بلقب تیز رو مشہور ہوئے۔ اور صبح اٹھکر تمام سامان و اسباب فقراء کو تقسیم کرکے تاراج کردیا۔ اور جون پور میں قریب خاص حوض خانقاہ تعمیر کرکے قیام فرمایا۔ اور ریاضت باطنی و مجاہدہ نفس میں مشغول ہوئے۔ اور تکمیل کے بعد اپنے پیر کے حکم کے مطابق پنجاب تشریف لے گئے۔ اور حضرت مخدوم شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ سے سلسلہ خانوادہ نقشبندیہ میں بہت زیادہ فیض حاصل کیا۔ نعمت بیعت و اجازت حاصل کرکے لوٹے۔

چوں کہ آپ نے ریاضت باطنی بہت فرمایا۔ لہذا آپ سے کرامتیں

بھی بہت صادر ہوئیں۔ اس وجہ سے آپ کی شہرت بہت ہوئی۔ اور طالبانِ دیدار کثرت سے آپ کے گرد جمع ہوئے۔ بالآخر بتاریخ ۷ رجب سنہ ۱۰۴۷ھ رحلت فرمائی۔ مزار پر انوار بخیہ پچھم طرف کے ٹیلہ خاص حوض پر ہے؎۔

حضرت شیخ حاجی عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

کے جد بزرگوار شیخ محمد صدر اکابر جونپور تھے۔ حضرت شیخ حاجی عبدالحق آغاز جوانی میں جونپور بخدمت حضرت شیخ صفی گجراتی پہونچے۔ اور خرقہ خلافت پہنا اور اپنے پیر کے حکم سے سفر حجاز کو روانہ ہوئے۔ اور ۱۲ سال مکہ شریف و مدینہ منورہ میں حضرت شیخ علی متقی کی صحبت میں گذارا۔ بعد واپسی حیدرآباد دکن پہونچے۔ اور وہاں بارہ سال قیام کر کے حضرت وجیہ الدین گجراتی سے بارہ سال علوم ظاہری حاصل فرمایا۔ اسی زمانہ میں حضرت شیخ محمد ماہ جونپوری جو کہ رؤسائے نامی میں تھے گجرات پہونچے۔ حضرت خواجہ عبدالحق بشرف ملازمت حاضر ہوئے۔ واپسی کے وقت حضرت شیخ محمد ماہ ..... نے بھی جونپور آنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ اس وجہ سے حضرت خواجہ عبدالحق برہان پور گئے جو انھیں کا آباد کیا ہوا تھا۔ قیام فرمایا اور درس میں مشغول ہوئے بعدہٗ درس و تدریس ترک کر کے ہدایت خلق میں مشغول ہوئے۔

چوں کہ آپ بزرگ صاحب کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ اس وجہ سے خلائق کثیر بغرض ہدایت و برکت آپ کے گرد جمع ہوئی۔ شیخ اپنے زمانہ کے ایک بزرگ و مشائخ کبار اور بزرگان متاخرین سلسلہ چشتیہ سے تھے۔ اس وجہ سے ہر شخص آپ کی طرف ارادت و عقیدت سے خیر و برکت حاصل کرنے

؎ تجلی نور اول ص۸۔ بحر زخار۔

کے لئے حاضر ہوتا۔ وفات آپ کی بروز دوشنبہ ۲ ماہ رمضان ۱۰۲۹ھ ہوئی۔ مزار آپ کا برہان پور میں ہے۔ [1]

حضرت شیخ پیر محمد رح

حضرت پیر محمد چشتی درویش کامل اور مرد بزرگ تھے اصل وطن جون پور ہے۔ ابتدائی تعلیم جون پور میں حاصل کی۔ بعدہٗ دہلی گئے۔ بقیہ کتاب وہاں پڑھی۔ پھر قنوج گئے۔ کچھ کتابیں وہاں پڑھیں۔ بعدہٗ لکھنؤ آئے۔ اور وہاں حضرت شیخ ملا عبدالقادر قاضی لکھنؤ سے علم ظاہری حاصل کیا۔ اور مشہور فضلا کے گروہ میں آپ کا شمار ہوا۔ پھر جذب وشوق الٰہی پیدا ہوا۔ اور اسی شوق میں بیخود ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور حضرت عبداللہ چشتی سیاح جن کی سکونت کوہ لبنان تھی۔ تمام دنیا کی سیاحت فرمایا تھا۔ رجوع ہو مرید ہوئے۔ اور خاندان چشتیہ میں بہت زیادہ فیض حاصل فرمایا۔ اور بحکم پیر لکھنؤ میں کنارے دریائے گومتی ایک بلند زمین پر سکونت اختیار کی۔ اور وہ مقام قریب امام باڑہ آصفی ابھی تک ٹیلہ شاہ پیر محمد مشہور ہے کہتے ہیں کہ آپ پر اس قدر دروازہ فتوحات کھلا ہوا تھا کہ کہیں رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ جس کو آپ ایک وقت کھانے کے لئے رکھ کر بقیہ سب خدا کی راہ میں صرف کر دیتے۔ آپ سماع سے بہت ذوق رکھتے تھے۔ آپ جب چاہتے دریائے گومتی پار کرتے اگر کشتی موجود ہوتی تو ساتھیوں کو لے کر سوار ہوتے۔ اور اگر کشتی موجود نہ ہوتی تو آپ مع ساتھیوں کے پانی پر چل کر دریا پار کرتے۔ اور اللہ کے حکم سے کسی کا پیر تک تر نہ ہوتا۔

شیخ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں جنمیں سراج الحکمت، شرح ہدایہ،

---

[1] خزینۃ الاصفیا۔ اخبار الاخیار۔

حاشیہ بر ہدایہ، فتاویٰ در فقہ، مکتوبات در تصوف، اربع منازل سلوک میں آپ کی مشہور ہے۔

آپ نے ۸۰۲ھ میں وفات فرمایا۔ مزار آپ کا لکھنؤ میں کنارے دریائے گومتی بلند ٹیلہ پر مشہور ہے۔ مولانا محمد شبلی و قاضی خلیل اللہ جونپوری محلہ قضیانہ حمام دروازہ جون پور آپ کے سلسلہ نسب میں تھے۔ [۱]

حضرت درباری شہید رح

مرد مجاہد رزم جہاد، شراب عرفاں میں مست الست۔ سالک توحید۔ دردمندان دل کے چارہ ساز۔ صاحب فیض اور فیض پہونچانے والے بزرگ تھے۔ آپ صبر و حلم و رضا اور شفقت میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ خلائق کثیر اپنے مقصد کے لیے حاضر ہوتی تھی۔ اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ آپ شہید کیوں مشہور ہوئے جبکہ جون پور میں کوئی ایسی جنگ اس مقام پر نہیں ہوئی جہاں آپ کا مزار ہے۔

جس وقت سلطان فیروز تغلق نے قلعہ جون پور تعمیر کیا آپ کا مزار اندر احاطہ قلعہ لے کر مزار اونچا اور پختہ بنوایا۔ جو اب تک موجود ہے۔ ہر جمعرات کو لوگ کافی تعداد میں آتے ہیں۔ [۲]

حضرت شاہ شیخ مجذوب رح

بہت زبردست اولیا۔ ہر وقت استغراق رکھنے والے، دنیا اور اہل دنیا سے مستغنی صاحب جلال بزرگ تھے۔ آپ میں جذبہ شوق الٰہی بہت زیادہ تھا۔ اکثر

---

[۱] خزینۃ الاصفیا۔ بحر ذخار۔ تجلی نور اول ص۸۲۔ [۲] جونپور نامہ گنج ارشدی۔ تجلی نور اول ص۸۳۔

اوقات جذب وسکر طاری رہتا۔ اور کبھی کبھی سلوک میں رہتے۔ آپ اپنی نسبت وارادت حضرت شاہ عبدالواحد زندہ دل سے ظاہر فرماتے ہیں خوارق وکرامت آپ سے بہت زیادہ ظاہر ہوئے۔ منعم خاں خانخاں بہت زیادہ عقیدت اور ارادت رکھتے تھے۔ آپ نے بعد فراغت پل جون پور جہاں آپ کی تکیہ تھی ایک مسجد سنگی اور خانقاہ تعمیر کرایا۔ اب تک مسجد بنام شاہ شیخو موجود اور مشہور ہے۔

وفات آپ کی یکم شوال ۱۰۰۴؁ھ میں ہوئی اور صحن مسجد کے نیچے آپ دفن ہوئے۔ آپ کے ایک معتقد غضنفر خاں نے آپ کی قبر پختہ کرایا۔ [1]

حضرت شاہ بارہ ہزاری رح

شروع زمانہ میں بہ امرائے شاہی ممتاز عہدہ منصب بارہ ہزار پر فائض تھے چونکہ دولت باطنی مقدر میں تھی کشش جاذب حقیقی سے یک بیک طبیعت برگشتہ ہو گئی۔ اور جذب واستغراق وبدہوشی وبیخودی اس قدر آپ کے مزاج میں غالب ہوگئی کہ آپ کو کھانے اور سونے کی قطعی فکر نہ تھی۔ آپ نے ہانک چوک جون پور کے اتری پھاٹک کے قریب قیام فرمایا۔ اور اب تک اس جگہ مسجد اور چاہ بارہ ہزاری کے نام سے موجود ہے۔ آپ میں کشف صادق تھا۔ اگر کوئی صاحب اپنے کسی مطلب کے لئے حاضر ہوتے۔ آپ بغیر اس کی اطلاع مطلب سے آگاہ ہو جاتے اور اس کو جواب باصواب دیتے۔ بحالت استغراق ومحویت یہ ہندی شعر آپ کے زبان پر ہوتا اور وجد کرتے۔

بارہ ہزاری جگ جگ جئے   لہوری پتوہیا کا دودھ پئے

---

[1] بحر ذخار۔ گنج ارشدی۔ تجلی نور اول۔ ص۸۳ج۲؁ ۔

آپ سے جو کرامت صادر ہوتی۔ اس کی تاثیر علانیہ ظاہر ہوتی۔ آپ بالکل برہنہ جسم رہتے۔ اور کپڑے کی طرف بالکل مائل نہ ہوتے۔ جو کچھ زبان سے کہدیتے وہ فوراً ہو جاتا۔ آپ نے ایک شخص کو جو طالب کیمیا تھا۔ پیشاب کر کے مٹی کے ڈھیلے سے استنجا کیا۔ وہ مٹی کا ڈھیلہ سونا ہو گیا۔ آپ نے اس طالب کیمیا سے فرمایا۔ کہ تو یہ کیمیا سیکھ جس سے پیشاب سے سونا بنتا ہے۔ ایک بانجھ عورت نے خدمت میں حاضر ہو کر اولاد کی تمنا کی۔ آپ نے سات مرتبہ ہاتھ اس کے پیٹ پر پھیرا۔ اللہ نے سات اولادیں اس عورت کو عطا فرمایا۔

جب آپ کی کرامت بہت مشہور ہوئی تو آپ ہجوم خلائق سے گھبرا کر رشید آباد جنگل کی طرف چلے گئے۔ اور وہیں گوشہ نشین ہوئے۔ بالآخر ۱۹ صفر ۱۰۲۸ھ کو فوت ہوئے۔ اور مزار مبارک خام احاطہ مزار حضرت دیوان محمد عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ سے اتر جانب موجود ہے۔ سلہ

حضرت شاہ منصور عرف روڑا شاہ مجذوبؒ

مشہور مجذوبوں میں صاحب کشف کرامت تھے۔ آپ جس جگہ بیٹھ جاتے وہاں سے چند روز نہ اٹھتے۔ اور بیٹھے ہوئے کبھی خود سے باتیں کرتے اور کبھی روتے اور کبھی ہنستے بروز منگل آپ نے رحلت فرمائی۔ لوگ آپ کا جنازہ لے کر بازار سے نکلے اور مدفن کی طرف چلے۔ ایک عورت نے جو آپ سے واقف تھی بازار میں پوچھا کہ جنازہ کس کا ہے۔ لوگوں نے بتلایا حضرت روڑا شاہ کا ہے۔ عورت نے از راہ تمسخر کہا کہ اتنے بڑے اولیا بزرگ اور مرے

سلہ بحر ذخار، گنج ارشدی، تجلی نور اول ص ۵۰۸۔

منگل کے دن۔ سنتے ہی حضرت روڑا شاہ تابوت میں بیٹھ گئے۔ اور کفن سے سر نکال کر کہا کہ اب جس دن کہو اسی دن مریں۔ یہ کرامت دیکھ کر لوگ حیران و متعجب ہوئے۔ عورت نے جواب دیا کہ جب آپ ایسے ہی بزرگ ہیں۔ تو جس دن چاہیں مریں۔ یہ سنکر اپنا سر کفن میں چھپا لیا۔

وفات آپ کی ۳ر جمادی الثانی کو ہوئی۔ سال وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ کا مزار محلہ سلح خانہ جون پور سے متصل مشہور و معروف ہے۔[1]

حضرت شاہ اوجھڑ رح

اپنے زمانہ کے کامل مجذوب اور سرمست جام محبت سے مدہوش اور شراب عشق سے سرشار تھے۔ جو کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ فوراً اس کے دل کے حال سے واقف ہو جاتے۔ جو کچھ آپ اپنی زبان فیض ترجمان سے حکم دیتے وہ ننگی تلوار کی طرح فوراً ہو جاتا۔ آپ کے پاس ایک تہہ بند جس سے ستر حسب غرض شرعی ڈھک جاتا۔ دوسرا کپڑا نہ پہنتے نہ رکھتے۔ وفات آپ کی ۲۶ر ذی الحجہ کو ہوئی سال تاریخ معلوم نہ ہو سکا۔ مزار آپ کا محلہ تاڑتلہ شہر جون پور مشہور ہے۔[2]

حضرت شیخ محمد طائف رح

۱۰۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نماز با جماعت پڑھنے کے سخت پابند تھے اور تمام نوافل و وظائف معمولہ جو پیر دستگیر سے حاصل ہوا تھا سختی سے ادا کرتے۔ اور اپنے پیر دستگیر کی مسجد کی امامت کرتے۔ اور اپنے پیر کی وفات کے بعد ایک مدت تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ اور آپ کے پیر نسل چھوٹے لڑکے

---

[1] تجلی نور اول ص۸۵ و ۸۶ ۔ [2] تجلی نور اول ص۸۶ ۔

کے شفقت و محبت سے پیش آتے تھے۔ جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ تو اس قدر محنت سے خدمت کی کہ پیر نے فرمایا کہ ہمارا رفیق شیخ محمد طائف ہے حالاں کہ خلافت سے آپ کو مشرف نہیں کیا تھا۔ مگر آپ نے اپنی قابلیت سے صلاح تقویٰ اور شعار نبوی سے اپنے کو آراستہ کیا۔ اور جو کچھ اشغال واذکار، و اوراد پیر سے پایا تھا۔ اس کے عامل تھے۔ آپ سا عاشق پیر دیکھا نہیں گیا۔ کہ بعد وفات بھی پیر کی رفاقت نہ چھوڑی۔ کبھی کبھی کمال محبت سے پیر کے مزار کا طواف کرنے لگتے۔ اور اس کو فلاح دارین سمجھتے۔ آپ کی وفات بروز چہار شنبہ بوقت عصر ۲۶ ذی الحجہ ۱۱۲۱ھ ہوئی۔ محلہ چاچک پور جون پور اپنے بزرگوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ؎۱

حضرت شاہ صادق مجذوب رح

خلائق کے دلوں سے آگاہ، نفس مستحکم جذبہ قوی رکھنے والے بزرگ تھے۔ آپ ہمیشہ ویرانے میں رہتے۔ جب آپ فوت ہوئے تو محلہ رانی ساگر جون پور میں دفن ہوئے۔ ایک زمانہ کے بعد جب آپ کی قبر منہدم ہوئی۔ تو قرب وجوار کے لوگ جو قوم کے پاسی تھے مزار کی مرمت کے لئے مزدوروں اور کاریگروں کو لگایا۔ یہ آپ کی کرامت تھی کہ شام کو بقدر مزدوری معمار و مزدور روپیہ محمد شاہی مل جاتا۔ اور آپ کے مزار کی بہترین مرمت ہوئی اور کسی کو بار صرفہ نہ اٹھانا پڑا۔ ؎۲

؎۱ گنج ارشدی صفحہ ۵۳ ج ۳ ؎۲ تجلی نور اول صفحہ ۸۶۔

حضرت مولانا سماء الدین جونپوری رح

آپ قاضی شہاب الدین ذاہلی کے شاگرد ہیں۔ غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں دہلی کے قاضی تھے۔ سلطان حسین شرقی آپ ہی کا شاگرد ہے چوں کہ سماء الملت کی رائے امور ملکی میں بیش بہا ہوتی تھی۔ لہذا سلطان نے خواہی نخواہی مسند وزارت پر بٹھا کر قتلغ خاں خطاب عطا فرمایا تھا۔ جب سلطان بہلول لودی نے حسین شاہ شرقی پر لشکر کشی کی تھی۔ تو قتلغ خاں گرفتار کر لئے گئے۔ اور دہلی میں لاکر مثل حضرت یوسف قید خانہ میں محبوس کئے گئے۔ دہلی کے بہت سے باستعداد لوگوں نے آپ کے دیدار و گفتار سے قلبی فروغ اور فراغ پہونچایا۔ بالخصوص شیخ علیلی عرف شیخ بدھا آپ کی صحبت میں بہت جایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ آپ ظاہری باطنی علم میں ایسا کمال رکھتے ہیں جسمیں نقصان نہیں۔

مولانا شمس الدین شیخ رکن الدین، بابو تاج الدین۔ شیخ مرزان۔ شیخ جہانگیر۔ شیخ کبیران محقق بزرگوں نے شہر جون پور میں نشوونما پائی اور اسی شہر میں ان کی خوابگاہیں ہیں۔ [سله]

حضرت یاد امیر سید علی قوام صاحب جون پوری رح

آپ سمانا کے سادات میں سے ہیں۔ خدا طلبی کی سوزش کا ثمرہ یہ ہوا کہ گھر بار سے آوارہ ہو گئے۔ جب جون پور میں پہونچے تو شیخ بہاء الدین جون پوری سے بیعت ہوئے۔ اور ظاہری باطنی کمالات حاصل کئے۔ آپ کی آمد و شد جذبہ و سلوک

سله گلزار ابرار محمد غوثی ص ۴۹۳۔

کے درمیان میں تھی۔ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ آپ شطاریہ سلسلے میں شیخ قازن شطاری کے مرید ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کو تمام مشہور خانوادوں سے نسبت صحیحہ حاصل ہے۔ اور تمام دروازوں سے اپنی استعداد کی بدولت گوناگوں دانش حاصل کی ہے۔ آپ کسی معین لباس کے پابند نہیں تھے کبھی خرقہ پہنتے تھے۔ کبھی قبا زیب بدن کرتے تھے۔ آپ کا جذب آپ کے سلوک پر غالب تھا۔ اور کمتر ہوشیاری میں رہتے۔ مگر ہوشیاری میں بھی عجیب حال رہتا تھا۔

جب آپ تجلی کا تماشہ کرتے۔ تو بہت خوش ہوتے اور اس حالت کے جانے سے ندامت ہوتی تھی۔ ۹۴۵ھ میں انتقال ہوا۔ قبر جونپور میں ہے[1]

حضرت میر محمد مقیم صاحب جونپوری

آپ سوانا کے سادات میں سے ہیں اور میر سید علی قوام کے لڑکے ہیں۔ آپ نے علوم کی تکمیل جونپور ہی میں نامور علماء سے کی۔ اور فرخ سیر کے زمانہ میں دربار شاہی سے متعلق تھے۔ آپ کا شمار نامور ہیئت دانوں میں تھا۔ ایک کتاب علم ہیئت نجوم اور فلکیات پر لکھی ہے۔ یہ کتاب میں نے خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہے۔ صفحہ ۸۴ و ۸۵ پر جدول احوال برج ہے۔ اور میر محمد مقیم کی مہر ہے۔ مگر اتنی باریک ہے کہ خوردبین ہی سے پڑھی جاسکتی ہے۔ اور صفحہ ۱۲۹ پر تین مہریں بلاترتیب ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۱۳۰ سے علم نجوم کی خاص نکتہ رس بحث ہے۔ صفحہ ۱۸۶ پر ایک اور جدول ہے جس کا سلسلہ بہت آگے

---

[1] گلزار ابرار غوثی صفحہ ۲۰۸ و ۲۰۹

تک سو چلا جاتا ہے۔ اس میں بیماری، زراعت، نکاح، سفر، ختنہ، حجامت بادشاہوں کے جلوس وغیرہ کے احکامات درج ہیں۔

صفحہ ۱۹۴ پر جدول احکام قوس قزح آفتاب بروج کی بحث ہے۔

صفحہ ۱۹۵ پر زلزلہ کے احکام اور ان کی علامات اور جائے وقوع بیان کیا گیا ہے۔

صفحہ ۲۰۱ پر طالب مطلوب کے احکام اور موت و زندگی کی جدول دی گئی ہے۔ اور ایسی لاجواب بحث ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

صفحہ ۲۱۴ پر سلاطین کے جلوس و وفات کی پیشین گوئیاں کی گئی ہیں جو صفحہ ۲۲۷ تک ہے۔ اور یہ تمام پیشین گوئیاں اشعار کے اندر ہیں۔ تاریخ تصنیف ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۰۳۹ھ ہے۔

مرزا محمد صاحب رح

عہد ہمایوں و اکبر کے بہت ہی بلند مرتبہ بزرگوں میں گذرے ہیں۔ بادشاہ کی طرف سے آپ کو جاگیر و وظائف بھی دیئے گئے تھے۔ بڑی شان و شوکت سے بسر کرتے تھے مزار کے اتر طرف مدرسہ و خانقاہ بھی تھی۔ اور وہیں آپ کا سکونتی مکان تھا۔ سیکڑوں طالبان علم سیراب ہوئے۔ آپ کے سرہانے لوح مزار نصب ہے جس پر اشعار ذیل ابھرے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بزرگوں کے مزارات ہیں۔ یہ مزارات روہٹہ میں ہیں۔

اس قبرستان کا رقبہ ۵۰×۵۰ فٹ ہے اور آٹھ فٹ بلند چبوترہ ہے۔ پودہ اور کنواں اس قبرستان سے متعلق ہے۔ جس سے کھیتوں کی آبپاشی ہوتی ہے۔ آٹھ قبریں سنگی پختہ نہایت شاندار اور دو قبریں چونے کی شکستہ موجود ہیں۔ اس قبرستان کے پچھم جانب ایک قناتی مسجد تھی

جو منہدم ہو چکی ہے۔ دکھن کی ایک قبر کا پتھر سنگ مرمر ہو گیا ہے۔ اس چبوترے پر دو درخت نیم پورب و دکھن کونے پر بہت پرانے اور قد آور ابھی تک موجود ہیں۔ اس چبوترے کے ماتحت ملحقہ زمین تھی جو مزروعہ ہے۔ لوح مزار کے اشعار ملاحظہ ہوں سہ

بہ لطف قامت دلجو علم بود ۔ جو سرو بوستاں مرزا محمد
مقیم گلشن فانی بگردید ۔ بجنت شد رواں مرزا محمد
خرد می سرو قدش گفت تاریخ
بروں شد از جہاں مرزا محمد

۹۹۴ھ

حضرت شیخ عارف شیر سوار

آپ حضرت شیخ بخاری کی اولاد سے تھے۔ اور کاملین زمانہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ پر سماع میں بہت جلد حالی اور وجد طاری ہو جاتا تھا۔ اکثر اوقات حالت جذب میں جنگل اور پہاڑوں کی طرف نکل جاتے تھے۔ اور کبھی شیر کی سواری کر کے ٹہلتے ہوئے نظر آتے۔ اتفاق سے زمانہ کی ناموافقت کی وجہ سے وطن مالوف ترک کر کے جون پور چلے آئے۔ اور یہیں مستقل قیام کر لیا۔ اور یہیں وفات بھی ہوئی۔ آپ کا مزار موضع پوکھریا پور میں قریب سڑک الہ آباد جون پور میں ہے سلہ

سلہ اخبار الاخیار۔ گنج ارشدی۔

حضرت عبدالرحیم شاہؒ

اپنے وقت کے عارف کامل اور سالک طریقت تھے۔ آپ خاندان چشتیہ سے سلسلہ ارادت و خلافت رکھتے تھے۔ اور آپ کو سید اچھے حامد شاہ مانکپوری سے نسبت تھی۔ ریاضت باطنیہ کی گرمی سے آپ کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا۔ اور آنکھیں سرخ رہتی تھیں۔ جس کی نظر آپ کے روئے جمال پر پڑتی۔ خیرہ ہو جاتی۔ اس لیئے آپ کسی پر نگاہ نہ کرتے۔ اور نہ کوئی آپ پر نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کرتا۔ حلم۔ صبر۔ رضا و شفقت۔۔ مخلوق خدا میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ آپ اپنے وقت کے قطب اور مرجع خلائق تھے۔ اکثر لوگ آپ کی دعا کی برکت سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ آپ کی شہرت اس درجہ بلند ہوئی۔ کہ بڑے بڑے علماء مشائخ و امراء شہر آپ کے پاس ہر وقت جمع رہتے۔ آپ کی درگاہ پہ ہر وقت ایک مجمع لگا رہتا۔

سال وفات آپ کا معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کا مزار سرخ و سفید پتھر کا محلہ کٹگھرہ جونپور میں عیدگاہ کے پچھم جانب اتری سڑک سے اسی ڈنڈ قدم کے فاصلہ پہ ایک بلند چبوترہ پر ہے۔ جو جنگلی قبر کے نام سے موسوم ہے اور اب تک فیض جاری ہے۔ [۱]

حضرت میر حیات صاحب تیز قدمؒ

آپ جونپور کے رہنے والے اویسی خاندان سے اور چشتیہ نسب رکھتے تھے۔ آپ بہت باکمال بزرگ اور مشہور زمانہ تھے۔ آپ اکثر سماع سنتے اور آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی

---

[۱] تذکرۃ الصلحا قلمی صفحہ ۸۲ و ۸۳۔

اور مزاج میں ایسی برانگیختگی پیدا ہوجاتی کہ جنگل کی طرف نکل جاتے اور چلتے وقت راستہ اتنی جلد طے کرتے کہ کوئی پہچان نہ پاتا۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور بڑے بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور زندگی بھر آپ کے مزاج کی وارفتگی دور نہ ہوتی۔ اور جب آپ پر مصیبت پڑتی۔ آپ صبر و شکر کرتے۔ اور کبھی آپ کسی امیر سے کسی قسم کی امداد کے طالب نہ ہوتے۔ آپ کی قبر محلہ کٹگھرہ جون پور عیدگاہ کی پشت چبوترہ پر اکسٹھ قدم کے فاصلہ پر موجود ہے اور اب تک فیض جاری ہے۔ ؎۱

حضرت شیخ بڈھن صدیقیؒ

آپ شیخ رکن الدین کے بیٹے تھے اور سلطنت کے آخر دور میں دہلی سے جون پور تشریف لائے۔ اور یہاں قوام الملک کے عہدہ سے سرفراز ہوئے آپ نے جون پور میں علوم ظاہری حاصل کیا۔ چوں کہ طبیعت حق آشنا تھی۔ اس لئے علوم ظاہری کے اکتساب کے بعد علوم باطنی کی طرف رجوع ہوئے اور اکثر مشائخ سے استفادہ کیا۔ لیکن طبیعت کو سکون نہوا۔ یہاں تک کہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے.... چند روز صفائی قلب و ریاضت میں اتنی محنت کی۔ کہ درجہ خلافت پر ممتاز ہوئے۔ حتیٰ کہ ملفوظات شیخ عبدالقدوس جو بہت نامی کتاب ہے تالیف شروع کر دی۔ اور درجہ اتمام کو پہونچایا۔ اس کتاب میں چند رقعات بنام شیخ بڈھن منجانب شیخ گنگوہی درج ہیں۔ جس سے شیخ بڈھن کی رفعت و مرتبے کا اندازہ

؎۱ تذکرۃ الصلحا ص۳۳

ہو سکتا ہے۔ آپ کا زمانہ بابر شاہ و ہمایوں کا زمانہ تھا۔ آپ نے جونپور میں ایک محلہ شیخاں صوفی آباد کیا۔ اور اسی محلہ کے قریب ایک چک معافی چک شیخان کے نام سے آپ کی تھی۔ آپ کی عمر طویل تھی۔ اس وجہ سے لوگ آپ کو خضر کہتے تھے۔

سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کی قبر محلہ شیخان صوفی میں پختہ محل چھتری گھاٹ کے قریب موجود ہے۔ جو ایک روضہ میں ہے۔ آپ صاحب کشف و کرامت و ریاضت تھے۔ آپ کی اولاد موضع بروِنہ ضلع اعظم گڈھ میں آباد ہے [۱]

حضرت بھول شاہ رح

آپ دل آگاہ اور حق شناسوں میں بہت بڑے اللہ والے بزرگ خیال کئے جاتے تھے اور درویش جہانیاں و مرد کامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ شروع میں آپ حالت سکر و جذب میں اپنے ہوش و حواس سے گذر جاتے۔ اور دن رات محویت و استغراق حق میں محو رہتے۔ اور اپنی کچھ خبر نہ رکھتے۔ آخر کار مجذوب سالک کے درجہ پر پہونچ گئے۔ جب کبھی آپ ہوش میں آجاتے خلق اللہ کے ساتھ کمال محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے۔ اور بعض اوقات جذبہ ذوق و شوق و بادہ سرمستی میں ایسا گم ہو جاتے کہ کھانے اور سونے کا بھی خیال نہ رہتا۔ آپ سے بہتوں کو فیض حاصل ہوا۔ اور لوگوں کا ہجوم آپ کو گھیرے رہتا۔ اور حسب حیثیت ہر شخص کا مقصد پورا ہو جاتا۔ اکثر آپ پر الہامی کیفیت طاری ہوتی۔ اور آپ کچھ بیان فرماتے۔ لیکن آپ کو تنہائی زیادہ پسند

---

[۱] تذکرۃ الصلحا صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲۔

تھی۔ لہذا آپ زیادہ تر قصبہ پر مانک پور کے جنگلوں میں قیام کرتے جس وقت کہ بادشاہ کے حکم سے شہزادہ فیروز شاہ نے دریائے گومتی پر پشتہ کلاں بغرض حفاظت شہر تعمیر کرایا۔ اسی جگہ آپ کا مزار بھی ہے۔ مگر اس جگہ ایک حجرہ پختہ مسقف تعمیر کرا کے خام قبر اس کے اندر کرادی اور اوپر کی قبر پختہ کرادی۔ اس حجرہ کی چھت پر دیوار پشتہ اب تک قائم ہے۔ اور خلق اللہ کی مقصد براری ہوتی ہے۔

سال وفات معلوم نہ ہوسکا۔ سڑک پختہ جو جبی پور سے چھپیا جاتی ہے اسی سڑک کے کنارے آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے [1]

حضرت ماموں بھانجے

حضرت مخدوم شیخ عماد الدین انصاری چشتی اور ان کے بھانجے آپس میں مرید و خلیفہ تھے۔ یعنی مخدوم شاہ واحدی عرب سے وارد ہندوستان ہوئے سکندر لودی دہلی کا بادشاہ تھا۔ آپ نے دہلی میں سکونت اختیار کی۔ مگر جب آپ نے جون پور کے اکابرین اور علمار کرام کی شہرت سنی تو جون پور تشریف لائے۔ اور کچھ دنوں قیام کیا۔ جون پور پہونچ کر حضرت مخدوم سید علی عاشقاں سرائمیری کا شہرہ سنا۔ اور ضلع اعظم گڈھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت مخدوم کے پاس اپنی حاضری کی خبر کی۔ حضرت مخدوم نے ایک پیالہ پانی سے بھرا ہوا بھیج دیا۔ اس میں اشارہ تھا کہ یہاں آپ کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ نے اس اشارہ کو سمجھا اور جواب میں ایک پھول گلاب کا ڈالا جو تیرنے لگا۔ اور پیالہ حضرت مخدوم کے پاس بھیجدیا۔ اس میں یہ اشارہ

---

[1] تذکرۃ الصلحا ص ۱۰۱

تھا۔ کہ میں پانی پر مثل گلاب کے قیام کروں گا۔ تاکہ پانی اور پیالے پر بار نہ ہو۔ حضرت مخدوم نے اشارہ سمجھ لیا اور بیحد پسند فرمایا۔ اور دونوں حضرات کو ملاقات کے لئے طلب کیا۔ اور بیحد محبت و شفقت سے پیش آئے۔ یہاں تک کہ حضرت مخدوم نے مخدوم شاہ واحدی کی شادی سرائمیر کے اطراف میں کرادی اور سرائمیر میں اب تک آپ کی اولاد موجود ہے۔

غرضکہ کچھ دنوں سرائمیر میں رہ کر جونپور واپس چلے آئے۔ محلہ سپاہ شنجواڑہ میں قیام کیا۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ قبر حضرت عمادالدین پختہ پچھم طرف اور حضرت مخدوم واحدی کی قبر پختہ و بلند ہے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل رح

متاخرین بزرگوں میں آپ بہت نامور اور صاحب فیض و برکت تھے۔ آپ کے پاس لوگوں کا ہجوم اور آپ سے خرق عادت بھی صادر ہوا کرتی تھی۔ آپ کا شمار بزرگان کاملین میں تھا۔ آپ خانوادہ قادریہ و چشتیہ کے سجادہ نشین حضرت شاہ عبدالحلیم قادری سے بیعت تھے۔ پہلے ہی جذبۂ الٰہی آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گیا اور شوریدہ سری اتنی بڑھی کہ صحرا صحرا جنگل جنگل گھومنے لگے۔ طبیعت کو ایک جا سکون نہ ملتا تھا۔ کبھی غازی پور میں دکھائی دیتے تو کبھی اعظم گڈھ اور کبھی بنارس میں اور پھر جونپور آجاتے۔

آپ پر جذب و سلوک دونوں غالب تھا۔ اولاً تحصیل کراکت کے موضع گدی میں ایک بلند زمین کے حصہ پر آبادی سے باہر چلہ کشی کی۔ اس سے فراغت پاکر موضع ہرپن کے قریب دریائے گومتی کے کنارے اقامت گزیں

لہ تذکرۃ الصلحا صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵۔

ہو گئے۔ اور مکان و حجرہ خام تعمیر کرایا۔ اور اسی حجرے میں ذکر و شغل میں
مصروف رہے۔ آپ سماع میں شرکت کرتے تو وجد ضرور طاری ہوتا۔ اور
امیروں کی صحبت میں بیٹھنا بالکل پسند نہ کرتے تھے۔ آخرش بعد وفات اپنے
حجرہ میں ہی دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پختہ کراکف میں اب بھی موجود ہے۔ اور
مرجع خلائق ہے۔ [1]

ملا عبد الاول محشی رح

آپ سید علاء الدین لاجوری جون پوری کی اولاد میں سے ہیں اور قاضی صلاح الدین خلیل کے شاگردوں میں سے تھے۔ آخر عمر میں نہایت غربت میں مبتلا ہو گئے تھے اس وجہ سے جون پور ترک کر کے گجرات چلے گئے۔ وہاں زیارت حج سے مشرف ہو کر کچھ دنوں بعد احمد آباد چلے آئے۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے خانخاناں کی بیگم کی طلبی پر دہلی پہونچے۔ اور وہیں آخر عمر تک رہے۔ ۹۶۸ھ میں وفات پائی آپ تمام علوم رسمیہ عقلی و نقلی میں کامل تھے۔ اکثر علوم میں آپ کی تصنیفات موجود ہیں۔ فیض الباری شرح صحیح بخاری آپ کی تصنیف ہے۔ اور رسالہ فرائض سراجی بھی آپ ہی نے نظم کی ہے۔ اور نفس معرفت کی تحقیق میں ایک رسالہ فارسی اور بھی مشہور ہے جس کی عبارت نہایت محققانہ ہے آپ نے تاریخ و سیر پر بھی تصنیفات کی ہیں۔ اور بہت سی کتابوں کی شرح اور حواشی بھی آپ سے منسوب ہیں۔ آپ کی قبر محلہ رضو یخاں میں بلند ٹیلے سے دکھن میں پیپل کے درخت کے نیچے کچھ بلندی پر ہے [2]

---

[1] تذکرۃ الصلحا صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵۔ [2] خزینۃ الاصفیا۔ وسیرۃ الاولیاء۔

حضرت ملا عبد الستار قادری رح

آپ ملا محمود جون پوری کے بھانجے تھے۔ اور جانشین بھی۔ آپ نے علوم وفنون کا تکملہ ملا محمود جون پوری سے کیا۔ اور تھوڑے عرصہ میں آپ کا مرتبہ قوت فکر اور ذہن کی رسائی کی وجہ سے بہت بلند ہو گیا۔ علوم عقلی و نقلی میں بہت مشہور ہو گئے۔ آپ نہایت متشرع اور روز و شب نوافل کے پابند بزرگ تھے۔ پہلے آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ مگر یک بیک آپ کا دل دنیا سے ہٹ گیا۔ اور ہر دم موت اور انجام کی طرف نظر پڑنے لگی۔ رات دن میں چند لمحہ سوتے۔ بقیہ ہر وقت بیدار رہتے۔ تمام دن روزے سے رہتے۔ شام کو مختصر سی غذا سے افطار کرتے۔ اور بعد افطار پھر دوسری غذا نہ کھاتے۔ اور سوائے نماز ظہر کے اور کسی وقت اپنے حجرے سے باہر نہ آتے۔ فرائض کی ادائیگی کے بعد چند ساعت لوگوں سے بات کرتے اور پھر اپنے حجرے میں تشریف لے جا کر اشغال باطنی میں مشغول ہو جاتے۔ وقت آخر جون پور میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ آپ کی قبر پختہ محلہ بلوچ ٹولہ قریب محلہ سپاہ ملا محمود کی قبر سے پچھم طرف شکستہ ہو چکی ہے اور کانٹے دار جھاڑیوں میں روپوش ہے۔ [۱]

حضرت ملا سید احمد عالم رح

آپ جون پور کے اکابرین میں تمام علوم کے حامل اور روحانیات کے علمبردار تھے۔ آپ نے فضلائے زمانہ سے بہت فیض حاصل کیا۔ اور آپ کا شمار یہاں کے مشاہیر علماء میں ہونے لگا۔ خدا شناسی میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ آپ

---

[۱] تجرد نار، گنج ارشدی۔

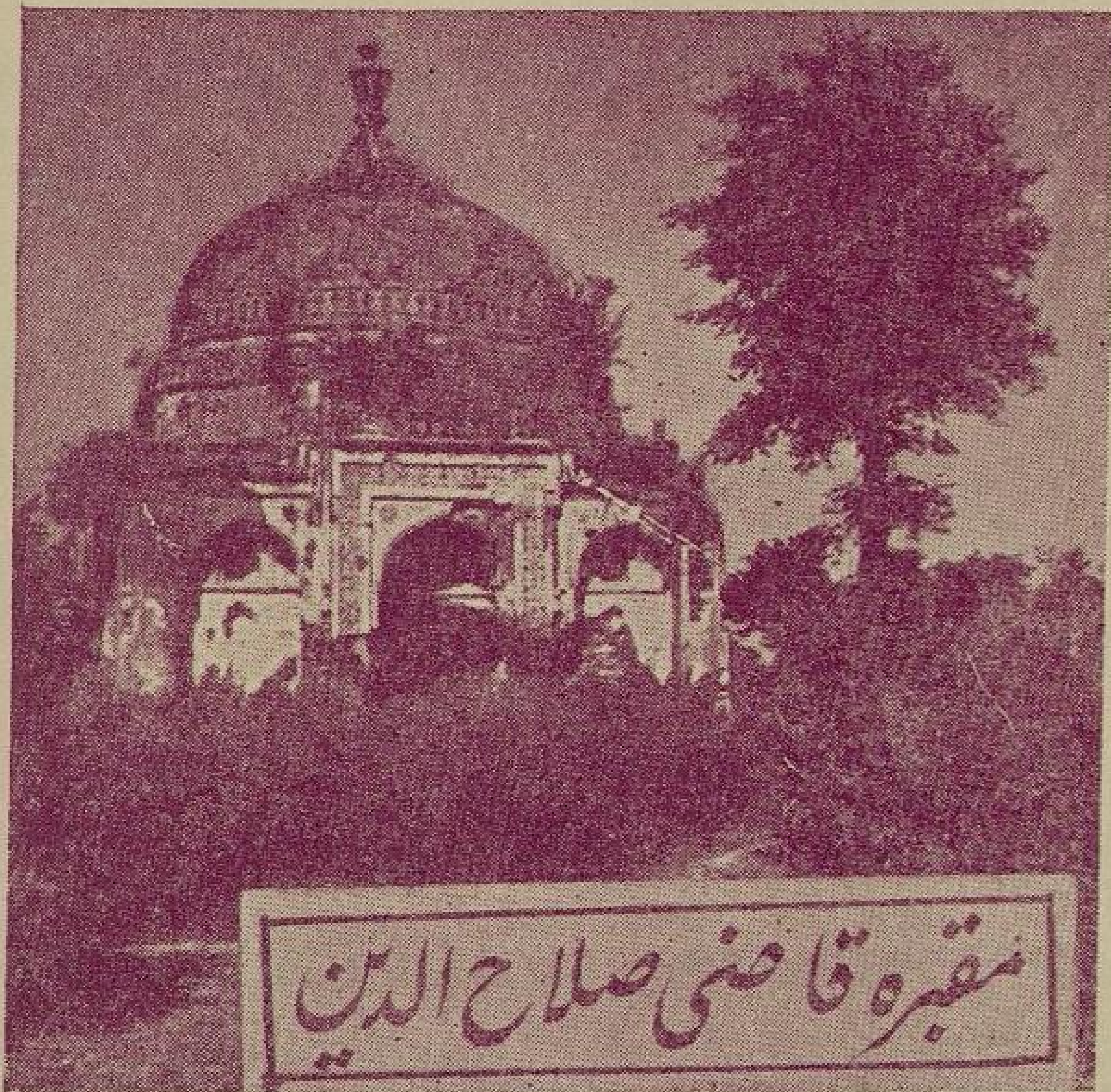
میں توکل و استقامت بہت تھا۔ اور اکثر خانوادوں سے نسبت رکھتے تھے کہا جاتا ہے کہ آپ میں بزرگی اہل باطن کی تھی۔ اور آپ اہل فیض میں سے تھے۔ آپ سے جس نے ایک سبق بھی پڑھ لیا۔ علم کے میدان میں سیکڑوں سے بازی لے گیا۔ اس وجہ سے آپ کے دروازہ پر روزانہ طلباء کا ہجوم رہتا آپ کثرت سبق سے عاجز آکر حجرہ بند کر لیا کرتے تھے۔ علامہ زماں حضرت دیوان محمد رشید جون پوری نے بھی آپ سے ایک یا دو سبق پڑھا تھا۔ کہ سرمایہ علم و دانش ہاتھ آگیا۔ آپ کا مزار محلہ سپاہ میں ہے۔ ۱؎

حضرت قاضی صلاح الدین خلیل رح

قاضی نظام الدین کیکلانی کی اولاد سے تھے۔ اور تعلیم و تربیت اپنے جد سے پاکر فضل و کمال کو پہونچے۔ آپ کا خلق بہت وسیع تھا۔ آپ ایسے خوش بیان و خوش آواز تھے کہ دیکھنے و سننے والے ہمہ تن شوق و سراپا تمنا ہو جاتے۔ آپ جملہ علوم کے ماہر اور علم فقہ میں کافی دستگاہ رکھتے تھے اسی وجہ سے آپ کا علم و فضل دنیا میں مشہور ہوا۔ علماء فضلا مستفید ہونے کے لئے جوق در جوق حاضر ہوتے۔ اور آپ کے اطاعت گزار ہو کر فائدہ و فیض حاصل کرتے۔ بعد وفات جد خود جون پور کے قاضی ہوئے۔ اور بیس سال تک منصب قضا نہایت دیانت اور احتیاط سے انجام دیا۔

آپ کی تصنیف میں شرح الاشباہ والنظیر فی الفروع۔ آپ کی یادگار ہے۔ بالآخر پچاس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کے مزار پر بلند عمارت محلہ کٹگھرہ عید گاہ کے دکھن کے کونے پر مقبرہ صلاح مشہور ہے۔ سال وفات

۱؎ ثارتخ جبدولیہ۔


مقبرہ قاضی صلاح الدین

آپ کا معلوم ہو سکا[1]۔

مقبرہ کی حالت بہت خراب ہے اس کا دکھنی حصہ گر گیا ہے۔ اس کی مرمت کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔

حضرت مخدوم ملا محمد افضل استاد الملک رح

کو حق تعالیٰ نے مقبول فرما کر فیض علوم آپ کی ذات بابرکات سے ہر طرف پھیلا دیا۔ ایک زمانہ آپ کے خوان یغما سے مستفید ہوا۔ اور آپ استاد الملک کے خطاب سے مشہور ہوئے۔

اور اس زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے آپ کے آگے بلاواسطہ یا بالواسطہ زانوئے ارادت نہ کر کے سبق نہ پڑھا ہو۔ سیکڑوں آپ کے فیض درس اور تعلیم سے عالم جید اور فاضل متبحر ہوئے۔

دیوان مخدوم عبدالرشید صاحب رشیدیہ۔ و ملا محمود صاحب شمس بازغہ۔ آپ کے راسخ شاگرد اور ایسے فاضل اجل اور مشہور زمانہ ہوئے کہ ان کے نام کا دنیا میں ڈنکا بج رہا ہے۔ اور تا قیامت بجتا رہے گا۔ جب ملک العلماء قاضی شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے رخصت ہوئے تو اہل جون پور نے علم کے رخصت ہونے کا ماتم کیا۔ مگر ان کو معلوم نہیں تھا کہ ملک العلماء بذات خود دنیا سے گئے اور خلعت فاخرہ آئندہ کے لئے حضرت استاد الملک نے پہنا۔

گماں مبر کہ تو چوں بگذری جہاں بگذشت
ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی

کہتے ہیں کہ ملا افضل شیخ عثمانی اولاد حضرت عثمان ہارونی سے تھے۔

---

[1] کشف الظنون۔ گنج ارشدی۔ تجلی نور دوم ص۴۲۔

اور آپ کے والد حضرت مفتی حمزہ ناموافقت زمانہ کی وجہ سے وطن اصلی مضافات مازندران کو چھوڑ کر ہندوستان آگئے۔ اور بوجہ موافقت آب و ہوا اور حکام کی توجہ کیوجہ سے قصبہ ردولی میں قیام فرمایا۔ اور عہدہ مفتی پر مقرر ہوئے۔ اور وہیں ۱۶ر رمضان المبارک ۹۷۷ھ ملا افضل رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ جب آپ سن شعور کو پہنچے تو علوم ظاہری اپنے والد ماجد سے پڑھا۔ مگر اس پر اکتفا نہ کیا۔ اور دہلی تشریف لائے۔ اور حلقۂ درس ملا جیون میں بیٹھے۔ حضرت ملا جیون جملہ علوم میں مشہور زمانہ تھے۔ اور ملا طاہر لاہوری و حکیم اسمٰعیل کے شاگرد تھے۔ مشکل اسباق و تحقیقات علوم عقلیہ و درس صحاح ستہ کو بڑی محنت سے پڑھا۔ اور سنا۔ اور اس قدر علوم تحصیل میں جانفشانی فرمائی کہ بیس سال کی عمر میں تمام علوم سے فارغ ہوگئے۔ اور اپنے چھوٹے بھائی شیخ سلطان محمود کے ساتھ جون پور تشریف لائے اور سپاہ میں قیام فرما کر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ آپ علوم ظاہری کے علاوہ علم باطن کے بھی بہت بڑے شہسوار تھے۔ اور حضرت مخدوم عبدالقدوس قلندر جون پوری سے مرید تھے آپ سے کرامت و خوارق بہت ظاہر ہوئیں۔ آپ بلا ضرورت بادشاہوں کے دربار میں نہ جاتے۔ مگر بضرورت فقراء و طلباء تشریف لے جاتے۔ حضرت ملا محمود کا انتقال ہوا جو آپ کے بہت محبوب اور نامور شاگرد تھے۔

حضرت استاد الملک بہت مغموم ہوئے اور اس قدر سخت صدمہ ہوا کہ بعمر چوراسی سال سات ماہ بتاریخ ۱۹ر۔ یا ۱۳ر ربیع الثانی بہ سال ہزار و شصت و دو ہجری (۱۰۶۲ھ) انتقال فرمایا۔ مزار پر انوار محلہ چاچک پور شہر جون پور ایک قد آدم بلند چبوترہ پر مرجع خلائق ہے۔ آپ کی نسل سے کوئی اولاد باقی نہیں ہے۔ آپ کے چھوٹے بھائی سلطان محمود کی اولاد موجود ہے۔

حضرت شیخ چندن شہید رح

آپ کے والد امیر تیمور کے حملہ کے زمانہ میں دہلی سے جون پور آئے۔ اور محلہ فیروشہ پور میں سکونت اختیار کی۔ حضرت شیخ چندن ۸۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ جب سن شعور کو پہونچے تو ابتدائی کتابیں علماء جون پور سے پڑھیں اور علوم کا تکملہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے فرمایا۔ اور مسند درس پر بیٹھے۔ کچھ دنوں تک درس دیتے رہے۔ بہت سے طلباء نے آپ کے خزانہ علم سے فیض اٹھایا۔ بعد کو آپ کی طبیعت کا رجحان علم باطن کی طرف ہوا۔ قاضی نصیر الدین گنبدی سے بیعت کی اور دوسرے مشائخ جون پور سے کسب فیض کیا۔ اور اس درجہ ریاضت مجاہدہ اور تزکیہ نفس کیا کہ جسم و جان کا بھی ہوش و حواس نہ رہا۔ اور مہینوں ضروری کام کے علاوہ اپنے حجرہ سے باہر نہ آتے۔ اور نہ کسی سے بات کی۔ آپ کا نفس اس قدر مردہ اور طابع فرمان ہو گیا تھا۔ کہ مدح و ذم دونوں برابر تھا۔ اور پیر روشن ضمیر نے شہید نفس کا خطاب دیا۔

آپ سوائے مراقبہ، مجاہدہ ذکر و اوراد کے بہت کم لوگوں سے باتیں کرتے اور نہ اپنی محفل میں غافلوں کو بٹھاتے تھے۔ آپ کا انتقال ۸۸۲ھ بزمانہ سلطان جلال الدین لودی ہوا۔ اور اپنی مسجد کے صحن میں دفن ہوئے آپ کا مزار محلہ فیروزشہ پور میں جو سڑک عیسیٰ پور کو جاتی ہے۔ بائیں جانب کچھ بلندی پر واقع ہے۔ اس کے متصل ایک مسجد ہے۔ مسجد کے پچھم میں آپ کے خلفاء و مریدین کے مزارات ہیں۔ واحد شاہ ان مزارات کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

سلہ نیوض الابرار قلمی ص۱۱۔

حضرت مخدوم شاہ مظفرؒ

آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور اولیاء کاملین میں تھے۔ ابتدا میں آپ پر جذب و سلوک دونوں کیفیات طاری تھیں۔ مگر آخر میں سلوک غالب آیا اور بہت ہی متبع شریعت محمدی ہوئے۔ عہد سلطنت اکبر بادشاہ میں محلہ رضوی خاں میں سکونت اختیار کی۔ منعم خاں خانخاناں کو آپ سے بہت عقیدت اور محبت تھی۔ توجبارہ غلام آپ کا مرید تھا۔ اور از حد عقیدت رکھتا تھا۔ اس نے محلہ رضوی خاں میں لب سڑک ایک مسجد تعمیر کی۔ اسی مسجد سے متصل اتر کی طرف آپ کی خانقاہ و مدرسہ تھا۔ اور ایک کنواں بھی اتر طرف مسجد سے متصل بنوایا۔ خانقاہ و مدرسہ کی عمارت مسمار ہو چکی ہے۔ صرف مسجد موجود ہے۔ اور مرمت طلب ہے۔ کنواں لوگوں نے کوڑے سے پاٹ دیا ہے۔ مگر نشان باقی ہے۔ آپ کی وفات شاہجہاں کے آخری عہد میں ہوئی۔ مزار پر انوار صحن مسجد میں پورب طرف ایک خطیرہ میں مرجع خلائق ہے اور فیض جاری ہے۔ [۱]

حضرت ملا شیخ حامدؒ

اولاد شیخ سلطان محمود جو ملا محمد افضل استاد الملک کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اور تمام عمر درس و تدریس میں بسر فرمائی اور آپ کے فیض علم سے بہت زیادہ طلباء فیضیاب ہوئے۔ اور زیادہ حال تفصیل کے ساتھ آپ کا معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کی قبر محلہ چاچک پور رجہ نپور میں ہے [۲]

---

[۱] تاریخ جون پور۔ تجلیات العارفین، فیض الابرار۔

[۲] تجلی نور دوم صفحہ ۷۴، بحر زخار، گنج ارشدی، سبحۃ المرجان

حضرت ملا محمد یوسف رح

اپنے والد ملا شیخ حامد کے شاگرد تھے زبردست فاضل اور مشہور علما میں تھے۔ آپ صوفی مشرب بزرگ تھے۔ اور آپ نے بہت سے اپنے زمانہ کے مشائخ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا۔ بعد وفات اپنے والد ماجد کے مدرسہ استاد الملک میں درس کی خدمت بھی بہت نیک نامی کے ساتھ انجام دیا۔ اور بعد انتقال محلہ چاچک پور جون پور میں دفن ہوئے۔ سلہ

حضرت شیخ احمد رح

اولاد وشاگرد ملا یوسف کے تھے۔ اور اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ تمام علوم کو درجۂ کمال حاصل فرمایا۔ اور زہد وتقویٰ میں بے مثل تھے۔ آپ دربار سلطانی میں تشریف لے گئے۔ اور عہدۂ قاضی القضاۃ کوڑا جہان آباد پر مقرر ہوئے اور آخر عمر تک اس عہدہ کی خدمت انجام دے کر انتقال فرمایا۔ اور آپ کی نعش مبارک کوڑا جہان آباد سے جون پور آئی۔ اور محلہ چاچک پور میں دفن ہوئے۔ سلہ

حضرت قاضی سلطان قلی خاں رح

قاضی شیخ احمد کے لڑکے تھے تمام علوم عقلی ونقلی اپنے والد سے نہایت بہتر طریقہ سے حاصل کیا۔ مگر اسی پر اکتفا نہ فرمایا اور دہلی گئے۔ اور بقیہ علوم کی تکمیل دہلی میں کیا اور فاضل کامل ہوئے۔ اور تمام امور میں اسقدر ماہر وکامل تھے کہ مدتوں درس وتدریس میں بسر کیا۔ اور تفسیر سورہ یوسف بکمال تحقیق عربی زبان میں لکھا۔ بعد وفات حضرت قاضی احمد درجہ قاضی القضاۃ

سلہ تجلی نور دوم صفحہ ۶۱ سلہ تجلی نور دوم صفحہ ۶۱۔

کوڑاجہان آباد مقرر ہوئے۔ اور منصب قضا آخر عمر تک نہایت عزت کے ساتھ انجام دیا۔ بعد وفات لاش یہاں آئی۔ قبر چاچکپور شہر جونپور میں ہے۔ سلہ

حضرت مولوی محمد فصیح رح

علم و زہد تقویٰ میں بے مثل اور دقیقہ رسی و نکتہ دانی معقول اور منقول میں بے بدل تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت سلطان محمود برادر خورد استاد الملک تک پہونچتا ہے۔ باوجود اس قدر علم و فضل کے آپ کے مزاج میں تواضع و انکسار بہت تھا۔ ہر شخص سے میٹھی اور دل موہ لینے والی آواز میں گفتگو کرتے اور بروقت ملاقات نہایت پاکیزہ اخلاق و محبت سے ملتے۔ اکثر بعد نماز جمعہ وعظ فرماتے اور طرز بیان آپ کا اتنا بہتر اور دلکش ہوتا کہ سامعین کے ہر نکات و رموز سمجھ میں آجاتے۔ اگر کوئی سوال کرتا تو اس کو جواب اس طرح دیتے کہ اس کی تسلی ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا کہ ہر چیز بھول جاتی ہے۔ جب نماز یاد آتی ہے۔ فرمایا نماز قلب کی چراغ ہے۔ اور خانہ دل اندھیرا ہے۔ بس دل روشن ہو جاتا ہے۔ شاہ محمد علیم الہ آبادی آپ کے بڑے شاگردوں میں ہیں بعد انتقال چاچکپور جونپور میں مدفون ہوئے۔ سلہ

حضرت ملا دائم قادری رح

ملا محمود جونپوری کی اولاد سے تھے۔ علوم ظاہری کا تکملہ علماء نواح سے فرمایا۔ بروقت فرصت اپنے استعداد ذہن کی قوت سے اپنے علم کو بلند کیا اور علوم عقلی و نقلی میں مشہور ہوئے۔ رات دن نماز نوافل میں گزارتے۔

سلہ تجلی نور دوم صہ ۲۷ سلہ تجلی نور دوم صہ ۲۷۔

اوائل عمر میں درس و تدریس میں مشغول رہے کہ یکایک دل دنیا سے متنفر ہوا اور حجرہ میں بیٹھے۔ تمام دن روزہ رکھتے اور تمام رات عبادت کرتے بجز چند ساعت کے رات دن نہ سوتے تھے۔ افطار کرنے کے بعد تھوڑی سی غذا جو مقرر تھی کہاتے۔ اس کے سوا کچھ نہ کھاتے پیتے۔ اور حجرہ سے نماز ظہر کے وقت باہر آتے اور فرض نماز کی ادائیگی کے بعد لوگوں سے بات چیت کرتے۔ اور پھر حجرہ میں چلے جاتے اور اشغال باطنی میں مشغول ہو جاتے اس طرح کچھ دنوں تک مجاہدہ میں مشغول رہے۔ اور ارواح بزرگان سلسلہ قادریہ اور درویشان سلاسل جن سے نسبت تھی فیض حاصل کیا کہ وقت آخر آپہونچا۔ اور زمین جون پور میں وفات پائی۔ تاریخ وفات معلوم ہو سکی قبر آپ کی محلہ نصیب خاں منڈوی میں ہے۔ [1]

حضرت ملا عبد الجلیل انصاری

قوم شیخ آپ کا نسب حضرت خواجہ عبد اللہ تک پہونچتا ہے۔ اور حضرت مخدوم رکن الدین جون پوری سے بھی ملتا ہے۔ آپ علم و فضل میں بہت افضل و صلاح و تقویٰ و علم حدیث میں کامل اور نامور تھے۔ شہرہ کمال علم دور دور تک پہونچا تھا۔ اور بادشاہ وقت کا بھی تقرب حاصل تھا۔ بادشاہ شاہجہاں نے ایک ہزار چالیس حدیث جو مسند کے نام سے مشہور ہے آپ سے مرتب کرایا۔ بعدہٗ جون پور سے دہلی گئے اور مکہ معظمہ تک تشریف لیجاتے وقت راستے میں چوروں نے شبخوں مار کر مال و اسباب سب لوٹ لیا۔ اور حضرت ملا عبد الجلیل نے درجہ شہادت پایا۔ [2]

---

[1] بحر زخار۔ گنج ارشدی [2] گنج ارشدی۔

حضرت نور اللہ انصاری رح

حضرت ملا عبد الجلیل جون پوری کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے۔ اور عالموں میں افضل تھے۔ اور علم ظاہر و باطن میں فاضل و کامل تھے۔ اور ہمیشہ مطالعہ کتب و درس و تدریس میں مشغول رہتے اور کمالات علمی میں آپ کی شہرت تمام زمانہ میں تھی۔ زمانہ سلطنت سلطان اورنگ زیب مختلف صوبوں کی صدارت پر مامور رہے۔ بالآخر ۱۰۱۲ھ میں وفات پائی اور محلہ تارٹلہ جون پور میں پائنتی مزار حضرت مخدوم شاہ کبیر دفن ہوئے۔[1]

حضرت ملا عبد الشکور جونپوری رح

قوم شیخ قریشی اور شیخ مبارک خیر محمدی کے فرزندوں میں تھے اور شاگرد ملا عبد الرشید دیوان کے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں زیادہ فیض پایا۔ اور آپ علماء فاضل اور محقق تاج العلماء گذرے ہیں اور تمام عمر درس و تدریس میں گذار دی۔ اور بہت سے طلباء آپ سے فیض پاکر فاضل و عالم ہوئے۔ رسالہ مختصر شرح وقایہ بزبان عربی بہت ہی اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے اور مسئلہ در ذرہ بہت ہی تحقیق و جامعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ اس عرصہ میں پیغام موت آپہونچا۔ بتاریخ ۷ر جمادی الاول ۱۰۷۲ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر محلہ سپاہ پائنتی مزار خیر محمدی ہے۔[2]

حضرت خواجہ ارزانی محدث جونپوری

آپ اپنے والد مخدوم شیخ ارزانی سے بیعت تھے۔ اور صاحب زہد و تقویٰ و عالم جملہ علوم و ماہر فنون محدث زمانہ تھے۔ احادیث

---

[1] تحفۃ الابرار۔ تجلی نور دوئم ص۵۵ [2] بحوالہ گنج ارشدی۔ تجلی نور دوئم ص۵۶۔

مشارق بترتیب حروف تہجی بموجب ترتیب مصابیح الانوار تالیف فرمایا۔ اور اس کا نام مدارج الاخیار رکھا۔ اور آپ کی فضیلت کا شہرہ اس قدر ہوا کہ دربار شاہی تک آپ پہونچے۔ اولاً آپ شیر شاہ کی رفاقت پر مامور ہوئے۔ پھر عہدہ وزارت پر مقرر ہوئے۔ بالآخر ہنگامہ جنگ ذپیکار بہ سال ۹۸۱ھ قلعہ چنار میں فوت ہوئے۔ لاش جون پور لائی گئی اور محلہ اننن میں دفن ہوئے۔ یہ محلہ آپ ہی کا آباد کردہ ہے۔ ۱؎

حضرت ملا محمود جونپوریؒ

ایک زبردست اور مشہور علماء جونپور میں تھے اور تمام فضل و کمال آپ کو حاصل تھا۔ آپ نے تمام علوم عقلی و نقلی کو بہتر اور عمدہ طریقہ سے حاصل کیا اور اپنے زمانہ کے عالم یکتا گزرے ہیں۔ بجز درس و تدریس دوسرا کام نہ تھا۔ آپ کے دروازہ پر جوق درجوق طلباء برائے حصول علم حاضر ہوتے۔ اور علم حاصل کر کے جاتے۔ آپ بہت زیادہ فصیح اللسان اور سحر بیان تھے آپ جس وقت وعظ کہتے۔ آپ کی خوش بیانی اور خوش لسانی کی وجہ سے سننے والے ہمہ تن شوق اور سراپا تمنا بن کر سنتے۔

ایک بار اکبر بادشاہ جون پور تشریف لائے اور آپ کے مدرسہ و خانقاہ میں گئے۔ آپ کی خوش بیانی اور کمال علم سے بہت خوش ہوئے طلباء مدرسہ و خانقاہ کے مصارف کے لئے وظیفہ عطا فرمایا۔ جو محمد شاہ کے زمانہ تک ملتا رہا۔ بالآخر ملا نے جون پور میں انتقال فرمایا اور جون پور ہی میں دفن ہوئے قبر سنگین پورانی بازار و بیگم گنج کے درمیان داہنا لب سڑک ہے ۲؎

۱؎ گنج ارشدی۔ تجلی نور دوم ص۵۵ ۲؎ گنج ارشدی۔ تذکرۂ صفحہ ۵۵ و ۵۶

حضرت ملا علی جونپوری

آپ تمام علوم عربیہ میں کامل اکمل اور جملہ علوم معقول و منقول میں کامل اور فنون فروع و اصول میں صاحب لیاقت بزرگ تھے۔ آپ قوت حافظہ اور ذہن کی تیزی کی وجہ سے اپنے اکثر ہم عصروں میں ممتاز و مشرف تھے۔ اور علم و ادب میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے علوم رسمیہ اکثر اساتذہ سے پڑھا۔ مگر تکمیل ملا معمور سے کیا۔ چوں کہ قسمت زبردست رکھتے تھے دربار اکبری میں پہونچ کر عروج حاصل کیا۔ اور بزمرۂ فضلائے شاہی سربلند ہوئے جس وقت کہ اکبر بادشاہ جون پور آئے۔ آپ بھی ہمراہ تھے۔ جون پور ہی میں بلا شرط خدمت وظیفہ مقرر ہوگیا۔ بقیہ عمر درس و تدریس میں گذاری حتیٰ کہ انتقال فرمایا اور یہیں دفن ہوئے۔ قبر امام باڑہ نقی پھاٹک کے دکھن بلند چبوترے پر ہے[۱]

حضرت ملا محمد امین صرفی رح

آپ زبردست عالم علماء جون پور سے تھے اگرچہ آپ تمام علوم کے ماہر تھے مگر علم صرف میں فرد تھے۔ اور اس علم کی شہرت کا ڈنکا تمام دنیا میں بجا۔ آخر میں تصفیہ باطن و صفائی قلب کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اتنی ریاضت کیا کہ عارف کامل اور صاحب دل ہوئے۔ اور اسی شوریدہ سری میں راہ آخرت فرمایا۔ آپ کا مزار پرانوار محلہ ڈھالگر ٹولہ جونپور میں ہے[۲]

حضرت ملا امام الدین رح

اپنے والد ملا سعد الدین کے شاگرد تھے۔ باپ کے علاوہ اور دیگر علماء اکابر سے بھی کمالات علوم حاصل فرمایا۔ چوں کہ آپ کی فکر بلند اور ذہن تیز تھا اس وجہ سے

---

[۱] سیرت الابرار، تجلی نور دوئم صہ ۵۶ [۲] سیرت الاولیاء، تجلی نور دوئم صہ ۵۶۔

بہت تھوڑے عرصہ میں عقل کی رسائی اعلیٰ حوصلگی کی وجہ سے فضل وکمال میں مشہور ہو گئے۔ آپ اپنے زمانہ میں علوم فلسفہ میں سب سے آگے تھے۔ تمام استاد آپ کے حال پر بہت مہربانی فرماتے۔ آپ درس و تدریس کے علاوہ دنیا کے کام میں نہ پھنسے اور کھانے پینے کی تلاش و جستجو میں گھر سے باہر نہ نکلے وضع کے ساتھ گوشہ نشین رہے۔ بالآخر موت کا زمانہ آپہونچا اور انتقال فرمایا۔ مزار آپ کا جون پور میں ہے [1]

حضرت ملا سعد الدین جونپوری رح

آپ مشہور علمائے جون پور میں گذرے ہیں۔ اور شاگرد ملا محمد اعلیٰ جون پوری کے تھے۔ بعد تکمیل علم وطن سے بہ زیارت حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ اور بعد شرف زیارت واپس ہو کر درس و تدریس میں آخر عمر تک مشغول رہے۔ بالآخر جون پور میں انتقال فرمایا۔ اور جون پور ہی میں دفن ہوئے قبر محلہ ڈھالگر ٹولہ جون پور میں ہے۔ [2]

حضرت شیخ رکن الدین جونپوری رح

جب آپ سن شعور کو پہنچے تو شروع میں کل کتابیں درسی بعض علماء سے علی الترتیب پڑھیں۔ اور استعداد و لیاقت حاصل فرمایا بالآخر حضرت ملا سعد الدین سے تکمیل فرمایا۔ اور علم کی فراغت کے بعد مشہور عالموں میں ہوئے۔ اکثر اہل استعداد خدمت میں حاضر ہوتے اور فائدہ اٹھاتے علم الٰہیات و ادب میں بلند مرتبہ تھا۔ چالیس سال آپ نے درس دیا۔ اور بہت سے طلباء آپ کے شاگردوں میں زبردست عالم ہوئے۔ آپ بہت ہی

---

[1] تجلی نور دوم ص۵۷ [2] تجلی نور دوم ص۵۷۔

مالدار با حیثیت اپنے زمانہ میں ممتاز تھے اور کافی مال و دولت اکٹھا کیا اور بہت اطمینان سے زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ نے ایک مدرسہ و خانقاہ بہت ہی عالی شان اور وسیع محلہ مولسری تلہ جون پور میں تعمیر کیا۔ تاریخ بنا خانقاہ۔ خانقاہ رکن الدین ہے۔ اس سے تاریخ سال ۱۱۲۱ھ نکلتی ہے آپ نے جون پور میں انتقال فرمایا۔ اور جون پور ہی میں دفن ہوئے۔ مدرسہ و خانقاہ کی عمارت منہدم ہو گئی۔ مکان ذریعہ خریداری مفتی الطاف حسین کے قبضہ میں آیا۔ آپ کی اولاد میں کوئی باقی نہیں ہے [۱]

ملا عبد الباری خضری رح

آپ اولاد حضرت مخدوم شاہ محمد اسمٰعیل علی النسب قوم سید رضوی کے تھے۔ کتب درسیہ معقول و منقول اپنے خاندان کے بزرگوں سے پڑھا۔ بعد ازاں اس زمانہ کے چند مشہور علما سے بقیہ کتب پڑھ کر فراغت حاصل کیا۔ ملا جامع علوم اور منبع کمالات تھے۔ آپ کے زمانہ میں آپ کی فضیلت کا بڑا شہرہ تھا۔ آپ نے ۱۱۸۰ھ میں مدرسہ اور خانقاہ وسیع تعمیر کیا۔ اور آخر عمر تک بجز درس و تدریس اور کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ آپ نے چند کتب درسیہ کا حاشیہ بھی لکھا کہ زمانہ موت آ پہونچا۔ آپ نے جون پور میں انتقال فرمایا اور محلہ دریبہ جون پور میں آپ کی قبر ہے [۲]

حضرت ملا سید محمد طیح رح

ملا محمد سید طیح پسر ملا عبد الباری خضری آپ تمام فضائل و کمالات کے جامع تھے اولاً علوم متعارفہ اپنے والد سے حاصل فرمایا۔ بعدہٗ دہلی گئے۔ اور وہاں جاکر

---

[۱] شنگرف دوئم ص۵۸ [۲] تجلی نور دوئم ص۵۸

بقیہ علوم کی تکمیل فرما کر مشہور علماء میں ہوئے۔ بلندی نقدیر سے تقرب بادشاہ کا حاصل ہوا۔ اور مقربان شاہی میں ہو گئے۔ بہت دولت جمع کیا۔ اور بہت بلند منصب و مرتبہ حاصل فرمایا۔ اور نہایت آرام و آسائش کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے۔ ایک روز شہزادے کی تعلیم کے بارے میں مدرسہ سلطانی میں بحث علمی واقع ہوئی۔ نوبت مناظرہ کی پہونچی۔ ملا غالب آئے۔ یہ بات بادشاہ کے ناخوشی..... کا سبب ہوئی۔ شاہی نوکری ترک کر کے جون پور آگئے اور گوشہ نشین ہو گئے۔ اور تازیست درس و تدریس میں گزارا۔

بالآخر انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار محلہ دریبہ جون پور میں ہے۔ اور آپ کی اولاد وہیں آباد ہے لہ

حضرت ملا نصیر مداریؒ

آپ مشہور علماء جون پور سے تھے اور حضرت شاہ بدیع الدین مدارؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ کہتے ہیں کہ ملا حصول علم میں اس قدر قوت رکھتے تھے کہ بہت کتھوڑے دن میں تمام علوم حاصل کر کے درجہ فضیلت حاصل کیا۔ مدت العمر خانقاہ مداریہ میں درس دیا۔ آپ بروز یکشنبہ ۸ جمادی الثانی ۱۰۷۶ھ انتقال فرمایا۔ اور حجرہ خانقاہ شاہ مدار میں دفن ہوئے۔ ۲ہ

حضرت ملا نور محمد مداریؒ

ملا نور محمد مداری پسر و صاحب سجادہ ملا نصیر مداری تھے۔ آپ ۸ جمادی الثانی ۹۷۵ھ شب جمعہ کو پیدا ہوئے۔ اور جب سن شعور کو پہونچے تو تمام علوم ظاہری اپنے والد سے پڑھ کر فارغ ہوئے۔ آپ کی تصنیف کتاب تحفۃ الابرار

لہ تجلی نور دوئم صـ۵۹ ۲ہ تجلی نور دوئم صـ۶۰

مجاہدہ نفس میں ہے۔ آپ علم قرأت میں بڑے ماہر تھے۔ اور امامت مسجد آستانہ مداریہ آپ کے سپرد تھی۔ آپ کو سلاسل چشتیہ و قادریہ سے اجازت حاصل تھی۔ حضرت دیوان عبد الرشید صاحب سے مناظرہ رشیدیہ کا دو ایک سبق پڑھا۔ آپ نے تا زیست زہد و تقویٰ میں گذارا۔

کہتے ہیں کہ ماہ رمضان المبارک میں حضرت شاہ ارزن مجذوب سوکھی روٹی لے کر دائرہ مداریہ میں آئے۔ اور خانقاہ کے ایک کونے میں بیٹھے وقت نماز آیا۔ ملا نے فرمایا کہ وضو کرو۔ شاہ ارزن نے جواب دیا کہ مجھ کو غسل کی حاجت ہے۔ فوراً ایک گھڑا پانی کنوئیں سے نکال کر دیا گیا۔ مجذوب شاہ ارزن نے کہا میں نماز اپنی خود پڑھوں گا۔ اس جواب پر ملا کو غصہ آیا۔ اور کھڑاؤں کھینچ کر شاہ ارزن کے سر پہ مارا۔ حضرت شاہ ارزن مجذوب ہنسے اور کہا۔ کہ الحمد للہ کہ ایک صاحب شرع کو دیکھا۔ اور شکر بجالائے۔ آپ کا سال وفات ۱۰۵۰ھ ہے آپ کی قبر خانقاہ مداریہ میں پشت ڈاکخانہ ہے۔ ١؎

حضرت ملا نورالدین مداری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت بروز سہ شنبہ بتاریخ ۸ رجب ۱۰۱۲ھ میں ہوئی۔ اولاً علوم صرف نحو و مسائل جزئیہ اپنے والد بزرگ حضرت ملا نور محمد مداری سے پڑھا بعدہٗ علامۂ دوراں دیوان عبد الرشید رحمۃ اللہ علیہ صاحب مناظر رشیدیہ سے تحصیل علم کر کے اعلم العلماء وقت اور افضل الفضلاء زمانہ ہوئے۔ رسالہ تحفۃ الابرار و حاشیہ رشیدیہ در جواب الحیات باقیہ ان کی تصنیفات میں سے ہے۔ آپ کھانے پینے میں تکلف نہ کرتے تھے۔

١؎ تجلی نور دوئم صفحہ ۶۰۔

اکثر آپ ایک لنگی پہنتے اور جو کی روٹی پر قناعت کرتے۔ آپ امیروں کی صحبت اور آدمیوں کی کثرت سے متنفر رہتے۔ آپ نے اٹھاسی سال آستانہ مداریہ پر نہایت استقلال کے ساتھ درس دیا۔ اکثر فضلاء زمانہ نے آپ کی تعلیم سے فیض پایا۔ ملا محمد کاظم عباسی سیدپوری اور ملا محمد ماہ دیوگامی آپ کے راسخ شاگردوں میں ہوئے۔ ملا شاعر بھی تھے۔ اور کبھی کبھی شعر کہہ لیا کرتے تھے۔

بالآخر بتاریخ ۱۳ ر جمادی الاول ۱۰۷۵ھ روز سہ شنبہ بعد نماز ظہر انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار پر انوار پس پشت ڈاکخانہ آستانہ مداریہ جون پور متصل گنبد بطرف مشرق مرجع خلائق ہے۔[۱]

حضرت ملا محمد ماہ دیوگامی رح

حضرت ملا محمد ماہ دیوگامی رحمۃ اللہ علیہ۔ قوم شیخ اور اپنے دیار میں بہت معروف اور مشہور ہستی رکھتے تھے۔ تحصیل علوم ملا رکن الدین بہری آبادی سے کیا۔ تکمیل و تحقیق ملا نورالدین مداری سے فرمایا۔ اور حضرت دیوان مخدوم عبدالرشید صاحب مناظرہ رشیدیہ سے بہت زیادہ علوم میں فیض حاصل کیا اور زبردست عالم ہوئے۔ آپ قصبہ دیوگام کے باشندہ تھے۔ مگر تحصیل علم کے بعد ۲۵ سال تک جون پور میں قیام فرما کر درس دیا۔ اکثر علماء و فضلاء نے آپ سے تحصیل کر کے فراغت حاصل کیا۔ ملا عبدالرسول سہر کہی و حافظ امان اللہ بنارسی و مفتی ابوالبقا جون پوری آپ کے راسخ شاگردوں میں تھے آخر الامر حیات مستعار نے اکتفانہ کیا۔ مرض سلسل بول میں مبتلا ہوئے۔

---

[۱] تشگرف دوئم ص۶۱

اور روز بروز کمزور ہوتے گئے۔ آخر کار انتقال فرمایا۔ قبر پختہ قصبہ دیوگام ضلع اعظم گڈھ سامنے دروازہ میر علی حسین صاحب موجود ہے آپ کا سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔ لہ

حضرت ملا محمد درویش رح

حضرت ملا محمد درویش سید زیدی نورث اعلی سادات مفتی محلہ شہر جون پور ہیں آپ کے جدالاجداد سید داؤد بن سید ابوالفراح واسطی ایام زمانہ گردش چنگیز خاں شہر واسط سے پریشان ہو کر ہندوستان آئے۔ اور کچھ روز بڑی تکلیف میں گذرا۔ آخر میں موضع بہمن پور رنگجوی بزرگ متصل نونہرہ غازی پور سکونت اختیار فرمائی۔ ملا محمد درویش سن شعور کو پہونچے۔ بخیال تحصیل علوم جون پور تشریف لائے اور خانقاہ شیخ الملک مبارک خیر محمد میں مقیم ہوئے۔ اور استاد الملک حضرت ملا افضل سے تمام علوم کی تکمیل فرما کر فضلائے کامل اور مشہور علماء میں ہوئے۔ چوں کہ آپ فقر آشنا اور استغنا پسند تھے۔ تمام عمر درس میں گذارا۔ اور اپنے دامن کو ہوا و ہوس اور نمائش دنیا میں آلودہ نہ کیا۔

کہتے ہیں کہ ملا درویش کے طالب علمی کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک رات آپ چراغ جلا کر پڑھنے میں مشغول تھے۔ کہ نیند آگئی اور آپ کا گیسو مبارک جو بکھرا ہوا تھا چراغ کی بتی سے لگ گیا۔ چوں کہ سادات پر آتش دوزخ حرام ہے۔ قطعی کوئی اثر یا نقصان آپ کے بالوں کو نہیں پہونچا۔ حضرت مخدوم شیخ مبارک رح بچشم خود دیکھ رہے تھے۔ اس دیکھنے کے بعد حضرت مخدوم شیخ مبارک رح کو آپ کی اعلی النسبی معلوم ہوئی اور یقین ہوا۔ بعدہٗ

لہ گنج ارشدی۔ تجلی نور دوم صہ ۶۲۔

حضرت ملا درویش کے نسب سادات کی تحقیق فرما کر حضرت مخدوم مبارکؒ نے اپنی دختر نیک اختر کو آپ کے نکاح میں دے دیا۔ کچھ روز حضرت ملا سید درویش رحمۃ اللہ علیہ نے محلہ بیگم راج پور میں بسر کیا۔ بعدہٗ خواجہ دوست میں سکونت اختیار فرمائی۔ اور وہیں آپ کی اولاد ہنوز آباد ہے۔ وفات آپ کی ۸ ذی الحجہ ۱۰۹۰ھ کو ہوئی۔ قبر محلہ خواجہ دوست میں ہے [1]

حضرت مفتی سید ابو البقاءؒ

نے شروع میں علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد مخدوم ملا محمد درویش سے پڑھا۔ بعدہٗ اسباق مشکلہ اور تحقیقات غوامض ملا میر محمد باہ دیوگامی سے کر کے فراغت حاصل کی اور زبردست عالم ہوئے۔ چوں کہ آپ ذہن رسا اور حافظہ قوی رکھتے تھے بیس سال کی عمر میں تمام علوم حاصل کر کے مشہور عالم و فاضل ہوئے اور برسوں استفادہ علوم میں مشغول رہے۔ اور مدت تک جملہ علوم کا درس دیتے رہے۔ بڑے بڑے علما اعلام و فضلائے کرام علم حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہو کر فیض علم سے سرفراز ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کے علم و فضل کا شہرہ دنیا میں ہوا۔ آپ دہلی تشریف لے گئے اور دربار شاہجہانی میں آپ کے فضل و کمال کی وجہ سے بہت عزت ہوئی۔ اور منصب مفتی جون پور پر مامور ہوئے۔ اور مفتی محلہ جونپور میں سکونت اختیار کی۔

نقل ہے کہ قیصر روم نے ایک کتاب بطریق ہدیہ سلطان شاہ جہاں بادشاہ ہندوستان کے پاس بھیجا تھا۔ اس کتاب کو یہاں تک پہونچنے اور دور ہونے کی وجہ سے کچھ نقصان پہونچا۔ سلطان شاہجہاں نے اس کتاب کو بغرض

---

[1] کشف الظنون۔ گنج ارشدی۔ تجلی نور دوم ص ۶۴۔

درستی و تکمیل حضرت مفتی سید ابو البقا کے پاس بھیجا۔ چھ ماہ مدت گذرنے کے بعد دربار شاہی سے تقاضا شروع ہوا۔ آپ نے اپنے کتب خانہ میں اس کتاب کو تلاش کیا نہ پایا۔ مگر جس وقت وہ کتاب آئی تھی مفتی سید ابو البقا نے شروع سے آخر تک پڑھ لیا تھا۔ لہذا آپ نے اپنے حافظ کی قوت سے مکمل کتاب تحریر کر کے بادشاہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ دربار میں کسی کو اصلی ونقلی کی تمیز نہ ہو سکی۔ مفتی صاحب کو اس صلہ میں جاگیر وانعام دربار سے عطا ہوا اس کتاب کا نام اعراب القرآن فی عشرہ مجلدات ہے۔ اس کتاب کا خطبہ الحمد للہ الذی وقضا بحفظہٖ تحریر ہے۔

علاوہ اس کے آپ کی تصنیفات میں حاشیہ برشرح ملا و حاشیہ بر قطبی ہے۔ وفات آپ کی بائیس ۲۲ جمادی الاول بروز جمعہ بوقت نماز ہوئی۔ قبر مبارک پختہ مفتی محلہ جون پور میں موجود ہے [۱]۔

حضرت مفتی سید مبارکؒ

آپ مفتی ابو البقا کے چھوٹے لڑکے تھے لڑکپن ہی میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ۱۲ سال کی عمر تک آپ نے لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں ضائع کیا۔ اتفاق سے ایک روز ملا محمد امین شاگرد حضرت مفتی ابو البقا تشریف لائے اور مفتی سید مبارک کے اس تضیع اوقات کو دیکھا اور نصیحت کیا۔ اور اس روز سے روزانہ تشریف لا کر حضرت سید مبارک کو درس دینا شروع کیا۔ اور تا عمر درس دیتے رہے۔ بعد وفات ملا محمد امین مفتی سید مبارک الہ آباد تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے علماء سے درجہ کمال تک علم وفضل حاصل فرمایا۔ بعدہٗ اپنے ذاتی استعداد اور صلاحیت

---

[۱] کشف الظنون، گنج ارشدی۔ تجلی نور دوئم ص۶۲

کی بنا پر اپنے علم کو بلند فرمایا۔ بعدہٗ منصب افتا کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ اور مجلس مذاکرہ علمائے شاہی میں جگہ پائی۔ اور اپنی فصاحت بیانی سے تمام مشکل مسئلوں کو حل کرتے رہے۔ تمام حاضرین نے تعریف کیا۔ اور دربار شاہی میں بڑی عزت و حرمت ہوئی۔ اور مفتی کی سند عطا کی گئی بعدہٗ جون پور واپس آئے۔ اور مفتی محلہ جون پور میں خانقاہ تعمیر کیا۔ اور درس و تدریس و کام افتا انجام دینے میں مصروف ہوئے۔ اور تعمیر خانقاہ کی تاریخ پتھر پر کندہ کرا کے نصب کیا۔ اور دروازہ خانقاہ پر المصطفٰی مدینۃ العلم و علیؓ بابہا کندہ کرایا۔ اس زمانہ میں مفتی محلہ مخزن علوم و معدن فنون تھا۔ بہت سے لوگ بغرض حصول علم آتے۔ اور بعد حصول علم و فضل واپس جاتے۔ بہت زمانہ گذرنے کے بعد خانقاہ منہدم ہو کر مسمار ہو گئی۔ اور ایک مدت کے بعد اسی جگہ سید تفضل حسین خاں نے امام باڑہ تعمیر کیا۔ اور پتھر تاریخ خانقاہ نصب کرایا۔ تاکہ جگہ خانقاہ مفتی سید مبارک دیکھنے والوں کو معلوم ہوتی رہے۔

آپ کی وفات ۲۰ رمضان المبارک ۱۰۹۸ھ کو ہوئی۔ اور قبر آپ کی مفتی محلہ شہر جون پور میں موجود ہے۔ اور وہیں آپ کی اولاد آباد ہے [1]

حضرت ملا صادقؒ

نے تحصیل علوم معقول و منقول اپنے والد مفتی ابوالبقا سے کر کے علامہ دوراں اور فاضل زمانہ ہوئے۔ آپ مرد عقلمند اور صاحب تدبیر اور اہل رائے تھے۔ اور بڑے قسمت والے تھے۔ اپنی تدبیر سے تقرب سلطانی حاصل فرمایا۔

---

[1] نسب نامہ مفتی محلہ، گنج ارشدی۔ تجلی نور دوم صفحہ ۷۶۔

اور چند سال تک بزمرۂ فضلائے شاہی بسر فرمایا۔ بالآخر شہزادہ بہادر شاہ کی تعلیم کے لئے استاد مقرر ہوئے بعد انتقال سلطان عالم گیر جب سلطان بہادر شاہ تخت دہلی پر رونق افروز ہوا تو ملا صادق کو جاگیر بجانب جہانگیر نگر ڈھاکہ میں عطا کیا۔ اور حضرت ملا محمد صادق نے وہیں بود و باش اختیار کی۔ اور وہیں انتقال فرمایا۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ آپ کی اولاد جہانگیر نگر ڈھاکہ میں آباد ہے۔ ؎۱

حضرت ملا محمد باقیؒ

آپ مفتی ابوالبقا کے لڑکے اور سرتاج علماء عظام و چراغ حکماء اعلام تھے۔ آپ کو شروع میں بہت زیادہ روحانی فیض پہونچا۔ مگر تکمیل علم حضرت ملا محمود جون پوری سے فرمایا۔ چوں کہ آپ بہت ذکی و ذہین تھے لہذا تھوڑے عرصہ میں تمام علوم ابتدا تا انتہا حاصل فرما کر ملا محمود کے مشہور شاگردوں میں ہوئے۔

کہتے ہیں کہ ملا باقی جملہ علوم معقول و منقول خاصکر ریاضیات اور حکمت میں بے مثل و بے عدیل تھے اور اس قدر لسان اور صاحب بیان تھے کہ سننے والے اور دیکھنے والے چشم تمنا بن جاتے تھے۔ آپ فاضل جون پوری کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کی تصنیف میں ایک کتاب آداب باقیہ در شرح شریفیہ اور دوسری کتاب آبحیات باقیہ بر مناظرہ رشیدیہ ہے۔ آپ کی وفات ۲۰ ربیع الثانی ۱۰۸۶ھ کو ہوئی۔ مزار پر انوار ریخیۃ محلہ عالم گنج شہر جون پور مسجد منشی امام بخش جانب شمال بلندی پر موجود ہے۔ ؎۲

؎۱ تجلی نور دوئم صفحہ ۶۵ ؎۲ تجلی نور دوئم ص ۶۵ و ۶۶

حضرت ملا محمد حفیظ جونپوریؒ

نے علوم ظاہری از ابتدا تا انتہا اپنے چچا مفتی سید مبارک سے حاصل فرمایا اور تھوڑے زمانہ میں زبردست عالم و فاضل و محقق دنیا میں مشہور ہوئے۔ آپ کی فضیلت کا شہرہ دنیا میں بہت بلند ہوا۔ آپ ستودہ اطوار اور صاحب تقویٰ تھے۔ بجز درس و تدریس و ذکر الٰہی اور دوسرے کام میں مشغول نہ ہوئے۔ آپ کا دل دنیا سے متنفر تھا۔ جب آپ کی فضیلت کا شہرہ سلطان عالمگیر تک پہونچا۔ تو سلطان عالمگیر نے بکمال آرزومندی آپ کو دہلی آنے کے لئے خط لکھا۔ مگر آپ نے جواب میں دہلی جانے سے انکار کر دیا۔ بالآخر بادشاہ نے اپنا ایک مصاحب حضرت ملا محمد حفیظ کی خدمت میں بھیجا۔ جس نے حاضر ہو کر بہزار منت و سماجت بادشاہ کی آرزوئے ملاقات عرض کر کے آپ کو دہلی تشریف لے جانے پر تیار کر لیا۔ جس وقت حضرت ملا حفیظ اندر شہر پناہ دہلی داخل ہوئے۔ حسن اتفاق سے ایک مردہ پاؤں کھائے اور چہرے پر ہنسی کے آثار نمایاں نہر علی مردان خاں میں پڑا ہوا تھا۔ ایک فقیر آزاد مشرب نے ملا کی پالکی پکڑ کر مردہ کی طرف اشارہ کر کے یہ شعر پڑھا

عیش دنیا را بقائے نیست دیدی غنچہ را
یک تبسم کرد باقی در پریشانی گرفت

عیش دنیا کو بقا نہیں ہے کلی کی طرف دیکھ۔ کہ ایک مسکراہٹ کے بعد پریشانی رہی ہے۔

حضرت ملا محمد حفیظ نے یہ شعر سنکر پالکی کا رخ جونپور کی طرف پھیر دیا۔ بادشاہ کے مصاحب کی منت سماجت کا کچھ خیال نہ کیا۔ جونپور واپس آئے۔ اور تا زندگی گوشہ نشین ہو کر توکل کے ساتھ بسر کر کے بتاریخ ۲۰۔

شوال ۱۱۲۸ھ انتقال فرمایا۔ اور جون پور میں دفن ہوئے قبر پختہ ۔۔۔ مفتی محلہ شہر جون پور میں موجود ہے[1]

حضرت مفتی روح اللہ رح

آپ مفتی سید مبارک کے لڑکے تھے۔ اور مشاہیر علماء جون پور میں آپکا شمار ہے۔ استعداد علمی اپنے والد سے حاصل کر کے جمیع علوم اور مراحل علوم عقلی و نقلی میں نیک نام ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد آپ کو مفتی کا عہدہ دیا گیا۔ اور مسند موروثی پر بیٹھکر تمام زندگی درس و تدریس میں نیک نامی کے ساتھ گذارا۔ اکثر طلباء بحصول علم حاضر ہو کر فیضیاب ہوئے۔ سال وفات معلوم نہ ہوسکا۔ آپ کی قبر مفتی محلہ جون پور میں ہے[2]۔

حضرت مولوی محمد راجح رح

نبیرہ ملا حفیظ۔ آپ سر آمد علماء جون پور تھے۔ شروع تعلیم اپنے جد بزرگوار سے تکمیل کی۔ بعدہٗ دوسرے علماء زمانہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت تھوڑے زمانہ میں ابتدا تا انتہا علوم حاصل فرمایا۔ جملہ علوم میں کامل ماہر اور قابل درس تھے۔ مگر فقہ و اصول میں متبحر تھے۔ بدیں وجہ افقہ الفقہا مشہور تھے۔ آپ فقر و توکل آشنا بزرگ تھے۔ اس وجہ سے اپنا دامن طمع میں آلود نہیں کیا۔ تمام عمر درس و تدریس اور علوم تزکیۂ نفس میں گذارا۔ آپ شاعر بھی تھے اور بہترین شعر کہتے تھے۔ آپ کی وفات ۷ ربیع الثانی ۱۱۸۳ھ کو ہوئی۔ شہر فیض آباد اندرون باغ قاضی غلام مصطفےٰ آپکا مزار موجود ہے[3]

---

[1] تجلی نور دوئم ص۶۷،۶۶ [2] تجلی نور دوئم ص۶۸،۶۹۔ مظہر الاحدیہ ص۱۹۳ فارسی۔ [3] تجلی نور دوئم ص۶۹۔

حضرت قاضی خوب اللہ رح

حضرت قاضی خوب اللہ نبیرہ ملا محمد حفیظ جون پوری آپ نے خزانۂ علوم بہت زیادہ جمع کیا۔ کہ افضل المحدثین ہوئے۔ آپ کو ایک ہزار آٹھ سو حدیث راویوں کے نام کے ساتھ یاد تھی۔ آپ کی اس زیادتی علم کی وجہ سے آپ کو منصب قاضی القضاۃ شہر الہ آباد پر مامور کیا گیا۔ آپ نے اپنے منصب کو نہایت نیک نامی کے ساتھ انجام دیا۔ آپ نہایت ظریف طبع تھے۔

نقل ہے کہ نواب شجاع الدولہ الہ آباد تشریف لائے اور ملاقات کے وقت آپ کا نام دریافت کیا۔ فرمایا میرا نام خوب اللہ ہے۔ نواب نے پوچھا کہ خوب۔ لفظ فارسی اور اللہ لفظ عربی۔ ترکیب کہاں تک درست ہے۔ جواب دیا کہ نام کے لئے معنی کی ضرورت نہیں ہے۔ نواب نے کہا کہ آپ قاضی اور نام بے معنیٰ۔ قاضی نے فرمایا کہ جبوقت نام رکھا گیا۔ اس وقت قاضی نہیں تھا۔ نواب اس لطیفہ پر ہنسے اور آپ سے اتفاق کیا۔

نقل ہے کہ ایک روز قاضی خوب اللہ قاضی ثناء اللہ جون پوری کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ بعد مزاج پرسی و اشتیاق ملاقات نوکر کو حقہ لانے کا اشارہ کیا۔ نوکر نے حقہ حاضر کیا۔ قاضی ثناء اللہ نے چند شعر حقہ کی مذمت میں پڑھا۔ قاضی خوب اللہ نے فی البدیہہ یہ قطعہ منظوم کہا اور پڑھا۔ قطعہ

تمباکو اگرچہ ہست زیاں کارِ بسے ‏ ‏ زو فائدہ ہیچ گہہ ندیداست کسے

ترجمہ:۔ تمباکو اگرچہ نقصان دہ شے ہے اور کسی کو اس سے فائدہ ہوتے نہ دیکھا

آخر بہ ازیں چہ خوب باشد کہ ترا ‏ ‏ خاموش کند ز ہرزہ سرائی نفسے

مگر ان خرابیوں کے علاوہ یہ اچھائی بھی ہے۔ کہ ہرزہ سرائی سے کچھ دیر کیلئے باز رکھتی ہے۔

حاضرین نے آپ کی اس موزونی طبع کی تعریف کی۔ آپ کی وفات ۱۴ار شعبان ۱۱۰۰ھ میں ہوئی۔ ؎۱

حضرت مولوی محمد علیؒ

حضرت مولوی محمد علی نبیرہ ملا محمد صادق اور مفتی ابو البقا کے بڑے لڑکے تھے۔

ابتداءً تعلیم دہلی میں علماء دہلی سے حاصل کیا۔ اور جہانگیر آباد میں تکمیل کی چوں کہ آپ کا دل روشن تھا۔ آپ نے سرمایۂ علوم اور گنجینۂ فضائل بہت حاصل فرمایا۔ آپ کو بہت زیادہ روحانیت وانوار علوم اکثر بزرگوں سے پہونچا۔ اور اس قدر نام آوری حاصل کی۔ کہ اس زمانہ میں آپ کا سا عالم عنقا تھا۔ آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں شرح مسلم تصنیف کیا۔ اور یہ کتاب بنام معراج الفہوم شرح مسلم مولوی محمد علی مشہور ہوئی۔ اور آپ کے درس سے صدہا طلبہ سرمایۂ علم سے سرفراز ہوئے۔ کہ آخر وقت ڈھاکہ گئے اور عین شباب کے عالم میں انتقال فرمایا۔ اور شہر ڈھاکہ میں دفن ہوئے۔ سال وفات معلوم نہ ہو سکا۔ ؎۲

حضرت قاضی خیر اللہ رح

چھوٹے لڑکے سید مفتی مبارک کے تھے۔ آپ نے جملہ علوم اپنے والد ماجد سے پڑھا۔ چوں کہ آپ بہت ذکی و ذہین تھے۔ لہذا تھوڑے عرصہ میں تمام علوم سے فراغت پائی۔ اور قاضی جون پور ہوئے۔ اور موروثی گدی پر بیٹھے۔ اور بجز درس و تدریس اور کار منصب قضیٰ دوسرے کاموں میں مشغول نہ ہوئے۔ اور وفات پائی۔ جون پور میں دفن ہوئے۔ اس سے

؎۱ تجلی نور دوم صا۔ ؎۲ تجلی نور دوم ص۲۔

زیادہ حال آپ کا معلوم نہ ہو سکا۔[1]

قاضی حسن سعید خاں رحؒ

نبیرہ مفتی سید مبارک آپ نے تمام علوم اپنے خاندان کے علماء سے حاصل فرما کر فراغت حاصل فرمایا۔ اور بہت مشہور عالم و فاضل ہوئے آپ تمام علوم کے سمندر تھے۔ آپ اولاً مفتی جونپور ہوئے۔ بعدہٗ قاضی کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ اور چند سال اس خدمت کو انجام دیا آپ کے پدر بزرگوار سید محمد سعید خاں تقرب سلطانی حاصل کر کے بزمرۂ ارکین داخل ہوئے۔ قاضی بھیمان ذریعہ ترقی مراتب و خطاب حاصل فرمایا۔ اور قاضی القضاۃ دہلی ہوئے۔ اور تا عمر خدمت قاضی القضاتی انجام دیا۔ آپ کا انتقال ۱۱۵۷ھ میں دہلی میں ہوا۔ مگر آپ کے اعزہ آپ کی نعش کو جونپور لائے اور یہیں دفن کیا۔[2]

مولانا شیخ علی متقی رحؒ

مولانا شیخ علی متقی بہت بڑے اکابر جونپور چراغ فضلاء وحید عصر اور معقول منقول میں فرید زمانہ اور فروع اصول میں عدیم المثال تھے۔ تحصیل علوم آپ نے برہان پور دکن میں مولانا حسام الدین ملتانی سے کیا۔ اور ۹۵۳ھ میں آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ آپ کو شیخ ابوالحسن شاذلی سے بہت فیض پہونچا اور وہیں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ مولانا علی متقی اولاً چند روز شاگردی شیخ ابن حجر صاحب صواعق محرقہ کی اختیار کی۔ اور ابن حجر سے بہت فائدہ پایا۔ آپ کی تصنیف میں مطولات و مختصرات عربی فارسی ایک سو

---

[1] تجلی نور دوم صہ ۱

[2] تجلی نور دوم صہ ۲

سے زیادہ ہے۔ کتاب جمع الجوامع جو مولانا سیوطی کی ہے بطرز جدید ترتیب دیا۔ مولانا ابوالحسن فرماتے ہیں کہ دنیا مرہون منت مولانا سیوطی کی ہے۔ مگر ملا سیوطی زیر بار احسان ملا متقی ہیں۔ آپ کی وفات سنہ ۹۷۵ھ مدینہ منورہ میں ہوئی ۱؎

حضرت مولانا میر محمد عسکری رح

آپ سادات مفتی محلہ جون پور اور اولاد مفتی ابوالبقا سے تھے اور جملہ علوم وفنون میں یکتائے زمانہ تھے اور حسن بیان و قوت لسان میں مشہور تھے اور مدت تک آپ حصول علم میں مشغول رہے۔ اور معاش موروثی پر قناعت کی اور دنیا و دنیا والوں کی طرف نظر نہ ڈالی۔ آپ زمانہ طفلی میں بہت کند ذہن تھے ایک روز استاد نے سبق یاد نہ ہونے کی وجہ سے سختی کی۔ آپ استاد کی سختی سے مکدر رہے گئے۔ آدھی رات کے وقت بخیال ہلاکت دریائے گومتی کے کنارے گئے۔ اور ارادہ کیا کہ دریا میں ڈوب کر جان دیدیں۔ کہ غیب سے ایک مرد بزرگ صورت و سیرت نظر آئے اور آپ کو اس ارادہ سے روکا۔ اور باز رکھا۔ آپ کے سینہ پر چند حروف شہادت کی انگلی سے لکھا۔ اور فرمایا کہ جا کتاب کا مطالعہ کر۔ اسی وقت سے آپ کا دل انوار الہیات اور سینہ گنجینہ علوم وفنون ہو گیا آپ جو کتاب دیکھتے اور چند بار پڑھتے اس کتاب کے ہر مشکل اسباق و مطالب کو حل کر لیتے۔ اور ذہن ایسا تیز اور حافظہ درست ہو گیا۔ اور اس قدر سمجھ بڑھ گئی کہ صرف مطالعہ کتب سے جملہ علوم معقول و منقول فروع و اصول میں متبحر ہو گئے اور فضیلت کا شہرہ ہر چہار طرف عالم میں پہونچا۔ طالبان علم ہر ملک و شہر اور دور و نزدیک سے آتے۔ اور آپ سے مستفید ہوتے۔ آپ نے اپنی

۱؎ اخبار الاخیار، کشف الظنون، سبحۃ المرجان۔

وضع قطع وعادات، طور طریقہ، ظاہری علماء کی طرح نہ رکھا ـــ درس و تدریس کہ بظاہر یہ کام بہتر ہے اختیار فرمایا۔ آپ کے فیض تعلیم سے سیکڑوں طلباء عالم محقق اور فاضل دوراں ہوئے۔ اس زمانہ میں کوئی طالب علم ایسا نہ تھا جو آپ سے علم حاصل کرنے کے لئے نہ آیا ہو۔ اور نعمت فیض علوم حاصل کرکے نہ واپس ہوا ہو۔ ان کی تصنیف میں کوئی کتاب مشہور نہ ہوئی۔ آپ کی عمر ستر سال سے زیادہ کی ہوئی۔ آپ نے ۲۹ ذی قعدہ ۱۱۹۵ھ میں انتقال کیا۔ آپ کی قبر مفتی محلہ جون پور میں ہے۔ مولوی عبدالقادر سکھر پوری و مولوی عبدالعلی خاں اور ملا عوض جون پوری آپ کے راسخ شاگردوں میں ہیں۔[1]

حضرت مولوی ناصر حسینؒ چھوٹے لڑکے مولوی مظفر حسین کے تھے اور سلسلہ نسب سات واسطوں کے بعد ملا حفیظ تک پہونچتا ہے۔ آپ عالم علوم وفاضل متبحر زیرک و متین اور بردبار تھے۔ سادہ مزاج اور ذہن کشادہ رکھتے تھے۔ آپ نے فضلاء سلف کا نام باقی رکھا اور گذرے ہوئے زمانہ کے عالموں سے بہتر گذرے آپ نے بہت زیادہ فیض روحانیہ پایا۔ شروع میں آپ نے علم صرف ونحو ومعقولات حضرت ملا سخاوت علی صاحب سے پڑھا۔ بعد ازاں علامہ عبدالحکیم فرنگی محلی لکھنوی سے تحصیل معقولات بہت زیادہ کی اور علم فقہ وحدیث وکلام مولوی گلشن علی گجگانوی جونپوری سے حاصل فرمایا۔ اور تکمیل فقہ سید نقی مجتہد العصر لکھنوی سے کیا۔ جملہ علوم نقلی وعقلی میں کامل

---

[1] سیرۃ المتاخرین۔ تذکرۃ العلماء صفحہ ۳، تا ۵۔

واکمل زمانہ ہوکر کام درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔ اکثر طلبار دیار وامصار نے حاضر ہوکر علوم حاصل فرمایا۔ آپ حاجی حرمین شریفین اور زائر عتبات عالیات بھی تھے۔ آپ کی تصنیف میں رسالہ علم الادب فی المحاورات العرب۔ بزبان عربی۔ رشق البنان درمناظرہ متعہ وتحریف القرآن۔ رسالہ میلاد شریف اردو۔ رسالہ آیہ تطہیر اردو۔ رسالہ اکبرآباد درنجاست کفار فارسی۔ کتاب مبسوط درمصائب وفضائل ائمہ اطہار اردو۔ رسالہ رد اخبار اردو۔ ؎۱

مولوی سید عبدالعلی خاںؒ

پسر علی عظیم خاں بنیرہ سید مفتی مبارک کے تھے۔ آپ نے تحصیل علوم ملا میر عسکری سے کرکے علماء وفضلار کے گروہ میں شامل ہوئے۔ اگرچہ آپ کو جملہ علوم متعارفہ میں کامل لیاقت تھی۔ لیکن علم ادب اور معقولات میں کامل دخل رکھتے تھے۔ آپ کو شاعری سے بھی ذوق تھا۔ آپ نے اپنے چھوٹے لڑکے عبدالسلام کے مرنے پر مرثیہ بہ زبان عربی وفارسی کہہ کر سنگ قبر پہ کندہ کرایا۔ آپ سے اور مولوی گلشن علی جونپوری سے فن شاعری پر مباحثہ ومناظرہ ہوتا تھا۔ آپ نے کتاب عنقائے مغربی بجواب رسالہ کوہ قاف مولوی گلشن علی لکھا۔ جو آپ کی یادگار میں باقی ہے۔ بتاریخ ۷ رجب بروز جمعہ ۱۱۹۰ھ انتقال فرمایا اور مفتی محلہ جونپور قبرستان خاندانی میں دفن ہوئے ؎۲

حضرت ملا شمس نور صاحبؒ

ملا شمس نور قوم شیخ آپ کا اصل وطن بروند ضلع جونپور تھا مگر درس وتدریس کے شوق نے ترک وطن پر مجبور کیا۔ اور جونپور کی

؎۱ تجلی نور دوئم۔ صفحہ ۸۱ تا ۸۳ ؎۲ تجلی نور دوئم صفحہ ۷۶ - ۷۷

سکونت اختیار کی۔ اور یہاں خانقاہ و مدرسہ تعمیر کیا اور اسی جگہ قیام فرمایا۔ ملا عالم وقت فاضل اجل اور نامور بزرگ تھے۔

اکثر فضلائے شہر آپ سے فیض علوم حاصل کر کے مستفیض ہوئے حضرت ملا دیوان عبدالرشید نے ابتدائی کتابیں آپ سے پڑھیں اور ملا محمود نے بھی ابتدا میں آپ سے درس لیا۔ جب آپ کی فضیلت کا شہرہ چاروں طرف پھیلا اور آپ کی قسمت نے مدد کیا تو شاہجہاں بادشاہ کی مہربانی آپ کے شامل حال ہوئی۔ شہزادہ پرویز کی تعلیم و تربیت آپ کے سپرد کی گئی۔ چند سال آپ نے بزمرہ ہواخواہان شاہی رہ کر شہزادہ کو تعلیم دیا۔ بعدہٗ یہ سلسلہ ملازمت ترک کر کے مفتی مقرر ہوئے۔ اور تا زیست خدمت افتا انجام دیا۔ اور درس و تدریس بھی جاری رکھا۔ بالآخر سنہ ۱۰۴۷ھ میں انتقال فرمایا۔ اور جون پور میں اپنے مدرسہ کے اندر مدفون ہوئے

ملا رکن الدین آپ کے شاگردوں میں ہیں۔

حضرت ملا شیخ محمد صادق رح

پسر ارشد ملا شمس نور تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد مفتی مقرر ہوئے۔ اور اپنے باپ کے مدرسہ میں درس بھی دیتے رہے ملا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ اور تمام علوم کی تکمیل ملا محمود سے کیا۔ ملا عالم باعمل اور صاحب زہد و تقویٰ تھے۔ اور طبیعت فقر آشنا و توکل پسند تھی دنیا اور ارباب دنیا سے متنفر رہے۔ رات دن بجز درس تدریس و عبادت اور ریاضت دوسرا کام نہ تھا۔ ملا رکن الدین امیر الامرا شائستہ خاں کی ملازمت

۱؎ تجلی نور دوم ص ۸۴-۸۵۔

میں رہے۔ بہت مدت کے بعد مکان تشریف لائے۔ شائستہ خاں نے ایک شال قیمتی بخیال حق استادی بطور ہدیہ حضرت ملا صادق کی خدمت میں پیش کیا۔ ملا نے واپس کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں اپنی گدڑی میں اس شاہی اطلس سے زیادہ خوش ہوں۔ فقیر کو گدڑی کافی ہے۔ میں اس شال کے لائق نہیں ہوں۔

نواب الہ وردی خاں نے ایک سادے کاغذ پر مہر کر کے کچھ احکام خلاف شرع پیش کیا آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ نواب آپ کی اس پابندی شرع پر آپ کا بہت معتقد ہوا۔ آپ نماز میں احتیاط کی بنا پر امامت نہ کرتے تھے۔ دوسرے کو امام کر کے نماز ادا فرماتے تھے۔ ایک روز ملا محمود ..... نماز کے وقت تشریف لائے۔ ملا صادق نے استاد کے حکم کے مطابق امامت کی۔ مگر بعد نماز دست بستہ ملا محمود کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں نے آپ کے حکم پر امامت تو کیا مگر مجھکو حکماء کے کلام کے بموجب شبہ ہے کہ نماز صحیح نہیں ہوئی۔ لہذا آپ اپنی نماز ضائع نہ کیجئے۔ پھر سے پڑھ لیجئے۔ ملا محمود بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ الحمد للہ میں نے اپنے شاگردوں میں ایک عالم باعمل اور مرد زاہد پایا۔ وفات آپ کی بتاریخ ۱۴ ذی الحجہ ۱۰۶۴ھ کو ہوئی۔ آپ کا مرقد سفتی محلہ شہر جو نیوز درخت املی کے نیچے جوجوگی بیر کے نام سے مشہور ہے۔ پہلی اور بڑی قبر پختہ موجود ہے۔

حضرت ملا عبد الجلیل رح

منجھلے لڑکے ملا شمس کے تھے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں اور بعض بعض مسائل مشکلہ حضرت ملا محمود سے حل کیا۔ اور ملا دیوان عبد الرشید سے بھی

بھی فیض علم پایا۔ جملہ علوم عقلی ونقلی میں مہارت کامل رکھتے تھے اور کتب درسیہ کا محققانہ درس دیتے تھے۔ ملا مرد صاحب تقویٰ تھے۔ بیشتر آپ روزہ سے رکھتے تھے اور تمام رات دن نماز میں مشغول اور اذکار میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کو ارادت وخلافت حضرت شاہ عبدالجلیل لکھنوی وحضرت شاہ عبدالحق دہلوی سے تھی۔ سجدہ میں آپ روتے۔ اور حق تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اللہ مجھکو مسائل علمیہ میں روشنی عطا فرما۔

وفات آپ کی ۸ رشوال ۱۰۷۶ھ میں ہوئی۔ آپ کی قبر پختہ مفتی محلہ میں برچبوترہ شمالی برابر قبر ملا شیخ محمد صادق ہے۔ سلہ

حضرت ملا محمد جلیل رح

چھوٹے لڑکے ملا شمس نور کے تھے۔ اکتساب علم اپنے پدر بزرگوار سے کیا۔ بعدہٗ اپنے علم کو اپنی ذکاوت ذہن سے بلند کیا۔ جواب ہر مشکل مسئلہ کا فی البدیہہ درس دیتے وقت طلبہ کو مشکل اسباق آسان کرکے سمجھا دیتے۔ آپ اپنے زمانہ کے علماء سے بہتر وممتاز تھے۔ علاوہ علوم ظاہری کے علوم باطنی بھی حاصل فرمایا حضرت ملا دیوان عبدالرشید سے بیعت وارادت تھی۔ اپنے بھائی ملا صادق کے انتقال کے بعد ان کی جگہ افتا کے منصب پر فائز ہوئے۔ اور تا زندگی اس منصب کو انجام دیا۔

وفات آپ کی بروز پنجشنبہ بتاریخ ۲۹ رذی الحجہ ۱۰۷۹ھ کو ہوئی قبر پختہ جون پور میں متصل قبر ملا صادق موجود ہے۔ سلہ

سلہ تجلی نور دوم ص۲۶ سلہ تجلی نور دوم ص۲۶

حضرت ملا محمد جمیل رح

حضرت ملا محمد جمیل شیخ صدیقی پسر ملا عبدالجلیل کے تھے۔ ۱۰۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ جب آپ سن شعور کو پہونچے تو مختصر معانی و شرح وقایہ علامہ دیوان عبدالرشید سے پڑھا۔ اس کے بعد جملہ علوم مولانا نورالدین مداری سے حاصل فرمایا ابھی علوم کی تکمیل نہ ہو سکی تھی کہ استاد عازم دہلی ہوئے۔ بروقت رخصت آپ نے عرض کیا کہ کتاب ابھی زیادہ باقی ہے۔ مثلاً شرح مواقف و تلویح، وغیرہ۔ استاد نے جواب دیا کہ تم کو اب باقی کتابوں کے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مطالعہ کافی ہے۔ استاد کے حکم کے مطابق ہر کتاب طلباء کے ساتھ تکرار بحث و مباحثہ کر کے مکمل کر لیا۔ کوئی شبہ و شکل پیش نہیں آیا۔ آپ عالم جملہ علم کے تھے۔ درس دینا شروع فرمایا۔ اور بہت مشہور ہوئے زیادہ طلباء تکمیل علم کے لئے آتے۔ اور تحصیل علم سے فراغت حاصل کر کے واپس جاتے۔

کہتے ہیں کہ ملا جمیل نہایت ذہین اور تیز طبع تھے۔ ایک روز مطول کا سبق پڑھتے وقت حاشیہ ابوالقاسم میں جو مقام بہت مشکل تھا۔ مطالعہ کر کے مقام مشکل حل فرمایا۔ اور حضرت ملا نورالدین مداری کی خدمت میں حاضر ہو کر تقریر کی۔ اور فرمایا کہ یہ حاشیہ اس وقت بروقت تقریر سمجھ میں آیا اس قدر آپ کا ذہن تیز تھا کہ جو کتاب مطالعہ کر لیتے تو مشکل اسباق کے لئے حاشیہ و شرح دیکھنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اور جو مشکل سبق آتا قوت ذہن سے حاصل کر لیتے۔ بارہا استاد نے فرمایا کہ ملا جمیل کو اگر مثل علامہ محمد شریف جرجانی اور ملا جلال کہا جاوے تو بے جا نہ ہوگا۔

جس وقت ملا جمیل دہلی پہونچے تو آپ کی فضیلت کا شہرہ اس قدر

زبردست ہوا کہ تمام شہر دہلی کے علماء میں ہیبت طاری ہوگئی اور بہت سے مدرسوں میں درس موقوف ہوگیا۔ ایک روز آپ ملا لطف اللہ دہلوی کے مدرسہ میں تشریف لے گئے۔ اور ایک سطر میں سات یا آٹھ شبہات پیش کئے ملا لطف اللہ اس قدر عاجز ہوئے کہ منیدجاتی رہی۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کی موجودگی میں درس دے سکے۔

آپ کی تصنیفات میں حاشیہ مطول و نیز چند حواشی دیگر شمل بر بحث عطف شرح ملا جامی فقہ میں اور ایک رسالہ تصوف میں رسالہ تنبیہات جمیلی ہے جس وقت سلطان عالم گیر نے فتوی عالم گیری جمع کرنے کے لئے تمام ملک سے مشہور اور چیدہ علماء کو جمع کیا۔ تو جون پور سے حضرت ملا جمیل کو بھی طلب کیا۔ ظاہری فضائل کے علاوہ آپ باطنی فضائل کے بھی مالک تھے اور آپ کو بیعت وارادت حضرت مخدوم دیوان عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ اور مشرب عاشقانہ تھا۔

آپ کی وفات ۲ رجب ۱۱۲۳ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار پرانوار پختہ مفتی محلہ جون پور میں اپنے والد ملا عبدالجلیل کے مزار کے پائنتی دکھنی چبوترے پر ہے۔

حضرت ملا جمیل مرد مقتدر اور صاحب وقار تھے۔ آپ نے مفتی محلہ جون پور میں مدرسہ و خانقاہ تعمیر کیا اور درس دیتے رہے۔ مسلمانوں کی عدم توجہی سے یہ خانقاہ اور مدرسہ برباد ہوگیا۔ اور زمین افتادہ میں کاشتکاری ہوتی ہے[1]

---

[1] تذکرۃ العلماء دوئم ص ۸۷ تا ۸۹

حضرت ملا نورالدین جعفر گنتوری رح

کا اصل وطن موضع گنتور ضلع غازی پور ہے بغرض تحصیل علوم جون پور آئے اور یہیں پر سکونت اختیار کی۔ اور ابتدائی کتب ملا جمیل سے پڑھا۔ اور تکمیل مولانا افضل الہ آبادی سے فرمایا۔ علاوہ اس کے بہت سے اکابر زمانہ و فضلائے کرام سے علوم حاصل فرمایا۔ اور بزمرۂ افاضل مشہور و نامور ہوئے۔ درس و تدریس میں تاعمر مشغول رہے۔ باقی اوقات تلاوت و نوافل و اوراد میں مشغول رہتے۔ کبھی ناغہ نہ کرتے۔ آپ وقت کے بہت زیادہ پابند تھے۔ اور فقر و درویشی میں مولانا محمد افضل الہ آبادی سے بہت زیادہ فیض حاصل فرمایا۔ وفات آپ کی ۱۱۲۰ھ میں ہوئی۔ اور جون پور میں دفن ہوئے [۱]

حضرت ملا باب اللہ رح

ملا باب اللہ جون پوری نامور علماء کرام اور تاج فضلاء ہند سے تھے۔ آپ کا اصل وطن سنور پور سمش پور ضلع اعظم گڈھ تھا۔ چوں کہ روز اول سے آپ کا دل علوم و فنون کا خزانہ تھا۔ لہذا جب آپ کو عقل و شعور ہوا۔ تو حصول علم میں مشغول ہوئے ابتدائے شباب میں مولانا احمد اللہ سندیلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر تکمیل علم فرمایا۔ اور آپ کے دسترخوان سے بہت سی نعمتیں حاصل کیں۔ آپ اسے تنے زبردست عالم و فاضل ہوئے۔ اور آپ کے علم و فضل کا ڈنکا دنیا میں بجا اور شرح سلم کا حاشیہ لکھا۔ اور آپ کے شاگرد رشید ملا غلام یحییٰ بہاری نے آپ کے حاشیہ کو ملک میں مشہور کیا۔ بالآخر محلہ خواجگی ٹولہ جون پور میں مدرسہ

---

[۱] گنج ارشدی۔ تجلی نور دوم صفحہ ۸۹-۹۰

وخانقاہ تعمیر کرکے قیام کیا۔ اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ اور صدہا طلبہ نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ بعدہٗ آپ زیارت روضۂ رضوان مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور پسماندگان کو چھوڑ گئے۔ افسوس کہ زمانہ کے انقلاب کی وجہ سے سال وفات معلوم نہ ہوسکا۔ قبر آپ کی خواجگی ٹولہ میں پورب طرف کھیت میں گڑھی کے دکھن حکیم عبدالغفور کی مسجد سے متصل بہت وسیع چبوترے پر ہے۔

حضرت ملا شیخ حامدؒ

مشہور علماء جون پور سے تھے۔ آپ کا گنجینۂ دل نقوش علم عقلیہ ونقلیہ سے مملو اور زہد و تقویٰ میں فائق تھا۔ آپ نے علم کی تحصیل اکثر فضلائے زمانہ سے کی۔ اور جملہ علوم کے ماہر تھے۔ مگر معقولات میں آپ کا ہاتھ بہت بلند تھا۔ بعد تکمیل آپ کی فضیلت کا شہرہ بہت بلند ہوا۔ اور مشہور علماء وقت ہوئے اور کچھ دن درس و تدریس میں بھی مشغول ہوئے۔ بعدہٗ ہوس دنیا اور جاہ وعزت پیدا ہوئی۔ اور آپ دہلی پہونچے اولاً بہ زمانہ بادشاہ عالم بزمرۂ علماء شاہی سرملبند ہوئے۔ اور یوماً فیوماً بلند درجہ حاصل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شاہزادہ اکبر ثانی کے استاد مقرر ہوگئے۔ اور بہت زیادہ دولت ومال جمع فرمایا۔

جب آخری وقت آیا تو جون پور واپس آئے اور کچھ دن زندہ رہے جون پور میں ایک محلہ بنام شیخ حامد آباد کیا۔ ایک مسجد بڑی اور پختہ اس محلہ میں تعمیر کیا۔ آپ کی تصنیف میں کوئی کتاب مشہور نہیں ہے۔ آپ کی عمر ختم ہوئی۔ اور آپ نے انتقال فرمایا اور قریب مسجد اتر دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پختہ ہنوز موجود ہے سال وفات معلوم نہ ہوسکا۔ [1]

---

[1] تذکرۃ العلماء دوئم ص ۹۳-۹۴

حضرت قاضی محمد بناہؒ

المعروف بہ مستعید خاں آپ مشہور و نامور عالم و فاضل جون پور تھے۔ آپ نے ابتدائی علوم بچپن ہی میں اکثر علماء سے حاصل کیا۔ اور زیادہ فیض روحانی پایا لیکن تکمیل جملہ علوم و فنون قاضی محمود دہلوی سے کیا۔ جس وقت نادر شاہ درانی دہلی آیا اس نے سنا کہ متھرا میں بت پرستی ہوتی ہے جہاد کا حکم دیا۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی نے چاہا کہ قتل عام بند کیا جائے۔ آخر یہ صلاح و مشورہ ہوا۔ کہ علماء محمد شاہی و علماء نادر شاہی کے درمیان مباحثہ ہو۔ چنانچہ مباحثہ ہوا قاضی محمد بناہ نے ایسی دلیلیں دیں کہ تھوڑے مباحثہ کے بعد علماء نادری خاموش ہو گئے اور حکم جہاد منسوخ کر دیا گیا۔

نادر شاہ قاضی محمد بناہ کی تقریروں اور دلیلوں سے بہت خوش اور متاثر ہوا۔ اور ملا صاحب کو خطاب مستعید خاں کا عطا فرمایا۔ اس وقت آپ نے اسی لقب سے شہرت پائی۔ اور محمد شاہ بادشاہ دہلی نے منصب قضا جون پور کا عطا کیا۔ اور ایک موضع بڑہ یا قاضی جو تحصیل جون پور میں واقع ہے نسلاً بعد نسل معافی دی۔ ملا محمد بناہ مدت العمر قاضی جون پور رہے۔ اور کار درس و تدریس بھی انجام دیتے رہے۔ اور بہت زیادہ سرمایہ افتخار و متاع جاہ و حشم جمع کیا۔ اور بعد انتقال محلہ حمام دروازہ میں دفن ہوئے۔ سال وفات معلوم نہ ہو سکا[۱]

---

[۱] ریاض جون پور۔ تجلی نور دوئم ص۹۴ و ۹۵

حضرت مولوی غلام فریدؒ

مولوی غلام فرید شیخ فاروقی باشندہ قصبہ محمد آباد ضلع اعظم گڈھ کے تھے۔ آپ زبردست عالم صاحب درس وتدریس تھے۔ جب پڑھنے کے لائق ہوئے اور شوق ہوا تو حصول علم کی غرض سے جون پور آئے اور علمائے وقت سے پڑھنا شروع کیا۔ چند سال علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل کر کے علم وفضل سے آراستہ ہوئے۔ اور مسائل فقہ اور علم حدیث میں زیادہ ماہر اور کامل تھے۔ بعد تکمیل واستفادہ عرصہ تک جون پور میں قیام فرمایا۔ اور درس وتدریس کے ذریعہ دیار وامصار کے طلبار کو بہت نفع پہونچایا۔

دفعتاً جذبہ یاد الٰہی موج زن ہوا اور سب کچھ ترک کر کے اللہ کی جانب رجوع ہوئے۔ اور ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اولاد حضرت شاہ عبد الرزاق بانسوی کے تھے سلسلہ قادریہ میں مرید ہوئے۔ اور علم تصوف میں درجہ کمال حاصل فرمایا۔ اور خلافت حاصل کی۔ اور تمام ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل کے بعد وطن تشریف لے گئے۔ اور تاعمر تجرد میں گذارا حلال کے لقمہ کے علاوہ اور کچھ نہ کھاتے۔ اور نہ کوئی بری بات زبان سے نکلتی چوں کہ سیف زبان تھے جو کچھ فرماتے فوراً وہ بات ظہور میں آتی۔

فضل علیخاں حاکم نے غازی پور نے اعظم گڈھ فتح کیا اور حضرت کے پاس اس ریاست اعظم گڈھ حاصل کرنے کی بابت لکھا۔ آپ نے فضل علی خاں کے تحریر کے جواب میں یہ شعر لکھکر قاصد کو واپس فرمایا ؂

بیچارہ خر آرزوئے دم کرد   نایافتہ دم دو گوش گم کرد

ترجمہ :۔ بیچارے گدھے نے دم کی آرزو کی۔ دُم بھی نہیں ملی دونوں کان کھو دیا۔

چنانچہ فضل علی خاں ۔۔۔۔ ملک سے خارج ہوگیا۔ آخر آپ کے وفات کا وقت آپہونچا۔ اور آپ نے محمد آباد گہنہ ضلع اعظم گڈھ میں انتقال فرمایا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ مزار پختہ محلہ شیخواڑہ ۔ اندر حریم خام موجود ہے۔ سال وفات معلوم نہ ہوسکا۔[1]

حضرت ملا انگنوں صدر جہاںؒ

بہت مشہور علمائے جون پور سے تھے آپ نے تمام علوم کا تکملہ مشہور اور نامور علماء سے کیا۔ بعدہٗ ملازمت شاہی اختیار کی۔ اور منصب صدر جہانی جون پور پر مامور ہوئے۔ اور کار عدالت نصف عمر تک انجام دیتے رہے اس کے بعد تا زندگی درس و تدریس میں مشغول رہے۔ دور دراز سے طالبان علم آکر فیض حاصل کرتے۔ جون پور میں جس جگہ مدرسہ و خانقاہ تھی وہ جگہ پہلے صدر جہان مشہور تھا۔ جواب مفتی محلہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔ حضرت ملا محمد عسکری آپ کے ہم عصر تھے۔[2]

حضرت ملا شمس الدینؒ

نے تحصیل علم ابتدا تا انتہا اپنے پدر بزرگوار ملا انگنوں سے کیا۔ بعض علوم کی تحقیق ملا محمد عسکری سے کی۔ بعد انتقال اپنے والد بزرگوار منصب صدر جہانی پر مامور ہوئے اور تا حیات اپنے منصب کو نیک نامی کیساتھ انجام دیا۔ اور کام درس و تدریس بھی انجام دیتے رہے۔ بالآخر وفات پائی اور آپ کا خاندان بے نام و نشان ہوگیا۔ اور خانقاہ مدرسہ کی افتادہ زمین مفتی ولایت حسین کے قبضہ میں آئی اور زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔[3]

---

[1] بحر زخار، وقیات الاعلام۔ تجلی نور دوم صفحہ ۹۶ [2] تذکرۃ العلما دوم صفحہ ۹۷ [3] شگرف دوم صفحہ ۹۸

حضرت ملا محمد جمال صاحب رح مشہور علمائے جون پور سے تھے۔ اور حضرت دیوان عبد الرشید رح کے راسخ شاگردوں میں آپ کا شمار تھا۔ منطق و فلسفہ میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ بڑی تحقیق اور جانفشانی سے مشکل مسائل کو حل فرمایا۔ علم معنوی میں بڑی محنت فرمائی۔ اور معارف و حقائق سے آگاہ تھے۔ بیعت حضرت مخدوم دیوان عبد الرشید رحمتہ اللہ علیہ سے کی۔ اور خلافت حاصل فرمایا۔ آپ کا مزار جون پور میں ہے سلہ

حضرت ملا شاہ محمد صاحب رح متقدمین فضلا میں تھے۔ اور جملہ علوم سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ جون پور میں نشو و نما پائی اور دہلی بہ شوق کسب کمالات تشریف لے گئے۔ اور زبردست عالم و فاضل ہوئے۔ اور مسند درس و تعلیم پر بھی بیٹھے۔ اور طلبہ کو آپ سے بہت فائدہ اور فیض پہونچا۔ اور آپ کو ذوق تصوف بھی تھا سلہ

حضرت ملا ضیاء الدین صاحب رح کا آبائی وطن عرب تھا مگر آپ جون پور میں پیدا ہوئے اور تمام علوم ملا افضل استاد الملک سے حاصل فرمایا۔ اور بعد فراغت دہلی میں تمام عمر شاہزادہ بہادر شاہ کی تعلیم اور استادی میں عزت و افتخار کے ساتھ گذارا۔ اور وہیں انتقال بھی فرمایا۔ مزید حال آپ کا معلوم نہ ہو سکا۔ سلہ

سلہ تذکرۃ العلماء دوئم صفحہ ۹۸ سلہ تجلی نور دوئم صفحہ ۹۶
سلہ مشگرف دوئم صفحہ ۹۹۔

حضرت ملا نجیب الدین صاحبؒ

جامع کمالات صوری و معنوی اور جملہ علوم معقولات و منقولات اور خزانہ فضائل و فنون و کمالات صاحب درس و تدریس تھے۔ فیض علوم اکثر افاضل وقت سے حاصل فرمایا۔ علم ادب اور علم لغت میں بہت ماہر تھے۔ بہ عہد سلطان عالم گیر جون پور کے قاضی تھے۔ [۱]

حضرت ملا شیخ نظام الدین صاحبؒ

اولاد حضرت مخدوم عیسیٰ تاج اور زبردست عالم و فاضل تھے۔ اکثر افاضل وقت نے آپ سے علم حاصل فرمایا۔ اور آپ نے درس تدریس میں عمر ختم کردی۔ آپ نے اگر ہر علم و فن پر کتابیں لکھیں مگر آپ کی تصنیف کی شہرت نہ ہوئی۔ آپ شاعر بھی تھے۔ مفصل حال تذکرۂ شعراء میں ملاحظہ فرمایئے۔ بالآخر آپ نے وفات پائی اور محلہ رشید آباد میں دفن ہوئے [۲]

حضرت ملا عیوضؒ

مشہور علمائے وقت اور افاضل جونپور تھے آپ کا سلسلہ نسب حضرت عباس علمبردار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ تحقیق و تکمیل تمام علوم ملا محمد عسکری جون پوری سے فرمایا۔ اس کے بعد آپ کی طبیعت شاعری کی طرف مائل ہوئی۔ اور کافی مشق کی۔ آپ جذب کی حالت میں رہتے۔ شعر و شاعری اور تلاش مضامین میں سرگرداں جون پور اور کبھی بنارس بقرار گھوما کرتے۔ مگر اس حالت میں مشغلہ درس و تدریس جاری رہتا۔ طلباء دیار و امصار ساتھ رہتے۔ اور سبق پڑھتے جملہ کتب درسیہ از بر یاد تھیں۔ بروقت درس کسی شرح و حواشی و فتاوی

---

[۱] تجلی نور دوئم ص۹۹ [۲] تذکرۃ العلماء دوئم ص۱۰۰

کے دیکھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ آپ کا کلام نہایت سنجیدہ اور شیریں ہوتا اور آپ کا تخلص حکمت تھا۔ آپ حضرت شیخ حزیں بنارسی کے ہم عصر تھے۔ نقل ہے کہ ایک روز آپ بنارس میں بحالت جنون ننگے سر و ننگے پیر اور چاک دامن مجلس شیخ حزیں میں پہونچے۔ اور بلا تکلف مسند پر بیٹھے شیخ ملا حزیں نے یہ مصرع فی البدیہہ پڑھا۔ ع

"دریں بزم رہ نیست بیگانہ را"

ملا عیوض نے برجستہ جواب دیا

"کہ پروانگی داد پروانہ را"

ایک روز ملا عیوض وحشت زدہ سرشام بنارس گئے۔ اور لڑکوں نے آپ کو پاگل سمجھکر پتھر مارنا شروع کیا۔ آپ کا سر پھٹ گیا اور خون آلود ہوگیا اتفاقاً اسی وقت ملا حزیں کی پالکی وہاں پہونچی۔ ملا حزیں نے دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال ہے۔ آپ نے برجستہ یہ شعر کہا ؎

سرم از سنگ طفلاں لالہ زار است
جنوں گل کردہ ایام بہار است

ملا حزیں یہ شعر سنکر پالکی سے اتر پڑے۔ اور کچھ دیر وجد میں رہے۔ اور بہت تعریف فرمائی۔ آپ کی قبر پر انوار احاطہ حضرت سوبنر لیس رحمتہ اللہ علیہ محلہ سپاہ شہر جونپور میں ہے [۱]

---

[۱] تذکرہ آفتاب عالم تاب، روز روشن۔ تجلی نور دوم ص۱۰۱

حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ

جون پور کے باشندہ اور اپنے وقت کے زبردست علماء میں گذرے ہیں

آپ کا نسب شیخ فاروقی اور مذہب حنفی تھا۔ آپ نیک اطوار اور متقی پرہیزگار بزرگ تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ اولاً مقام اٹاوہ جو پرگنہ منڈیاہوں جون پور میں ہے۔ قیام فرمایا۔ چند سال کے بعد آپ کے مورثان جون پور آئے۔ اور جونپور میں قیام فرمایا۔ قاضی ثناء اللہ جملہ علوم عقلی و نقلی میں کافی قابلیت و مہارت رکھتے تھے۔ اسی بناء پر آپ کو قضا کا عہدہ دیا گیا۔ آپ صاحب درس و تدریس بھی تھے۔ بہت سے طلبہ نے آپ سے فیض حاصل فرمایا۔

بالآخر سات شوال ۱۱۷۳ھ جون پور میں وفات پائی۔ آپ کا مزار بازار الف خاں میں موجود ہے ؎۱

حضرت مولوی فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ

حضرت ملا عیوض کے لڑکے تھے۔ اور بہت مشہور فاضل زمانہ تھے

ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ لبعدہ بہ شوق تحصیل علم جون پور سے دہلی گئے۔ اور نامور علماء دہلی سے تحصیل علم کرکے فراغت حاصل کی۔ آپ کی تصنیف میں چند رسالہ حکمت و فلسفہ میں ہے۔ آپ کی وفات ۱۱۸۴ھ میں ہوئی اور قبر یہ الوارہ جون پور میں ہے ؎۲

جناب مولوی غلام حسین صاحب عنار مال رحمۃ اللہ

مولوی غلام حسین۔ اللہ اللہ یہ خاک جون پور کس قدر مبارک و متبرک تھی کہ اس سرزمین پر اللہ نے کیسے کیسے عالم و فاضل دانشمند اور عدیم المثال

؎۱ تجلی نور دوئم صفحہ ۱۰۴ ؎۲ ریاض جون پور۔ تذکرۂ علماء دوئم صفحہ ۱۰۱

بزرگ پیدا کیا۔ مولوی غلام حسین ملک ہندوستان کے گوہر یکتا اور لعل بے بہا تھے کہ تمام زمانہ میں ڈنکا بجایا کہ میرے مقابل کوئی دوسرا نہیں ہے اور کوئی عالم فاضل بحث مباحثہ کی غرض سے آپ کے سامنے نہ آسکا۔

آپ ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد سے حاصل فرمایا۔ بعدہٗ بغرض حصول علم دیار وامصار میں تشریف لے گئے۔ اور جہاں جہاں علم وفضل پایا۔ دانہ دانہ جمع کر کے ڈھیر لگایا۔ اور جملہ علم کی تکمیل کی۔ آپ کی فضیلت کا شہرہ ہفت اقلیم میں پہونچا۔ کہ ہر طرف سے طلباء حصول علم کے لئے حاضر ہونے لگے اور آپ سے تحصیل علم کر کے نامور فاضل ہوئے۔ اگرچہ آپ بہت اونچا درجہ علم وکمال میں رکھتے تھے۔ مگر علم حکمت وریاضی میں آپ کا درجہ بلند اور منزل عالی تھی۔ علم ہیئت میں ایک رسالہ زیچ تصنیف کیا جو بنام بہادرخانی مشہور ہوا۔ آپ کا سلسلہ راجہ ٹیکاری سے تھا۔ اسی بناء پر یہ کتاب مصنفہ بہادر خاں پسر راجہ ٹیکاری منسوب کی گئی۔ بعدہٗ دربار راجہ بنارس میں عہدہ صدر الصدوری پر ممتاز ہوئے۔ چندے وہاں بسر فرمایا۔ آخر سرکار نواب مرشدآباد میں قیام فرمایا۔ جب پیمانہ عمر لبریز ہوا تو مرشد آباد سے جون پور آتے ہوئے راستہ میں بمقام موضع داؤد پور ۱۲۷۹ھ میں انتقال فرمایا۔ اور وہیں دفن ہوئے [۱]

حضرت مولوی ابوالخیر صاحبؒ

قوم شیخ حضرت قاضی ثناء اللہ کی اولاد سے تھے۔ آپ نے حصول علم کے لئے بہت ہی دور دراز کا سفر کر کے علم حاصل فرمایا۔ اور تمام عمر درس اور مذاکرہ علمی دوسرا کام نہ کیا۔ جناب لارڈ ہسٹنگز بہادر گورنر جنرل نے چاہا

---

[۱] تجلی نور دوئم صد ۱۰۲ و ۱۰۳

کہ آپ کو عہدہ مفتی پر مقرر کریں مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ بالآخر سنہ ۱۱۹۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار پر انوار جون پور میں قریب مزار قاضی ثناء اللہ ہے اس سے زیادہ حال آپ کا معلوم نہیں ہو سکا[1]

حضرت مولوی روشن علی صاحبؒ

عالم جملہ علوم رسمیہ اور فاضل وقت تھے۔ والد کا نام شیخ نذر علی تھا۔ اور سلسلہ نسب شیخ خواجہ محمد سے ملتا تھا۔ آپ نے اکثر فضلاء نامور سے علم حاصل فرمایا۔ اگرچہ آپ جملہ علوم میں فائق تھے۔ مگر علم حساب میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔ دو شرح خلاصۃ الحساب اور شرح مقامات حریری آپ کی تصنیف میں ہے۔ اور زیادہ حال آپ کا معلوم نہ ہو سکا[2]

حضرت مفتی محمد غوث صاحبؒ

سنہ ۱۲۶۴ھ میں بحصول حج وزیارت مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ بعد ادائے حج وزیارت واپس ہوئے۔ اور درس و تدریس میں مشغول ہوئے دوسری مرتبہ سنہ ۱۲۷۲ھ میں شوق طواف حرمین شریفین تشریف لے گئے اور بعد ادائے حج و حصول زیارت نبوی سرمایۂ آخرت جمع فرمایا۔ مدینہ منورہ سے مکہ شریف واپس آئے اور چند ایام قیام فرمایا۔ اور مکہ شریف ہی میں در سال سنہ ۱۲۷۳ھ انتقال فرمایا۔ اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے[3]

---

[1] تجلی نور دوم صفحہ ۱۰۵۔ [2] تجلی نور دوم ص ۱۰۵ [3] تجلی نور دوم صفحہ ۱۰۶ تا ۱۰۹

حضرت مولوی محمدؒ

بڑے لڑکے مولوی سخاوت علی صاحب کے تھے۔ آپ نے تحصیل علوم اپنے والد بزرگوار سے کی۔ اور تمام علوم میں کامل اکمل ہوئے۔ آپ صاحب زہد و تقویٰ تھے جب آپ کے والد ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو باپ کے مسند پر بیٹھے اور درس و تدریس و پند نصائح اور وعظ میں مشغول ہوئے اور اسم خیر الرسم اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کا ورد کثرت کے ساتھ فرماتے رہے۔ لیکن افسوس کہ عین موسم بہار زہد میں بتاریخ ۲ر شوال ۱۲۶۳ھ میں انتقال فرمایا۔ ؎۱

حضرت مولانا محمد شبلیؒ

خلف مولانا سخاوت علی صاحب ۱۲۶۴ھ ۱۰ر شعبان کی شب میں پیدا ہوئے چونکہ آپ کے والد بزرگوار بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ اس وجہ سے آپ زیر سایہ اپنے نانا قاضی ضیاء الدین خاں صدر الصدور کے تعلیم و تربیت پائی اولاً حافظ نعمت اللہ صاحب و حافظ الٰہی بخش سے کلام مجید حفظ فرمایا۔ بعدہ کتب معمولات فارسیہ و مختصرات عربیہ بعض علماء سے پڑھا۔ و متوسطات و منتہی کتب درس نظامیہ مولانا محمد یوسف صاحب فرنگی محلی سے تکمیل فرمایا۔ اور کتب حدیث مولوی نذیر حسین دہلوی سے تحصیل فرمایا۔ ۱۲۸۶ھ میں حج و زیارت روضہ منورہ نبوی کی غرض سے حجاز تشریف لے گئے۔ آپ تمام علوم و فنون میں یگانہ روزگار اور بہت ہی ذہین و ذکی تھے۔ رسالہ وسیلۃ النجو در نحو آپ کی تصنیف سے ہے۔ اور آپ تمام اوقاف مساجد کے متولی تھے۔ ؎۲

؎۱ تجلی نور دوم ص۱۱۰ ؎۲ تجلی نور دوم ص۱۱۰

حضرت مولانا سخاوت علی رح

مشہور عالم اور نامور علماء آخر جونپور میں آپ کا شمار تھا۔ زہد و تقویٰ حسن خلق میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ نسب شیخ فاروقی اور سلسلہ خاندانی شیخ خواجہ محمد و شیخ نذر علی سے ملتا تھا۔ آپ ۱۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی کتابیں مولوی قدرت علیصاحب ردولوی سے پڑھیں اور متوسطات و معتبرات مولوی احمد اللہ انامی و مولوی احمد علی چریاکوٹی سے حاصل فرمایا اور تمام علوم کی تکمیل مولانا عبدالحئی دہلوی و مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی سے کیا۔ اور آپ نے تمام علوم حاصل کرنے میں اس قدر سخت محنت فرمائی کہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے فاضل اور بزرگ ہوئے۔ آپ کے علم کی برتری دنیا میں مشہور ہوئی۔ آپ اپنے دور کے ملک العلماء اور استاذ الملک تھے ہزارہا طلبہ دور دراز سے آکر فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ دور آخر جونپور کے علوم کو زندہ کرنے والے اور گذشتہ علماء فضلا کی مسند پر بیٹھنے والے ہوئے۔ آپ خلق و مروت میں بے نظیر اور سخاوت و فیاضی میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ بلاخیال مذہب و ملت ہر انسان کی آرزو پوری فرماتے۔ بدیں وجہ ہر دل عزیز تھے۔

آپ کے ذہن کی قوت اس قدر زبردست تھی کہ چھ ماہ میں قرآن حفظ فرمالیا۔ آپ اعلیٰ درجہ کے طبیب بھی تھے۔ نباضی اور قیافہ شناسی میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ کے بہت سے شاگرد تھے۔ آپ دنیا کے ہر کام کو چھوڑ کر ہر نماز اول وقت ادا فرماتے۔ مذاق فقر و درویشی تھا۔ اور طریقہ صوفیہ مجددیہ نقشبندیہ کے پیرو تھے۔ بیعت و خلافت از سید السادات سید احمد بریلوی رح سے تھی۔ جامع مسجد جونپور میں مدرسہ قرآنیہ با امداد اکابر شہر قائم

فرمایا اور حافظ امام الدین لاہوری کو اس مدرسہ کا مدرس مقرر کیا۔ اس وقت تک وہ مدرسہ قائم ہے۔ اور اس سے فیض تعلیم جاری ہے۔ طلبہ ہر سال حفظ قرآن کر کے نکلتے ہیں۔ نواب باندہ نے آپ کے اوصاف سنے اور بہزار تمنا خود درخواست کیا۔ آپ کی تعظیم وتکریم اور توقیر میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ آپ نے چند دنوں باندہ میں قیام کر کے درس وتدریس دیا۔

آپ تصنیفات ہیں۔ رسالہ تقویٰ رسم ورواج نامشروع وبدعات ہیں۔ رسالہ اسرار۔ رسالہ عرفان الاوقات۔ رسالہ تعداد لغات۔ اسلم فی المنطق۔ قویم فی احادیث المجتبی۔ عقائد تامہ۔ رسالہ فقر۔ رسالہ وصول وسمع کلمات کفر۔ رسالہ ناسخ ومنسوخ۔

علاوہ ان کے تقریرات وتحریرات مختلف واکثر رسائل علم فرائض وحکمت جو کمیاب ہیں۔ پس ماندگان کے لئے باقی ہیں۔ مولوی نورالدین زیدی نے تاریخ وفات کہی ہے۔

خاتم الفضلائے دور آخری — در سخاوت شہرتش نزدیک ودور
شد بزیر خاک آں مہر علوم — خانۂ ظلمات گشتہ برج نور
بود ذاتش معدن علم وکمال — جاہلیت کرد از فوتش ظہور
گفت زیدی از سر الفاظ سال
ختم شد شور علوم جون پور

۱۲۷۴ھ

حضرت مولوی حافظ حاجی ابوالخیر محمد مکی رح

پسر حضرت مولانا سخاوت علی صاحب آپ بتاریخ ۱۹ رجمادی الثانی ۱۲۷۴ھ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ جبکہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ اپنے والدہ کے ہمراہ جون پور تشریف لائے۔ اور حافظ نعمت اللہ سرائمیری و حافظ احمد عرف حافظ مِدا جون پوری سے کلام مجید حفظ فرمایا۔ علوم ظاہری کا تکملہ اپنے بڑے بھائی مولانا شبلی و مولوی عبید اللہ گوپاموی شاگرد مفتی محمد یوسف و مولوی سعادت حسین عظیم آبادی و مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی سے پڑھا حضرت مولانا محمد مکی کا منطق و فلسفہ کی طرف بہت زیادہ رجحان تھا۔ آپ مرد متقی زہد و تقوی تھے۔ آپ نے اپنی عمر عزیز کو درس و تدریس و وعظ و نصیحت میں گذارا۔ اور مدرسہ قرآنیہ جامع مسجد جون پور کے منتظم رہے۔ [۱]

حضرت قاضی محمد یوسف رح

مخزن انوار علوم و دانائے معدن فنون و کمالات تھے۔ آپ نے تمام علوم کو درجہ کمال تک حاصل فرمایا۔ اور جمیع علوم میں آپ کا شہرہ بلند ہوا۔ مثل اپنے بزرگوں کے صاحب فتوی ہوئے۔ اور تمام علوم نقلیہ کو بلا تامل حل فرما دیتے اور علم حدیث میں بخوبی ماہر اور واقف تھے۔ کہ آپ کی شہرت بادشاہ تک پہونچی اور آپ عہدۂ قضا پر مقرر ہوئے۔ محلہ طوطی پور آپ کا آباد کیا ہوا ہے۔ اور حال آپ کا معلوم نہیں ہو سکا۔ اور وہیں محلہ چبوترے پر مزار ہے۔ [۲]

---

[۱] تجلی نور دوئم صـ۱۱۱ [۲] تجلی نور دوئم صـ۱۱۲

حضرت خواجہ بایزید رح و حضرت شیخ غلام علی رح

کا شمار علماء کبار مقتدا اپنے عصر حلقہ کاملین میں ہوتا تھا۔ آپ محلہ شیخواڑہ قصبہ محمد آباد گہنہ ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے۔ شیخ خلیل اللہ بغرض سیاحت ہندوستان آئے اور شہر دہلی میں کہ اس وقت صوفیائے کرام اور علمائے عظام کا مجمع تھا اور وہ زمانہ عہد سلطنت محمد تغلق کا تھا۔ ۱۳۸۵ھ میں آپ نے معہ اپنے عزیزوں کے مستقل طور پر قیام فرمایا۔ حضرت خواجہ بایزید جو تمام علوم ظاہر و باطن سے آراستہ تھے عزت و قدردانی کی شہرت سن کر دہلی سے جون پور آئے۔ اس زمانہ میں جون پور غریبوں فقیروں اور اہل علم کے لئے راحت دامن کی جگہ تھی۔

چنانچہ جب آپ جون پور تشریف لائے تو فیروز شاہ تغلق نے بکمال عزت و افتخار قطعات اراضیات مواضعات کو ٹریا بار و کبیر پور، و جکیت میر ستشہرت بطور جاگیر عطا فرما کر ٹھہرایا۔ آپ نے جاگیر میں خانقاہ تعمیر کر کے مثل قدیم صوفیوں کے ۱۳۷۰ھ سے تمام عمر گوشہ نشین رہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔

اور شیخ جمال الدین نے اپنی سکونت محمد آباد گہنہ اختیار کیا اور ان کے لڑکے شیخ محمد اعظم دربار سلاطین شرقیہ سے وابستہ ہو کر اور خدمت ہائے نمایاں کر کے ذو تعلقہ جاگیر میں حاصل کیا۔ اور موضع جمال پور جو اس وقت تک اس خاندان کے مشائخوں کا مسکن ہے۔ شیخ محمد اعظم کا آباد کیا ہوا ہے جنھوں نے اپنے والد بزرگوار کے نام پر موسوم کیا۔ اور ان کے بھتیجے شیخ محمد اعظم یعنی شیخ دریا خان و شیخ کبیر خان و شیخ گدائی خاں تا عہد

اقتدار حکومت تیموریہ پرگنہ محمد آباد میں موضع کبیر آباد کہ ملتجی کمال پور ہے اور دوسرے مقامات پر قلعہ وگڈھی شیخ کبیر خاں کہ صاحب اقتدار تھے تعمیر کیا۔ اور ان کے لڑکے شیخ گدائی خاں نے قلعہ مستحکم جمالپور میں قیام کیا۔ وہ تمام قلعے مسمار ہو کر خاک کا ڈھیر ہو گئے۔ مگر خندق جو محافظت کے لئے بنائی گئی تھی وہ کسی قدر موجود ہے۔

گدا خاں کی وفات کے بعد شمس الدین محمد اسمٰعیل نے آبائی شان و شوکت کو باقی رکھا۔ مگر ان لوگوں کی وفات کے بعد زوال شروع ہو گیا۔ اور جب شیخ سعد اللہ کا انتقال ہو گیا تو خاندان والوں نے دست اندازی شروع کر دی۔ اور کافی جائداد پر قابض ہو گئے۔ مگر ایک مدت کے بعد شیخ غلام علی نے جائداد کا زیادہ حصہ ان غاصبوں کے پنجۂ ظلم سے برآمد کیا۔ اور شیخ سعد اللہ کے دوسرے بیٹے شیخ غلام فرید لڑکپن ہی سے بڑے عالی ہمت واقع ہوئے تھے۔ جب ان کی عمر دس برس کی ہوئی تو جون پور حصول علم کے لئے چلے آئے۔ اور یہاں ایک عرصہ تک رہ کر علم حاصل کیا۔ اس کے بعد ملا شیخ نظام الدین فرنگی محلی لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور مدت دراز تک آپ کی خدمت میں رہ کر علم ظاہر و باطن سے اپنے دامن کو بھر لیا۔ اور دستار فضیلت اور خرقۂ خلافت حاصل کر کے اپنے وطن کو واپس ہوئے۔ ہر چند کہ آپ علامۂ عصر تھے مگر آپ نے علم ظاہری پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ ریاضت و مجاہدہ میں اپنا سارا وقت گذارنے لگے۔ اور روزہ پر روزہ رکھتے اور بہت مشقت اٹھاتے تھے۔ اور اپنے حجرہ کے باہر بغیر ضرورت کے نہ آتے تھے۔ آپ کی محفل میں سوائے قرآن و حدیث اور بزرگان دین و حقیقت و معرفت کی باتوں کے کوئی دوسری بات کرنے کی مجال نہ تھی۔ اور نہ کسی کو یہ اجازت تھی کہ وہ بغیر اجازت

کسی سے بات کرسکے۔

آپ لوگوں کی ضرورت سے بغیر اطلاع کے آگاہ ہوجاتے اور جو کچھ کہہ دیتے۔ وہ ہوجاتا تھا۔

آپ کا انتقال اسی موضع میں ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ قبر زیارت گاہ خاص وعام ہے ۱؎

حضرت مولوی عبدالقادرؒ

شیخ خیرالدین ساکن سوگھرپور کے لڑکے تھے۔ آپ تمام علوم کے ماہر اور فضائل وکمالات کے سرچشمہ تھے۔ آپ نے تمام علوم ملا محمد عسکری جون پوری سے حاصل فرمایا۔ اور مشہور علمائے وقت اور فضلائے نامور ہوئے۔

آپ نے برسبیل تذکرہ چند اشعار قصیدہ مولوی فخرالدین قادری کی تعریف میں لکھا۔ خدا نے آپ کو بہت ذکی وذہین پیدا کیا تھا۔ کہ ہر علم میں بحر ذخار اور ہر فضائل میں گلستان بہار تھے۔ نظم ونثر عربی فارسی لکھنے میں بے عدیل وبے نظیر تھے اور اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ چند کتابیں نظم ونثر آپ کی شائع ہوئی تھیں۔ اور آپ کی تصنیف میں رسالہ عروض عربی نظم میں۔ دوسرا رسالہ مختصر مائۃ عامل عربی نظم میں ہے۔ بوستان سعدی کا ترجمہ زبان عربی میں نظم فرمایا۔ جس نے آپ سے پڑھا وہ عالم علوم ہوگیا۔ آپ عرصہ دراز تک جون پور میں رہے۔ آپ کی قبر موضع سگھرپور میں ہے ۲؎

۱؎ مظہر الاحدیہ فارسی ۲؎ تذکرہ علماء دویم ص ۱۱۳ - ۱۱۴

حضرت مولوی فتح علیصاحب رح

شیخ فاروقی رؤساء تحصیل منڈیاہو جون پور کے تھے۔ آپ علم و فضل میں یکتا۔ اور صلاح و تقویٰ میں بلند تھے۔ آپ شاعر بھی تھے۔ آپ کا کلام شیریں زبان فصیح اور ذوق سلیم تھا۔ کہ ہر مذاق کا انسان پسند کرتا تھا۔ آپ سید احمد بریلوی رحم کے خلیفہ تھے۔ اور عبدالقدوس کے نام سے سید صاحب کے قافلہ میں مشہور تھے۔ جناب سید صاحب قدس سرہ کے ساتھ پنجاب گئے اور پنجاب ہی میں وفات ہوئی۔

تاریخ کہنے میں آپ کو زیادہ مہارت تھی۔ شروع میں آپ درس و تدریس میں بھی مشغول رہے۔ انجام کار بغرض حصول سعادت گوشہ نشین ہو کر طاعت و عبادت میں مصروف ہوتے۔ قبر آپ کی پنجاب میں ہے۔ [۱]

حضرت مولوی معشوق علیصاحب رح

مولوی فتح علی کی بہن کے لڑکے تھے۔ آپ کے خزانہ دل میں جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ جمع تھا۔ شیخ علی مسعود مورث اعلیٰ بزمانہ بابر شاہ بادشاہ عرب سے ہندوستان آئے چوں کہ آپ میں زبردست لیاقت اور قابلیت تھی بدیں وجہ تقرب سلطانی حاصل ہوا۔ اور آپ عہدہ حضور نویسی پر ممتاز ہوتے اور مدت تک اس منصب پر مامور تھے۔

آخر کار پرگنہ کراکت و انگلی ضلع جون پور میں جاگیر عطا ہوئی۔ اور اسی سلسلہ میں جون پور محلہ چتر ساری میں آباد ہوئے۔ مولوی معشوق علی نے تمام علوم درجہ کمال تک شیخ احمد یمنی سے حاصل فرمایا۔ اور بہت مشہور عالم ہوئے۔ علم

---

[۱] تجلی نور دوئم صفحہ ۱۱۴ و ۱۱۵۔

ادب میں آپ کو مخصوص کمال حاصل تھا۔ نسخہ تحفہ "طیفیہ بزبان فارسی و کتاب
فرائض اسلمیہ فارسی آپ کی تصنیفات میں ہے۔ اور کچھ دیوان ناتمام بھی ہیں
آپ نے تمام عمر درس و تدریس میں گذاری۔ اور بہت سے طلبا نے آپ سے
فیض حاصل کیا۔ کتب خانہ مولوی معشوق علی جون پور میں مشہور تھا۔ آپ کے
کتب خانہ میں پانچ ہزار جلد کتابیں تھیں۔ کچھ دن عہدہ منصفی پہ بھی رہے
اور فیصلہ مقدمات عدالت دیوانی نہایت عمدہ طریقہ سے انجام دیا۔
بالآخر ۶ رمضان المبارک ۱۲۶۸ھ میں انتقال فرمایا۔ قبر آپ کی
محلہ چتر ساری جون پور میں ہے [۱]

حضرت مولانا مولوی گلشن علی صاحب رح

سر آمد فضلاء رفیع الشان نامور
زمانہ علماء اثنا عشری متاخرین
سے ہیں۔ آپ صاحب زہد و تقویٰ اور قوم سادات سے ہیں۔ آپ ۱۲۷۵ھ میں
قصبہ سادات مونڈہ جو پانچ میل شہر جون پور سے جانب پورب و دکھن ہے۔
پیدا ہوئے۔ آپ نے شروع میں کتب مختصرات مولوی ذاکر علی ساکن مفتی محلہ
جون پور سے پڑھا۔ بعدہٗ بشوق علم ۱۲۳۰ھ میں لکھنؤ تشریف لے گئے
اور تھوڑے زمانہ میں علوم دینیات مولوی غلام ضامن و مرزا محمد کاظم علی
اور منطق و فلسفہ مولوی ولی اللہ فرنگی محلی لکھنوی سے حاصل فرما کر دستار
فضیلت و عمامہ عزت باندھا۔ اگرچہ جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں بہت زیادہ
ماہر تھے مگر علم ادب میں عموماً اور علم حساب میں خصوصاً متبحر تھے۔ اور تا زندگی
درس و مذاکرہ میں مشغول رہے۔ اکثر طلباء آپ کے برکت درس سے

---

[۱] تذکرہ علماء دوئم صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶۔ اسلامی کتب خانے۔ اسلامک کلچر۔

فیضیاب ہوئے۔ آپ کی تصنیف میں نسخہ لغایۃ الحساب فی شرح خلاصۃ الحساب مشہور ہے۔ آپ کے علم و فضل کی شہرت چاروں طرف ہوئی۔ فضلائے کرام نے پیشانی نیاز اور علمائے اعلام نے غاشیہ اطاعت کندھے پر رکھا۔

آپ کو شاعری سے بھی ذوق تھا۔ شعر پاکیزہ و سنجیدہ شیریں ہوتا تھا بعد طے مراحل حملہ اکتساب علوم ملازمت کی طرف مائل ہوئے۔ اور سرکار انگلشیہ میں منصفی کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ اور پانچ سال تک شہر جون پور میں منصف رہے۔ بعدہٗ رہتک ضلع میں تحصیلدار ہوئے۔ اس کے بعد مہاراجہ بنارس کے یہاں دیوانی کے عہدہ پر مقرر ہوئے۔ اور ریاست کا تمام کام آپ کے سپرد ہوا۔

دو بار مناسک حج اور زیارت عتبات عالیہ سے مشرف ہوئے۔ بالآخر ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۲۹۱ھ بمقام بنارس مرض ہیضہ میں انتقال کیا۔ اور قصبہ سادات مونڈہ کجگاؤں بھی جسکو کہتے ہیں دفن ہوئے۔ ۱؎

حضرت مولوی حاجی محمد حسن صاحب

چھوٹے لڑکے مولوی سید گلشن علی کے تھے۔ آپ جلیل المرتبت اور مسلم الثبوت عالم تھے۔ خصوصاً علم ریاضی میں یگانہ تھے۔ اور بڑے ہی متقی و پرہیزگار تھے۔ ۱۰ شوال سنہ ۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم کتب درسیہ مختصرات و مطولات اپنے والد سے کیا۔ اور تکمیل اکثر علمائے عرب و عجم سے بزمانہ حج و زیارت کیا۔ اور علم ریاضی مولوی غلام حسین رمّال جونپوری ریاضی داں سے پایہ تکمیل کو پہونچایا۔ چونکہ ریاضی کا آپ کو زیادہ شوق تھا

۱؎ شنگرف دوئم صفحہ ۱۱۷ تا ۱۱۹

اس لئے اس علم کی تحقیق کے لئے ۱۲۸۹ھ میں ولایت گئے۔ وہاں کے علماء سے ریاضیات کی مشکلات کو حل کیا۔ آپ کا تقویٰ اتنا زبردست تھا کہ جو کی خشک روٹی لے کر لندن گئے۔ اور وہاں کے قیام میں بھی خشک روٹی پر بسر کیا۔ آپ کی ذات باعث افتخار و بقائے علوم جون پور تھی۔ کچھ دنوں تک ضلع بدایوں و آگرہ میں تحصیلداری کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ بالآخر ملازمت ترک فرما کر خانہ نشین ہو گئے۔ اور مہاراجہ بنارس کے یہاں سے پنشن پاتے رہے۔ اور رات دن درس و تدریس و تصنیف کتب و رسائل میں مصروف رہے۔ آپ کی تصنیف بہت زیادہ تھی۔ مگر کوئی کتاب آپ کی تصنیف کی مشہور نہ ہوئی [1]

حضرت مولوی ریاض الدین صاحبؒ

مولوی حاجی محمد حسن کے لڑکے تھے۔ آپ علم ظاہری کے زبردست عالم جوان و صالح و متقی اور قوی الحافظہ تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کو پورے طور پر اپنے والد سے حاصل فرمایا۔ اور تحقیق و تکمیل اپنے بھائی مولوی گلشن علی سے کر کے فاضل زمانہ ہوئے۔ اور اپنے جد کے ہمراہ سعادت حج و زیارت سے سرفراز ہوئے۔ آپ مدرس مدرسہ عربی نواب مرشد آباد رہے اور درس و تدریس کو بڑی حسن و خوبی سے انجام دیا۔ [2]

حضرت قاضی ثناء الدین صاحبؒ

مچھلی شہری اولاد حضرت جعفر طیارؓ سے تھے۔ آپ کا شمار نامور علماء جون پور میں تھا۔ آپ کا ظاہر و باطن فضائل صوری و معنوی سے آراستہ و پیراستہ

---

[1] تذکرہ علماء دوئم صفحہ ۱۲۰ [2] تجلی نور دوئم صفحہ ۱۲۰

کھا۔ آپ نیک طبیعت اور شیریں کلام اور سنجیدہ مزاج تھے۔ آپ نے اپنی تمام عمر درس وتدریس اور زہد وتقویٰ میں گذاری۔ آپ کے فیض علم سے بہت سے طلبا مستفیض ہوئے۔ اس سے زیادہ آپ کا حال معلوم نہ ہوسکا آپ کی قبر قصبہ مچھلی شہر جانب دکھن متصل سرحد بر لب پوسہ ہے ۱؎

حضرت مولانا جلال الدین محمد صاحبؒ

کا سلسلہ نسب آٹھ واسطوں کے بعد قاضی ثناء الدین سے ملتا ہے آپ علوم کے بادشاہ تھے۔ آپ نے علم بہت زیادہ حاصل کیا۔ اور جملہ علوم وفنون میں کافی دستگاہ تھی۔ لیکن فقہ وحدیث میں بے نظیر تھے۔ درس وتدریس میں آپ نے تمام عمر دیا۔ اکثر طلباء آپ سے پڑھ کر مستفیض ہوئے۔ جب آپ کے علم کا شہرہ ہوا اور آپ کی شہرت بادشاہ اورنگ زیب تک پہونچی تو بادشاہ نے کمال آرزومندی بلا کر بزمرۂ علمائے شاہی مقرر فرمایا۔ آپ کے عظیم الشان کارناموں میں فتویٰ عالمگیریہ حصہ اول ہے۔ جو بادشاہ کے حکم پر آپ نے لکھا۔

اس سے زیادہ اور کچھ حال آپ کا معلوم نہ ہوسکا۔ قبر آپ کی قصبہ مچھلی شہر جانب دکھن سرحد موضع روینا پور ہے۔ ۲؎

حضرت مولوی شاہ باب اللہ صاحبؒ

اولاد قاضی ثناء الدین سے تھے۔ آپ بہت زبردست عالم اور قابل احترام تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ نہایت تحقیق اور خوبی کے ساتھ حاصل کیا۔

۱؎ تذکرہ علماء دوم ص ۱۲۱ ۲؎ تجلی نور دوم ص ۱۲۱ و ۱۲۲

آپ عالم باعمل اور صوفی مشرب کامل بزرگ تھے۔ آپ نے شروع درس و تدریس میں اپنی عمر کا زیادہ حصہ صرف کیا۔ بالآخر جذبۂ الہی پیدا ہوا۔ اور تمام تعلقات دنیا سے علحدہ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ اور بہت ہی صاحب حال و قال بزرگ تھے۔ آپ سلسلہ قادریہ میں ارادت و بیعت رکھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جب ذکر شغل میں آپ مصروف ہوتے تو آپ کے جسم کا ہر حصہ جدا جدا ذکر مشغول ہو جاتا۔ آپ کا مزار پر انوار مچھلی شہر جون پور میں ہے۔ آپ کی تصنیف میں رسالہ فقہ فارسی ہے۔ جو فقہ شاہ باب اللہ مشہور ہے۔ [۱]

حضرت مولوی علی محمد صاحب رح

کا سلسلہ نسب تیرہ واسطوں سے حضرت قاضی ثناء اللہ سے ملتا ہے۔ جامعیت علوم اور کمالات فنون میں بہت زیادہ ماہر تھے۔ تحصیل علوم ابتدا سے آخر تک مولوی شاہ باب اللہ سے حاصل فرمایا۔ اور بہت مشہور علماء میں ہوئے۔ بعدہٗ درس و تدریس کی طرف مائل ہوئے۔ اور بہت زیادہ طلباء آپ سے نعمت علوم حاصل کر کے مشہور ہوئے۔ آپ کو حق تعالیٰ نے تعلیم میں وہ برکت عطا فرمائی تھی۔ کہ جس نے آپ سے پڑھا وہ تکمیل تک پہونچا۔ علاوہ علوم ظاہری کے آپ نے تصفیۂ باطنی میں بھی کوشش فرمائی اور آپ اہل دل اور واصل حق ہوئے۔ آپ تمام شب بیدار رہ کر عبادت میں صبح کرتے۔ آپ ایک سو سال کی عمر تک پہونچے۔ اور بروز دوشنبہ بتاریخ ۲۴ رمضان المبارک ۱۲۳۶ھ کو انتقال فرمایا۔ اور مچھلی شہر میں دفن ہوئے۔ آپ کی تصنیفات میں رسالہ چہار عناصر۔ قواعد فارسی میں و

---

[۱] شگرف دوم صـ ۱۲۲

صرف و نحو و منطق فارسی ہیں۔ منہاج الاسلام فقہ و عقائد۔ تہذیب الایمان عربی اخلاق و ادب میں ہے۔[1]

حضرت مولوی علی کبیر صاحب رحمۃ

خلف مولوی علی محمد۔ آپ ممتاز العلماء اور افضل الفضلاء تھے۔

سنہ ۱۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والد کے ظل عاطفت میں پرورش پائی۔ پانچ سال کی عمر میں آپ مکتب میں بیٹھے۔ اور دو سال کے اندر ابتدائی تعلیم ختم کر کے علوم عربی و فارسی کی طرف متوجہ ہوئے۔ علوم رسمیہ مختصرات اپنے والد سے پڑھا۔ بعدہٗ لکھنؤ گئے۔ اور مولوی محمد مبین فرنگی محلی سے تمام علوم کی تحقیق و تکمیل کر کے دستار فضیلت باندھا۔ آپ حسن اخلاق، رحم و مروت میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ دو کتاب آپ کی تصنیف میں زیادہ مشہور ہوتی۔ ایک مخروطات جبری اور دوسری مخروطات ہندسی۔ پھر آپ مراحل خداشناسی و صفائی باطنی میں مصروف ہوئے۔ اور حضرت شاہ محمد آفاق رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔ علوم کی تکمیل کے بعد ملازمت کی طرف مائل ہوئے۔ اور سرکار انگلشیہ کی طرف سے مفتی مقرر ہوئے۔ اور اس قدر عزت حاصل کیا کہ آپ کے تمام اہل خاندان منصفی و صدر امینی اور صدر الصدوری پر مقرر ہوئے۔ اور قصبہ مچھلی شہر کے عروج و افتخار کے باعث ہوئے۔ بالآخر سنہ ۱۲۴۴ھ میں ملازمت سرکار انگلشیہ ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔ گو آپ کی عمر ایک سو سال تک پہونچی مگر آنکھ کی بصارت میں فرق نہ آیا۔ تمام عمر کتب بینی کا مشغلہ جاری رہا۔ سعادت حج و زیارت نبوی سے بھی سرفراز

---

[1] تجلی نور دوم ص ۱۲۳۔ تذکرۂ علماء۔

ہوئے۔ حج سے لوٹتے وقت موضع فرید پور متصل برانواں جہاں سے مچھلی شہر صرف پانچ کوس کے فاصلہ پر تھا بوقت شب جمعہ بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۱۲۶۹ھ انتقال فرمایا۔ اور اندر خانقاہ تعمیر کردہ خود میں دفن ہوئے۔[1]

مولانا مولوی عبدالشکور صاحبؒ خاندان قاضی ثناء اللہ مچھلی شہری سے تھے ۱۲۱۱ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد ماجد کے سایہ عاطفت میں تمام وکمال تربیت پائی اور شروع میں ابتدائی کتابیں مولوی محمد علی سے پڑھیں۔ اس کے بعد بہت زیادہ استعداد ولیاقت مطالعہ سے حاصل فرمایا۔ مگر تسکین نہ ہوئی اور دہلی تشریف لے گئے۔ اور وہاں مولانا رشید احمد خاں ومولانا رفیع الدین ومولانا شاہ عبدالعزیز ومولوی عبدالحیٔ سے علم کی تکمیل فرمائی۔ اور تمام علوم مشکلات حل فرمایا۔ اور تین سال کی مدت میں فضیلت علم سے مالامال ہوکر دستار فضیلت حاصل فرمائی۔ اس کے بعد مزید علم کے حصول کے لئے لے فرالدہ سے۔ اور مولانا محمد حسین حنفی ومفتی مکہ معظمہ سے تحقیق علم فقہ وحدیث کرکے سند حاصل کی۔ مولانا فضل امام خیرآبادی سے بھی فیض حاصل فرمایا۔ ذہن وحافظہ کی بلندی کی وجہ سے معقول ومنقول میں زبردست عالم ہوئے اور بہت شہرت پائی۔ آپ کی تحقیق کا یہ عالم تھا کہ لغات ونحو وصرف مالہ وماعلیہ نوک زبان پر تھا۔ اور فقہ واصول حدیث میں آپ کو زبردست عبور تھا۔ منطق وریاضیات اشکال فلکی خطوط ارضی میں آپ کو جو کمال حاصل تھا وہ تحریر میں نہیں آسکتا بہت سے طلباء آپ کے فیض علم سے مستفیض ہوئے۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت شاہ محمد آفاق سے بیعت تھے۔ تین بار سعادت حج وزیارت مدینہ

---

[1] شنگرف حصہ دوئم صفحہ ۱۲۔

منورہ سے مشرف ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں صدر امینی کے عہدہ پر مامور ہوئے پھر مفتی ہوئے۔ آخر میں صدر الصدوری تک پہنچے۔

بالآخر ۱۲۶۰ھ میں پنشن لے کر خانہ نشین ہوئے۔ چالیس سال تک پنشن لیتے رہے۔ چھیانوے ہزار روپیہ پنشن حاصل کی۔ آپ کی تصانیف سے شرح مقامات ہندی۔ حل النجات فرائد عربی۔ شرح کنز الدقائق عربی۔ ترجمہ طوطی نامہ عربی ہے ۲۹ شوال ۱۳۰۰ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار جھلی شہر میں ہے۔ [1]

مولوی قاضی خیر الدین صاحب رح

آپ قصبہ منڈیاہوں جون پور کے شریف النسب ہیں اور ملا شیخ محمد کوفی کی اولاد سے ہیں۔ جب آپ سن شعور کو پہونچے تو ابتدائی تعلیم جون پور میں حاصل کیا۔ بعدہٗ شوق حصول علم میں دہلی پہونچے۔ اور تحصیل علم کیا۔ اور تقرب سلطانی کی وجہ سے عہد سلطنت اکبر بادشاہ قاضی منڈیاہوں مقرر ہوئے۔ اپنے وطن کو لوٹے اور دین متین کے اجرا میں کوشش فرمایا۔ اہل ہنود آپ کی جدوجہد سے ناخوش ہوئے۔ اور آپ کو عہدہ قضا سے ہٹنا پڑا۔ اتفاقاً اکبر بادشاہ علی قلی خاں خان زماں کی تادیب کے لئے جون پور آیا۔ قاضی خیر الدین منڈیاہوں سے جون پور آئے۔ بعد آستانہ بوسی بادشاہ سے دشمنوں کی فتنہ انگیزی کی شکایت کی۔ بحکم اکبر بادشاہ فوج شاہی قاضی کے ہمراہ متعین ہوئی۔ اور پھر منڈیاہوں واپس آئے۔ اور بعد جنگ دوبارہ تسلط ہوا۔ [2]

---

[1] تذکرۃ الصلحا قلمی فارسی صفحہ ۱۲۵ تا ۱۲۷ [2] تذکرۃ الامرا حصہ سوم قلمی۔

مولانا ذاکر علی صاحبؒ

نامور علماء جون پور سے تھے۔ آپ کا نسب مفتی ابوالبقا سے ملتا ہے آپ نے ابتدائی کتابیں ملا عسکری سے پڑھیں۔ اور تمام علوم کی تکمیل عبدالغنی خاں سے فرمایا۔ آپ کو زیادہ تر صرف و نحو میں دخل تھا۔ چند سال مسٹر ولی صاحب ریذیڈنٹ لکھنؤ کی استادی میں رہے۔ بالآخر گوشہ نشین ہو گئے۔ اور جو کچھ جمع کیا تھا اس سے تا زندگی بسر کیا۔

ترجمہ شرائع الاسلام بزبان فارسی۔ تفسیر چند آیات قرآنی بہ زبان فارسی آپ کی یادگار ہے۔ مولوی گلشن علی جگناؤں، آپ کے بڑے شاگرد ہیں۔ بتاریخ ۲۲ محرم ۱۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔ اور مفتی محلہ شہر جون پور میں آپ کی قبر ہے۔ ۱؎

مولوی محمد حسین خان

پسر سید مظہر علی خاں۔ نبیرہ قاضی حسن سعید خاں۔ آپ عالم علوم و فنون اور ذکی الطبع، صاحب فہم و فراست تھے۔ تحصیل علم صرف نحو معقولات حضرت مولانا سخاوت علی صاحب جون پوری سے پڑھا۔ علم معقول و ادب مولوی عبدالشکور سے تکمیل فرمایا۔ آپ بہت اچھے خوشنویس بھی تھے۔ مشق خط مولوی کرامت علی صاحب سے فرمایا۔ آپ کا سواد خط نہایت دل آویز ہوتا تھا۔ چند سال آپ نے درس بھی دیا۔ اکثر طلبا تحصیل علوم کر کے بلند مرتبے کو پہونچے۔ بتاریخ ۲۲ رمضان ۱۲۹۶ھ میں انتقال فرمایا۔ قبر آپ کی پختہ مفتی محلہ جون پور اندر حدود قبرستان سادات مفتی محلہ ہے۔ ۲؎

۱؎ تنگرف دوم ص ۷۸، ۷۹

۲؎ شنگرف دوم ص ۷۹، ۸۰

مولانا اسد اللہ خاں محمدی کا سلسلہ نسب حضرت شیخ سلطان محمود سے ملتا ہے آپ کے والد مفتی کریم قلی خاں صدر الصدور ضلع مین پوری تھے۔ وہیں آپ نے اپنے والد بزرگوار سے چند رسائل فارسی ختم کیا۔ جب سن شعور کو پہونچے تو کتب مختصرہ و نحو مولوی زین العابدین متولی جامع مسجد الٰہ آباد سے پڑھا۔ اور شرح ملا جامی تا ہدایہ مولوی عبد الرحیم شاہجہاں پوری سے اور شرح سلم وغیرہ مولوی جلال الدین رامپوری سے تکمیل کیا۔ اور بعد فراغت علوم ظاہری آپ ایک زبردست عالم و فاضل ہوئے۔ بعدہٗ سرکار انگلشیہ میں اقتدار ظاہری کی کوشش فرمائی۔ اولاً مفتی عدالت ضلع فتحپور ہوئے۔ اور تیرہ سال بعد قاضی القضاۃ صدر آگرہ ہوئے۔ بعدہٗ صدر الصدور عدالت دیوانی جون پور مقرر ہوئے۔ بالآخر گورنمنٹ انگلشیہ سے پنشن حاصل کر کے تا زیست کار درس و تدریس انجام دیا۔ اور بہت سے طالب علموں نے آپ سے فیض پایا۔ باوجود اعلیٰ اقتدار کے آپ کی طبیعت فقر آشنا تھی۔ آپ سلسلہ چشتیہ قادریہ میں حضرت شاہ ظہور محمد صاحب سجادہ آستانہ کالپی سے مرید ہوئے۔ آپ عالم باعمل اور صاحب زہد و تقویٰ تھے جب پیمانہ عمر لبریز ہوا تو بتاریخ یکم جمادی الاول ۱۳۰۰ھ میں وفات پائی اور محلہ چہار سو جون پور میں مدفون ہوئے [۱]

حضرت مولوی غلام شاہ مشہور علماء جون پور تھے۔ فضائل علمی اکثر علماء وقت سے حاصل فرمایا۔ اگرچہ آپ جملہ علوم کے ماہر تھے۔ مگر صرف و نحو کی طرف زیادہ توجہ تھی۔ اور آپ نے اس علم میں زیادہ شہرت حاصل کی۔ آپ حافظ کلام مجید بھی تھے۔ اور زمانہ سلطنت

---

[۱] تجلی نور دوم ص ۸۰-۷۷۔

اسلامیہ متولی جامع مسجد جون پور رہے اور درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ بالآخر تصفیہ باطن کی طرف متوجہ ہوئے اور زبردست ریاضت و مجاہدہ کیا اور یہیں پر وفات پائی۔ ؎۱

حضرت مولوی محمد لطیفؒ

اولاد قاضی ثناء الدین مچھلی شہری اور مشہور علماء روزگار منظہر خلق محمدی تھے۔ تحصیل علوم اولاً مولوی علی کبیر سے کیا۔ اور تکمیل مولانا عبدالشکور سے کیا۔ اگرچہ آپ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں کمال و تحقیق رکھتے تھے۔ اور ہر علوم و فنون میں لاثانی تھے۔ علم وادب میں خوب ماہر تھے۔ مرد حق پرست عابد و زاہد و حافظ کلام مجید بھی تھے۔ چند سال درس و تدریس میں بھی مشغول رہے۔ آپ کی تصنیفات میں حکایات عربی ہے۔ ترجمہ طوطی نامہ شروع کیا۔ جس کو مولوی عبدالشکور نے اختتام کو پہونچایا اور بظاہر بھی آپ کا درجہ بلند تھا ابتدائً مفتی ہوئے پھر صدر امین ہوئے۔ پھر عہدہ صدر الصدور پر پہونچے۔ چند سال کے بعد پنشن لے لی اور گوشہ نشین ہوکر اللہ کی عبادت و طاعت میں بسر فرمایا۔ اور حج و زیارت روضۂ نبوی سے سرفراز ہوئے۔ بالآخر مکہ شریف میں ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۶۷ھ میں انتقال فرمایا۔ اور وہیں پر دفن ہوئے ؎۲۔

حضرت مولوی محمد سلیم صاحبؒ

سلسلہ نسب قاضی ثناء اللہ مچھلی شہری پر ختم ہوتا ہے۔ آپ عالم جملہ علوم .... صلحاء زمانہ اتقیاء وقت تھے۔ آپ خلق مروت کے خزانہ اور عقل و فراست کے بادشاہ تھے۔ اور طبیعت موزوں رکھتے تھے۔

؎۱ تجلی نور دویم ص ۱۱۲ — ؎۲ تذکرہ علماء دویم ص ۱۲۸

سنہ ۱۲۲۲ھ میں آپ پیدا ہوئے جب سن شعور کو پہونچے تو داخل مدرسہ فیض مولوی علی کبیر میں بیٹھے۔ اور تکمیل مولانا عبدالشکور صاحب سے فرما کر دستار فضیلت باندھا۔ بعدہٗ ملا رحمت علی صاحب کابلی سے بہت زیادہ فیض حاصل کیا۔ نظم و نثر عربی و فارسی بکمال فصاحت و بلاغت لکھا کرتے تھے۔ سخن سنجی اور نکتہ آفرینی میں فرد تھے۔ مشکل مضامین کو بہت خوبی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ آپ کی تصنیفات میں رقیہ السلیم حدیث میں۔ حاشیہ شرح حنفی عربی، ہفوات امجاد عربی علم ادب میں۔ رسالہ جبر و مقابلہ عربی، میزان الواحی علم عروض میں۔ دوازدہ گانہ تحقیق مشہود میں، قند پارسی۔ رسالہ مصطلحات فارسی جونپور نامہ۔ دیوان قصائد عربی، دیوان فارسی۔ ادب و دانش آپ کی قابلیت کا زندہ شاہکار ہے۔

آخر میں مولوی علی کبیر صاحب کی سفارش پر منصف مقرر ہوئے۔ پھر صدر امین ہوئے۔ بعدہٗ عہدۂ صدر الصدور پر پہونچے۔ بالآخر چوالیس سال کی عمر میں بتاریخ ۵ جمادی الاول سنہ ۱۲۶۶ھ بمقام اعظم گڈھ انتقال فرمایا اور وہیں دلال گھاٹ قریب مسجد کنارہ دریا ٹونس دفن ہوئے۔ مزار اور چہار دیواری موجود ہے۔ [۱]

مولوی حسین علی صاحب

آپ کا وطن موضع سلطان پور نواح قصبہ کراکت تھا۔ آپ نے علوم عقلیہ و نقلیہ زبردست علماء سے حاصل فرما کر علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ اور دستار عزت و افتخار باندھا۔ بعد تحصیل علوم بہ تلاش معاش کلکتہ تشریف لے گئے اور وہیں عربی

---

[۱] تجلی نور دوم ص ۱۳۲ و ۱۳۳

کالج کلکتہ میں مدرس مقرر ہوگئے۔ اور مدت العمر ملازمت میں بسر فرمایا جب آخر وقت آپہونچا تو وطن تشریف لائے اور وہیں انتقال فرمایا۔ شرح سکندر نامہ آپ کی یادگار تصنیف ہے۔ ؎

مولوی خیرالدین محمد صاحب

قوم سید آپ نے ابتدائی تعلیم عربی و فارسی اپنے وطن الہ آباد میں حاصل فرمایا۔ اس کے بعد جونپور تشریف لائے اور ایک عرصہ دراز تک حصول علم میں لگے رہے۔ اور علماء و فضلا کی خدمت میں حاضر ہوکر فیض علوم سے سرفراز ہوئے اور تمام علوم عقلی و نقلی کیحاصل کیا۔ تمام علوم باہیۂ تکمیل کو پہونچ کر علماء مستند اور فضلائے نامور ہوئے۔ بعدہٗ درس و تدریس میں بھی مشغول رہے۔ اور اکثر طلباء نے آپ سے علوم حاصل کیا۔ آپ شاعر بھی تھے۔ طبع و ذہن سلیم اور فکر بلند رکھتے تھے۔ آپ کا کلام بہتر و نمکین ہوتا تھا۔ آپ خدمات امرار اور سلطنت انگلشیہ سے وابستہ ہوکر درجہ بلند اور منصب جلیل القدر سے سرفراز ہوئے۔ آپ کی تصنیفات زیادہ ہیں۔ منجملہ ان کے جونپور نامہ اور بلونت نامہ کو آلف و سرگذشت مہاراجہ بنارس زبان فارسی مشہور ہے۔

آپ نے الہ آباد سے قیام ترک فرمایا۔ اور جونپور میں مستقل سکونت اختیار کی اور بعد انتقال جونپور میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر محلہ اردو میں ہے آپ کی اولاد شہر الہ آباد محلہ دائرہ شاہ اجمل میں آباد ہے ؎

؎ تجلی نور دوم صـ ۱۳۱

؎ تجلی نور دوم صـ ۱۲۹ و ۱۳۰

مولوی نعمت حسین صاحب

پسر اوسط مولوی ولایت حسین قوم شیخ فاروقی سلسلہ نسب حضرت مخدوم شاہ اڈہن جون پوری سے ملتا ہے۔ آپ فارغ التحصیل و عالم صاحب درس و تدریس تھے۔ بتاریخ ۷، ربیع الاول ۱۲۱۷ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں شیخ قدرت و شیخ خیراللہ سے پڑھیں۔ اور مختصرات عربیہ تا شرح جامی مولوی شاہ عنایت مخدوم اور مولوی سخاوت علی سے پڑھا۔ قطبی مولوی خیرالدین محمد سے و جنیدی و شرح وقایہ مولوی خادم حسین سے اور مطولات یعنی خلاصۃ الحساب و شرح مسلم و شرح عقائد نسفی و مناظرہ رشیدیہ وغیرہ مولوی قدرت علی صاحب سے و مختصر نامہ مولوی اسمٰعیل ایرانی سے۔ فرائض شریفی مولوی فضل رب بنارسی سے۔ رسالہ میر زاہد و ملا جلال و حمد اللہ و قاضی مبارک و صدرہ و شمس بازغہ وغیرہ تا تکمیل مولوی عطا حسین بنارسی سے پڑھا۔ اور دستار فضیلت باندھا۔ بعدہ درس و تدریس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور بہت سے طلباء نے پڑھ کر فیض حاصل کیا۔ بلکہ چند انگریزوں نے آپ سے فارسی پڑھی۔ اور ملازمت حاصل کی۔ ابتدائً آپ داروغہ نمک ہوئے۔ پھر ضلع جون پور میں محرر مال و روبکار نویس و نائب منشی ہوئے۔ یہاں تک کہ عہدہ نائب سررشتہ دار مال پر پہونچے۔ بوجہ زیادتی عمر ملازمت سے علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہوگئے۔

آپ کی تصانیف نظم و نثر میں بہت زیادہ ہیں۔ ازاں جملہ نعت الصرف سرتاج زبدہ، منافع الکاظمیہ، رسالہ فرائض، رسالہ عروض، مثنوی گفتار شیریں، دیوان فارسی۔ دیوان اردو۔ ایک یادگار چھوڑا۔ چوں کہ خاک بدایوں آپ کے خمیر میں تھی۔ اتفاقاً اپنے لڑکے مولوی کاظم حسین جو کہ سررشتہ

مال میں ملازم تھے۔ بدایوں دیکھنے کے لئے گئے۔ وہیں انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوئے[1]

سید مرتضیٰ حسین مجتہد العصر

آپ کے مورث اعلیٰ سید حسین ضلع اعظم گڈھ کے مقام نوناری میں نیشاپور سے آکر آباد ہوئے۔ اور سلسلہ ننہالی آپ کا ملا منجھن قاضی کوفہ، متوفی سنہ ۸۰ھ کی صاحبزادی صمدہ بی بی سے ملتا ہے۔ ان کی اولاد سید منور تھے۔ عہد ابراہیم شاہ شرقی میں محمد عادل صاحب کو مفتی کا عہدہ اور محمد حمید صاحب کو قاضی کا عہدہ عطا کیا گیا۔ جو سید منور کی اولاد میں سے تھے۔ محمد عادل صاحب کی اولاد مولوی سید امام علی تھے۔ اور مولوی سید امام علی کی دو اولادیں تھیں۔ (۱) مولوی سید کامل علی وکیل ہائیکورٹ (۲) سید باقر علی مرحوم۔ سید باقر علی کے چار لڑکے تھے۔ سید امیر علی وکیل ہائیکورٹ، سید وزیر علی منصف، حکیم نور الحسن حاذق الوقت طبیب۔ سید رمضان علی کمشنر سرکار اودھ۔

سید امیر علی کے تین لڑکے تھے۔ خان بہادر سید علی حسن ڈپٹی کلکٹر، سید حسن علی تحصیلدار، سید علی حسین خالصاحب ڈپٹی کلکٹر، آپ کے بیٹے سید محمد باقر منصف، سید علی حسن تحصیلدار کے لڑکے سید محمد مرتضیٰ مجتہد العصر آپ نے مکان پر درسیات ختم کیں۔ اور تحصیل علم کے سلسلہ میں لکھنؤ تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہونچ کر مختلف علماء و مجتہدین سے فقہ، اصول فقہ، معقول و منقول کی تکمیل کی۔ آخر میں مولانا سید علی نقی مجتہد سے شرف تلمذ حاصل

---

[1] تجلی نور دوئم ص ۱۳۲ و ۱۳۳

گیا۔ اور ۱۳۴۵ھ میں زیارت عالیات عتبات کے سلسلہ میں کربلائے معلی تشریف لے گئے۔ اور وہاں آٹھ سال علمی خدمات انجام دیتے رہے حتیٰ کی وہاں کے مجتہدین عظام نے آپ کو از خود خلعت اجازت سے سرفراز فرمایا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

شریعت اور احکام خدا کے پھیلانے والے۔ حدیث و کلام میں جدت پیدا کرنے والے عقلی و نقلی مدارج کی تحقیق کرنے والے ہیں۔ انھوں نے اصول و فروع کے وہ راستے جو پوشیدہ و ظاہر تھے روشن کر دیئے۔ انھوں نے بزرگیاں حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا یہاں تک کہ ان کا سینہ علمی جواہرات کا خزانہ ہو گیا۔ اور ان کے قلم شریف سے ایسی کتابیں تالیف ہوئیں جو ان کی بزرگی پر دلالت کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنی کوششوں سے مطالب دلی اور تمناؤں کو ایسا حاصل کر لیا کہ درجہ استنباط احکام و اجتہاد پر فائض ہو گئے۔

یہیں پر بالآخر آپ کا انتقال ہوا اور اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کی اولاد میں جناب سید علی مہدی صاحب قبلہ اور جناب سید محمد ہادی صاحب قبلہ بفضلہ بقید حیات ہیں۔

مولوی سید محمد صاحب خلف مولوی سید عطا حسین توم سید عالم فارغ التحصیل اور صلحائے وقت و اتقیائے زمانہ تھے۔ تحصیل علوم منشی سید علی حسن کلاں پوری سے شروع کیا۔ بعدہٗ مولوی نعمت حسین سے تا شرح سلم و رشیدیہ پڑھا۔ چونکہ ہوس تکمیل باقی تھی۔ اس لئے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہاں فیض درس فضلائے زمانہ مولوی سید محمد ہادی، و مرزا محمد علی، و مولوی سید محمد امروہوی و مولوی علی اظہر نظام آبادی

ومولوی احمد علی محمد آبادی۔ ومیر محمد عباس سے تکمیل علوم فرمایا۔ اور علوم فقہ وحدیث مولانا سید حسین مجتہد مذہب امامیہ سے حاصل فرمایا۔ اور تمام علوم میں کامل ہو کر پیش امامی کی سند حاصل کی۔ بعد فراغ تحصیلدار راجہ محمود آباد مقرر ہوئے۔ کہ پیمانہ عمر لبریز ہوا۔ اور مرض الموت میں گرفتار ہو کر جون پور آئے۔ ۱۲۷۱ھ میں انتقال کیا۔ اور قریب مزار حضرت مخدوم شاہ اڈھن قدس سرہٗ مدفون ہوئے ۱؎

حضرت مولانا کرامت علی صاحب

علماء نامور اس دیار کے مشہور اور ہندوستان کے بہت بڑے واعظ آپ کامل شیخ اور صوفی مشرب بزرگ تھے۔ آپ کے بزرگ درعہد سلطنت اسلامیہ خطیب جامع مسجد وعیدین تھے۔ آپ کی جائے سکونت محلہ ملاٹولہ شہر جون پور میں تھی۔ اور اس محلہ میں اب تک مولوی صاحبان آباد ہیں۔ حضرت مولانا کرامت علی صاحب نے جملہ علوم معقول و منقول اس وقت کے علماء و فضلاء سے حاصل فرمایا۔ اور مسائل فقہ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی و مولانا شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی سے پڑھا۔ اور بہت زیادہ فیض باطنی حضرت مولانا سید احمد شہید بریلوی سے آپ کو پہونچا۔ بعدہٗ دین اسلام کی اشاعت کے لئے وعظ وہدایت پر کمر ہمت باندھا۔ اور جب تک زندہ رہے چاروں طرف ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ اہل نظر کی نگاہ میں آپ کی ذات بابرکات سرمایۂ نازو افتخار تھی۔ عمر کا زیادہ حصہ آپ نے پوربی حصہ ہندوستان میں بعظمت و سربلندی بسر فرمایا۔ اس اطراف کے لوگ آپ کے بہت

۱؎ تذکرۃ العلماء۔

معتقد ہیں۔ پوربی ہندوستان میں اسلام کی ترقی کے لئے آپ کی ذات ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ پوربی ہندوستان میں آپ کی عظمت واعزاز کا یہ عالم ہے کہ لوگ زمین چومتے ہیں۔ اور سرزمین جون پور کا بیحد احترام کرتے ہیں۔

مولانا مرد میدان صاحب زہد و تقویٰ و صاحب ہمت وسیر چشم تھے۔ جو کچھ نذر و فتوح میں آیا۔ حاجت مندان و فقراء مساکین میں تقسیم کر دیا آپ قاری ہفت قرأت تھے۔ قرآن مجید خوش آواز اور پر درد پڑھتے تھے۔ جب آپ بغرض حج وعمرہ و زیارت روضہ پاک نبوی تشریف لے گئے تھے۔ تو قاریان مکہ معظمہ سے قرآت کی مشق فرمائی۔ علاوہ تمام علوم کے خطاطی میں خوشخط نستعلیق و نسخ و طغرا میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ آپ ایک دانہ چاول یا چنے پر قل ہو اللہ لکھ دیتے تھے۔ آپ کی تصنیف میں بہت کتابیں ہیں۔ بنگال میں آپ کے لاکھوں مرید ہیں۔ کوئی گاؤں یا شہر ایسا نہیں ہے جہاں آپ کے مرید نہ ہوں۔ آخر کار ملک بنگال میں بتاریخ ۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۹۰ھ بمقام رنگ پور رحلت فرمائی۔ اور وہیں آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔ [1]

حضرت شیخ قطب الہند
حضرت شاہ غلام معین الدین رح

آپ کا نام غلام معین الدین اور عرف اسد علی ہے۔ آپ حضرات قیام الحق کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ آپ کے مرتبہ کے متعلق آپ کی زندگی میں خصوصیت سے دریافت کیا گیا تھا۔ کہ اس وقت کس مقام پر ہیں۔ معلوم ہوا کہ قطب الہند ہیں۔ آپ نے درسی کتابیں مولوی معشوق علی جون پوری سے

---

[1] تجلی نور دوم ص ۱۳۵ و ۱۳۶ سیرت مولانا کرامت علی۔

پڑھیں۔ اور دیگر کتب مولانا محمد شکور مچھلی شہری سے پڑھیں۔ جب وہ جونپور میں سب مرجع ہو کر تشریف لائے تھے۔ اس کے بعد آپ آخر وقت تک طلبہ کو درس دیتے تھے۔ یہاں اس وقت طالبان علم کے لیے خورد و نوش کا باقاعدہ انتظام تھا۔

آپ سلسلہ چشتیہ احمدیہ میں حضرت قیام الحق سے بیعت تھے۔ اور ہر سلسلہ کی اجازت والد بزرگوار سے پائی تھی۔ اس کے علاوہ آپ کو سلسلہ زاہدیہ سے بھی اجازت تھی۔ آپ نے زیارت حرمین شریفین کے لیے بھی سفر فرمایا تھا۔ اور جب مکہ معظمہ میں پہونچے ہیں تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ آکر آپ سے ملے۔ اور جو کچھ مقدر میں تھا لے گئے۔ دوسرے روز جب دوبارہ تشریف لائے۔ تو اپنا ایک رسالہ مع اجازت نامہ کے دے گئے۔ چنانچہ آپ نے سید محمد سجاد جعفری سجادہ نشین حضرت شاہ حسین علی جعفری قدس سرہٗ کے نام جو اجازت نامہ ۱۳۰۰ھ میں لکھا ہے اسمیں منجملہ اور اذکار و اشغال خاندانی کے۔ اس رسالہ کی بھی اجازت دی ہے۔

میانہ قد، آفتابی چہرہ، چوڑی پیشانی، دوہرا بدن گورا چٹا رنگ آپ کا حلیہ مبارک تھا۔ آپ میں جلال و جمال دونوں تھا۔ آپ کے نورانی چہرہ سے تمکنت اور وقار اس درجہ نمایاں تھا کہ لوگوں کو سامنے جانے یا بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

آپ میں توکل، استغنا، غیرت، شفقت، مروت تھی۔ اور غربا و مساکین پر بہت مہربان تھے۔ بیماروں اور عاجزوں کی خبر گیری کرتے۔ یتیموں و بیکسوں پر شفقت کرتے تھے۔ اپنے بزرگوں کے مزارات سے دور دراز کا سفر کر کے۔ بہت فیض حاصل کیا ہے۔ آپ کی وفات ۱۲ ذی الحجہ

سنہ ۱۳۰۷ھ کو ہوئی۔ مزار پُر انوار بھمن برہ میں ہے۔

حضرت مولوی حافظ احمد صاحبؒ پسر اوسط حضرت مولانا کرامت علی صاحب علوم ظاہری میں جون پور کے علماء پر تمام ہی سے بڑھکر برتری حاصل فرمائی۔ عالم، حاجی، حافظ، مرد متقی صاحب برکات صادق القول تھے۔ باپ کے انتقال کے بعد مسند سجادگی پر بیٹھے۔ وعظ و نصیحت و تعلیم و ارشاد میں عمر گذاری اور اسی شغل میں بنگال میں سکونت اختیار کی۔ بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ پروردگار نے آپ کو بہت زیادہ ناموری بخشی۔

چند سال گذرنے کے بعد آپ بنگال سے جون پور تشریف لائے۔ اور کچھ روز قیام فرمایا۔ آپ کے زمانہ قیام میں اس قدر جوق در جوق حاجت مند آتے کہ پل جون پور سے تا محلہ ملا ٹولہ آنے جانے والوں کی اس قدر کشمکش ہوتی کہ تمام دن آمد و رفت کیلئے مشکل ہوجاتی۔ دیکھنے والے اس نظارہ سے متعجب و متحیر ہوتے۔ آپ ڈھاکہ و بنگال میں رات دن دخانی کشتی پہ سفر کرتے۔ اور اہل ملک کو دعوت تلقین دیتے۔ [1]

حضرت مولانا عبدالاول صاحبؒ چھوٹے لڑکے حضرت مولانا کرامت علی صاحب کے تھے۔ آپ بہت ہی ذہین خوش خلق سنجیدہ مزاج بزرگ تھے۔ اکتساب علوم مولانا ہدایت اللہ صاحبؒ رامپوری مدرس اعلیٰ مدرسہ حنفیہ جون پور سے کیا۔ بعد ازاں تکمیل صحاح ستہ دیگر علمائے کرام سے۔ اگرچہ آپ جملہ علوم درسیہ سے واقف تھے۔ مگر

---

[1] تجلی نور دوئم ص ۱۳۷

مسائل فقہ میں پوری واقفیت رکھتے تھے۔ مسائل فقہ کی تالیف کی طرف مائل ہوئے اور اکثر رسائل مختصر متفرق علوم میں لکھا۔ پھر وعظ و نصیحت کی طرف بطریق پدر و برادر بنگال میں جاکر مصروف ہوئے۔ آپ نے اشاعت اسلام کے لیے اپنی ساری عمر وقف کر دی۔ کبھی ملک بنگال اور کبھی اس دیار میں گھوم گھوم کر خلق کی ہدایت کرتے۔ [1]

مولوی حافظ ابوبکر محمد شیث صاحب

آپ مولوی ابوالخیر مکی کے لائق فرزند تھے آپ کا تاریخی نام شیخ فاروق تھا۔ آپ نے جب ہوش سنبھالا۔ حافظ محمد صدیق جون پوری سے کلام مجید حفظ کیا۔ اور اپنے والد سے اکتساب علم شروع کیا۔ کتب درسیہ فارسی اور صرف نحو عربی پڑھی۔ اس کے بعد منطق ملا حسن تک اور معنی وبیان مختصر المعانی اور فقہ میں شرح وقایہ مولوی محمد اسمٰعیل رسول آبادی جون پوری سے پڑھی۔ درس علوم نقلی و حصول معقولات مطول تا ملا جلال مولوی سید محمد ابن نصیر آبادی شاگرد مولوی عبدالحی لکھنوی سے پڑھی۔ اس کے بعد تمام درسیات کی تحصیل اور حدیث وغیرہ مولوی عبداللہ غازی پوری سے پڑھی۔ جو آرہ میں مدرس تھے۔ ۱۳۲۰ھ میں دستار فضیلت و دانائی سر پہ باندھی اور فاضل وقت ہوئے۔ آخر میں علی گڑھ یونیورسٹی میں ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی مقرر ہوئے۔

آپ ہوشمند، منکسر مزاج، خلیق و متقی و پرہیزگار تھے۔ آپ کو وعظ و تقریر میں کمال حاصل تھا۔ تقریر بے حد موثر و دلنشین انداز میں فرماتے۔ آپ

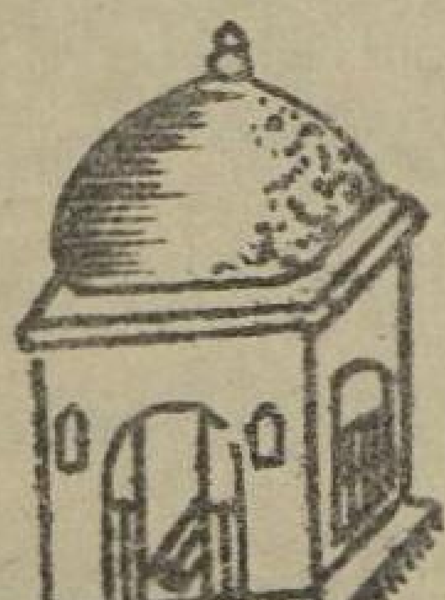
---

[1] تجلی نور دوئم صـ ۱۳۸

کو علم مناظرے میں بھی کافی معلومات تھی۔ آپ نے پوری زندگی نہایت نیک نامی و نام آوری اور سادگی میں گزاری اور ۱۹۴۰ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اپنے آبائی قبرستان بازار الف خاں جون پور میں دفن ہوئے [1]

رمضان شاہ مجذوب

آپ بادۂ الٰہی کے سرمستوں میں سے تھے۔ آپ صاف دل روشن ضمیر صاحب کشف وکرامات تھے۔ آپ ہر شخص کی تکلیف میں کام آتے تھے۔ آپ خود اپنے سے باتیں کیا کرتے تھے۔ مگر جو صاحب ضرورت سامنے آکر سوال کرتا اس کو بہت خوشی سے جواب دیتے۔ اور اس کی خواہش پوری کرتے۔ آپ کی قبر نخاس لین بازار میں لب سڑک مسجد قناتی کے صحن سے اتر طرف ہے۔ [2]



حضرت لکا شاہ

آپ بادۂ عشق الٰہی کے سرمست ومدہوش وصاف باطن بزرگ تھے۔ آپ ہر وقت اپنے سے خود باتیں کیا کرتے۔ اور جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اور شام سے صبح تک جون پور کے موضع حسین آباد کے شوالہ میں قیام کرتے۔ آپ سے اکثر و بیشتر خرق عادت صادر ہوتے رہتے لوگوں کو کافی فیض حاصل ہوتا تھا۔ آپ کا مزار جون پور میں جیل خانہ کے پس پشت لب روڈ ویٹا اسٹیشن سے متصل جانب شرق متصل مسجد واقع ہے۔

---

[1] تذکرۃ العلماء حصہ دوم [2] تذکرۃ العلماء دوم۔

سال وفات ۱۲۹۳ھ ہے [۱]

مولانا شاہ مجذوب سالک

آپ اولیائے متاخرین میں نام ور اور حلقۂ کاملین میں روشن ضمیر اور سر بلند اور مشاہیر ایام میں بلند پایہ تھے۔ آپ کو کبھی سلوک میں اور جذب میں دیکھا جاتا۔ استغراق کا عالم ہر وقت طاری رہتا۔ آپ کے مزاج میں معرفت حق کا جذبہ بیخودی غالب تھا۔ بازار رام دیال گنج میں دریائے سئی کے کنارے ایک قطعہ بلند زمین پر تکیہ قرار دے کر قیام کیا۔ آپ کے پاس روزانہ لوگوں کا اسقدر ہجوم رہتا کہ آپ کے پاس پہونچنا دشوار تھا۔ آپ لوگوں کے مافی الضمیر سے اتنی جلدی واقف ہوجاتے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی آپ کی دعا اس قدر مستجاب ہوتی کہ لوگوں کے مقاصد دلی برابر پورے ہوتے رہتے۔ اسی وجہ سے آپ کی شہرت کافی ہوگئی تھی۔

آپ کی وفات ۱۲۷۷ھ میں ہوئی آپ کی قبر اسی تکیہ پر موجود ہے جو عوام کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ [۲]

مولانا عبد القادر صاحب

خلف ارشد مولوی رجب علیصاحب برادر زادہ مولانا کرامت علی صاحب تھے۔ کتب درسیات مولانا احمد صاحب سے پڑھا۔ بعدہٗ انوار فیض مولوی انور علی و مولانا محمد یوسف فرنگی محلی لکھنوی سے پہونچا۔ اور بہت زیادہ علمی فائدہ مفتی اسد اللہ خاں سے ہوا۔ آپ اپنے چچا مولوی کرامت علی صاحب سے بیعت تھے۔ اور مشق خطوط جلی و خفی بھی مولانا کرامت

---

[۱] تذکرۃ الصلحا صفحہ ۱۰۸ [۲] تذکرۃ الصلحا صفحہ ۱۰۱

علی صاحب سے کیا۔ آپ انگلیوں کے ناخن سے بہت خوشخط لکھتے تھے۔ مرد بزرگ وصاحب زہد و تقویٰ اور اہل فیض تھے۔ آپ کی ذات غنیمت تھی۔ [1]

حضرت مولانا محسن صاحب

پسر خورد مولانا رجب علی صاحب برادر زادہ مولوی کرامت علی صاحب تھے۔ فیض علوم درسیہ مفتی اسد اللہ محمدی سے حاصل کیا۔ اور علوم قرآت ومشق خط نستعلیق ونسخ اپنے چچا مولوی کرامت علی صاحب سے سیکھا ایک دانہ چاول پر پوری سورہ قل ہو اللہ لکھتے تھے۔ حضرت افضل الفضلا ومحدثین مولانا شیخ عبدالرحمٰن مغربی سے بہت زیادہ فیض علوم پایا۔ ساتوں قرآت اور علم حدیث بھی آپ ہی سے حاصل کیا۔ قرآن شریف خوش الحان اور پُر درد آواز سے پڑھتے تھے۔ اور نعمت باطنیہ کے حصول کے لئے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں سید عبدالجلیل بریلوی سے بیعت تھے۔ مولوی محمد محسن نیک دل ونیک نہاد صاحب زہد وتقویٰ تھے۔ اور مسائل فقہ میں ماہر تھے۔ اور ہدایت اسلام کے شایع کرنے میں عمر صرف کی۔ [2]

مولوی کرامت علی صاحب متولی

سید نسب اولاد سید حمید الدین محمد آبادی سے تھے۔ آپ کا وطن محمد آباد گہنہ قرابت داری کی وجہ سے موضع کجگاؤں میں سکونت اختیار کی اور وہیں پرورش پائی۔ عالم جید علوم نامور اور بلند حوصلہ تھے۔ علوم صرف ونحو ومتوسطات مولوی ذاکر علی مفتی مچھلوی جون پوری سے پڑھا۔ معقول ومنقول مولوی ولی اللہ فرنگی محلی سے۔ اصول وفقہ مولوی نادر

---

[1] تجلی نور دوم ص ۱۳۸ [2] تذکرۃ العلماء ص ۱۳۸

علی لکھنوی سے حاصل کر کے دستار فضیلت باندھا۔ علاوہ اس کے تکمیل و تحقیق جملہ علوم اکثر علمائے عرب و عجم سے حاصل کیا۔ آپ کی تصنیف میں اردو رسالہ ماخذ علوم و رسالہ عروض و قوافی فارسی ہے۔ بعد تحصیل علوم روزگار کی طرف مائل ہوئے

اولاً بعہد فتح علی شاہ گیہان خدیو ملک عجم مدرس مدرسہ مشہد مقدس ہوئے۔ بعدہٗ عہدہ میر منشی رزیڈنسی طہران پر مقرر ہوئے۔ پھر صدر امین اجمیر ہوئے۔ بالآخر متولی امام باڑہ ہگلی بہ تنخواہ نو سو پچاس روپیہ مقرر ہو کہ آخر وقت آپہونچا۔ ۱۲۸۵ھ میں انتقال فرمایا۔ اور امامباڑہ حاجی محسن میں دفن ہوئے۔ قبر ہگلی میں ہے [1]

مولوی امام بخش صاحب

عرف بھگو خاں جون پوری عالم جملہ علوم و صاحب اجازت زہاد و صلحائے زمانہ تھے ۱۲۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم فارسی امیر خاں جونپوری سے اور مختصرات عربیہ مولوی الٰہی بخش گھوسوی سے حاصل کی۔ اور تکمیل مطولات مولانا سخاوت علی جون پوری سے و دینیات مولوی علی حسین نصیر آبادی سے حاصل فرمایا اور مولانا سید علی محمد مجتہد لکھنوی سے تحقیق مسائل ضروریہ کیا۔ اور مولانا سخاوت علی سے طب پڑھ کر طبابت میں داخل ہوئے۔ مولوی امام بخش منکسر المزاج سادہ روش انسان تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں بسر کیا۔ بہت مدت تک عربی اسکول جون پور کے مدرس تھے۔ ان کی تصنیف میں رسالہ خمس اردو ہے۔ فن طب میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ جون پور میں

---

[1] تذکرہ علمائے دوم صفحہ ۱۳۹

آپ کے بہت سے شاگرد ہوئے ہیں مگر آپ نے بحیثیت مولوی بہت شہرت حاصل کی۔ آپ کا انتقال محلہ بلوا گھاٹ جون پور میں ہوا۔ اپنے خاص اما مباڑہ کے صحن میں دفن ہوئے۔ بعد کو یہ امام باڑہ پختہ تعمیر ہو گیا۔ آپ کا مزار دکھن طرف دیوار سے ملحق ہے اور زمین کے برابر پتھر نصب ہے۔ آپ بغرض حج و زیارت بھی تشریف لے گئے تھے۔ سلہ

مولوی عنایت حسین خاں

پسر عنایت حسین خاں قوم افغان لودی۔ اصل وطن موضع پھول پور جو شہر جون پور سے دکھن جانب تین کوس پر ہے۔ لیکن باپ دادا بوجہ پیشۂ تجارت جون پور میں مقیم ہوئے۔ آپ شہر جون پور محلہ مخدوم شاہ اڈھن میں ۱۲۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور جب سن شعور کو پہونچے تو مختلف جگہوں سے علم حاصل کیا۔ ابتدائی کتابیں مولوی امام بخش عرف کھگو خاں سے پڑھیں۔ بعد ازاں مختصرات مولوی محمد حسین و مولوی لطف الرحمٰن بردوانی سے پڑھا۔ اور مطولات منطق و حکمت و ادب وفقہ و اصول اور تحقیق غوامض کر کے صاحب استعداد و بلند پائیگی پر پہونچے۔ تکمیل تعلیم مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری سے کر کے دستار فضیلت باندھا۔ بعدہٗ اپنے درس و تدریس میں ختم کیا۔ سلہ۲

مولوی محمد اسمٰعیل خاں صاحب

پسر بدھو خاں قوم افغان یوسف زئی۔ ساکن محلہ رسول آباد جونپور آپ عالم ذی استعداد و ماہر نکات جملہ علوم درسیات تھے۔ اولاً مختصرات

سلہ۱ تجلی نور دوئم صفحہ ۱۴۰ سلہ۲ تذکرۃ العلماء صفحہ ۱۳۵

مولوی قدرت اللہ سے پڑھا۔ بعدہٗ چند کتب مطولات حضرت مولانا ہدایت اللہ رامپوری سے ختم کیا۔ بعدہٗ تکمیل علوم مولوی حافظ محمد عبد اللہ مدرس مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور سے کیا۔ اور حکمت و ادب مولوی فاروق چریاکوٹی سے پڑھا۔ آپ عالم منکسر المزاج و صاحب فیض تھے۔ رات دن درس و تدریس میں مصروف رہتے۔ اور تا زیست یہ شغل جاری رہا۔ آپ سرمایۂ ناز و افتخار شہر جون پور تھے۔ مزار آپ کا رسول آباد جون پور میں ہے۔ ۱؎

حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رامپوری رح

تذکرۃ العلماء و تذکرۃ الشعراء میں ہے۔ کہ مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب قوم افغان روہیلہ ساکن رام پور کے تھے۔ صاحب تقویٰ، کریم النفس، سادہ روش۔ وسیع الاخلاق و اطوار پسندیدہ، صوفی مشرب اور صاحب تصوف تھے۔ اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جگہ پائی تھی۔ جب سن شعور کو پہونچے تو مختلف مقامات پر علوم ظاہری حاصل کیا۔ چوں کہ قسمت میں علمی ترقیاں لکھی ہوئی تھیں اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے مولانا فضل حق خیر آبادی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ اور تھوڑے ہی زمانہ میں اپنے ذہن رسا کی بدولت تمام علوم سے فارغ ہوگئے۔ اور مولانا کے مشہور شاگردوں میں شمار ہونے لگے۔ خاص کر معقولات میں یگانہ روزگار تھے۔ اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ان کے برابر کا کوئی عالم اس وقت نظر نہ آتا تھا۔ آپ کو بھی درس تدریس

۱؎ تجلی نور دوم ص ۱۳۲ و ۱۳۳

سے کمال دلچسپی تھی۔ اور مولوی حیدر حسین کے طلب کرنے پر تشریف لائے اور مدرسہ حنفیہ جون پور میں درس و تدریس کی خدمت انجام دینے لگے۔ اپنی استعداد علمی کی وجہ سے آپ مولوی مفتی محمد یوسف صاحب فرنگی محلی لکھنوی کی جگہ پر مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اور اپنی پوری عمر اسی مدرسہ میں گزار دی۔ دوران تعلیم میں اکثر طلبا کو بعض ادق کتابوں کو مثل افق المبین وغیرہ اتنا آسان کر کے سمجھا دیا۔ کہ چاروں طرف سے طلبہ کا تانتا بندھ گیا۔ کلکتہ، پنجاب سے بھی طلباء آنے لگے۔ اور حضرت مولانا ان کی تشفی فرماتے رہے ہزارہا بندگان خدا نے آپ سے فیوض حاصل کئے۔ اور ایک بہت بلند مقام پر پہونچے۔ ایک مرتبہ آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور بتاریخ یکم رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ جون پور میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار پر انوار اندر احاطہ مزار حضرت مخدوم دیوان عبدالرشید قدس سرہٗ بمقام رشید آباد ہے بمصرع تاریخ وفات ع

"شد نہاں مہر اوج فلسفیات"

۱۳۲۶ھ

مولوی نورالدین زیدی رح

نام سید نورالدین باپ کا نام سید برکت علی قوم زیدی، مذہب سنت و الجماعت حنفی تھا۔ آپ کا ننہالی اور ددیہالی رشتہ حضرت مخدوم سید اسدالدین آفتاب ہند ظفر آبادی سے ملتا ہے۔ آپ نے شروع میں اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی۔ پہلے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر میزان الصرف، منشعب و نحو میر و شرح مأتہ عامل تک استفادہ کیا۔ اور اپنے بھائی مولوی سید عبدالکریم صوفی اور مولوی حسام الدین ظفر آبادی سے فیوض حاصل کئے۔ اس کے بعد مولوی اوصاف

علی جریا کوٹی سے سبق فصول اکبری اور ہدایۃ النحو پڑھا۔ اس کے بعد تحصیل علوم کی غرض سے جون پور چلے آئے اور ملا حسن و شرح وقایہ، عقائد نسفی حافظ امام الدین لاہوری اور مولوی عبد العلی اعظم گڈھی سے پڑھا۔ اس کے بعد مولوی عبد العلیم فرنگی محلی لکھنوی سے شرح ملا جلال و رسالہ میر زاہد و قاضی مبارک پڑھا۔

بس اتنی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تحصیل علم سے جی اکتا گیا۔ اور کتابوں کو طاق میں رکھ دیا۔ اور اپنے والد ماجد کے پاس اعظم گڈھ چلے گئے۔ چوں کہ طبیعت محنت پسند و ذہن مائل بہ صنعت دستکاری تھا۔ اس لیے خوشنویسی کی مشق کی۔ اور مولوی شمشیر علی اعجاز رقم سکندر پوری سے خط نسخ و نستعلیق و شفیعہ کی مشق کی۔ جو اعجاز رقم منشی عبد اللطیف لکھنوی کے شاگرد تھے جنہوں نے تکمیل فن مرزا یاقوت رقم سے کیا تھا۔

مگر آپ کا سیماب صفت دل یکجا قرار نہ لیتا تھا۔ عزت آبرو کے خیال سے اپنے خالو مولوی عبد الکریم خاں ڈپٹی کلکٹر گورکھپور کے یہاں پہونچ گئے۔ اور وہاں سے ان کے ساتھ بدایوں چلے گئے۔ اور دفتر کا کام سیکھنا شروع کیا۔ خالو معظم نے سفارش کر کے ان کو سررشتہ دار بندوبست بنا دیا۔ اور ضلع بدایوں میں کام کرنے لگے۔ اسی اثناء میں ایک کتاب تاریخ بدایوں تحریر کیا۔ مسٹر کارمیکل صاحب کلکٹر ضلع بدایوں نے بے حد پسند کیا۔ اس تاریخ کے تین حصے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ نے ایک کتاب "تجلی نور" لکھی جو تین حصوں پر مشتمل ہے حصہ سوئم طبع نہ ہوسکا۔ ایک کتاب "چراغ نور" ظفر آباد کے حالات میں لکھی ہے جو طبع ہو چکی تھی۔ میں نے ان کتابوں سے بہت استفادہ حاصل کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کتابیں آپ کا عظیم کارنامہ ہیں جو جلی حروف میں

کے لائق ہے۔

بدایوں کا بندوبست ختم ہونے کے بعد مسٹر کراسویٹ صاحب لفٹنٹ گورنر کی خدمت میں بھیج دیئے گئے جو پنشن لے کر مراد آباد میں بندوبست کے اعلیٰ افسر تھے۔ موصوف نے اولاً نائب سررشتہ دار بشاہرہ ایک سو دس روپیہ ماہوار ناظر کے عہدہ پر مامور کیا۔ اور پھر سررشتہ دار بشاہرہ ڈیڑھ سو روپیہ مقرر کیا۔ اس کے بعد امتحان میں شرکت کر کے تحصیلداری کی سند حاصل کی۔ مگر بندوبست کا کام ختم ہو جانے کی وجہ سے تخفیف میں آ گئے۔ اور ضلع مین پوری میں تحصیلداری پہ نامزد ہوئے مگر بدقسمتی سے وہاں سے ہٹنا پڑا۔ پھر مسٹر ایگزنڈر اور مسٹر لارنس کمشنر الہ آباد نے اولاً پیشکار اجلاس و مستقل اہل مد بنا کر جون پور بھیجدیا۔ کچھ دنوں بعد ترقی کر کے صدر دا صلیباقی نویس و پیشکار اجلاس ہو گئے۔ اس کے بعد سات سال تک نائب تحصیل دار تحصیل کھٹن و جون پور و کراکت کے عہدے پہ فائز رہے۔ آخر میں یک بیک فقیری و درویشی کی طرف طبیعت مائل ہو گئی۔ کہ یہ خاندان کا اولین مشغلہ تھا اور خانوادہ سہروردیہ، چشتیہ نظامیہ کے سلسلہ میں آ کر اپنے چچا سید احمد علی سے بیعت کر لی۔ اور شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں فیوض و برکات حاصل کرتے رہے۔

چوں کہ ابتدا سے شعر و شاعری کی طرف طبیعت مائل تھی۔ شعر کہنا شروع کیا اور اس درجہ کے شاعر ہوئے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کے شاگرد ہو گئے اور فارسی نظم و نثر میں اصلاح لینی شروع کر دی۔ چوں کہ سادات زیدی تھے اس لئے زیدی تخلص قرار دیا۔ جب دیکھا کہ فارسی کا رواج کم ہوتا جا رہا ہے اور اس کی جگہ اردو لے رہی ہے تو آپ نے بھی اپنے کلام کا رخ اردو کی طرف پھیر دیا۔ اور اردو کی اصلاح میر ضامن علی جلال لکھنوی سے لینا شروع

کردی۔ بالآخر ۱۵ دسمبر ۱۹۰۵ء میں پنشن ہوگئی اور خانہ نشین ہوگئے تاریخ وفات سید ذوالفقار حسین ساکن مفتی محلہ جون پور نے لکھی ہے۔ مصرع تاریخ ملاحظہ ہو سلہ ؏

گئے باغ ارم کو آج زیدی

۱۳۳۵ھ

حضرت سید محمد تقی قدس سرہٗ

آپ جانشین و خلیفہ حضرت علی شاہ قدس سرہٗ پھول پور ضلع الہ آباد کے تھے۔ آپ سے بے حد کرامتیں ظاہر ہوئیں ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ جون پور میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی کا سامنا ہوا لوگ پریشان ہو کر آپ کے پاس پہونچے۔ اور کہا کہ آپ دعا کریں کہ بارش ہو اور قحط سالی ختم ہو۔ آپ نے لوگوں کو اطمینان دلا کر واپس کر دیا۔ اور کہا کہ جاؤ پرسوں بارش ضرور ہوگی لوگ واپس چلے آئے۔ جب پرسوں کا دن آیا۔ تو موسلا دھار بارش ہوئی اور زمین سیراب ہوگئی۔ بہت سے لوگ آپ سے بیعت ہوئے۔ اور حلقہ ارادت و عقیدت میں منسلک ہوگئے۔

آپ کے عقیدت مندوں میں مولوی عبدالباسط خاں مرحوم تھے جو جون پور کے نمایاں فرد تھے۔ تاریخ اور سال وصال معلوم نہ ہو سکا۔ مزار محلہ دڑیانہ ٹولہ شہر جون پور میں لیچی کے درخت کے نیچے ہے وہیں آپ کی خانقاہ بھی تھی۔ سلہ

سلہ۔ تجلی نور قلمی حصہ سوئم سلہ ۲ خاندانی کاغذات۔

مولوی منصب علی

آپ زبردست علماء جون پور سے تھے۔ مکان رہائشی خواجہ دوست میں تھا۔ ابتدائی کتابیں عربی و فارسی علماء جون پور سے پڑھیں اور مولانا ہدایت اللہ صاحب رام پوری سے منطق و فلسفہ کی تکمیل کر کے مسند درس پر بیٹھے۔ آپ سے بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ آپ متاخرین میں منطق و فلسفہ (معقولات) میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ بہت ہی ملنسار اور با اخلاق تھے۔ جس نے آپ سے کچھ بھی پڑھ لیا وہ دوسروں سے بازی لے گیا۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں فخر مشرق حضرت شفیق۔ الحاج حکیم منظور احمد اور حضرت مولانا جرار حسین ہیں۔

آخر زمانہ میں آپ نے درس دینا چھوڑ دیا تھا۔ اور تجارت شروع کر دی تھی پھر بھی جو طالب علم درس لینے کے لئے آتا آپ نہایت شفقت و محبت سے پڑھاتے اور مشکل سے مشکل مسئلوں کو اس قدر آسان کر کے سمجھاتے کہ دل نشین ہو جاتا آج بھی آپ کے علم معقول کی شہرت ہے۔ یہیں آپ کا انتقال ہوا اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔

حضرت صوفی محمد کامل قادری ولید پوری

آپ کا نام محمد کامل نعمانی، آپ کا خطاب غیبی چراغ ربانی تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ النعمان رحمۃ اللہ علیہ تک پہونچتا ہے

آپ ۲ نومبر ۱۸۲۳ء کو ولید پور ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ جب آپ کی عمر شریف پندرہ سال کی ہوئی۔ تو لکھنؤ تشریف لے گئے اور علماء فرنگی محل سے دین کا استفادہ کرتے رہے۔ اور علوم ظاہری سے بھی فراغت حاصل کی۔ اور تین سال بعد ولید پور مکان تشریف لائے۔ چوں کہ قدرت کو آپ کی

ذات سے کام لینا مقصود تھا۔ اس لئے علم ظاہری کے بعد علم باطن کو حاصل کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی۔ لوہاری جلال آباد میں اس وقت ایک بزرگ درویش صاحب کشف وکرامت حضرت شاہ سید عبدالعلیم رحمتہ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے حضرت مولانا ان کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر قدمبوس ہوئے اور عرض کیا کہ حضور دلبید پور تشریف لے چلیں۔ حضرت نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کہ بھائی میں تو خود ہی تمہاری آمد کا منتظر تھا۔ تمہاری امانت جو میرے سپرد کی گئی ہے وہ تمہیں پہونچا کر بار امانت سے سبکدوش ہو جانا چاہتا ہوں۔

حضرت مخدوم دلبید پور تشریف لائے اور حضرت مولانا محمد کامل رحمتہ اللہ علیہ کو سلسلہ قادریہ میں مرید فرما کر سلسلہ قادریہ کے ذکر اذکار کی تعلیم فرمائی۔ بارہ سال تک پیر کی خدمت میں رہ کر سلسلہ قادریہ چشتیہ ونقشبندیہ کی تعلیم مکمل کی۔ بعد تکمیل تعلیم خرقہ وسند خلافت پیر روشن ضمیر سے عطا ہوئی۔

حضرت مولانا علوم دینوی میں بھی اچھی علمی لیاقت رکھتے تھے۔ حکامان ضلع سے لے کر حکامان اعلیٰ تک آپ کی قابلیت ولیاقت کا شہرہ تھا۔ لہذا آپ یکم جنوری ۱۸۵۹ء کو منصف شہر جون پور مقرر ہوئے۔ اور ضلع غازی پور اور اعظم گڈھ میں صدر الصدور یعنی سب ججی کے عہدے پر فائز رہے۔ قیام جون پور مسجد اٹالہ میں تھا جس کو ابراہیم شرقی نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی اپنے صرفہ سے مرمت کرائی۔ اور مرمت کا کام تین سال تک جاری رہا۔ جس روز مسجد کے مرمت کی تکمیل ہوئی۔ اس شب میں حضرت مولانا نے خواب میں دیکھا کہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام مسجد اٹالہ میں تشریف لائے اور حضرت مولانا کو دیکھ کر گلے لگایا۔ اس وقت ندائے غیبی ہوئی اور آپ کو چراغ ربانی کا خطاب عطا ہوا۔

چھیاسی سالی کی عمر پاکر چھ جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ بروز پنجشنبہ بوقت دس بجے شب وصال فرمایا۔ اور ولید پور ضلع اعظم گڈھ اپنے حجرہ میں دفن ہوئے۔ آپ کے خلیفہ اکبر صوفی سید محمد جان ولید پوری آپ کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے آپ کی تصانیف سے جنت العرائس، صراط التکمیل، پنجۂ نور، سر الغیب لیسر، مثنوی میر اعظم، مکتوبات چراغ ربانی، چراغ جہاں۔ معراج نامہ، ہیں۔

یہ کتابیں عربی، فارسی اور اردو ہندی زبان میں شائع ہوئی ہیں۔ جو سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد مریدین کو تعلیم کے سلسلہ میں یہ کتابیں مخصوص بتائی جاتی ہیں۔ سلسلہ جاری ہے۔ چھ ربیع الثانی کو عرس ہوتا ہے۔ عرس میں محفل سماع قائم ہوتی ہے۔ اور قوال اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مزار پر انوار ولید پور ضلع اعظم گڈھ میں مرجع خلائق ہے۔ ؎۱

بحر الاسرار شیخ محمد عبد العلیم آسی قدس سرہٗ

نام عبد العلیم اور آسی تخلص تھا۔ ولادت ۱۹ شعبان ۱۲۵۰ھ کو ہوئی۔ تاریخی نام خلیل اشرف تھا۔ چوں کہ آپ کی والدہ کا بہت کم سنی میں انتقال ہو گیا تھا اس لئے ننہال میں آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت ہوئی۔ ابتدائی کتابیں اپنے حقیقی نانا مفتی احسان علی سے پڑھیں۔ اس کے بعد عربی کی اعلیٰ استعداد کیلئے جون پور تشریف لائے۔ اور آستانہ رشیدی میں حاضر ہو کر شاہ غلام معین الدین سے پڑھنے لگے۔ آپ بہت ہی ذہین و فہیم تھے۔ اس لئے استاد کی خاص نظر عنایت تھی۔ میر قطبی تک پہونچے تھے کہ حاجی منشی امام بخش نے اپنی جائداد سے

؎۱ رسالہ صوفی بنارس ماہ فروری ۱۹۵۵ء جلد تین نمبر ۲۔

چار آنہ وقف کر کے مدرسہ حنفیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور حضرت مولانا سخاوت علی صاحب کی تحریک سے حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی سو روپیہ ماہوار پہ درس دینے کے لئے مقرر کئے گئے۔ مدرسہ کا شور دور دور تک پہونچا اور طلباء اطراف سے آ آکر جمع ہونے لگے۔

آپ نے بقیہ کتابیں وہیں پہ پڑھیں۔ آپ کے طالب علمی کے زمانہ کے بہت سے واقعات ہیں۔ آپ اس درجہ محنت کرتے تھے کہ مطالعہ میں رات کی رات گذر جاتی تھی۔ آپ حضرت قطب الہند سے سلسلۂ قادریہ احمدیہ میں مرید ہوئے۔ اور ایک عرصہ دراز تک سفر و حضر میں ساتھ رہتے تھے۔ آپ نے بے حد ریاضت و مجاہدہ کیا۔ حتیٰ کہ جمیع سلاسل کی خلافت واجازت سے سرفیاب اور بہرہ اندوز ہوئے۔

آپ کا حلیہ مبارک یہ تھا۔ کشیدہ قامت، گداز بدن، گول چہرہ، آنکھیں سیاہ، داڑھی گول اور گنجان، خندہ رو، سراپا جمال، جسم نہایت سڈول آپ نے طبابت کو ذریعہ معاش بنایا۔ اور اعلیٰ درجہ کے حکیم تھے۔ غرباء و مساکین کی خبر گیری سب پر مقدم سمجھتے تھے۔ عجز و انکسار زیادہ تھا۔ غیبت اور شکایت سے نفرت تھی۔ غصہ نام کو نہ تھا۔ بذلہ سنجی میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ اخلاق محمدی کی مجسم تصویر تھے۔ آپ سے کرامتیں بہت صادر ہوئیں۔ مگر آپ نے اس کو دوسرے ذرائع سے چھپانے کی کوشش کی۔

آخر میں آپ کی تندرستی بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ بلحاظ عمر کے صورت سے پیری زیادہ نمایاں تھی جس کی اصل وجہ نوعمری میں کثرت ریاضت و مجاہدہ تھی۔ ہر روز شکایت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور درد زانو کی وجہ سے نقل و حرکت کرنے سے مجبور ہو گئے تھے۔ اور آنکھ کی بصارت بھی زائل

ہو گئی تھی۔ وفات کے پانچ سال پیشتر تلی کا مرض لاحق ہوا۔ سب علاج کر ڈالا مگر کچھ بھی افاقہ نہ ہو سکا۔ غذا بالکل نہ کھاتے تھے۔ محض چار پر زندگی تھی۔

آخر میں آپ نے سید قیام الدین کی نسل سے سید شاہد علی صاحب کا مخفی انتخاب فرمایا۔ اور علوم باطنی سے فیضیاب کر کے تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا کی۔ آپ نے ۵۸ برس کی عمر میں ۲ر جمادی الاول ۱۳۳۵ھ کو ظہر کے وقت انتقال فرمایا۔ محلہ نور الدین پور شہر غازی پور میں سسرالی مکان کے پورب آپ کا مزار ہے۔ وہاں کے لوگ ہر موسم میں بلاناغہ جمعرات کے روز بعد نماز مغرب فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔

حضرت مخدوم شہود الحق شاہ شاہد علی سبز پوش

حضرت شاہ شاہد علی نام وطن گورکھپور مشہور خاندان سبز پوش سے تھے۔ آپ حضرت مخدوم شاہ عبدالعلیم قدس سرہٗ کے بعد خانقاہ رشیدیہ جونپور کے مسند سجادگی پر بیٹھے۔ اور بموجب سلسلہ رشیدیہ پہلے ہی سے فقر کی تکمیل فرما چکے تھے۔ آپ خدا رسیدہ فنا فی الشیخ بزرگ تھے۔ ہمہ وقت یاد الٰہی یا تلقین مریدین میں مصروف رہتے تھے۔ آخر زمانہ میں مستقل قیام خانقاہ رشیدیہ جونپور میں اختیار فرما لیا تھا۔ حضرت کا وصال ۸ ذی قعدہ ۱۳۷۲ھ بروز منگل ۱۱ بجے دن کو ہوا۔ مگر تجہیز و تکفین بہ انتظار اعزہ گورکھپور ۸ر ذی قعدہ کو نہیں ہو سکی۔ نو ذی قعدہ ۱۳۷۲ھ بروز چہار شنبہ بوقت سات بجے صبح ہوئی۔ مزار پر انوار اندر احاطہ روضہ دیوان صاحب رشید آباد جونپور میں ہے۔ [1]

---

[1] تجلیات العارفین، سمات الاخیار۔

حضرت مخدوم شاہ سیّد مصطفےٰ احسین ؒ

حضرت شاہ سید مصطفےٰ احسین شاہ شاہد علی کے صاحبزادے تھے۔ جوان، صالح اور خدا پرست بزرگ، ہمہ وقت یادالٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ آپ تحصیل علم کے لئے مصر تک تشریف لے گئے۔ اور لبعد فراغت علوم ظاہری نابینا ہوگئے تھے۔ آپ اپنے والد شاہ شاہد حسین کے بعد چھ سال تک مسند سجادہ نشینی خانقاہ رشیدیہ پر جلوہ گر رہے اور سلسلۂ رشیدہ میں تلقین وہدایت فرماتے رہے۔

بتاریخ ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۷ جون ۱۹۵۸ء بوقت گیارہ بجے جب آپ بوجہ علالت اپنے وطن گورکھپور میں تھے۔ آپ کے ایک مرید نے آپ کے سر پر کولہاڑے سے ضرب شدید پہونچا کر شہید کردیا۔ کولہاڑہ لگنے کے پندرہ منٹ لبعد آپ کا وصال ہوا۔ اسی رمد آپ کی نعش مبارک جون پور لائی گئی۔ ایک بجے رات کو نعش جون پور پہونچی۔ دوسرے دن بتاریخ ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۸ جون ۱۹۵۸ء بروز اتوار گیارہ بجے دن اپنے بزرگوں کے پاس والد بزرگوار کے برابر سپرد خاک کئے گئے۔

آپ بہت ہی سخی وفیاض تھے۔ غربا، ومساکین کی پوشیدہ امداد فرماتے تھے۔ بہت ہی خلیق اور رحم دل تھے۔ خورد کلاں سے یکساں پیش آتے اور سب کی دلجوئی فرماتے تھے۔

تذکرہ رؤسا جونپور

سید کرم اللہ خاں

نسب میں سید زیدی۔ اور سادات سونڈہ کچگاؤں (؟) سید بڑے میر زرح کی اولاد سے تھے۔ آپ نے تحصیل علم سے فراغت حاصل کر کے دہلی کا ارادہ کیا۔ اور محمد شاہ بادشاہ کے آخری زمانہ میں دہلی پہونچ کر کارپردازوں کی وساطت سے دربار سلطانی میں پہونچ گئے۔ اور مصاحبین خاص میں داخل ہو گئے۔ جب محمد شاہ نے سادات بارہہ کے قتل کے بعد دیگر خاندان سادات پر نظر رحمت کی اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا شروع کیا تو سید کرم اللہ بھی بادشاہ کی نظر میں آ گئے۔ آپ کو خلعت شاہی سے سرفراز کرنے کے علاوہ۔ خاں کا خطاب اور دو لاکھ روپیہ منافع کی جاگیر بھی عنایت کی گئی۔ جاگیریں۔ بنارس، جون پور اور اعظم گڈھ والہ آباد کے اضلاع میں تھیں۔

جب پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا۔ تو سادات سونڈہ کچگاؤں میں انتقال کیا اور اپنی باغ کے پختہ احاطہ میں دفن کیے گئے۔[1]

---

[1] تجلی نور سوم قلمی ص ۱۱۰

سید فرحت علیخاں

سید امجد علی کے انتقال کے بعد ان کے داماد ان کی جگہ پہ مالک ریاست ہوئے اور شہر کے حکام و عمائدین سے کافی رابطہ قائم کرلیا۔ اور اپنے مکان کو از سر نو مرمت و اضافہ تعمیرات سے رونق دیا۔ اور ایک پختہ امام باڑہ محلہ مخدوم شاہ اڈھن جون پور میں تعمیر کرایا۔ جو آج کل شیخ کلو کا امام باڑہ کے نام سے مشہور ہے۔ اپنے زمانہ حیات میں مجالس عزا کا سلسلہ بڑی دھوم دھام سے قائم کیا کرتے۔ اور زر کثیر صرف کیا کرتے تھے ۷ر محرم ۱۲۴۱ھ کو بعارضہ ہیضہ انتقال کیا۔ اور لال باغ میں دفن ہوئے سلہ

سید مسیح اللہ خاں

سید محمد یعقوب ظفر آبادی کی اولاد میں تھے۔ تحصیل علوم سے فارغ ہوکر دہلی کو روانہ ہوگئے اور محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں تقرب حاصل کرکے شاہزادہ احمد شاہ کے مصاحبین میں داخل ہوگئے۔ حسن کارکردگی سے شاہزادہ احمد شاہ کو اتنا خوش رکھا کہ اس کی سفارش پہ خان کے خطاب اور معافی و جاگیر سے سرفراز کئے گئے۔ اور جون پور میں محلہ نظام پور میں ایک پختہ مکان تعمیر کرایا۔ اور اسی میں سکونت اختیار کی۔

سید اصغر حسین و سید محمد اکبر سب جج مجسٹریٹ شاہ گنج اور سید منصب خاں وغیرہ بہت ہی مشہور و معروف لوگ ان کے خاندان میں گذرے ہیں اور جائداد پر قابض تھے اور بھادی شاہ گنج میں ان کی سکونت تھی سلہ

سید ناصر علی خاں بہادر ذوالقدر

قوم سید۔ حسین اصغری اور حضرت سید علی داؤد جون پوری کی اولاد سے تھے۔ جب سن شعور کو پہونچے تو مولوی گلشن علی کجگانوی سے تحصیل علم کی اور

سلہ تذکرہ امرا حصہ سوم سلہ تذکرہ امرا حصہ سوم قلمی۔

سرکار انگلشیہ میں ملازمت کر لی۔ اور موقع بموقع اپنے حسن کی کارکردگی سے ترقی کی۔ یہاں تک کہ ڈپٹی کلکٹر درجہ اول بمشاہرہ سات سو روپیہ ماہوار بنا دیے گئے اتفاق سے ۱۸۵۷ء کے غدر میں سرکار انگلشیہ کی اتنی خیر خواہی اور محافظت کی کہ سرکار انگلشیہ کے بہی خواہوں میں شامل ہو گئے اور تمام خیر خواہوں سے زیادہ سمجھے جانے لگے۔ اسی وجہ سے ہمیشہ کے لئے خطاب خان بہادر ذوالقدر اور خلعت فاخرہ ایک ہزار پانچ سو روپیہ کی عطا کیگئی۔ علاوہ اس کے باغیوں کے ۲۳ مواضعات جو سرکار انگلشیہ نے ضبط کر لیا تھا ان کے حوالے کر دیے گئے۔

بتاریخ ۳ ربیع الاول ۱۲۸۳ھ بعہدہ ڈپٹی کلکٹری الہ آباد میں انتقال کیا۔ اور خلد آباد کی کربلا میں جو الہ آباد میں ہے دفن ہوئے۔

سید منصور علی خاں

سید ناصر علی کے منجھلے بھائی تھے۔ آپ نے بھی استفادہ علوم مولوی گلشن علی کجگانوی سے کیا۔ اور سب سے پہلے مہاراجہ بنارس کے یہاں ملازمت کی۔ بعد ازاں اپنے چھوٹے بھائی کی کوششوں سے سرکار انگلشیہ میں ملازمت مل گئی۔ پہلے تحصیلدار ہوئے پھر ڈپٹی کلکٹر ہوئے۔ غدر کے بعد نوکری سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے آخر عمر میں مہاراجہ بنارس کے عملہ کے افسر مقرر ہوئے۔ لیکن موت نے نجات نہ دی۔ بتاریخ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ کو انتقال کیا۔ اور محلہ دریبہ جون پور اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ قبر پختہ موجود ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے ـــ

"سید منصور علی رحمۃ اللہ الرؤف الماجد"

سید محمد محسن خاں بہادر ذوالقدر

سید ناصر علی خاں کے چھوٹے لڑکے اور جانشین مسند امارت پدری تھے۔ تحصیل علوم کی طرف طبیعت زیادہ مائل تھی۔ عربی فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ عجم کے علمائے عصر اور لکھنؤ کے اہل علم حضرات کی اکثر صحبت رہا کرتی تھی علم عروض میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ تخلص محسن رکھتے تھے۔ طبیعتاً منکسر المزاج تھے اور جملہ صفات حسنہ سے آراستہ تھے۔ اور شہر جون پور کے بڑے جاگیرداروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کل مکان و جائداد چھوڑ کر کربلائے معلیٰ کا سفر کیا اور وہیں جا کر مقیم ہو گئے۔ علاوہ کربلائے معلیٰ کے کل زیارات عتبات عالیات سے فیضیاب ہوئے۔ اور ۱۳۲۰ھ میں کربلائے معلیٰ میں سپرد خاک کیے گئے۔

ناصر علی خاں بہادر ذوالقدر ان کی اولاد میں اب تک زندہ و بقید حیات ہیں۔ عربی فارسی میں قابل اور صاحب تقویٰ و طہارت ہیں۔ ان کے لڑکے محمد محسن سب لڑکوں میں بڑے اور ہونہار لوگوں میں سے ہیں۔ اپنے والد کی طرح مرثیہ پڑھنے کا شوق تھا اور خوب پڑھتے ہیں

میر محمد کاظم

میر محمد کاظم منصور علی خاں کی اولاد اکبر تھے اور ان کے چھوٹے بھائی میر محمد ہاشم تھے۔ دونوں بھائی علاوہ عربی فارسی کے انگریزی زبان پر بھی عبور رکھتے تھے۔ دونوں کی پوری مدت عمر ڈپٹی کلکٹری کے عہدے میں گذری۔ زمانہ ملازمت میں الہ آباد اور دیگر مقامات میں تھے مگر پنشن کے بعد جون پور چلے آئے اور یہیں انتقال کیا۔ سید احمد حسن میر محمد کاظم کے بڑے لڑکے ڈپٹی کلکٹر اور مہاراج بنارس کے یہاں دیوان تھے۔ آخر میں مہاراج بنارس کے یہاں چیف ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے زندگی گذار دی۔ جون پور میں ایک کوٹھی تعمیر کرائی اور چند دنوں بعد بعارضہ فالج انتقال کیا۔ اور اپنے خاندانی

قبرستان میں دفن ہوئے۔

سید منصور حسن میر محمد کاظم کے دوسرے بیٹے، مغربی تعلیم سے فراغت کر کے جون پور میں مقیم ہو گئے۔ اور یہاں اسپیشل مجسٹریٹ مقرر کئے گئے اور قبل از وقت بعارضہ استسقار راہی ملک بقا ہوئے۔ اور خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے

سید ہادی حسین محمد کاظم کے تیسرے لڑکے مغربی تعلیم کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو گئے اور آخر میں الہ آباد میں بعہدہ ریونیو کمشنر چند سال خدمت انجام دیکر پنشن لے لی۔

سید ہادی حسین۔ آپ میر محمد کاظم کے سب سے چھوٹے لڑکے ہیں بعہدہ تحصیلداری سلطنت انگلشیہ کے زمانے سے اب تک خدمات انجام دیتے رہے۔

میر مجتبیٰ حسن میر محمد ہاشم کے بیٹے تھے۔ انگریزی تعلیم کے بعد الہ آباد میں اکاؤنٹنٹ آفس میں نوکر ہوئے اور جون پور میں انتقال کیا۔ اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔

میر محمد جواد خاں پسر سید منصور علی خاں سب سے پہلے ڈپٹی کلکٹر ہوئے اس کے بعد امام باڑہ حسین آباد لکھنؤ کے مہتمم رہے۔ خان بہادر کا خطاب پایا۔ اور ۱۳۲۸ھ میں وفات پائی۔

مفتی حمید حسین خان بہادر

جون پور کے نامی گرامی رئیسوں میں شمار ہوتا تھا۔ شیخ النسب اور مفتی کرم اللہ خاں کی اولاد میں تھے۔ ذہین اور خوش طبع آدمی تھے۔ جون پور کے مختاروں میں ممتاز حیثیت کے مالک، مال و فوجداری دونوں میں مشہور تھے۔ اپنے حسن کارکردگی کی وجہ سے میونسپل بورڈ کے چیرمین عرصہ تک رہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیرمین بھی رہے۔ جون پور کی عدالتوں میں جس مقدمہ کی وکالت کی خواہ وہ فوجداری کا ہو یا دیوانی کا۔ شاذ و نادر ہی کوئی مقدمہ ان کے خلاف فیصل ہوتا تھا۔ یہ حاکموں کا مزاج اور قانون کی رگ خوب پہچانتے تھے۔ اسی

لیۓ ان کے پاس مقدمات کی بھرمار رہتی تھی۔ رفاہ عام کے کاموں میں خوش انتظامی کی وجہ سے گورنمنٹ ہند سے خان صاحب و خان بہادر کا خطاب بھی حاصل کرلیا تھا۔ آخر میں بنچ مجسٹریٹ بھی مقرر ہو گۓ تھے۔ زیارات عتبات عالیات سے فارغ ہوۓ اور حج بھی ادا کیا۔ انتقال کے بعد صدر امام باڑہ میں دفن کۓ گۓ انکی تاریخ وفات یہ ہے۔

"اہل ہمت مفتی حیدر حسین"

قاضی نظام الدین ہاشمی مچھلی شہر

مچھلی شہر کا مولوی خاندان صدیوں تک جونپور کے بڑے زمینداروں میں شمار ہوتا رہا اس خاندان کے لۓ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ عرب سے غزنی آۓ۔ اور وہاں سے قاضی نظام الدین ہاشمی جون پور آۓ جبکہ ابراہیم شاہ شرقی جون پور کا فرماں روا تھا۔ یہاں آپ کو ۸۱۷ھ میں مچھلی شہر اور گھسوہ میں قاضی کے عہدے پر مامور کیا گیا۔ ان کے خاندان میں بہت نامی گرامی لوگ گزرے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کے مصنف مولوی جلال الدین اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شاہ باب اللہ اسی خاندان کے فرد تھے۔ جن کے تبحر علمی اور پابندی مذہب سے متاثر ہوکر بادشاہ فرخ سیر نے الہ آباد میں ایک مسلم گاؤں اور بیالیس بگھہ اراضی تحصیل مچھلی شہر میں عطا کیا تھا جس کی مالگذاری بالکل معاف تھی۔ یہ علاقہ ان کے بعد ان کے وارثوں کے قبضہ میں رہا۔ ان کے بھتیجے احمد اللہ کو بھی اسی بادشاہ نے دو سو روپیہ ماہوار منتین عطا کی۔ جو بعد میں ضلع مرزاپور کے قاضی محمد وغیرہ برابر وصول کرتے رہے۔ آخری وقت بزمانہ نواب سعادت علی خاں آف اودھ مولوی علی کبیر نے اپنے علم و حسن عمل اور حسن کارکردگی سے کافی شہرت حاصل کی۔ اور آخر میں

صوبائی حکومت کی طرف سے بنارس میں قانونی افسر مقرر ہو گئے۔ ان کے بھتیجے محمد شکور و محمد ظہور دونوں صدر امین کے درجہ پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد آنے والی نسلوں نے سلطنت انگلشیہ میں اچھی اچھی ملازمتیں حاصل کیں۔

محمد شکور نے اپنی قابلیت سے اچھی خاصی جائداد خرید لی۔ اور سب اپنے چھوٹے بھائی مولوی عبدالعزیز اور بھتیجے محمد عمر کے نام کر دی۔ محمد عمر اس وقت خاندان میں سب سے بڑے تھے۔ ان کے بعد محمد علی جائداد کے وارث ہوئے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے لڑکے مولوی محمد حسن ہوئے۔ جن کا حصہ اس ریاست کے گھسوہ میں پندرہ گاؤں اور مونگرہ میں تین گاؤں میں تھا۔ جس کی مال گذاری پانچ ہزار سات سو اٹھتر روپیہ تھی۔ خاتمہ زمینداری کے بعد خاندان کا وہ عروج نہ رہا البتہ عبدالرؤف صاحب جعفری وزارت کے مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ لہ

منشی سید حسن جان خان بہادر

جون پور کے محلہ بارہ دوزیہ کے رہنے والے تھے۔ بعد تعلیم ضروری محکمہ پولیس میں ملازمت کر لی۔ اور اپنی بہتر خدمات کے صلہ میں انسپکٹر پولیس ہو گئے۔ آگرہ میں تعیناتی کے زمانہ میں ایسے ایسے ڈاکوؤں اور چوروں کو گرفتار کیا جو نظام سلطنت میں ایک عرصہ سے رخنہ اندازی کر رہے تھے۔ چنانچہ بنارس میں کوتوال شہر بنا کر بھیجے گئے۔ بنارس میں اس دھوم سے کوتوالی کی۔ کہ وہاں کے لوگ نساٹھ، ستر برس گذرنے کے بعد اب تک علی جان خاں کی کوتوالی کو یاد کرتے ہیں۔ مدت ختم ہونے کے بعد پنشن لے کر جون پور چلے آئے اور

لہ تذکرہ امراء حصہ سوم

محلہ بارہ دوریہ میں ایک عالیشان کوٹھی تعمیر کرائی۔ سرکار انگلشیہ کی طرف سے بنچ مجسٹریٹ بنا دیئے گئے۔ اور با حسن الوجوہ کار مفوضہ کو انجام دیا۔ بعد انتقال کوٹھی کے پچھم جانب موروثی قبرستان میں دفن ہوئے۔ حسن جان خاں کے بعد ان کے بیٹے وارث ہوئے۔ حسن جان خاں نے بھی محکمہ پولیس میں نوکری کی۔ اور انسپکٹر پولیس تک ترقی کی۔ آخر کار پنشن لے کر جون پور چلے آئے حسن جان نے چار اولادیں چھوڑیں۔ اور خود پاکستان منتقل ہوکر وہیں انتقال کیا۔

مفتی اکرام اللہ

قوم شیخ بنارس کے ممتاز رئیسوں میں سے تھے اور محلہ کھدوں میں سکونت تھی۔ انگریزی سلطنت کے آغاز میں بمشاہرہ ساڑھے چار سو روپیہ ماہوار پر جون پور میں ۱۸۰۲ء میں مفتی بنا کر بھیجے گئے۔ اور قلعہ جون پور میں مقدمات فیصل کرنے لگے۔

محلہ نظام پور میں حویلی ملا رکن الدین کو خرید کرکے۔ اسی میں سکونت اختیار کی وہ جگہ مولسری تلہ کے نام سے اب بھی مشہور ہے۔ جون پور میں کئی زمینداریاں بھی خریدیں۔ بعد انتقال اپنے مکان کی دیوار سے دکھن جانب بلندی پر دفن کئے گئے۔ قبر پختہ و بلند ابتک موجود ہے۔

مفتی سید ولایت حسین

جون پور میں عدالت دیوانی کے مشہور وکیل تھے۔ مفتی محلہ میں شیخ صدر جہاں کی حویلی کے پاس ایک عالیشان حویلی تعمیر کیا۔ اور لاولد دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی اور بھائی کے لڑکے مالک ہوگئے۔ یعنی مفتی سید زین العابدین و مفتی سید نذر حسن تمام جائداد و مکان پر قابض ہوگئے۔ مفتی نذر حسن کے بعد ان کے لڑکے یوسف حسن اور مفتی سید زین العابدین کے بعد مفتی سید محمد باقر مالک ریاست ہوئے۔ مفتی یوسف کی اولاد میں مفتی سید ولایت حسین و مفتی سید

انوارالحسن اب بھی بقید حیات ہیں۔

قاضی احمد حسین خاں

قاضی صاحب جون پور کی نیک خصلت شخصیتوں میں سے تھے۔ زمینداری و جاگیر بہت کافی تعداد میں بزرگوں سے ورثہ میں باقی تھی۔ اپنی زندگی نیک کاموں میں وقف کر دی تھی۔ انتقال کے بعد قاضی سید محمد تقی و قاضی سید محمد ذکی۔ و قاضی سید محمد حسنین اپنے تین بیٹوں کو اپنی جائداد کا وارث چھوڑا۔ قاضی سید محمد تقی نے اپنے انتقال کے بعد تین لڑکے قاضی سید محمد مہدی، قاضی سید محمد ہادی اور قاضی سید محمد عسکری کو اپنا وارث چھوڑا۔ ان لوگوں نے بھی اپنے آباد اجداد کی طرح تمام عمر نیک چلنی کا ثبوت دیا۔ قاضی سید محمد مہدی صاحب کی اولاد میں قاضی سید محمد حیدر صاحب و قاضی سید نصیر الدین حیدر صاحب اب بھی بقید حیات ہیں۔

قاضی سید محمد ہادی کی اولاد میں قاضی اچھن صاحب و قاضی حسین صاحب ابھی تک بقید حیات موجود ہیں۔ قاضی سید محمد عسکری کی اولاد میں قاضی سید مختار احمد و قاضی سید محمد ابرار بھی بقید حیات ہیں۔ یہ خاندان ہمیشہ سے علم کا گہوارہ اور ممتاز عہدوں پر فائز رہ کر نیک نامی سے زندگی گذارتا رہا۔[1]

مولوی محمد ظہور مچھلی شہری

آپ قاضی نثار الدین کی اولاد میں ہیں۔ بعد فراغت علم مولوی علی کبیر کے وسیلہ سے غازیپور میں اول اصدر امین بعد ازاں صدر الصدور کے عہدہ پر فائض ہوئے۔ زمانہ ملازمت بہ یجد احتیاط و دیانتداری سے گذارا اور ترقی کرتے رہے۔ آخر میں بوجہ ضعف جسمانی پنشن لے کر جون پور چلے آئے۔ اور خانہ نشین

---

[1] مرتب۔ سنہ ۱۹۶۳ء۔ از مؤلف

ہو گئے۔ بعد وفات مچھلی شہر کے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔

مولوی عبد العزیز صاحب

مولوی محمد ظہور کے برادر حقیقی تھے۔ پہلے منصف ہوئے۔ پھر صدر آمین اور اس کے بعد صدر الصدور کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ اور اسی عہدہ سے پنشن پائی۔ ۱۳۰۷ھ میں انتقال کیا اور مچھلی شہر کے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

مولوی محمد حسن صاحب

آپ بہت خوبیوں کے آدمی تھے۔ آپ بے حد نیک مزاج، وسیع الاخلاق، صاحب مروت اور حکام رس تھے۔ آپ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر اور مچھلی شہر میں بنچ مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائض تھے۔ آپ کے نام سے جون پور میں ایک کالج محمد حسن انٹر کالج کے نام سے اب تک آپ کی یادگار میں قائم و برقرار ہے جس کے عروج و ترقی کے لئے حاجی محمد لٰسین خاں صاحب وکیل نے کارنمایاں انجام دیا اور سرسیدؒ کی یاد تازہ کردی۔ نظام الحسن صاحب وکیل اور مرزا حیدر بیگ صاحب ایڈوکیٹ نے ہر طرح سے اس کالج کو رونق بخشی اور بلند مقام عطا کیا۔

قاضی محمد ضیاء اللہ خاں

جون پور کے مشہور عالم و قاضی تھے۔ سنت والجماعت مذہب رکھتے تھے۔ سنجیدہ مزاج اور شہر کے نام آوروں میں شمار کئے جاتے تھے بعد تحصیل علوم آپ پہلے منصف مقرر ہوئے۔ اس کے بعد صدر الصدور کا منصب عطا کیا گیا۔ اپنے حسن کارکردگی کے صلہ میں جون پور میں کافی شہرت حاصل کی۔ ۲۲ شوال ۱۲۹۹ھ کو وفات پائی۔ اور خاندانی قبرستان محلہ ارزن میں دفن ہوئے۔

حاجی منشی امام بخش صاحب

قوم شیخ، سلسلہ پدری حضرت مخدوم بندگی جلال الحق قاضی خواں ناصحی ظفرآبادی و نسب اجہاتی ملا محمد باقی فاضل جون پوری پسر مفتی سید ابوالبقا مفتی محلہ جون پور سے ملتا ہے۔ آپ کے والد نے بہ سلسلہ قرابت مادری جون پور میں سکونت اختیار کی۔ اسی وجہ سے جون پور میں آپ کی پرورش و تربیت ہوئی۔ اور تعلیم بھی حاصل کیا۔ حتیٰ کہ سن شعور کو پہونچے اور ضلع غازی پور میں بزمرۂ ملازمت سرکار انگلشیہ برطانیہ بڑے عہدے پر سربلند ہوئے اور عہدہ سررشتہ داری فوجداری تک پہونچے۔ آخر کار ملازمت ترک کرکے خانہ نشین ہوئے۔

چوں کہ ملازمت میں سرمایہ بہت زیادہ فراہم کر لیا تھا۔ بہت سے مواضعات زمینداری خریدا۔ روز ازل ہی آپ کی قسمت سازگار تھی۔ بدیں وجہ زمیندار تعلقہ دار ہوئے۔ اور اکابر شہر میں شمار ہونے لگے۔ اور بذات خود نیک خلق اور رعایا کے ساتھ محبت و انصاف کرنے والے تھے۔ اور کار خیر میں حصہ لینے والے تھے۔ دو مرتبہ آپ حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ اور ایک بڑی آمدنی علاقہ کی واسطے امداد مجبور و مفلس و نیک کاموں کے لئے وقف علی اللہ کیا۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ دستگیری مساکین و مرمت مساجد و عمارات کی کرکے نیک نام ہوئے۔

جامع مسجد و دیگر مساجد کے طلبہ کی جاگیر مقرر کی۔ اور ایک مدرسہ درس و تدریس عربی بنام مدرسہ حنفیہ جاری کیا تھا اور ایک رقم مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے لئے معین کی تھی۔ تاکہ دونوں متبرک مقاموں پر حاجتمندوں کی امداد و مدد ہوتی رہے اور خیر و برکت حاصل ہو۔

بزمانہ غدر انگریزوں کی خیرخواہی و حفاظت بڑی جانفشانی سے کی۔

اس صلہ خیر خواہی میں بعد دہی میں دس موضع زمینداری انعام پایا۔ آخر وقت میں تقدیر نے سرزمین مبارک مکہ معظمہ پہونچایا۔ اور مکہ معظمہ ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور وہیں آپ دفن ہوئے۔ [1]

آپ کے خاندان میں خان بہادر مولوی ابراہیم خاں نواسہ منشی امام بخش و مولوی عبد العزیز صاحب ڈپٹی کلکٹر و منشی عبد الجلیل صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ و پنچ مجسٹریٹ جونپور۔ و مولوی عبد العلیم صاحب بیرسٹرایٹ لا و منصف آپ کے نواسوں میں ہیں۔ محمد خلیل صاحب رئیس، عبد الرحیم صاحب وکیل، عبد الوحید صاحب اس وقت تک بقید حیات ہیں۔ اور شاہ عزیز احمد و فاروق صاحب بھی نمایاں شخصیت کے مالک ہیں۔

منشی محمد مہدی صاحب

شیخ صدیقی شریف النسب اولاد حضرت مخدوم محمد بن علی بن تاج جونپوری سے تھے

اور ماں کی طرف سے سلسلہ قاضی خیر الدین تک پہونچتا ہے۔ آپ نامور اور بلند قسمت اور تمام اوصاف نیکو نامی سے متصف تھے۔ اصل سکونت آبائی منشی مہدی محلہ چتر ساری شہر جونپور تھی۔ آپ کے والد ماجد مفتی خلیل احمد بعہد نواب سعادت علی خاں والی اودھ مفتی عدالت تھے۔ بعد چند ایام کے عروج برتری و اعلیٰ رتبہ پایا۔ مگر استقرار حاصل ہونے پایا تھا کہ موت آپہونچی۔

بدیں وجہ منشی محمد مہدی قصبہ منڈیاہوں میں مکان جد مادری میں سکونت پذیر ہوئے۔ خاندان منڈیاہوں اولاد حضرت ملا شیخ محمد کوفی خلیفہ

---

[1] تجلی نور ص ١٤٦ تا ١٤٨

حضرت مخدوم آفتاب ہند ظفرآبادی تھے پرورش پائی. جب سن شعور کو پہنچے تو حصول علم ضروریہ سے فراغت حاصل کیا۔ بعدہٗ ملازمت سرکار انگلشیہ کی۔ کوشش فرمائی۔ بعد چند ایام کے بوجہ لیاقت ذاتی سررشتہ دار عدالت صدر الصدور گورکھپور ہوئے۔ اس کے بعد سررشتہ دار عدالت ججی گورکھپور میں اونچا مرتبہ پایا۔ بعد چندے سررشتہ دار کلکٹری ضلع غازی پور کے ہوئے۔ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ملازمت ترک کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ مگر خانہ نشین نہ رہ سکے۔ تعلقہ راجہ جون پور کے نائب ریاست ہوئے۔ بہ زمانہ پرآشوب غدر میں تحصیلدار منڈیاہوں ہوئے۔ بعد فرو ہونے ہنگامہ غدر کے جب تسلط ہوا تو تحصیلداری سے علیحدہ ہوئے۔ وقتاً فوقتاً اکثر مواضعات خرید کیا۔ اور مشہور تعلقداران ضلع میں شمار ہونے لگا۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ میں انتقال ہوا۔ قبر خام باغیچہ میں متصل باغ فرودگاہ سرکاری مقام منڈیاہوں میں ہے۔ ایک بازار منڈیاہوں سے دو تین فرسنگ پر اپنے نام پر مہدی گنج آباد کیا۔ مادہ تاریخ یہ ہے۔ ع

"منشی مہدی پسندیدہ خیال" [۱]

۱۳۰۶ھ

مولوی حیدر حسین صاحب

آپ صاحب خلق و مروت و اہل جود و نوال مشہور ارمیدان ارجمندی ستارہ بخت بلندی پسر منشی امام بخش تھے۔ اپنے والد ماجد کے آغوش شفقت میں .... تعلیم و تربیت پایا۔ جب سن شعور کو پہونچے تو علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ عربی فارسی میں

---

[۱] تجلی نور صـ ۱۴۹۔

لیاقت حاصل کی۔ اولاً امتحان وکالت دیا۔ اور چند روز ضلع بنارس میں وکالت کی۔ بعدہٗ عہدہ منصفی پر مقرر ہوئے۔ چند سال منصفی کرکے وکیل ہائیکورٹ ہوئے۔ اپنے لیاقت ذاتی سے ہم عصروں میں سربلند اور بے مثال ہوئے۔ اور ہر چہار طرف آپ کی شہرت ہوئی۔ اور سرمایہ کافی نہ وکالت میں جمع کر کے کچھ مواضعات زمینداری خرید کر کے ریاست کو وسیع کیا اور نام منشی امام بخش خاندانی بزرگوں کا تازہ کیا۔ اور ہر دل عزیز ہوئے۔ جب عمر آپ کی ۵۰ سال کے قریب پہونچی تو آپ بیمار ہوئے اور علاج کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ اور وہیں ۱۲۹۲ھ میں انتقال کیا۔ مصرع تاریخ وفات یہ ہے۔

"ابد بادہ بہشت آرام گاہش"

۱۲۹۲ھ

مولوی عبدالمجید صاحب

جون پور کی فیملی میں مولوی عبدالمجید بارایٹ لا کا خاندان بندگی شاہ جلال الحق قاضی ناصحی سے ملتا ہے۔ جو ابراہیم شاہ شرقی کے عماد الملک کے پوتے تھے۔ جو ظفر آباد میں قاضی کے عہدے پر فائض تھے۔ اور یہیں آپ کا مزار بھی ہے۔ ان کے وارثوں کی مال گذاری معاف تھی اور مغلیہ سلطنت سے التمغہ منظور رہا تھا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد ایک معمولی زمیندار کی حیثیت پر آگئے۔

انیسویں صدی کے آغاز میں سید حاجی امام بخش کے جو اسی خاندان کے بزرگ تھے دن پلٹ گئے۔ کچھ دنوں غازی پور میں گورنمنٹ کے ملازم رہے۔ اس کے بعد پنشن لے لی۔ غدر کے زمانہ میں سرکار کو اپنی حق وفاداری کا نمونہ پیش کر دیا۔ انھوں نے جون پور کے انگریزوں اور سرکاری افسروں کو پناہ دے کر ان کی جان بچائے اور بلوے اور فساد کو دبانے میں کافی جوانمردی

سے کام لیا۔ حالاں کہ اس سلسلہ میں ان کو باغیوں کے ہاتھوں بہت کچھ نقصانات برداشت کرنا پڑے۔ ان کی خدمات کے صلہ میں سرکار نے پانچ ہزار روپیہ کی جائداد ان کے نام کردی۔ جسمیں سے انھوں نے کل جائداد کا چہارم حصہ ۱۶ اگست ۱۸۶۰ء کو کارخیر کے لئے وقف کر دیا۔ اور باقی جائداد اپنے وارثوں کو دیدی اس کے بعد حج کے ارادے سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور وہیں ۱۸۶۱ء میں انتقال کیا۔

ان کے لڑکے مولوی حیدر حسین ہائیکورٹ کے ایک مشہور وکیل تھے۔ انھوں نے باپ کی میراث میں جونپور، اعظم گڈھ بلیا میں علاقے خریدے۔ اور کافی اضافہ کیا۔ ۱۸۷۵ء میں ان کا انتقال دہلی میں ہوا۔ اور ان کے بڑے لڑکے مولوی عبدالمجید وارث ہوئے۔ جو قانون پڑھنے کے لئے لندن گئے اور وہاں سے بیرسٹری کی سند حاصل کی۔ اور ۱۹۰۹ء میں ممبر کونسل نواب گورنر جنرل بہادر ہند وممبر کونسل لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ آگرہ اودھ منتخب ہوئے اور خطاب نواب و آنریبل کا پایا۔ اور جب ۱۹۱۱ء میں جلسہ تاجپوشی قیصر ہند کا ہوا تو اس میں خطاب سی۔ آئی۔ ای کا دیا گیا۔

آپ بہت ہی مرتبہ کے مالک تھے۔ اور الہ آباد ہائی کورٹ کے مشہور بیرسٹر تھے۔ ان کے وقت میں ریاست کا چھ آنہ حصہ مسماۃ فاطمہ بی بی دختر امام بخش مورث اعلیٰ کو ملا۔ جو عدالت کے ذریعہ پہلے ہی سے طے تھا۔ فاطمہ بی بی کے حصہ کی جائداد سے سولہ ہزار دو سو پینتیس روپیہ کی آمدنی تھی۔ جو کافی بڑھالی گئی تھی۔ جو مولوی عبدالجلیل بیرسٹر، مولوی عبدالعزیز ڈپٹی کلکٹر و مولوی عبدالحلیم وغیرہ میں تقسیم ہوگئی۔ بقیہ دس آنہ کے تنہا عبدالمجید مالک رہے۔ نواب عبدالمجید نے بھی اپنی جائداد میں کافی اضافہ کیا۔ اور اپنی حسن کارکردگی سے مقبول خواص و عوام رہے۔ خصوصاً شہر کے شاہی آثار کی مرمت کے سلسلہ میں بڑی مستعدی سے دل کھول کر رقم صرف کیا

کرتے تھے۔ سن ۱۹۰۰ء میں اپنا وارث مولوی محمد یوسف بارایٹ لا کو چھوڑ کر انتقال کر گئے۔

مولوی محمد یوسف بیرسٹر نے بھی اپنے حسن عمل، سخاوت و فیاضی سے عوام میں مقبولیت حاصل کی اور سرکار انگلشیہ سے کے۔ سی۔ آئی ای اور سر کا خطاب حاصل کیا۔ افسوس کہ سر محمد یوسف بارایٹ لا۔ لاولد انتقال کر گئے۔ ریاست اور بڑی بڑی عالیشان کوٹھیاں الہ آباد اور جون پور میں ویران چھوڑ گئے۔

وارثان کی مقدمہ بازی میں بیگم صاحبہ نواب سر محمد یوسف کی ڈگری ہوئی اپیل نواب صاحب کے بھانجے ہاشمی صاحب کے لڑکوں کی طرف سے دائر کی گئی۔ اسی درمیان میں سید ہاشمی صاحب کا انتقال ہو گیا۔

سلہ اس مقدمہ بازی سے جائداد کا بہت نقصان ہوا۔ نہ تو بیگم صاحب کو کوئی فائدہ ہوا۔ نہ ہاشمی صاحب یا ان کے لڑکوں کو دوسرے لوگ اس مقدمہ بازی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مدرسہ حنفیہ جس نے نصف صدی تک علم کی شمع روشن کی بند ہو گیا۔ اور عمارت مسمار ہو گئی۔ کتابیں برباد ہو گئیں بس کھنڈر ہی کھنڈر ہے۔ اس پر بھی مقدمہ بازی بند نہیں ہوتی اور روز ہی کوئی نہ کوئی مقدمہ رہتا ہے۔ فاروق صاحب بھی ایک فریق کی حیثیت سے منسلک ہیں۔

سر شاہ محمد سلیمان

آپ مولوی محمد عثمان صاحب وکیل کے صاحبزادے تھے۔ اور مولوی محمد عثمان صاحب حافظ عابد حسین صاحب کے داماد تھے۔ اس طور پر شیخ عابد حسین آپ کے نانا ہوئے۔ چوں کہ عابد حسین صاحب ملا محمود جون پوری کی اولاد سے

سلہ گزیٹیر جون پور۔ تجلی نور حصہ سوم قلمی۔ ذکر امراء۔

ہیں۔ اس لئے آپ کا بھی سلسلہ نسب ملا محمود جون پوری سے ملتا ہے حافظ عابد حسین صاحب نے ملا محمود صاحب کی تعمیر کردہ مسجد کی از سر نو مرمت کرائی تھی مکان اور مسجد اور ملا محمود کا مدرسہ محلہ شیخ محامد میں تھا۔

سر سلیمان کی پیدائش جون پور میں ہوئی۔ جب سن شعور کو پہونچے تو ابتدائی دینیات کی کتابیں اور عربی و فارسی علماء جون پور سے پڑھیں۔ فراغت کے بعد انگریزی کی تعلیم شروع کی اور دسویں کلاس تک پریا نانھ گھوش ہائی اسکول میں پڑھا۔ جو بعد کو مشن اسکول ہوا۔ اور اب راج کالج ہے۔ اس کے بعد یونیورسٹی سے ایم۔ اے۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کر کے وکالت شروع کی۔ ...... پھر بیرسٹر آف لا کی ڈگری لندن سے حاصل کر کے سنہ ۱۹۲۳ء میں الہ آباد ہائی کورٹ کے جج ہوئے۔ چوں کہ آپ بہت ذہین تھے اس لئے اس عہدے سے ترقی کر کے سنہ ۱۹۳۳ء میں چیف جسٹس ہوئے۔ قسمت نے اور یاوری کی۔ اور اس عہدے سے بھی ترقی کر کے سنہ ۱۹۳۷ء میں فیڈرل کورٹ کے جج ہوئے۔ بڑی ناموری اور شہرت حاصل کی۔ انگریزی زبان پر اس درجہ عبور تھا کہ بڑے بڑے انگریز آپ کی قابلیت کا لوہا مانتے تھے۔ آپ کی قابلیت اور اعلیٰ ذہانت کے ثبوت میں سنہ ۱۹۲۳ء سے لے کر سنہ ۱۹۳۷ء تک فیصلہ جات جو اے آئی۔ آر اور اے۔ ایل۔ جے میں محفوظ ہیں زندہ شہادت ہیں۔

سرزمین جون پور کو یہ فخر حاصل رہا۔ کہ بیک وقت یہاں تین ہستیاں ایسی تھیں جو سر کے خطاب سے سرفراز تھیں۔

سر شاہ سلیمان بار ایٹ لا۔ سر وزیر حسن بار ایٹ لا۔ کالاں پوری اور سر نواب محمد یوسف بار ایٹ لا۔ سید علی ظہیر صاحب سر وزیر حسن کے صاحبزادے ہیں جو وزارت کے مختلف عہدوں پہ فائز رہے ہیں۔ اور

نواب سر عبدالمجید کے لڑکے نواب سر محمد یوسف تھے۔
سر شاہ سلیمان کی وفات مارچ ۱۹۴۱ء میں ہوئی اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے آپ کی وفات کا بڑے زوروں پر سوگ منایا گیا۔ اور ملک کے ہر اخبار نے اس سانحہ عظیم پر رنج والم کا اظہار کیا۔

محمد فاروقی منڈیاہوں یہ مسلمان خاندان منڈیاہوں تحصیل میں آباد تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ محمد فاروقی بزمانہ صاحبقراں امیر تیمور ہندوستان آئے اور شرقی خاندان کی قدردانی سن کر جون پور میں آئے۔ جہاں منڈیاہوں میں قاضی کے عہدے پر سرفراز کئے گئے۔ اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ ان کے خاندان میں مولوی خیرالدین بھی نامی شخص گزرے ہیں جن کو اکبری عہد میں منڈیاہوں کا قاضی بنایا گیا۔ اور منڈیاہوں کے علاوہ دوسرے علاقے بھی ان کو بطور جاگیر عطا کئے گئے۔ قاضی کا لقب اب تک اس خاندان میں دورہ کرتا چلا آرہا ہے اس خاندان کے بیشتر لوگ سرکار انگلشیہ میں اچھی اچھی ملازمتوں پر فائز ہوئے۔ منشی محمد مہدی نے تو غدر کے زمانے میں خیرخواہی کے سلسلہ میں کارنمایاں انجام دیا۔ سرکاری رقم جو منڈیاہوں کے تحصیلداری خزانے میں جمع تھی۔ اس کا ایک پیسہ بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ منشی محمد یحییٰ اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو آنریری مجسٹریٹ تھے۔ ان کے قبضہ میں منڈیاہوں کے چھ گاؤں مسلم اور سترہ گاؤں میں حصہ تھا جس کی مال گذاری پانچ ہزار چھ سو اکیس روپیہ تھی۔

سید غوث علی وکیل آپ جون پور کے رئیس ومعززین سے تھے۔ اور سلسلہ نسب حضرت زید شہیدؓ تک پہنچتا ہے آپ کے مورث اعلیٰ شرقی سلطنت کے زوال کے زمانہ میں جون پور وارد ہوئے۔ آپ کے

* جدِ امجد سید خواجہ دوست اکبرِ اعظم کے زمانہ میں ممتاز عہدہ پر فائز تھے۔ اور بہت کافی جاگیرات ان کو عطا کی گئی تھی۔ قریات دوست، قریات مبنڈھا نگھکہ نگھر خواجہ دوست اور فتح پور میں کافی زمینداری تھی۔ شاہ عالم بادشاہ کے زمانہ تک کے فرامین پائے گئے ہیں جو اس خاندان کو دیئے گئے تھے۔

آپ کی پیدائش ۱۱۸۵ھ موضع فتح پور جون پور میں ہوئی۔ آپ دو بھائی تھے آپ کے چھوٹے بھائی کا نام سید رحم علی تھا۔ آپ نے عربی و فارسی کی کتابیں جون پور ہی میں پڑھیں اور درس نظامی اور دیگر علوم و فنون کے تکملہ کے لئے لکھنؤ گئے وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر جون پور آئے۔ اور ۱۸۲۵ء سے عدالت دیوانی میں وکالت شروع کر دی۔ آپ بہت ہی ذہین تھے۔ قانونی طور پر بڑی بڑی باریکیاں پیدا کرتے تھے۔ اور موسودہ ایسا ہوتا تھا کہ آپ کے ہم عصر قابلیت کا لوہا مانتے تھے۔ راجہ شیو غلام دوبے کی وراثت کے سلسلہ میں جو مقدمہ بازی ہوئی ہے اس میں ایک فریق کی طرف سے سید غوث علی وکیل تھے اور بڑی کامیاب وکالت کی ہے۔ راجہ صاحب جون پور کے پرانے کاغذات میں سید غوث علی وکیل کا نام ملتا ہے۔

آپ کا علمی مذاق بلند اور مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ایک کتاب سلاطین جونپور آپ نے بڑی کوشش و بڑی کاوش و جاں فشانی سے لکھی ہے۔ جس کے دیباچہ میں آپ نے اس سلسلہ کی تمام صعوبتوں کو ظاہر فرمایا ہے۔ سلاطین شرقیہ پر یہ کتاب شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ افسوس کہ شائع نہ ہو سکی۔ اس کا قلمی نسخہ خود آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دستیاب ہوا ہے جو ۱۲۴۶ھ کی تصنیف ہے اور اردو زبان میں ہے۔

آپ لاولد تھے۔ آپ کے بھائی سید رحم علی کے دو صاحبزادیاں مسلمہ بی بی

اور زینت بی بی تھیں۔ اور صاحبزادے سید عبدالکریم جن کی شادی سید شیر علی ساکن ردھولی ضلع جون پور کی صاحبزادی مسماۃ زیب النساء بی بی سے ہوئی تھی شیر علی اور حسین علی دو بھائی تھے۔ سید حسین کی لڑکی مسماۃ پھکن بی بی کی شادی راجہ منظور جہاں ماہل سے ہوئی تھی۔ جو راجہ ادارت جہاں کے لڑکے تھے۔ اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں بغاوت کے جرم میں اس خاندان کو انگریزوں نے تباہ و برباد کیا اور پھانسیاں دی گئیں۔

سید عبدالکریم کی لڑکی کی شادی سید عنایت حسین ردھولی جون پور سے ہوئی تھی۔ جو سید شیر علی کے پوتے تھے۔ اور دوسری شادی مسماۃ احمدی بی بی دختر سید الٰہی بخش مرحوم ساکن محلہ رضوی خاں جون پور سے ہوئی جو راقم السطور کی حقیقی خالہ تھیں۔ سید الٰہی بخش کی سب سے چھوٹی دختر کی شادی سید عبدالقدیر ساکنہ ضلع اعظم گڈھ سے ہوئی تھی جو راقم السطور کی والدہ محترمہ ہیں۔

سید عبدالقدیر کے والد سید عبداللہ موضع کوٹھیا ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ محمود غزنوی کے حملے کے بعد مدینہ سے بخارا اس کے بعد وارد ہندوستان ہوئے۔ سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ شاہجہاں کے عہد میں سید مصلح الدین عرف ہدیٰؒ جو اس خاندان کے سربرآوردہ بزرگوں میں سے تھے۔ فرامین دیئے گئے مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور باوجود بادشاہ کی طلبی کے بھی دربار میں نہیں گئے۔ بادشاہ نے ایک تلوار جس پر شاہجہاں صاحبقران لکھا ہوا تھا خدمت اقدس میں بھیجا۔ جس کو آپ نے قبول کر لیا جو اب تک موجود ہے۔ عالمگیر بادشاہ نے بھی باون بیگہ اراضی کا فرمان دیا تھا۔ اس وقت یہ خاندان مختلف جگہوں پر آباد ہے۔ مولوی شیخ نظام الدین صاحب اسوقت صوبہ کی مفتی کے عہدے پر فائز ہیں۔ مولوی سید وصی الدین

صاحب گجرمپور میں درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مولوی اختر صاحب گھر پر کھیتی باڑی کے کام میں مشغول ہیں مولوی عبدالمجید صاحب اس خاندان میں بہت ہی بلند شخصیت کے مالک تھے جنکا انتقال عالم شباب میں ہوا مولوی عبدالحمید صاحب نہایت ہی متقی و پرہیزگار تھے جنکا انتقال ہو گیا۔ سید غوث علی کی وفات ۱۸۵۸ء میں ہوئی۔ آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپکی تعمیر کردہ ایک مسجد فتوپور میں ہے۔

شاہ ابوالحسن

آپ معززین شہر جون پور میں سے نیک صفت اور نیک طبیعت انسان ہیں۔ انگریزی عہد حکومت میں امن سبھا جو زیر سرپرستی حکومت قائم ہوئی تھی، شاہ ابوالحسن اس کے سکریٹری تھے۔ شاہ صاحب کے حسن کارکردگی کے صلے میں خانصاحب کا خطاب عطا ہوا تھا۔ اور مبلغ ایک سو روپیہ مالگزاری سرکار کم کردیگئی تھی۔ آپ اپنے زمانہ میں ممبر میونسپل بورڈ اور بنچ مجسٹریٹ بھی تھے۔ اور ابھی بقید حیات ہیں۔

سید علی اختر حسینی الواسطی

علی اختر آپ کا تاریخی نام ہے جس سے تاریخ ۱۳۱۱ھ نکلتی ہے۔ اس کے مطابق انگریزی ۱۸۹۴ء ہے۔ آپ مفتی محلہ شہر جون پور میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم فارسی و عربی مدرسہ ایمانیہ جون پور میں ہوئی۔ پھر انگریزی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول جون پور میں حاصل کی۔ ۱۹۱۵ء میں اسکول لیونگ امتحان پاس کر کے الوینگ کرسچین کالج الہ آباد سے ایف اے اور بی اے پاس کیا۔ اور ایل ایل بی کی ڈگری یونیورسٹی اسکول آف لا الہ آباد سے حاصل کی۔ ۱۹۲۳ء سے وکالت جون پور میں شروع کی۔ دوران وکالت میں با اخلاق و دیانت دار ہونے کی وجہ سے حکام، وکلا، اہلکار، اہل مقدمہ میں معزز و باوقار رہے۔

دسمبر ۱۹۵۹ء میں بعارضہ فالج مبتلا ہوئے۔ اور نقل و حرکت سے مجبور ہو گئے۔ آپ کے نانہالی اور دادھیالی بزرگوں میں اکثر حضرات باکمال گذرے

ہیں۔ جن کا تذکرہ کتاب ہذا میں کیا گیا ہے۔ خوش نویسی اور شاعری آپ کے ددھیالی
خاندان کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ کو شاعری کا شوق بچپن سے ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء
سے آپ نے غزلیں اور قصیدے کہنے شروع کئے۔ ابتدا میں اصلاح اپنے
نانا مولوی نورالدین زیدی سے لیا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد اپنے چچا سید
حسن علی وقار یا اپنے ماموں ذوالفقار حسین صاحب ذوالفقار سے۔ تاریخ
گوئی میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ نہایت زود گو اور کہنہ مشق شاعر ہیں
اور مذاق سخن نہایت اعلیٰ پیمانے کا ہے۔ بقید حیات ہیں

سید محمد ابوالبقا

سید صاحب مفتی محلہ جون پور میں غالباً سنہ ۱۸۹۲ء میں
پیدا ہوئے۔ آپ دادا کی طرف سے حسینی الواسطی
اور نانا کی طرف سے زیدی الواسطی ہیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم عربی فارسی وغیرہ
گھر پر ہونے کے بعد انگریزی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول جون پور میں ہوئی۔ انٹرنس
پاس کرنے کے بعد ایف۔ اے آپ نے ریڈ کرسچین کالج لکھنؤ سے کیا۔ اس کے
بعد بی۔ اے سنہ ۱۹۱۲ء میں اور ایم۔ اے مسلم کالج علی گڑھ سے کیا۔ اور سنہ ۱۹۱۵ء
میں ایل۔ ٹی کی ڈگری گورنمنٹ ٹریننگ کالج الہ آباد سے پاس کیا۔ اس کے بعد
مختلف ضلعوں کے گورنمنٹ اسکولوں میں اسسٹنٹ ماسٹر رہے۔

بالآخر گورنمنٹ اسکول سہارن پور سے بحیثیت اسسٹنٹ ماسٹر سنہ ۱۹۴۰ء میں
ریٹائر ہوئے۔ اور اپنے وطن جون پور میں مستقل طور پر رہنے کے لئے تشریف لائے
لیکن موت نے مہلت نہ دی۔ اور ۱۳؍ اکتوبر سنہ ۱۹۴۱ء میں بمقام مفتی محلہ داعی اجل
کو لبیک کہا۔ اور اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

مضمون نگاری سے آپ کو دلچسپی تھی۔ اور اکثر مضامین زمانہ تعلیم و نیز
زمانہ ملازمت میں مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے۔ چند رسالوں کے نام

ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

امعار لکھنؤ۔ الناظر لکھنؤ۔ صبح بہار سیوہر، مشورہ جبلپور، استبصار دائرے بریلی۔ وغیرہ۔ آپ بہت اچھے ادیب تھے۔ قومی درد دل میں رکھتے تھے۔ سید تفضل داؤد وسعید صاحب ان کے بیٹے ہیں۔ جن کا شمار اچھے مؤرخین میں ہے۔ ان کے ناہالی اور دادھیالی بزرگان صاحب علم تھے۔ وذوق سخن رکھتے تھے۔ اور علاوہ علمی مشاغل کے صاحب اقتدار و دولت اور جاگیردار سلطنت مغلیہ تھے۔

سید حسن علی وقار

سادات قصبہ منڈیاہوں سے تھے۔ عربی وفارسی اپنے چچا مولوی ناصر علی صاحب سے پڑھی بہت اچھے نقاد وشاعر تھے۔ آپ کا تخلص وقار تھا۔ اور شاہ نائل حسین غبار کے شاگرد تھے۔ مرثیہ بہت عمدہ پڑھتے تھے۔ اور مرثیہ خوانی میں لکھنؤ کے مشہور مرثیہ خواں میر دولہا صاحب عروج کے شاگرد تھے۔ اور اس سلسلہ میں پٹنہ حیدرآباد دکن و دیگر مقامات پر دولہا صاحب کے ساتھ جایا کرتے تھے۔

کتاب تاریخ معاویہ، قول صواب، سالسلیۃ الشعر کے مصنف تھے آپ کی عمر کا زیادہ حصہ لکھنؤ میں گزرا۔ شمس العلماء مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ اور ان کے فیض صحبت سے استفادہ حاصل کر کے بہت کہنہ مشق اہل قلم ہو گئے تھے۔

۱۹۳۹ء میں حرکت قلب بند ہو جانے سے بمقام لکھنؤ فوت ہوئے اور وہیں سپرد خاک کیے گئے۔ ہر سال آخر عمر میں آپ اپنے مرنے کی تاریخ کہنے کی کوشش فرماتے تھے۔ بالتعمیہ وتخرجہ کے کوئی مصرع درست نہیں ہوتا تھا۔ تو کوشش کرنا چھوڑ دیتے تھے۔ جس سال انتقال ہوا حسب معمول اس سال بھی کوشش کی تو مادہ تاریخ بلاتعمہ وتخرجہ ایک مصرع میں آگیا۔ تو فرمایا کہ اب اس

سال میں یقیناً مرجاؤں گا۔ واقعتاً وہی ہوا۔ الحنیف کا مصرع ہے سہ

"سید حسن علی وقار از جہاں برفت"

۱۳۵۸ھ

آپ کے وفات کی تاریخ نکلتی ہے۔ آپ کی وفات لکھنؤ میں ہوئی اور وہیں پر دفن ہوئے سلہ

راجہ جون پور جون پور ضلع میں سب سے بڑی ریاست راجہ جون پور کی ہے۔ جس کے بانی راجہ شیولال دوبے تھے جو ایک برہمن خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ شیولال موتی لال دوبے منکر کے لڑکے تھے جو موضع اجولی ضلع فتحپور میں ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اور یہی ان کا آبائی وطن تھا۔ سب سے پہلے انھوں نے بھو تندھر کی نوکری کی جو مہاجن تھا۔ اور ان کو کاروبار کے سلسلے میں ریاست پنا بھیجدیا۔ کچھ دنوں بعد بھوتندھر نے اپنا کاروبار بنارس میں منتقل کر دیا۔ اور شیولال بنارس میں آکر دیکھ بھال کرنے لگے۔ بھوتندھر کے انتقال کے بعد اس کا وارث کوئی نہیں تھا اس لئے شیولال دوبے خود ہی کاروبار کے مالک ہو گئے۔

شیولال دوبے ایک تجربہ کار شخص تھے۔ اس لئے انھوں نے کاروبار میں کافی ترقی کرلی۔ یہاں تک کہ مال گزاری وصول کرنے کا ٹھیکہ بھی لینے لگے۔ جب ڈنکن صاحب پہلی بار بنارس پہونچے تو شیولال دوبے کلب علی بیگ کے یہاں منیم تھے۔ جن کا علاقہ تقریباً دس لاکھ روپیہ سالانہ تحصیل کا تھا۔ اور زیادہ تر جونپور

سلہ رؤسا ءجون پور کے حالات تجلی نو حصہ سوم۔ خاندانی کاغذات ونسب نامے سے لئے گئے ہیں اور مؤلف نے خود بھی حالات کی تحقیق وتفتیش کی ہے۔

میں واقع تھا۔ جب کلب علی بیگ تمام علاقے کی مال گذاری وصول کرنے سے عاجز آ گئے تو انھوں نے مسٹر ینو کو بطور ٹھیکہ منیجر مقرر کر کے یہ کام ان کے حوالے کر دیا۔ مسٹر ینو کو شیو لال دوبے سے بڑی مدد ملی۔ کیوں کہ ان کو ۸۵ ہزار روپیہ بطور خسارہ کے اپنے پاس سے بھرنا پڑا۔ ان شرائط کے تحت جو کلب علی بیگ سے طے ہوئے تھے مسٹر ینو نے استعفا دے دیا اور دوسرے سال ہی جون پور کے محال اور بھدوہی کی مال گذاری کی وصول تحصیل شیو لال دوبے نے اپنے ذمے لی۔ اور وصول تحصیل کے کام میں مہارت پیدا کر لی۔ اور سب سے پہلے مرنا پور میں اگوری بہر کا علاقہ ٹھیکہ پر رکھ لیا۔ اس کے علاوہ شیو لال دوبے نے گورنمنٹ سے سنگرامئو اور بدلا پور علاقوں کی وصول تحصیل کا اقرار بھی کر لیا۔ جو کلب علی بیگ کے بس سے باہر تھا۔ اس سلسلہ میں شیو لال دوبے کو بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلے ان کو راری کے قانون گویوں سے جنگ کرنا پڑی جو ان علاقوں پر قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ جو پرانی راست جون پور میں شامل تھے۔ اس کے بعد ان کو اودھن سنگھ سے لڑنا پڑا جو بدلا پور کا زمیندار تھا۔ اسی سلسلہ میں شورش دبانے کے لئے اس کو قید کر لیا گیا تھا مگر چھوٹتے ہی وہ قانون کی پابندیوں کو توڑتا ہوا راجکمار ظالم سنگھ کی پارٹی میں جا کر شامل ہو گیا۔ ظالم سنگھ تعلقہ میو پور اودھ کا زمیندار تھا۔ ان دونوں نے مل کر ضلع جون پور کے رسولی اور بھرسٹرا علاقوں پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اور کسی قسم کی مال گذاری دینے سے انکار کر دیا۔ ظالم سنگھ نے اس کے بعد ہی جھٹ انگلی پرگنہ پر ہلہ بول دیا جس کے سلسلہ میں بہت سے زمینداروں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ آخر میں مجبوراً گورنمنٹ کو جون پور سے ایک فوجی دستہ ان کی سرکشی دبانے کے لئے بھیجنا پڑا۔ اب ظالم سنگھ مجبور ہو گیا۔ اور اس کو مال گذاری دینے کے صلحنامہ پر دستخط کرنا پڑا۔ سنہ ۱۷۸۹ء میں بھدوہی کا علاقہ شیو لال دوبے سے واپس لے لیا گیا

اور اس کے عوض میں ان کو مونگرا کا سالٹ محال دے دیا گیا۔ اور جب اسی سال نیا بندوبست ہوا تو شیولال دوبے کو پرگنہ انگلی کے حویلی، راری، ظفر آباد، قریات دوست، قریات مینڈھا۔ اور سنگرامئو کے علاقے جو نسٹھ ہزار روپیہ سالانہ مال گذاری کے عوض میں دے دیئے گئے۔ اور اس طرح شیولال دوبے جون پور کے عامل بن گئے۔ بدلاپور کا علاقہ اس وقت ٹھاکر سلطنت سنگھ کے قبضہ میں تھا۔ جو بہت رعب و دبدبہ کا مالک تھا۔ اور کبھی وہ راضی و خوشی سے مال گذاری دینا پسند ہی نہ کرتا تھا۔ آخرکار ۱۷۹۳ء میں اس کے ضامن داروں نے مال گذاری کا ذمہ لے لیا۔ اور علاقہ کا کاروبار سبنھالنے لگے۔ سلطنت سنگھ وہاں سے جنگلوں کی طرف فرار ہو گیا۔ اور وہاں سے موقع پا کر جون پور کے سرحدی مقامات کو لوٹتا مارتا رہا۔ اتفاق سے کچھ دنوں تک اس نے لوٹ مار بند کر دی۔ مگر ۱۷۹۶ء میں اس نے پھر غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اسی سال دسمبر کے مہینہ میں اس کی گرفتاری پر دس ہزار کا انعام مقرر کیا گیا۔ یہیں سے شیولال دوبے کی قسمت کا ستارہ عروج پر آتا ہے۔ وہ یوں کہ انعام مقرر ہونے کے دوسرے ہی سال شہاب الدین پور میں شیولال دوبے نے اس کو گھیر لیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر جون پور حاضر کر دیا۔

اس سلسلہ میں نہ صرف دس ہزار روپیہ انعام کے مستحق ہوئے بلکہ ان کو دہلی کے شاہ عالم بادشاہ کی طرف سے ۳ر نومبر ۱۷۹۷ء کو راجہ کا خطاب اور ایک سند اور بدلاپور کا تعلقہ عنایت کیا گیا۔ اب شیولال دوبے نے اپنے علاقے کو نہایت تیزی سے وسعت دینا شروع کیا۔ جو ان کے زمانے میں ان کے خیرخواہوں کے لئے ایک مثال بن گئی۔ جو جعلی طریقہ رہن و بیع کا کام کیا کرتے تھے۔ اور جس کا تذکرہ مسٹر جی۔ ایم برڈ نے بھی اپنی رپورٹ نمبر ۲۸ مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۸۳۲ء میں کیا ہے۔

۱۸۳۶ء میں جب شیو لال دوبے کا انتقال ہوا ہے۔ اس وقت ان کی عمر نوے برس کی تھی۔ اور نہ صرف جون پور بلکہ بنارس، گورکھپور، اعظم گڈھ اور مرزاپور ضلعوں میں بھی کافی جائداد اپنے پسماندگان کے لئے چھوڑ گئے جس کے سب سے پہلے وارث ان کے پوتے رام غلام قرار پائے۔ حالاں کہ ان کا لڑکا بالدت بھی بقید حیات تھا۔

رام غلام نے جائداد کا انتظام ہاتھ میں لیتے ہی ایک مقدمہ گورنمنٹ کے یہاں داخل کیا۔ کہ بدلاپور کا پورا علاقہ اس کی زمینداری میں شمار کیا جائے مقدمہ کی کارروائی شروع ہوتی مگر اسی درمیان میں اگست ۱۸۴۱ء کو رام غلام کا انتقال ہوگیا۔ اب راجہ کا خطاب اور پوری جائداد رام غلام کے والد بالدت کے نام منتقل ہوگئی۔ مگر تعلقداری الاؤنس موقوف کردیا گیا۔ اور مقدمہ کے فیصلہ تک اس کو جمع رکھنے کا حکم دے دیا گیا۔ اور کلکٹر کو حکم دیا گیا کہ وہ نئے حساب سے لگائی گئی مال گذاری کے حساب سے جمع شدہ رقم میں سے منہا کرلے مگر راجہ بالدت بھی ۱۸۴۴ء میں مرگئے۔ اور ان کا دوسرا لڑکا لچھمن غلام جائداد کا وارث ہوا۔ مگر نومبر ۱۸۴۵ء میں یہ بھی لاولد فوت ہوگئے۔ اس زمانے میں تین برس تک رانی تلک کنور ریاست کا انتظام کرتی رہیں۔ جو بالدت کی بیوہ تھیں۔ اور اسی زمانہ میں ۳ر جون ۱۸۴۶ء بدلاپور کا مقدمہ جو سرکار کے خلاف دائر ہوا تھا۔ اس کی ڈگری ہوگئی۔ اور پورا بدلاپور اور تعلقداری الاؤنس جو ابھی تک رکا ہوا تھا مع بقایا کے رانی صاحبہ کو مل گیا۔ مارچ ۱۸۴۸ء میں رانی صاحبہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور راجہ رام غلام کا نابالغ لڑکا شیو غلام ریاست کا مالک ہوا۔ اس کے مالک ہی ریاست میں بدنظمی شروع ہوگئی۔ کیوں کہ خاندان کے اندر ہی وراثت کا جھگڑا کھڑا ہوگیا۔ اور ہری غلام راجہ بالدت کے

تیسرے لڑکے نے اپنی حقیقت اور وراثت ظاہر کی۔ غدر کے زمانے میں راجہ اگرچہ گورنمنٹ کے وفادار رہے۔ مگر اپنی ریاست کے نظم ونسق کو برقرار نہ رکھ سکے۔ آخر میں اکتوبر ۱۸۵۹ء کو اتنی بڑی ریاست اور ایک نو سال کا لچھمی نرائن چھوڑ کر انتقال کر گئے۔ لچھمی نرائن کو سلسلہ تعلیم بنارس روانہ کر دیا گیا اور ریاست سرکاری انتظام کے ماتحت لے لی گئی۔ یہ انتظام ۱۸۶۹ء تک قائم رہا۔ اب ریاست قرضہ کے بارے قریب قریب سبکدوش ہو گئی۔ صرف معمولی سا رہ گیا۔ حالاں کہ اس سلسلہ میں اعظم گڈھ اور مرزاپور کے کچھ علاقے فروخت کرنا پڑے

لچھمی نرائن نے چھ برس تک نہایت کامیابی سے ریاست کا انتظام کیا اور جون ۱۸۷۵ء میں انتقال کر گئے۔ چوں کہ انھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اس لیے ریاست کے مالک ہری ہردت دوبے جو ہری غلام کے بڑے لڑکے تھے قرار پائے۔ ہری غلام ۱۸۵۷ء میں مر چکے تھے۔ راجہ ہری ہردت دوبے کے زمانہ میں ریاست کا انتظام پھر خراب ہو گیا۔ اور یہ سنبھال نہ سکے۔ اس لیے ۱۸۷۸ء میں کورٹ آف وارڈس نے ریاست کا انتظام سنبھال لیا۔ تا کہ سات لاکھ روپیہ جو ریاست پہ مال گزاری کا بقایا تھا وصول کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ریاست کا کچھ حصہ فروخت بھی کر دیا گیا۔ اور ریاست کو بارے سے سبکدوش کر کے اکتوبر ۱۸۸۹ء میں چھوڑ دیا۔

راجہ ہری ہردت دوبے نے ریاست پر قبضہ پاتے ہی پھر اپنی لاپرواہی شروع کر دی۔ جس سے ریاست کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ان کے بھائی شنکر دت دوبے نے جون ۱۸۸۹ء میں ہری ہردت دوبے سے ایک تحریر لے لیا جس کے رو سے ہری ہردت دوبے نے ریاست کا پورا قبضہ شنکر دت دوبے کے حوالے کر دیا۔ اور ہری ہردت دوبے کو عدالت کے ذریعہ ایک ڈگری حاصل ہوئی

جس کے رو سے ہری ہر دت دوبے کو ایک ہزار ماہانہ خرچ ملنا طے پایا۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد راجہ ہری ہر دت دوبے یاترا کے لیے دکھن کی طرف چلے گئے۔ اور جنوری ۱۸۹۲ء کو وہیں انتقال کر گئے۔ اس کے بعد راجہ شنکر دت دوبے پوری ریاست پر قابض رہے۔ چوں کہ شنکر دت دوبے لاولد رہے اس لئے اپریل ۱۸۹۶ء کو جب انتقال کیا تو اپنی بی بی رانی گمانی کنور کو اختیار دیا کہ وہ ریاست کا وارث بنانے کے لیے اپنے خاندان کے کسی لڑکے کو متبنیٰ کر سکتی ہیں اور ریاست اسی اثنا میں تیسری مرتبہ پھر گورنمنٹ کے زیر نگرانی چلی گئی اور رانی گمانی کنور نے آموئی کے رہنے والے راجہ شیو لال دوبے کے بڑے بھائی سدانند کے لڑکے کو جس کا نام سری کرشن دت دوبے تھا متبنیٰ کر لیا۔ اس زمانے میں ریاست پر پانچ لاکھ روپیہ بار ہو گیا تھا۔ اور یہ تمام قرض ریاست کے کسی حصہ کو فروخت کئے بغیر ادا ہو گیا۔ راجہ کرشن دت دوبے اس وقت کالون کالج میں زیر تعلیم تھے۔

۱۹۱۶ء میں کرشن دت دوبے نے اپنے کو نہایت مضبوط اور ذمہ دار بنا لیا بدلاپور تعلقہ جس میں تینتالیس گاؤں شامل تھے اور جس کی مالگذاری ۳۷ ہزار دو سو ۳۰ روپیہ سالانہ تھی راجہ سری کرشن دت صرف سات گاؤں کو چھوڑ کر سب کے مالک تھے۔ ان ساتوں گاؤں کی مال گذاری چھ ہزار تین سو تین روپیہ تھی۔ جسمیں راجہ سنگرامئو اور کچھ اور زمیندار شریک تھے۔

راجہ کرشن دت دوبے کی ریاست میں ترپن گاؤں تھے۔ اور جون پور کے ۲۳ دوسرے گاؤں میں حصہ تھا جس کی مال گذاری ۲۵ ہزار ۹ سو چالیس روپیہ تھی۔ منڈیا ہوں میں ۲۴ گاؤں مسلم اور چھ حصے تھے۔ جس کی مالگذاری تیرہ ہزار آٹھ سو پچانوے روپیہ تھی۔ کٹھن میں اٹھانوے مسلم مواضعات

اور ۳۳ حصے تھے جس کی مالگذاری پچپن ہزار سات سو اڑتالیس روپیہ تھی۔ اور مچھلی شہر میں سولہ مسلم مواضعات اور دو حصے جو سب پرگنہ گڑوارہ میں تھے۔

راجہ سری کرشن دت دوبے نے اپنے زمانہ حیات میں ریاست کے کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اور شہر کے لوگوں میں اتنا مقبول تھے کہ ہر قوم کا آدمی ان کے اخلاق اور سلوک کا مدتوں تذکرہ کرتا رہا۔ سری کرشن دت دوبے کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے شری یادویندر دت دوبے ریاست کے مالک ہوئے۔ شری یادویندر دت دوبے کی تعلیم بھی کالون کالج لکھنؤ ہی میں ہوئی۔ جب آپ نے تعلیم سے فراغت کر کے اپنی ریاست کا انتظام سنبھالا تو ابھی زیادہ عرصہ گذرنے نہ پایا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم عمل میں آگئی۔ اور اس کے بعد فوراً زمینداری ختم کئے جانے کا بل پاس ہو گیا۔ یہ راجہ سری یادویندر دت دوبے کی ذہنی فراست تھی کہ انھوں نے زمینداری ختم ہونے کا قانون نافذ ہونے سے پہلے ہی کچھ ایسی عمارتیں بنوالیں جس کے کرائے سے ان کا کام بخوبی چلتا رہے۔ چنانچہ اب بھی وہ اپنے شہر میں کافی ہردل عزیز ہیں۔ اور اسی ہردل عزیزی کی وجہ سے ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۱ء کے الکشنوں میں جن سنگھ کے ٹکٹ پر اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

راج بنارس اسٹیٹ

دوبے اسٹیٹ کے بعد جون پور میں راجہ بنارس کے مقبوضات کا نمبر آتا ہے ان کے علاقے جون پور میں کٹہن چھوڑ کر ہر تحصیل میں تھے۔ جن کا مجموعہ ایک سو ۲۷ گاؤں اور بیس گاؤں میں حصے تھے۔ جس کی مال گذاری ساٹھ ہزار چار سو روپیہ تھی۔ ریاست کا دفتر سکرارہ میں تھا جو الٰہ آباد روڈ پر واقع ہے۔ مگر ریاست کا ایک بڑا حصہ جون پور کے معزز زمیندار مولوی عبدالجلیل کے پاس ایک معین وقت کے لئے تھا۔ جون پور تحصیل میں مہاراج بنارس کے اکہتر گاؤں مسلم اور

۲نو گاؤں میں حصے تھے۔ جس کی مال گذاری چھبیس ہزار ستاسی روپیہ تھی۔ منڈیاہوں میں ۲۴ مسلم اور چودہ حصے مال گذاری پندرہ ہزار ۱۷ روپیہ تھی پچھلی شہر میں بیس ۲مسلم اور چار ہی حصے تھے۔ مال گذاری تیرہ ہزار تین سو باتیس روپیہ تھی اور کراکت میں بارہ گاؤں تھے جس کی مال گذاری پانچ ہزار نو سو تیرہ روپیہ تھی۔

درگا داس بلکھاریہ

تاریخیں بتاتی ہیں کہ پہلے گروآرہ پرگنہ اور گھسوہ اور آس پاس کے بہت سے مواضعات پر ڈرگ بنسی زمینداروں کا قبضہ تھا۔ ڈرگ بنسی ڈکشت راجپوتوں کی ایک شاخ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ اجودھیا کے سورج بنسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جو بعد میں گجرات جاکر آباد ہوگئے۔ اسمیں سے کچھ لوگ قنوج چلے آئے۔ اور وہاں سے اناؤ تک پہونچ گئے۔ اور اناؤ میں انھوں نے ایک دکشتانہ نام سے ایک تعلقہ بسایا۔ وہاں سے کچھ لوگ نکل کر پرتاپ گڑھ چلے آئے۔ اور یہاں بلکھاریہ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ کیوں کہ پٹی تحصیل پرتاب گڑھ میں کورٹ بلکھاریہ مقام تھا۔ جہاں یہ لوگ مقیم تھے۔ اسمیں سے ایک شخص درگا داس نامی نے پرگنہ گروارہ میں اپنا قبضہ جمایا۔ اور ڈرگ بنسی خاندان سے اپنے کو شہرت دی۔ ان ہی میں سے ایک شخص ہرکشن رائے نامی نے اکبر بادشاہ سے راجہ کا خطاب حاصل کیا۔ کیوں کہ جھولسنی ضلع الہ آباد کے ایک بڑے ٹورنامنٹ میں ہرکشن رائے نے کچھ غیر معمولی قابلیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اور اسی زمانہ سے اس خاندان کے ہر شخص کو مناسب اعزاز مراتب راجہ حسن پور کی طرف سے دیئے جانے لگے۔

راجہ بلونت سنگھ کے زمانے تک یہ خاندان برابر ترقی کرتا رہا۔ جنھوں نے خود گھسوہ کے ایک سو دس مواضعات اور پرابہت کا لقب اپنے لئے حاصل کر لیا اور یہ لوگ اودھ کی طرف بڑھنے لگے۔ اور راجہ بانڈار کا تعلقہ جو آباد کیا تھا اپنے

ایجنٹ کے حوالے کر دیا۔ کچھ دنوں بعد یہ تعلقہ تین حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ جن کے نام ہیں۔ راجہ بازار۔ بجھوت اور پیری اور ان تینوں تعلقہ کا ۱۷۸۹ء میں علیحدہ علیحدہ بندوبست ہو گیا۔

راجہ بازار تعلقہ ہر کشن رائے کے پوتے رتن سین کو ملا۔ اور ان کے بعد رام دیال سنگھ ان کے وارث ہوئے۔ انھوں نے پتامبر مکرجی سے ریاست پر ایک بھاری رقم قرض لے لی جس کی وجہ سے بہت پریشان ہو گئے۔ اور ریاست پر بار ہونے لگا۔ جب ۱۸۲۲ء میں سرن سنگھ اپنے باپ کے بعد وارث ہوئے تو پتامبر مکرجی نے ان کے خلاف ایک مقدمہ دائر کر دیا مگر ۱۸۳۰ء تک مقدمہ کا فیصلہ ان کے موافق نہ ہو سکا۔ اس کے بعد سرب جیت سنگھ، راجپال سنگھ اور شیو منگل سنگھ راجہ کے تینوں بھائیوں نے اپنے اپنے حصے کا دعویٰ کر دیا۔ آخر کار ۱۸۳۳ء میں پتامبر مکرجی نے سولہ ہزار روپیہ پر ریاست سے سبکدوش ہونے پر راضی ہو کر صلح کر لی۔ مگر سولہ ہزار میں سے بعد میں کچھ بھی نہ پایا۔ ۱۸۳۵ء میں پتامبر مکرجی نے عدالت سے پھر ایک ڈگری حاصل کی۔ جس میں پوری جائداد مقروضہ ثابت ہوئی۔ جس پر ان کا قرض تھا۔ یہ واقعہ ۲ برس تک تعطل میں پڑا رہا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی ڈگری ایک معمولی رقم پر مسٹر جیمس پرواٹز کے ہاتھ فروخت کر ڈالی۔ جو فرید آباد و سجان گنج میں فارم قائم کئے ہوئے تھے۔ ۱۸۴۳ء میں مسٹر جیمس نے ایک ڈگری ریاست کو چوالیس ہزار پر فروخت کرنے کی حاصل کی۔ ابھی یہ کام پورا نہ ہوا تھا کہ ۱۸۴۲ء کو مسٹر جیمس اپنے گھر میں قتل کر دیئے گئے۔

راجہ جیت نرائن سنگھ جو اپنے والد سرن سنگھ کے مرنے کے بعد وارث ہوئے تھے اس قتل کے مقدمہ میں ماخوذ ہوئے۔ مگر صاف بری ہو گئے۔ ۱۸۴۵ء

میں مسٹر حمیس مرحوم کے وارث نے ایک دوسرا آرڈر فروختگی جائداد کا حاصل کیا اور جائداد مسٹر گبنس نے اڑتالیس ہزار پر خرید لی۔ پھر بانوے ہزار پانچ سو روپیہ پر رگھوبیر سنگھ کے ہاتھ فروخت کر ڈالی۔ اور رگھوبیر سنگھ نے فوراً اپنے لڑکے رام ناتھ کے نام کردی۔ اور رام ناتھ نے پچانوے ہزار روپیہ پر کشن نند مصر کے ہاتھ فروخت کردی۔ ۱۸۵۴ء میں راجہ نے دعویٰ دائر کر دیا۔ کہ یہ بیع ناجائز قرار دیا جائے۔ غرضکہ یہ مقدمہ ۱۸۶۲ء میں پریوی کونسل تک پہونچا۔

کشن نند محض ایک خریدار تھا۔ مگر اصلی وارث فیض آباد کے راجہ رگھوبیر دیال تھے۔ جن کے لڑکے نے ریاست کو معمولی قیمت ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ میں خرید لیا تھا۔ اور اس پر اپنا نام بھی چڑھا لیا تھا۔ تھوڑے دنوں میں ریاست مقروض ہونے لگی اور مالک ریاست نے بنارس کے ایک مہاجن ہرکھ چند کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس مہاجن سے ۲۰ نومبر ۱۸۷۰ء کو مہاراجہ وزیانگرم نے یہ ریاست خرید لی۔

اب اس ریاست میں ترسٹھ گاؤں مسلم تھے جو پرگنہ کرواڑہ میں تھے جس کی مال گذاری اکیس ہزار دو سو، ۲۰ روپیہ تھی۔ اور بنارس کی طرف سے اس شہر میں قائم کئے گئے ایک دفتر کی طرف سے اس کا انتظام ہوتا رہا۔ راجہ مہیش نرائن علانیہ کو اپنی ریاست سے علٰحدہ ہو چکے تھے۔ مگر پھر بھی آس پاس کے راجپوتوں پر اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ چوں کہ دراصل یہ کنور سنگھ کے نواسے تھے۔ اور اپنے ماحول اور اشتعال کی وجہ سے ۱۸۵۷ء کے غدر میں باغیوں کا ساتھ دے چکے تھے۔ مگر آخر میں اپنے کو سدھار کر گورنمنٹ کے وفاداروں کی صف میں آ چکے تھے۔ کیوں کہ برٹش فوجوں کو دشمنوں کا اڈہ بتلانے، آدمی مہیا کرنے اور طرح طرح کی خدمات انجام دے چکے تھے۔ اسلئے

گورنمنٹ کی طرف سے آنریری مجسٹریٹ کا خطاب عطا کیا گیا۔ اور پرتاب گڑھ ضلع میں پرہٹ ریاست اور سونتھا جون پور میں بھی دیا گیا۔ ۱۸۵۷ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے بعد آپ کی بیوہ دھرم راج کنور ریاست کی مالک ہوئیں اور نہایت خوبی کے ساتھ ریاست کا انتظام کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۰۶ء میں انتقال کرگئیں۔ مرنے سے پہلے راجپال سنگھ کے چھوٹے پوتے لال بہادر سنگھ کو اپنا وارث بنا گئیں۔ اس ریاست میں اڑتیس موضع مسلم اور چار میں حصہ داری جو رائے پور بیجو تعلقہ سے خریدا گیا۔ جس کی مال گذاری سات ہزار نوسو نوے روپیہ تھی اور منگولی ریاست جو نو مواضعات پر مشتمل تھی جس کی مال گذاری چھ ہزار چھ سو روپیہ تھی۔ اور رائے بریلی ضلع میں موضع ٹونگ سب اس ریاست میں شامل تھے۔

بیری اسٹیٹ ۱۸۱۷ء میں شیولال دوبے نے خریدی تھی۔ اور انھوں نے اسے مہاراجہ بنارس کے ہاتھ فروخت کردیا۔ صرف چند بیگھہ بیر رہ گئی تھی جو ٹھاکر رودیال سنگھ کے قبضہ میں آئی۔ بچھوٹ بھی مال گذاری نہ داخل کرنے کی وجہ سے ۱۸۰۲ء میں فروخت ہوچکا تھا۔ اس طرح درگ بنسی راجاؤں کی تمام جائداد نکل کر دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں پہونچ گئی۔

راجہ پرتھی پال سنگھ

پرتاب گڑھ ضلع میں بچگوتی ٹھاکروں کی بڑی ریاست رائے پور بچھور کے نام سے قائم تھی۔ رائے پور بچھور کے راجہ رائے پرتھی پال سنگھ ۱۸۹۶ء میں انتقال کرگئے۔ ان کے لڑکوں نے ریاست آپس میں تقسیم کرلی جسمیں سب سے چھوٹے لڑکے رائے بشیشور سنگھ کے حصہ میں جو جائداد آئی۔ اسمیں پرگنہ مونگرا کا تعلقہ جکھنیاں بھی آیا۔ یہ بھی ۱۸۹۹ء میں مرگئے۔ اور ان کی بیوہ ٹھکرائن ببراج کنور وارث ہوئیں جو اپنے آبائی وطن دادوپور کو چھوڑ کر بادشاہ پور رہنے لگیں۔ اور انھوں نے بادشاہ پور میں ایک شاندار عمارت

بنوائی۔ مگر ستمبر ۱۹۰۷ء میں یہ بھی مرگئیں۔ اور ریاست دوسری بیوہ ٹھکرائن بلاس کنور کے پاس آگئی۔ ان کی لڑکی کی شادی گورکھپور کے مجھولی کے راجہ سے ہوئی۔ ان کا لڑکا ریاست کا آخری مالک قرار پایا۔

اس ریاست میں اس وقت ۳۵ گاؤں مسلم اور تین حصہ داری تحصیل پٹی پرتاب گڑھ میں جس کی مال گذاری ۲۳ ہزار ۹ سو چھ روپیہ ہوتی تھی۔ اور جونپور میں پرگنہ مونگرا میں ۹ مسلم موضع اور اٹھارہ میں حصہ داری جس کی مال گذاری ۱۹ ہزار ایک سو پچانوے روپیہ تھی۔

ضلع پرتابگڈھ کے تعلقہ ادھرگنج دلیپ پور کے چگنوٹی راجہ امرپال سنگھ کا بھی گرواڑہ کے علاقہ میں اٹھارہ مواضعات میں حصہ تھا جس کی مال گذاری سات ہزار تین سو بیاسی روپیہ تھی۔ سنگرامئو کا بیس تعلقہ پرگنہ چاندہ کے تمام گاؤں پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ منڈیاہوں تحصیل میں بھی کچھ حصے تھے۔ یہ ریاست بہت پرانی ہے۔ یہ لوگ تلوک چندی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کا سلسلہ رائے بریلی مورانئو ہاؤس سے جاکر ملتا ہے۔

رندھیر سنگھ

سنگرامئو بہت دنوں تک اپنے قانون شکن اور بغاوت پسندانہ کارناموں کی بنا پر بدنام رہا ہے اور باغیوں کو ہر طرح کی امداد پہونچاتا رہا ہے۔ ڈنکین صاحب کے زمانہ میں اس کا مالک اکھڈھوت سنگھ تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ مال گذاری دینے کا نام نہ لیتا تھا اور جب کبھی سختی کی جاتی تو چاروں طرف گاؤں میں آگ لگا کر نواب کے حدود سے نکل کر کہیں مفرور ہوجاتا تھا۔ مگر جب نیا بندوبست ہونے لگا تو اس نے سب تخریبی کارروائیوں کو چھوڑ کر وفاداری کی راہ پکڑلی۔ اور پھر اپنی ریاست کا مالک ہوگیا۔

غدر کے زمانہ میں جب کہ اس ریاست کا مالک رندھیر سنگھ تھا۔ وہ حاکموں

کی نظر میں مشکوک چال چلن کا آدمی خیال کیا جاتا تھا۔ مگر راجہ مہیش نرائن کے اثر سے بغاوت ترک کر چکا تھا۔

کدھوا کی جنگ سے قبل بیس خاندان کا طریق کار اس قدر مشکوک ہو گیا تھا کہ رندھیر سنگھ کو گرفتار کر کے ان کی جانچ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ مگر ایک ایسا وقت آیا کہ وفادار بن گئے۔ اور مفید خدمات پیش کر دیں۔ اور اسی صلہ میں وہ آنریری مجسٹریٹی اور رائے بہادر کے خطاب سے سرفراز کئے گئے۔ یہ ۱۸۹۵ء تک زندہ رہے۔ اور مرنے کے بعد ان کی ریاست کی مالک ان کی بیوہ سون کنور رہیں یہ بھی ۱۹۰۴ء میں لاولد مر گئیں۔ اور یہ ریاست دو حصہ داروں کے مابین نزاعی ہو گئی تھی۔ وہ دو حصہ دار راجہ ہرپال سنگھ اور ٹھکرائین لچھراج کنور رہیں۔ راجہ ہرپال سنگھ کے خاندان کے لوگ اب بھی موجود ہیں۔ ان کے قبضہ میں پرگنہ چاندہ کے ۳۷ مسلم مواضعات اور ایک قریات سنڈھا ہیں جس کی مال گذاری اکیس ہزار چار سو نواسی روپیہ تھی۔

راجہ مہیش نرائن سنگھ

قوم ٹھاکر ورگ بنسی۔ راجہ بازار پرگنہ گڈوارہ تحصیل مچھلی شہر ضلع جونپور کے رہنے والے تھے۔ اور کنور سنگھ کے نواسے تھے۔ اس ریاست کے بانی راجہ رام دیال تھے جو بے حد بہادر و باحوصلہ و نصیبہ ور تھے۔

سلطنت کے آخر دور میں ابو المنصور صفدر جنگ کے زمانے میں اپنی حسن تدبیر سے چند ہم قوم بہادروں کی کوشش سے چند موضعوں پر بلا جنگ و جدل قابض ہو گئے۔ اور روز بروز اس میں اضافہ کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک دن بہت بڑے زمیندار بن گئے۔ اور دہلی دربار کو راضی و خوش کر کے راجہ کا خطاب حاصل کر لیا۔ ان کے مرنے کے بعد راجہ سرنام سنگھ ریاست کے مالک ہوئے۔ اور

انھوں نے ریاست میں اضافہ کیا۔ اور خوش انتظامی قائم کی اور باپ کی روش پر چلتے رہے جب یہ بھی مر گئے تو ان کے لڑکے راجہ مہیش نرائن ریاست کے مالک ہوئے۔ یہ بھی بیحد عقلمند اور سخی تھے اور اپنے اثر سے تمام لوگوں کو خوش اور راضی رکھا۔ اور انتظام ریاست کو عمدگی سے انجام دیتے رہے۔ اور انگریزی عہد میں پھر راجہ کا خطاب حاصل کیا۔

آخر میں قرضدار ہو کر مہاراج وزیانگرم کے ہاتھ ریاست فروخت کر ڈالی، اور سب کے قرض سے سبکدوش ہو گئے۔ آپ نے غدر ۱۸۵۷ء میں باغیوں کا ساتھ دیا مگر آخر میں گورنمنٹ کے وفادار ہو گئے۔ جس کے سلسلہ میں آنریری مجسٹریٹی کا عہد دیا گیا۔ ۱۸۸۷ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

شری ہرگوبند سنگھ

آپ موضع احمد پور کے رہنے والے ہیں جو جون پور سے پورب کی طرف ۸ میل کے فاصلے پر ظفر آباد سے متصل واقع ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۰۱ء میں ہوئی ہے۔ شروع میں گھر کے قریب پاٹ شالہ میں پڑھا۔ اس کے بعد ٹی ڈی کالج میں جو اس وقت اسکول تھا دسویں کلاس تک تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے فراغت کے بعد بنارس ہندو یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ وہاں سے بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی کی ڈگری حاصل کر کے جون پور تشریف لائے اور سول کورٹ میں پریکٹس شروع کر دی۔ یہ وہی زمانہ تھا جب ملک کے اندر آزادی کے لئے ایک چیخ و پکار ہر طرف مچی تھی۔

ہرگوبند سنگھ کو اس تحریک نے بہت متاثر کیا اور وکالت چھوڑ کر ملک کی آزادی میں نمایاں حصہ لینے لگے۔ جس کی پاداش میں ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۲ء میں نینی اور بنارس کے جیل میں بند رہنا پڑا۔ آپ اپنے ارادوں میں پختہ اور بہت مستقل مزاج تھے۔ ابتدا سے کانگریس کی سربلندی اور اس کے اصولوں کی پابندی



माननीय ठा० हरगोविन्द सिंह
गृह मन्त्री



شری لالتا سنگھ

کی پوری کوشش کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے عہدوں سے ترقی کرتے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں پہلے پارلیمنٹری سکریٹری ہوئے۔ اس کے بعد وزیر تعلیم ہوئے۔ پھر فائننس منسٹر مقرر کیے گئے۔ اور آخر کی منسٹری میں پلاننگ کے ساتھ ساتھ ہوم منسٹر بھی بن گئے۔ اور اسی عہدے پر سرفراز ہیں۔ آپ بہت ہی با اخلاق اور ملنسار ہیں۔ ہر شخص سے ملتے اور اس کی ضرورتوں کو سنتے ہیں۔ شہر میں کافی ہر دلعزیز ہیں۔ اہل جون پور کو آپ کی ذات پر بہت اطمینان و بھروسہ ہے۔ آپ بہت ہی دیانتدار و غیر متعصب اور اپنے ارادوں کے پختہ انسان ہیں۔ آپ جس کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتے ہیں کوئی طاقت اس سے باز نہیں رکھ سکتی آپ اچھے اسپیکر ہیں۔ اور اپنے مافی الضمیر کو بڑی خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ افسوس کہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

شری لالتا سنگھ

آپ کا سلسلۂ نسب پرتھوی راج چوہان والئی اجمیر سے ملتا ہے۔ شہاب الدین غوری کے حملے کے بعد یہ خاندان مختلف شاخوں میں تقسیم ہو کر تمام ملک میں پھیل گیا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ ملک کا چکر کاٹتے اور پریشانیاں برداشت کرتے ہوئے پہلے باکسٹرپور آئے۔ اور وہاں سے پھر موضع لبھوپور ضلع جون پور میں مستقل قیام پذیر ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیوپال سنگھ تھا۔ ان کے چار لڑکے ہیں۔ دوارکا سنگھ، کامتا سنگھ بدھو سنگھ اور لالتا سنگھ۔ یہ لوگ بہت اچھی حالت میں ہیں۔ زمینداری ٹوٹ گئی مگر کھیتی بہت کافی ہے اور بڑے انتظام سے کاشت کراتے ہیں۔

شری کامتا سنگھ نے محلہ دلازاک جون پور میں لڑکوں کی رہائش کے لئے ایک بورڈنگ ہاؤس (لاج) بنوائی ہے۔ جو کامتا سنگھ لاج کے نام سے مشہور ہے۔ اور بہت ہی بلند و پختہ عمارت ہے۔

لالتا سنگھ اور دوارکا سنگھ کے لڑکے راج کشیر سنگھ کلکتہ میں رہتے ہیں۔ وہاں

پر بہت بڑا کاروبار ہے اور درجنوں ٹرک چلتی ہے۔ لالتا سنگھ بذات خود بہت ہی با اخلاق، رحم دل اور ملنسار ہیں اور اسی وجہ سے بہت ہی ہر دل عزیز ہیں۔ راقم السطور سے بیس برس تک مقدمہ بازی ہوئی۔ مال، فوجداری، متفرقات اور دیوانی کے پچاسوں مقدمات لڑے۔۔۔ ہیں۔ اور کئی بار ہائی کورٹ تک جانا پڑا ہے اور ہائی کورٹ و بورڈ کی کئی نظیریں بھی ہوئیں ہیں۔ اور اس وقت بھی مقدمہ چل رہا ہے مگر میل محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس مقدمہ بازی میں لاکھوں روپے خرچ ہوئے ہیں۔ اہل علم اور ہم وطن کی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ اس کتاب کی تیاری میں بھی مالی معاونت فرمائی ہے۔ جس کا میں بہت ہی مشکور ہوں۔

رانی دھرم راج کنور

راجہ جہیش نرائن کے انتقال کے بعد ان کی بی بی رانی دھرم راج کنور ریاست کی مالک ہوئیں۔ یہ ملاپور کے زمیندار چھوٹو سنگھ کی بیٹی تھیں۔ ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوئی تھیں اور ساٹھ سال کی عمر میں ۱۸۷۷ء میں رانی کا خطاب حاصل کیا۔ یہ رانی بیحد سلیقہ مند اور منتظم و مدبر تھی۔ علاقہ کا کاروبار خود سنبھالتی تھیں۔ ہر روز دربار لگاتیں اور رنگین پردہ کے پیچھے تشریف رکھتیں۔ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملتا۔ زبان بے حد شیریں اور کلام ہر دل عزیز ہوتا۔

وفات کے قبل راجپال سنگھ کے چھوٹے پوتے لال بہادر سنگھ کو اپنا وارث بنا گئیں۔ اس ریاست میں ۳۸ موضع مسلم اور چار میں حصہ داری جو رائے پور بجور تعلقہ سے خریدا گیا۔ جس کی مال گذاری سات ہزار نو سو نوے روپیہ تھی۔ اور سنگولی ریاست جو نو مواضعات پر مشتمل تھی جس کی مال گذاری چھ ہزار چھ سو ساٹھ روپیہ تھی۔ اور رائے بریلی ضلع میں موضع ٹونک بھی اسی میں شامل تھا۔ بنیری اسٹیٹ ۱۸۱۷ء میں شیولال دوبے نے ضرور خریدا۔ اور انھوں نے مہاراجہ بنارس

کے ہاتھ فروخت کردیا۔ جو کچھ سیر بچی تھی وہ ٹھاکر روڈپال سنگھ کے قبضہ میں آئی۔

عبدالرؤف جعفری

پیدائش مچھلی شہر ۱۸۹۶ء۔ والد کا نام مولوی جعفر صادق تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں آگرہ کالج میں داخل ہوئے اور غالباً ۱۹۱۲ء میں ہائی اسکول پاس کیا۔ اس کے بعد الہ آباد کرسچین کالج میں انٹر میں داخلہ لیا۔ اور پاس ہوگئے اور ۱۹۲۱ء میں نان کوآپریشن تحریک میں حصہ لیا اور تعلیم چھوڑ دی۔

آپ جون پور میں پہلے شخص ہیں جس نے زمینداری نظام کے خلاف پہلے اپنے علاقہ کے کاشتکاروں کو آمادہ کیا۔ گھر والے جب لگان کی وصولی میں سختی کرتے تو آپ کاشتکاروں سے کہتے کہ تعجب ہے کہ ایک آدمی اتنے آدمیوں پر سختی کرے اور تم لوگ برداشت کرو۔ لگان کس بات کی دوگے زمین کے مالک تو تم ہو۔ اور اگر زیادہ سختی ہوتی اور جیل تک معاملہ پہونچتا تو خفیہ طور پر اپنے پاس سے لگان جمع کردیتے اس کے بعد کہتے کہ اس کاشتکار کی لگان تو ادا ہوچکی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لگان کی وصولی میں زبردست رکاوٹ ہونے لگی۔ اور آپ کے حصے کے علاقے دے کر آپ کو الگ کردیا گیا۔

۱۹۴۱-۴۲ء میں جب جرمنی نے روس پر حملہ کیا تو رؤف جعفری نے جاکر مولانا آزاد سے کہا کہ غضب ہوگیا ہے۔ اب آپ لوگوں کو اپنی پالیسی بدل دینی چاہیے اس کے بعد بہت بڑی میٹنگ بلائی گئی۔ رؤف جعفری صاحب کا یہ نظریہ تھا کہ سوویت روس آزادی چاہنے والے ملکوں کی نمائندگی کر رہا ہے۔ اس کی شکست سے آزاد پسند ملکوں کا زبردست نقصان ہوگا۔ اس لئے ہمیں اپنا نظریہ بدل کر سوویت روس کا ساتھ دینا چاہیے۔ لیکن مولانا آزاد کا خیال تھا کہ جرمنی روس کو شکست دیتا ہوا ہندوستان کو آزاد کرائے گا۔ رؤف جعفری کا نظریہ پنڈت نہرو سے ملتا تھا۔ ہمایوں

کبیر بھی آپ ہی کے ہم خیال تھے۔

آپ ۱۹۲۶ء میں ایک امریکن پروفیسر کی سرپرستی میں اس غرض سے امریکہ گئے کہ وہاں جاکر آزاد ملکوں کا جائزہ لیا جائے۔ اور وہیں صحافت کی تعلیم حاصل کی وہاں ایک کتاب "انڈیا" رجنی پام دت کی آپ کو دیکھنے کو ملی۔ اس کتاب نے آپ کے اندر زبردست انقلاب پیدا کیا اور اس درجہ پسند آئی کہ اس کے مصنف سے ملاقات کے لئے انگلینڈ گئے۔ مگر ملاقات نہ ہو سکی۔ وہاں آپ نے بڑے بڑے لیڈروں سے ملاقات کی جس کی وجہ سے خیالات میں اور بھی پختگی پیدا ہو گئی۔ وہاں سے واپسی کے بعد اسی کام میں لپٹ گئے۔ اور بہت بلند مقام پیدا کیا۔ آپ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۲ء میں جیل بھی گئے تھے۔

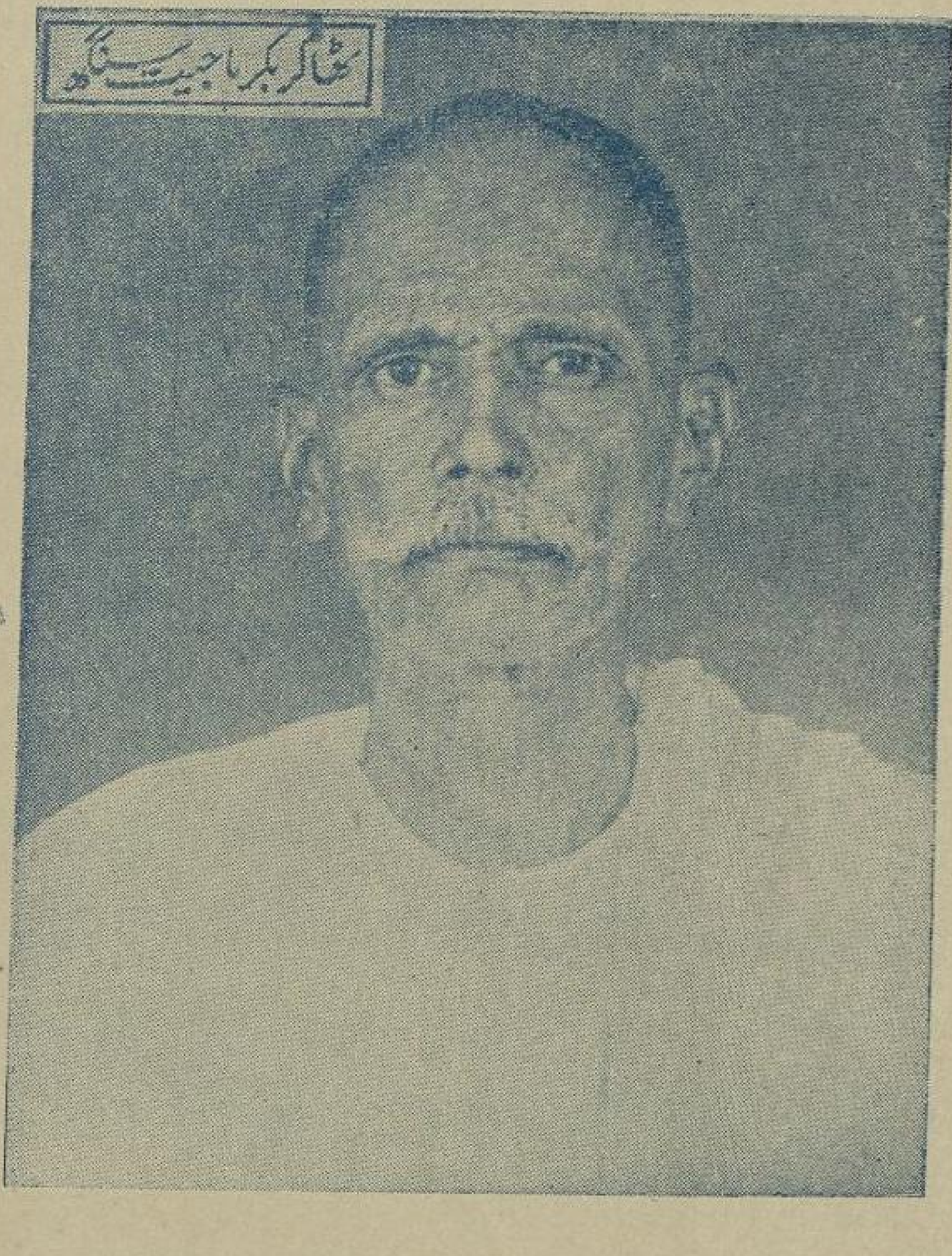
آپ کے والد بھی انگریزوں کے خلاف لڑائی میں جھوسی تک فوج لے کر گئے تھے۔ (مولوی محمد حسن مرحوم ماموں تھے۔)

۱۹۲۶ء میں کینٹس یونیورسٹی سے ایم۔ اے پاس کیا۔ اس کے بعد برطانیہ جرمنی، فرانس، اٹلی اور دیگر ممالک گئے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں واپس آئے۔ رائٹر اور A.P.I میں جنرل منیجر ہو گئے۔ ۱۹۴۱ء میں محمد حسن کا انتقال ہو گیا۔

۱۹۳۹ء، ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ء میں کارنمایاں انجام دیا اور کئی بار جیل گئے۔ ۱۹۳۹ء میں نہرو جی نے کانگریس کا انچارج بنا کر جون پور بھیج دیا۔ چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ ۱۹۴۸ء تک رہے۔ اس کے بعد ۱۹۵۲ء میں پارلیمنٹری سکریٹری اور ۱۹۵۷ء میں ڈپٹی منسٹر مقرر ہوئے۔

بکرماجیت سنگھ

سوم بنسی ٹھاکر (چندر بنسی) الیثوری بخش سنگھ اس خاندان کے مورث ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب جن میں جے سے ملتا ہے۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ راجہ جنک کا پایہ تخت دہلی تھا۔ الیثوری


ٹھاکر بکرماجیت سنگھ

بخش سنگھ سب سے پہلے پرتاب گڑھ آئے اور سکونت اختیار کی۔ وہاں پر انھوں نے کافی زمینداری خریدی۔ اور بڑی شان و شوکت سے زندگی بسر کی۔ ان کا انتقال پرتاب گڑھ میں ہوا۔ ان کے لڑکے شیونرائن سنگھ نے اپنی سکونت موضع گجنیدرپور میں لب دریا گومتی منتقل کر لی۔ کافی جائداد خریدی اور باغات لگائے۔ اس وقت سے یہ خاندان جون پور میں مستقل طور پر آباد ہو گیا۔ شیونرائن سنگھ کے دو لڑکے تھے۔ دیی دین سنگھ اور سیتلا بخش سنگھ۔ دیی دین سنگھ کے تین لڑکے ہوئے۔ بھگوان پرشاد سنگھ کیدار ناتھ سنگھ اندرجیت سنگھ۔ سیتلا بخش سنگھ کے دو لڑکے بکرماجیت سنگھ اور لب ناتھ سنگھ لب ناتھ سنگھ کے رام مورت سنگھ بقید حیات ہیں۔ پرتاب گڑھ سے یہ خاندان شاہ عالم بادشاہ کے زمانہ حکومت میں جون پور منتقل ہوا۔ اس وقت موضع گورا وغیرہ جو گجنیدرپور سے پورب میں ہے۔ ہمت علی وغیرہ کی زمینداری تھی جنکے قتل کے بعد انکی بیوہ مسماۃ سینڈھا بی بی وارث ہوئیں۔ پرگنہ قریات سینڈھا انھیں کے نام سے مشہور ہے۔ آخر کار یہ زمینداری سید غوث علی و سید رحم علی رئیس جونپور نے خرید کیا۔ جو آخر میں سید عنایت حسین کو ملی۔ بکرماجیت سنگھ بہت ہی باحیثیت بااخلاق، ایماندار اور عقلمند لوگوں میں ہیں۔ آپ کی ہمت بہادری، جرأت اور سچائی قابل داد ہے۔ جس کا چرچا ہر خاص و عام کی زبان پر ہے۔ آپ اپنی زبان کے بہت دھنی ہیں۔ جو کچھ زبان سے نکل جائے اس کو ضرور پورا کرتے ہیں بھگوان پرشاد سنگھ، کیدار ناتھ سنگھ اور اندرجیت سنگھ وغیرہ کو بھی اپنے خاندانی وقار اور عزت کا پورا لحاظ و پاس ہے۔ ان کی باتیں وزن دار ہوتی ہیں۔ اطراف نواح کے لوگ اس خاندان کو بہت ہی وقار و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خدا کرے یہ بات آنے والی نسلوں میں بھی باقی رہے۔ راقم الحروف کی تمام جائداد حقیقت

میں بکرماجیت سنگھ اور ان کے بھائیوں کی کوشش اور کاوش کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے میرے ساتھ جو عظیم احسان کیا ہے وہ ایسی کا حصّہ ہے جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔[1]

جون پور میں بسنے والی قومیں

جون پور، بنارس کے قرب میں ہونے کی وجہ سے ہندوؤں کا شہر رہا ہے۔ کیوں کہ یہاں اسلامی سلطنت کے قیام کے زمانے میں بھی تناسب ہندوؤں کا زیادہ رہا ہے یعنی پورے ضلع میں ہندو ۷ء۰۹ فیصدی ۱۹۰۱ء میں آباد تھے۔ اور ۱ء۹ فیصدی مسلم آبادی تھی۔ شہری حصہ میں البتہ مسلمان تقریباً ۴۰ فیصدی آباد تھے

جون پور ایسا شہر ہے جہاں ۱۹۰۱ء تک جینیوں کی تعداد بالکل نہیں تھی۔ آریہ سماج بھی چوں کہ نیا فرقہ ہے اس لئے اس کا کوئی شمار نہیں۔ پھر بھی فی صد کچھ آریہ سماج لوگ موجود ہیں۔ ان کا ایک سنسکرت اور ایک ورناکیولر پرائمری اسکول موجود تھا۔ آریوں میں زیادہ تعداد راجپوتوں کی ہے۔ اس کے بعد کائستھ اور برہمن بھی شامل ہیں۔ کرسچین کی تعداد بھی جون پور میں بہت کم ہے۔ ۱۸۹۱ء میں ۱۸۹۔ اور دس برس قبل ۱۳۱ تھی۔

جون پور میں چرچ مشن نے ۱۸۴۲ء سے کام شروع کیا اور فری اسکول

---

[1] یہ تمام حالات تذکرۃ الامراء و تذکرۂ قلمی۔ گزیٹیر جونپور سے لئے ہیں اور مؤلف نے خود بھی اس خاندان کے سربرآوردہ حضرات سے ملکر اور کاغذات دیکھکر حالات قلم بند کئے ہیں۔

کی بنیاد ۱۸۳۰ء میں ڈالی تھی۔ غدر میں تمام عمارتیں مشن کی اور اسکول معہ لائبریری کے جلا دیئے گئے۔ ۱۸۶۳ء میں اسکول گورنمنٹ کے تحت آ گیا اور پھر عمارتیں وغیرہ بنوائی گئیں۔ مگر ۱۸۷۱ء کی باڑھ میں پھر برباد ہو گئیں۔ اور دو برس بعد ایک نئے اسکول کی مسجد اٹالہ کے پاس بنیاد پڑی۔ ظفر آباد میں بھی ایک مشن اسکول تھا۔ مگر غدر کے بعد فنڈ کی کمی کی وجہ سے بند کر دیا گیا۔ ۱۸۳۲ء میں کیپٹن کیٹو نے چرچ تعمیر کرایا۔ جو بشپ ولسن کے زیر نگرانی تھا۔ مشن کی نگرانی میں ایک اسپتال جون پور میں اور ایک شاخ کراکت میں کھولی گئی تھی۔ اور کافی لوگ فائدہ اٹھاتے تھے۔

ہندو

جون پور کے ہندو۔ یوں تو دوسرے ضلع کے ہندوؤں سے ملتے جلتے ہیں۔ مگر کچھ مخصوص لوگ اپنی ایک خاص قومیت رکھتے ہیں۔ بنارس کے ہندوؤں کا شیو جی پر بہت زیادہ اعتقاد ہے۔ اسی کا اثر جون پور کے ہندوؤں پر پڑا ہے۔ بنارس کے لوگ مذہبی دیوتاؤں سے خوش اعتقاد رہنے کے علاوہ اور کسی شئے کی طرف مشکل ہی سے مائل ہوتے ہیں۔

مردم شماری کے زمانہ میں یہ کوشش کی گئی تھی کہ تمام قوموں کو علاحدہ تقسیم کر دیا جائے۔ مگر نہ ہو سکا۔ اس وقت سے کچھ ہندوؤں نے آزادی سے جس عقیدہ کو چاہا اپنا یا۔ جون پور کے ہندوؤں میں کچھ تعداد ایسی بھی ہے جو پانچو پیر کو ماننے والی ہے اور یہ ایسا رواج ہے جو یوپی کے مشرقی اضلاع میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اور ہندوؤں کی چھوٹی قوموں میں رائج ہے۔ اور مسلمان بھی اس کے ماننے والے ہیں۔

پانچوں پیر کے نام سے جس کی پرستش کی جاتی ہے دراصل اس کا سلسلہ مسلمانوں سے ملتا ہے۔ حالاں کہ ہندو بھی اچھے خاصے حصے دار دکھائی دیتے ہیں۔ جب قافلے سالار سید مسعود غازیؒ کی درگاہ کی زیارت کے لئے بہرائچ جاتے ہیں۔ مسعود غازیؒ اس علاقہ میں غازی میاں کے نام سے مشہور ہیں۔ جو کسی زمانہ میں شہید ہوئے تھے۔

اور ان کی درگاہ پر سالانہ جانے والوں میں چالیس فی صدی ہندو ضرور ہوتے ہیں۔

اس اعلیٰ طبقہ ہندوؤں میں دو فرقے ہیں (۱) ویشنو شیز (۲) شیو شیز، فرقہ اول دو طبقوں میں تقسیم ہے۔ راما نندی اور ولبھ آچاریائی۔ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ہندو قوم بہت سے فرقوں سے مل کر بنی ہوتی ہے۔ مردم شماری کی رپورٹ میں کم از کم بہتر مختلف اقوام اور قبیلے ہندوؤں کے درج ہیں۔ ان میں غریب امیر اونچے نیچے سبھی ہیں۔ مگر ایسے لوگ جو اپنے کردار اور اصول میں بہت اچھے کہے جا سکتے ہیں۔ ان کی اکثریت ہے۔ ایسے لوگ اسی عقیدے کے ہیں جیسے کہ اودھ کے پوربی شہروں بنارس اور گورکھپور کے لوگ ہیں۔

ہریجن یہاں کے ہندوؤں میں سب سے پہلے ہریجن قوم قابل ذکر ہے۔ جو ہندوؤں میں کافی ملے جلے ہیں۔ بعض بعض مقامات پر ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مثلاً میرٹھ اور گورکھپور میں بہت زیادہ تعداد ہے۔ جونپور میں ان کی اکثریت کٹھن اور کراکت تحصیل میں ہے۔ یوں تو جون پور ضلع بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ یہاں جلیوارا اور ریداس کے نام سے مشہور ہیں۔

پہلے یہ فرقہ زیادہ تر زمینداروں کے کھیت میں کام کرتا تھا۔ عورتیں اور مرد دونوں کام کرتے تھے۔ ان میں بہت کم زمینوں کے مالک ہیں۔ اور زیادہ تر باہر شہروں میں جا کر نوکری کرتے ہیں۔ ۱۹۰۱ء کے بعد سے خصوصاً کانگریس راج میں ہریجنوں کو کافی ترقی دی گئی۔ ان کے واسطے تعلیم فری ہے اور نوکری کے لئے تعداد مقرر کر دی گئی ہے۔ اور اب اچھے حالات کے مالک ہو رہے ہیں۔

اہیر

ان کا تناسب پورے ضلع جون پور میں ۱۹۰۱ء میں ۵ ۳/۴ فی صدی سے زیادہ تھا۔ شہری حصہ میں بہت کم آباد ہیں۔ ان کا تعلق گورکھپور کی برادری سے ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر اپنا پیشہ یعنی مویشی پالنا دودھ اور گھی کا روزگار کرتے ہیں۔ مگر کچھ ایسے بھی ہیں جو بڑے بڑے زمیندار ہیں اور سیکڑوں بیگہہ کھیتی کے مالک ہیں کھیتی کرنے والوں میں ان کا نمبر سب سے آگے ہے۔ محنتی، بہادر اور ہمت ور ہوتے ہیں۔ یہ عام طور پر گوالابنس اپنے کو کہتے ہیں اور کچھ ڈھنڈھور بھی ہیں۔ یہ قوم یوپی کے نصف مشرقی حصہ میں زیادہ آباد ہے۔

برہمن

جون پور میں برہمنوں کی آبادی ۱۹۰۱ء میں تقریباً ۱۲ ۱/۲ فی صدی رہی ہے۔ منڈیاہوں اور مچھلی شہر تحصیلوں میں ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور کراکت میں بھی نمایاں طور پر ہیں۔ برہمنوں میں بڑے بڑے راجہ اور زمیندار بھی ہیں۔ مثلاً راجہ جون پور دوبے برہمن ہیں۔ اور دوسرے مقامات پر اچھی حالت میں ہیں۔ کہیں کہیں برہمن کھیتی کسانی بھی کرتے ہیں۔ مگر اس کام کو اچھا نہیں سمجھتے یہ لوگ سرورِیہ فرقہ کہلاتے ہیں۔ مگر اس کے علاوہ گوڑ اور قنوجیہ بھی کہے جاتے ہیں۔ مذہب اہل ہنود کے تمام مذہبی رسومات شادی، غمی۔ ہر اقوام ہنود کی برہمن ہی انجام دیتے ہیں اور ہر قوموں سے افضل و برتر مانے جاتے ہیں۔

راجپوت

راجپوت ہندوستان کی سب سے زیادہ مشہور قوم ہے اور جونپور میں بھی اس قوم کو نمایاں شخصیت حاصل ہے تاریخ میں ان کا نام ضرور آتا ہے۔ کیوں کہ یہ تاریخ میں ایک نمایاں کردار رکھتے ہیں۔ اور زمین و زمینداری سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ یہ جون پور میں تقریباً ۱۹۰۱ء میں ۹ ۱/۲ فی صد آباد تھے۔ مگر ہر تحصیل میں بلند شخصیت کے مالک ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر زمیندار ہیں۔ اور تھوڑے کاشتکار بھی ہیں۔ اچھی حالت میں بھی رہ کر کھیتی کسانی ہیں۔

ساجھے داری کے سبب اور دیگر قوموں کے فروغ کے سبب کچھ نقصان میں رہتے آئے۔ یہ کھیتی کسانی میں ماہر نہیں۔ اور ان کی فضول خرچی اس بات کی متقضی نہ ہوئی کہ یہ اپنے باپ دادا کی جاگیروں کو سنبھال سکتے۔ اس لیے سجون پور میں ان کو اتنا ہی نقصان برداشت کرنا پڑا جتنا کہ ان کے خاندان کے دوسرے لوگوں کو بنارس میں برداشت کرنا پڑا۔

راجپوتوں میں سب سے بڑا فرقہ رگھو بنسی ہے جو ہر تحصیل میں پایا جاتا ہے اس کے بعد یہ فرقہ کراکت میں پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے کو اجودھیا کے راجہ کے خاندان کا بتلاتے ہیں اور ان کی ابتدائی تاریخ بالکل روایتی ہے۔ سب سے پہلا نام ڈمن دیو آف چندراوتی ہے جو ضلع بنارس میں ہے اور ان ہی سے سب اپنا رشتہ جوڑتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا اصلی خاندان چندوک میں اور اس کے آس پاس میں آباد ہوا اور ان کا سب سے بڑا جماؤ ڈوبھی میں ہوا تھا۔ اور دوسرا گروہ تربوچن مہادیو میں آکر آباد ہوا۔ اور بیانسی پرگنہ کے بیالیس گاؤں میں آباد ہو گیا۔

رگھو بنسی خاندان باوجود طاقتور ہونے کے کوئی نمایاں شخصیت حاصل نہ کر سکا۔ اور ایسے عادات و اطوار کے حامل رہے جو ان کو ان کی میراث سے کوسوں دور لیتا چلا گیا۔ اور یہ زمینداری اور حکومت سے بالکل علاحدہ ہو گئے۔ پہلے یہ لوگ بغاوتوں میں حصہ لیتے رہے۔ مگر بعد میں سدھر گئے اور اپنے اتحاد و انتظام میں نمایاں حیثیت پیدا کر لی۔ اور کچھ ان میں کے عدالتوں میں چھا گئے۔ اور کچھ سررشتہ تعلیم کی طرف مائل ہوئے۔

۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق بیس راجپوت پورے ضلع میں پائے جاتے تھے۔ مگر کتھن اور جون پور تحصیل میں ان کی اکثریت تھی۔ ان کا سلسلہ اودھ کے بیس راجپوتوں سے نہیں ملتا۔ اس کی تحقیق نہیں ہو سکی۔ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ

ان لوگوں نے جون پور سے پرانے بھروں کو نکال کر ان کی جگہوں پر قابض ہو گئے۔ جیسا کہ پورب میں بسنے والے دیگر راجپوتوں کا واقعہ ہے۔

سب سے زیادہ حبا خاندان کا گومتی کے کنارے تھا جس کو لو کا سنگھ نے آباد کیا تھا۔ اب یہ خاندان وہاں سے نکل کر گنون تحصیل منڈیاہوں آ کر بس گیا۔ درگ بنسی راجپوت بھی قابل ذکر ہیں مگر ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ نے ان کو نظر انداز کر دیا۔ یہ لوگ ڈکھپت راجپوت کی ایک شاخ ہیں اور ان کا سلسلہ اوناؤ کے ڈکھپت خاندان سے ملتا ہے اور پرتاب گڑھ کے ملکھریہ سے جو امری اور انتو کے زمیندار تھے۔ سب سے پہلے لوگ پرگنہ گرواره میں پھیل گئے۔ اور کچھ راری اور قریات مینڈھا میں بھی آباد ہوئے۔ اور آہستہ آہستہ مچھلی شہر اور منڈیاہوں میں بھی ان کی تعداد سات سو چھپن تک پہونچ گئی تھی جیسا کہ ۱۹۰۱ء کی رپورٹ سے ظاہر ہے

نندوک

نندوک راجپوت کا بھی ذکر ۱۸۹۱ء کی مردم شماری میں نہ آسکا۔ یہ لوگ کچھواہا ہیں کہے جاتے ہیں۔ اور منڈیاہوں برسٹھی، گوپال پور میں زیادہ آباد ہیں۔ ان لوگوں نے نندوک میں قلعہ بندی کر رکھی تھی۔ مگر راجہ بلونت سنگھ بنارس نے مسمار کر دیا۔ اور چاہتے تھے کہ اس خاندان کے زور کو توڑ دیں۔ مگر برٹش سلطنت کے زمانے میں ان لوگوں کو پھر جائدادیں واپس مل گئیں۔ ان کا خاص خاندان نیگو، بہیری محمد پور اور نیوڑھیا میں آباد ہے۔

اس کے بعد چگوتی راجپوت کا نمبر آتا ہے۔ جو خاص کر مچھلی شہر تحصیل میں آباد ہیں۔ یہ لوگ سلطان پور اور پرتاب گڑھ کے خاندانوں سے سلسلہ رکھتے ہیں مگر خود جونپور کو پسند کیا۔ ان سے پہلے یہ خاندان ادھر میں آباد ہو چکا تھا۔ ان کے بعد اگمار راجپوت قابل ذکر ہیں جو کھٹن تحصیل میں زیادہ ہیں۔ اور یہاں سے سلطان پور تک پھیل گئے۔ وہاں ان کے خاص ٹھکانے دیرا، گڑوار اور میو پور میں ہیں انہیں

کچھ مسلمان ہو گئے ہیں۔ جو خان زادے کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ضلع سلطان پور کی ریاست حسن پور کے بھی بچگوٹی راجپوت مسلمان ہو گئے۔ پنوار بھی ہر تحصیل میں موجود ہیں۔ مگر زیادہ مشہور نہیں ہیں۔

ان کے علاوہ چندیل راجپوت بھی قابل ذکر ہیں جو دریائے سئی کے کنارے اور جون پور میں آباد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ کان پور سے چار صدی قبل جون پور آ کر آباد ہوا۔ اور آتے ہی بھروں کو نکال باہر کیا۔ ان کے تعلقے بن صفا اور کھپرہا برٹش سرکار میں داخل ہو گیا۔ پہلا بنارس راج میں مل گیا۔ اور دوسرا زمانہ شیو لال دوبے جون پور کے دوبے راج میں آ گیا۔

بی سین

بی سین فرقہ دوسروں کی طرح اپنی شاخ مجھولی ضلع گورکھپور سے ملاتا ہے۔ یہ لوگ اب سے ساڑھے تین سو برس پہلے آئے اور تعلقہ بدلاپور حاصل کر لیا۔ جو بھیلوں کے پاس تھا۔ ان میں سے تقریباً نصف منڈیاہوں میں آ کر آباد ہوئے۔ آج کل ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔ ان کے ہاتھوں سے ان کی جاگیریں نکل چکی ہیں صرف تھوڑی سی زمینداری باقی رہ گئی ہے۔

اب جو راجپوت بچے ہیں ان میں سب سے زیادہ نمایاں گوتم ہیں۔ یوں تو پورے ضلع میں پھیلے ہوئے ہیں مگر اکثریت ان کی کراکت میں ہے۔ گہرواہہ بھی کراکت میں کافی ہیں۔ چوہان قوم کٹھن اور جون پور میں پائے جاتے ہیں۔ اور سمبنسی قریب قریب ہر تحصیل میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا سلسلہ پرتاب گڈھ خاندان سے ملتا ہے۔ یہ لوگ اپنے کو سب سے اہم ٹھاکر کہتے ہیں۔ بکرماجیت سنگھ و بھگوان پرشاد سنگھ ساکن گجین پور سمبنسی ٹھاکر ہیں۔

یہ لوگ ابتدائً پرتاب گڈھ کے رہنے والے تھے۔ مگر ایک عرصہ سے موضع گجین پور تحصیل شاہ گنج میں آباد ہیں۔ یہ لوگ باوجود خاندانی زمینداری کے اچھی حالت و حیثیت

یں ہیں۔ اور ابھی تک اپنے خاندانی وقار اور شان کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ بچھ ماجیت
سنگھ نہایت ایماندار اور با اخلاق لوگوں میں ہیں۔ قدیم وضع وقطع سے رہتے ہیں۔
نکمبھہ خاندان کراکت میں آباد ہیں، سورج بنسی، کچھواہا، سنگار، سولنکی
صرف منڈیاہوں میں ہیں اور بندیہ لوگ جون پور میں آباد ہیں۔ بسلسلہ ١٩٠١ء کی رپورٹ
میں جو درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔ ان میں سنوار لوگ ہیں جو کھبو ہار کی ایک شاخ
ہیں۔ کرد پور اور احمد پور ظفر آباد میں اچھی حالت میں ہیں اور جون پور تحصیل کے پریاواں
موضع میں بھی ہیں۔ چھپتوریہ لوگ ڈکھپت کی ایک شاخ ہیں اور زیادہ تر غازی پور میں
آباد ہیں۔ ان میں سب سے قدیم فرقہ موناہے جن کی تعداد وہی ضلع مرزاپور میں اکثریت ہے
اس کے بعد چوپٹ کھمبھ کا نمبر آتا ہے۔ یہ لوگ راجپوت نہیں ہیں بلکہ یہ
برہمنوں کی ایک شاخ ہیں۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ دو سرد یہ برہمن ٹھکیلی
میں آکر آباد ہوئے جو جون پور میں ہے۔ اس میں سے ایک نے راجپوت لڑکی سے
شادی کرلی۔ جو راجہ جے چند کی لڑکی تھی۔ اس لئے اس کی ذات میں فرق آگیا۔
اور اس کو چوپٹ کھمبھ کہا جانے لگا۔ ان کی نسل کے لوگ اب راجپوت کہلاتے ہیں
اور یہ لوگ تحصیل کراکت کے پٹہ۔ گذارہ، لپارا اور دریا پار میں آباد ہیں۔
اس کے علاوہ اور بھی راجپوت شمار سے رہ گئے ہیں۔ مگر ان کی تعداد بہت
کم ہے۔ اور زیادہ مشکوک چھتری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور پوربی علاقہ میں
ان کا کوئی وزن نہیں ہے۔

کوئری

جون پور میں کوئریوں کا کام زیادہ تر ترکاری کی کاشت اور اس کے
لوازمات لہسن، پیاز، آلو وغیرہ بونے کا ہے۔ اور ان کی کچھ تعداد غلہ
اور تمباکو بوتی ہے۔ ان لوگوں نے دوسری جگہوں کے کچھی اور موراؤ کی جگہ لے
لی ہے۔ ان کی تعداد ضلع میں اچھی خاصی ہے۔ مگر مچھلی شہر اور جون پور میں خصوصیت

کے ساتھ آباد ہیں۔ اس قوم کو کھیتی کسانی میں بڑی مہارت حاصل ہے جس کا دوسری کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ اپنے کھیت سے بہت زیادہ پیداوار حاصل کرتے ہیں اس لئے ان سے مال گذاری بھی زیادہ لی جاتی ہے۔ کوریوں میں بہت سی شاخیں ہیں مگر سب عام طور پر قنوجیہ ہیں۔

کورمی کورمیوں کی آبادی بھی ضلع جون پور میں اچھی خاصی ہے مگر مچھلی شہر اور منڈیاہوں میں کافی اکثریت ہے۔ اسمیں ایک شاخ پنچاریہ ہے جو پرگنہ گڈھ میں آباد ہے۔ یہ لوگ کھیتی کسانی کے علاوہ کارخانوں میں بھی صنعت اور حرفت میں گھسے ہوئے ہیں۔ بعض بعض جگہ یہ ملکیت بھی رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ جن فرقوں کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے۔ ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کی سب کی نظروں میں ہے۔ ان میں لوہار بھی شامل ہیں۔ ۱۹۰۱ء میں جون پور میں ستائیس ہزار سے زیادہ آباد تھے اور گورکھپور میں بھی ہیں کیوٹ ۲۷ ہزار کٹھن میں اکثریت ہے۔ پاسی بھی اتنے ہی تھے۔ کہار بکھرے کٹھن اور کراکت میں زیادہ تھے۔

بنیا، کمہار، گڈریہ اور تیلی بھی بیس ہزار سے ہر ایک زیادہ تعداد میں پائے جاتے تھے۔ بنئے یوں تو جون پور کی ہر تحصیل میں ہیں مگر کٹھن میں بکھرے پڑے ہیں ان کی ایک خاص شاخ اگرہری ہے جو تعداد میں کم اور کٹھن اور جون پور میں آباد ہے اور کاندو بھی کراکت میں زیادہ ہیں۔ اومار جون پور اور مچھلی شہر میں اور کسوندھن بھی انھیں دونوں تحصیلوں میں ہیں۔

برن وال کٹھن میں اور کسروانی بہت قلیل تعداد میں ہیں۔ اس کے علاوہ کو یوری اگروال اور رونیار ہیں۔ ان کے بعد اب بہت مختصر تعداد والی قومیں ہیں۔ مثلاً نونیہ کالستھ ان میں ایک شاخ سر یواستوا ہے۔

دھوبی، تانتی، ملاح یہ لوگ آگرہ اور گورکھپور میں زیادہ تعداد میں آباد ہیں کلوار، بھی یہاں دارو یا شراب کے پیشے کے لئے مشہور ہیں۔ اور بھڑبھونجا، سونار بھوئنہار، بھرتی، حلوائی اور مشہر، ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ان میں بھوئنہار زیادہ ہیں جو کراکت اور جون پور میں بسے ہیں۔

یہ قوم پرگنہ دریاپار سے باہر نہیں پائی جاتی۔ اور قریات دوست کے ونوادا میں بھی یہ ہی حال ہے۔ یہ زیادہ تر کاشتکار ہیں۔ سب سے کم تعداد والوں میں سب سے پہلے دھرکار ہیں۔ جو ایک طرح پر ڈوم سے ملتے جلتے ہیں۔ مرزاپور اور بستی میں ان کی تعداد زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ کھٹک، بھاٹ، بڑھئی، مالی، فقیر، برئی اور بند قومیں بھی ہیں جو بہت کم ہیں۔

مسلمان

جتنے مسلمان ضلع جون پور میں ۱۹۰۱ء میں آباد تھے۔ ان میں مردم شماری کے لحاظ سے ۹۰٫۴ فیصدی سنی مسلمان تھے۔ اور ۹٫۶ فیصدی شیعہ تھے۔ اور بقیہ شیخ ذات۔ اور مقامی بزرگوں کے نام سے موسوم تھے۔ یوپی کے اضلاع مراد آباد، لکھنؤ، مظفر نگر میں شیعوں کی بہت بڑی آبادی ہے۔ اور یہ قوم بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھی۔ جون پور میں بھی بہت سے باعزت خاندان آباد ہیں۔ اور مچھلی شہر تحقیقیں اور سادات مسونڈا میں بھی کافی عروج پر تھے۔

دیہات میں سادات مسونڈا، رنو چھوڑ کر ہر جگہ سنی مسلمان زیادہ ہیں۔ رانی مئو اور ردھولی کٹھن پرگنہ میں بھی شیعہ زیادہ اچھی پوزیشن رکھتے تھے۔ شیعہ اور سنی میں عداوت کا سبب بے بنیاد باتیں ہیں۔ مگر جب محرم، چہلم اور ربیع الاول کا زمانہ .... آتا ہے تو دونوں کے جھگڑے کی وجہ سے شہر کے حکاموں کی تکلیفوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مگر دونوں طرف کے ذمہ دار اور با اثر لوگ اپنی پوری توجہ دونوں فرقوں

کی بدمزگی کی طرف مبذول کر دیتے ہیں۔ اور امن برقرار رکھتے ہیں۔

مسلمانوں میں بھی کئی فرقے اور مذہب ہیں۔ مردم شماری کے اعتبار سے چھپن فرقے جون پور میں پائے جاتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو گنتی شمار میں بہت کم ہیں صرف چار فرقے ایسے ہیں جن میں دس ہزار ہر ایک کی تعداد ہے۔ یا کچھ کم و بیش۔ ان میں سب سے پہلی تعداد انصاریوں کی ہے۔ جو پوری مسلم آبادی میں چوتھائی تعداد رکھتے ہیں۔ ان میں ایک تہائی مچھلی شہر میں آباد ہیں اور یوں تو ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ جون پور اور کنٹھس میں تو شیخوں سے بھی بڑھ گئے ہیں۔ انصاریوں کا عام پیشہ کرگھہ کے ذریعہ کپڑا بننا تھا۔ اور ان کی زیادہ تعداد اب بھی اپنے کام میں لگی ہوئی ہے۔ یہ لوگ دستی سانچہ بھی چلاتے ہیں اور پاورلوم پر بھی کام کرتے ہیں۔ اس لئے کلکتہ، بمبئی، احمد آباد وغیرہ میں بناتی کے کام میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن لوگوں نے اپنا آبائی پیشہ اختیار نہ کیا وہ کاشتکاری اور تجارت کی طرف مائل ہو گئے۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے تعلیم حاصل کرکے اپنی قوم کے ہر ایک کام کو ترک کر دیا اور نوکری پر گذر بسر شروع کر دیا۔

ان ہی سے ملتی جلتی ایک قوم اور بھی ہے جس کو بہنا یا دھنیاں کہتے ہیں ان کا کام روئی کو دھنکنا ہے۔ ان کی تعداد انصاریوں سے کم ہے۔ مگر جہاں جہاں بھی انصاری پائے جاتے ہیں وہیں یہ لوگ بھی ہوتے ہیں۔ مچھلی شہر میں زیادہ آباد تھے مگر اب ہر جگہ پھیلتے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ بھی کھیتی کسانی کرتے ہیں۔ اور اپنے پیشہ سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

شیخ

شیخ لوگ بھی جون پور میں تقریباً ۱۹۰۱ء میں سولہ فیصدی آباد تھے۔ سب سے پہلے ان کا جماؤ جون پور میں تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اب ہر جگہ پھیل گئے ہیں۔ ان میں کئی خاندان شامل ہیں۔ بعض بعض جگہ اچھے خاصے زمیندار ہیں۔ یہ شیخ قبیلہ اپنے حسب نسب کو خلیفہ اول یا دوم سے منسوب کرتا ہے۔ مگر یہ

یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے جس کی کثرت سے مثالیں موجود ہیں کہ یہ فرقہ اسی ملک سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے فرقہ یا قبیلہ کا انتخاب یہاں کے قاضیوں اور مفتیوں نے کیا ہے۔ جس کے ذریعہ سے اس فرقہ نے تبدیل مذہب کر کے اسلام قبول کیا۔

جون پور کے شیخوں کی کئی شاخیں ہیں ان میں تین شاخوں کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ جن میں سے پہلی شاخ صدیقی ہے جو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اپنا سلسلہ نسب ملاتے ہیں۔ یہ لوگ کٹھن اور جون پور میں آباد ہیں۔

اس کے بعد قریشی کا نمبر آتا ہے۔ ان کی تعداد صدیقی سے زیادہ ہے اور یہ لوگ بھی کٹھن، جون پور اور مچھلی شہر میں زیادہ ہیں۔ تیسری شاخ انصاری کہلاتی ہے ان کی تعداد جون پور میں کافی ہے۔ لگ کٹھن اور کراکت میں ان کا جماؤ ہے۔ اس کے علاوہ فاروقی اور عثمانی شاخ بھی ہے مگر بہت کم تعداد میں پائی جاتی ہے۔ اور اِدھر اُدھر منتشر ہو گئی ہے۔

پٹھان اس قوم کا دعویٰ ہے کہ یہ لوگ شرقی بادشاہوں کے زمانے میں ملازمت کے سلسلہ میں جون پور اور اس کے گرد و نواح اضلاع میں آکر آباد ہوئے۔ یہ زیادہ تر لوہانی کہے جاتے ہیں۔ جو اصل میں ایران یا کشمی ہیں۔ یہ لوگ تحصیل شاہ گنج اور جون پور میں کثرت سے آباد ہیں اور اچھی حیثیت کے مالک ہیں۔ ان کا یہ بیان کسی حد تک تسلیم کئے جانے کے لائق ہے جون پور میں ان کو نمایاں حیثیت نہیں مل سکی اور نہ یہ لوگ زمینداروں ہی کی صف میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی بھی بہت سی شاخیں یہاں آکر آباد ہوئی ہیں۔ جن کے ناموں کی عجیب ساخت ہے یہ جون پور کے مسلمانوں میں بارہ فیصدی آباد تھے۔ اور ہر جگہ پائے جاتے تھے۔ مگر جون پور اور شاہ گنج تحصیل میں ان کا جماؤ زیادہ

ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے اسلامی فرقوں کی تعداد جون پور میں مختصر ہے۔ پٹھانوں میں کچھ غوری ہیں۔ ان میں سے کچھ جون پور کے پانچ گاؤں میں پھیل گئے ہیں۔

غوری مالوی کی پانچ پیچان ہے۔ جو مدار شاہی۔ ان کے خاندان کا مورث اعلیٰ شرقی بادشاہوں کا داروغہ باورچی خانہ تھا۔ دوسرے یوسف زئی جو کراکت وغیرہ میں آباد ہیں۔ اس کے بعد لودی، غلزئی اور آفریدی پٹھان ہیں جن کا جماؤ زیادہ تر مچھلی شہر میں ہے۔ دلازاک اور محمدزئی اور روہیلے پٹھان بھی تھوڑے بہت پائے جاتے ہیں۔

مردم شماری کی رپورٹ نے غزنوی اور حیدر خیل پٹھانوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد یہاں کے نائی یا حجام کا نمبر آتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ فقیروں کا جو کھٹن تحصیل میں زیادہ آباد ہیں۔

سید

سیدوں کا جون پور میں بہ اعتبار اعز از ونسب پہلا نمبر ہے۔ گر زمینداری اور ریاست میں تیسرا نمبر تھا اور ان کا سلسلہ بہت سے نمایاں خاندان سے جو جونپور میں آباد ہیں ملتا ہے۔ ان سادات کی نصف آبادی تو شہر جون پور میں اور نصف باقی تحصیلوں میں پائی جاتی ہے۔ مچھلی شہر اور کھٹن میں بھی اکثریت میں ہیں۔

سادات عام طور پر رضوی، حسینی اور زیدی کہے جاتے ہیں۔ مگر ان کے علاوہ اور بھی شاخ ہے۔ مثلاً کاظمی، جعفری، علوی، عسکری، نقوی، موسوی اور ہاشمی یہ لوگ بھی بہت کمی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد درزی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ راجپوت کا تبدیل مذہب ہے اور دفالی بھی ہیں اور کچھ راجپوت مسلمان بھی پائے جاتے ہیں۔ جنھوں نے چوہان بچگوتی۔ بیس، گوتم اور سکروار اور گہلوت سے تبدیل مذہب کیا ہے۔

دفالی۔ یوں تو پورے ضلع میں تھوڑے بہت ہیں۔ مگر جون پور میں ان کی کثرت ہے اور گورکھپور میں دوسرا نمبر ہے۔ ان میں کچھ تو بھیک مانگتے ہیں اور کچھ ناچ گانے کا کام کرتے ہیں۔ اس فرقہ کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ آدھے مسلمان ہیں۔ اور آدھے چھوت چھات والے ہیں۔ اور پانچوں پیر مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو غازی میاں سے متعلق ہے۔

اس کے علاوہ جون پور میں قصاب، حلال خور، چوڑی ہارا (منہیار) دھوبی کنجڑہ، کھٹ، گھوسی، بھٹیارے بھی مسلمان پائے جاتے ہیں۔ مغل خاندان جون پور اور مچھلی شہر میں آباد ہے۔ ان میں لوگ زمیندار بھی ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر چغتائی ہیں۔

رنگی فرقہ بھی پورب تک محدود ہے۔ رنگی کو مسلمان کلوار بھی کہا جاتا ہے یہ لوگ زیادہ تر تجارت کی طرف مائل ہیں اور بعض بعض مقامات پر بڑے تاجر بھی ہیں۔ [1]

۱۹۰۱ء کے بعد ان پسماندہ قوموں نے بھی کافی ترقی کر لی ہے۔ اور سرکار نے ان کو تجارت کے لئے قرض بھی دیئے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے بعد یہ لوگ بہ نسبت پہلے کے بہت اچھی حالت میں ہیں اور کاروبار میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔

---

[1] یہاں پر بسنے والی قوموں کے حالات ۱۹۰۱ء کے ہیں۔ اس کی تصدیق کے لئے گزیٹیر۔ اور کاغذات مردم شماری۔ واجب العرض بندوبست اول و دوم اور ڈول بھی سرکاری ملاحظہ ہو۔ — مؤلف۔

جون پور کے جغرافیائی حالات

اور

دوسری تفصیلات

(۱) کراکت (۲) مچھلی شہر (۳) منڈیاہوں (۴) شاہ گنج (۵) جون پور۔

کراکت

خیال کیا جاتا ہے کہ کراکت کا لفظ کوراکوٹ سے نکلا ہے جس کے معنی ٹیلے پر قلعہ کے ہو سکتے ہیں۔ یا کیرار سے نکلا ہو جس کے معنی کسی دیوتا سے اخذ کیے گئے ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کراکت چمنا بی بی کا بسایا ہوا ہے جو کہ شرقی بادشاہ کی رانیوں میں سے تھیں اور جن کا روضہ موجودہ تحصیل کی عمارت کے اتر پچھم تھا۔ تاریخ میں کراکت کا کوئی مقام نہیں ہے۔ صرف تحصیل ہو جانے کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے۔ رائے ہنگن لال نے کچھ انگریزوں کو غدر کے زمانہ میں یہاں پناہ دیکر ان کی حفاظت کی تھی۔ جو دریا کے راستے یہاں آئے تھے۔ جب ڈوبھی کے باغیوں نے یہاں دھاوا بولدیا۔ تو ان لوگوں کو لیبوا کی انڈگو فیکٹری میں پہونچا دیا گیا جس کے مالک مسٹر نکلسن تھے۔ باغی وہاں بھی پہونچے۔ مگر پناہ گزینوں کو چھت پر لیجایا گیا اور زینہ توڑ دیا گیا تاکہ باغی وہاں اوپر نہ پہونچ سکیں۔ اسطرح سب کی جان بچی۔ مسٹر نکلسن کا خاندان کراکت میں عرصہ تک موجود رہا۔

مچھلی شہر اس قصبہ کا پہلا نام گھسوہ تھا۔ جو ایک بھر قوم گھیسو نامی کے نام سے موسوم تھا۔ گھیسو اس وقت کا بہت مشہور شخص تھا۔ اور اس کا بنوایا ہوا یہاں ایک کچا قلعہ بھی تھا۔ اور مچھلی شہر نام پڑنے کے قرائن یہ بتاتے ہیں کہ سیلاب نے بادشاہ پور اور جون پور کو الگ کر کے درمیان میں ایک فاصلہ پیدا کر دیا۔ وہاں آباد ہونے والے لوگوں نے اس مقام کو منجھلے شہر یعنی درمیانی شہر کے نام سے آباد کیا جو رفتہ رفتہ مچھلی شہر ہو گیا۔ مگر جون پور کے کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ یہاں ایک فقیر نے شرقی خاندان کے بانی کو بھاگماں کہہ کر ایک مچھلی نذر کی تھی اور بادشاہ کی سلطنت جب قائم ہو گئی تو بادشاہ نے اس مقام کا نام مچھلی شہر رکھ کر آباد کر دیا۔

سب سے پہلے یہاں بھر قوم آباد تھی جس کو راجپوتوں نے نکالا۔ اور خود آباد ہونے لگے۔ اس کے بعد مسلمان پہونچے اور راجپوتوں سے جگہ حاصل کر کے اپنی کالونی بسائی۔ یہ زمانہ فیروز شاہ کا تھا۔ شرقی دور میں یہ مقام کافی نمایاں اور شہرت کے قابل تھا۔ سلطان حسین شاہ نے یہاں ایک مسجد جامع بنوائی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں فتح محمد عرف شیخ منگلی جو کہ مالی کے رہنے والے تھے۔ مچھلی شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور قلعہ کو بھی اپنے تصرف میں لے لیا۔ اور یہاں ایک عیدگاہ تعمیر کرائی۔ انھوں نے کٹاہٹ میں یہاں سے تین میل اتر کی جانب ایک دوسرا قلعہ تعمیر کرایا جس کی چہار دیواری اور صدر دروازہ اب تک دکھائی دیتا ہے شیخ منگلی نے ایک بھونہار برہمن لڑکے کو گود لے کر اس کا نام قبول محمد رکھا۔ اور اس نے گنگا پور موضع پر جو بنارس میں ہے قبضہ کر لیا۔ اور وہاں اپنے کو راجہ تسلیم کرا کر بڑے آن بان سے حکومت کرنے لگا۔ اس نے مغربی حصہ میں ایک کربلا کی عمارت بنوائی۔ اور اس کا لڑکا علی بخش تمام گاؤں کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ مگر علی بخش کے زمانے

میں جائداد آہستہ آہستہ مہاجنوں کے ہاتھ فروخت ہونے لگی۔ یہاں کئی چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں جن میں سے کچھ تو چھوٹی ہیں اور کچھ بوسیدہ حالت میں ہیں۔ ایک نئی مسجد عبدالشکور نے ۱۸۵۶ء میں بنوائی ہے۔ جو یہیں کے باشندے تھے۔ جن کے خاندان میں مولوی محمد حسن صاحب گذرے ہیں۔ ایک مسجد حسین شاہ شرقی کی تعمیر کردہ ہے جو یہاں کی مسجدوں میں سب سے بڑی ہے۔ اور باقی عمارتوں اور مسجدوں کی تعمیر ایک زمیندار سید محمد نوح نے کرائی ہے جو عالموں میں شمار کئے جاتے تھے اور جن کا سلسلہ کھوپور کے فرزند علی سے ملتا ہے جنھوں نے راجہ بلونت سنگھ کے ایما سے دگ بنسیوں سے براہت اور دوسرے کئی مواضعات حاصل کر لئے تھے۔ پرانا قلعہ جس میں کسی زمانے میں فوجدار رہا کرتا تھا۔ بعد میں تحصیل کی عمارت قرار دیا گیا اور اب تو خاک کا ڈھیر ہے۔

مچھلی شہر میں گندگی زیادہ ہے۔ سڑکیں بڑی خراب ہیں۔ نالیاں غلیظوں سے پٹی پڑی ہیں کہ راستہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے اور تعجب ہے کہ وہ سڑک اتنی گندی اور کیچڑوں سے بھری ہے جو مولوی محمد عمر اور عبدالرؤف صاحب کے مکان کو جاتی ہے۔

منڈیاہوں یہ مقام پیچیدہ گیوں کا ایک مجموعہ ہے۔ کیوں کہ اس کا نام جھگڑے سے شروع ہوتا ہے۔ یہ مقام نندوک خاندان کا مرکز تھا۔ اور اس کا نام مڑیاہوں یا منڈیاہوں یا منڈو دیو کے نام پڑا۔ جو اس خاندان کا ایک متبرک دیو تھا۔ اس کے بعد یہ بھی قرین قیاس بتایا جاتا ہے کہ یہ مقام منڈوی آہو تھا۔ جہاں ہرنوں کی تجارت ہوتی تھی۔ اور منڈپ استھان یعنی جنگلوں میں ایک کٹی۔ مگر مسلمان روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۳۹۹ء میں تیمور یہ حملے کے زمانے میں ایک فقیر ملا محمد عرب نامی اتفاق سے ادھر آنکلا اور اس مقام کی خوبصورتی آب وہوا سے بے حد متاثر ہوا۔ اس فقیر کے خاندان کے لوگوں نے نندوک لوگوں کو بھگا کر

ایجاد حل کر لیا اور ان ہی میں سے ایک شخص اکبر بادشاہ کے زمانے میں خیر الدین نام کے تھے۔ جن کو اکبر بادشاہ نے ان کی حسن خدمات کے صلہ میں منڈیاہوں کا قاضی بنادیا۔ اور ان کو یہ علاقہ بھی عطا کر دیا۔ انھوں نے یہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کرائی جس کے اندر محراب پر سنہ تعمیر ۹۹۰ھ کندہ ہے۔ انھوں نے ایک کچا قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا۔ جو قاضی کوٹ کے نام سے تھا اور اب گر کر مسمار ہو گیا ہے۔ قاضی خیر الدین نے ہندوؤں سے جنگ کرتے وقت ان کا ایک لڑکا قید کر لیا تھا۔ اور اس کی پرورش کی۔ مگر ایک روز موقع پاکر اس لڑکے نے بالی کے مقام پر اپنے خاندان کے لوگوں کے بدلے میں اس شخص کو قتل کر دیا جس کی ضمانت میں دیا گیا تھا۔ شہید کا روضہ اور عبادت گاہ موجود ہے۔

دوسری پرانی عمارت منڈیاہوں کی عیدگاہ اور ایک مسجد ہے جو سالار پیر کے نام سے موسوم ہے اور ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک چاندی دیوی کا مندر بھی موجود ہے۔ اس وقت منڈیاہوں کی مارکٹ بہت عروج پر ہے۔ اگر اس کی ترقی کی یہی رفتار رہی تو ہوسکتا ہے کہ اور تحصیلوں کی مارکٹ سے ٹاپ کر جائے۔

شاہ گنج

یہ مقام تجارت کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ریلوے اسٹیشن سے نزدیک اور روڈ پر واقع ہے۔ تجارت میں فروغ کی وجہ یہ ہے کہ چنگی یہاں نہیں ہے۔ یہ مقام نواب شجاع الدولہ کا آباد کیا ہوا ہے۔ جنھوں نے ایک بازار یہاں تعمیر کرایا۔ اور ایک بارہ دری جس میں کچھ زمانے تک اسکول قائم رہا اور ایک درگاہ تعمیر کی۔ جس کو درگاہ حضرت علی کے نام سے موسوم کیا۔ اور اسی لفظ شاہ سے یہ مقام ۱۷۹۵ء کے ریگولیشن کے بموجب شاہ گنج قرار پایا۔ علی گنج اور حسین گنج محلے بھی اسی شاہ گنج کی رعایت سے نام رکھکر آباد کئے گئے تھے۔ یہاں پر گرینی کے پاس ایک بہت بڑا تالاب ہے جسکو بلدہ شاہی

پوکھرا کے نام سے پکارتے ہیں۔ کئی ایک اور بھی بڑے بڑے تالاب ہیں اس طرف دھان کی اور ایکھ کی فصل بہت اچھی ہوتی ہے۔

آج کل شاہ گنج بہت ترقی پر ہے۔ بازار وغیرہ بہت شاندار ہیں۔ سڑکیں پختہ ہو گئی ہیں۔ یہاں پر عربی کا ایک مدرسہ ہے جس کو بدر الاسلام کہتے ہیں۔ اس مدرسہ میں کافی لڑکوں کو عربی و فارسی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

جون پور کی پانچوں تحصیلوں میں شاہ گنج ترقی میں آگے ہے۔ یہاں پر ایک رتنا شوگر مل ہے۔ یہاں قرب وجوار اور اطراف کے مقامات سے ایکھ ٹرک ریلوے اور بیل گاڑیوں کے ذریعہ جاتی ہے۔

تحصیل جون پور حویلی

یہ تحصیل جون پور شہر سے تعلق رکھتی ہے چوں کہ جون پور کے لئے بہت کچھ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس لئے مختصراً اتنا اور کہ اس تحصیل کو گومتی ندی نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور دونوں حصے میں الگ الگ کئی پرگنے واقع ہیں جن کو ہر اعتبار سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس تحصیل میں دریا کے نظارے، گومتی کا پل، قلعہ کا میدان بڑی بڑی فلک بوس مساجد، سمنٹیڈ اور تارکول کی سڑکیں، سڑکوں پر درختوں کی دورویہ قطاریں، درختوں کے پیچھے ہرے بھرے لہلہاتے کھیت دیکھنے والوں کی نظر میں ایک کشش پیدا کر دیتے ہیں۔ اور لوگ اس کو ماوا و مسکن بنانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

یہاں کوئی مل، فیکٹری یا بڑا کارخانہ نہیں ہے۔ بہت سے لوگ دور دور مقامات پر روزی کمانے جاتے ہیں۔ آب وہوا اچھی ہے۔ پیداوار غنیمت ہے۔ ان تمام باتوں کے ہوتے ہوتے بھی اس شہر کا نام قحط زدہ علاقوں میں درج ہو گیا ہے۔ اور ہر چیز ہمیشہ گراں ہی رہتی ہے۔ اور اس گرانی کی وجہ یہ بھی ہے کہ

یہاں چنگی حد سے زیادہ ہے اور واپسی کا طریقہ جس سے عام پبلک کو کچھ بھی فائدہ نہیں۔ اگر چنگی وزن پر کر دی جائے تو تجارت میں آسانی کے علاوہ چیزیں بکفایت مل سکیں۔ تعجب ہے کہ یہ شہر صدیوں شاہان شرقیہ کا پایہ تخت رہا ہے۔ اور مغل دور تک گورنروں اور سپہ سالاروں کا مسکن۔ یہاں بے شمار قدیم آثار ہیں۔ جنمیں سے اکثر مٹ گئے ہیں اور مٹتے جا رہے ہیں۔ جن کی حفاظت کے لئے آثار قدیمہ کی طرف سے بھی کوشش نہیں کی گئی اور نہ اس شہر کو اس عظیم اہمیت کے پیش نظر کوئی بلند مقام دیا گیا۔ اور نہ اس کی بلندی و ترقی کے ذرائع بروئے کار لائے گئے۔ اور اس کی حیثیت تیسرے درجہ کے شہر کی قرار دیدی گئی ہے۔

حدود آبادی اور دوسری تفصیلات

جون پور بنارس کمشنری کے اتر اور پچھم میں واقع ہے۔ اس کے پچھم میں پرتاپگڈھ اور الہ آباد، پورب میں غازی پور اور اعظم گڈھ، اتر میں سلطان پور اور دکھن میں بنارس و مرزاپور ہے۔ اس کی اونچائی سطح سمندر سے دو سو آٹھ فٹ ہے اس کا رقبہ ایک ہزار پانچ سو چھپن مربع میل ہے۔ اس ضلع کی مجموعی آبادی اور پھر ہر تحصیل کی الگ الگ عورتوں مردوں کی تفصیل، خواندہ و ناخواندہ کی تعداد میونسپل بورڈ اور نوٹیفائڈ ایریا کہاں ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اس ضلع کی ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے آبادی سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار اٹھارہ ہے جسمیں ۸ لاکھ ستاسی ہزار سات سو اٹھانوے عورتیں ہیں اور آٹھ لاکھ چالیس ہزار دو سو بیس مرد ہیں۔ اور ۱۹۶۰ء کی مردم شماری سترہ لاکھ ۲۸ ہزار اٹھارہ اور شہر کی آبادی اکسٹھ ہزار آٹھ سو چون ہے۔

صدر تحصیل جون پور میں۔ تین لاکھ اٹھانوے ہزار چار سو بیس۔ تحصیل شاہگنج

میں تین لاکھ ستاون ہزار دو سو بانوے، تحصیل مچھلی شہر۔ تین لاکھ پچیس ہزار آٹھ سو اکسٹھ۔ تحصیل منڈیاہو میں تین لاکھ اڑتالیس ہزار تین سو بائیس۔ تحصیل کراکت میں دو لاکھ اٹھانوے ہزار ایک سو تئیس۔

اسمیں سے مرد آٹھ لاکھ چالیس ہزار دو سو بیس ہیں ان میں تعلیم یافتہ محض دو لاکھ پچاس ہزار چار سو چھیالیس ہیں۔ عورتیں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار سات سو اٹھانوے ہیں ان میں پڑھی لکھی عورتیں محض بیاسی ہزار آٹھ سو ستتر ہیں۔

اس ضلع جون پور کے اندر نوٹیفائڈ ایریا، شاہ گنج، بونگرا، بادشاہ پور، منڈیاہوں، کراکت، مچھلی شہر اور ظفر آباد میں ہیں۔ اور ایک نگر پالیکا شہر جون پور میں ہے۔

اس ضلع میں گھریلو کام کرنے والے بیالیس ہزار ایک سو تئیس ہیں اور وہ لوگ جو گھریلو کام کے علاوہ دیش کی ترقیات میں معین اور مددگار ہیں ان کی آبادی نو ہزار ایک سو پندرہ ہے۔ مزدوروں کی تعداد جو عمارتوں میں کام کرتے ہیں ایک ہزار نو سو تیس ہے۔ اور وہ لوگ جو سڑکوں وغیرہ میں کام کرتے ہیں پانچ ہزار ایک سو انیس ہے۔ اور دوسرے کام کرنے والوں کی تعداد اٹھائیس ہزار نو سو چالیس ہے۔ یہاں پر بیکاروں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ حالیہ مردم شماری سے پتہ چلا ہے کہ ایک لاکھ تیس ہزار تین سو چون اشخاص بیکار ہیں۔

اس ضلع کے گاؤں۔ تین ہزار دو سو چودہ آباد ہیں۔ اور غیر آباد ایک سو اناسی ہیں۔ آبادی میں خاندانوں کی تعداد چھبیس لاکھ تیس ہزار ہے۔

تھانے اور ڈاکخانے

اس ضلع کے اندر کتنے تھانے اور ڈاکخانے ہیں ان کی مجموعی تعداد ذیل میں پیش کیجاتی ہے۔

شاہ گنج، بخشا، سرائے خواجہ، کوتوالی صدر، سرکیہا، مڑیاہو، مچھلی

شہر، مونگرہ بادشاہ پور، چندوک، رام نگر، مفتی گنج، برسٹھی، کٹھن، رام پور کراکت، سوجان گنج، منڈیاہوں، پٹی جے رام، کرنجہ، سکرارا، ظفر آباد، جلال پور میر گنج۔

صدر ڈاکخانہ ایک اور اس کے علاوہ ضلع بھر میں چھوٹے ڈاکخانے گیارہ ہیں اور اس کی شاخیں ضلع میں ایک اٹھاسی ہیں۔ تار گھر گیارہ ہیں۔ ٹیلیفون مرکز ایک ضلع بھر میں کنکشن ایک سو پچاس ہیں۔

گاؤں سبھائیں اور پنچائتیں

ضلع بھر میں گاؤں سبھائیں دو ہزار پینتالیس ہیں اور عدالت پنچائتیں اس ضلع میں دو سو تیرہ ہیں۔ پنچائت گھر اٹھانوے ہیں۔ ان پنچائتوں نے ضلع بھر میں پانچ سو تیس میل کچی سڑک بنائی ہے۔ اور کچی سڑکوں کی مرمت بھی ایک ہزار چار سو سترہ میل میں ہو چکی ہے۔ اور چھوٹی پلیا بھی سات سو ارسٹھ بنی ہے۔ ان پنچائتوں نے زراعت کی ترقی اور بیجوں و کھادوں کے مہیا کرنے میں بھی کافی مدد کی ہے۔ اس میں پرتی زمین سترہ ہزار ایک سو ستاسی ایکڑ ہے۔ یہاں پر جنگل جس میں خودرو درخت ہیں پانچ سو چھ ایکڑ میں ہیں۔ یہاں فصل خریف کی کاشت چار لاکھ چھہتر ہزار چار سو اٹھائیس ایکڑ اور فصل ربیع ۴ لاکھ آٹھ ہزار نو سو بیاسی ایکڑ ہے۔ دو فصلی زمین بھی ایک لاکھ چھیتر ہزار دو سو اکیس ایکڑ ہے۔ گنے کی کاشت بھی اس ضلع میں بیتالیس ہزار آٹھ سو تینتیس ایکڑ میں ہوتی ہے۔

سرکاری بنک اور ٹل کوپ

ضلع کوآپریٹو بنک کی کل پونجی۔ اکیس لاکھ ۲۱ ہزار آٹھ سو اٹھارہ روپیہ ہے۔ ضلع کے اندر سہکاری بنک کے حصے کی کل پونجی ۳۱ مارچ ۱۹۶۲ء تک ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار تین سو پینسٹھ روپیہ ہے اور سہکاری بنک کی جمع پونجی گیارہ

لاکھ ترسٹھ ہزار سات سو پینتس روپیہ۔ اس بنک سے قرضہ لے کر چھوٹے چھوٹے کاموں میں ۶۹۷۰۰۰ روپیہ لگا ہے۔

اس ضلع کے اندر سرکاری طور پر جو ٹل کوپ کام کر رہے ہیں ان کی تعداد ایک سو ساٹھ ہے۔ صدر میں اکتالیس، کراکت میں بتیس۔ مچھلی شہر میں تیرہ، شاہ گنج میں باتیس، منڈیاہوں میں باون۔

اس ضلع کے اندر نہر کی لمبائی دو سو آٹھ میل ہے۔ اور کھودی ہوئی نہروں کی لمبائی بیس میل ہے۔ کراکت تحصیل میں ۳۵ میل چار فرلانگ ہے۔ منڈیاہوں میں لمبائی ۳۰ میل ایک فرلانگ ہے۔ مچھلی شہر میں ۵۰ میل ۵ فرلانگ۔ شاہ گنج میں ۵۵ میل ۵ فرلانگ ہے۔

۳۱ مارچ ۱۹۶۴ء تک اس ضلع میں پختہ کنوئیں ۲۹۸۳ بنائے گئے ہیں اور بورنگ پختہ کنوئیں کے اندر ۱۱۳۹ کی گئی ہے۔ اس میں سے ۲۲۱ میں رہٹ لگی ہوئی ہے۔ اور پمپ ۵۲ میں لگے ہیں۔ اور جھیلیں یہاں ۴۴۸۶۴ ہیں خاص جھیلیں لبتی۔ گوجہ۔ آرا ہیں۔

ضلع اسکول

اس ضلع میں ڈگری کالج چار ہیں۔ انٹر کالج ۵۲۔ عورتوں کا انٹر کالج ایک ہے۔ جونیر ہائی اسکول ایک سو چار ہیں۔ جو لڑکوں کے لئے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے چھ ہیں۔ پرائمری اسکول درجہ پانچ تک سات سو اکیاون ہیں جو لڑکوں کے لئے ہیں اور لڑکیوں کے لئے ستر ہیں۔ ضلع میں جے ٹی سی اسکول پانچ ہیں اور ایچ، ٹی، سی دو ہیں اور پی، ٹی، سی اسکول ایک ہے۔

سرکاری جونیر پالی ٹکنیک اسکول ایک ہے۔ چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے اسکول دو ہیں۔ سنسکرت اسکول ۲۵ ہیں۔ اسلامیہ اسکول کی تعداد ۱۷ ہے۔

مخصوص میلہ جات

یہاں پر خاص میلے چودہ ہیں۔ دسہرہ، کاتک کا میلہ، غوث پیر کا میلہ، شاہ مدار کی سنتر بیں بھادوں چھٹی کا میلہ، شیوراتری، چیت اسٹمی کا میلہ، پھاگن تیرس، بھوسی نہادیو کا میلہ، حاجی حسین ظفرآباد کا میلہ، پکھیلی نہادیو، ترپوچن نہادیو کا میلہ، ساون سنمی کالی جی کا میلہ، گوری شنکر کا میلہ، ناگ پنچمی کا میلہ۔

اس کے علاوہ ۱۲ ربیع الاول کو بہت شاندار جلوس نکلتا ہے جس کا جواب ہندوستان میں نہیں اور ایک جلوس ۲۶ رجب المرجب کو بھی نکلتا ہے یہ دونوں جلوس بہت اہمیت کے مالک ہیں۔

رامپور کی مشہور چیزیں

امرتی، موٹی، چنبیلی و بیلہ کا تیل، منڈیالوں کی پیڑی، گنج اور گنج کا پیڑہ، کیوڑہ، بوتیا وخس کا عطر، تمباکو، منکا، جلال پور کا چوڑا۔ کالی ٹکیا، بادشاہی، بیا قاضی کا پان۔

لائبریریاں واخبار

پبلک لائبریری ہندی ساہتیہ سمیلن، شیعہ لائبریری، قلعہ روڈ۔ ظفر لائبریری خواجگی ٹولہ رضا لائبریری محیلی شہر۔ واڈ لائبریری شاہی پل، جنتا لائبریری کھنڈاری۔

یہاں سے کون کون اخبار نکلتے ہیں۔ وکاس، پرکاش، لوک جیون سمے۔ نئی دنیا، کرشک سند اسک ہندی۔ سرفروش

خاص خاص بازار

ولند گنج، کیسری بازار، ہرالکا روڈ، الفنسٹن گنج، نواب یوسف روڈ، عالم خاں، سبزی منڈی سوٹھی غلہ منڈی، کھانڈ کی منڈی۔ رام منڈل، لین بازار، نخاس بازار، کھنڈاری اسٹیشن، پرانی بازار، مانک چوک۔

جون پور کے پریس

ناصری پریس ڈلنڈ گنج ۔ سیوا پریس راسمنڈل، کلیانٹر پریس ہر لالکا روڈ ۔ ڈکاس پریس ڈلنڈ گنج ۔ شری کرشنو پریس ولنڈ گنج، الہادی پریس ٹارٹلہ، وشال بھارت پریس اسٹیشن روڈ، اشوک پرنٹنگ پریس نواب یوسف روڈ ۔ سوتنتر بھارت پریس جامع مسجد ۔ سوریہ پرنٹنگ پریس کچہری روڈ ۔ نشنل پرنٹنگ پریس جگیاپور ۔ تاران پریس اردو ۔ بھارت پریس آریہ سماج مندر، اذیق پریس شاہ مدار، سیوا پریس شیخ پورہ، بجے پرنٹنگ پریس محلہ رضوی خاں۔

۱۹۴۷ء کے بعد ہماری سرکار نے دیہات میں بسنے والوں کی سہولت کے لئے گاؤں سبھائیں اور پنچائیتیں قائم کیں، نہریں نکالیں۔ اور نل کوپ لگوائے اسکولوں اور اسپتالوں، ڈاکخانوں، اور تھانوں کی تعداد میں اچھا خاصا اضافہ کیا اور ان کے انتظامات کو درست کیا۔ ساہکاری بینک کے ذریعہ چھوٹے چھوٹے روزگار کرنے والوں کو قرضے دیئے۔ جون پور میں پریس کی اتنی تعداد چند برسوں کے اندر ہوئی ہے۔ ورنہ آزادی کے قبل چار یا پانچ پریس تھے۔

آب و ہوا اور ندیاں

اس ضلع میں پانچ ندیاں اور باقی نالے ہیں۔ (۱) گومتی (۲) سئی (۳) برنا (۴) پیلی (۵) بسوہی

اس ضلع کی آب و ہوا معتدل ہے اور مشرقی اضلاع کی آب و ہوا کے مشابہ ہے۔ جون پور بھی مشرق ہی میں واقع ہے۔ یہاں آب و ہوا قدرے مرطوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ رطوبت سے پیدا ہونے والی بیماریاں اکثر پائی جاتی ہیں اور سرکار نے اس کے انسداد کے لئے محکمے کھولے ہیں۔ مگر گرمی، برسات اور جاڑا حد اعتدال کے باہر نہیں ہوتا۔ اور آس پاس کے دوسرے مشرقی اضلاع کے برابر ہی رہتا ہے۔ گرمی کا ٹمپریچر عام طور پر ایک سو دس ڈگری اور کبھی کبھی کچھ زیادہ

بھی ہو جاتا ہے اور سردی عام طور پر چالیس ڈگری رہتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
کہ ٹمپریچر اس سے بھی نیچے آجاتا ہے۔ اور کبھی بہت پالا بھی ہو جاتا ہے جس سے لوگ
مرنے لگتے ہیں جیسے ۱۹۶۱ء میں سردی پڑی تھی۔

پلوں کی تعداد اور سیلاب

گومتی کا شاہی پل۔ ریلوے کا لوہے کا پل
جو انگریزی راج میں بنا ہے۔ جلال گنج کا پل
جو جلال خاں لودی کا تعمیر کردہ ہے۔ بستی کا پل جو جون پور مرزا پور سڑک پر واقع ہے
پل گدر پختہ ہے الہ آباد روڈ پر ہے۔ دریائے برنا اور نبوہی پر بھی ایک ایک پل بنا
ہے۔ البتہ پیلی ندی پر کوئی پل نہیں ہے جس سے لوگوں کو تکلیف ہے۔ ظہیر پور نامی
پر بھی پختہ پل بنا ہوا ہے اور بہت قدیم ہے۔ ظہیر الدین بابر کا بنوایا ہوا ہے اور
اسی نام سے ایک موضع بھی ہے۔ ظہیر بگڑ کر ظہیر ہو گیا ہے۔

۱۹۴۷ء سے قبل یہاں سیلاب کبھی کبھی عرصہ دراز کے بعد آجایا کرتا تھا
جیسے ۱۸۷۴ء اور ۱۸۹۴ء۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تمام سیلاب خطرناک تھے۔ اس
کے بعد ایک سیلاب ۱۹۳۶ء میں بہت خوفناک آیا۔ پھر ۱۹۵۲ء و ۱۹۵۳ء میں
بھی سیلاب آیا۔ اور خطرے کا نشان پار کر گیا۔ مگر ۱۹۵۵ء کے سیلاب نے ۱۸۷۴ء
و ۱۸۹۴ء کی یاد تازہ کر دی۔ اس کے بعد ہر سال سیلاب آتا ہے اور ستمبر و اکتوبر
میں جبکہ فصل تیار رہتی ہے۔ اس سیلاب سے یہاں کے کاشتکاروں کو بہت
نقصان ہو رہا ہے۔ ہر سال سیلاب آنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ گومتی کافی پٹ گئی
ہے اور جن نالوں سے مزید پانی نکل جاتا تھا وہ سب بند ہو گئے ہیں۔ ان نالوں
کو اگر پھر سے جاری کر دیا جائے تو اتنی جلد ہر سال سیلاب کی آمد نہ ہو سکے۔

اجناس

اس ضلع میں حسب ذیل غلہ پیدا ہوتا ہے۔
گیہوں، جو، چنا، مٹر، ادکھ، میتھی، پوستہ، سرسوں
کسم، مسور، ارہر، تمباکو، یہ سب فصل ربیع کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔
دھان، باجرہ، بجھری سیاہ، مکا، نیل، سن، پٹ سن، مونگ، اُرد، کودو ں
سانواں، مڑوا، مونگ پھلی، مکرا، کاکن یہ سب فصل خریف کے ساتھ پیدا ہوتا ہے
رہتی دار ہر ایک سال کے بعد فصل ربیع کے ساتھ کاٹتے ہیں۔ تمباکو بہت تیز
ہوتا ہے۔ شکر قند میٹھا اور موٹا ہوتا ہے۔

ترکاریاں

پرور، زمین قند، گوبھی، کانٹھ گوبھی، کرم کلہ، رتالو۔ اروی
آلو، بیگن، سیم، کدو، لوکی، کہنڈا، ترئی۔ کھنڈی، رام
ترئی، نینوا، چچینڈا، گوالن، پوڈا، شلجم، لواز مولی جس کا وزن ۲۰ اور ۲۵ سیر
ہوتا ہے۔ گنڈورہ، گلی کچنار، ٹماٹر، ککڑی، کھیرا، کریلا، پھوٹ، بنڈا، فیض آباد
اور الہ آباد کے بنڈے لذیذ ہوتے ہیں۔
ساگوں میں پالک، سویا، سرسوں، بتھوا، چورائی، خرفہ، میتھی، مرسا اور
کئی قسم کے ساگ ہوتے ہیں۔

باغات

اس ضلع میں آم کے باغات زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ اور قسم کے
باغات لگانے کا رواج کم ہے۔ کٹہل اور جامن کے باغات نہیں ہیں
صرف آم کے باغات میں دو چار درخت جامن اور کٹہل کے لگا دیتے ہیں۔ میوہ جات
میں نارنگی، شریفہ اور کیلا ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ سے بیر اور امرود کے باغات لگائے
جانے لگے ہیں۔ امرود کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ کاغذی لیمو کے باغ بھی ہیں۔ گولر
شریفہ اور فالسہ کے بھی کہیں کہیں درخت ہیں اور کہیں املتاس ہے۔ شہر کے اندر
نیب، پیپل اور برگد کے درختان زیادہ ہیں۔ ان کے درختوں کی تعداد نیب کے

مقابلہ میں کم ہے۔ بیلا اور چنبیلی اور کیوڑا کے باغات بھی کافی ہیں۔ ان سے خوشبودار تیل کے لئے تل باسا جاتا ہے جو اس ضلع کی مخصوص صنعت ہے۔ اب شہر میں دو جگہ پھول پتے اور بیلوں کے باغ ہیں۔ ایک سامنے شمیطین دوسرے قلعہ کے اندر۔ ان کے علاوہ سرکاری عمارتوں اور حکام کے بنگلوں میں عمدہ تفریحی باغات ہیں جس میں ہر قسم کے پھول پتے اور بیلیں لگی ہوتی ہیں۔ ؎۱

اس بات کی تفصیل ضروری ہے کہ آزادی کے قبل اس ضلع کی کتنی آبادی تھی اور تحصیلوں میں کتنے کنوئیں اور تالاب تھے۔ ہماری سرکار نے پانچ سالہ پلان کے ذریعہ کس قدر ترقی کی ہے۔ اس لئے ہم ناظرین کے سامنے ۱۸۷۲ء کے حالات اور اعداد و شمار باوثوق ذرائع سے پیش کرتے ہیں۔

حالات صدر جون پور ۱۸۷۲ء

اس تحصیل میں سات پرگنہ تھے (۱) جون پور۔ (۲) راری (۳) لضف (۴) بیالسی (۵) سرکچھ (۶) ظفر آباد (۷) قریات دوست۔

اس میں دیہات آٹھ سو اسی آباد اور غیر آباد اٹھانوے ہیں۔ مردم شماری چوالیس ہزار تین سو چورانوے تھی۔ اس میں سے مسلمان ۱۹،۷۷۲ اور ہندو ۵۵۴۹۹ تھے۔ ۲۱ بازار مشہور تھے۔ اسمیں سے نو چار بازار خاص تھے۔ جہاں ہر قسم کی چیزیں خرید فروخت ہوتی تھیں۔ بیس چھوٹی اور تین بڑی منڈی تھی۔ جہاں صرف غلہ کی تجارت ہوتی تھی۔ اردو بازار، شاہگنج میں غلے کی آمد و رفت بیل گاڑیوں کے ذریعہ ہوتی تھی۔ اور گولہ گھاٹ میں کشتیوں کے ذریعہ سے۔ تالاب پختہ ۵ ۳ اور خام ۱۳۵۔ کنواں پختہ ۱۸۰۰

؎۱ یہ حالات اتہاس جون پور سے بھی لئے گئے ہیں اور بہت سی چیزیں ذاتی واقفیت تحقیق اور مشاہدے سے لکھی گئی ہیں۔

اور خام ۶۹۱۰ تھا۔ اس کا پانی عام طور پر نمکین ہوتا تھا۔ پانچ تھانے اور
سات چوکیاں پولیس کی تھیں۔ ایک سو اونہتر مساجد اور ایک سو تینتیس
شوالہ تھا۔ اور ایک گرجا گھر جس کی عمارت نہایت عالی شان تھی۔ ۳۵ مدرسے
تھے۔ ضلع اسکول ایک، تحصیلی ایک، لڑکیوں کا ایک، حلقہ بندی اسکول ۳۲ تھے
اس ضلع میں ۱۸۵۶ء سے سررشتہ تعلیم کا محکمہ جاری ہے

حالات منڈیاہوں سنہ ۱۸۶۲ء

سنہ ۱۸۶۲ء میں دو پرگنہ گوپال پور، سرستھی تھا۔
اور ایک پرگنہ منڈیاہوں۔ دیہات آباد،
۸۶ اور غیر آباد ۵۳۔ مردم شماری ۲۷۵۳۰
تھی جس میں مسلمان ۸۰۵۲ اور ہندو ۱۹۳۲۳ تھے۔ بازار ۲۴۔ بڑا کوئی
نہیں تھا۔ تالاب پختہ صرف ایک تھا۔ خام ۵۰ تھے۔ پختہ کنوئیں ۴۰۰
اور خام کنوئیں ۵۰۴۵۔ ایک تھانہ تین چوکی پولیس کی تھی۔ اکتالیس مسجدیں
ستانوے شوالے تھے۔ چھبیس مدرسے تھے تحصیلی اسکول ایک حلقہ بندی
مدارس پچیس تھے۔ اس کا انتظام سررشتہ تعلیم کے متعلق تھا۔

حالات مچھلی شہر سنہ ۱۸۶۲ء

اس میں تین پرگنے لگے تھے۔ گھسوہ، گڑوارہ،
سونگرا۔ دیہات آباد چھ سو چھ اور غیر آباد
دو سو آٹھ۔ مردم شماری ۷۹۲۹۱ مسلمان
۱۵۲۵۹ ہندو ۶۳،۲۵۔ چوالیس بازار لگتے دو بازار بہت بڑا لگتا تھا۔ ایک خاص
مچھلی شہر، دوسرا سونگرہ بادشاہ پور میں۔ پہلے مچھلی شہر میں دو بازار ہفتہ میں خاص
طور پر لگتا تھا۔ موٹ اور چمڑے کا۔

تالاب پختہ چار اور خام ۴۷۹۔ کنوئیں پختہ ۲۵۰۰ اور خام ۴۹۴۴۔ چار
تھانہ اور دو چوکی پولیس۔ مسجد اٹھتر، شوالہ اکتالیس، سرائے خام پانچ ۲۸ مدرسے تھے۔

حالات کٹھن ۱۸۷۲ء

چار پرگنہ تھے۔ انگی، رارآری نصف، چاندہ
قریات متعینہ ۱۸۸۔ دیہات آباد ۲۷۷، غیر آباد
۶۸۔ مردم شماری ۹۶۲۹۴۴۔

اس وقت شاہ گنج جو آج تحصیل ہے تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے۔ یہ شجاع الدولہ کا آباد کردہ ہے۔ یہاں روئی چینی کا خاص بازار تھا۔ اس وقت لاکھوں روپیہ کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

تالاب پختہ چار اور خام ۱۵۷۵ ہیں۔ پختہ کنواں ۸۶۵ خام ۲۸۰۰ تھانہ پانچ۔ چوکی دو۔ مساجد دو سو تیرہ۔ شوالے تین سو ستاسی۔ پڑاؤ چودہ۔ سرائے پختہ ایک و خام چار تھی۔ سرکاری مدارس ۶۹ جس میں تحصیلی اسکول ایک لڑکیوں کے تین۔ حلقہ بندی پچیس انتظام سررشتہ تعلیم کے سپرد ہے۔

حالات کراکت ۱۸۷۲ء

قصبہ بھی تھا اور پرگنہ بھی۔ اس میں دیہات آباد ۲۹۲ اور غیر آباد ۲۶۴۔ مردم شماری ۱۳۶۳۶۔ مسلمان ۳۵۶۰۔ اور ہندو ۱۰۹۷۶ تھے۔ تالاب پختہ کوئی نہیں تھا۔ اور خام ۲۷۳ تھا۔ کنواں پختہ ۳۷۵۔ اور خام ۱۲۲۲۔ ایک تھانہ، ایک پولیس چوکی تھی۔ مسجد اکتالیس اور شوالہ چونتیس تھے۔ پڑاؤ دو تھے۔ سرائے دو۔ ایک خام ایک پختہ۔ مدارس سرکاری بائیس ۲۲۔ تحصیلی اسکول ایک۔ لڑکیوں کا تین۔ حلقہ بندی اٹھارہ۔ انتظام سررشتہ تعلیم کے سپرد تھا[1]

ناظرین اس تفصیلی اعداد و شمار اور حالات سے آج کی ترقی بازار، اسکول

---

[1] یہ تمام حالات سرکاری کاغذات اور جغرافیہ جونپور حصہ دوم صفحہ ۸۳ تا ۸۸ سے لئے گئے ہیں جو ۱۸۷۲ء کی مطبوعہ ہے۔

گاؤں سبھائیں، پنچائیتں اور نظم ونسق کا مقابلہ کریں کہ ۱۹۴۷ء کے بعد حالات میں کتنا زبردست انقلاب ہوا ہے اور ہماری سرکار نے زبردست کار نمایاں انجام دیے ہیں۔

خاص دھارمک استھان

شیتلا چوکیا۔ سنوان مندر، کرار کوٹ، کرشن مندر، دھرباپور، پرسرام مندر پرسرام پور کالی جی کا مندر کراکت، بجرنگ مندر رام نگر بھڑسرا۔ ترلوچن مہادیو بڑاگاؤں، کلچھلی مہادیو، ہچوسی مہابیر، گرودوارا راس منڈل۔ گوری شنکر۔ مہادیو سوجان گنج۔ اچل دیوی مندر، بھگوان کرشن مندر، مہابیر جی کا مندر، کیولا ماتا مندر، شنکر جی کا مندر مڑہنی، پانچو شوالہ، جین مندر کرار کوٹ، شیو جی کا مندر چھتری گھاٹ۔

ووٹروں کی تعداد

جون پور صدر ۴۱۲۷۵۹، مچھلی شہر ۴۲۹۳۶۴ یہ لوک سبھا چھیتر ہے۔ ودھان سبھا چھیتر کراکت ۷۹۸۳۷، بیالسی ۷۹۷۸۸۴، جون پور ۹۴۲۸۳، رارای ۸۹۵۸۵، شاہ گنج ۹۶۰۴۰۔ چاندہ ۸۷۳۲۱، کہارا ۸۳۹۵۶، مچھلی شہر ۷۲۴۶۳، منڈیاہوں ۸۱۱۴۵۔ برسٹھی ۷۸۱۴۹۔

سرکاری امدادیں

ضلع میں ۱۴۱ سرکاری طور پر مجبوروں کو امداد دی جاتی ہے۔ صدر تحصیل میں ۴۵۔ کراکت میں چودہ۔ مچھلی شہر میں ۷۵۔ شاہ گنج میں تیرہ، منڈیاہوں میں ۱۴۔

اس کے علاوہ ضلع میں ۱۹۵ مجبوروں کو پنشن دی جاتی ہے۔ صدر تحصیل میں ۴۴۔ کراکت میں سات۔ مچھلی شہر میں نو۔ شاہ گنج میں بائیس۔ منڈیاہوں میں سترہ۔ جون پور میں جنگ آزادی لڑنے والوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔

ضلع میں بلاکوں کی تعداد

کراکت، جلال پور، دھرما پور، ڈوبھی، کریچہ کلاں، مہراج گنج، بدلا پور، سوئتھا کلاں، مونگرا بادشاہ پور، رامپور، مچھلی شہر، شاہ گنج، سوجان گنج، برسٹھی، منڈیاہوں، کھٹہن، مفتی گنج، رام نگر، سکرارہ،

پردھانوں کی تعداد

اس ضلع میں پردھانوں کی تعداد ۲۰۴۵ اور سرپنچوں کی تعداد ۲۱۳ ہے جو دیہاتوں کے معمولی مقدمات دیکھتے ہیں۔

پنج سالہ پلان میں جون پور کا حصہ

جس کے ذریعہ اس ضلع میں ۳۱ مارچ ۱۹۶۶ء تک حسب ذیل کام ہوں گے۔

نہروں کی لمبائی ۲۶۳ میل۔ نل کوپوں کی تعداد ۱۷۹۔ سینچائی کے پکے کنوئیں ۵۳۴۱ سینچائی کرنے والے کھیتوں کا رقبہ ۴۸۰۶۰۰ ایکڑ۔ پیداوار ۳۵۸۰۰۴۔ بیج بھنڈار کی تعداد ضلع میں ۶۱ ہے۔ اگریکلچر بیج بھنڈار ۲۱۔ ساہکاری بھنڈار ۴۰۔ مویشیوں کے اسپتال ۲۱۔ مویشیوں کے پالنے کی جگہیں ۷، ۲۔ ساہکاری کمیٹی ۲۰۴۰۔ سادھن ساہکاری کمیٹیاں ۹۹۵۔ ساہکاری سادھن گودام ۲۰۔ پرائمری پاٹ شالہ ۱۰۰۵۔ جونیر ہائی اسکول ۱۰۱۔ نارمل اسکول تین۔ ہائی اسکول ترپن ۵۳۔ پنچایت گھر ۲۴۳۔ کچی سڑک ۱۲۸۸ میل۔ پکی سڑک ۱۳۰۵ میل۔ بننے والے پلوں کی تعداد ۱۴۴۳۔ لڑکوں کو کام سکھانے کے اسکول چار۔ ہریجن طالب علموں کے رہنے کی جگہ بارہ۔ ہریجنوں کے مکان کی تعمیر کے لئے ۵۳۸ ہے۔

جون پور ضلع کی ترقی کے لئے پنج سالہ پلان میں ۱۹۶۶ء تک مذکورہ بالا کام ہوں گے۔ ہماری سرکار جس طور پر ترقی کے لئے بے دریغ روپیہ صرف

کر رہی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم نہایت ایمانداری اور سچائی کے ساتھ اس پلان کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ تاکہ ہمارا ملک اور وطن ترقی کرے اور آزادی کا منشا، صحیح طور پر پورا ہو سکے۔ لہ

جون پور میں صنعت

اور

دستکاری

جون پور میں ۸ آٹھ قسم کے صنعت و دستکاری کے مرکز ہیں۔

دستی کرگھا اس کام میں تقریباً ۱۶ سولہ لاکھ روپیہ کا سوت خرید کر استعمال کیا جاتا ہے اور تین لاکھ روپے کا صرف کھدر تیار ہوتا ہے۔ تیس کارخانے سرکاری امداد کے ہیں۔

لہ یہ تمام حالات اتہاس جون پور شری سبھا سکر جی سے لئے گئے ہیں۔ اور بعض کاغذات مردم شماری کا بھی معاینہ کیا گیا ہے۔ سبھا سکر جی ضلع انفارمیشن افسر ہیں۔ آپ یہیں پیدا ہوئے۔ اور جوان ہوئے۔ بہت با اخلاق، ملنسار اور سنجیدہ جوان ہیں۔ کار سرکار کو بہت محنت سے انجام دیتے ہیں اور ہر شخص سے ملتے ہیں آپ اہل شہر میں بہت ہر دلعزیز ہیں۔ اہل علم کی قدر کرتے ہیں۔

سوت کتائی اس شہر میں ۱۲۸۰ چرخے چلائے جاتے ہیں۔ اور ۲ ہزار کسان کام کرتے ہیں۔ اور تین ہزار پانچ سو مرد اور عورت کاتتے ہیں۔

عرق کیوڑہ و گلاب اس کاروبار میں لوگوں کا دس ہزار روپیہ لگتا ہے اور بارہ ہزار روپیہ کا مال تیار ہو کر بکتا ہے۔

خوشبودار تیل اس شہر میں خوشبودار تیل تیار کرنے کے پچیس (۲۵) کارخانے ہیں جن میں بیس کارخانے بڑے ہیں ان کارخانوں میں حاجی زکریا کا کارخانہ بہت مشہور ہے جس کی شاخیں بمبئی کلکتہ اور مکہ معظمہ ملک عرب میں بھی ہے۔ باقی کارخانے بھی شہرت کے مالک ہیں اور آس پاس کی ضرورت پورا کرنے کے علاوہ باہر بھی مال کافی تعداد میں سپلائی کرتے ہیں۔ خوشبو سازی کے پانچ ماہرین کام کرتے ہیں اور ہر ماہ میں لاکھوں روپیہ کا تیل تیار ہوتا ہے۔

کانچ کے موتی نقلی موتیوں کا کاروبار —— گاؤں میں ۱۹۵۳ء سے شروع کیا گیا ہے۔ یہ کاروبار کم سرمایہ سے کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کل پونجی پندرہ سو روپیہ لگی ہے جس میں سات سو کی دو مشینیں ہیں تقریباً پانچ ہزار روپیہ سالانہ کا موتی تیار کیا جاتا ہے۔

صابن سازی صابن کے کارخانے ضلع بھر میں آٹھ ہیں۔ جس میں دو شہر میں اور ایک شاہ گنج باقی مونگرا بادشاہ پور میں ہیں۔ یہ کارخانے صرف کپڑا دھونے کا صابن تیار کرتے ہیں۔ ان کارخانوں میں ایک لاکھ روپیہ سے ۲۳۸۹ من صابن تیار کیا جاتا ہے۔

زیورسازی اس شہر میں تقریباً ۱۶۰۰ سونار تھے جو طرح طرح کے سونے چاندی کے زیورات تیار کرتے تھے اور شہر میں تقریباً ایک سو سے زائد سونے اور چاندی کی کوٹھیاں اور دوکانیں تھیں۔ جہاں زیورات فروخت ہوتے تھے۔ سونار سال بھر میں دو لاکھ کی مزدوری کر لیتے تھے مگر سونے پر کنٹرول ہو جانے سے سب تباہ حال ہو گئے۔ اور دوسری دوکانیں کھول لیے ہیں۔ لشناتھ سیٹھ کا کاروبار سب سے بڑا تھا۔

سُتلی اور ٹاٹ پٹی اس کام میں پانچ سو آدمی مصروف رہتے ہیں۔ اور ۹ ہزار چھ سو روپیہ کی ٹاٹ پٹی تیار کر کے فروخت کی جاتی ہے۔

حقہ و ناریل یہ کام بہت کم ہو گیا ہے مگر پھر بھی دس ہزار حقے سالانہ تیار ہوتے ہیں اور پانچ ہزار روپیہ کی قیمت میں فروخت ہوتے ہیں۔

لوہے کا صندوق یہ کام لونگرا بادشاہ پور اور شہر جونپور میں ہوتا ہے۔ اور لوگوں کا پانچ ہزار پانچ سو روپیہ اس کام میں لگا ہوا ہے۔

دری بافی تحصیل منڈیاہوں اور مچھلی شہر میں دری بننے کا کام ہوتا ہے پانچ ہزار سات سو ساٹھ روپیہ کا خام مال منگوایا جاتا ہے۔ اور چھ ہزار سات سو بیس روپیہ کی دریاں ہوتی ہیں۔

کمبل بافی اس کام میں تقریباً دو سو انصاری کام کرتے ہیں۔ چھ سو من اون سے اڑتالیس ہزار روپیہ کا مال تیار ہوتا ہے۔ جاڑوں میں بارہ ہزار کمبل ضرور تیار کرلئے جاتے ہیں۔ جن کی قیمت ۷۰۰۰ ہزار روپیہ کم از

کم ہوتی ہے۔ پوری فصل میں ۹۶۰۰۰ ہزار روپیہ کے کمبل فروخت ہوتے ہیں۔

سن کا کارخانہ مشین کے ذریعہ گانٹھ باندھنے کا کام ہوتا ہے۔ ضلع میں کل آٹھ مشینیں ہیں اور زیادہ تر نوبہ ڈال میں ہیں دو لاکھ کے سرمایہ سے یہ کام چل رہا ہے۔

زردہ تمباکو زردہ تمباکو بنانے والے چودہ کارخانے ہیں جو سال بھر میں چار لاکھ روپیہ کا مال تیار کر کے فروخت کر لیتے ہیں۔

باڑھ مونج کا بنا ہوا باڑھ قیمتی ہوتا ہے اور کم بنتا ہے۔ زیادہ تر بن کس اور بگئی کے باڑھ تیار ہوتے ہیں۔ اس کام میں پانچ سو آدمی لگے ہیں اور دس ہزار روپیہ کا مال تیار ہوتا ہے۔

نیچا، حقہ اس کام میں کبھی سو آدمی لگے ہوئے رہتے تھے بہترین گوٹہ ریشم اور کلابتو نقرئی سے بن کر بیل دار تیار ہوتا تھا۔ مگر اب سگریٹ بیڑی نے اس کام کو ختم کر دیا ہے۔ صرف چار کاریگر اس کام کو کرتے ہیں۔

کنگھی سازی اس کام میں صرف دس کاریگر لگے ہوئے ہیں جو سال بھر میں بیس ہزار کنگھیاں تیار کر کے دو ہزار پانچ سو روپیہ میں فروخت کر لیتے ہیں۔

اونی قالین بافی اس کام کو تقریباً ۲۷۵۰۰ مزدور کاریگر کام کرتے ہیں اور منڈیاہوں میں اس کام کی کئی شاخیں ہیں۔ جو براہ راست مرزاپور کے بڑے کارخانے والوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

کپڑے کی چھپائی اس کام کو تقریباً پچاس کاریگر کرتے ہیں۔ جو سال میں دس ہزار سے لے کر پندرہ ہزار روپیہ تک کی مزدوری کر لیتے ہیں۔

چونے کی بھٹی اس ضلع میں چونے کی چوالیس بھٹیاں ہیں جن میں دس بڑی ہیں۔ یہ بھٹیاں سال میں ستر ہزار روپیہ کا کچا مال (کنکر) استعمال کرتی ہے۔ جو ایک لاکھ پینسٹھ ہزار روپیہ کی قیمت کا چونا تیار کرتی ہے۔

پالش کا سامان اس کام کو کرنے والے پچاسش ہزار روپیہ کا پالش استعمال کرتے ہیں۔

ٹین کا کام چلمنی، ڈبے، قیف، کنستر اور بہت سی دوسری چیزیں تیار ہوتی ہیں۔

تیل کی کپی تیل کے کارخانوں میں پھٹکر بکری کے لئے کپیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کپیاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ خام اور پختہ، خام ملائم ہوتی ہیں۔ اور پختہ سخت ہوتی ہیں۔ اب سے دس سال پیشتر خوشبو دار تیل کپیوں میں فروخت ہوتا تھا۔ پختہ کپیاں بہت بڑی اور مضبوط ہوتی تھیں۔ ایک بڑی کپی میں دس سیر تیل آیا کرتا تھا، رفتہ رفتہ ٹین کے ڈبے اور کنستر استعمال ہونے لگے۔ اب بھی سال میں چار ہزار روپیہ کی کپیاں تیار ہوتی ہیں۔

گوٹے کے کارخانے اس کام میں بہت سے لوگ لگے ہوئے ہیں۔ ضلع بھر میں ایک سو بیس کو ٹھو تقسیم کئے جا چکے ہیں جو ایک کروڑ ۹ لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کا گوٹہ تیار کرتے ہیں۔

بیڑی کے کارخانے اس کام میں تین ہزار سے زیادہ کاریگر کام کرتے ہیں۔ اس ضلع میں دو سو پچاس کارخانے ہیں جن میں بیس کارخانے ایسے ہیں جہاں سیکڑوں کاریگر روزانہ کام کرتے ہیں۔

گھی بنانا اس کام میں اٹھارہ لاکھ پچاس ہزار من دودھ سالانہ کام میں لایا جاتا ہے۔ جس سے چھبیس ہزار من گھی تیار ہوتا ہے۔ جو تقریباً پانچ لاکھ بیس ہزار روپے میں فروخت ہوتا ہے۔

سرکی اس کام میں پچاس اشخاص کام کرتے ہیں اور بیس ہزار روپیہ کا سوپ و دیگر اشیاء تیار ہوتی ہیں۔

ڈیری فارم ضلع میں مکھن بنانے کے دو کارخانے ہیں جو آئس کریم تیار کرتے ہیں۔

اینٹ بھٹہ اس ضلع میں ۱۲۹ بھٹے تھے جن میں ۸۴ بھٹوں کا اور اضافہ ہو گیا ہے۔ ان میں اٹھارہ سرکاری امداد سے چل رہا ہے اور باقی پرائیویٹ ہے۔ متھرا پرشاد کے بھٹے کا اینٹ سب سے اچھا مانا جاتا ہے۔ مگر نئے بھٹوں میں حاجی یعقوب کا بھٹہ سب سے سبقت لے جا رہا ہے۔

دونا و پتل اس کام کو دو سو مرد اور عورتیں کرتے ہیں۔ اور سال بھر میں دس ہزار روپیہ کا مال تیار کر کے فروخت کیا جاتا ہے۔

قلعی گری اس کام کے کرنے والے صرف دس اشخاص ہیں۔

درزی گری خیاطی اس کام کو ۲۵ ہزار کاریگر کرتے ہیں۔ اور سال بھر میں دس لاکھ دو ہزار روپیہ کا کام کر لیتے ہیں۔

تصویر کا فریم اس کام میں صرف پانچ اشخاص کام کرتے ہیں۔

جلد سازی جلد سازی کی کل چھ دوکانیں ہیں۔

مٹی کا برتن اور کھلونے اس کام میں ۵۰۔۳۰ اشخاص کام کرتے ہیں۔

چمڑے کا کام اس کام کو صرف سو آدمی انجام دیتے ہیں۔

دیسی جوتا اس کام میں ضلع کی آبادی کے بیس فی صدی کاریگر لگے ہوتے ہیں۔

سنگتراشی اس کام کے کرنے والے جون پور اور منڈیاہوں میں ملا کر پچاس سنگتراش ہیں اور اچھا کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ٹین کے ڈبے اس کام کو پچاس کاریگر کرتے ہیں۔ یہ ڈبے خوشبودار تیل فروخت کرنے کے کام میں آتے ہیں۔

شو میکنگ یہاں بوٹ، سینڈل، سلیپر، پیشاوری، پمپ، اور ہر قسم کے جوتے بنانے والی بائیس دوکانیں ہیں۔ اور چمڑے کا بکس بھی بنتا ہے۔

روشنائی یہاں سنہ ۱۹۵۲ء میں روشنائی بنانے کا ایک کارخانہ کھولا گیا تھا۔ جو ابھی تک ترقی نہ کر سکا۔

کاشت جنتی اس کام کو صرف پانچ اشخاص کرتے ہیں۔

گنجی موزہ — اس کام کے دو کارخانے ہیں ایک منڈیاہوں میں اور دوسرا شہر جون پور میں۔

عطر سازی — عطر سازی کے تین کارخانے ہیں جن میں سے حافظ محمد زکریا کا کارخانہ بہت شہرت کا مالک ہے جس کی برانچ بمبئی، کلکتہ، مکہ شریف اور مدینہ منورہ تک میں موجود ہیں۔

بسکٹ سازی — اس کام کے کرنے والے بارہ کارخانے ہیں اور دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔

ورق نقرہ سازی — چاندی کا ورق تیار کرنے کے پورے ضلع میں بارہ کارخانے ہیں جنمیں پانچ شہر میں ہیں۔

سوڈا واٹر فیکٹری — اس کام کے تین کارخانے ہیں۔

روئی دُھننے کی مشین — شہر اور دیہات ملا کر ۳۵ مشینیں اس کام کو کرتی ہیں۔ جن میں سے دس شہر میں ہیں۔

آتش کنیڈی — اس کام کو کرنے والے تیرہ کارخانے ہیں جن میں پانچ شہر میں ہیں۔

تارکشی — یہ کام صرف مچھلی شہر تحصیل میں ہوتا ہے۔

آٹے کی چکیاں — شہر اور دیہات میں ایک سو اکسٹھ آٹے کی چکیاں ہیں۔ جن میں سے ۴۲ شہر میں اور باقی دیہات میں ہیں۔

شیشہ گری
اس ضلع میں صرف ایک کارخانہ ہے جو ۱۹۵۵ء میں شاہ گنج میں کھولا گیا۔

لکڑی چیرنا
اس کام کے بارہ کارخانے ہیں۔

مشین کے پرزے
تین کارخانے مشین کے پرزے ڈھالتے اور بناتے ہیں۔

چھاپے خانے
یہاں اس وقت اٹھارہ پریس ہیں جن میں سے ۱۴ کام کر رہے ہیں۔

برف کا کارخانہ
ضلع بھر میں صرف دو کارخانہ برف بناتا ہے پہلا ۱۹۵۰ء میں اور دوسرا ۱۹۶۱ء سے قائم ہے

ڈھلائی
اس کام کے تین کارخانے ہیں۔

اسٹورنج
یہاں صرف ایک اسٹورنج ہے جو ۱۹۵۳ء میں بنایا گیا ہے۔ اس میں تین ہزار من آلو رکھا جاتا ہے۔

کھنڈسازی
اس کام میں دو سو آدمی لگے ہوئے ہیں۔ کراکت تحصیل میں سنٹری فوگل مشین بھی استعمال کی جاتی ہے۔

شوگر مل
تحصیل شاہ گنج میں ایک شوگر مل ہے جو ۱۹۵۳ء میں کھولی گئی ہے اور پبلک لمیٹڈ ہے۔ اور پچاس لاکھ روپیہ کے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے۔

حلوائی یہاں پر حلوائیوں کی سو دوکانیں قابل ذکر ہیں۔ جن میں سے تین دوکانوں میں دیسی گھی کی مٹھائیاں تیار ہوتی ہیں اور بینی رام کی امرتی بہت مشہور ہے۔

رکشا یہاں پر تقریباً ۱۲۰۰ رکشے چلتے ہیں جن میں تخمیناً دو ہزار ڈرائیور لگے ہوئے ہیں جو رات و دن چلاتے ہیں۔ جس میں زیادہ تر لوگ دیہات کے رہنے والے ہیں۔

قصاب شہر جون پور میں قصابوں کی پچیس ۲۵ دوکانیں ہیں جو بکریوں کا گوشت فروخت کرتے ہیں۔

بزاز ۱۹۴۷ء کے قبل یہاں بزازوں کی پچیس دوکانیں تھیں اس میں بعض دوکانوں پر محض تھوک ہی مال فروخت ہوتا تھا۔ مگر آزادی کے بعد جب سے شرنارتھی آئے یہاں بزازے کی بے شمار دوکانیں کھل گئیں اس وقت تقریباً شہر میں ایک سو پچاس دوکانیں بزازوں کی ہوں گی۔

ہوٹل یہاں پر مسلمان ہوٹل ۱۵ ہیں اور ہندو ہوٹل تین ۴ ہیں۔ اس میں سے چار ہوٹل میں ٹھہرنے کا معقول انتظام ہے۔ اس کے علاوہ سیکڑوں رسٹورنٹ ہندو مسلم ہیں۔ ان رسٹورنٹوں اور ہوٹلوں میں کوئی چھوت چھات نہیں ہے اور ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ اس میں سے بعض رسٹورنٹ بہت ہی اعلیٰ پیمانے کے ہیں۔

میوہ فروش و سبزی فروش یہاں پر سیکڑوں دوکانیں میوہ فروشوں اور سبزی فروشوں کی ہیں۔ اس کے علاوہ خود کوئیریوں کی بھی دوکانیں ہیں۔ جو خود ترکاریاں کاشت کرتے اور فروخت کرتے ہیں۔

چارہ ساز | قریب ۵۰ مرد و عورت روزانہ گھاس کھود کر لاتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں۔ یہ سبز گھاس زیادہ تر گھوڑوں اور دودھ دینے والے جانوروں گائے، بھینس کے لئے خریدی جاتی ہے اس کے علاوہ پوال اور بھوسہ بیچنے والے بھی آتے ہیں۔

غلے کی منڈی | سوسہٹی بازار میں اسٹیشن روڈ پر بہت بڑی غلہ کی منڈی ہے۔ یہاں پر بہت سی تھوک کی دوکانیں ہیں جہاں روز کافی غلہ کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اور پھٹکر بیچنے والوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔

ڈاکٹر وید، حکیم | شہر میں تقریباً پندرہ حکیم اور اسی قدر وید بھی ہیں۔ البتہ ڈاکٹروں کی تعداد اس سے زیادہ ہے مگر چند ہی ڈاکٹر، حکیم اور وید تجربہ کار اور شہرت کے مالک ہیں۔

تنبولی | محلہ پان دریبہ جون پور میں روزانہ پان کی تھوک فروشی کا بازار لگتا ہے۔ یہ بازار صبح کو آٹھ نو بجے دن تک رہتا ہے۔ دوکاندار پان فروش حسب ضرورت پان خریدتے ہیں۔ ہزاروں روپیہ کی روزانہ خرید و فروخت ہوتی ہے۔ شہر میں تھوک اور پان لگا کر بیچنے والوں کی دوکانیں دوسو پچاس ہوں گی۔ جس میں خاص شہر میں ولند گنج سے لے کر اسٹیشن تک پان کی بڑی بڑی دوکانیں ہیں۔ جہاں ہر ذائقے اور ہر طرح کا پان حسب فرمائش مل سکتا ہے۔

جون پور کے محلے | (۱) عمر خاں (۲) اجمیری (۳) ارزن (۴) اردو (۵) الفنٹین گنج (۶) بارہ دوریا (۷) سرائے لتا (۸) بیگم گنج (۹) بازار بھوا عرف بازار کہنہ (۱۰) بلوچ ٹولہ (۱۱) بلوا گھاٹ

(۱۲) کھنڈاری (۱۳) بازار شاہ گنج (۱۴) پان دریبہ (۱۵) بازار تولہا (۱۶) جہانگیر آباد (۱۷) جھنجھری مسجد (۱۸) جگناتھ پور (۱۹) حمام دروازہ (۲۰) خانخاں (۲۱) خاصن پور (۲۲) خواجہ دوست (۲۳) دیوان شاہ کبیر عرف تاڑ تلہ (۲۴) دلازاک (۲۵) ڈھاگر ٹولہ (۲۶) راسمنڈل (۲۷) رضویخاں عرف ٹکی ٹولہ (۲۸) رسول آباد (۲۹) سلح خانہ (۳۰) سوتی ٹولہ (۳۱) سپاہ (۳۲) سید راجہ (۳۳) شاہ اسمٰعیل (۳۴) شیخ برہان الدین (۳۵) شیخ محامد (۳۶) شیخان صوفی (۳۷) شیخ یحییٰ (۳۸) خواجگی ٹولہ عرف مدار تلہ (۳۹) طوطی پور (۴۰) عالم خاں (۴۱) عالم گنج (۴۲) عیسیٰ پور (۴۳) قاضی نظام (۴۴) قطب گنج (۴۵) کرار کوٹ (۴۶) کرار بیر (۴۷) کوٹھا بیر (۴۸) کہادیو ٹولہ (۴۹) مخدوم شاہ اڈھن (۵۰) مخدوم شاہ بڑے (۵۱) میر مست (۵۲) مصر پور (۵۳) مچھرہٹہ (۵۴) محال غازی (۵۵) مفتی محلہ (۵۶) ملا ٹولہ (۵۷) نقی پھاٹک (۵۸) کٹگھرہ (۵۹) نئی گنج (۶۰) دلند گنج (۶۱) نصیر خاں (۶۲) فتح پور (۶۳) شاہ چپ (۶۴) محلہ منند (۶۵) سندر داس (۶۶) مانک چوک۔ (۶۷) بازار اہکلہ (۶۸) خسرو (۶۹) موکھڑی ٹولہ (۷۰) لشیر گنج (۷۱) آدم خاں (۷۲) فیروز شاہ پور (۷۳) مصطفےٰ آباد (۷۴) بازار الف خاں (۷۵) عبیر گر ٹولہ (۷۶) اٹالہ۔

محلہ جات کی تفصیل

ان محلوں میں سرائے لتا، بازار تولہا، جگناتھ پور، خان خاناں، سید راجہ، شیخ برہان، شیخان صوفی، اٹالہ، قاضی نظام، قطب گنج، کہادیو ٹولہ، مصر پور، فتح پور، اور شاہ چپ اس وقت زیادہ مشہور ہیں۔ سوائے پرانے لوگوں کے اور دوسرے لوگ ان محلوں کو بہت ہی کم جانتے ہوں گے۔ یہ محلے قرب و

وجوار کے دوسرے محلوں میں شامل ہو گئے ہیں یا ان کا نام تبدیل ہو گیا ہے۔ مثلاً محلہ فتح پور (فتو پور) محلہ سپاہ میں شامل ہو گیا ہے۔ جھنجھری مسجد محلے کا نام پہلے راج گھاٹ تھا اب راج گھاٹ جھنجھری مسجد میں شامل ہے۔ سوبنرسی کا نام زمین سپاہ ہے۔ قانون گو ٹولہ بھی اس وقت سپاہ میں شامل ہے۔ شاہ چپ کا نام بلوچ ٹولہ ہو گیا ہے۔ قطب گنج کا نام خواجہ دوست پڑ گیا ہے۔ چہار سو کا قدیم نام بازار لاڈھان باگا تھا، اس وقت چہار سو مشہور ہے۔ سندر داس بھی ایک قدیم محلہ تھا۔ جو اس وقت چہار سو میں شامل ہے۔ سونی ٹولہ بھی خواجہ دوست میں شامل ہے۔ بازار آہکلہ ڈھال گر ٹولہ میں شامل ہے۔ خانخاناں کا نام نخاس ہو گیا۔ خسرو کا نام ولاناک پڑ گیا ہے۔ لوکھری ٹولہ، کرار کوٹ کے اندر ہے۔ کشمیر گنج کا نام اردو پڑ گیا۔ آدم خاں کا نام فیروز شاہ پور ہو گیا۔ مصطفےٰ آباد کا نام بھنڈاری پڑ گیا ہے۔ بازار الف خاں کا نام عبیر گر ٹولہ ہو گیا ہے۔ نظام ٹولہ میر مست میں ہے۔ برہان الدین پور شیخ محامد میں ہے۔ مصر پور بھی دوسرے محلہ میں شامل ہے۔ محلہ ارزن کا پرانا نام غزنی پور پیران ارزن تھا۔ شیخان صوفی بھی غیر معروف ہو گیا ہے۔ بازار تولہا بازار کھوا بھی غیر مشہور محلوں میں ہیں۔

ان محلہ جات میں بہت سے محلوں کے نام تبدیل ہو گئے ہیں۔ اور بہت سے محلے امتداد زمانہ سے غیر معروف ہوتے ہوئے دوسرے محلوں میں شامل ہو گئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جون پور کے بہت سے محلے بہت ہی بڑے بڑے ہیں۔ اور بعض محلے بہت چھوٹے ہیں۔

محلہ سپاہ کو عہد ابراہیم شاہ شرقی میں قاضی عبد المقتدر نے خود آباد کیا تھا۔ ان کے بیٹے مولانا خواجگی تھے۔ اور مولانا خواجگی کے بیٹے مولانا سراج الدین منہاج تھے۔ یہ محلہ بہت پرانا ہے۔ پورب دکھن آباد ہے۔ رسالدار من لشکر

ابراہیم شاہ شرقی بحکم بادشاہ اس مقام اور چاچک پور میں آباد ہوتے ہے۔

مولوی خیر الدین صاحب نے لکھا ہے کہ اس محلہ کا نام ابراہیم شاہ نے خود تجویز کیا تھا۔ سرداران لشکر اور علماء کرام نے اس میں سے ایک ایک قطعہ اراضی پسند کر کے مکان تعمیر کیا۔ اس وقت محلہ سپاہ نومحلوں میں شامل ہے۔

محلہ شیخواڑہ جو پورب طرف آبادی کے تھا عہد ابراہیم شاہ میں ایک کامل بزرگ سلطان محمود کی اس مقام پر سکونت تھی۔ اور اس مقام پر تمام تر شیخ ہی رہتے تھے۔ آج ہر قوم آباد ہے۔

محلہ شاہ چپ عہد قدیم کے ایک درویش کامل کے نام پر آباد تھا۔ وہ ہر وقت چپ رہتے تھے۔ یہ محلہ دکھن طرف تھا۔ اسی میں باغ عرب تھا۔ اس محلہ کے قریب میں دس گھر افغان بلوچ کے تھے۔ اس لئے اس محلہ کو بلوچ ٹولہ کہنے لگے۔ شاہ چپ اور باغ عرب غیر مشہور ہو کر ختم ہو گیا۔

باغ ہاشم، ڈھڑیانہ ٹولہ قدیم محلے ہیں۔ جو پرانی بازار میں شامل ہے۔

محلہ جمال خاں لودی یہ سکندر لودی کے زمانہ کے امراء سے ہیں۔ اس محلہ کی حد شرقی شاہ فیروز کے روضہ تک ہے۔ اور پچھم میں محلہ سپاہ کی سرحد تک اس محلہ میں بلوچی آباد تھے۔ بازار لاڈخاں کے ہر دو طرف عہد قدیم میں عام راستہ تھا۔ اور دو کانیں تھیں۔ اور دکھن طرف محلہ جمال خاں سے ملا ہوا تھا۔ اٹھاون مکان تھے۔ اتر طرف شارع عام سے محلہ خواجہ دوست ملا ہوا تھا۔

خواجہ دوست عہد اکبری کے نامور امراء میں گذرے ہیں۔ یہ محلہ انہیں کے نام سے آباد ہوا۔ اور ابتک آباد ہے—— یہ بہت بڑا محلہ تھا اس کے اندر بھی دوکانیں دوطرفہ تھیں۔ اس میں ۹۷ مکان افغان اور برہمنوں کے تھے اور ایک سرائے عام تعمیر کردہ کرامت خاں تھی۔ اس محلہ میں اور اس سے متصل تھی

کی بہت بڑی منڈی تھی۔ اور کوچہ روغن زرد مشہور تھا۔

محلہ نند بھی خاص شہرت کا مالک تھا۔ اس میں چھ محلے شامل تھے۔ نند لال عہد حسین شاہ شرقی میں دیوان تھا۔ جب حسین شاہ نے سکندر لودی سے شکست کھائی۔ اور وہ بنگال بھاگ گیا۔ اور جلال خاں یہاں کا حاکم ہوا۔ تو نند لال جلال خاں کے ذریعہ حاضر خدمت ہوا۔ اس کی بہت عزت و تکریم کی گئی۔ اور وہ مسلمان ہوگیا۔ نندلال کی سکونت جلال خاں کے قرب میں تھی۔ بڑی عالی شان عمارتیں تعمیر کیں۔ مگر آج سے

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

سونی ٹولہ یہ محلہ پچھم دکھن محلہ نند کے واقع ہے۔ پہلے اس محلہ میں دلالان سونا چاندی آباد تھے۔ اس وجہ سے اس نام سے موسوم ہوا۔ چونکہ یہ محلہ ویران ہوگیا۔ اور اکثر حویلیاں مسمار ہوگئیں اور بہ بنائے افلاس کاشتکاروں نے خرید کر اراضی مزروعہ کر لیا۔ اس محلہ کے دکھن ایک بہت بڑا املی کا درخت تھا۔ اس کے متصل پانچ بسوہ اراضی مزروعہ حکیم علی بخش کے قبضہ میں تھی۔

خیر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ پہلے اس جگہ مرزا سنجا کا فیل خانہ تھا۔ مرزا سنجا عہد عالم گیری میں یہاں کے تحصیلدار تھے۔ جو اعظم گڑھ کی جنگ میں قتل ہوگئے۔ اعزا ان کی لاش جون پور لاکر نواب ذربہ کے باغ میں پچھم طرف دفن کیا۔ قبر موجود ہے۔

محلہ نند کے اتر پچھم اگروال ٹولہ تھا۔ یہ لوگ مہاجنی پیشہ کرتے تھے۔ اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ کس اگروال نے اسے آباد کیا تھا۔

محلہ راستمنڈل محلہ نند سے دکھن پورب کی طرف تھا۔ اس محلے میں برہمن کثرت سے آباد تھے اور چند حویلیاں بوہاران آباد تھے جو کپڑے کی خرید

فروخت کرتے تھے۔ اور دستوریہ کے لقب سے مشہور تھے۔

راسمنڈل اصل میں ایک چبوترہ کا نام تھا جس پر برہمنوں کے لڑکے دسہرہ میں رام، لچھمن اور سیتا بن کر بیٹھتے تھے۔ اور رام لیلا کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد یہ میلہ ختم ہوگیا تھا۔ اس محلہ میں ایک شیوالہ رام پرشاد دستوریہ اور دوسرا شیوالہ شیوناتھ سنداسی کا تھا۔

محلہ فتوپورہ محلہ نند کے دکھن و پورب میں واقع ہے۔ اور اس کی پوربی سرحد روضہ جمال خاں سے ملی ہوئی ہے۔ روضہ جمال خاں اور فتوپورہ کے درمیان ایک راستہ ہے جو دریائے گومتی کو جاتا ہے۔

خیرالدین صاحب لکھتے ہیں کہ اصل میں یہ محلہ افغانوں کا تھا۔ احمد خاں افغان اس جگہ آباد تھے۔ اور اس محلہ کی ملکیت کا دعوی کرتے تھے۔ اس محلہ میں پانچ گھر افغانوں کے تھے۔ اور ایک مکان گھر دیو سنگھ بندیلہ کا تھا۔ جو مہاجنی کا پیشہ کرتے تھے۔ اور سولہ گھر نور باف، حجاموں اور دھوبیوں کے تھے۔ کل بائیس گھر تھے۔ بعد کو خواجہ دوست کے لڑکے سید دین علی نے یہاں ایک عالی شان مکان تعمیر کرایا۔ جن کے لڑکے سید غوث علی وکیل اور سید رحم علی تھے۔ جن کی ایک مسجد تعمیر کردہ موجود ہے۔ اب یہ محلہ بالکل اجڑ گیا ہے اور تمام زمین مزروعہ ہے۔

مانک چوک۔ اس چوک کو مانک چند دیوان خان خاناں نے ۹۷۲ھ بزمانہ اکبر بادشاہ تعمیر کیا۔ پچھمی حد اس کی محلہ نند شارع عام ہے جو اندرون دروازہ دکھن مانک چوک سے دریا کی طرف جاتا ہے۔ دکھنی حد چک پیار علی پچھم سے پورب محلہ نند واقع ہے۔ اس کے بعد دریائے گومتی ہے۔

اس مانک چوک کے دکھن عمارت مربع میں تھی۔ اور چار دروازے چاروں طرف تھے۔ اور چاروں طرف سڑک شارع عام تھی۔ جو دروازہ کے باہر

رواں تھی۔ لمبائی چوڑائی اس چوک کی ایک سو اٹھاسی فٹ تھی۔ اس کے اندر ۷۹ دوکان بزازوں کی تھی۔ اور خوشبو ساز اور جوتے فروش اس کے علاوہ تھے۔

زمانہ قدیم میں اس چوک کے اندر جوہریوں اور عطاروں کی دوکانیں تھیں جو ہیرے اور جواہرات کی تجارت کرتے تھے۔ اور ہر دروازہ پر عالی شان عمارت تعمیر تھی جس پر شام کو حکام بغرض سیر و تفریح آتے تھے۔

دکھن و پورب محلہ نندشاہ ہے جو شارع عام قلعہ کی طرف جاتی ہے اس وقت اجاڑ کی صورت ہے۔ چند بے رونق دوکانیں ہیں۔ کوئی خاص بازار نہیں ہے اور نہ خرید و فروخت ہی ہوتی ہے۔

اس کے قرب میں سندرداس محلہ تھا۔ یہ قوم کے کھتری تھے۔ اور بعہد اکبر اعظم دیوان تھے۔

ڈھالگر ٹولہ میں کاریگران آباد تھے۔ جو ڈھالیں، تلواریں اور بارود وغیرہ تیار کرتے اور اسلحہ پر پانی چڑھاتے تھے۔ اور خان خاناں محلہ میں جو بعد کو نخاس ہوگیا ہے۔ ہاتھی، گھوڑے، بیل، گائے، بکری، اونٹ اور چرند و پرند کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اور بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ لوگ دور دراز سے آتے تھے۔

خسرو محلہ جو دلازاک عرف گولر گھاٹ ہوگیا ہے۔ پہلے یہاں بذریعہ کشتی ہر قسم کا غلہ آکر فروخت ہوتا تھا اور عہد قدیم میں یہاں پر دلازاک پٹھان رہتے تھے جو بڑے جنگجو تھے۔

موگیری محلہ جس کو کرار کوٹ بھی کہتے ہیں۔ قدیم میں اس محلہ کے اندر جو لوگ آباد تھے۔ وہ حماموں کے اندر کام کرتے تھے۔ اور حمام میں غسل کرنے والوں کو غسل کراتے تھے۔ یہ لوگ خود صابن بھی بنالیا کرتے تھے۔ آج ہر قوم کے

لوگ آباد ہیں۔

بشیر گنج محلہ کو بشیر خاں کوتوال نے عہد نوابی میں اپنی یادگار کے طور پر آباد کیا تھا۔ گزیٹر کا کہنا ہے کہ اردو اس لئے موسوم ہوا کہ یہاں فوج رہتی تھی۔

آدم خاں محلہ جو فیروز شاہ کے نام سے موسوم ہے۔ عہد فیروز شاہ کا آباد ہے۔ اور آدم خاں نے آباد کیا تھا۔

محلہ ارزن نعیم اللہ و عزیز اللہ پسران حضرت خواجہ عیسیٰ تاج کا آباد کردہ ہے اس کا قدیم نام پیران ہے۔

مصطفےٰ آباد جس کو کھنڈاری بھی کہتے ہیں قاضی غلام مصطفےٰ عرف منجھلے میاں۔ غلام محمد یحییٰ، غلام محمد رسول اور غلام محمد عیسیٰ یہ چاروں حقیقی بھائی تھے۔ مورث اعلیٰ کا نام محمد تھا۔ چاروں بھائیوں نے اپنے نام سے ایک ایک محلہ رسول آباد، عیسیٰ پور، اور یحییٰ پور آباد کیا۔

کھنڈاری اس لئے مشہور ہوا کہ قاضی غلام مصطفےٰ صاحب غربا اور مساکین کو کھنڈارہ دیتے تھے۔

بازار الف خاں جو عبیر گڑہ مشہور ہوا ہے۔ الف خاں قوم کے افغان تھے اور یہیں ان کی حویلی تھی۔ انھوں نے اپنے نام سے آباد کیا۔ اب تک ایک پتھر جس پر "بازار الف خاں" لکھا ہوا ہے۔ قاضی ابوالبقا صاحب کے احاطہ کی دیوار میں نصب ہے۔ بازار الف خاں محلہ قضیانہ کے نام سے بھی موسوم ہے۔

نظام ٹولہ جو میر مست کے نام سے مشہور ہے۔ اس محلہ میں عہد شرقی کے قاضی نظام الدین کیگلانی کی سکونت تھی۔ جو اب محلہ میر مست کے نام سے

مشہور ہے۔ گزیٹئر کے کہنے کے مطابق یہ محلہ سلطان اشرف کا آباد کیا ہوا ہے۔

محلہ رضوی خاں کو مرزا میرک رضوی نے آباد کیا تھا۔ اس میں امیر الامرار بستے تھے۔ مرزا میرک عہد اکبری میں بہت ممتاز عہدے پر فائز تھے۔ اور رضوی خاں کا خطاب تھا۔ جن کا مزار سرائے خام میں بلند چبوترے پر ہے۔

محلہ اٹالہ یہ محلہ قلعہ کے قرب میں دو سو قدم کے فاصلے پر اتر طرف واقع ہے۔ چوں کہ یہاں پر فوجیں رہتی تھیں اسی مناسبت سے یہ محلہ اٹالہ مشہور ہوا۔ اس مقام پر ابراہیم شاہ نے ایک عالیشان جامع مسجد تعمیر کرائی جو فوجیوں کی مسجد کے نام سے مسجد اٹالہ موسوم ہو گئی۔ اور آج تک اسی نام سے پکاری جاتی ہے۔ بعد کو یہ محلہ رضوی خاں میں شامل ہو گیا۔

رضوی خاں اس شہر کے سب سے بڑے محلوں میں ہے۔ جون پور میں برابر ہی ایک محلے دوسرے محلے میں شامل ہوتے رہے ہیں۔

کیسری بازار محلہ بھی کرار کوٹ کا حصہ ہے۔ اور لوگ اس کو کیسری بازار ہی جانتے ہیں۔ حالاں کہ اصل میں کرار کوٹ ہے۔

الفنٹن گنج جدید محلوں میں ہے۔ جس کا نام جون پور کے ایک انگریز جج کے نام سے پڑا ہے۔

ولند گنج بھی عہد حاضر کا آباد کردہ ہے۔ اور ولند صاحب جون پور کے ایک انگریز جج کے نام سے موسوم ہے۔

میاں پور میاں محمد نوح کے نام پر آباد ہے۔ یہ محلہ بھی بہت پرانا ہے۔

جوگیا پور اصل میں شیخ پورہ میں شامل تھا۔ قدیم یعنی شرقی دور میں جیل اور اس کا قرب وجوار علی پور میں تھا۔ یہ محلہ حضرت مخدوم قطب بینا مد

ولی رحمۃ اللہ علیہ کا آباد کردہ ہے۔ علی پورہ کے حدود بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ [۱]

محلہ دیوان شاہ کبیر۔ آپ ہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ آپ کا انتقال ۹۹۲ھ میں ہوا۔ اب یہ محلہ تار ٹلہ کہا جاتا ہے۔

طوطی پورہ۔ قاضی محمد یوسف کے ایک غلام نے آباد کیا تھا۔ جس کا نام طوطی تھا۔

مفتی محلہ سید ابو البقا کا آباد کیا ہوا ہے۔ جو وہاں رہتے تھے اور ۱۰۴۲ھ میں انتقال کیا۔

خالص پور جسے خالص مخلص صوبے دار نے بہ عہد شرقی سلطنت آباد کیا۔

سرائے مجاہد، پریم راجپورہ، شیخان صوفی، مصر پورا۔ اور سید راجا گرہ وزیری خاندان کے ایک راجہ انگ پور کے سید یوسف علی تھے۔ ان کا آباد کیا ہوا ہے۔

پان دریبہ۔ شاہ اسمٰعیل، نصیر خاں فیروز تغلق کے لڑکے کے نام سے آباد ہوا۔

محال غازی اکبر کے زمانہ کے ایک معزز شخص غازی خاں کا آباد کیا ہوا ہے۔

شیخ یحییٰ۔ یہ اکبری دربار کے ایک شاعر اور پہلوان تھے۔ ان کا نام

---

[۱] جون پور نامہ فارسی خیر الدین۔ گزیٹر جون پور۔ جغرافیہ جون پور۔ کاغذات سرکاری میونسپل بورڈ۔ و تحقیق مؤلف۔

محمد یحییٰ تھا، انکے نام سے یہ محلہ آباد ہوا۔ جگدیش پور اسمیں ایک صدر امام باڑہ ہے۔
بیگم گنج راجے بی بی کے نام سے آباد ہوا ہے۔ شیخ محامد ملا شیخ محامد کا آباد کیا ہوا ہے
ملاٹولہ، جھنجھری نہر، بازار بھوا اس محلے میں پہلے بھوپ بنواری رہتے تھے ان کے نام سے بازار
بھوا پڑا۔ عبیر گر ٹولہ یہاں پہلے عبیر بنتی تھی۔ اسی سبب سے اس محلہ کا نام عبیر گر ٹولہ پڑ گیا۔
محلہ اجمیری جونپور کی حکومت شرقی کے زمانہ میں یہاں ایک اجمیری شاہ رہتے تھے اور یہیں
دفن ہیں۔ یہ محلہ ان کے نام سے موسوم ہوا۔ شاہ غلام رسول کا خاندان انکے مکان کا
مالک ہوا۔ حمام دروازہ یہاں ایک حمام ترکی قوم کا بنوایا ہوا تھا اس لئے اس نام سے
موسوم ہوا۔ باغ ہاشم، سپرتے لتہ اور کوٹھیا بیر۔ یہاں اس نام کا ایک مٹھ تھا۔
شیخ برہان الدین ایک بزرگ تھے جو یہاں ۹۴۸ھ میں انتقال کر کے دفن ہوئے۔
یہ محلہ انھیں کے نام سے موسوم ہوا۔ بازار توپیا، مخدوم شاہ بڑے ایک صوفی مشرب
بزرگ مخدوم شاہ شمس الحق بڑے حقانی جو ۹۵۰ھ میں انتقال کر کے یہیں دفن ہوئے
ان کے نام سے یہ محلہ آباد ہے۔ میلوں انکی زمین تھی۔ اس محلہ میں آج کل جو لوگ
آباد ہیں وہ مخدوم شاہ بڑے کی رعیت ہیں۔ مخدوم شاہ اڈھن یہ محلہ مخدوم شاہ
اڈھن کے نام سے آباد ہے جن کا انتقال ۹۷۰ھ میں ہوا۔ اسی محلہ میں مقبرہ ہے۔
عالم خاں، عالم گنج، باغیچہ عمر خاں، سکھی پور، ہرکھ پور، دھنو پور، شکر منڈی
عمر خاں حسین شاہ کے پوتے کے نام سے موسوم ہے جو ہمایوں کے زمانہ میں گذرا۔
محلہ ارزن۔ یہ محلہ مخدوم شاہ ارزن کے نام سے موسوم ہے جو کہ ۱۰۷۲ھ
میں یہاں دفن ہوئے۔ روضہ ارزن۔ اسی کے قریب یہ محلہ واقع ہے [1]

---

[1] گزیٹر جون پور، سرکاری کاغذات، سروے رپورٹ۔

ایک اہم ضرورت

اس کتاب کی تیاری میں جہاں لائبریریوں کی خاک چھاننی پڑی اور جگہ جگہ کا سفر کرنا پڑا مضامین کی فراہمی اور کتابوں کے حصول و مطالعہ اور تراجم پر پانی کی طرح روپیہ خرچ کرنا پڑا وہیں جونپور کے قدیم کھنڈرات و آثار، مزارات و مقابر اور عام قبرستانوں کی بھی سیر کرنی پڑی اور ایک ایک اینٹ پتھر کو الٹ پلٹ کر دیکھنا پڑا۔ ان آنکھوں نے جو درد فرسا مناظر دیکھے اور زبان حال سے ان پاک روحوں کی فریادیں سنیں اس کے لئے ایک مستقل مبسوط کتاب کی ضرورت ہے۔ میں نے دیکھا کہ صدہا قدیم قبریں جنکا زمانہ بلا مبالغہ آج سے ۳۰۰-۴۰۰ برس قبل ہے شکستہ حالت میں پڑی ہیں۔ بزرگان دین کے مزارات یا تو کانٹوں کی جھاڑ میں روپوش ہیں۔ یا جنگل کے خود رو درختوں نے انھیں توڑ کر منتشر کر دیا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ سیکڑوں علماء دین، شعراء، حکماء اور صوفیہ کرام کے مزارات جن کا زمانہ آج سے ۳۰۰-۴۰۰ برس قبل ہے۔ ان کے مزارات نقش نگار سے بھرپور پتھر اجڑے ہوئے پڑے ہیں جن پر قرآن کریم کی آیات اور کلمہ طیبہ ابھرے خط میں ہے۔ اور بیحرمتی ہو رہی ہے سیکڑوں ایسے مزارات دیکھے جو نہایت بلند اور وسیع چبوترے پر تھے جنمیں بڑی بڑی عظیم الشان ہستیاں دفن تھیں آج یہ حالت ہے کہ ایک اونچے ٹکڑے پر ایک یا دو قبر معلق ہے اور تمام زمین پر کھیتیاں ہو رہی ہیں میں نے یہ بھی دیکھا اور حسرت کی انتہا نہ رہی کہ خالص مسلمان آبادی اور محلہ میں تغلق، شرقی اور مغل دور کی عظیم الشان یادگار ہستیوں کے آبائی قبرستان میں جہاں بڑے بڑے آفتاب ہما دفن ہیں یا ان کے خلفاء و مریدین کے مزارات ہیں آج انھیں کانٹے دار جھاڑیوں اور خود رو درختوں نے توڑ کر منتشر کر دیا ہے۔ لوگ پتھروں کو اٹھا اٹھا کر اپنے گھر لیجا رہے ہیں اور قبرستان کو ہل سے جوت رہے ہیں۔ قضاء حاجت کے لئے جاتے ہیں اور گندے کپڑے پھینکتے ہیں۔ یہ سب کون کر رہا ہے۔ یہاں بے شمار اولیاء اللہ کے مزارات اور ان سے متعلق

زمینوں کا بھی حال ہے۔ علاوہ بریں ذاتی قبرستانوں کی بھی جہاں اہل شہر اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں اس سے بھی ناگفتہ بہ حالت ہے۔ بڑی بے حسی اور جمود طاری ہے۔ ساری قبرستانیں روز کھیتوں میں شامل ہوتی چلی جارہی ہیں۔ اور آباؤ اجداد کے سینوں پر ہل چل رہے ہیں مگر کچھ فکر نہیں ہے نہ انھیں قبرستانوں کی شکل دکھائی دیتی ہے اور نہ گھبرا جاتا ہے نہ اسکی حفاظت کے سامان کئے جاتے ہیں۔ عام قبرستانوں کی تو کچھ حالت ہی نہ پوچھئے۔ بڑی بڑی قبرستانوں کا نصف سے زیادہ رقبہ کھیتوں میں شامل ہوگیا ہے۔ اور قبروں کی سخت بے حرمتی ہوتی ہے مگر ذرا بھی احساس نہیں۔ بیدار اس وقت ہوتے ہیں جب تیر ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اس کی سخت ضرورت ہے اور مسلمانوں کو فوراً توجہ کرنی چاہئے کہ قدیم شاہی قبرستانیں اور بزرگان دین کے مزارات وہ یکجائی ہوں یا الگ تھلگ سب کو موقع پر نوٹ کیا جائے اسکے موجودہ رقبہ کو مع چوحدی کے لکھا جائے۔ اس حصہ کا فوٹو لیا جائے اور ۱۸۵۷ء کے قبل سے آج تک کے سرکاری کاغذات کا معائنہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ یہاں پر جتنی عام قبرستانیں ہیں یا مسجدیں چاہے وہ قناتی ہوں یا غیر قناتی یا مدفون وشکستہ سب کو نوٹ کرنیکی ضرورت ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ شہر اور اس کے اطراف میں ایسی سیکڑوں مسجدیں اور قبرستانیں ہیں جن سے ملحق کافی زمین اب بھی موجود ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کام کو فوراً شروع کرکے کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ حالانکہ اس کام کیلئے عظیم سرمایہ اور برسوں اپنا وقت صرف کرنیکی ضرورت ہے مگر اس کام کا جلد ہونا بہت ضروری ہے ورنہ بہت ہی عظیم نقصان ہوگا جسکی تلافی کی کوئی صورت نہ ہوگی اور مسلمانوں کو اپنے مردوں کو دفن کرنے کیلئے زمین نہ مل سکیگی اور وہ وقت سر پہ ہے کہ انکے قدیم آثار و اخبار اور گنبد و مزارات کا نام ونشان بھی باقی نہ رہیگا۔ میں آخر میں پھر درخواست کرتا ہوں کہ فوراً اس کام کو شروع کیا جائے تاکہ تمام مساجد و مزارات، گنبد و مینار، قبرستانیں وران سے ملحقہ زمینیں تباہی بربادی سے بچ جائیں اور اس کو مبسوط کتاب کی صورت میں مع فوٹو کے شائع کیا جائے۔

منیچ یا ظفرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

اگر کوئی سیاح جونپور کی قدیم اور بے مثل شاہی عمارتوں کو دیکھنے کیلئے آئے تو اس کو ظفرآباد نہ بھولنا چاہیئے بایں وجہ کہ یہ کبھی بہت عظیم شہر تھا اور جونپور سے بھی زیادہ قدیم - یہاں قنوج کے راجاؤں کی فوجی چھاؤنی تھی اس کا اصل اور پرانا نام منیچ ہے ——— اور جب مسلمانوں کی آمد و فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور اس شہر پر ان کا قبضہ ہوا تب سے اس کا نام **ظفرآباد** مشہور ہوگیا اور اسکو بڑی رونق حاصل ہوگئی ——— مگر اب یہ شہر سے قصبہ ہوا اور قصبہ سے معمولی بازار ہوگیا ہے جس میں پوسٹ آفس اور تھانہ بھی ہے -

یہ قدیم و تاریخی جگہ جونپور ریلوے اسٹیشن سے ۶ میل پورب اور دکھن میں ہے اور شہر کے اندر اولند گنج چوراہے سے براہ سڑک ۵ میل ہے جب آپ جونپور تشریف لائیں اور یہاں کی سیاحت فرمالیں تب آپ کو ظفرآباد جانا چاہیئے - وہاں جانے کے لئے اکبری برج (پل) سے ہوتے ہوئے اولند گنج چوراہے پر پہونچیں اور یہاں سے بذریعہ سواری پورب کی طرف روانہ ہوں - آگے چل کر داہنی طرف کلکٹری اور ذرا آگے بڑھ کر بائیں

جانب دیوانی کچہریاں پڑیں گی۔ دیوانی کچہری کے موڑ سے ایک سڑک سیدھی دکھن اور پورب ہوتی ہوئی ظفر آباد چلی جاتی ہے ——— دیکھیے ——— اب آپ ظفر آباد ریلوے جنکشن کے کراسنگ پر پہنچ گئے۔ بائیں طرف شاہزادہ ظفر خاں گورنر اول ظفر آباد کی بنوائی عیدگاہ ہے۔ ریلوے کراسنگ پار کرنے کے بعد ایک خوبصورت مندر داہنی جانب ہے جو نہ بہت قدیم ہے اور نہ بالکل جدید اور بائیں طرف سید مرتضیٰ کا مقبرہ ہے ——— اب آپ یہاں سے سیدھے آبادی کے اندر بازار چلے جائیں اور اتر طرف مڑ جائیں تو چند گز کے فاصلہ پر شاہزادہ ظفر خاں کی مسجد جامع (ظفر) ملے گی جو آپ اپنی مثال ہے۔ مسجد کے اتر طرف چند ہی قدم پر طاہر امام منطقی رح کی بارہ دری ہے جس میں آپ کا مزار ہے ——— اب آپ یہاں سے پورب اور اتر کو لب دریائے گومتی تشریف لیجائیں تو حضرت مخدوم آفتاب ہند کا روضہ ملیگا اس سے ملحق ایک احاطہ ہے جس میں آپ کے خلفا اور دیگر مریدین باصفا کی بہت سی قبریں ہیں۔ روضہ گر چکا ہے۔ در و دیوار سے رعب و دبدبہ کا اظہار ہوتا ہے یہاں سے اب آپ پچھم کی طرف چلیں تو ایک میل کے فاصلہ پر داہنی طرف حضرت ملا قیام الدین رح کا روضہ ملے گا۔ اس سے ملحق ایک مسجد بھی ہے۔ اب آپ یہاں سے پھر بازار آئیں اور دکھن طرف جائیں تو کچھ فاصلے پر ایک عالیشان گیٹ اور اس سے متصل ایک مسجد ملے گی۔ گیٹ کے اندر داخل ہوں تو دو گنبد دکھائی پڑیں گے۔ ان دونوں گنبدوں میں حضرت مخدوم چراغ ہند اور انکے متعلقین و خلفا آرام فرما ہیں۔ اسی گیٹ و روضہ کے اندر باہری حصہ لیئے ہوئے پچھم طرف ایک چار دیواری ہے۔ جس میں آپ کے خلفا و مریدین کی قبریں ہیں اور ایک بڑی وسیع قناتی مسجد ہے ——— اب آپ باہر

آجائیں اور دکھن طرف جائیں تو آپ کو ایک عظیم الشان بھیٹا نظر آئے گا یہ راجہ جے چند کی **کوٹ آسنی** ہے جسکو چراغ ہند کے جلال و غصہ نے تودہ خاک بنا ڈالا۔ یہی وہ عظیم کوٹ تھی جس میں کسی زمانے میں **شہاب الدین غوری** کا دربار ہوا تھا اور تمام راجہ شریک ہوئے تھے ——— کوٹ آسنی یعنی بھیٹے سے پچھم طرف جائیے تو آپ کو صلاح الدین خاں اور رانا خاں کا شاندار مقبرہ نظر پڑے گا جو شیر شاہ افغان کی طرف سے بیانہ کے گورنر تھے۔ اور اس سے متصل حضرت قاضی جلال الحق ناصحی کا روضہ ایک وسیع چہار دیواری کے اندر آپ دیکھیں گے جو حضرت سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے وزیر ملک عماد الملک کے نواسے ہیں ——— اب آپ ذرا ٹھہر جائیں ——— خیال کریں کہ اس سیاحت کے دوران ظفرآباد میں سب سے بلند جگہ کون ہے؟ وہاں چلے جائیں اور اس پر سے چاروں طرف ظفرآباد پر ایک غائر نظر دوڑائیں اور جائزہ لیں تو آپ کو مقبروں، بیشمار قبروں، خانقاہوں اور مسجدوں کا ایک شہر معلوم ہوگا بہت سے مٹ گئے، گر پڑے اور گر رہے ہیں، کتنوں کے کھنڈرات و آثار زبان حال سے اپنی داستان سنا رہے ہیں۔ اے کاش کوئی سننے اور سمجھنے والا ہوتا۔ آہ کوئی انھیں دیکھتا اور آنکھوں سے دو قطرے آنسوؤں کے گرا کر ماضی کی وادیوں میں کھو جاتا اور جی چاہتا تو اپنے مستقبل کے لئے کچھ سرمایہ فراہم کر لیتا۔ بہر حال یہی آثار و اخبار ایک سیاح اور مورخ کا آخری سہارا ہیں جنھیں دیکھ اور سن کر وہ اپنی آنکھوں اور نوک قلم کی پیاس بجھانے کی کوشش کرتا ہے۔

آئیے اب آپ کو ہم تفصیل کی دنیا میں لے چلیں۔ وہاں کچھ دنوں کے لئے آپ مقیم ہو جائیں اور ایک ایک چیز کا حال معلوم کریں پھر آپ دیکھیں گے کہ یہ ظفرآباد کیا تھا اور اب کیا ہے؟

منہیچ اور اسکی وجہ تسمیہ کسی ملک وشہر اور مقام کی تاریخ اور سرگزشت لکھنے کے قبل اس کی وجہ تسمیہ (یعنی اس کا یہ نام کیوں پڑا؟) لکھنا فن تاریخ کی رو سے ضروری ہے۔ علماء و مورخین کا یہی دستور اور طریقہ رہا ہے

آج جس مقام کو ظفر آباد کہا جاتا ہے اس کا پرانا نام منہیچ[1] ہے۔ اگرچہ اس خطہ زمین کو آباد کرنے اور ایسا اچھا نام رکھنے[2] والے کا پتہ ٹھیک ٹھیک نہیں چلتا۔ لیکن تاریخ کے بوسیدہ اوراق الٹنے پر اتنا تو معلوم ہی ہوجاتا ہے کہ

---

[1] منہیچ (بدّ یا بھوم) یعنی ایسی سرزمین جہاں سے علم کے چشمے پھوٹتے ہوں یہ دراصل سنسکرت لفظ ہے "چراغ نور" کے مؤلف کا یہ لکھنا غلط ہے کہ اس مقام وقصبہ کا ذکر سلطان محمود غزنوی کے حملے کے سلسلے میں ہے۔ "فرشتہ" نے بھی منہیچ کا لفظ لکھا ہے مگر اس میں جگہ کا تعین نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب محمود متھرا وغیرہ فتح کرتا ہوا قنوج پہونچا اور اس کے سات قلعے فتح کئے جن کے آثار و نشان آج بھی موجود ہیں اسکے بعد وہ منج گیا جو دریائے پانڈو کے کنارے کاتھپور سے ۱۰ میل جنوب کی طرف واقع تھا اور جسکا پرانا نام سنجاون یا منجاون تھا اسکے آثار بھی اسوقت موجود ہیں۔ اصل میں قنوجی برہمنوں کا صدر مقام تھا (تاریخ عتبی روضۃ الصفا ص ۱۳۱) مقام کے عدم تعین سے کتنی بڑی غلطی ہوگئی کہ محمود کا حملہ منہیچ یعنی ظفرآباد تک تسلیم کیا جاتا ہے حالانکہ تاریخی حیثیت سے یہ بالکل غلط ہے۔ محمود یہاں تک نہیں آیا تھا۔

[2] اب تک میری نگاہ سے کسی کتاب میں اسکی تصریح نہیں گزری۔ لیکن پرانے راج شاہی سکوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس قصبہ کی بنیاد گپتا بنسی راجاؤں کے زمانے میں رکھی گئی تھی کیونکہ ان کے سکے اس خطہ زمین سے برآمد ہوئے ہیں (دیکھو تاریخ طلسم ہند قلمی) و چراغ نور مطبوعہ۔

منہیچ کی حکومت کا بانی مبانی بجے چند راٹھور والی قنوج ہے اور اس نے اپنے لڑکے جے چند کو منہیچ جاگیر میں دیا تھا۔ اس نے پرتھی راج کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اس مقام کو بہت پسند کیا اور آخر میں مال و زر منتقل کر دیا۔ لیکن یہ کوئی خودمختار حکومت نہ تھی بلکہ قنوج ہی کے ماتحت تھی۔ قنوج اس زمانے میں شمالی ہند کی ایک عظیم الشان سلطنت تھی[۱] جہاں پر بجے چند و جے چند وغیرہ کے محلات تھے اور وہیں سکونت رکھتے تھے۔

ظفرآباد یا شہر انور اور اس کی وجہ تسمیہ

ایک عرصہ دراز تک یہ مقام اپنے قدیمی نام منہیچ سے موسوم تھا مگر جب اہل اسلام کی آمد ہوئی اور قطب الدین ایبک نے بنارس اور منہیچ پر حملہ کیا[۲] اور اسکے بعد حضرت چراغ ہندؒ و آفتاب ہندؒ اور پھر شہزادہ ظفر ابن غیاث الدین تغلق کی ماتحتی میں حملہ ہوا اور معمولی لڑائی ہوئی پھر مناظرہ و مباحثہ ہوا بعد فتح مسلمانوں کی یہاں پر مستقل حکومت قائم ہو گئی اور اس جگہ کا نام ظفرآباد رکھا گیا۔

اس نام کو رکھنے کی دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں۔ اوّل یہ کہ مسلمانوں نے منہیچ کو جنگ و مناظرہ سے فتح کیا تھا اور لفظ ظفر ہم معنیٰ لفظ فتح کے ہے اس لئے ظفرآباد نام پڑا۔ دوسری یہ کہ اس جنگ میں شاہزادہ ظفر خاں سپہ سالار تھا

---

[۱] تاریخ قنوج ص۳۳ و تاریخ ظفرآباد

[۲] قطب الدین ایبک جو شہاب الدین غوری کا مدار المہام تھا چند ہی روز یہاں ٹھہرا تھا۔ جب رائے جیت سنگھ نے ادائیگی خراج کا اقرار کیا تو قطب الدین نے اسکو اپنی جگہ بحال چھوڑا اور دہلی واپس چلا گیا (بلونت نامہ و چراغ نور ص۱۷)

اور بعد فتح یہاں کا حاکم مقرر ہوا لہذا اسکے نام کی نسبت سے ظفرآباد مشہور ہوا اور ظفرآباد نام پڑنے کی وجہ فتح و ظفر ہی ہے۔

فتح کے بعد یہاں پر اہل اسلام کی مستقل حکومت ہوگئی اور حضرت آفتاب ہند اور چراغ ہند یہیں پر قیام پذیر ہوگئے جن کی وجہ سے ظفرآباد اولیاء اللہ کا مسکن ہوگیا۔ فیروز شاہ تغلق کو بھی ان بزرگوں سے الفت و عقیدت تھی لہذا جب وہ ظفرآباد گیا تو اس نے اس کا تاریخی نام شہر الانوار (۷۶۲ھ) رکھا۔ مگر یہ نام عوام میں مشہور و مقبول نہ ہوسکا۔ چونکہ یہاں عمدہ کاغذ بھی پہلے سے بنتا تھا اور کاغذ کے لئے یہ جگہ بہت مشہور تھی کہ ہندوستان کے ہر حصے میں یہاں سے کاغذ جاتا تھا اس لئے اس مقام کو کاغذ کا شہر بھی کہتے تھے لیکن ظفرآباد نام کے آگے باقی دوسرے نام عاجز و ہیچ پڑ گئے اور اسکی شہرت شہرت آفتاب ہند ہوگئی۔

دیگر حالات

ظفرآباد ایک بہت قدیم بستی ہے۔ جون پور سے ۴-۵ میل پورب میں دریائے گومتی کے داہنے کنارے پر واقع ہے، اور آج جس مقام پر شہر جون پور آباد ہے، آبادی سے قبل یہاں

---

۹۱ یہ جنگ راجہ سکیٹ سنگھ سے پیش آئی۔ اس جنگ میں حضرت آفتاب ہند اور چراغ ہند بھی شریک تھے۔ چونکہ غیاث الدین تغلق دہلی کو اسکی اطلاع دیگئی تھی اور اسکو خود بھی ہر دو بزرگوں سے غایت درجہ کی محبت تھی لہذا خبر ملتے ہی شہزادہ ظفر خاں کو ۶ ہزار سوار برق رفتار کیساتھ روانہ کیا جو بہت جلد پہونچگیا۔ راجہ کو پہلے پیغام اطاعت و فرمانبرداری دیا گیا لیکن منظور نہ کیا تو پھر جنگ و مناظرہ کی نوبت آئی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

۹۲ حضرت چراغ ہند کی شادی غیاث الدین تغلق بادشاہ دہلی کی لڑکی سے ہوئی تھی

جنگل ہی جنگل تھا اور بھر، موسہر، دسیو، جنگلی قومیں رہتی تھیں اور ان ہی کی حکومت تھی اور یہی وجہ ہے کہ اس ضلع میں اکثر جگہوں پر آج بھی ان کے قلعوں کوٹوں اور گڑھیوں کے آثار پائے جاتے ہیں جن کا تذکرہ آئندہ انشاءاللہ کیا جائے گا۔ بعد کو ٹھاکر لوگ بھی آکر ان بھروں کو بے دخل کر کے آباد ہونا شروع ہو گئے اور جگہ جگہ رشی منی اپنا ڈیرا جمائے ہوئے تھے۔

ظفرآباد کی چوحدی

اُتر گومتی ندی۔ دکھن شاہ بڑے پور۔ پچھم شمس خان پور اور داؤدپور۔ پورب لاڈن پور۔ زمین کی سطح برابر نہیں ہے کہیں کہیں بہت نشیب و فراز ہے۔ گڈھے اور نالے بھی ہیں جو برسات کے موسم میں لبریز ہو کر مسافروں اور باشندوں کی آمد و رفت میں مصیبت اور سخت پریشانی کا باعث ہوتے ہیں۔

یہاں کی گری پڑی عظیم الشان عمارتوں کے آثار جو موجود ہیں ان کے دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مقام شروع میں بہت ہی آباد اور گلزار تھا میلوں تک اس کی آبادی پھیلی ہوئی تھی اور اسکے تین طرف شہر پناہ تھی اور ایک طرف گومتی ناز کے خراماں تھی۔ نہایت شاداب اور پر فضا شہر تھا۔ قدیم تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوؤں کے دور حکومت میں اسکو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی اور مسلمانوں کے زمانہ میں بھی ـــــ لیکن ـــــ جونپور کے آباد ہو جانے پر اسکی رونق و آبادی کو ایسا زوال آیا کہ ساری رفعت و بلندی خاک میں مل گئی۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

اُگے ہے سبزہ وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی

آج کی نسبت پہلے مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ہندوؤں

کی کم، مگراب مسلمان بہت کم ہیں، اور دن بدن کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اسکی آبادی پورب سے پچھم کی طرف لابنی اور اتر سے دکھن کی طرف چوڑی ہے۔

ایک تحقیق

تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خط استوا[1] سے جو خطہ اور ملک جتنا قریب ہے وہ اتنا ہی زیادہ گرم ہے اور جو حصہ جس قدر دور ہے وہ اسی قدر سرد ہے۔ یہ ایک ایسا اصول وفارمولہ ہے کہ اس کے پیش نظر خط استوا سے نزدیکی اور دوری کا لحاظ کرتے ہوئے ہم اس کے قریب ودور کے ملکوں شہروں سے مقابلہ کرکے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ مقام بہ نسبت گورکھپور، فیض آباد کے کسی قدر گرم اور اعظم گڈھ الہ آباد، مرزاپور،

۱؎ ہر مقام کا عرض وبعد خط استواء سے شمالاً وجنوباً شمار کیا جاتا ہے اور طول وبعد مقام خطوط نصف النہار سے شرقاً وغرباً مراد ہے، دنیا کے نقشے پر بہت سے خط کھینچنے سے خانے خانے بن گئے ہیں جس طرح شطرنج میں خانوں کی گنتی سے چال کے گھر کا پتہ لگتا ہے۔ اسی طرح عرض وطول کے درجے سے نقشہ میں ہر ایک مقام وشہر کا ٹھکانہ دریافت ہوتا ہے۔ اسی قاعدہ پر حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ مقام ظفر آباد عرض میں خط استواء سے ۲۵ درجہ ۳۵ دقیقہ اُتر اور طول میں خط نصف النہار سے ۸۳ درجہ پورب ہے (دیکھو رصدگاہ گرینیچ لندن وحاشیہ ترمذی چراغ نور ص۷)

عرض کیلئے وسطی طور پر خط مرکزی خط استواء ہے جہاں سے شمال وجنوب کی دوری بلحاظ درجہ کے شمار ہوتی ہے لیکن طول لبعد کیلئے فرضی مرکز ہی ہے اسلئے اہل ہیئت میں اختلاف ہے ہنود بنارس کو مرکز مان کر وہاں سے بعد کا اندازہ کرتے ہیں مسلمانوں میں کبھی جزیرہ خالدات اور کبھی سمرقند مرکز رہا، انگریز رصدگاہ گرینیچ متصل لندن کو مرکز مان کر دوری کا شمار کرتے ہیں (دیکھو چراغ نور حاشیہ ترمذی وتاریخ ظفر آباد ص۷ وآئینہ تاریخ نما ص۸۷)

پرتاب گڈھ۔ بنارس سے کسی قدر سرد ہے اور آب وہوا باعتبار قرب وجوار کے معتدل ہے۔

یہاں کے اکثر وبیشتر کنوؤں کا پانی کھاری اور نمکین ہے مگر دریا کا پانی نہایت ہی شیریں خوش ذائقہ اور زود ہضم ہے۔ اور یہ بات مشاہدات میں ہے کہ اکثر قدیم بستیوں اور شہروں میں کنوئیں کا پانی نمکین اور بدمزہ ہوا کرتا ہے۔

ہندوستان کے اصل باشندوں اور ابتدائی راجاؤں کی تحقیق

منہیچ یا ظفرآباد کی قدیم آبادی اور یہاں کے حکمرانوں کو جاننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندوستان کی وجہ تسمیہ اور یہاں کے اصل قدیمی باشندوں، راجاوں اور انکی حکومتوں کی کچھ چھان بین کی جائے ورنہ ظفرآباد کی عظمت واہمیت سے محرومی رہیگی۔

ہندوستان کے اصل باشندوں کے متعلق مورخین میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہندو یہاں کے قدیم باشندے نہیں ہیں بلکہ شمال ومغرب سے آکر ہندوستان کو فتح کیا اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ہندو ہی اس ملک کے قدیم اور اصلی باشندے ہیں اسی وجہ سے اسکا نام ہندوستان[1] ہوا۔

---

[1] محققین کے نزدیک ہندوستان اس ملک کا قدیم نام نہیں ہے۔ کیانی حملہ آور پہلے سندھ آئے اور دریائے سندھ کے کنارے ڈیرا ڈالا۔ دریا کا نام سندھو رکھا اور ملحقہ زمین کو سندھ کہنے لگے، سین (س) اور ہے (ھ) ہم مخرج ہیں لہذا آگے چل کر سندھ سے ہند مشہور ہوا اور یہی پھر پورے ملک کا نام پڑگیا، ہندو اسے بھارت ورش بھی کہتے ہیں۔ بھارت سنسکرت لفظ ہے جسکے معنی بہت بڑے ملک کے ہیں

(باقی ص ۹۲۷ پر)

زمانۂ سابق میں اس ملک کے حکمران ہندو ہی ہوتے تھے لیکن انکے صحیح حالات تاریخوں میں ملتے نہیں۔ غالباً اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ انکو تاریخ لکھنے کا ذوق وشوق نہ تھا نتیجہ یہ رہا کہ اس زمانے کے صحیح اور ٹھیک تاریخی حالات پر ایک دبیز پردہ پڑگیا لہٰذا مورخ تاریخ نویسی کے وقت قرائن اور عقل سے فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ چونکہ یہاں کے قدیم باشندے ہندو ہی تھے لہٰذا ضروری ہے کہ ابتدا بھی ان ہی کے زمانے سے ہو۔

(بقیہ حاشیہ صہ ۹۰۶) البتہ موجودہ اعلیٰ طبقہ کے ہندو یہاں کے اصلی باشندے نہیں ہیں یہ آریائی ہیں۔ آرین یعنی آریا وسط ایشیا سے نکل کر پھیلے، ایک حصہ پچھم ایران کو گیا اور دوسرا پورب اور دکھن کو مڑکر ہندوستان آیا۔ آپ دیکھتے نہیں دونوں قوموں میں کتنی یگانگت اور مشابہت ہے۔

یہ بات تحقیقی طور پر اپنی جگہ صحیح ہے کہ پہلے آریوں کی آبادی پنجاب میں بمقام کورکشیتر سرستی ندی کے کنارے ہوئی اور پھر وہاں سے گنگا جمنا کے کنارے کنارے بڑھتی گئی حتیٰ کہ کل شمالی حصۂ ہندوستان میں ان کی آبادی پھیل گئی مگر جنوبی ہندوستان یعنی بندھیاچل پہاڑ کی طرف نہیں گئے۔ منوجی نے اس پہاڑ کے دکھن طرف جانے سے آریوں کو منع کیا تھا۔ کچھ دنوں تک یہ قوم اپنے شمالی حصۂ ہندوستان پر قناعت کئے رہی لیکن آخر میں انکے ولولوں نے ان کو تنگ کیا اور سب سے پہلے اگست نامی رشی (یعنی صوفی) نے اس پابندی کو توڑ کر دکھن جانب پہاڑ جانے کا قصد کیا تو انکے ہمراہ انکے پیرو بھی گئے اور دیگر رشی بھی ہمخیال ہو کر چلے گئے —— یہ دسیو یا آبارجنی جن کی نسلیں گونڈ، بھیل سونتال وغیرہ پہاڑوں میں پائے جاتے تھے، بھر اور مسہر وغیرہ ان ہی کی مخلوط یادگاریں دیہاتوں میں آکر آباد ہوتی تھیں (باقی صہ ۹۰۸ پر)

ہندوؤں کی حکومتیں

ہندوؤں کے شاستر کی رو سے دنیا کی ابتدائی آبادی برہما سے شروع ہوتی ہے۔ برہما کے دو لڑکے تھے ایک کا نام وچھ اور دوسرے کا اتر تھا۔ وچھ سے سورج پیدا ہوا جس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰۷) ہندوستان کے اکثر و بیشتر مقامات پر انکے قلعوں اور کوٹوں کے آثار آج بھی پائے جاتے ہیں (دیکھو تاریخ ہند الفنسٹن و واقعات ہند و تاریخ راج بنارس وچراغ نور) گزیٹیر جونپور

لہ دوسری تحقیق یہ ہے کہ جب حام بن حضرت نوحؑ اپنے والد کے حکم کے مطابق شام سے دکھن آئے تو یہاں انکو چھ اولادیں ہوئیں۔ ہند۔ سندھ۔ افرنج حبش ہرمز نوبیہ اور ہر لڑکے کے نام سے ایک ایک ملک موسوم ہوا جیسے ہند کے نام سے ملک ہند موسوم ہوا۔ ہند کے چار لڑکے پورب، بنگ۔ دکھن اور نہروال پیدا ہوئے۔ غرضکہ جو جہاں گیا وہ ملک اسی کے نام سے موسوم و مشہور ہو گیا۔ پورب بن ہند کے بیالیس لڑکے ہوئے انکی اولادوں کی تھوڑے ہی عرصہ میں اتنی کثرت ہوئی کہ بغرض انتظام ملکی اپنی قوم سے کشن نامی شخص کو اپنا سردار (یعنی راجہ) مقرر کیا۔ سب سے پہلے جس نے تخت پر قدم رکھا وہ یہی تھا اور سب سے پہلے یہی ہاتھی پر بھی سوار ہوا۔ اسی کے زمانے میں اودھ شہر کی بنیاد پڑی تھی۔ اسکی مدت حکومت چار سو برس تھی۔ اس نے دو ہزار دیہات اور قصبے آباد کئے تھے اور مرتے وقت ۳۷ اولادیں چھوڑی تھیں۔ اسکے بعد اس کا لڑکا مہراج تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی بہت ترقی کی اور اہل علم و فن کو جمع کیا اس نے بہار شہر کی بنیاد ڈالی جو آجکل صوبہ ہے۔ اسکی مدت حکومت سترہ برس ہے۔ یہ فریدون بادشاہ ایران کا ہمعصر تھا۔ اسکے مرنے پر اس کا بڑا بیٹا کیشو راج تخت نشین ہوا اس نے صوبہ اودھ کا بہت اچھا

(باقی صفحہ ۹۰۹ پر)

سورج بنسی راجاؤں کا خاندان ہندوستان میں چلا۔ اتر سے چاند پیدا ہوا۔ اس کی اولاد کے راجاؤں کو چندر بنسی کہتے ہیں۔ ابتدائے آبادی میں ہندوؤں کا سب سے پہلا دارالحکومت اجودھیا تھا جس کو اب اودھ بھی کہتے ہیں۔ اسکے حکمراں سورج بنس راجہ ہوتے تھے۔ اسکے کچھ روز بعد ایک اور حکومت (راجدھانی) پریاگ میں قائم ہوئی۔ وہاں کے حکمراں چندر بنس خاندان سے تھے۔ اسی طور پر ان دونوں خاندانوں کے ذریعے کئی اور چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان ہی میں سے ایک حکومت بنارس بھی قائم ہوئی جس کی راجدھانی کاشی تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) انتظام کیا۔ اسی کے وقت میں عظیم الشان لڑائیاں ہوئیں اسی نے بادشاہ ایران منوچہر سے فوجی امداد بھی لی تھی۔ اسکے مرنے کے بعد فیروز رائے تخت نشین ہوا۔ یہ علم شاستر کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی مصاحبت میں اہل علم وفن کا اس کثرت سے اجتماع ہوا کہ انتظام ملکی کی طرف سے بے خبر ہو گیا۔ دریا بھیوں اور پاٹ شالاؤں میں اسقدر خرچ کیا کہ خزانہ خالی ہو گیا۔ اس نے پنجاب کو فتح کر کے جالندھر کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا (دیکھو راج بنارس و تاریخ آئینہ اودھ و تاریخ الفنسٹن۔)

سا بنارس کی بنیاد بہت قدیم ہے مورخین اس شہر کو چار ہزار سال پرانا بتاتے ہیں۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنارس کا پہلا حکمراں راجہ کاشش تھا کاشی اسی سے بنا ہے۔ کاش سنسکرت لفظ ہے جسکے معنی روشن کے ہیں تو کاشی کے معنی روشنی کے ہونگے۔ ویدوں میں کاشی کو سچی معرفت اور نور حاصل کرنے کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔ راجہ کاشش نے بارہ سو سال قبل مسیح اس شہر پر حکومت کی ہے۔ جب آریوں نے پنجاب سے نکل کر گنگا اور جمنا کے کنارے پھیلنا اور آباد ہونا

رام چندر جی کے والد راجہ دسرتھ نے جب اسوہ میدھ جگ (یعنی گھوڑے کی قربانی) کی تقریب میں بہت سے راجاؤں کو طلب کیا تو بنارس کا راجہ بھی گیا تھا۔ مہابھارت کی لڑائی میں بھی یہ راجہ شریک تھا جس کو قدیم تاریخ ہند میں ایک عظیم حادثہ شمار کیا جاتا ہے۔

بنارس خود مختار اور ایک بڑی سلطنت تھی جس کا صدر مقام بعد کو قنوج ہوا جسکے ماتحت منہیچ یعنی ظفر آباد بطور چھاؤنی کے رہا ــــــــــــ

یہاں پر مالگذاری کی وصولی تحصیلی اور سلطنت محروسہ کی دیکھ بھال اور امن و

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٩٠٩) شروع کیا تو اس وقت بھی یہ شہر موجود تھا اور یہاں پر جنگلی قومیں آباد تھیں جن کو دسیو کے نام سے اپنشدوں میں موسوم کیا گیا ہے۔ دسیو کے راجہ کو راجہ دیوداس نے شکست دیکر بنارس کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ اس راجہ کا ذکر بھی اپنشد میں آیا ہے۔ اس شہر کے قدیم ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب ہندوستان میں آریوں نے اوّل اوّل سات شہر آباد کئے تو اس میں سے ایک شہر بنارس بھی تھا۔ یہ شہر اگرچہ مختلف وقتوں میں مختلف ناموں سے نامزد رہا۔ مگر کاشی اور وارانسی ان دو ناموں سے زیادہ مشہور رہا۔ کاشی کی وجہ تسمیہ گذر چکی اور وارانسی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حصول آزادی کے بعد اس شہر کو وارانسی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جسکی توجیہ یوں کیجاتی ہے کہ برہما نے جب اپنی برتری جتانے کیلئے ایک سر اور بڑھا کر پانچ سر کر لئے تو شیوجی کو طیش آگیا اور انھوں نے پانچواں سر قلم کر دیا لیکن شیوجی ایسا کرکے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے اور اپنے اس گناہ عظیم کو دھونے کے لئے دریائے گنگا کے کنارے جس مقام پر پہونچے اور جہاں انھوں نے اپنا خون آلود دامن دھوکر مکتی حاصل کی اسجگہ کا نام وارانسی پڑ گیا جسکا مطلب ہے

(... عروج و زوال ... ۱۸۲)

امان کے انتظام کے لئے فوج، کارندے اور حکام وغیرہ راجہ کی طرف سے رہا کرتے تھے۔ راج گدی نسل کے آخری راجہ کا نام پال تھا۔ اسکے زمانے میں مسلمانوں کی

لہ مارشمین کی تحقیق سے واقعات کی کڑیاں بکھری اور ٹوٹی نظر آتی ہیں کیونکہ ہندوستان کا صحیح تاریخی زمانہ چھٹی صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اسلئے کہ اسی زمانے سے لکھنے پڑھنے کا رواج پھیلا ہے۔ اس سے پہلے کے حالات زبانی ہیں جن کا کچھ خاص اعتبار نہیں۔ چھٹی صدی قبل مسیح ہمالیہ اور نربدا کے درمیان چار حکومتیں قائم تھیں۔ اتر میں گندھار جسکا پایہ تخت پروش پور (پشاور) تھا۔ دکھن میں اونتی (مالوہ) جس کی راجدھانی اجین تھی پورب میں مگدھ (بہار) جسکا دارالسلطنت راجگیری تھا اور درمیان میں کوسلیا (اودھ) کی حکومت تھی۔ پہلے پہل بہار کی حکومت راجہ بمبسار کے عہد میں (سنہ ۵۹۰ قبل مسیح) پھیل کر بڑھی۔ اس خاندان کی حکومت بنگال، ترہت اور اودھ تک ہو گئی۔ سنہ ۳۶۱ قبل مسیح سے نند گھرانہ اس گدی پر حکومت کرتا رہا۔ سنہ ۳۲۱ قبل مسیح میں موریا خاندان کے چکرورتی راج کی بنیاد راجہ چندر گپت کے ہاتھوں پڑی جو تمام ہندوستان پر چھا گیا۔ اشوک اس خاندان کا عظیم الشان راجہ گذرا ہے جسکے فرامین پتھروں پر کندہ تھے۔ حتیٰ کہ نویں صدی سے راجپوت منظر عام پر آنے لگے اور بدھ مذہب دب گیا۔ راجپوت ساکا (تورانی) اور ہن (منگول حملہ آوروں کی نسل سے ہیں) جو ہندوستان میں اس صدی کے اندر بھر گئے پرانی چھتری برن سے انھیں کم لگاؤ ہے۔ انکی حکومتیں دہلی۔ قنوج۔ اجین اور بنارس کے پرانے خاندانوں کی جگہ جم گئیں جن کے زمانے میں عالیشان عمارتیں اور مندر بنکر کھڑے ہو گئے انھوں نے ہندو دھرم کو پھر سے زندہ کیا اور بدھ مت کی بنیاد اکھاڑکر پھینک دی (دیکھو تاریخ ہند ڈاکٹر ایلین۔ تاریخ ہند بابو رمیش دت۔ تاریخ ہند مارشمین۔ چراغ نور حاشیہ ترمذی صفحہ ۱۰۱۲) مرقع بنارس تاریخ راج بنارس

آمد اور فتوحات کا بہت شور تھا۔ اس نے بلحاظ احتیاط ایک بہت مستحکم قلعہ راتا گڈھ کے نام سے منہیج (ظفر آباد) میں تعمیر کرایا جس میں اسکی بہترین فوج رہتی تھی اور خود بھی کبھی کبھی آتا جاتا تھا۔[1]

سید سالار مسعود غازیؒ اور ملک افضل کی آمد

سید سالار مسعود غازیؒ (پیدائش ۴۰۵ھ[2]) بہ اجازت محمود غزنوی بغرض تبلیغ و جہاد غزنی سے ہندوستان آئے اور پہلے اجمیر پہونچکر اپنے والد سالار ساہوؒ سے ملاقات کی۔ اسکے بعد اپنے رفقاء کے ساتھ اپنے مشن پر چل پڑے۔ چنانچہ بنارس۔ ملتان۔ اوچھ۔ اجودھن۔ دہلی۔ میرٹھ۔ گڈھ مکتیشر سنبھل۔ قنوج۔ کڑہ مانک پور۔ بلگرام اور ستر کھ وغیرہ میں اپنی تبلیغی اور جہادی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ جہاں خود نہ پہونچ سکے وہاں اپنے سردار اور نمائندے روانہ کیے[3]

لہ[1] قوموں کا عروج و زوال مذاہب کی روشنی میں۔

لہ[2] محمود غزنوی نے اجمیر فتح کرکے سید سالار ساہوؒ کو بطور جاگیر دیدیا تھا ۴۰۵ھ میں سید مسعود غازی پیدا ہوئے تو سید ساہو کو از حد خوشی ہوئی اور اجمیر کے قریب ایک شہر "مسعود غازی" کے نام سے آباد کیا جس پر بیس سال تک مسلمانوں کا قبضہ رہا مگر جب بہرائچ کی مہم میں آپ شہید ہوگئے تو چوہانوں نے اس شہر پر پھر قبضہ کرلیا (تاریخ اجمیر ص۱)

لہ[3] (آثار بنارس ص۶۰ و چراغ نور ص۱۳)

چنانچہ ۴۲۳ھ مطابق ۱۰۳۱ء میں ملک فضل کو مع کچھ مجاہدین کے اس طرف روانہ کیا۔ دو چار روز تک تو راجہ سے لڑائی ہوئی آخر کار خراج کی شرط ادائیگی پر فتحیابی ہوئی اور ملک فضل بہرائچ واپس ہو گئے ۔[۱]

۴۲۰ھ مطابق ۱۰۲۹ء میں سید سالار مسعود غازی نے ملک فضل علوی کو بنارس اور اس کے نواح میں تبلیغ و جہاد کے لئے بھیجا اور یہیں پر لڑتے ہوئے ملک افضل اور انکے رفقا شہید ہو گئے۔ صاحب گنج ارشدی لکھتے ہیں کہ:۔

"ملک افضل علوی را بطرف بنارس ونواحی آں رخصت نمودند آنجا ہمہ درجہ بدرجہ شہادت رسیدند مقابر آنہا در آنجا مشہور اند"

ملک افضل علوی کو بنارس اور اسکے نواح کی طرف بھیجا گیا۔ اس مقام پر وہ تمام لوگ شہادت کے درجے پر پہونچے۔ انکی قبریں اب تک موجود و مشہور ہیں۔

۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۳ء میں مسعود غازی سیف الدین کی مدد کو بہرائچ آئے۔ جہاں آپ مع اپنے رفقاء کے شہید ہو گئے۔ مرأت مسعودی[۲] میں آپ کی تبلیغی و جہادی سرگرمیاں اور شہادت وغیرہ کے مفصل حالات درج ہیں۔

سالار مسعود[۳] غازی کی ظفر آباد آنے کی کوئی نشاندہی نہیں ملتی، البتہ اس قدر ثابت ہے کہ آپ ۱۰۲۹ء میں بنارس آگئے تھے اور رفقاء کے ساتھ دین کی

۱؎ محمد قاسم سے بابر تک ص ۹۲-۹۳ و مرأۃ مسعودی۔

۲؎ مرأۃ مسعودی کے مصنف کا نام عبدالرحمن چشتی ہے۔ یہ کتاب جہانگیر کے عہد میں مرتب کی گئی اور سید مسعود غازی کے حالات و واقعات پر مشتمل بہت مستند کتاب ہے۔ مؤلف

۳؎ یہ سید سالار ساہوؒ کے صاحبزادے تھے ۴۲۰ھ کے آخر میں مظفر خاں کے بلوانے

(بقیہ ص ۹۱۴)

قدر ثابت ہے کہ آپ ۱۰۲۹ء میں بنارس آ گئے تھے اور رفقا کے ساتھ دین کی تبلیغ
فرما رہے تھے چراغ نور کے مولف نے بھی کوئی تصریح نہیں کی ہے حالانکہ یہ کتاب

(بقیہ صفحہ ۹۲۳ کا) پر اجمیر آ سکے تھے۔ سید سالارؒ کی شادی محمود غزنوی کی بہن سے ہوئی تھی
غزنی ہی میں انکو کچھ مقامی لڑائیاں بھی لڑنی پڑیں۔ سید مسعود غازیؒ کی تعلیم و تربیت
بحیثیت مولوی اور سپاہی دونوں طرح اجمیر میں ہوئی اور فن سپہ گری میں خاص
مہارت حاصل کی۔ حملہ سومنات میں موجود تھے اور محمود غزنوی کے ساتھ غزنی چلے گئے
پھر بیس سال کی عمر میں ہندوستان بغرض جہاد آئے۔ شادی نہیں ہوئی تھی۔ بہرائچ
میں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ بہرائچ اسٹیشن پر اترنے کے بعد بارہ میلوں کے
رقبے میں قبریں ہی قبریں نظر آتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر قبروں کی بستی ہے۔ وہاں
پر آپ کے مزار کے علاوہ جو ایک عالیشان گنبد میں ہے، دیگر مجاہدین اور انکے گھوڑے کتے
بلی وغیرہ کی قبریں بھی ہیں۔ عجیب عالم ہے اور عجیب وغریب شہر ہے۔ مسلمانوں سے
زیادہ ہندو لوگ سید غازیؒ کے عقیدت مند اور گرویدہ ہیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق نے صحرائے قنوج میں عین الملک کی گرفتاری
کے بعد اسکا قصور معاف کر دیا اور وہاں سے بہرائچ کی طرف گیا، وہاں پہنچکر عمارات و
مقبرہ وغیرہ مسعود غازیؒ کی جو محمود غزنوی کے بھانجے تھے اور ۴۲۵ھ میں شہید ہوئے
تھے تعمیر کرائی اور زرکثیر وہاں کے مجاوروں اور فقراؤں کو دیا۔ (تاریخ فرشتہ جلد ا
صہ ۲۱۴) دوسری روایت یہ ہے کہ ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۲ء میں سلطان علاء الدین خلجی
نے بنارس کا حاکم عزیز الدین کو مقرر کیا۔ اسی حاکم کے زمانے میں پلنگ پیڑھی کی رسم
جاری ہوئی جو ہر سال بہرائچ سیدؒ کے مزار پر جاتی ہے۔ سید جمال الدین قصبہ ردولی
ضلع بارہ بنکی کی ایک لڑکی مسماة زہرہ نابینا تھی۔ غازی صاحب کا جب ادھر سے گذر

ظفرآباد ہی کے حال میں لکھی گئی ہے ـــــ بہرکیف ـــــ ملک فضل جو سید غازی کے ساتھیوں میں تھے اور مجاہدین کے امیر و سالار تھے ظفرآباد آئے تھے اور غالباً یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سید صاحبؒ بھی تشریف لائے ہونگے۔

خانبہادر فصیح الدینؒ صاحب نے جامع مسجد ظفرآباد کے کتبہ اور دوسرے قرینے سے یہ لکھا ہے کہ سید سالار ظفرآباد تشریف لائے تھے۔ انھوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ ص۹۱۴) ہوا تو وہ لڑکی ان کے پاس لائی گئی، آپ نے دعا کی اور ہاتھ پھیرا تو آنکھ روشن ہوگئی۔ لڑکی نے کہا کہ میں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر میری آنکھ روشن ہوئی تو پہلے جس کی شکل دیکھوں گی اسی کے ساتھ شادی کروں گی۔ سید سالارؒ نے اسکے عہد و اصرار کا پاس کیا اور کہا کہ میں ابھی بہرائچ جہاد پر جارہا ہوں زندہ بچا تو واپس ہوکر شادی کرونگا سیّد سالارؒ بہرائچ پہونچکر شہید ہوگئے۔ وہ لڑکی زہرہ یہ خبر سنکر وہاں پہونچی اور سیّد غازیؒ کا روضہ تعمیر کرایا۔ تعمیر کے بعد اسکی بھی وفات ہوگئی۔

لـه خان بہادر فصیح الدین مرحوم بدایوں کے رہنے والے غالباً ۱۹۲۲ء میں جونپور کے کلکٹر تھے۔ دیندار، پرہیزگار، بزرگان دین سے عقیدت و احترام اور اسلام کا درد رکھنے والے انسان تھے۔ تاریخ سے خاص لگاؤ تھا۔ جون پور کی تاریخ دو حصوں میں لکھی ہے۔ کنگس آف دی ایسٹ (Kings of the East) اور شرقی مانومنٹ (Sharqi Monuments) لکھی۔ آپ نے اپنے زمانہ میں جونپور میں بڑا کام کیا۔ جامع الشرق، اٹالہ مسجد اور مقابر و مزارات وغیرہ پر آپکے بڑے احسانات ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ سے راضی ہوں اور انکی قبر پر رحمت و برکت کی بارش فرمایئں۔ آمین۔

سید سالارؒ ظفرآباد تشریف لائے تھے۔ انھوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ سید سالار غازیؒ کے ساتھیوں کے مزارکے نام ظفرآباد میں اچھی طرح یاد کیے جاتے ہیں (کہ یہ فلاں ہیں اور یہ فلاں کی قبر ہے۔) عربی کے لفظ **المجاهد** کا استعمال مسجد کی تعمیر میں یہ بتاتا ہے کہ اسکو سید صاحب نے بنوایا تھا۔[1]

منیچ میں ہندوؤں کا آخری زمانہ

بجے چند نے یہاں پر ایک کوٹ آبادی سے دکھن طرف تعمیر کرایا جو بہت ہی مستحکم تھی۔ کہتے ہیں کہ اس کا ارادہ پہلے سئی ندی کے کنارے بنانے کا تھا مگر وہ جگہ اسکو پسند نہ آئی۔ اس کوٹ کا نام اس نے **آسنی**[2] رکھا۔

بجے چند کے بعد لاکھن جو اس کا پوتا اور قنوج کے راجہ جے چند کا بیٹا تھا، یہاں کا راجہ ہوا۔ لاکھن ایک بہادر آدمی تھا۔ جب مہوبا کے راجہ پرمال پر پرتھی راج نے چڑھائی کی تو یہ اپنے باپ راجہ جے چند کے حکم سے مع **آلا اودل** بہادر سرداروں کے پرمال کی مدد کو پرتھی راج پر چڑھ دوڑا اور ایسا حملہ کیا کہ پرتھی راج کا منہ پھر گیا۔ چونکہ جے چند کو بھی پرتھی راج سے دلی عناد تھا لہذا چند روز بعد

---

[1] شرقی منومنٹ ص ۱۲-۱۳

[2] اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اطراف وجوانب کے تمام برہمنوں کو دعوت دی گئی اور تقریباً ایکہزار برہمنوں نے اس مقام پر آسن جما کر رات بھر پوجا پاٹ کیا اور صبح کو اس جگہ یہ کوٹ کی بنیاد رکھی گئی لہذا اسی وجہ سے اسکا نام آسنی ہوا۔ آجکل یہ تمام رقبہ مزروعہ ہے اور حصار کوٹ کے نام سے کاغذات سرکاری میں درج ہے۔

لاکھن کو انھیں مشہور سرداروں آلا اُودل اور بہت سے سوار و پیادوں کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ دلی پر حملہ کریں اور ادھر سے پرتھی راج بھی لشکر آراستہ کر کے مقابلہ میں آگیا پھر تو بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی اور بہت کشت و خون ہوا۔ ہزاروں جان سے مارے گئے مشہور سردار آلا و اُودل وغیرہ بھی کام آئے۔ راجہ لاکھن کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہوگیا۔ ان لڑائیوں کے واقعات کو ہندو لوگ بڑی خوشی اور فخر کے ساتھ گاتے ہیں جس کو آلا کہتے ہیں ۵۱

خلاف توقع اس شکست سے جے چند پرتھی راج سے ایسا مرعوب خائف ہوا کہ اپنا کچھ زر و مال وغیرہ بغرض حفاظت منہیچ کوٹ آسنی میں بھیجدیا اور خود پرتھی راج کے حملہ و مقابلہ کیلئے کمربستہ رہنے لگا۔ لاکھن کے بھاگ جانے کے بعد جے چند نے اپنے دوسرے لڑکے اودے پال کو منہیچ کی حکومت دی اسکی حکومت کو تھوڑے دن بھی نہ گزرے تھے کہ غوریوں کا طوفان آپہونچا اور اس نے اپنی لپیٹ میں سب کو لے لیا۔ نہ اُودے پال رہے نہ جے چند رہا اور نہ پرتھی راج ۵۲ کسی شاعر کا یہ شعر ایسے ہی موقع کے لئے ہے ؂

بگڑ جاتے ہیں لاکھوں اور ہزاروں بنتے رہتے ہیں
جہاں میں رات دن جاری خدا کا کارخانہ ہے

شہاب الدین غوری کی آمد اور اس کا پہلا حملہ

شہاب الدین غوری کا پہلا حملہ سرہند کے قلعہ پر ہوا۔ اس حملہ نے ہندوستان کے تمام ہندو راجپوتوں کو مشتعل و متفق کردیا اور سب کے سب پرتھی راج فرمانروائے اجمیر

---

۵۱ قدیم تاریخ قنوج و چراغ نور و گلدستۂ قنوج۔

۵۲ چراغ نور ص ۱۶

کے ساتھ مل کر مقابلہ کو نکل کھڑے ہوئے۔ ۵۸۷ھ مطابق ۱۱۸۷ء میں کرنال سے دس میل کے فاصلہ پر پانی پت کے میدان میں کہ جہاں ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ بار ہا ہوا۔ بڑی زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں غوری کو شکست ہوئی اور وہ غزنی چلا گیا؎۵

شہاب الدین کو اس شکست کا بڑا رنج تھا، اس پر خواب و خور حرام ہو گیا اس نے دوسرے ہی سال لگاتار زبردست کوشش کے بعد ایک لاکھ بیس ہزار لشکر جرار کے ہمراہ جس میں افغان، ترک اور ایران توران وغیرہ شامل تھے ہندوستان پر دوبارہ حملہ کیا۔ اسی درمیان پرتھی راج ایک سال کے محاصرہ کے بعد سرہند پر پھر قابض ہو گیا تھا اور وہ تراین پانی پت کے میدان میں شہاب الدین کی آمد کا منتظر تھا؎۶

---

۵ شہاب الدین غوری کا حملہ (جیسا کہ کہا جاتا ہے) لوٹ مار کے لئے ہرگز نہ تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ وہ ہندوستان کے تمامی اسلامی مقبوضات کو ایک مرکز سے جوڑ دے۔ محمود غزنوی کے بعد غزنویوں اور غزنیوں کی آپس میں نااتفاقی اور بار بار جنگ و جدل کی وجہ سے سلطنت غزنی کمزور ہو گئی جسکی وجہ سے ہندوستان کے راجاؤں نے باغی ہو کر خراج ادا کرنا بند کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں کو اپنی اپنی ریاست سے خارج کرنے لگے تھے شہاب الدین غوری اور اسکے بڑے بھائی غیاث الدین نے خراج کی ادائیگی اور حسب سابقہ اطاعت گزاری کا مطالبہ کیا مگر راجاؤں نے انکار کیا تب جنگ ہوئی اور دوسرے حملہ میں پرتھی راج کو شکست ہوئی اور وہ قتل کر دیا گیا۔ شہاب الدین اسکے لڑکے کو اجمیر کے تخت پر بٹھا کر غزنی چلا گیا۔ (مرقع بنارس ص۱۱۰)

۶ محمد قاسم سے بابر تک۔ فاؤنڈیشن آف مسلم رول

شہاب الدین غوری کا دوسرا حملہ

دوسرا حملہ ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں ہوا۔ چونکہ اسکو اس کے قبل کا تلخ تجربہ تھا لہٰذا اس بار نقشۂ جنگ کو دوسری طرح مرتب کر کے یک بیک شدید طوفانی حملہ کر دیا۔ برق رفتار گھوڑ سوار تیر کی مانند گھستے چلے گئے۔ راجپوتوں نے ہزار سنبھلنا چاہا مگر نہ سنبھل سکے۔ پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر سرداروں اور مختلف راجاؤں نے خوب خوب جانبازی جوہر دکھائے بہادری سے لڑے اور میدان میں جان دی اور پرتھی راج کو آخر میں مجبوراً ایک گھوڑے پر سوار ہو کر فرار ہونا پڑا۔ مگر دریائے سرستی کے قریب گرفتار ہو کر قتل کر دیا گیا۔[۵۱]

اس کامیابی کے بعد اجمیر، ہانسی اور سرستی پر غوری کا قبضہ ہو گیا۔ اسکے بعد غوری نے اجمیر میں پرتھی راج کے لڑکے کو اسکے باپ کی گدی پر بحال کر کے اور پھر اپنے ہونہار وفادار غلام قطب الدین ایبک کو ہندوستانی مقبوضات کا گورنر جنرل بنا کر واپس چلا گیا اور پھر قطب الدین ایبک نے میرٹھ۔ دہلی اور علیگڈھ کو بھی فتح کر کے اپنے قبضے میں لے لیا۔

تیسرے سال ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء میں پھر شہاب الدین غوری نے جے چند والئ قنوج کے خلاف فوجکشی کی۔ چنانچہ چھندواڑہ اور اٹاوہ کے درمیان سال

---

۵۱ محمد قاسم سے یہاں تک

۵۲ تاریخی اعتبار سے یہ بات بالکل غلط ہے کہ جے چند نے پرتھی راج سے عداوت کی بنا پر اسکی سرکوبی کیلئے شہاب الدین غوری کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی اور پھر اس نے خود دوسرے سال موقع غنیمت جان کر جے چند کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اصل حقیقت یہ ہے

چمن پر مقابلہ ہوا، راٹھور راجپوتوں کو شکست ہوئی اور جے چند مارا گیا۔ غوری نے آگے بڑھ کر قنوج اور بنارس پر قبضہ کر لیا اور اسکے گورنر ہند قطب الدین ایبک نے گوالیار، بدایوں، کالپی، کالنجر، بیانہ وغیرہ یعنی تمام شمالی ہندوستان کو فتح کر لیا۔[۱]

منہیچ پر قطب الدین ایبک کا حملہ

ایبک نے منہیچ یعنی ظفرآباد پر بھی حملہ کیا۔ راجہ اُودے پال نے قلعہ اسنی کی حفاظت اور اسکو بچانے میں بڑی ثابت قدمی دکھائی مگر کچھ زور نہ چلا۔ آخر کار

(بقیہ صہ ۹۱۹ کا) کہ غوری کے واپس چلے جانے کے بعد جے چند نے کھوئے ہوئے خاندانی وقار کے حصول کیلئے اپنے بھتیجے رتن جی حاکم اجمیر کو ورغلا کر بغاوت کرائی۔ اور جب قطب الدین ایبک نے بغاوت فرو کر کے اجمیر پر بھی قبضہ کر لیا۔ تو جے چند نے سنگھٹن بنا کر ایبک کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کی فکر شروع کر دی۔ گوالیار اور بدایوں تک کے راجہ آکر شریک ہوئے۔ یہاں تک کہ صوبہ بہار کا بھی راجہ شریک ہوا۔ اس خطرے کی اطلاع پا کر شہاب الدین غوری کو پھر ہندوستان آنا پڑا اور چندوارہ کے میدان میں جے چند کی متحدہ افواج کو شکست فاش دی۔ جے چند مارا گیا اور باقی راجاؤں نے راہِ فرار اختیار کی غوری نے بنارس اور قنوج فتح کر کے سید جلال الدین کو بنارس کا حاکم و گورنر مقرر کیا اور وہ غوری کی وفات تک اس منصب پر فائز رہا۔ (مرقع بنارس صہ ۱۱۱)

مورخین کا یہ لکھنا غلط ہے کہ جے چند کو غوری نے قتل کیا تھا۔ نہیں بلکہ — امیر کبیر شاہ قطب الدین بھی اس مہم میں شریک تھے اور قطب الدین ایبک نے بحکم سلطان غوری پورے اختیارات آپ ہی کو دے رکھا تھا اور ان ہی کے تیر سے جے چند مارا گیا تھا (ملفوظات امیر کبیر شاہ قطب الدین۔ تاریخ بنارس تاریخ اودھ۔ ابوالحسن مانکپوری)

[۱] محمد قاسم سے بابر تک

اس کو شکست ہوئی۔ اُدے پال اور اس کا پورا خاندان اپنا موروثی تاج و تخت چھوڑ کر باڑوا کی طرف[۹۱] نکل گیا اور، رائے جیت سنگھ گھرواڑ[۹۲] جو اس کا وزیر تھا گرفتار ہوا اور کوٹ آسنی کا تمام مال و زر ایبک کے ہاتھ آیا۔ اس جنگ میں سید مرتضیٰ کوفی اور دیگر لوگ شہید ہوئے، اس کے بعد سلطان خود موقع کو دیکھنے آیا۔ کوٹ آسنی میں دربار ہوا جس میں تمام ہندو راجاؤں نے شرکت کی اور سب نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ بنارس روانہ ہونے سے پہلے راجہ اُدے پال کے دیوان جیت سنگھ کو یہاں کا حاکم یعنی راجہ آف منہیچ بنایا اور ایک عرصہ تک جیت سنگھ اور اس کی اولادوں کے قبضہ میں یہاں کی حکومت رہی۔ اس کے بعد گرھوالی لوگ چینار اور ظفرآباد کے مضافات میں حکومت کرتے رہے۔ قنوج کے راجاؤں کے سکّے سلطان التمش کے زمانے تک چلتے رہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۲۱۶ء میں ایک اینٹ پر کھدے ہوئے دو مہاجنوں کے درمیان روپئے پیسے کے لین دین کے معاہدے کے متعلق تحریر ملی، وہ اینٹ منّو کے پاس ایک مقام پر دستیاب ہوئی ہے[۹۳]

---

۹۱ جے چند کے دو پوتوں کی نسل سے ریاست جودھپور کی فرمانروائی وجود میں آئی جس کا سلسلہ ۱۹۳۲ء تک جاری رہا۔

۹۲ گھرواروں کی حکمرانی کا سامان خود اُدے پال نے فراہم کیا، اس خاندان نے بنارس میں راجگھاٹ کے پاس گنگا اور برنا سنگم پر ایک بڑا قلعہ تعمیر کرایا جو اسوقت بھی شکستہ حالت میں موجود ہے۔ اس قلعہ کی مرمت حسین شاہ شرقی جونپور نے کرائی تھی۔ اس خاندان کا آخری راجہ بنار ہوا جس نے بنارس کو بہت ترقی دی جس کی وجہ سے بعد کے مورخین بنارس نام کو راجہ بنار سے منسوب کرتے ہیں (تاریخ بنارس و تاریخ آئینہ اودھ) چراغ نو

۹۳ گزیٹیر جونپور صفحہ ۱۵۰

جیت سنگھ دور اندیش، منتظم اور دلیر حکمراں تھا۔ اس نے اپنی حدود سلطنت کو خوب وسعت دی۔ گنگا کے دکھن صوبہ الٰہ آباد سے سرکار تر ہت شاہ آباد (آرہ) اور عظیم آباد تک اس کا قبضہ ہو گیا مگر اس کی حکومت خود مختار نہ تھی بلکہ بادشاہ دہلی کی باجگزار تھی ـــــ اس دنیا میں قوموں اور حکومتوں کے عروج و زوال کی ایک طویل کہانی ہے جسکے ذکر سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں جب برے دن آتے ہیں تو پردہ غیب سے ویسا ہی سامان بھی ہو جاتا ہے۔ اس خاندان میں جب زوال آنے کو ہوا تو راجہ جیت سنگھ کی چوتھی یا پانچویں پشت میں **سکیٹ سنگھ** سا راجہ پیدا ہوا جس نے اپنی خود پسندانہ حرکتوں سے ایسا راستہ اختیار کیا کہ راجہ سے پرجا بن گیا[۱]

سکیٹ سنگھ اور مسلم حکومت کی ابتدا

سکیٹ سنگھ ایک نہایت ہی ناعاقبت اندیش راجہ تھا جس نے بادشاہ دہلی کو خراج دینا بند کر دیا تھا۔ مگر یہ نہ سمجھا کہ سرکشی آخر میں کہیں سر کشی نہ ہو جائے۔ وہ تعصب میں اسقدر بڑھ گیا تھا کہ اسکو مسلمانوں کے وجود سے بھی نفرت ہو گئی۔ ان کا منہ نہ دیکھنا مذہبی طور پر ضروری سمجھنے لگا یہانتک کہ اپنے حدود علاقہ حکومت سے باہر نکال دینے کا حکم دیدیا۔ مسلم مسافروں کی آمد و رفت پر سخت پابندی لگا دی[۲]

حضرت آفتاب ہند چراغ ہند کی آمد اور منیچ کا معرکہ و مناظرہ

مخدوم سید اسد الدین آفتاب ہندؒ جو اولیائے عصر اور کاملین وقت تھے اپنے پیر شیخ رکن الدین ملتانیؒ کے

---

[۱] بلونت نامہ۔ تاریخ راج بنارس۔ چراغ نور ص ۱۷-۱۶ [۲] چراغ نور ص ۱۹-۱۸

حکم سے اطراف ہند میں تبلیغ دین کرتے ہوئے پرگنہ سکنڈی ضلع اعظم گڈھ تک آئے یہاں تبلیغی جدوجہد میں مشغول ہی تھے کہ آپ کو راجہ سکیٹ سنگھ کے مظالم کی خبر ملی آپ نے شیخ ملتانی کو اطلاع دی اور جہاد کی اجازت چاہی۔ چونکہ راجہ بناوی (اعظم گڈھ) کا معاملہ چھڑ گیا تھا۔ لہذا مخدوم آفتاب ہندؒ کا اس معرکے کے ختم ہونے تک یہاں کا قیام ضروری تھا، اس لئے شیخ ملتانیؒ نے حضرت مخدوم صدر الدین چراغ ہندؒ کو جو بھوئیلی ضلع مرزاپور میں قیام پذیر تھے، پہنچ جانے کا حکم دیا اور آفتاب ہند کو بعد فراغت بناوی شرکت و نصرت کا ارشاد ہوا۔[۱]

ہم یہاں حضرت آفتاب ہندؒ کا وہ اطلاعی خط جو آپ نے اپنے شیخ حضرت ملتانیؒ کی خدمت میں بغرض اجازتِ جہاد بھیجا تھا نقل کرتے ہیں کہ جس سے اس وقت کی کیفیت و صورت، اسلام اور اہل اسلام کی دردمندی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

"کمترین بندگان اسدالدین حسینی امیدوار برکت مخدوم ....
بر آں جملہ کہ ایں بندہ بعد ادائے بجماعت در دعا مشغول می ماند، رجا کہ مددے در کار بندہ شود با خدائے تعالے اسباب دینی و دنیوی ساختہ گرداند۔ دیگر عرض می افتد چوں بندہ بندگان بحکم آں مخدوم زماں در جہاد بناوی مشغول و

کمترین بندگان اسدالدین حسینی مخدوم کی برکت کا امیدوار ......
اس جملہ پر کہ بندہ بعد ادائے (نماز) بجماعت دعا میں مشغول رہتا ہے۔ امید کہ بندہ کے کام میں مدد کیجائے۔ خدائے تعالے اسباب دینی و دنیوی فراہم کرتا ہے عرض دیگر یہ ہے کہ چونکہ بندہ حضور کے حکم سے بناوی کے جہاد میں مشغول و

---

[۱] چراغ نور ص ۲۰۔۱۹

سرگرم است، لیکن معرکہ آرائی ختم
نہ شد، ہمدریں اثنار اخبار بدعت
آثار راجہ منہیچ کہ او سخت قلب ظلم و
کشت وخون بیگناہان دبر مسلماں
انواع انواع بدعت وایذامی رسانند
واز خوف در جلائے یوم انتقال
غافل است۔ جماعۃ فقرا کہ در زاویۂ
متابعت ایں بندہ بندگان معمور است
بہ جوش وخروش می خواہند کہ برآں
ناعاقبت اندیش نعرۂ تکبیر بلند کنند
الا انتظار ایں معرکہ موقوعہ بدل عقیدت
گزین است۔ اگر نوعے مدد درکار با
بندہ بزرگاں شود حق سبحانہ تعالےٰ
آں سخت قلباں را الخلقت نور اسلام
مزین کند وجماعہ مسلماناں را فیروزی و
بادمنہ وکرمہ۔ فقط"

سرگرم ہے اور معرکہ آرائی ابھی ختم
نہیں ہوئی ہے کہ اسی اثنار میں راجہ
منہیچ کہ وہ سخت قلب اور ظالم ہو اور
بیگناہ مسلمانوں کا کشت وخون کرکے
طرح طرح کے مظالم اور ایذا رسانی پہونچاتا
ہے اور اپنی موت سے بے پروا
ہے۔ جماعت فقرا جو بندہ کی ماتحتی
میں ہے جوش وخروش میں مبتلا ہی
کہ اُن ناعاقبت اندیشوں پر نعرۂ
تکبیر بلند کرے اور انتظار اس معرکہ
کا بربنائے عقیدت مندی ہے۔
اور اگر بندہ کو کسی طرح کی امداد پہنچائے
تو خدا تعالیٰ ان سخت قلبوں کو اسلام
کی نورانی پوشاک سے مزین کرے
اور جماعہ مسلمانوں کو فتح کی مبارکباد
نصیب ہو۔ فقط

(مناقب درویشیہ خاندانی ڈائری قلمی)

الغرض سنہ ۷۲۱ھ مطابق سنہ ۱۳۲۴ھ میں مخدوم آفتاب ہند بنادی (اعظم گڈھ) سے فتحیاب وفارغ ہوکر چند ہزار مجاہدین کے ہمراہ منہیچ کی طرف آئے اور گومتی ندی کے کنارے ایک وسیع میدان میں قیام کیا، جسے بعد فتح میران شاہ قلندر نے قلندر پور کے نام سے ایک موضع آباد کیا۔ ندی کے کنارے بہت سے پجاری

رہتے تھے۔ جب انھوں نے اس نئے لشکر کو دیکھا تو خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے اور راجہ کو اطلاع دی، یہ خبر سن کر کوٹ کا دروازہ فوراً بند کر لیا گیا اور فوج کو تیار ہونے کا حکم دیدیا گیا اور ادھر مسلمانوں نے شہر کے باہری حصہ پر قبضہ کر لیا۔

غیاث الدین تغلق کو اطلاع اور ظفر خاں کی آمد

حالات کی نزاکت و اہمیت کے پیش نظر حضرت آفتاب ہند و چراغ ہند نے مشورہ کر کے سلطان غیاث الدین تغلق بادشاہ دہلی کو یہاں کے حالات کی اطلاع دی اور نصرت کی تاکید کی۔ چونکہ بادشاہ کو بھی ان بزرگوں سے خاص عقیدت و محبت تھی اور وہ خود بھی پہلے ہی سے سکیٹ سنگھ کی گوشمالی کی فکر میں تھا کہ ان بزرگوں کی طرف سے اطلاع و طلب نصرت پہونچی۔ اس حسن اتفاق کو اس نے اپنے لئے سعادت اور فال نیک جانا، اب تاخیر کا کیا کام تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنے بیٹے شاہزادہ ظفر خاں کو چھ ہزار سوار کے ہمراہ روانہ کیا۔ شہزادہ ظفر خاں برق رفتاری کے ساتھ بہت جلد منہیچ آ پہونچا۔[1]

ظفر خاں کے آجانے پر سکیٹ سنگھ کو پیغام دیا گیا کہ سرکشی چھوڑ کر اطاعت سلطانی قبول کرے ورنہ مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے۔ لیکن اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ مسلمانوں نے راجہ کی اس خموشی کو اس کے کبر و غرور پر محمول کیا اور مقابلہ پر آمادگی سمجھ کر کوٹ استھی کا باقاعدہ محاصرہ کر لیا۔

مقابلہ اور مناظرہ

محاصرہ کر لینے کے بعد مسلمانوں نے کوٹ کے دروازے پر ظہر کی نماز ادا کی۔ راجہ کے سپاہی

---

[1] تجلیات العارفین ص۳ و چراغ نور ص۲۰-۱۹

تیر و تفنگ کرتے رہے مگر نمازیوں پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ وہ نہایت اطمینان و سکون اور استقلال کے ساتھ نماز میں مشغول رہے۔ فارغ ہو کر مقابلہ میں مشغول ہو گئے۔ راجہ نے عبادت و شجاعت کا ایک عجیب حیرت انگیز منظر دیکھا تعجب و تاثیر نے اسکو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا، اس لئے اپنے مصاحبین سے مشورہ کر کے مسلمانوں کے پاس پیغام بھیجا کہ جنگ سے کچھ فائدہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ اپنے کسی عالم اور صاحب کمال بزرگ کو بھیجیں تاکہ مذہبی بحث و مقابلہ پر فتح و شکست کا فیصلہ ہو جائے اور شرط یہ رہے گی کہ اگر مسلمان جیت جائیں گے تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے اور اگر ہم جیت جائیں گے تو مسلمان ہمارا ملک چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت مخدوم چراغ ہندؒ نے (کہ آپ ہی اس مہم کے شیخ ملتانیؒ کی طرف سے امیر و قائد تھے) اس پیغام و شرط کو قبول کر لیا۔ لڑائی بند ہو گئی اور کوٹ کا دروازہ کھول دیا گیا۔

راجہ سکیٹ سنگھ کے دربار میں تین خاص آدمی مشیر اور ارکین سلطنت میں سے تھے جن کو حکومت اور راجہ کے مزاج میں ہر طرح کا قبضہ و دخل تھا اور یہ تینوں بڑے پایہ کے مذہبی عالم و پنڈت اور جوگی بھی تھے، راجہ اُن کا عقیدتمند تھا بغیر ان کے صلاح و مشورہ کے کوئی کام نہ کرتا تھا۔ یہ تینوں باکمال پنڈت بال دت جوگی، پنڈت جے پال جوگی اور پنڈت پال ناتھ بہر جوگی تھے، راجہ نے انھیں کا مناظرہ و مقابلہ کے لئے انتخاب کیا۔ حضرت چراغ ہند نے پنڈت بال دت کے مقابلہ میں مخدوم آفتاب ہند کو اور پنڈت جے پال کے مقابلہ میں ملا قیام الدین کو اور پنڈت پال ناتھ بہر کے مقابلہ کے لئے ملا بہرام منطقی کو منتخب فرما کر روانہ فرمایا۔ مباحثہ اور مناظرہ شروع ہوا۔ اہل ہنود کے تینوں عالموں نے جی کھول کر اپنے علمی و روحانی کمالات کا مظاہرہ کیا۔ مگر ان بزرگانِ

یکتائے روزگار کے سامنے عاجزی و بے بسی کے سوا کچھ نہ حاصل ہوا۔ حسب اقرار و شرائط راجہ نے اسلام[1] قبول کیا اور ساتھ ہی دوسرے معززین بھی اسلام لائے راجہ حضرت چراغ ہندؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قلعہ کی فوج نے انحراف و بغاوت اختیار کر کے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور مقابلہ و جنگ پر آمادہ ہو گئے بدعہدی و وعدہ شکنی کے اس منظر سے حضرت چراغ ہند کو سخت ناگواری و بیزاری ہوئی۔ آپ نے اسی غصہ و جلال میں آکر ایک کنکری اٹھائی اور اسکو پھونک کر کوٹ کی طرف پھینک مارا۔ کوٹ پر کنکری کا پڑنا تھا کہ پوری کوٹ الٹ گئی۔ اس میں جو کچھ تھا سب دب گیا۔ آج بھی وہ جگہ اور منہدم آثار موجود ہیں۔ وہاں جاؤ اور دیکھو تو اندازہ ہوتا ہے کہ کیسی عظیم کوٹ تھی اور کیسی اسکی شان رہی ہوگی[2]

حضرات مخدوم آفتاب ہندؒ و چراغ ہندؒ کا یہ جہاد محض سکیٹ سنگھ کے ظلم اور شر و فساد کی وجہ سے تھا ورنہ ان اللہ والوں کو ملک و مال اور جنگ و فوج کشی وغیرہ سے کیا مطلب! بہر حال سلطان غیاث الدین تغلق دہلی کو جب منیچ کی فتحیابی اور راجہ کے قبول اسلام کی اطلاع ہوئی تو اس نے منیچ کی حکومت شہزادہ ظفر خاں کے حوالے کر دی[3]

راجہ سکیٹ سنگھ کو خلعت اور جاگیر

راجہ سکیٹ سنگھ کو بادشاہ کی طرف سے ایک خلعت عطا کی گئی اور رہنے کے لئے مرزا پور

۱؎ اسلام قبول کرنے کے متعلق اختلاف ہے۔ چراغ نور کے مولف کا لکھنا ہے کہ راجہ نے حسب وعدہ اسلام قبول کیا جسکے صلے میں اسکو خلعت و جاگیر دی گئی مگر گزیٹیر جونپور کا لکھنا ہے کہ راجہ اپنے عہد سے پھر گیا اور مرزا پور بھاگ گیا جہاں اس نے ایک قلعہ سکیٹ گڈھ تعمیر کرایا۔

۲؎ تاریخ ظفرآباد و گزیٹیر جونپور و چراغ نور۔

۳؎ انتخاب مناقب درویشیہ و تجلیات العارفین قلمی صہ۳ و چراغ نور صہ۲۳-۲۱

میں جاگیر عطا کی گئی ۔[1] اور وہ اپنے اسی جاگیری علاقہ میں ایک قلعہ بنام سکیٹ گڈھ تعمیر کرا کے رہنے لگا۔ سکیٹ سنگھ کی پانچویں پشت میں راجہ دائم خاں ہوا سلطان فرخ سیر کے زمانے میں جبکہ اسکی بد انتظامیوں اور سادات بارہہ کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے ملک میں طوائف الملوکی کی سی کیفیت برپا تھی۔ جس نے جہاں موقع پایا قبضہ کر لیا۔ دائم خاں بھی اطاعت سلطانی سے باغی ہو بیٹھا نامور خاں اور نامور خاں حاکم مرزاپور اسکی گوشمالی پر مقرر ہوئے جب شاہی فوج کا دباؤ پڑا تو دائم خاں کو سوائے فراری کے اور کوئی دوسری صورت نظر نہ آئی۔ وہ بھاگ کر پرگنہ کھیرہ منگرور[2] ضلع عظیم آباد میں پناہ گزیں ہوا لیکن وہاں

---

[1] راجہ سکیٹ سنگھ کا مسلمان ہونا اور خلعت وجاگیر کا ملنا۔ یہ روایت تاریخ ظفرآباد و چراغ نور کی ہے۔ لیکن گزیٹر جونپور کی شہادت در روایت یہ ہے کہ سکیٹ سنگھ اپنے وعدہ شرط کے مطابق مسلمان نہیں ہوا تھا اور وہ ضلع مرزاپور میں بھاگ آیا اور یہیں پر ایک قلعہ بنام سکیٹ گڑھ بنوا کر رہنے لگا۔ علاوہ ازیں۔ اگر پہلی روایت کو مان لیا جائے تو پھر سکیٹ سنگھ کا اسلامی نام کیا تھا؟ مورخین کی اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف تو وہ لکھتے ہیں کہ سکیٹ سنگھ مسلمان ہوگیا تھا اور دوسری طرف اسکو آئندہ اسی پرانے نام سے یاد بھی کرتے ہیں۔ اگر وہ مسلمان ہوگیا تھا تو اسکے اسلامی نام کے اظہار و اخفا کرنے میں آخر کون سی چیز مانع تھی؟ یہ تو ناممکن ہی کہ سکیٹ سنگھ مسلمان ہوا ہو اور اسکا اسلامی نام نہ رکھا گیا ہو۔ بہرکیف باوجود تلاش کے اسلامی نام کی کہیں بھی کوئی تصریح نہیں ملتی اور یہ بات دوسری ہے کہ سکیٹ سنگھ کی نسل میں آئندہ کوئی مسلمان ہوا ہو کہ جس کی یادگار راجہ دائم خاں کی شکل میں نظر آتی ہے۔ [2] کھیرہ منگرور ضلع مرزاپور میں واقع ہے۔ زمانۂ شاہی میں سرکار چنار سے متعلق تھا۔ عظیم آباد سے اسکا کوئی اور کبھی بھی تعلق نہ تھا اور نہ ہے۔

بھی چین نصیب نہ ہوا ف۱

سنہ ۱۱۶۹ھ مطابق سنہ ۱۷۶۶ء میں راجہ بلونت سنگھ والیٔ بنارس نے نرائن راؤ مرہٹہ کی ملازمت و فوج سے بھی نکلوادیا۔ کچھ روز یوں ہی پریشان حال پھرتا رہا کہ قسمت سے مسٹر ڈنکن صاحب نے جب بنارس کا بندوبست کیا تو دائم خاں کو اس کی موروثی جائداد سکیٹ گڈھ کی ملی اور پھر اُسکو آرام و آسائش کی زندگی نصیب ہوئی۔ سنہ ۱۹۲۵ء تک راجہ تیغ علی وغیرہ اس کی نسل سے موجود تھے ف۲

ظفر خاں کی گوشہ نشینی شہزادہ ظفر ہی کے زمانہ میں منیچ بنام ظفر آباد موسوم و مشہور ہو گیا تھا۔ ظفر خاں نے اکثر و بیشتر مساجد و عمارات بنوائیں۔ طرح طرح کی اصلاحیں کیں اور اس کو بہت ترقی دی۔ اس کی بنوائی عمارتیں سنہ ۱۹۲۵ء تک شکستہ حالت میں تھیں، قصبہ کے اتر ندی ہے لہذا تین طرف شہر پناہ تعمیر کرائی جیسا کہ اس زمانہ میں دستور تھا مگر اب اسکے نشانات تک نہیں ہیں۔ ظفر خاں نے چند ہی دنوں تک حکومت کی تھی کہ بزرگان اسلام کی صحبت کیمیا اثر سے متاثر ہو کر تخت و تاج سے بیزار ہو کر دست بردار ہو گیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں انتقال ہو گیا قبر مخدوم چراغ ہند کے روضے کے متصل واقع ہے اور قبر کے سرہانے سنگِ موسیٰ کا شمعدان نصب ہے ف۳

ظفر خاں کے گوشہ نشین ہو جانے کے بعد غیاث الدین تغلق نے اپنے

ف۱ گزٹیر مرزاپور

ف۲ دیکھو بلونت نامہ خیر الدین و گزٹیر مرزاپور و بنارس

ف۳ چراغ نور ص ۲۴

رضاعی بھائی تاتار خاں کو ظفر آباد کا حاکم دگورنر مقرر کیا اور خود نصیر الدین حاکم لکھنوتی اور بہادر شاہ حاکم سنار گاؤں پر حملہ کیا۔ تاتار خاں کے بعد عین الملک جو محمد بن تغلق کا مصاحب تھا اپنے دونوں بھائیوں شیخ اللہ اور رحیم داد کی مدد سے اودھ، ظفر آباد پر قابض ہو گیا۔ اسی زمانہ میں دولت آباد کو دلی کے بجائے پایہ تخت قرار دینے کی وجہ سے دہلی کے بہت سے شرفا اور امراء بادشاہ سے ناراض ہو کر ظفر آباد چلے آئے اور یہیں پر سکونت اختیار کر لی۔ اس صورت حال کو دیکھکر عین الملک کا تبادلہ دیوگری کر دیا گیا مگر عین الملک نے جانے میں کچھ پس و پیش کیا جسکی وجہ سے غیاث الدین محمد تغلق کو بغاوت کا شبہہ ہوا، اس کو ختم کرنے کے لئے فوج لیکر چلا اور دریائے گنگا کے کنارے دل مئو میں عین الملک کی فوج سے مقابلہ ہوا جسمیں عین الملک کے دونوں بھائی ہارے گئے۔ آخرش عین الملک نے معافی تقصیر کی کوشش کی اور بادشاہ کی خدمت میں تحائف جواہرات و غلہ وغیرہ بھیجا۔ بادشاہ نے اسکا قصور معاف کر دیا۔ [1]

حاجی الیاس کی بغاوت اور فیروز شاہ کا قیام

۷۵۲ھ مطابق ۱۳۵۱ء میں حاجی الیاس حاکم بنگالہ نے فیروز شاہ تغلق سے بغاوت کی اور اپنا لقب شمس الدین شاہ رکھا بنگالہ کے علاوہ اس نے بنارس۔ ظفر آباد اور گورکھپور تک دخل کر لیا۔ عین الملک بھاگ کر دلی پہونچا۔ شمس الدین ہوس ملک گیری میں ظفر آباد پہونچا اور چند روز ٹھہر کر گورکھپور چلا گیا۔ اس پر اس کا قبضہ ایک سال تک رہا۔ [2]

---

[1] گزیٹیر جونپور

[2] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی

سنہ ۷۵۳ھ مطابق سنہ ۱۳۵۱ء میں فیروز شاہ کی یورش لکھنوتی کے بعد حاجی الیاس سے صلح ہوگئی اور مشرقی بنگالہ صوبہ بنگ شمس الدین کے پاس بشرط ادائے خراج سالانہ رہا۔ مغربی بنگالہ اور بہار وغیرہ شاہان دہلی کے قبضہ میں آگیا۱

سنہ ۷۶۰ھ مطابق سنہ ۱۳۵۹ء میں **فیروز شاہ** حاجی الیاس کے مرنے اور اسکے بیٹے سکندر کے تخت نشین ہونے کی خبر سُن کر لکھنوتی جاتے ہوئے ظفرآباد آیا۔ اسی درمیان بارش کا موسم بھی آگیا لہذا برسات تک قیام کرنا پڑا۔ فیروز شاہ کو تعمیرات اور شہروں کے بسانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے رفاہ عام اور پرانی شاہی عمارتوں کی مرمت وغیرہ کے عظیم الشان کام سرانجام دیے جو ابتک اور نہ جانے کب تک فخر کا باعث رہیں گے ۲

جونپور شہر کا قیام اور اس کا آباد ہونا

فیروز شاہ تغلق نے ظفرآباد سے چند میل دور پچھم ایک ہموار اور مسطح جگہ قابل آبادی دیکھکر شہر بسانے کا حکم دیا۔ موسم برسات ختم ہونے پر اپنے بیٹے

---

۱ تاریخ فرشتہ جلد اول وچراغ نور صد ۲۴

۲ ایضاً و منتخب التواریخ بدایونی

۳ یہاں یہ بات ثابت ہوتی ہو کہ آج جس مقام پر جونپور آباد ہے وہ فیروز شاہ کے آباد کرنے کے وقت غیر آباد اور جنگل کی صورت میں تھا۔ اگر آبادی تھی بھی تو وہ بھروں، مُسہروں اور اہیروں وغیرہ کی منتشر اور بے ترتیب آبادی تھی جیساکہ جنگلی قوموں کی عادت و نظرت ہوتی ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ بودھوں اور جینیوں کے زمانہ میں کثیر آبادی وغیرہ رہی ہو مگر اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن بعد کو برہمنوں اور راجپوتوں کے زمانہ میں یہ جگہ فیروز شاہ کی آبادی کے قبل آباد ہو رہی تھی۔ (مؤلف)

شہزادہ **نصیر خاں** کو یہاں کا انتظام سپرد کر کے لکھنوتی چلا گیا۔ نصیر خاں اور اسکے ماتحتوں نے شہر کی تعمیر اور آباد کرنے کے سلسلے میں غیر ہموار زمین کو برابر اور درست کرنے، جنگلات کو کاٹ کاٹ کر صاف کرنے میں بڑی سرگرمی اور تندہی سے کام لیا، جب بادشاہ ۷۶۱ھ مطابق ۱۳۶۰ء میں بنگالہ سے پلٹ کر ظفر آباد آیا اور حضرت چراغ ہند کی خدمت میں حاضری داجازت کے بعد نئے شہر (جونپور) میں ۶-۷ ماہ تک قیام کیا۔ شہر کو دیکھا بھالا اسکی درستی۔ طرز آبادی اور وضع قطع وغیرہ دیکھکر بہت خوش ہوا اور اس کا نام اپنے چچا زاد بھائی **جونا خاں** کے نام پر **جونا پور** رکھا۔ اور شہزادہ نصیر خاں کو حاکم مقرر کر کے **جاج مئو** کی طرف سے ہوتا ہوا دہلی چلا گیا۔[له]

جونپور آباد ہو جانے کے بعد ترقی و سربلندی کا رُخ بھی اُدھر کو مُڑ گیا اور پھر ظفر آباد کا زوال شروع ہو گیا۔ نصیر خاں کا جب انتقال ہو گیا تو شہزادہ **علاء الدین** اس کی جگہ پر جونپور کا حاکم مقرر ہوا۔

خاندان شرقیہ کے عہد میں

۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۴ء میں فیروز شاہ تغلق کے چھوٹے پوتے محمد تغلق کی تخت نشینی ہوئی۔ یہ بادشاہ اسقدر کم عمر تھا کہ کار بار سلطنت کو انجام نہیں دلیکتا تھا

له تاریخ فرشتہ جلد اول و تاریخ فیروز شاہی وچراغ نور ص۲۶۔ ظفر آباد کی مستقل آبادی و حکومت کے علاوہ (جسکا نام پہلے منہیچ تھا) یہ حصہ کہ جہاں پر آج جونپور آباد ہے جنگلی قوموں کے قبضہ میں تھا دریائے گومتی کے کنارے ان کا ایک مندر کرار بیر کے نام سے تھا جسکی یہ قومیں پوجا کرتی تھیں۔ آج جس مقام پر قلعہ شاہی ہے وہیں پر پہلے انکی غالباً کوٹ تھی جو مٹی اور لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ موجودہ سنگین قلعہ فیروز شاہ کا تعمیر کردہ ہے۔ مؤلف

نہ کہ وہ صدمات جو اسکی سلطنت کو باپ اور بھائی کے زمانے میں پہونچے تھے ان کا تدارک کرتا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ سرکش ہوگئے اور ہر طرف بدنظمی و بے لگامی پھیل گئی، بادشاہ نے ملک سرور خواجۂ جہاں کو "ملک الشرق" کا خطاب دیکر۔ جونپور۔ بہار اور ترہت کی جانب روانہ کیا کہ سرکشوں کی سرکوبی کرے۔ خواجۂ جہاں نے پہونچکر ان علاقوں پر قابو حاصل کیا اور مضبوط انتظام کیا۔ اور دوسری طرف ہندوستان پر تیمور کا حملہ شروع ہو چکا تھا دہلی کی تباہی اور غارت گری سے ملک میں عام طوائف الملوکی اور افراتفری پھیل گئی۔ خلاف توقع یہ موقع غنیمت وضروری جان کر خواجہ جہاں خود مختار ہو گیا اور اس نے اپنی آزاد سلطنت قائم کرلی اور اپنا لقب "سلطان الشرق" اختیار کرکے جونپور کو دار السلطنت قرار دیا۔ پھر تو ظاہر ہے ظفرآباد کہاں بچ سکتا تھا! لہذا یہ بھی اس نئی سلطنت میں شامل ہوکر اسکا ایک حصہ قرار پایا [۱]

شرقی خاندان میں پانچ پشت تک یکے بعد دیگرے کئی بادشاہ ہوئے۔ قریباً ترانوے ۹۳ سال تک حکومت وسلطنت رہی۔ اس خاندان سلطنت کا آخری بادشاہ حسین شرقی تھا۔ اس سلطنت کی حدود وسعت اٹاوہ سے لیکر بنگال تک اور جو اسکے شمال ومغرب میں واقع ہی گنگا کے کنارے کنارے اڑیسہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس عظیم و وسیع سلطنت نے از خود ایسے اثرات پھیلائے کہ سلاطین بنگالہ نے اسکی اطاعت وماتحتی اختیار کرنا فخر سمجھا۔ بہار وترہت بھی شامل ومطیع تھے لیکن ایک دن وہ بھی آیا کہ جس میں "ہر عروجے را زوالے" کی رسم ادا کی ہے۔ آہ کہ جسکا لقب شیرازِ ہند تھا اسکے عروج و سربلندی کی عمر پوری ہوگئی۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ ج اول وچراغ نور ص ۲۶

اور ۸۸۳ھ مطابق ۱۴۷۶ء میں بہلول لودی نے حسین شاہ کو شکست دیکر فرار ہونے پر مجبور کر دیا اور سلطنت شرقی (جونپور) کو ختم کر کے دہلی میں شامل و داخل کر لیا۔[۵۱]

شاہان دہلی و نوابان اودھ کے قبضہ میں

۸۹۴ھ مطابق ۱۴۸۷ء میں سلطان بہلول لودی نے جونپور اور ظفرآباد وغیرہ اپنے بیٹے **بار بک شاہ** کو بطور جاگیر حوالہ کیا جسکا انتقال ۱۴۸۸ء میں ہوگیا۔ اسکے بعد **جلال خاں** سکندر لودھی کے بیٹے کے قبضہ میں آیا۔

اکبر اعظم کے دور حکومت میں جب ملک کی تقسیم صوبہ، سرکار اور پرگنہ جات کی صورت میں ہوئی تو ظفرآباد بھی ایک پرگنہ قرار پایا جو سرکار "جونپور" کے تابع اور صوبہ الہ آباد سے متعلق تھا۔ جس کی سرکاری مالگذاری ایک لاکھ ۵۶ ہزار نو سو چھتیس روپیہ تھی۔ اسکے بعد اس خطہ پر ابوالمنصور خاں صفدر جنگ، نواب شجاع الدولہ اور نواب آصف الدولہ اور برہان الملک نواب سعادت علیخاں کا دور دورہ ہوا۔ جن کو لوگ نواب اور وزیر کی حکومت کہتے تھے۔ نواب وزراء کے عہد میں جونپور و ظفرآباد کی حکومت سب سے پہلے **میر رستم علی** کے سپرد ہوئی۔ پھر راجہ **بلونت سنگھ** والی بنارس کو۔ اسکے بعد اسکے بیٹے چیت سنگھ کو ملی[۵۲]

انگریزوں کے عہد میں

۲۱ مئی ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء کو نواب آصف الدولہ نے بنارس اور جونپور وغیرہ کو بخوشی و رضامندی سرکار کمپنی کے سپرد کر دیا۔ اسی وقت سے ظفرآباد بھی انگریزوں

---

۵۱ تاریخ فرشتہ جلد اول و چراغ نور ص ۲۷

۵۲ عماد السعادت، و بلونت نامہ

کے قبضہ میں چلا گیا مگر اس کی مرکزی حیثیت قائم تھی۔ جب ضلع و پرگنہ وغیرہ کی تقسیم ہوئی تو جونپور ضلع اور ظفر آباد پرگنہ قرار پایا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد اسکا پرگنہ ہونا بھی ختم ہو گیا اور جونپور حویلی کے پرگنے میں شامل کر دیا گیا۔ اب اسکی حیثیت تھانہ کی ہو گئی اور ۲۰-۲۵ سال بعد یہ بھی ختم ہو گیا، اور اب محض ایک پولیس چوکی قائم کر دی گئی جس کا سینٹر جونپور کی کوتوالی تھی[۱]۔ لیکن بعد میں ظفر آباد کی قدامت و عظمت کا لحاظ و خیال کرتے ہوئے عدالت منصفی کا تقرر کیا گیا۔ منصفوں کو تنخواہ کے بجائے اسٹامپ کی فیس ملا کرتی تھی، لیکن جب حکومت انگلشیہ نے منصفوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو پھر ظفر آباد کی منصفی توڑ دی گئی[۲]

۱۸۷۳ء میں اودھ روہیلکھنڈ ریلوے کمپنی نے ایک ریلوے لائن نکالی جو لکھنؤ سے آکر جونپور ہوتے ہوئے ظفر آباد کی پچھمی سرحد سے گزرتی ہوئی بنارس چلی گئی ہے۔ ایک اسٹیشن بھی تعمیر کیا گیا جو اس وقت جنکشن ہے اور تقریباً ہر ٹرین یہاں ذرا دیر کو ٹھہرتی ہے۔ ۱۹۰۲ء میں ایک شاخ ریلوے لائن کی ظفر آباد سے نکالی گئی جو منڈیاہوں ہوتی ہوئی بھنگھئی اور پھولپور سے ہو کر الہ آباد تک گئی ہے اور دوسری لائن سلطان پور کو چلی گئی ہے[۳]

غدر ۱۹۵۷ء

اس عظیم و ہولناک غدر سے ہندوستان کا کونہ کونہ متاثر ہوا۔ جونپور میں بھی سینتیسویں (۳۷) سکھ پلٹن کی دو کمپنی تھی۔ ۵ جون ۱۸۵۷ء کو ان پلٹنوں نے بھی بغاوت کر دی۔ جیل خانہ

---

۱ تاریخ رشید الدین خاں و چراغ نور وغیرہ۔

۲ تاریخ ظفر آباد ص ۲۹

۳ ایضاً ص ۳۰

توڑ ڈالا دفتر پھونک دیا اور خزانہ لوٹ کر دہلی کی طرف چل پڑی۔ مسٹر فین اور دوسرے حکامان ظفرآباد سے بنارس چلے گئے۔

احمد پور کے راجپوتوں نے ایک جم غفیر کے ساتھ مسلح ہو کر ظفرآباد کی لوٹ مار اور غارت گری کا ارادہ کیا، محلہ سید تاج میں پہونچکر مہربان کاغذی کے مکان پر حملہ کیا۔ لیکن قصبہ کے لوگوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ حملہ آور بھاگ گئے۔ ۵۱

حوض کٹورہ کے لونیوں نے بھی لوٹ مار اور ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ ان سبھوں کی سرکشی یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ مسٹر پلانڈ ڈپٹی کلکٹر کو بھی بنارس کی سڑک پر جاتے ہوئے لوٹ لیا۔ کئی مرتبہ ظفرآباد کو بھی لوٹ کر غارت کر دینے کا پلان بنایا اور محلہ مخدوم پور تک گھس آئے۔ کائستھوں کے گھروں کو لوٹ لیا مگر بروقت قصبہ والوں کی مدافعت اور پھر حملہ نے ان کے ارادوں کو ناکام بنا دیا۔ چھ سات ماہ تک یہ طوائف الملوکی، ہنگامہ آرائی، خون خرابہ اور تباہی و بربادی برپا رہی ۱۸۵۸ء میں فوجی تسلط کے ذریعے امن ہوا۔ فتنہ انگیزوں اور باغیوں کی کافی جائدادیں ضبط ہوئیں۔ پھانسی اور عمر قید کی سزائیں دی گئیں کہ جنھوں نے مسٹر پلانڈ وغیرہ کو لوٹا تھا۔

سیلاب ۱۸۷۱ء طوفان نوحؑ کا قصہ ہم سنا کرتے تھے مگر اسکی ایک جھلک ظفرآباد ۱۸۷۱ء میں نظر آئی۔ ۱۴ ستمبر سے دریائے گومتی میں طغیانی شروع ہوئی اور دیکھتے دیکھتے دوچار روز کے اندر پورا ظفرآباد پانی سے بھر گیا۔ محلہ سید واڑہ کہ عین گومتی کے کنارے پر ہے محض دو گھر سیدوں کے بچے جو

حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ کی نسل سے تھے اور محلہ شیخواڑہ، ناصحی اور خاص بازار کے چند مکانات باقی رہ گئے تھے باقی سب غرق ہوگئے۔ ایک قیامت صغریٰ برپا تھی۔ لوگ اپنی جانیں لے کر بھاگ رہے تھے۔ مکانات دھڑا دھڑ گر رہے تھے چھپر، مڑئیاں اور جانور بہے جا رہے تھے۔ درخت اکھڑ اکھڑ کر ڈھیر ہو رہے تھے سیکڑوں جانور اور انسان مر گئے تھے۔ بس جدھر دیکھو پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ چودہ روز تک برابر یہ سیلابی قیامت و آفت برپا رہی ۲۸ ستمبر سے پانی کم ہونا شروع ہوا۔ اس سیلاب نے نہ جانے کب کا اور کس قصور کا انتقام لیا تھا کہ قصبہ اجڑ کر برباد ہوگیا۔ خدا بھلا کرے مسٹر گارڈنر کلکٹر جونپور کا کہ جنھوں نے بڑی ہمدردی اور مستعدی سے کام کیا۔ لوگوں کو امدادیں دیں، مکانات تعمیر کرائے صفائی علاج کا اہتمام کیا۔ اس سیلاب کی تاریخ "طغیانی آبِ دریا" ۱۲۸۸ بھی نکالی گئی کہ جس سے اسکی ہولناکی کا اندازہ ہوتا ہے [۱]

---

[۱] تاریخ ظفرآباد صفحہ ۳۶-۳۷

ظفر آباد کے بزرگانِ دین

حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ و مخدوم چراغ ہندؒ کے ہمراہ سیکڑوں لوگ جہاد کے لئے آئے تھے جن میں عام مجاہدین کے علاوہ اولیاء وعلما کی کثیر تعداد تھی۔ ظفر آباد کی فتح و کامیابی کے بعد کچھ حضرات تو یہیں پر مقیم ہو گئے اور بقیہ اطراف ملک میں پھیل گئے اور اسلام کی تبلیغ میں لگ گئے۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ان بزرگوں کی آمد و قیام نے اس خطۂ شرق کو چار چاند لگا دیا اور یہ مقام اولیاء اللہ کا مرکز و مسکن ہو گیا جن کی صحبت میں چند لمحوں کی حاضری بھی بڑے بڑے علماء و فضلا اپنے لئے فخر و سرور کا باعث سمجھتے تھے۔ جن کے خلفاء چاروں طرف دین و توحید کی شمع روشن کئے فیض رسانی کا کام سرانجام دیتے تھے۔ سیکڑوں خانقاہیں اور مدرسے کھل گئے تھے جن میں تشنگان علم و فن دور دراز سے مقامات سے آکر اپنی پیاس بجھاتے اور اپنی آرزوؤں کی تکمیل کرتے تھے۔ ان بزرگوں کی شفقت و جلالت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے سرکش و گمراہ اور طرح طرح کے علمائے فرنگ آتے تھے اور یہاں تماشائے نیرنگ دیکھ کر گردنیں خم کر دیا کرتے تھے۔

آپ ظفر آباد کو اگر غائر نظروں سے دیکھیں تو حیرت میں کھو جائیں کہ اللہ اکبر اس چھوٹے سے خطے کے اندر کیسی کیسی انمول ہستیاں آرام فرما ہیں کہ جن کی عظمت و بزرگی اور علمی و عملی کارناموں پر اسلام کو فخر و ناز ہے۔

مگر افسوس کا مقام ہے کہ اب اسی سرزمین پر نہ وہ آثار و اخبار ہیں اور

نہ ان بزرگوں کے سلسلے کی وہ قدیم اور قلمی کتابیں ہیں کہ جن کے دیکھنے سے خود ان کے حالات معلوم ہوتے اور ان کے زمانے کی کیفیت کا پتہ چلتا۔ اور چند آثار واخبار جو ہیں ان کا حال جاکر دیکھو تو بیساختہ آنکھوں سے عبرت وصدمہ کے آنسو گرے پڑتے ہیں۔ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے یہ غیروں کے نہیں اپنوں کے ہاتھوں ہوا ہے۔ کسی نے اینٹیں چرائیں کسی نے پتھروں، پٹیوں ستونوں پر ڈاکہ مارا اور لیجا لیجا کے اپنا اپنا گھر بنوا لیا۔ کسی نے اینٹوں پتھروں کی گڈیاں توڑ واکر بیچ ڈالا۔ کسی نے احاطوں اور پختہ فرشوں کو توڑ توڑ کر کھیت بنایا اور اسکو جوت ڈالا۔ اکثروں نے ایسے حصوں اور زمینوں کو دوسروں کے ہاتھوں بیچکر روپیہ ٹھیک کر لیا۔ تفصیل آگے آرہی ہے جنھیں دیکھکر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئیں گے۔

بہرحال جن جن بزرگوں کا حال بڑی تحقیق وتلاش کے بعد جو کچھ بھی معلوم ہوا وہ ناظرین کے ہدیۂ نظر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ ظفر آباد کے بزرگان دین اور علماء اسلام کی تعداد بس اتنی ہی تھی، نہیں بلکہ ہمیں جو حاصل ہو سکی اس کا ذکر ہے۔ باقی نہ جانے کتنے ہیں کہ جن کا حال وشمار اللہ جانیں اور زمین کی آغوش! ہم اس سلسلہ کو حضرت آفتاب ہندؒ ولیعدہٗ حضرت چراغ ہند سے شروع کرتے ہیں۔

مخدوم سید اسد الدین حسینی
آفتاب ہند سہروردی چشتی

قوم سید زیدی۔ مذہب حنفی، طریق سلوک روش عاشقانہ۔ خانوادہ سہروردی چشتی مرید وخلیفہ اول حضرت مخدوم شیخ رکن الدین رکن عالم ابو الفتح فیض اللہ ملتانیؒ۔ وطن خاص شہر واسط ملک عراق عرب، ۲۹ رجب ۶۶۱ھ کو پیدا ہوئے۔ لڑکپن ہیں والدین کے ساتھ

ہندوستان آئے، پہلے کچھ دن تک دہلی میں قیام رہا۔ پھر کٹرہ مانک پور تحصیل منجھن پور ضلع الہ آباد میں آئے۔ ۲۰ سال کی عمر میں تحصیل علوم ظاہری سے فراغت پائی۔ فقہ، اصول تفسیر حدیث میں زیادہ تبحر حاصل تھا۔ حافظ قرآن اور قاری ہفت قرأت تھے۔ چند کتابیں بھی لکھیں جن میں "عشقیہ" فن سلوک و معرفت میں اچھی کتاب ہے۔ علوم باطنی کی تعلیم اپنے نانائے محترم حضرت مخدوم **ضیاء الدین کڑھی** ؒ سے حاصل کی۔ پھر ملتان جاکر **شیخ ملتانی** ؒ سے مرید ہوئے۔ جب سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرنے کے بعد چلہ سے باہر آئے تو چہرہ مثل آفتاب کے روشن تھا۔ پیر و مرشد شیخ ملتانی ؒ نے خرقۂ خلافت کے ساتھ **"آفتاب ہند"** کا لقب بھی عنایت فرمایا۔ اور دین کی خدمت و نصرت اور تبلیغ و اشاعت کی وصیت و ہدایت فرمائی۔

تبلیغی اور جہادی سفر علوم باطنی کی فراغت در حمت اور تبلیغ دین کی وصیت لیکر ملتان سے دہلی آئے اور حضرت نظام الدین سلطان الاولیاء محبوب الٰہی چشتی ؒ سے مزید نعمت باطنی حاصل کی اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ پہلے آپ **کنتھ** (ضلع مرزاپور) آئے۔ یہاں کا راجہ قوم گھروار سے تھا۔ ابتدا میں وعظ و نصیحت سے کام لیا مگر لاحاصل، مجبوراً جنگ کی ٹھہری۔ آخرش راجہ کچھ لوگوں کے ہمراہ مسلمان ہو گیا۔ آپ نے یہاں بھی چلہ کشی کی تھی۔ آج سے پچیس تیس سال پہلے چلہ کشی والی جگہ بھی موجود تھی۔ اسکے بعد آپ **ساتھر ڈیہہ** گئے۔ یہاں کا راجہ

؎ یہ مقام پرگنہ مؤ ضلع الہ آباد میں ہے۔ قوم ترکمان جو اس جوار میں کثرت سے آباد ہیں اسی راجہ کی نسل سے مشہور ہیں۔ حضرت مخدوم ؒ کے چلہ کا مکان یہاں بھی ہے۔ اس نواح کے لوگ عقیدت مندانہ وہاں آتے ہیں اور حاضری دیتے ہیں۔

راجپوت تھا وہ بھی بآسانی اسلام لایا[1]۔ یہاں سے فارغ ہوکر آپ بناؤدی[2] (ضلع اعظم گڈھ) آئے۔ یہاں کا راجہ بہ نسبت اور جگہوں کے زیادہ طاقتور اور فوج و مال وغیرہ کا مالک تھا۔ یہاں کی مہم نے زیادہ طول کھینچا، چھ[3] ماہ تک سلسلہ جاری رہا، بعدہٗ فتح و کامیابی ہوئی اور راجہ نے اسلام قبول کیا۔ سب سے آخر میں آپ ظفر آباد آئے۔ یہاں کا معرکہ اگرچہ حضرت مخدوم چراغ ہندؒ کے زیر قیادت ہوا مگر آپ بھی مع اپنے رفقا کے شریک مدد و معاون تھے۔

وہ خلفاء جو آپ کے ساتھ آئے | آپ کے وہ سترہ خلفاء[4] جو آپ کے ساتھ آئے تھے (۱) سید نور الدین ابی محمد محمود مدنی پسر اول (۲) سید شمس الدین مکی پسر دوم (۳) سید صدر الدین مکی پسر سوئم (۴) مولانا قیام الدین (۵) قاضی تاج الدین ناصحی (۶) شاہ محمدی (۷) شاہ چاند (۸) مولانا شیخ رکن الدین یک لکھی سمرقندی (۹) مولانا نظام الدین علامی (۱۰) قاضی اعز الدینؒ ننگر مہابیش (۱۱) مولانا آدم (۱۲) مولانا بہرام (۱۳) میران شاہ یعقوب شامی (۱۴) شیخ محمد کوفی (۱۵) سید محمدؒ صوفی[5] (۱۶) میران شاہ قلندر سعید تار پیل مست (۱۷) مولانا بدر الدین۔

حال و قال | مخدوم آفتاب ہندؒ اپنے وقت کے امام طریقت اور مقتدائے حقیقت

---

[1] دیکھو مناقب درویشیہ و تجلیات العارفین قلمی صک

[2] یہ مقام پرگنہ سگڈی ضلع اعظمگڈھ میں ہے۔ چند مکانات اور مسجد حضرت مخدومؒ کے وقت کی تعمیر شدہ یہاں موجود ہیں۔

[3] ان کی مزار موضع روئی اور اولاد موضع اتراوہ ضلع شاہ آباد (آرہ) میں ہے۔

[4] منڈیاہوں ضلع جونپور کے شیوخ آپ کی اولاد سے ہیں۔

[5] سادات منڈیاہوں آپ کی اولاد ہیں۔

اہل حال وقال، صاحب زہد وتقویٰ تھے۔ تمام عمر عبادت وریاضت، احترام شریعت، پابندی سنت اور حقیقت ومعرفت میں بسر کی۔ آپ بیک وقت عالم وصوفی اور مجاہد تھے۔ دو مرتبہ طویل خدمت گزینی بھی کی۔ ذکر وشغل میں اتنا انہماک تھا کہ خواب وخور سے محرومی ہوگئی۔ پوری پوری رات عبادت میں گزار دیتے آپ کی ذات چشمۂ فیض اور منبع برکت تھی۔ کوئی سائل آپ کے در سے خالی نہ جاتا۔ بادشاہ وورزاء وامراء آپ کی خدمت میں حاضری باعث رحمت وافتخار سمجھتے تھے[۱]

چند واقعات وکرامات جس روز آپ کا کوئی مرید ہوتا تھا اسی شب میں اس کو نبی کریم صلعم کی زیارت نصیب ہو جاتی۔ ایک روز حضرت مخدوم حجرہ کے اندر ذکر وفکر میں مشغول تھے کہ چور آیا اور آپ کا جوتا چرا لے گیا۔ راستے میں اس کے دونوں ہاتھ شل ہو گئے۔ واپس آیا اور معافی چاہی۔ آپ نے ازراہ ترحم معاف کرتے ہوئے دعا کی۔ اللہ کی قدرت سے اس کا ہاتھ درست ہو گیا[۲]

سلیمان الہ آباد کا حاکم کسی غلطی پر قید ہو گیا تھا۔ چوں کہ اسکو حضرت مخدوم سے دلی عقیدت ومحبت تھی۔ ایک روز فکر وپریشانی میں حضرت مخدومؒ کی روح سے مدد چاہی۔ اسی شب میں خواب دیکھا "آپ فرماتے ہیں کہ "کل تو رہا ہو جائے گا"۔ ویسا ہی ہوا کہ اسکی رہائی بھی ہوگئی اور اپنی ملازمت پر بحال بھی ہو گیا۔ ایک روز خطیب جامع ظفرآباد حاضر ہوئے۔ دیکھکر آپ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ "نماز قضا نہ کرنی چاہیئے"۔ خطیب نادم ہوئے اور واقعی

---

[۱] مناقب درویشیہ وتجلیات العارفین قلمی ص۔ وتاریخ ظفرآباد، حاشیہ مولف ہذا ص۱۲

[۲] تجلیات العارفین قلمی ص۶ وتاریخ ظفرآباد ص۱۲

غلطیٔ قضا کی معذرت چاہی اور آیندہ کے لئے تعہد کیا ۔ ^{لہ}

عبد اللہ بیگ نائب حاکم جونپور جو شراب خوار تھا ایک روز بحالت بدمستی آپکے پاس حاضر ہوا ۔ یہ بیہودگی اور گستاخی سخت ناگوار خاطر ہوئی ۔ فرمایا "تیری موت آئی ہے" خدا کی شان اس کے تیسرے روز کسی خطا میں قتل کر دیا گیا ۔

بحالتِ خواب حضرت مخدومؒ کے لب اس طرح جنبش کرتے تھے کہ گویا آپ کچھ پڑھ رہے ہیں ۔ ایک روز مولانا نظام الدین علامیؒ نے کہ ان پر زیادہ مہربان تھے ، اسکا سبب دریافت کیا ، فرمایا "کلام مجید کا دورہ کرتا ہوں"

وفات حسرت آیات | ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۹۴۳ھ کو بعد نماز عصر ایک مجلس میں حضرت مخدومؒ کو شیخ سعدیؒ کے اس شعر پر وجد آگیا اور بڑی رقت ہوئی کہ

اگر ہلاکِ سعدی بہ تیغ فرقت تست
حلال باشد و خونے کہ دوستاں ریزند

اسی شب فالج میں مبتلا ہوئے اور ۱۶ رجمادی الاولیٰ روز چہارشنبہ شب میں تہجد کے وقت دار العمل سے دار الجزا کی طرف انتقال فرمایا ۔

آپ کی تمام اولادیں ظفرآباد ہی میں آباد تھیں لیکن جب نواب سعادت علیخاں برہان الملک نے تمام معافیات و جائداد عطیہ شاہی ضبط کر لیں ^{ع۲} تو اس خاندان

لہ تجلیات العارفین صد و تاریخ ظفرآباد

ع۲ نواب سعادت علیخاں نواب شجاع الدولہ کے بیٹے اور آصف الدولہ کے بھائی تھے لیاقت ، ذہانت و فراست اور ہوشمندی کے جوہر خداداد لائے تھے ۱۷۹۸ء میں تخت نشین ہوئے ۔ مسند نشینی کے قبل ہی اپنے لئے زمین ہموار کر چکے تھے اور یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ کمپنی کو چھپن لاکھ کے بجائے چہتر لاکھ روپیہ سالانہ دیا کرینگے اسکے علاوہ بارہ لاکھ روپیہ کمپنی کو

کے سبھی لوگ ظفر آباد سے ترک سکونت کرکے جونپور کے مفتی محلہ میں آکر آباد ہو گئے اور امامیہ مذہب اختیار کر لیا۔ بیعت، ہدایت اور سجادگی خلافت وغیرہ ظفر آباد سے ختم ہو گئی۔

سجادہ نشین خلفاء آپ کے وہ خلفاء جنھوں نے نیابت و سجادگی کا حق ادا کیا چھبیس [۲۶] بزرگ ہیں:۔ سید نور الدین مدنی۔ سید شمس الدین مکی۔ سید صدر الدین مکی (یہ تینوں بزرگ آپ کے صاحبزادے ہیں) سید قطب الدین [۴] ابو الغیب مدنی۔ سید گوشائیں مکی [۵]۔ شاہ نظام الدین [۶]۔ سید ضیاء الدین [۷] محمد۔ سید غیاث الدین [۸] ابو محمد درویش کلاں۔ سید حبیب اللہ [۹]۔ سید ابو احمد نجم اللہ محمد اسمٰعیل [۱۰]۔ سید ابو نجیب محمد شمس الدین [۱۱] خورد مخدوم قاضی احمد [۱۲] غور۔ سید رکن الدین ابو الفتح فیض اللہ [۱۳]۔ سید ابو نجیب [۱۴] ابو الفضل عبد الوہاب سید اسمٰعیل ابو محمد [۱۵] خورد۔ سید صدر الدین [۱۶] صدر الحق، میران [۱۷] سید محمد شاہ۔ سید محمد [۱۸] صادق بن سید احمد ہدایت اللہ [۱۹]۔ سید احمد [۲۰] فتح اللہ۔ شاہ سید [۲۱] قربان علی۔ شاہ سید [۲۲] نثار علی محبوب الحق شاہ سید [۲۳] فقیر حسین زاہد۔ شاہ نظام الحق [۲۴] احمد ابی عبد اللہ وارث علی۔ شاہ لطف علی [۲۵] شہید زہر۔ مولوی [۲۶] شاہ عبد الکریم لـه

(بقیہ ص ۹۴۳) مسند نشینی کا معاوضہ۔ وزیر علیخاں کو ڈیڑھ لاکھ دیا جائے۔ الہ آباد کا قلعہ کمپنی کے قبضے میں رہے۔ آخر کار ۱۰ نومبر ۱۸۰۱ء کو عہد نامے پر دستخط ہو گئے۔ نواب صاحب نے جاگیرات و معافیات اور اوقاف کو ضبط کر کے کلنک کا ٹیکہ اپنے سر لگایا حالانکہ اسکے بعد انکی پریشانیوں میں بہت اضافہ ہو گیا اور کافی حصہ ملک کا نکل گیا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ معافیات کی ضبطی کی وجہ یہ بھی کہ علماء نے نواب کا احترام نہیں کیا اور نہ ملاقات کی بلکہ اخراجات کی زیادتی نے ایسا کرایا۔ (تاریخ نوابان اودھ)

لـه تجلیات العارفین قلمی و انتخاب درویشیہ ص ۸

حضرت مخدوم شیخ صدرالدین چراغ ہند سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

قوم قریشی، مذہب حنفی، مرید و خلیفہ حضرت مخدوم شیخ رکن الدین عالم ابوالفتح فیض اللہ سہروردی ملتانی رح

حضرت امام حسن بصری رح کی نسل سے اور قطب الاقطاب شیخ بہاء الدین ذکریا سہروردی ملتانی رح کے نواسے تھے، اصل باشندہ مکہ معظمہ کے ہیں۔ آپ کے جدامجد کمال الدین شاہ مع اہل وعیال پہلے خوارزم[1] پھر ملتان آ گئے اور یہیں پر ۶۹۰ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ تاریخ پیدائش مخدوم[2] ہے۔

آپ بعد فراغت علوم ظاہری اپنے ماموں زاد بھائی حضرت مخدوم شیخ رکن الدین عالم ابوالفتح فیض اللہ سہروردی ملتانی رح سے مرید ہو گئے۔ پیر و مرشد نے خرقہ خلافت اور چراغ ہند کا لقب عطا فرمایا اور تبلیغ و اشاعت دین کیلئے پورب کی طرف روانہ کیا۔ آپ وہاں سے تشریف لائے اور اصلاح خلق، تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی سعی و کوشش اور برکت و کرامت سے ہزاروں انسان راہ راست پر آ گئے۔ شب و روز ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ بیشتر جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتے اور چلہ کشی کرتے رہتے تھے چند مقامات یہ ہیں:-

بھوئیلی، مہدیوا، پہاڑ دھواں دری، پہاڑ پور دادری[3]۔ سید پور۔ مچھلی شہر

---

[1] وسط ایشیا میں خوارزم ترکستان کا ایک حصہ ہے جہاں جیحون اور سیحون دو دریا بہتے ہیں۔ اُس وقت ہندوستان میں سلاطین خلجی کے جلال الدین فیروز شاہ ثانی کی حکومت تھی

[2] تجلیات العارفین قلمی و تذکرہ درویشیہ۔

[3] بھوئیلی۔ مہدیوا۔ پہاڑ پور دادری۔ پہاڑ دھواں دری مرزاپور میں۔ سید پور غازیپور میں اور مچھلی شہر جونپور میں۔

کھوسی، سرسال، مخدوم پور، مونڈیار[۱] - ان مقامات پر چلہ کشی کے مکانات کسی نہ کسی حالت میں ابھی تک باقی ہیں -

کبھی کبھی جذب واستغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی تو کئی کئی روز تک بے آب ودانہ گذر جاتے تھے لیکن نماز کے وقت ہوش آجاتا تھا اور بڑی رقت وعاجزی کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے -

آپ قطب وقت، صاحب شریعت وطریقت اور اہل حقیقت ومعرفت تھے - مزاج میں بےحد جلال تھا - باطنی فیض اور عطا کا یہ عالم تھا کہ جو طالب حق خدمت میں حاضر ہوتا ولی کامل ہو جاتا - آپ کے چھ خلیفہ تھے جو ہمہ وقت خدمت میں حاضر رہتے تھے اور وہ یہ ہیں مولانا شیخ رکن الدین غلام رکن عالم ابن حضرت چراغ ہند شیخ حاجی بابا، عبدالرحمن، شیخ شہر اللہ، مولانا شیخ عبدالباری عرف پیارے حسام پوری بہرائچی - شیخ سمن سید پورہ لی - میر سید موسی سلطان عاشقاں اودھی - ان کا مزار اودھ میں ہے -

کشف وکرامات | بھوئیلی کا راجہ برص کے عارضہ میں بری طرح مبتلا تھا کسی دوا کا اثر نہ ہوتا تھا - آخر کار اس نے حضرت چراغ ہند سے رجوع کیا اور آپ کے لعاب دہن سے اچھا ہو گیا -

ایک شخص مسائل سلوک کی تحقیق کی غرض سے حاضر ہوا - آپ نے فرمایا کہ "حاجی حالے وارد نہ قالے - اگر فقر و درویشی کی آرزو ہے تو ان خرافات سے توبہ کرو اور خوب سمجھ لو کہ میرے ہاتھ پر توبہ کے بعد توبہ شکنی سے دنیا وآخرت میں عذاب کے خطرات ہیں" - غرضیکہ اس نے توبہ کی اور مرید ہوا مگر کچھ ہی عرصہ بعد توبہ شکنی کی

---

[۱] کھوسی، سرسال - مخدوم پور اور مونڈیار ضلع اعظم گڈھ میں ہیں -

اور اسی روز اس کے گھر میں آگ لگی اور اسی میں جل کر مر گیا۔

ایک روز آپ پہاڑ پر سیر کر رہے تھے کہ چند جنگلی آدمی آئے اور آپ کو دعوت کھلانے اپنے یہاں لے گئے۔ مُرغ کا گوشت اپنے طور پر پکا کر سامنے لائے آپؒ نے اسکو واپس کر دیا اور فرمایا کہ یہ جانور کہتا ہے کہ مجھ کو حرام طور پر ذبح کیا گیا ہے۔ ان لوگوں نے دریافت کیا کہ حلال کیونکر کیا جائے؟ آپ نے بتایا کہ اسلام کے طریقے پر ذبح کرنے سے حلال ہوگا۔" یہ سن کر وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ حضرت خواجہ احمد لکھتے ہیں کہ:۔

ایک روز حضرت چراغ ہندؒ حجرے کا دروازہ بند کئے تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے کہ ایک شخص آیا اور تھوڑی دیر بیٹھکر چلا صاحبزادے ملا رکن الدین غلام رکن عالمؒ نے اس سے آمد کا سبب پوچھا، اس نے کہا کہ مجھکو ایک مسئلہ توحید دریافت کرنا ہے لیکن حضرتؒ کو اسوقت فرصت نہیں ہے پھر حاضر ہونگا۔ آپ نے وہ مسئلہ پوچھا، اس نے مولوی معنیؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

مشک را بر تن مزن بر جاں بمال
مشک چہ، بو نام پاک ذوالجلال

اور کہا کہ اس کے ظاہری مطلب سے میری تسکین نہیں ہوتی۔ مولاناؒ نے اس شعر کا مطلب مع اسرار و رموز کے بتایا کہ جس سے وہ مطمئن ہوا اور چلا گیا۔ حضرت چراغ ہندؒ نے دروازہ کھول کر دریافت کیا کہ کون تھا اور کیا بات تھی؟ مولٰنا نے تمام حال بیان کیا حضرتؒ سن کر مراقب ہوئے اور تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ میری اولاد سے قیامت تک کوئی عالم نہ ہو۔ اور اگر

ہو کبھی تو جوان مرجائے" چنانچہ اسی روز مولانا بیمار ہوئے اور دوسرے روز انتقال کر گئے [۵۱]

حضرت شاہ وارث علی نے آنکھوں دیکھا واقعہ لکھا ہے کہ :۔

"حضرت چراغ ہند کی نسل ہیں شیخ مجاہد ساکن مخدوم پور پرگنہ کراکت تھے انھوں نے عراق میں جاکر مطول اور توضیح و تلویح شرح مواقف تک استعداد حاصل کی مگر گھر پر آتے ہی مر گئے [۵۲]"

ایک عجیب حیرت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ :۔

"حضرت میر اشرف جہانگیر سمنانی مرید و خلیفہ حضرت علاء الحق چشتی بنگالی ظفر آباد آئے تو جامع ظفر میں فروکش ہوئے، سواری کا گھوڑا اور بار برداری کا اونٹ مسجد کے اندر ستون میں بندھوا دیا لوگوں نے منع کیا لیکن نہ ملنے اور دلیل یہ پیش کی کہ "میرے جانور بے ادب نہیں ہیں جب انکو پیشاب و پاخانہ کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اشارہ کرتے ہیں۔ سائیس باہر لیجاکر فراغت کرالاتا ہے"۔ حضرت چراغ ہند کو خبر ہوئی تو انھوں نے بھی منع کرایا لیکن پھر بھی نہ مانے اور وہی جواب و دلیل کہلا دیا۔ حضرت چراغ ہند کو یہ جواب بہت ناگوار ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر یہ غیظ و جلال میں آئے اور ادھر وہ مسجد جامع مثل تنور کے گرم سرخ انگارہ ہوگئی۔ جانور اور آدمی سب بے تاب ہو کر تڑپنے لگے۔ اسی دوران حضرت چراغ ہند کو

---

۵۱ تجلیات العارفین قلمی ص ۹

۵۲ تذکرۂ درویشیہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آیا اور سرزنش ہوئی کہ میری اولاد کو گرمی نہ چاہیئے اور اُدھر حضرت جہانگیر کو رخصت کا حکم ہوا اور وہ جونپور ہوتے ہوئے کچھوچھ کی طرف تشریف لے گئے ۔ سہ ۱

وفات | آٹھویں ذی قعدہ ۷۹۵ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار محلہ شیخواڑہ میں ہے۔ لیکن خزینۃ الاصفیا کے مصنف مفتی غلام سرور صاحب کو تاریخ وفات میں اختلاف ہے وہ ۷۷۴ھ لکھتے ہیں سہ ۲۔ اور یہ دونوں ہی قولِ تاریخ غلط ہیں کیونکہ حضرت اشرف جہانگیر دوسری مرتبہ سلطان ابراہیم شرقی کے دور میں ظفرآباد گئے تھے اور ابراہیم شرقی ۸۰۲ھ میں تخت شاہی پر بیٹھا تھا۔ ظاہر ہے حضرت چراغ ہند کی وفات جلوس ابراہیمی ۸۰۲ھ کے بعد ہوئی ہے نہ کہ ۷۹۵ھ میں اور ۷۷۴ھ میں۔ سہ ۳

حضرت مخدوم ملا قیام الدین چشتی سہروردی

قوم شیخ قریشی، مذہب حنفی۔ آپ حضرت آفتاب ہند کے ساتھ ظفرآباد آئے اور ان ہی کے خلفا میں سے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا۔ فقہ حدیث اور تفسیر میں خصوصیت سے بہت زیادہ شغف و دخل تھا۔ عارف اور صاحب کشف و

سہ ۱ تذکرۃ الابرار - چراغ نور

سہ ۲ خزینۃ الاصفیاء

سہ ۳ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی ظفرآباد دو مرتبہ تشریف لائے تھے پہلی مرتبہ تغلقیہ سلطنت کے عہد میں اور دوسری مرتبہ سلطنت شرقیہ ابراہیم شرقی کے زمانۂ حکومت میں۔ تفصیل کے لئے دیکھو لطائف اشرفی حضرت جہانگیر اشرف سمنانی ؒ ومرأۃ الاسرار قلمی۔

کرامات تھے۔ حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ سید نور الدین مدنیؒ اور سید صدر الدین مکیؒ پسران حضرت آفتاب ہند نے علوم ظاہری کی تحصیل ان ہی سے کی تھی۔ ۱۶ ذیقعدہ ۸۱۴ھ کو سلطان ابراہیم شرقی کے عہد میں انتقال فرمایا۔ مزار آپ کا محلہ احد میں ہے [1]

حضرت میران سید غالب شہید

قوم سید غزنوی۔ آپ سید سالار مسعود غازیؒ کے ساتھیوں میں سے تھے۔

۴۲۳ھ میں بسلسلہ جہاد ملک فضلؒ کے ساتھ ظفر آباد تشریف لائے اور یہیں کے معرکے میں شہید ہوئے، شب جمعہ میں اکثر آدھی رات کو ان کی قبر سے شور و غل کی آواز آتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آدمیوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ ان آوازوں سے سننے والے خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ اکثر لوگوں کو اس بات کا تجربہ اور مشاہدہ ہوا ہے کہ ان کی قبر پر حاضری اور فاتحہ خوانی سے ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ آپ کی پختہ قبر کوٹ آسنی کے دکھن جانب موجود ہے [2]

حضرت احمد شہیدؒ

آپ ملک فضلؒ کے ہمراہ ظفر آباد تشریف لائے اور ۴۲۳ھ میں شہید ہوئے۔ قبر پختہ محلہ شیخواڑہ لب سڑک بازار میں واقع ہے ایک بار اسکی مرمت محمد سلطان خاں دفعہ دار پولیس ظفر آباد نے کرائی تھی [3]

حضرت بیابانی شہید

آپ بھی سید سالار غازیؒ کے ہمراہیوں میں سے تھے

---

[1] خزینۃ الاصفیاء و تاریخ ظفر آباد ص ۵۱

[2] تذکرۂ درویشیہ و تاریخ ظفر آباد ص ۵۲

[3] تذکرہ درویشیہ و تاریخ خفر آباد ص ۵۲

اور ۸۲۳ھ کے جہاد میں شہید ہوئے۔ قبر پختہ ظفر آباد محلہ تاڑتلہ میں ہے۔ نیب کا ایک درخت مزار کے متصل بنام "نیب بیابانی" مشہور ہے [۵۱]

حضرت سید نور الدین مدنیؒ

آپ حضرت آفتاب ہندؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے اور ان ہی سے بیعت اور ان ہی کے خلیفہ تھے۔ ۱۶ ذی الحجہ ۷۳۳ھ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری مثلاً صرف و نحو فقہ اصول تفسیر ملا قیام الدین سے اور حدیث مولانا نظام الدین علامیؒ سے تحصیل تکمیل کی عمر کا اکثر و بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں بسر ہوا۔ گیارہ حج کیے۔ ۱۸ سال تک والد محترم کی خدمت میں رہکر علوم باطنی حاصل کیا۔ مزاج میں زہد و تقوی بیحد تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ بعد نماز جمعہ وعظ فرماتے۔ سیکڑوں طالبانِ حق نے فیض حاصل کیا۔ اہل حاجت کی فکر فرماتے۔ ۲۴ صفر ۸۶۶ھ کو سلطان حسین شرقی کے عہد میں انتقال فرمایا۔ قبر آپ کی آفتاب ہندؒ کے روضہ کے اندر اور مزار کے برابر پورب جانب ایک قبر کے بعد ہے [۵۲]

حضرت سید شمس الدین مکیؒ

آپ آفتاب ہندؒ کے منجھلے صاحبزادے اور ان ہی سے بیعت اور ان ہی کے خلیفہ تھے۔ پیدائش جمعرات کے دن ۷۲۷ھ کو مکہ معظمہ میں ہوئی۔ ریاضت و عبادت میں مرتبہ بہت بلند تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ۱۶ جمادی الثانی ۸۵۷ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ قبر پختہ آفتاب ہندؒ کے مزار کے برابر پچھمی دیوار سے ملی ہوئی ہے [۵۳]

---

۵۱ انتخاب درویشیہ ص۱۷

۵۲ مناقب درویشیہ و تجلیات العارفین قلمی ص۵۴

۵۳ آپکی جب وفات ہوئی تو حضرت آفتاب ہندؒ زندہ تھے (تاریخ ظفر آباد و مناقب درویشیہ)

حضرت سیّد صدر الدین مکیؒ

آپ حضرت آفتاب ہند کے سب سے چھوٹے صاحبزادے اور ان ہی سے بیعت اور ان ہی کے خلیفہ تھے۔ اتوار کے دن ۵ ذیقعدہ ۷۶۹ھ کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے مادرزاد مجذوب تھے۔ زبان سے جو کچھ کہہ دیتے تھے وہ پورا ہو جاتا تھا۔ عشق اور محبت الٰہی کا غلبہ رہتا۔ ہوش و حواس میں کم رہتے۔ زیادہ وقت تنہائی میں بسر ہوتا۔ شیر کا گھوڑا سانپ کا کوڑا بنا کر جنگلوں میں پھرا کرتے۔ کھانے پینے کا کچھ ہوش نہ رہتا۔ آپ ہی کی دعا کا اثر ہے کہ آفتاب ہندؒ کی اولاد کو اوّل تو سانپ کاٹتا ہی نہیں اور اگر کہیں کسی طرح کاٹ بھی لے تو کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ آپ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ سلطان ابراہیم شرقی کے عہد میں ۹ ذی القعدہ ۸۰۶ھ کو انتقال فرمایا۔ قبر پختہ آفتاب ہندؒ کے روضے کے اندر سید نور الدین مدنیؒ کے مزار سے ملحق پورب طرف ہے [1]

حضرت مخدوم بندگی شیخ جلال الحق قاضی خاں یوسف ناصحیؒ

قوم قریشی فاروقی۔ مذہب حنفی آپ حضرت ابراہیم ادھمؒ کی نسل سے تھے ۸۰۵ھ میں پیدا ہوئے جونپور میں شرقیوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور ابراہیم شاہ شرقی تخت شاہی کا مالک تھا۔ مادۂ تاریخ پیدائش آپ کی "خاصان حق" یعنی ۸۰۵ھ ہے۔ وطن آپ کا بلخ ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ قاضی تاج الدین ابراہیم ناصحیؒ حضرت آفتاب ہندؒ

---

[1] آپ کی پیدائش مکہ معظمہ میں ہوئی تھی لہذا "میاں مکی" کہے جاتے تھے۔ یہ واقعہ مشہور تھا کہ جسکو سانپ کاٹ لے اگر اسکے کان میں جھک کر کہا جائے "میاں مکی کی دُہائی" تو زہر کا اثر فوراً زائل ہو جاتا تھا۔

کے ہمراہ ظفرآباد آئے اور یہیں پر سکونت اختیار کر لی۔ آپ کے والد محترم محمد یوسف ظفرآباد کے قاضی تھے اور نانا آپ کے ملک عماد الملک وزیر سلطنت شرقی تھے جب حضرت بندگی چھ ماہ کے ہوئے تو آپ کے والد جونپور اپنے خسر عماد الملک کے یہاں آ گئے۔ تہجد کے بعد ذکر و فکر میں مشغول تھے کہ اس درمیان رہنمائے سالکین حضرت شیخ بہاء الدین جونپوری تشریف لائے اور اپنے یہ اشعار پڑھے:-

دارم سخنے اگر نہی گوش	(ترجمہ) اگر آپ سننے کیلئے مخاطب ہوں
من رسم سوئے تو خاموش	تو میں آپ کے پاس کچھ کہنے کے لئے آیا ہوں
ایوان ترا لبے بلند است	وہ یہ کہ آپ کا دربار بہت وسیع ہے
اینجا حرص و ہوس کمند است	حرص و ہوس دنیاوی کے لئے بہت
باید در عشق خانہ بر دوش	آسانی ہے۔ اگر درحقیقت خدا تعالیٰ
مجنوں شدہ کوہ کوہ بخروش	سے عشق ہے تو مکان کو ترک کرو اور مجنوں
(خزینۃ الاصفیا و تجلیات العارفین قلمی ص)	کی طرح پہاڑوں اور جنگلوں کی راہ لو۔

ان اشعار کا سننا تھا کہ قاضی محمد یوسف نے ایک آہ سرد کھینچی اور جنگل کی طرف چل دیئے پھر ہر چند تلاش کیا گیا مگر کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا ہوئے اور کہاں گئے

حضرت بندگی نے علوم ظاہری دہلی میں جا کر حاصل کیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں شیخ حسن طاہر چشتی جونپوری کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت پایا۔ حضرت سید اسمٰعیل ابی محمد محمود درویش نے لکھا ہے کہ جب حضرت بندگی ناصح اپنے پیر سے رخصت ہو کر ظفرآباد آئے اور عقد کیا، اولاد ہوئی تو تنگدستی ہوئی اور افلاس سے پریشان ہوئے، پیر و مرشد کو لکھا۔ انھوں نے صبر و توکل کی تلقین کی۔ اس روز

لہ بیاض درویشیہ قلمی تاریخ ظفرآباد ص۴۸

سے انھیں اطمینان ہوا۔ پھر خانقاہ سے نہ باہر تشریف لیگئے اور نہ کسی کی نذر و نیاز قبول کی، آپ متاخرین میں بڑے صاحب زہد و ورع تھے۔ عبادت و ریاضت میں سارا وقت گزار دیتے تھے اسکے باوجود فرماتے کہ:۔

"سی سال جانہا کندیم و ریاضتہا کشیدیم تا قدرے بدکاند نفس اقیانہ حاصل کردیم و دانستیم کہ نفس بہ چہ طریق راہ می زند و چہ کمینگاہ ہا دارد۔" (تذکرہ درویشیہ قلمی)

(ترجمہ) تیس برس تک میں نے جان ماری کی اور ریاضتوں میں مشغول رہا اسکے بعد کسی قدر نفس کے ڈھونگ کی شناخت ہوئی اور یہ سمجھ میں آیا کہ نفس کس طرح اپنے لئے راہ نکالتا ہے اور کون سی اسکی کمیں گاہ ہے

شہنشاہ ہمایوں جب جونپور آیا، تو ظفر آباد حضرت بندگی کی خدمت میں ملاقات کو حاضر ہوا، مگر کچھ حاصل نہ کر سکا محروم ہی واپس ہوا۔ مرزا عسکری کو بھیجا تاکہ جسقدر دیہات کی بندگی صاحب خواہش کریں، معافی دیجائے۔ لیکن چھ ماہ تک حاضری کا موقع ہی نہ مل سکا، آخر ایک روز مرزا عسکری نے مجبور ہو کر قاضی صدرالدین وکیل شاہی کی معرفت جو حضرت بندگی کے رشتہ میں چچا تھے ہمایوں کی خواہش کا اظہار کیا لیکن آپنے منظور نہیں کیا ؎[1]

ہمایوں چھ مرتبہ حاضر ہوا لیکن ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت بندگی کو اطلاع ہوئی تو کہلا بھیجا کہ "حجرہ میری قبر ہے جس طرح قبر پر فاتحہ پڑھنے کا دستور ہے۔ میرے حجرے کے دروازہ پر بھی فاتحہ پڑھکر چلا جائے۔" ہمایوں کو بار بار ایسی سے اور بھی حاضری و ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ اسکو اس بات کی خبر ہوگئی

---

[1] بیاض درویشیہ قلمی و تاریخ ظفر آباد ص۳۴

بھی کہ حضرت بندگیؒ بعد نماز فجر حجرہ سے باہر نکلتے ہیں اور کچھ دیر طلباء کو درس دیتے ہیں پھر اندر چلے جاتے ہیں۔ ہمایوں سرائے بی بی میں فروکش تھا، صبح کے وقت چلاکہ درس کے وقت پہونچکر ملاقات کا شرف حاصل کرلوں۔ آخر کار ساتویں مرتبہ اسکی یہ آرزو پوری ہوئی، بادشاہ نے دیہات کی معافی کا فرمان پیش کیا لیکن آپنے واپس کردیا اور فرمایا کہ مجھکو اسکی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنے شیخ سے عہد کیا ہے کہ میں صرف خدا سے لوں گا۔

حضرت بندگی قاضی خاںؒ حضرت میر علی عاشقاں سرائے میری حضرت شیخ اڈھن جونپوریؒ اور حضرت سید غیاث الدین ابی محمد درویش صاحب سجادہ آستانہ حضرت آفتاب ہندؒ۔ ان چاروں حضرات میں بہت اخوت ومحبت رسم وراہ دوستانہ اور آپس میں بڑی بے تکلفی تھی، ان میں ہر بزرگ بہت بلند درجات رکھتے تھے، ایک روز ان چاروں حضرات میں یہ طے پایا کہ جس شخص کا پہلے انتقال ہو وہ اس بات کی اطلاع دے کہ خدا کے یہاں کس عمل کی زیادہ قدر وقیمت ہے کہ جسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے! قصہ مختصر یہ کہ حضرت بندگیؒ کا سب سے پہلے انتقال ہوا تو بقیہ تینوں حضرات ان کی مزار پر گئے اور یہ کہا کہ بزرگوں کی شان وعدہ پورا کرنا ہے۔ نصف شب کو حافظ شیرازی کا یہ شعر خود حضرت بندگیؒ کے ہاتھ

ف ۱ یہ مقام تحصیل کراکت ضلع جونپور میں ہے۔

ف ۲ یہ بزرگ سادات ترامذہ میں سے بہت بڑے عالم اور اہل قلم گذرے ہیں۔ علم جفر میں خاص مہارت تھی۔ ان کا ایک رسالہ علم جفر میں شایع ہوچکا ہے۔

ف ۳ یہ بزرگ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں بہت ذی علم اور صاحب کشف وکرامات گذرے ہیں آپکو سماع سے بڑی رغبت تھی چنانچہ منجھو قوال جونپوری آپ ہی کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھا۔

کا لکھا ہوا سبز رنگ کی عبارت میں مزار پر ظاہر ہوا ؎

ایں جا فنون شیخ نیرزد بہ نیم خس

راحت بدل رساں کہ ہمیں میخرند و بس

(ترجمہ) یہاں (قبر میں) مشائخ کی تعلیمات کی کوئی قدر و منزلت نہیں بلکہ دلوں کو راحت پہنچاؤ کہ اسی شئے کی قدر و قیمت ہے۔

آپ کا انتقال ۱۵ صفر سنہ ۹۴۳ھ کو شہنشاہ ہمایوں کے عہد میں ہوا۔

(تاریخ ظفر آباد و تجلیات العارفین)

حضرت سید قطب الدین ابو الغیب مدنی

سید نور الدین مدنی حضرت آفتاب ہند کے سب سے چھوٹے صاحبزادے اور ان ہی سے بیعت تھے۔ ان کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ پیدائش آپ کی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ اس لئے مدنی مشہور ہوئے آپ جامع شریعت و طریقت اور ولی مادر زاد تھے۔ بڑے فیض والے بزرگ تھے سیکڑوں آپ کے فیض باطنی سے درجۂ کمال کو پہنچے۔ حضرت آفتاب ہند اور تمامی بزرگان سہروردیہ سے آپ کو نسبت خاص حاصل تھی۔ اکثر بار حالتِ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ تمام عمر ریاضت و مجاہدہ میں گزاری۔

والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ کے بڑے بھائی سید رکن الدین مسندِ ارشاد کے دعویدار ہوئے اسی شب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "سید قطب الدین مدنی اس آستانہ کے صاحب سجادہ ہیں" صبح ہوتے ہی سید رکن الدین نے خود خلعت سجادگی آپ کو پہنایا۔ ابتداً آپ کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔ فرماتے کہ "فقیر ابھی مرید کرنے کی طاقت نہیں رکھتا"

ایک روز جونپور بزرگان دین کی قبروں پر حاضری دینے تشریف لیجاتے تھے اثناء راہ میں شیخ بدیع الدین مدارؒ سے ملاقات ہوئی۔ بعد معانقہ فرمایا کہ "بابا لوح محفوظ کی طرف دیکھو"۔ اسکے بعد کچھ دیر تک دونوں حضرات مراقب رہے پھر گردن اٹھائی، حضرت شاہ مدارؒ نے اپنی بغل سے ایک پیرہن نکال کر آپکی گردن میں ڈالا اور فرمایا کہ "تمھارے جد کی سپرد کی ہوئی امانت تم کو دیتا ہوں"۔ اسی روز سے آپنے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کردیا۔ قلب میں اس قدر نورانیت و پاکیزگی تھی کہ جو کوئی حاضر ہوتا بغیر کسی سوال کے اسکے منشار کے مطابق جواب بیان کردیا کرتے۔ ۲۰ رجادی الثانی ۸۶۹ھ مطابق ۱۴۵۲ء کو سلطان محمود شاہ شرقی کے عہد میں وفات ہوئی۔ قبر پختہ حضرت آفتاب ہندؒ کے روضہ کے اندر پچھم جانب میر شمس الدین کی قبر سے ملحق پورب طرف ہی[۱]

حضرت سید گوشائیں

آپ سید شمس الدین کے صاحبزادے اور ان ہی سے بیعت بھی تھے۔ آپ مشہور بزرگ تھے اور صاحب کرامات بھی تھے۔ گوشائیں پور موضع آپ ہی کا آباد کردہ ہے۔ ۸۵۷ھ میں انتقال فرمایا۔ قبر پختہ حضرت آفتاب ہندؒ کے احاطے میں پچھم طرف چار قدم کے فاصلہ پر ہے۔

حضرت شاہ سید نظام الدین

آپکے والد کا نام سید قطب الدین مدنی تھا اور ان ہی سے بیعت اور ان ہی کے خلیفہ تھے آپنے کمال کوشش اور فکر و توجہ سے جوانی ہی میں علوم ظاہر و باطنی حاصل

۱؎ سلاطین اسلام ص۳۱۸

۲؎ مناقب درویشیہ۔

کر لیا تھا، والد کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور بڑی قبولیت حاصل کی۔ بارہ برس کی عمر سے کبھی بھی مشتبہ لقمہ نہیں کھایا۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ فقرا و مساکین کے لئے طرح طرح کا کھانا تیار کراتے اور روزانہ سو دو سو آدمی دسترخوان پر کھاتے لیکن آپ ہر روز روزہ رکھتے اور افطار کے وقت ایک پیالہ پانی اور ایک روٹی پر قناعت کر لیتے۔ رات کو کبھی نہ سوتے، تمام رات نماز اور ذکر و فکر میں گذار دیتے۔

ایک روز حاکم جونپور نے آپ کی دعوت کی۔ افطار کے وقت جو کھانا آپ کے سامنے لایا گیا وہ واپس کر دیا کہ اس میں ناجائز پیسہ اور ظلم و زیادتی کی بو آتی ہے۔" حاکم نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ گوشت میں جو ساگ پڑا تھا وہ بغیر قیمت کے بجبر لایا گیا تھا۔ آپ کا انتقال ۲۷ محرم ۹۰۳ھ کو سکندر لودھی کے عہد میں ہوا۔ قبر نخچۂ آفتاب ہند کے روضے کے اندر سید قطب الدین مدنی کی قبر سے ملی ہوئی پورب طرف ہے۔ [۱]

حضرت سید ضیاء الدین محمد سہروردی

آپ بڑے متقی پرہیزگار اور اتباع سنت کے عاشق تھے۔ عوام میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ ہزاروں طالب آخرت آپ کے حلقہ غلامی میں داخل ہوئے۔ خانقاہ سے لنگر جاری تھا۔ سیکڑوں مسافر اور مسکین کھانا کھاتے تھے۔ تمام وقت ذکر و فکر میں گزرتا تھا۔ ایک روز آپ کی مجلس میں لوگوں نے مسئلہ توحید پر بحث کی۔ جاڑے کا زمانہ تھا۔ آگ روشن تھی۔ آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور آگ پر آ کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھے رہے۔ اللہ

---

[۱] مناقب درویشیہ قلمی و تاریخ ظفر آباد ص ۵۷

کی شان کہ آگ کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد آگ پر سے اٹھکر اپنی جگہ مجلس میں آ گئے اور فرمایا کہ "توحید کے لئے حال چاہیئے نہ کہ قال۔ جب انسان پر حال غالب آجاتا ہے تو آگ پانی ہوا۔ خاک سانپ اور بچھو وغیرہ کوئی بھی دشمن اور نقصان دہ چیز اسکو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ سب ہی اسکے غلام اور فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔

ایک شخص نے چوری کا کچھ مال لاکر آپ کی نذر کیا۔ آپنے کچھ غور کے بعد ارشاد فرمایا کہ "چوری کا مال اور فقیروں کی نذر" وہ شخص خوفزدہ ہوکر بیہوش ہوگیا اور پھر اپنے فعل سے شرمندہ ہوکر توبہ کی اور حلقۂ غلامی میں داخل ہوگیا۔

آپ کی وفات ۱۸ ؍صفر ۹۲۱ھ کو شاہ ابراہیم لودی ثانی کے عہد میں ہوئی۔ قبر پختہ حضرت چراغ ہند کے روضہ کے پچھم گنبد میں دو قبر کے بعد پچھم جانب ہے۔ [۱]

حضرت سید غیاث الدین ابو محمد درویش کلاں

آپ اپنے والد سید ضیاء الدینؒ سے بیعت اور ان ہی کے خلیفہ و جانشین تھے۔ تمام عمر ریاضت و مجاہدہ میں گزری، غذا جو کی سوکھی روٹی تھی۔ شب و روز ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ صاحب کرامات تھے اور قاضی خاں ناصحیؒ کے ہمعصر و ہم مکتب تھے۔

ایک روز لڑکپن میں شہر کے باہر آپ کا گذر ہوا۔ دیکھا کہ ایک موچی کا جنازہ رکھا ہوا ہے اور لوگ اکٹھا ہیں۔ آپنے پوچھا کیسا مجمع ہے؟ لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص مر گیا ہے نماز جنازہ کے لئے لوگ جمع ہیں۔ یہ سن کر آپ نے مردے کے سر سے چادر کھینچکر فرمایا کہ "اٹھ کیوں سوتا ہے"۔ مردہ اٹھ بیٹھا اور ایک

---

[۱] مناقب درویشیہ قلمی۔

عرصہ تک زندہ رہا اور آپ سے بیعت ہوا۔ جب مرا تو اسی رات کو ایک بزرگ حضرت بہاء الدین آہنگرؒ نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں وہ دوڑتا پھرتا ہے پوچھا کہ تو یہاں کیونکر آیا؟ اس نے کہا جب قبر میں مجھ سے سوالات ہونے لگے تو غیب سے آواز آئی کہ "یہ میرے دوست درویش کا دست گرفتہ ہے اسکو بہشت میں لیجاؤ"۔ پس پیر کی شفقت و نوازش کے طفیل مجھ کو یہ مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔

آپ کا یہ اصول تھا کہ دونوں وقت اپنے لنگر خانے سے غربا و مساکین کو کھانا خود اپنے ہاتھوں سے تقسیم فرماتے۔ آپ کی وفات ۲۹ ذی الحجہ ۹۴۴ھ کو شہنشاہ ہمایوں کے عہد میں ہوئی۔ قبر پختہ حضرت آفتاب ہندؒ کے روضہ میں انکے مزار سے دکھن طرف دس قدم کے فاصلہ پر ہے[۱]

حضرت سید حبیب اللہ سہروردی

آپ حضرت درویش کے بڑے صاحبزادے اور ان ہی سے بیعت اور ان ہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ظاہری و باطنی علوم سے مالامال تھے۔ رہن سہن اور مزاج شاہانہ تھا۔ نوکر چاکر سواری پالکی وہ سب دروازے پر موجود رہتا۔ اہل حاجت کا دروازہ پر ہجوم لگا رہتا تھا۔ دولت کی آمد و بہتات بے شمار تھی۔ باوجود اسکے صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ لنگرخانہ میں ہر قسم کا کھانا تیار رہتا اور فقرا و مساکین میں تیار ہو تا رہتا تھا اور آپ ہمیشہ جو کی روٹی کھاتے۔ رات کو کبھی نہ سوتے۔ ذکر و فکر میں مشغول رہتے اور حبس دم میں اسدرجہ کمال تھا کہ ایک دم میں تمام رات گزار دیتے والد بزرگوار کے سامنے عین جوانی کے عالم میں ۹۱۵ھ کو سکندر لودی کے عہد میں وفات پائی۔ قبر سنگین

---

[۱] سلاطین اسلام و انتخاب مناقب درویشیہ و تاریخ ظفر آباد صفحہ ۶

حضرت آفتاب ہندؒ کے روضہ میں حضرت درویشؒ کی قبر کے پائنتی ہے۔[۱]

حضرت سید ابو احمد نجم اللہ محمد اسمٰعیل

سید غیاث الدینؒ کے انتقال کے بعد سید حبیب اللہؒ کے چھوٹے صاحبزادے سید ضیاء الدینؒ سجادہ نشین ہوئے حسب وصیت حضرت آفتاب ہندؒ آپ کی قبر خام تھی۔ چونکہ آپ ذی حیثیت و ثروت تھے حضرت آفتاب ہندؒ کے حکم کے خلاف قبر کو پختہ کر دیا گیا۔ اسی شب میں حضرت آفتاب ہندؒ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے میری نصیحت کے خلاف کام کیا ہے لہذا سجادگی کی خدمت تم سے لیکر اسمٰعیل کو دیدی گئی۔ صبح ہوئی تو آپ از خود ہی کنارہ کش ہو گئے اور سید اسمٰعیل برادر خورد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ اپنے والد حضرت درویشؒ سے بیعت و خلیفہ تھے۔ صاحب کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ سات برس کی عمر میں کلام مجید حفظ کر لیا تھا اور سولہ سال کی عمر میں علوم ظاہری سے فراغت حاصل کر لی تھی۔

آپ سے کرامتوں کا ظہور اکثر ہوا ہے۔ جلال خاں ترکمان زمیندار پرگنہ سانکھر ٹھیہ جو اس خاندان کا مرید تھا، الیاس خاں شیر شاہی جاگیر دار کے سامنے کسی قصور میں قید کر کے جونپور لایا گیا۔ اعزہ و اقربا روتے پیٹتے حاضر ہوئے۔ آپ نے سفارش کی مگر حاکم نے کچھ خیال نہ کیا۔ آپ نے غصے میں آکر فرمایا کہ "الیاس کی موت آئی ہے۔ خدا کی قدرت کہ دوسرے ہی دن الیاس خاں مر گیا اور جلال خاں چھوٹ کر گھر آ گئے۔ ۲۶ ربیع الاول ۹۷۰؁ھ کو اکبر اعظم کے عہد میں آپکی وفات ہوئی قبر پختہ حضرت آفتاب ہندؒ کے روضے میں حضرت درویشؒ کی قبر کے برابر پورب

---

[۱] چراغ نور

جانب ہے۔

حضرت سید ابو نجیب محمد شمس الدین

آپ سید محمد اسمٰعیلؒ کے صاحبزادے تھے۔ جب آپ نے علوم دینیہ سے فراغت پائی تو فن سپہ گری کا شوق ہوا اسکو بھی بہ تمام و کمال حاصل کیا تیراندازی میں خاص طور پر مشہور تھے۔ یہی ذوق و شوق آپ کو دہلی لے گیا اور شہنشاہ ہمایوں کے خاصہ میں رسالدار ہوئے۔ نشانہ بازی اور تیراندازی میں خلعت و انعام ہمایوں سے ملتا رہا۔ موضع قبول پور پرگنہ حویلی جونپور معافی میں ملا۔ اکثر لڑائیوں میں ہمایوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ جسم پر زخم کے کافی نشانات تھے۔ ان تمام امور و مصروفیت کے باوجود کبھی بھی عبادت و ذکر الٰہی سے غافل نہ ہوئے نصف عمر خوب آرام سے کٹی بعدہٗ تارک الدنیا ہوکر والد بزرگوار سے بیعت ہو گئے اور پھر تو بقیہ تمام عمر ریاضت و مجاہدہ میں گذاردی۔ دریا پور موضع قلندر پور پرگنہ حویلی ضلع جونپور میں حضرت میران شاہ قلندرؒ کے مزار کے متصل ایک حجرہ بنواکر وہیں گوشہ نشین ہو گئے۔ تنہا رہتے، نہ رات کو چراغ روشن کرتے نہ کسی کو جانے کی اجازت تھی۔ ایک بوریا کے سوا کچھ نہ تھا۔ اکثر و بیشتر آنکھ سے آنسو جاری رہتا۔ ورد و فکر میں ڈوبے رہتے۔ کسی سے بات چیت نہ کرتے۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کا حلقہ بیعت بہت وسیع تھا۔

۳؍ شوال سنہ ۹۹۲ھ کو شہنشاہ اکبر کے عہد میں وفات ہوئی۔ حضرت

سلہ مزید تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے تذکرہ درویشیہ و مناقبات درویشیہ و تجلیات العارفین قلمی و تاریخ ظفرآباد۔

آفتاب ہندؒ کے روضے کے اندر سید شمس الدینؒ کی قبر کے برابر پچھمی دیوار کی طرف دفن ہوئے مگر دیوار کے گرجانے سے قبر ختم ہوگئی۔ اب کوئی نشان نہیں رہا۔ [۵۱]

حضرت قاضی سیّد احمد نورؒ

آپ سید محمد اسمٰعیل کے صاحبزادے اور ان ہی سے بیعت بھی تھے۔ اپنے وقت کے ایک جید عالم بہت بڑے بزرگ اور ظفر آباد کے قاضی تھے۔ موضع احمد نور آپ ہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ آپ کا شمار محدثین کے گروہ میں ہے تصنیف وتالیف آپکا محبوب مشغلہ تھا۔ رموز المعانی فن تصوف میں آپ کی کتاب لاجواب ہے۔

سنہ ۹۹۵ھ کو شہنشاہ اکبر کے عہد میں وفات ہوئی۔ مادۂ تاریخ وسن ہجری "گلزار ارم یافتہ" ہے۔ قبر پختہ آپ کی دریائے گومتی کے کنارے سید نورالدین زیدیؒ مولف چراغ نور و تجلی نور کے مکان سے پورب طرف ایک بلند ٹیلہ پر ہے [۵۲]

حضرت سید رکن الدین ابوالفتح فیض اللہ

آپ کے والد سید شمس الدین ابونجیبؒ سے شیخ رکن الدین ابوالفتح فیض اللہ ملتانیؒ نے خواب میں فرمایا تھا کہ تمھارا لڑکا مادرزاد ولی ہوگا اور ایک سو تین سال کی عمر ہوگی۔ اس کا نام میری کنیت و نام پر رکھنا لہذا جب آپ پیدا ہوئے تو آپ مادرزاد ولی تھے اور ایک سو تین سال کی پوری عمر پائی۔ آپ نے بارہ سال کی عمر میں پورا قرآن حفظ کرلیا اور اٹھارہ سال کی عمر میں علوم ظاہری سے فراغت حاصل کرلی۔ بیعت والد بزرگوار ہی سے کی اور اویسی

---

[۵۱] چراغ نور

[۵۲] تجلیات العارفین

نسبت حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ سے تھی، ریاضت و مجاہدہ اسقدر سخت کہ تقریباً بارہ سال تک درگاہ کی مسجد کے حجرے میں خلوت نشین رہے۔ ان کے خلفاء میں شیخ تاج الدینؒ مشہور تھے جن کا مزار جھوسی ضلع الہ آباد میں ہے۔

آپ کے ایک مرید کی لڑکی مرگئی آپ برائے تسلی ان کے گھر گئے اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ بیٹی کے بدلے بیٹا دیگا۔ چونکہ وہ ضعیف العمر تھے کہا کہ حضرت اب اس ساٹھ سال کی عمر میں لڑکا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ خدا ہر بات پر قادر ہے چنانچہ ان کی بیوی حاملہ ہوئیں اور لڑکا پیدا ہوا

۲۳ ربیع الاول ۱۰۵۵ھ کو شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں آپ کی وفات ہوئی اور قبر آپ کی موضع سرسانواں ضلع اعظمگڈھ میں ہے [۱]

حضرت سیّد ابو نجیب ابو الفضل عبد الوہاب

آپ کے والد کا نام سید رکن الدین ابو الفتحؒ تھا۔ ان ہی سے بیعت اور ان ہی کے خلیفہ تھے۔ والد کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ سولہ سال کی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہوگئے۔ ابتداء میں آپ کو ملازمت کا شوق تھا چونکہ بادشاہ وزراء اس خاندان کے بہت معتقد تھے لہذا آپ کی جمعیت کا رجحان دیکھکر آپ کو کڑہ مانک پور ضلع الہ آباد کی نظامت سپرد کی گئی پھر شاہی فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ ۳۲ جنگوں میں شرکت کی اور فتحیاب ہوئے آپ کے جسم پر تلوار کے ۵۵ زخم تھے، بعدہٗ والدہ کی نصیحت سے ملازمت ترک کردی اور اپنے والد سے بیعت ہوگئے۔ درگاہ مسجد کے حجرے میں بیٹھ گئے ۲۲ سال دو ماہ اسی میں رہے۔ بہت ہی ضروری کام کے سوا باہر نہیں نکلتے تھے

---

[۱] تجلیات العارفین قلمی و انتخاب درویشیہ۔

سات ہزار پانچ سو بگیھہ آراضی معافی میں ملی تھی لیکن اسکی تمام آمدنی فقرا و مساکین پر خرچ ہو جاتی تھی اور خود کتابت کر کے اپنا خرچ چلاتے تھے۔ سنت کے بہت پابند تھے اور کلام بہت کم کرتے تھے۔

۲۶ ر ذیقعدہ سنہ ۱۰۶۱ھ کو شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں وفات ہوئی۔ قبر پختہ حضرت درویش کلاں کے مزار کے پائنتی پچھم جانب حضرت آفتاب ہندؒ کے روضۂ احاطے کے اندر ہے؎۱

حضرت سید اسمٰعیل ابو محمد درویش

آپ اولیائے کاملین میں سے تھے بتیس سال تک علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل میں مصروف رہے بعدہٗ دس برس سیر و سیاحت اور بزرگوں کی زیارت و صحبت میں بسر کی۔ اکتالیس سال کی عمر سے ریاضت و مجاہدہ میں لگے تو پھر تمام عمر اسی میں گزار دی۔ والد بزرگوار سید عبد الوہاب سے بیعت اور ان ہی کے خلیفہ تھے۔ ان کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور عام قبولیت حاصل کی۔ سیکڑوں طالبان حق نے فیض اٹھایا اور اپنی اپنی مراد کو پہونچے۔ سائل آتے اور بھرے ہاتھوں واپس جاتے۔

۹ ر صفر سنہ ۱۰۶۹ھ کو شاہجہاں اور عالمگیر کے عہد میں وفات پائی۔ قبر آپکی حضرت آفتاب ہند کے روضے کے اندر پورب والی دیوار سے ملی ہوئی سید اسمٰعیلؒ کی قبر سے دکھن جانب دس قدم کے فاصلہ پر ہے؎۲

حضرت سید صدر الدین

آپ اپنے والد سید اسمٰعیل ابو محمد درویش سے

؎۱ تاریخ ظفر آباد صہ ۹۹

؎۲ تجلیات العارفین قلمی۔

بیعت اور ان ہی کے خلیفہ تھے۔ آپ اپنے اور بھائیوں سے گو عمر میں چھوٹے تھے
مگر ریاضت و مجاہدہ میں سب سے بلند تھے اور والد بزرگوار نے آپ ہی کو اپنا جانشین
مقرر کیا۔ آپ سے کئی کرامتوں کا ظہور ہوا ہے ـــــ یکم جمادی الاول ۱۱۰۰ھ کو عالمگیرؒ
کے عہد میں وفات پائی، قبر آپ کی حضرت آفتاب ہندؒ کے روضہ کے اندر والد
بزرگوار کی قبر کے پائنتی جانب پچھم گوشہ میں ہے ۵۱

حضرت سیّد محمد صادق مدن سہروردی

آپ بہت ہی حسین و جمیل اور بڑے طاقتور
علوم ظاہری بقدر ضرورت حاصل کیا۔ مگر
علم باطنی میں بڑی محنت و ریاضت کی
والد بزرگوار سے بیعت اور ان ہی کے خلیفہ تھے۔ والد کی وفات کے بعد جانشین
ہوئے۔ فقرا و مساکین کی چھپے ہاتھوں مدد فرماتے۔

ایک روز موضع قلندر پور ظفر آباد کے قریب اپنی معافی میں تشریف لے
گئے۔ اتفاق سے اسی روز آسمان پر ٹڈی دل نمودار ہوا اور کھیتوں کی صفائی و تباہی
شروع ہو گئی۔ ایک غریب کاشتکار روتا پیٹتا حاضر ہوا اور ٹڈی دل سے حفاظت
و پناہ کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک کوری پیالی میں کنوئیں کا پانی لاؤ۔ وہ
پانی لایا آپ نے اسکے نیچے ایک باریک سوراخ کر دیا اور کہا کہ کھیت کے چاروں طرف مینڈھ
پر اس کا پانی ٹپکا دو۔ اس نے ویسا ہی کیا۔ خدا کی قدرت کہ ٹڈیوں نے آس
پاس کا کھیت تو صاف کر دیا مگر اسکے کھیت کا ایک پیڑ بھی نہ کھایا۔

۱۲ ربیع الثانی ۹۵۳ھ کو ابراہیم شاہ غاصب کے عہد میں وفات پائی
اور قبر حضرت چراغ ہندؒ کے روضے کے اندر والد بزرگوار کی قبر کے پائنتی ہے ۵۲

---

۵۱ تاریخ ظفر آباد ص۶۹ و سلاطین الشرق ۵۲ تاریخ ظفر آباد و تجلیات العارفین

حضرت میران سید محمد ماہ سہروردی

آپ سید محمد اسمٰعیل ابو محمد درویش کے پوتے اور اپنے چچا صدر الدین صدر الحق سے بیعت اور اُن ہی کے خلیفہ تھے، شب و روز عبادت و ریاضت کے سوا کوئی دوسرا کام و شغل نہ تھا۔ زر و مال اور جاہ و حشم سے نفرت تھی۔ فقر و فاقہ محبوب و پسند تھا۔ موضع نصیر پور میں چند بیگھہ زمین معافی کی تھی اسی آمدنی سے جو کچھ حاصل ہوتا تھا اس میں دو حصہ کر دیتے ایک حصہ فقرا و مساکین کے لئے وقف تھا اور دوسرے حصے میں اپنے اہل و عیال کی ضرورتیں پوری کرتے آپ صاحب کرامات بھی تھے۔

ایک مرید شیخ ہنگا نے آپ کی دعوت کی، آپ اس کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس شخص نے نہایت محبت و عقیدت سے راب کا شربت بنا کر پیش کیا آپ نے نوش فرمایا اور اسکی غربت و عُسرت سے متاثر ہوکر ایک کوری ٹھیکری پر نقش لکھ دیا کہ اسکو راب کے برتن میں ڈالدو لیکن اسکو کبھی نکالنا نہیں۔ سات برس تک روزانہ وہ راب خرچ ہوتی رہی مگر ذرا بھی کم نہ ہوئی۔ جتنی مقدار شروع میں تھی آخر تک اتنی ہی رہی۔

آپ کی وفات ۲۲ ربیع الثانی ۱۰۷۱ھ کو شاہجہاں ثالث غاصب کے عہد میں ہوئی۔ قبر پختہ موضع نصیر پور پرگنہ پھولپور الہ آباد میں ہے [۱]

---

[۱] ساٹھ سال گذرے زمانہ کی بات ہے کہ ایک پختہ سڑک کلکتہ سے دہلی تک نکالی گئی اور وہ خاص نصیر پور سے ہوتی ہوئی گذری تھی۔ سڑک کی راہ میں آپ کے روضہ کی ایک طرف کی دیوار اور کچھ زمین بھی پیمائش میں آگئی تھی ہر چند کہ وہاں کے لوگوں نے منع کیا مگر وہ حکم پیمائش منسوخ نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس وقت اس روضہ کے احاطہ کی دیوار

حضرت سید احمد ہدایت اللہ سہروردی

آپ بھی سید اسمٰعیل ابو محمد درویش خورد کے پوتے تھے۔ اپنے چچا صدر الدین صدر الحق سے بیعت کی اور خلافت پائی، زہد و تقویٰ ریاضت و مجاہدہ میں یکتائے وقت تھے۔ جذب و استغراق اور کشش الٰہی کا اس درجہ غلبہ تھا کہ اکثر اوقات بے ہوش ہی رہتے مگر نماز کے وقت ہوش میں آجاتے اور یہ کیفیت جاتی رہتی۔ یکم رمضان ۱۱۸۱ھ کو وظیفہ خوار بادشاہ شاہ عالم جلال الدین کے عہد میں آپ کی وفات ہوئی۔ قبر پختہ حضرت آفتاب ہندؒ کے روضے میں سید صدر الدین کی قبر کے پائنتی ہے۔

حضرت سید احمد فتح اللہ سہروردیؒ

آپ اپنے والد سید احمد ہدایت اللہ سے بیعت اور ان ہی کے خلیفہ تھے رات و روز ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے

(بقیہ صد ۹۶۷) میں سرکاری مزدوروں نے کدال لگائی تو زہریلی مکھیوں کا ایک جھنڈ نکلا اور ان مزدوروں کو اسقدر کاٹا کہ سب کے سب بے ہوش ہو کر گر پڑے جب سرکاری انجنیئر کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ شکرم سے موقع پر آئے۔ جیسے ہی انکی گاڑی اس روضہ کے قریب پہونچی یک بیک اُلٹ گئی اور انجنیئر کا پاؤں ٹوٹ گیا جب ان حالات کا سامنا کرنا پڑا تو مجبور ہو کر نقشے میں تبدیلی کیگئی اور سڑک ٹیڑھی کر کے نکالی گئی جیسا کہ موقع پر دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے اس طرف کے لوگ آپ کے بہت معتقد ہیں اور جلال سے اسقدر خائف کہ روضے کے درختوں کی ایک پتی بھی توڑنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ حاجات و دعا کے لئے لوگ بکثرت حاضر ہوتے ہیں کہ آپ کے مزار کا یہ تصرف بہت مشہور ہے کہ صدہا بیمار۔ تپ دلرزہ کے اندر جا کر صحتیاب ہو جاتے ہیں۔

(دیکھو تجلیات العارفین قلمی صد ۱۲۱ و چراغ لند و تاریخ ظفرآباد صد ۰۰)

بڑے صابر و شاکر تھے۔ آپ کے چھوٹے چھوٹے تین بچے تھے اور انکو بہت پیار کرتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ صبح آپ کو حجرہ کا دروازہ بند کرکے ذکر و فکر اور مراقبہ میں مشغول تھے کہ ان تینوں بچوں نے آکر دروازہ پیٹنا اور شور و غل کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ آپ کو جذب و کشش الٰہی کا غلبہ بہت تھا یہ حرکت نہایت ناگوار ہوئی کہ توجہ اور استغراق میں خلل پڑا۔ جذب و جلال کی وجہ سے بددعا کر بیٹھے۔ وہ تینوں بچے مرگئے۔ جب آپ مراقبہ سے فارغ ہو کر حجرہ سے باہر تشریف لائے تو بچوں کو مردہ پایا، صبر و شکر کرکے بیٹھ رہے اس کے بعد پھر کوئی لڑکا نہیں ہوا۔

۷ ربیع الثانی ۱۱۹۵ھ کو بعہد شاہ عالم جلال الدین بادشاہ آپکی وفات ہوئی۔ قبر احاطہ روضہ حضرت آفتاب ہندؒ کے سید محمد صادقؒ کی قبر کے پائنتی ہی[1]

حضرت شاہ سید قربان علی سہروردی

آپ اپنے والد سید محمد صادق مدنیؒ سے بیعت تھے اور ان ہی کے خلیفہ تھے۔ بیس سال کی عمر میں علوم ظاہری سے فراغت حاصل کی بعدہ علم باطنی کی طرف توجہ کی۔ عبادت و ریاضت میں بڑی محنتیں برداشت کیں۔ والد کے انتقال کے بعد مزید تعلیم و تربیت اپنے ماموں سید احمد فتح اللہ سے پائی آپ مشائخ وقت اور اولیائے زمانہ سے تھے ــــــ نواب سعادت علی خاں برہان الملک نے جب معافیات شاہی ضلع جونپور کی ضبط کر لی تو حضرت آفتاب ہندؒ کے آستانے کے متعلق بھی جسقدر معافی تھی اسکو بھی ضبط کر لیا جس سے مصارف درگاہ کے سلسلے میں بڑی پریشانیاں پیدا ہوئیں۔ آپ اسکو واگذاشت کرانے کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں حسن اتفاق کہ نشان خاں ترکمان تعلقہ دار ساتھر ڈیہہ

---

[1] سیرت الابرار۔ سلاطین اسلام۔

پرگنہ ضلع الہ آباد موجود تھا جو اس خاندان کا بہت ہی معتقد تھا وہ آپ کو اپنے ساتھ اپنے گھر باصرار لے گیا۔ آپ چار سال تک موضع ساتھر ڈیہہ میں رہے [1]

عطا بیگ خاں جو حکومت نواب میں الہ آباد کا حاکم تھا کسی قصور میں معزول کر دیا گیا۔ اس نے خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی۔ آپ کو اسکی پریشانی پر رحم آگیا۔ آپ کچھ دیر مراقب رہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جا تو بحال ہو گیا۔ اس کے تیسرے روز لکھنؤ سے اسکی بحالی کی سند آگئی۔

نواب آصف الدولہ بہت فقیر دوست تھا۔ وہ فقیروں کی تلاش و فکر

---

[1] اسی موضع سے متصل ایک جنگل تھا۔ آپ ایک روز رات کو اسی جنگل میں چلے گئے۔ ہر چند آپ کی تلاش ہوئی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ دو سال کے بعد ایک روز خود بخود جنگل میں آگ لگ گئی۔ تمام جنگل راکھ کا ڈھیر ہو گیا اور بھتے آپ جنگل ہی میں لیکن آپ کو کچھ اثر نہ ہوا۔ لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ آپ یہاں موجود ہیں۔ اس خبر کو سن کر ہر طرف کے تعلقداران اور مریدین دوڑ دوڑ کر حاضر خدمت ہوئے اور آپکی رہائش کے لئے ایک مکان وہیں پر تعمیر کیا۔ اکیاون بیگھہ آراضی نشان خاں ترکمان ساتھ ڈیہہ نے اور اکیاون بیگھہ آراضی غضنفر علی خاں تعلقدار مسارٹی ضلع الہ آباد نے اور ایک موضع شیخپورہ شائم خاں تعلقدار نے اور ایک موضع سرائے بخش تعلقدار اترانوہ پرگنہ ضلع الہ آباد نے اور اکیاون بیگھہ آراضی تعلقدار سکنت پرگنہ مہ ضلع الہ آباد نے معافیاں آپ کی خدمت میں پیش کیں آپنے تمام عمر وہیں گزاری۔ آخر کار آپ کی برکت سے اس جگہ ایک بڑی آبادی بنام میاں پورہ قائم ہو گئی۔ اس خاندان میں دو گدی تھی ایک حضرت آفتاب ہندؒ کی سجادہ نشینی اور دوسری میاں پورہ کی۔ آپ لوگوں سے بہت کم کلام کرتے۔ آپ خاندان آفتاب ہندؒ سے متاخرین میں بڑے باکمال بزرگ گذرے ہیں (چراغ نور ص ۷۲)

میں رہنا جہاں پتہ چلتا حاضر خدمت ہوتا۔ ایک بار بغرض سیر و تفریح الہ آباد آیا۔ تو آپکو آپ کی بزرگی کی شہرت معلوم ہوئی۔ فوراً میاں پور خدمت میں حاضر ہوا مگر آپنے ملاقات نہ کی۔ چھ مرتبہ حاضر ہوا مگر بغیر ملاقات واپس جانا پڑا۔ ساتویں مرتبہ ذریعہ عطا بیگ حاضری کی اجازت چاہی آپنے عطا بیگ کے عاجزانہ التجا پر ملاقات کی اجازت دیدی۔ نواب خدمت میں حاضر ہو کر مشرف ملاقات ہوا۔ بعد ملاقات نواب نے روزینہ اور معافی دینا چاہی مگر آپنے منظور نہیں کیا۔ لہ

آپکی وفات ۷ شوال ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۵ء عہد مغلیہ آخر دور اکبر ثانی میں ہوئی۔ مزار آپ کا میاں پورہ ساتھر ڈیہہ میں ہے۔

حضرت مخدوم مولانا بدالدین بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ آپ علوم ظاہری و باطنی میں مشہور و معروف تھے آپ عشق و محبت تصرف و تصوف سے

لہ بہت اصرار کے باوجود بھی جب آپ راضی نہوئے تو آصف الدولہ نے پانچ چھ فقراء کا جو آپکے خادموں میں تھے روزینہ مقرر کر دیا جو نواب وزیر کے عہد تک ملتا رہا۔ نواب نے آپ کی سکونت کیلئے ایک شاندار پختہ مکان تعمیر کرایا جو تکیہ میاں پورہ کے نام سے الہ آباد میں مشہور ہے اور چار مواضعات باصرار مخلصانہ معافی بھی پیش کیا۔ انگریزوں کے زمانے میں اسپر مالگذاری لگائی گئی۔ اور زمیندارانہ بندوبست صاحب سجادہ کے نام کر دیا گیا۔ تکیہ میاں پورہ میں اس کے وقف نے عرصہ تک فقراء و مساکین کے لئے لنگر خانہ جاری رکھا اور اسکی آمدنی تکیہ کے متعلقین و مریدین پر صرف ہوتی رہی معلوم نہیں زمینداری ٹوٹنے کے بعد تکیہ کے اخراجات کا کیا حشر ہوا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے الہ آباد گزیٹر و تاریخ ظفر آباد ص۲۰۵-۲۰۴)

بہت مغلوب تھے۔ آپ کو فتوحات بہت ہوتی اور کافی مال وزر آتا۔ مگر سب فقرا و مساکین اور اہل ضرورت میں تقسیم کردیتے۔ اپنے لئے کچھ نہ رکھتے۔ آپ حضرت مخدوم آفتاب ہند قدس سرہٗ کے خلیفہ اور رفقاء میں تھے۔ علاوہ بریں خانوادۂ سہروردیہ کے۔ آپ کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے بھی فیض باطنی حاصل تھا۔ آپ کے خاندان کے لوگ پٹنہ عظیم آباد اور شاہ آباد میں آباد تھے۔

آپ کی وفات سنہ ٧٤٥ھ عہد حکومت محمد شاہ تغلق ہوئی۔ قبر پختہ و بلند حضرت آفتاب ہند رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ سے باہر پچھم طرف بیس قدم کے فاصلہ پر ہے[۵۱]

حضرت قاضی تاج الدین ابراہیم ناصحی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ اور حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ کے ہمراہ ظفرآباد تشریف لائے اور بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ حافظ قرآن تھے اور نہایت خوش الحانی سے قرارت کرتے تھے۔ مسلمانوں کی فتح کے بعد آپ ظفرآباد کے قاضی مقرر ہوئے۔ حضرت بندگی جلال الحق قاضی خواں ناصحی آپ ہی کی اولاد سے ہیں۔

آپ کی وفات سنہ ٨٣٠ھ سلطان ابراہیم شرقی کے عہد میں ہوئی۔ آپ کی قبر محلہ ناصحی میں ہے۔[۵۲]

حضرت مخدوم غلام رکن الدین رکن عالمؒ

آپ مخدوم حضرت چراغ ہند قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے ہیں آپ کا نام آپ کے والد بزرگوار نے اپنے پیر و مرشد حضرت

---

۵۱ تجلیات العارفین قلمی

۵۲ تاریخ ظفرآباد۔

مخدوم شیخ رکن الدین ملتانی کے نام مبارک پر بخیال رحمت و برکت رکھا۔ آپ کو علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا۔ آپ کو والد بزرگوار سے بیعت تھی۔ آپ نے ریاضت و مجاہدات میں بہت کوشش فرمائی اور ایک مدت تک جنگل اور پہاڑوں میں چلہ کشی اور ریاضت شاقہ کرتے رہے۔

آپ کی وفات عالم جوانی میں ۹ محرم ۷۹۵ھ عہد سلطنت خواجہ سرور جہاں بانی سلطنت شرقیہ ہوئی۔ مزار پختہ روضہ حضرت مخدوم چراغ ہندؒ میں مزار حضرت مخدوم سے جانب پچھم ملی ہوئی ہے[۱]

حضرت شاہ محمدیؒ

آپ ملتان میں روزانہ حضرت شیخ صدر الدین عارف قدس سرہٗ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوتے اور دیر تک مراقبہ کرتے۔ اس عمل اور محویت سے آپ کو یہ فیض پہونچا کہ آپ کو حضرت عارف قدس سرہٗ سے حکم ملا کہ تم حضرت مخدوم آفتاب ہند قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو۔ چنانچہ آپ حاضر ہوئے اور بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے اور حضرت مخدوم کے ہمراہ ظفر آباد تشریف لائے اور ریاضت و مجاہدہ و عبادت میں مصروف ہوئے

آپ کا یہ معمول تھا کہ بغیر خاص ضرورت حجرۂ شریف سے باہر نہ آتے۔ حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ کو آپ سے اس درجہ محبت اور عظمت اور وقعت تھی کہ جب کسی کو آپ خرقہ خلافت دینا چاہتے تو وہ پہلے آپ کی خدمت میں بھیجا جاتا۔ جب آپ اسکو قبول فرما لیتے تو خرقہ خلافت عطا ہوتا۔ آپ کی شادی نہیں ہوئی ۸۱۷ھ عہد ابراہیم شاہ شرقی آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کا مزار پر انوار حضرت مخدوم آفتاب ہند کے روضے میں حضرت سید صدر الدین مکی کی قبر سے ملحق پورب جانب ہے[۲]

---

[۱] روضۃ الابرار [۲] تجلیات العارفین قلمی

حضرت شاہ چاند سہروردی

آپ بہ تلاش ملازمت اور روزگار گھر سے روانہ ہوئے۔ اثناء راہ میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوگئی۔ انکی نصیحت اور ترغیب پر اسدرجہ متاثر ہوئے کہ ملتان کی طرف چلے گئے اور حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ سے بیعت ہوکر مجاہدہ و ریاضت و عبادت میں مشغول ہوگئے اور بہت بلند مقام حاصل کیا اور حضرت مخدوم کے ہمراہ ظفرآباد تشریف لائے اور ظفرآباد ہی میں ۸۱۱ھ میں درعہد ابراہیم شاہ شرقی وفات پائی۔ آپکی قبر پختہ اندر احاطہ روضہ حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ حضرت مولانا رکن الدین یک لکھی سمرقندی کے مزار سے متصل پورب طرف ہے ۔[1]

حضرت مولانا شیخ آدم سہروردی

آپ حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ کے رفقا میں تھے اور تمام وقت آپ کا ریاضت و عبادت میں گذرتا تھا۔ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی میں ماہر تھے ۸۳۸ھ در عہد سلطنت ابراہیم شاہ شرقی آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کی پختہ قبر محلہ سید واڑہ ظفرآباد لب دریائے گومتی ناؤگھاٹ پر واقع ہے، مگر ۱۸۸۰ء کے سیلاب میں ٹوٹ گئی آپ کی اولاد سے کچھ لوگ ملوپور پرگنہ انگلی ضلع جونپور میں آباد ہیں۔

حضرت مولانا نظام الدین علامیؒ

آپ علوم ظاہری و باطنی دونوں سے مالامال تھے اور کتاب وسنت کے بہت ہی پابند تھے۔ اور حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ کے ممتاز خلفا میں سے تھے اور آپ ہی کے ساتھ ظفرآباد تشریف لائے تھے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا سے بھی آپ کو بیعت تھی۔

---

[1] تاریخ ظفرآباد

آپ کی وفات ۸۳۵ھ سلطان ابراہیم شرقی کے عہد سلطنت میں ہوئی قبر پختہ محلہ سیدواڑہ ظفرآباد لب دریائے گومتی ہے۔

حضرت مولانا ملا بہرام منطقی سہروردی

آپ دہلی سے شہزادہ ظفرخان کے ہمراہ ظفرآباد مجاہدین کی امداد کیلئے تشریف لائے تھے۔ اور بعد فتح جامع مسجد ظفرخاں ظفرآباد میں پیشنماز مقرر ہوئے۔ ایک روز طلباء کو آپ معقولات کا درس دیرہے تھے کہ حضرت مخدوم آفتاب ہند کا ادھر گذر ہوا۔ آپنے فرمایا کیوں مولانا اپنی عمر کو بک بک میں ضایع کرتے ہو۔ انسان کو وہ کام کرنا چاہیئے جسکے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ حضرت مخدوم کے اس کلام کا حضرت ملا بہرام پر یہ اثر ہوا کہ فوراً کتابیں بند کردیں اور حضرت مخدوم سے بیعت ہوکر ریاضت اور مجاہدہ وعبادت میں تازندگی مصروف رہے



آپ کی وفات ۸۲۹ھ عہد سلطنت ابراہیم شاہ شرقی ہوئی۔ آپ کا مزار جامع مسجد ظفرخاں کے اتر جانب ایک گنبد میں تھا مگر مزار شکست ہوکر بے نشان

ہو گیا گنبد نہایت خستہ اور شکست حالت میں موجود ہے۔ لہ

حضرت قاضی اعزالدین لنگر مہابلش رح

آپ حضرت مخدوم آفتاب ہند کے ساتھ بغرض شرکت جہاد ظفرآباد تشریف لائے اور بڑے کارنامے آپ سے ظاہر ہوئے۔ آپ بہت ہی خدا رسیدہ بزرگوں میں تھے آپ کی وفات ۲۵ شعبان سنہ ۸۴۳ھ میں بعہد ابراہیم شاہ شرقی ہوئی۔ مزار آپ کا موضع رونی ضلع شاہ آباد میں ہے۔

حضرت شیخ محمد کوفی سہروردی رح

آپ حضرت مخدوم آفتاب ہند قدس سرہٗ کے خلفا میں تھے اور آپکے ساتھ بغرض شرکت جہاد ظفرآباد آئے۔ جب مسلمانوں کو فتح ہوگئی تو کچھ دنوں کے بعد آپ ظفرآباد کی سکونت ترک کر کے قصبہ منڈیاہوں ضلع جونپور میں رہنے لگے۔ قبر آپ کی احاطہ روضہ حضرت مخدوم آفتاب ہند رح موجود ہے۔ آپکی وفات فیروز شاہ کے عہد میں ہوئی

حضرت خواجہ شمس الدین غازی

آپ خلیفہ حضرت مخدوم نظام الدین اولیا دہلوی قدس سرہٗ کے تھے۔ اور مخدوم آفتاب ہند رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیض باطنی حاصل کیا تھا۔ آپ کو آخرت کی اس درجہ فکر اور تڑپ تھی کہ ایک غار کو بطور قبر استعمال کرتے اور دن رات اسی میں عبادت کیا کرتے اور اکثر گریہ وزاری کیا کرتے۔ غار کی وجہ سے آپکا خطاب غازی پڑ گیا۔ آپ کی وفات ۱۶ جمادی الاول سنہ ۷۸۰ھ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ہوئی۔ قبر پختہ حضرت آفتاب ہندؒ کے روضے کے سامنے دروازہ پر ہے۔ مناقب درویشیہ میں ہے کہ ایک بار برسات میں کسی طرح قبر کا پتھر ٹوٹ گیا تو قبر کے اندر سے نہایت عمدہ

لہ انتخابات درویشیہ و تاریخ ظفرآباد

خوشبو آتی تھی لوگ قبر کے پاس جمع ہو گئے اور قبر کے اندر دیکھنا شروع کیا تو ایک تازہ نعش نظر پڑی حالانکہ آپ کے انتقال کو صدیاں گزر چکی تھیں کفن تک میلا نہ ہوا تھا ویسا ہی تر و تازہ تھا۔ لوگوں نے قبر کا پتھر برابر کر کے قبر بند کر دیا۔

حضرت میراں سید یعقوب شامی رح

آپ اصل باشندے ملک شام کے تھے۔ پہلے کسی امیر کے یہاں ملازم تھے۔ ایک روز آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ملازمت اسکی کرنا چاہیئے جو میرا اور کائنات کا مالک اور محافظ ہے۔ اسی خیال نے وطن ترک کرا کے ہندوستان پہونچایا اور سب سے پہلے آپ مخدوم حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی رح کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور فیض باطنی حاصل کیا۔ اسکے بعد آپ کے حکم کے مطابق ظفرآباد حضرت مخدوم آفتاب ہند رح کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور مجاہدہ و ریاضت کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے۔

آپ کی وفات ۸۵۰ھ سلطان محمود شاہ شرقی کے عہد میں ہوئی۔ قبر پختہ حضرت شیخ آدم رح سے ملی ہوئی پورب جانب ہے مگر سیلاب ۱۲۱۹ھ کی وجہ سے کچھ حصہ منہدم ہو گیا۔ آپ کی اولاد تحصیل شاہ گنج میں رہتی ہے۔ ؎

حضرت میراں شاہ قلندر سفید تارہیل مست

آپ حضرت مخدوم آفتاب ہند رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں ہیں آپ بہت ہی خوبصورت اور طاقتور تھے۔ ایک سو تیس سال کی عمر پائی۔ تمام بدن کے بال سفید ہو گئے تھے مگر قوت روحانی کی وجہ سے جوش و خروش ہمت و استقلال جوانوں سے زیادہ تھا۔

آپکی وفات ۸۵۴ھ عہد سلطان محمود شرقی ہوئی اور موضع قلندرپور جو آپکا

؎ چراغ نور و تجلیات العارفین

آباد کیا ہوا دریائے گومتی کے اتری کنارے پر ہے مدفون ہوئے۔ ؎۱

حضرت سید مرتضیٰ کوفی شہیدؒ

آپ کا وطن کوفہ تھا جب شہاب الدین غوری نے ظفر آباد پر حملہ کیا تو آپ ایک دستے کے سردار تھے اور اسی لڑائی میں شہید ہوئے۔ آپ کا مزار پختہ ظفر آباد کی آبادی سے پچھم ایک قناطی مسجد کے اندر صحن شہیداں کے درمیان ہے آپ زیادہ تر سپاہیانہ لباس میں رہتے تھے مگر باطن میں صاحب کشف و کرامت تھے۔

آپ کی شہادت ۵۸۹؁ھ شہاب الدین غوری کے عہد میں ہوئی ؎۲

حضرت شاہ نثار علی محبوب الحق سہروردی

آپ سید صادق مدنی کے صاحبزادے تھے پندرہ سال کی عمر تک آپ نے عربی و فارسی ظفر آباد جونپور میں پڑھا۔ پھر الہ آباد تشریف لے گئے اور حضرت شاہ خوب اللہ کے دائرہ ؎۳ میں شاہ برکت اللہ سے مختصرات تک پڑھا۔ اسکے بعد آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ ؎۴ محدث دہلوی سے علوم ظاہری کا تکملہ کیا۔ آپ کو فقہ اصول، تفسیر اور حدیث میں تبحر حاصل تھا اسکے بعد آپ تکیہ میاں پورہ الہ آباد

؎۱ تجلیات العارفین۔ تاریخ ظفر آباد ؎۲ تاریخ ظفر آباد ص۱۰۶ و تجلی نور ص۲۹

؎۳ اس مدرسہ کا نام دائرہ شاہ افضل تھا۔ اسکو شیخ محب اللہ۔ قاضی محمد آصف۔ شیخ محمد افضل۔ شاہ خوب اللہ۔ شیخ محمد طاہرؒ قاضی محمد فاخر زائر مولوی برکت اللہ اور دوسرے علما فضلا نے قائم فرمایا تھا۔ اس مدرسہ کا فیض عرصہ تک جاری رہا۔ (قدیم درسگاہیں ص۳۹)

؎۴ اس مدرسہ کا نام شاہ عبدالرحیم تھا۔ آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد تھے۔ آپ فتاوی عالمگیری کی تالیف میں شریک تھے۔ یہی مدرسہ ہے جسکی آغوش میں شاہ ولی اللہ۔ ملا ثناء اللہ پانی پتی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ شاہ اسمٰعیل شہید۔ شاہ عبدالقادر وغیرہم جیسے علمائے عظام تعلیم

تشریف لے گئے اور اپنے بڑے بھائی سید قربان علی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کر کے ریاضت و مجاہدہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے اور حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ کی سجادگی عطا کی گئی۔ اسکے بعد ظفرآباد میں آپکا مستقل قیام رہنے لگا۔

ایک روز آپ روضہ کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ بحالتِ سجدہ ایک سانپ آپ کی پشت پر چڑھ گیا اور اخیر تک لپٹا رہا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے وہ خود بخود چلا گیا۔ آپ کا قیام تکیہ میاں پورہ میں تھا۔ ۲۷ شوال ۱۲۲۵ھ کو آپنے غسل کیا اور لباس تبدیل کر کے ۲ رکعت نماز پڑھی اور خادموں سے فرمایا کہ آج ہمارے شیخ کے انتقال کا دن ہے میں بھی انشاءاللہ آج ہی انتقال کرونگا اس فرمانے کے بعد آپ جاکر لیٹ رہے شدید بخار آیا اور عصر کے وقت سلطنت مغلیہ کے اکبر ثانی کے عہد میں وفات پائی۔

حضرت مولانا شیخ تاج الدین

آپ ایک مشہور جید عالم تھے اور فقر و تصوف کے کچھ زیادہ قائل نہ تھے۔ ایک دفعہ حضرت سید رکن الدین ابوالفتح ظفرآبادی سے ملاقات ہوگئی۔ یہ ملاقات بڑی اثرانگیز تھی۔ شیخ نے ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور ایک ہی چلہ کشی میں مقامات باطنیہ عالیہ پر پہونچ گئے اور تکملہ فرماکر مقام اعلیٰ پر فائز ہوئے مرشد نے خرقہ خلافت دیکر ولایت جھوسی الہ آباد پر مامور کیا۔ وہیں سے دین اسلام کی تبلیغ واشاعت شروع فرمائی اور ہزاروں نے راہ ہدایت پائی۔ وفات آپکی ۸۱۲ھ

(البقیہ صفحہ ۹۷۰) تربیت پاکر باہر نکلے۔ یہی وہ سرچشمہ فیض ہے جہاں سے حدیث نبوی کی برکات ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا۔ اس قدیم مدرسہ کی یادگار دہلی میں ابتک باقی ہے (قدیم درسگاہیں ص ۲۵)

شہنشاہ عالمگیر کے عہد میں ہوئی۔ مزار مبارک گھوسی میں مرجع خلائق ہے۔

(چراغ نور صفحہ ۹۱)

حضرت شاہ اسرار علیؒ

آپ قوم کے پٹھان تھے۔ گھر سے تکیہ میاں پورہ پہنچے اور وہاں حضرت شاہ قربان علیؒ سے بیعت ہوئے اور باطنی علوم میں کمال پیدا کیا۔ آپ اپنے پیر کی خدمت و اطاعت بہت ہی توجہ اور انہماک سے کرتے رہے۔ پیر مرشد کی وفات کے بعد حضرت سید نظام الحق ابی عبداللہ وارث علیؒ کی وساطت سے تکیہ میاں پورہ کے سجادہ نشین ہوئے۔

۱۰ رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۲۵۶ھ آخر مغل بادشاہ بہادر شاہ ثانی کے عہد حکومت میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کا مزار تکیہ میاں پورہ الہ آباد کے حجرے کے اندر ہے۔ (تجلیات العارفین)

حضرت شاہ فقیر حسین زاہد سہروردی

آپ کا سلسلہ نسب سید شمس الدین مکی ابن حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ سے جا کر ملتا ہے۔ آپ جامع شریعت و طریقت و معرفت تھے آپ کو اسماء الٰہی و نقوش اور تعویذات میں کمال حاصل تھا جسکی تفصیل آئندہ آئیگی۔ ایک روز آپ دروازے پر نیم کے درخت کے سایے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پرندہ آکر درخت پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے بیٹ کی جو آپ کے ہاتھ اور کپڑے پر پڑی۔ آپ کو غصہ آگیا۔ ایک نقش لکھکر نیچے سے اسکو دکھلایا۔ نقش دیکھتے ہی وہ پرندہ زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔

راجہ ٹکیت رائے دیوان نواب آصف الدولہ آپ کے کمالات کا ازحد معترف اور عقیدت مند تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ زیادہ تر لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ایک بار نواب کی بیگم کو کچھ اس قسم کا عارضہ ہوگیا کہ جس سے پیشاب پاخانہ بند ہوگیا اور سخت

بے چینی پیدا ہوئی۔ کہ نوبت موت تک پہونچی۔ راجہ ٹکیٹ رائے کے ذریعے سے
نواب صاحب نے آپ سے رجوع کیا۔ آپ نے ایک نقش لکھکر دیا۔ وہ تعویذ جیسے ہی
باندھا گیا۔ پیشاب و پاخانہ دونوں جاری ہو گیا اور بیگم صاحبہ چند روز میں صحتیاب
ہو گئیں۔ آپ کی اس کرامت نے نواب صاحب اور انکی صاحبہ کو بیحد عقیدتمند بنا دیا
اور ایک موضع کرہتی (متصل ظفرآباد دریا پار) معافی میں پیش کیا جو انگریزوں کے
دور حکومت میں ضبط ہو گیا۔ آپ اعلیٰ درجے کے خوشنویس بھی تھے۔ نستعلیق اور
شکست دونوں خطوں میں کمال حاصل تھا۔ آپکی عمر کا اکثر و بیشتر حصہ سیر و سیاحت
میں گذرا۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۷ء بعہد حکومت اکبر شاہ ثانی مغل
آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کا مزار خاص ظفرآباد محلہ سید واڑہ میں لب دریائے گومتی ملا
نظام الدین علامی کی قبر کے برابر پورب جانب دس قدم کے فاصلہ پر ہے (چراغ نور)

حضرت شاہ مشائخ العالمین نظام الحق ابی عبداللہ وارث علی سہروردیؒ

آپ کی پیدائش ۲۳ ذیقعدہ بروز اتوار ۱۱۸۳ھ بعد نماز فجر ہوئی آپ نے علوم
ظاہری اپنے والد سید نثار علیؒ محبوب الحق
سے پڑھا اور ان ہی سے بیعت بھی ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد مسند ارشاد پر
بیٹھے۔ تمام عمر عبادت، ریاضت و مراقبہ اور مجاہدہ میں گذار دیا۔ آپ اپنے وقت کے
امام شریعت و طریقت صاحب کشف و کرامات تھے۔ محض دن کو کھانا کھاتے۔ رات
میں کبھی کھانا نہ کھایا۔ جلال کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ کہہ دیتے فوراً ہو جاتا۔ شاہ اسرار علیؒ
سے تکیہ میاں پورہ کے متعلق کچھ نزاع تھی جس کے تصفیہ کے لئے رجب علیخاں۔ اصغر
علی خاں اور علی بخش خاں پنچ مقرر ہوئے۔ یہ لوگ تعلقدار تھے۔ ان لوگوں نے شاہ
اسرار علیؒ کی دوستی اور خاطر سے کچھ تصفیہ نہ کیا تھی کہ آپ ان لوگوں کے مکان پر تشریف

لے گئے مگر اسکے بعد بھی وہ نہیں آئے۔ یہ بات آپ کو نہایت ناگوار خاطر ہوئی اور غصہ میں فرمایا کہ تعلقہ کا گھمنڈ ہے سو انشاء اللہ تعلقہ نہ رہیگا اور بھیک مانگنا پڑیگا چنانچہ تین یا چار ماہ کے بعد بقایا مالگذاری میں وہ تعلقہ نیلام ہوگیا اور وہ لوگ بھیک مانگتے اور ٹھوکر کھاتے ہوئے مرے۔

منور علی خاں ایک تھانیدار ظفر آباد تبدیل ہوکر آیا۔ حکام اعلیٰ میں اسکا اعتبار اور وقار تھا اور اس کو اپنے حکام رسی پر ناز تھا جسکی وجہ سے جبر و زیادتی کرنے لگا کسی معاملہ میں اس نے محلہ شیخزادہ و محلہ ناصحی کے مشائخوں کو طلب کیا اور آپ کو کو بھی بلوایا۔ یہ حرکت آپکو ناگوار گذری۔ آپنے بددعا دی۔ اس واقعہ کے تین یا چار روز کے بعد وہ ملازمت سے برخاست کردیا گیا۔

آپ کی وفات ماہ ذی الحجہ بروز دوشنبہ ۱۲۴۸ھ کو عہد محمد اکبر شاہ ثانی مغل کے ہوئی۔ قبر آپ کی حضرت مخدوم آفتاب ہند کے دروازے کے سامنے واقع ہے۔

حضرت شاہ سید لطف علی سہروردی

(تجلیات العارفین)

آپکے والد کا نام حضرت شاہ نظام الحق وارث علی تھا۔ آپ بدھ کے روز ۳ صفر ۱۲۱۵ھ کو پیدا ہوئے۔ لوگوں سے الگ رہتے اور کم کلام کرتے۔ استغراق کی کیفیت طاری رہتی شاہ اسرار علی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد تکیہ میاں پورہ[1] کے آپ سجادہ نشین ہوئے شیخ کریم بخش ساکن دیودھنہ ضلع الہ آباد ایک غریب آدمی تھے۔ وہ آپکے

---

[1] یہ مقام سانقہ ڈیہہ ضلع الہ آباد میں واقع ہے جو سید قربان علی سہروردی کے زمانہ میں آباد ہوا تھا۔ نواب آصف الدولہ نے ایک عالیشان مکان تعمیر کرایا جو آج بھی تکیہ میاں پورہ کے نام سے آباد ہے۔

بہت معتقد تھے۔ اکثر و بیشتر حاضر رہتے اور خدمت کرتے۔ ایک روز آپ بہت خوش تھے اسی خوشی میں فرمایا کریم بخش تیری مفلسی دور ہو گئی۔ خدا کی قدرت ایسی ہوئی کہ ایک سال میں وہ مالدار ہو گئے۔

آپ کی وفات ۱۷ رشعبان ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۵۰ء مغل بادشاہ بہادر ثانی کے عہد میں ہوئی۔ قبر تکیہ میاں پورہ احاطہ کے باہر حضرت شاہ قربان علی کے روضے کی مسجد کے چبوترے کے نیچے واقع ہے[۱]

حضرت مولوی شاہ عبدالکریم

آپکے والد کا نام شاہ برکت علی تھا۔ آپ ۱۲۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں اسکے بعد قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ میں مولوی حبیب علی خاں کے مدرسے میں مولوی ولی محمد سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ پھر جونپور میں آکر مولانا سخاوت علی صاحب کے مدرسے میں ان سے ملاجلال تک پڑھا۔ چونکہ آپ کو حصول علم کا بہت شوق تھا۔ مگر والدین کی قید تھی کہ باہر مت جاؤ اس وجہ سے بہت ہی چھپکر آتے جاتے تھے۔ ایک روز رات کو ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں کہ تم باسو درزی کی مسجد میں آکر رات کو سبق پڑھ لیا کرو مگر اس راز کو ظاہر مت کرنا۔ اس طور پر آپ تین ماہ تک نصف شب کو جاکر سبق پڑھ لیا کرتے تھے۔ آخر کار یہ راز چھپ نہ سکا اور ماپنے والد سے یہ کیفیت بیان کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سبق بند ہو گیا۔ پھر جونپور تشریف لائے اور کچھ تعلیم حاصل کی۔ اسکے بعد باندہ گئے اور قاری محمد نور سے فن قرأت کی تکمیل کی۔ آواز نہایت شیریں اور بہت درد بھری تھی۔ پھر حضرت قاضی

---

[۱] آپ کو کسی نے زہر دیکر شہید کیا۔

[۲] تذکرہ درویشیہ۔

عنایت حسین چریاکوٹی سے سلسلہ خانوادہ نقشبندیہ میں بعیت کی اور تزکیۂ نفس کی جانب متوجہ ہوئے اور تمام شب اذکار میں گزار دیتے اور اس قدر ریاضت و مجاہدہ فرمایا کہ حدت ذکر کی وجہ سے قلب جل گیا اور آپ عارضہ دق میں مبتلا ہو گئے اور اسی مرض میں ۸ محرم سنہ ۱۲۷۴ھ کو انتقال فرمایا سلہ

حضرت مخدوم ملا رکن الدین پاٹ لکھی سمرقندی

آپ حضرت آفتاب ہندؒ کے خلفا میں سب سے بلند مرتبہ تھے۔ اکثر روزہ سے رہتے تھے علوم ظاہری و باطنی میں مجتہد زمانہ تھے تمام وقت آپکا ریاضت و مجاہدہ میں بسر ہوتا۔ آپکی وفات سنہ ۸۲۰ھ کو سلطان ابراہیم شرقی کے عہد حکومت میں ہوئی۔ قبر پختہ حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ کے روضے میں حضرت شاہ محمدی کی قبر کے متصل پورب طرف ہے۔ آپ کی اولاد نورپور اور نیگوپور ضلع اعظمگڈھ میں آباد ہوئی۔ حضرت شاہ نور نورپوری اولیائے متاخرین میں بہت باکمال بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت مخدوم قطب بینا دل بھی آپ ہی کی اولاد سے ہیں سلہ

سلہ آپ چار بھائی تھے۔ سب سے بڑے آپ تھے۔ بقیہ دوسرے بھائی سید نورالدین زیدی مؤلف تجلی نور و چراغ نور اور تیسرے مولوی عبدالصمد زیدی۔ چوتھے مولوی عبدالاحد زیدی مؤلف مظہر الاحدیہ مفتی محلہ میں مقیم ہوئے۔ مولوی نورالدین صاحب کے ایک صاحبزادے سید غلام حیدر تھے انھوں نے جدید تعلیم حاصل کی اور مچھلی شہر میں میونسپلٹی کے سکریٹری تھے انکی وفات سنہ ۱۹۲۱ء میں ہوئی۔ مولوی عبدالاحد کے تین صاحبزادے سید غلام زین العابدین۔ سید غلام مصطفےٰ اور سید غلام مرتضیٰ وکیل تھے۔

سلہ حضرت شاہ نورالدین عرف نور رحمۃ اللہ علیہ کا مزار موضع سرہرپور میں ریلوے

حضرت شیخ شمس الحق عرف بڈھن رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا علام رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے حضرت مخدوم چراغ ہند قدس سرہ نے آپ کے پیدا ہونے کی دعا فرمایا تھا[1] - آپ مادر زاد ولی پیدا ہوئے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی

(بقیہ صد ۹۸۴) اسٹیشن مالی پور ضلع فیض آباد سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپکے والد شیخ نصیر الدین اپنے زمانہ کے ممتاز مشائخ میں سے تھے اور حضرت مخدوم قطب الدین بینا دل آپکے داماد تھے۔ حضرت شاہ نور کی اولاد نور پور اعظم گڈھ۔ حافظ پور ضلع فیض آباد۔ موضع بلہری ضلع سلطانپور اور محلہ چتر ساری شہر جونپور میں منتشر آباد ہے۔ خاندان مغلیہ کا صوفی مشرب شہنشاہ ہمایوں حضرت موصوف کا مرید تھا۔ اس نے ضلع فیض آباد اور اعظمگڈھ میں بہت سے مواضعات معافی میں دیئے تھے اور یہ مقامات عہد سلاطین شرقیہ جونپور میں شامل تھے۔ آپ کا عرس ہر سال موضع نور پور میں ۱۲ ماہ صفر کو ہوتا ہے۔ آپکا مقبرہ سلاطین مغلیہ کے دور کا تعمیر کردہ موجود ہے اور دیکھنے کے قابل ہے۔ مناقب درویشیہ اور تجلیات العارفین میں تفصیلی واقعات درج ہیں اس خاندان کے ممتاز حضرات یہ ہیں حکیم مولوی عبد العزیز صاحب جونپوری۔ مولوی عبد الحمید مرحوم جو بہت بڑے کانگریسی رکن تھے۔ مولوی عبد الحئی صاحب عباسی وکیل جونپور جو بعد میں وکالت چھوڑ کر محلہ رضو یخاں میں ڈاکٹری کرتے تھے اب پاکستان چلے گئے۔ (بحر ذخار۔ مناقب درویشیہ حاشیہ علی ضامن ترمذی۔ چراغ نور۔ تجلیات العارفین وغیرہ)

[1] جب آپکی ولادت کو تین روز باقی تھا تو حضرت مخدوم چراغ ہند اپنے حجرہ میں تشریف لیگئے اور دروازہ حجرہ بند کرکے بیٹھ گئے۔ تین چار روز گذر گئے اور آپ تولد ہو گئے مگر حجرہ بدستور بند رہا۔ لوگوں کو حجرہ نہ کھلنے کیوجہ سے پریشانی ہوئی۔ جب کواڑ کھولا گیا تو دیکھا گیا کہ حضرت مخدوم چراغ ہند قدس سرہ سر بسجود عالم جاودانی میں اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہو چکے ہیں اور حجرہ کی

میں کمال حاصل تھا۔ سیکڑوں طالبان حق فیضیاب ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی۔ آپ کی قبر پختہ حضرت مخدوم چراغ ہندؒ قدس سرہ کے روضہ میں حضرت غلام عالم کے مزار سے ملی ہوئی پچھم طرف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ بدیع الدین علی شاہ مدار رحمۃ اللہ سے بھی اجازت حاصل تھی۔ حضرت شاہ مدار کا مزار شریف مکن پور ضلع کانپور میں ہے۔ جونپور میں آپ کے چلہ کشی کا ایک حجرہ گنبد نما سلطان ابراہیم شاہ شرقی کا تعمیر کردہ صدر ڈاکخانہ کے پشت پر موجود ہے۔ جہاں ۱۷ر جمادی الاول کو بطور میلہ بڑا مجمع ہوتا ہے۔ حجرہ کے اندر اور باہر چند بزرگان سلسلہ خانوادہ مداریہ کے مزارات مرجع خلائق ہیں۔

حضرت شاہ شہر اللہ سہروردیؒ

آپ حضرت مخدوم چراغ ہندؒ کے صاحبزادہ ہیں اور آپ کی والدہ سلطان غیاث الدین تغلق کی صاحبزادی ہیں۔ لڑکپن میں آپ سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئیں۔ آپ والد کے ساتھ جہاد منیج میں شریک تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں آپ کا بڑا مرتبہ تھا۔ تاریخ وفات دریافت نہ ہوسکی۔ آپکا مزار مبارک محلہ مخدوم پور قصبہ ظفرآباد میں ہے (مناقب غوثیہ قلمی ص۸۲ ج ۵)

حضرت شیخ راجو قتال

آپ حضرت چراغ ہندؒ کے پرپوتے اور صاحب کمالات بزرگ تھے۔ رات دن عبادت اور ریاضت میں گذرتا تھا۔ آپ اپنے وقت کے شیخ کامل تھے۔ دنیاوی علائق سے قطع تعلق تھا۔ کتاب وسنت کے پابند تھے۔ آپ کی قبر پختہ حضرت مخدوم چراغ ہندؒ

(بقیہ ص۱۰۵) دیوار پر آپ کا لکھا ہوا یہ مصرع موجود ہے ع طلوع شمس مغلوب چراغ است
اسی مناسبت سے آپکا نام شمس الحق رکھا گیا۔

کے روضے کے غربی گنبد کے اندر حضرت شمس الحقؒ کے مزار سے ملی ہوئی پچھم طرف ہے۔

حضرت شیخ بندگی شیخانؒ

آپ شاہ راجو قتال کے پوتے تھے۔ علوم ظاہری میں کامل اور علوم باطنی میں آپ قطب وقت اور ابدال زمانہ تھے تصوف میں بلند درجہ تھا۔ آپ ۹۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش "شیخان" ہے چھیاسی سال کی عمر تک ہم عدد لفظ بندگی زندہ رہے عہد شہنشاہ شاہجہاں ۱۰۴۷ھ میں وفات ہوئی۔ تاریخ وفات آپکے پورے نام "بندگی شیخان" سے نکلتی ہے۔ آپکی قبر حضرت مخدوم چراغ ہند رحمۃ اللہ علیہ کے روضے کے اندر ہے۔

حضرت مخدوم ابوالفتح سہروردی

آپ حضرت شیخ شہر اللہ کے صاحبزادے اور حضرت مخدوم چراغ ہندؒ کی نسل سے ہیں صاحب حال وقال اور تصوف کے دلدادہ اکابر بزرگوں میں گذرے ہیں آپنے اسقدر ریاضت ومجاہدہ فرمایا کہ بدن سوکھ کر کانٹا ہوگیا۔ مگر ظاہر اور باطن الیسا نکھرا کہ مرتبہ غوثیت سے سرفراز ہوئے۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی۔ قبر آپکی حضرت مخدوم آفتاب ہند قدس سرہٗ کے روضہ کے اندر ہے۔ ؁۲

حضرت شاہ موسیٰؒ

آپ حضرت شاہ نبات رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے ہیں نقش وتعویذات اور عملیات میں کافی دخل تھا۔ آپسے خرق عادات اور کرامات بہت ظاہر ہوئیں۔ ایک بار نواب آصف الدولہ کے الہ آبادی عامل عطا بیگ نے بقایا مالگذاری کے سلسلے میں آپکو بھی لاعلمی میں طلب کرلیا۔ آپ

؁۱ سلاطین اسلام لین پول ص۳۳۳-۳۴ وچراغ نور ص۹۵
؁۲ تذکرہ غوثیہ ص۱۰

تشریف لے گئے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور آپکی شکل نورانی دیکھکر ہیبت طاری ہوگئی اور بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ فوراً اپنی غلطی کی معافی مانگی۔ آپنے معاف کر دیا۔ اس نے بیعت کی اور بہت معتقد ہو گیا۔ کچھ آراضی معافی نذر کی۔ آپ کی قبر حضرت مخدوم چراغ ہندؒ کے روضہ کے اندر ہے۔

حضرت شاہ فضل اللہ درگاہیؒ

آپ حضرت مولانا غلام رکن عالم کی نسل سے ہیں۔ بیس سال میں علوم ظاہری کی تکمیل کی پھر علم باطنی کی طرف مائل ہوئے۔ شب و روز عبادت و ریاضت میں گذارنے لگے۔ چالیس سال کی عمر میں علم باطنی سے فراغت حاصل کی۔ آپ قطب وقت اور شیخ زمانہ تھے۔ حضرت شاہ نظام الحق کے مکان میں آٹھ گز مربع پتھر کا ایک تخت تھا۔ آپنے اسکو مانگا۔ جس کو لیجانے کی اجازت اس شرط پر دیگئی کہ آپ خود تنہا اس کو لے جائیں آپنے اسکو منظور کر لیا اور ایک شب کو تشریف لائے اور اس تخت کو اٹھا کر لے گئے اور حضرت مخدوم چراغ ہندؒ کے روضے کے دروازہ کے سامنے رکھدیا جو آج بھی موجود ہے اور لوگ اس پر نماز پڑھتے ہیں۔

وفات آپکی ۲۲ رشوال ۱۲۴۲ھ عہد سلطنت محمد اکبر شاہ ثانی ہوئی۔ مزار آپ کا قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ میں ہے۔ جس باغ میں آپ کا مزار پاک ہے۔ اس باغ میں پرندے کثرت سے بسیرا کرتے ہیں۔ آپکے جلال کیوجہ سے اس باغ کے پرندوں کا کوئی شکار نہیں کرتا۔ کچھ بدعقیدہ اور منچلے حضرات نے اس قسم کی جرأت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بندوق کی نلی پھٹ گئی اور خود اجل کے شکار ہو گئے[۱]

حضرت شاہ نثار اولیاءؒ

آپ پر جذب و سکر کی کیفیت ہمیشہ طاری رہتی

[۱] تذکرہ درویشیہ قلمی۔ تجلیات العارفین قلمی۔

آپ مادر زاد ولی تھے۔ اور شادی نہیں کی۔ آپ کے پاس جو حاجتمند جاتا بلا دریافت اسکو دیکھتے ہی اسکی حاجت بیان کر دیتے۔ اور جو کچھ ہونا ہوتا وہ بھی کہہ دیتے۔ آپ جو کچھ زبان سے ارشاد فرماتے فوراً ہو جاتا۔ ہمہ وقت استغراق طاری رہتا۔ آپ نماز کے پابند نہیں تھے۔ عیدین کی نماز کو پالکی پر جایا کرتے تھے اور باجا بھی بجتا ہوا پالکی کے ہمراہ جاتا۔ کبھی کبھی حالتِ جذب میں فرماتے کہ نثار اولیاد مشتعل ہند ہے آپ سے لوگ خوفزدہ رہتے۔ جب آپ کے انتقال کو صرف تین یوم باقی تھا تو ظفر آباد میں ماموں کاغذی کے مکان پر گئے اور فرمایا کہ پرسوں میرے جنازے پر پانچ روپیہ کا پیسہ اور کوڑی لیکر آنا۔ اسکے بعد جگناتھ کاغذی کے کے مکان پر گئے اور اس سے کہا کہ پرسوں میرے لئے کفن کا انتظام کئے رہنا پھر حضرت شاہ نظام الحق وارث علی کے مکان پر گئے اور نماز جنازہ پڑھانے کو کہا اسی طرح سب کو اپنے جنازہ کی شرکت کے لئے خبردار آگاہ کر دیا۔ سوانح نگاروں کے بیان کے مطابق آپ کا تیسرے روز یوم مقررہ پر انتقال ہو گیا قبر آپ کی خام شاہ عبدالکریم و شاہ عبدالرحیم کے دروازے پر محلہ شیخوارہ میں ہے۔ آپ کی قبر کا یہ فیض تھا کہ تپ ولرزہ کا مریض اگر آپکی قبر پر سو جاتا تو صحتیاب ہو جاتا۔[۱]

حضرت بابا عبدالرحمٰن سہروردی

آپ حضرت مخدوم چراغ ہند کے خلفا میں ہیں۔ آپ کے ہمراہ ظفر آباد تشریف لائے تھے۔ حضرت مخدوم آپ کی اس درجہ عزت و توقیر کرتے تھے کہ کئی بار ارشاد فرمایا کہ عبدالرحمٰن میرا ولی عہد ہے۔ آپ نے شادی نہیں کی۔ مورخوں کا بیان

---

[۱] تاریخ ظفر آباد

ہے کہ گڑ اور بھونا چنا آپ کو بہت پسند تھا - لہٰذا آپ کا فاتحہ عوام گڑ اور بھونے چنے پر کرتے ہیں - آپ کی قبر پختہ ظفر آباد میں روضہ حضرت مخدوم حاجی الحرمین چراغ ہند کے گنبد کے باہر احاطے کے دکھنی دیوار سے ملی ہوئی ہے [۱]

حضرت شاہ سمن سہروردی

آپ قوم کے برہمن تھے - مناقب درویشیہ میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم بہار کی طرف بغرض اشاعت وتبلیغ تشریف لیجا رہے تھے کہ ایک برہمن گاؤں سے آپ کا گذر ہوا - اس گاؤں کے ایک برہمن نے آپکو دیکھا اور آپ کی بھی نظر اس پر پڑی - برہمن لاولد تھا اور اسکو اولاد کی بہت تمنا تھی - اس نے آپ سے دعا کی درخواست کی - آپ نے ایک نقش لکھکر اسکو دیدیا اور فرمایا تمھارے یکے بعد دیگرے سات لڑکے ہونگے مگر سب سے بڑا لڑکا ہم کو دیدینا - اس برہمن نے اسکو منظور کرلیا - خدا کی قدرت کہ اس برہمن کے گھر سات لڑکے ہوئے - جب آپ کچھ دنوں کے بعد ادھر آئے اور برہمن سے لڑکا طلب کیا تو اس نے لڑکا دینے میں عذر اور حیلہ حوالہ کیا - آپ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں اگر وہ میرا لڑکا ہوگا تو خود بخود چلا آئے گا - یہ فرماکر آپ چلدیئے - کچھ ہی دور پہونچے تھے کہ وہ بڑا لڑکا جسکا نام سمن تھا باوجود روک تھام کے نہ مانا اور آپکے ساتھ ظفر آباد چلا آیا اور حضرت مخدوم کی تعلیم وتربیت میں رہکر تمام علوم ظاہری اور باطنی سے مالامال ہوکر شیخ وقت ہوئے - آپ کا شمار حضرت مخدوم کے نامی خلفاء میں ہے - حضرت مخدوم نے اپنے انتقال سے کچھ روز قبل حضرت شاہ سمن کو ولایت سید پور بھتری [۵۲] کی عنایت فرمائی اور وہیں آپ کا مزار ہے - آپ کی کرامت اور فیض کی بہت شہرت ہے

---

[۱] تجلیات العارفین قلمی - [۵۲] یہ مقام ضلع غازیپور میں ہے اور بہت قدیم ہے

ہر سال چیت کے مہینہ میں آپ کے مزار پر عرس ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد میں ہندو مسلمان شریک ہوتے ہیں۔ یہ عرس ایک ماہ تک رہتا ہے۔ سیکڑوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں آپ کے روضے میں صدہا کبوتر رہتے ہیں۔ لہ

حضرت شاہ موسیٰ سلطان عاشقاں رح

آپ درویش اہل دل اور تنہائی پسند تھے حضرت مخدوم چراغ ہند سے بیعت تھی اور آپ ہی ہمراہ بہ سلسلہ جہاد ظفرآباد تشریف لائے تھے۔ ریاضت و مجاہدات میں محنت شاقہ برداشت فرمائی تھی۔ جب آپ کو مقام قطبیت حاصل ہو گیا تو بحکم پیر مرشد ولایت ملک اودھ آپ کو عطا کی گئی۔ آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ لباس میں محض ستر عورت کا اہتمام کرتے زیادہ تر ننگے سر رہتے تھے کبھی کبھی جذب اور وجد کی کیفیت طاری رہتی ہجوم کو ناپسند کرتے اور تنہائی سے وحشت ہوتی۔ صدہا فقراء و مساکین آپ کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ لنگر خانہ جاری تھا۔ ٢ھ

حضرت شیخ پیارے رح

آپ اپنے زمانے کے ایک کامل برگزیدہ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ وطن آپکا ملک گجرات

(بقیہ صہ!!) اور گومتی اور گنگا کے سنگم پر ہے۔ اسکا پورا نام سید پور بھیتری ہے۔ بھیتری قدیم نام ہے۔ یہاں بودھوں کے زمانے میں بہت سے مندر تھے جو ویدوں کے زمانہ میں مسمار اور برباد کئے گئے۔ اب بھی قدیم آثار ونشان پائے جاتے ہیں۔ (مولف)

لہ انتخابات درویشیہ و تاریخ ظفرآباد۔

٢ھ مراۃ الاسرار قلمی۔

تھا۔ علم باطنی کے حصول کے لئے ملتان تشریف لائے اور حضرت مخدوم چراغ ہند قدس سرہ سے بیعت کی اور آپ ہی کے ہمراہ جہاد کیلئے مشرقی ملک میں تشریف لائے بعد فتح ظفر آباد یہیں پر ایک عرصہ دراز تک ریاضت و مجاہدۂ نفس اور چلہ کشی کی جب آپنے تمام مراحل فقر طے فرما لیا تو خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوکر بحکم پیر و مرشد حسام پور ضلع بہرائچ تشریف لے گئے اور رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے اور وہیں تمام زندگی قیام فرما کر انتقال فرمایا۔ مزار آپ کا حسام پور میں آجتک مرجع خلائق ہے [۱]

حضرت بندگی شیخ جلال الحق خواجہ عبداللہ ناصحی رح

آپ پیدائشی ولی تھے۔ سات سال کی عمر کو جب پہونچے جذب کی کیفیت شروع ہوگئی۔ جو آخر تک قائم رہی۔ آپکے والد کا نام حضرت مخدوم بندگی جلال الحق قاضی خاں ناصحی تھا۔ والد سے بھی بیعت تھے والد کے انتقال کے بعد مسند مشیخت پر جلوہ گر ہوئے اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ آپ سیف زبان تھے۔ جو کچھ زبان سے نکل جاتا فوراً ہوجاتا [۲] سنہ ۱۰۱۱ھ شہنشاہ اکبر کے عہد میں وفات ہوئی۔ قبر پختہ حضرت مخدوم قاضی خاں ناصحی کے روضے کے اندر حضرت مخدوم کے مزار شریف کے قریب ہے۔

---

[۱] تجلیات العارفین قلمی۔

[۲] آپ کی دعا سے شیخ رعنا خاں شیخ صلاح خاں۔ شیخ رکن الدین خاں۔ پسران جمال خاں کو منصب دس ہزاری ملا اور صوبہ بنگ کی نظامت حاصل ہوئی جو بنگال کا مشرقی حصہ ہے ایک بار ہمایوں بادشاہ نے معافی اور جاگیر کا فرمان حضرت مخدوم قاضی خاں کی خدمت میں بھیجا۔ مگر آپنے قبول نہ فرمایا وہی فرمان آپکے صاحبزادے کو دیا گیا آپنے بھی واپس کر دیا (اخبار الاخیار)

حضرت بندگی شاہ شمس الحق شیخ بڑے ناصحی رحمۃ اللہ علیہ

آپکے والد کا نام شیخ جمال الحق ناصحی تھا والد سے ہی بیعت تھے۔ آپ مجسمہ فیض و رحمت تھے۔ جو حاجتمند آتا واپس نہ جاتا آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔

ایک مرتبہ تین آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور الگ الگ چیزیں کھانے کی خواہش دل میں رکھتے تھے۔ آپ نے کشف کے ذریعہ انکی خواہشات معلوم کرلیں حجرے میں تشریف لیگئے۔ کچھ دیر کے بعد مرغ کباب۔ امرود۔ نارنگی لئے ہوئے جو اُن کی خواہشیں تھیں باہر آئے اور پیش کر دیا۔ اس واقعہ سے لوگوں کو بڑی حیرت وسرت ہوئی۔ منعم خاں خانخاناں کو آپ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی۔ جب تک جونپور میں قیام رہا برابر حاضری دی۔ جب شہنشاہ اکبر علی قلی خاں خان زماں اوران کے بھائی بہادرخاں کی سرکوبی وتنبیہہ کے لئے جونپور آیا تو بزرگوں کی شہرت سن کر ظفرآباد آیا۔ اور مقابر بزرگان کی زیارت کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ دیر تک ادب واحترام کے ساتھ ہمکلام رہا اور جاتے وقت کچھ زرنقد بھی پیش کیا مگر آپنے قبول نہ فرمایا۔ آپکا انتقال ۱۰ رجمادی الآخر سنہ ۵۹ اھ عہد سلطنت شاہجہاں بادشاہ ہوا۔ قبر پختہ حضرت مخدوم ناصحی کے روضے میں حضرت شاہ عبداللہ کے مزار کے پاس دکھنی دیوار کے قریب ہے [۱]

حضرت بندگی شاہ نظام الحق پیر ناصحی رحمۃ اللہ علیہ

آپکے والد حضرت شاہ شمس الحق شیخ بڑے ناصحی تھے۔ باطنی تعلیم وتربیت باپ ہی سے حاصل فرمایا اور والد کی وفات کے بعد

---

[۱] مناقب درویشیہ۔ تاریخ ظفرآباد

مسند ارشاد پر بیٹھے۔ کتاب وسنت کے بہت پابند تھے۔ آپکی مجلس میں کسی کی مجال نہ تھی کہ قرآن وحدیث اور بزرگوں کے سوانح کے علاوہ دوسری گفتگو کر سکے۔ سخاوت وفیاضی میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ مہمانوں کی بہت خاطر وتواضع کرتے اور لوگوں سے بہت رحم ومروت سے پیش آتے۔ آپ سے کرامات کا ظہور بہت ہوا۔

ایک مرتبہ شیخ عبدالسلام قلندر جونپوری کے مکان پر بہ سلسلہ دعوت تشریف لے گئے۔ آپ کا ایک لڑکا محی الدین گونگا تھا۔ اسکو آپ نے اپنے پاس بلایا اور پان کا اگال منہ میں ڈالدیا۔ خدا کی قدرت کہ لڑکا پورے طور پر بات چیت کرنے لگا۔

آپ کی پختہ قبر حضرت قاضی خاں ناصحی کے روضہ کے اندر ہے [1]

حضرت شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت قاضی خاں کے خلفا میں تھے۔ آپکی پیدائش ۸۹۸ھ حسین شاہ شرقی کے سلطنت کے آخر دور میں ہوئی۔ مگر اس وقت جونپور قبضۂ تصرف سکندر لودی تھا۔ حسین شاہ شرقی بنگال بھاگ گیا تھا۔ آپ متاخرین خانوادہ چشت میں ہیں۔ آپنے سلوک ومعرفت کے حصول میں محنت شاقہ برداشت فرمائی جب آپکے والد بزرگوار حضرت شیخ حسن طاہر جونپوری کا وقت وفات قریب آیا تو آپنے شیخ عبدالعزیز کو بغرض تکمیل علوم باطنی حضرت بندگی قاضی خاں ناصحی کے سپرد فرمایا۔ اسوقت سے آپ ظفرآباد آکر رہنے لگے۔ جب علوم باطنی سے فراغت حاصل کرلی تو دہلی تشریف لے گئے اور اپنے مکان موروثی میں قیام کیا۔ آپ سخاوت وفیاضی وتواضع اور صبر وقناعت میں مشہور تھے۔ دہلی اور اطراف دہلی میں آپ کی ذات سے طالبان حق کو بہت فیض پہونچا۔ آپ کی وفات ۲۰ جمادی الآخر

---

[1] تجلیات العارفین۔ بیاض درویشیہ

۹۷۵ھ کو شہنشاہ اکبر کے عہد سلطنت میں ہوئی۔[ا] حضرت شاہ عبدالحق رح ہادی نے اس مصرع سے تاریخ وفات نکالی ہے ع

گشت ازاں تاریخ فوتش یادگار اہل چشت

اور مفتی غلام سرور نے اس مصرع سے تاریخ وفات نکالی ہے ع

ہادی مخدوم دین عبدالعزیز

حضرت مخدوم شاہ مسعود خلوتی رح

حضرت مخدوم شاہ مسعود خلوتی رح حضرت بندگی قاضیخاں ناصحی کے مرید تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ جب علوم باطنی سے فراغت حاصل کر لی اور پاکیزگی قلب کی نعمت عظمیٰ حاصل ہو گئی تو ذکر و فکر اور شغل مراقبہ کی طرف رجوع ہوئے۔ اور ایک عرصہ تک بند حجرہ میں بیٹھکر حصول درجات فقر میں مصروف رہے حتیٰ کہ لوگ شاہ خلوتی کہنے لگے۔ جب باہر تشریف لائے تو بلا شدید ضرورت کلام نہ کرتے۔ دنیا اور اہل دنیا سے بیزار رہتے۔ آپنے شادی نہیں کی شیخ وقت اور قطب زمانہ تھے۔ محض ایک جوڑا کپڑا رکھتے وہی استعمال کرتے۔ آپکی وفات ۹۸۴ھ عہد شہنشاہ اکبر بادشاہ میں ہوئی۔ قبر آپکی ظفرآباد محلہ ناصحی متصل موضع راداس پور پختہ موجود ہے۔

حضرت بابا پنڈت بال دت جوگی سہروردی

آپ راجہ سکیٹ سنگھ والی منیچ (ظفرآباد) کے مشیر اور وزیر تھے۔ ۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۴ء میں بعد فتح منیچ مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضرت مخدوم چراغ ہند قدس سرہ سے بیعت کی۔ آپ علم دینیات اور ہندو شاستر کے زبردست عالم تھے۔ آپ کا مزار حضرت مخدوم چراغ ہند رح

[ا] اخبار الاخیار و خزینۃ الاصفیا۔

کے احاطۂ روضہ کے اندر شمالی دیوار اور صدر دروازہ سے پچھم طرف چار قدم کے فاصلہ پر ہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ آپ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے سے درد سر جاتا رہتا ہے۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ جونپور آباد ہونے کے قبل انتقال فرما چکے تھے۔

حضرت بابا جوگی جیپال سہروردیؒ

آپ بھی راجہ سکیٹ سنگھ کے دربار میں درزیر تھے۔ آپ کو شعبدہ بازی میں کمال حاصل تھا۔ آپ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضرت مخدوم چراغ ہندؒ سے بیعت کر کے تازیست حضرت مخدوم کی خدمت کرتے رہے اور نعمت فقر خانوادۂ سہروردیہ سے سرفراز ہوتے رہے۔ آپکی قبر پختہ اندر احاطہ روضہ حضرت مخدوم ہے مگر بوجہ نہ ہونے کوئی خاص نشان اتنے کثیر مزارات میں آپکی قبر کا پتہ نہیں چلتا[1]۔

حضرت بابا پال ناتھ بیرؒ

آپ راجہ سکیٹ سنگھ کے دربار میں بوجہ شجاعت و بہادری و قوت و طاقت کیلئے مشہور تھے۔ مناظرہ میں آپ حضرت مخدوم آفتاب ہند سے زیر ہوئے اور حسب اقرار[2] اسلام قبول کیا اور حضرت مخدوم چراغ ہند سے مرید ہو کر تازیست خدمت میں حاضر رہے۔ آپ کی قبر حضرت مخدوم کے احاطہ روضے کے اندر پائین مزار ہے۔ قبر کی نشان دہی نہ ہو سکی اور نہ تاریخ وفات کا پتہ چلا۔

حضرت سید حسن جلال بخاری سہروردی

آپ سید جلال اُوچی رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے ہیں۔ لشکر مجاہدین حضرت

---

[1] تذکرۃ الصالحین ص۱۵
[2] تذکرۃ الصالحین ص۱۵
[3] تذکرۃ الصالحین ص۱۵

افتاب ہند کے ہمراہ تشریف لائے۔ آپ مجذوب سالک درویش کامل بزرگ تھے اکثر اوقات سروپا برہنہ رہتے اور آبادی سے ویرانوں میں گھوما کرتے۔ آپ کو علوم ظاہری اور باطنی میں تبحر حاصل تھا۔ آپ کتب تصوف کے اس درجہ شائق تھے کہ فصوص الحکم حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ زبانی یاد تھی۔ حالت سکر میں بھی سب سے ملتے اور تمام کام بحسن و خوبی انجام دیتے اور جذب کی حالت میں جو کچھ زبان سے کہا کرتے وہ ہو جایا کرتے۔ آپ کی قبر ملا احد قصبہ ظفر آباد لب دریائے گومتی متصل سیڑھی گھاٹ ایک پر فضا اور اونچی جگہ پر ہے۔ آپ کے مزار مبارکہ پر ایک بڑا درخت نیم سر سبز سایہ کئے ہوئے تھا۔ ایک مدت کے بعد مولوی مخدوم بخش اور شیخ سلامت علی صاحب نے آپ کے مزار کے گرد کی افتادہ زمین توڑ کر مزروعہ کیا۔ حضرت مخدوم کے مزار شریف کے درخت نیم کی وجہ سے پیداوار نہ ہوتی تھی۔ مولوی مخدوم بخش و شیخ سلامت علی صاحب کو اس درخت نیم کے کاٹنے کا خیال پیدا ہوا۔ ہر چند کوشش کیا مگر کوئی شخص کاٹنے پر رضامند نہ ہوا۔ شامت اعمال سے ایک مسلمان مسمی بھولئی مبلغ پانچ روپیہ پر کاٹنے پر تیار ہو گیا۔ ہر چند لوگوں نے روکا اور منع کیا مگر وہ نہ مانا۔ جیسے ہی اس نے پہلی ضرب درخت پر لگائی ایک چھوٹا سا سانپ سرخ رنگ کا مزار سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ جب لوگ اس سانپ کو مارنے کو دوڑے وہ سانپ غائب ہو گیا۔ جب مسمی بھولئی درخت کاٹ کر گھر آیا اور سویا تو اسی سانپ نے سوتے میں کئی جگہ کاٹا اور مسمی بھولئی صبح کو مردہ ملا اور بہت تھوڑے عرصہ میں بھولئی کا خاندان نیست و نابود ہو کر مٹ گیا۔ اب ظفر آباد میں کوئی نشان باقی نہیں ہے[1]

حضرت شیخ بہاء الدین آہنگر

آپ نویں صدی ہجری کے اولیائے کاملین

---

[1] تجلیات العارفین قلمی و تاریخ ظفر آباد۔

میں گذرے ہیں ۔ اس وقت جونپور میں شرقیہ خاندان کا آخری چشم چراغ حسین شاہ شرقی برسر حکومت تھا ۔ آپکی وفات بہلول ددی کے عہد ۹۱۴ھ میں ہوئی ۔ آپکو علوم ظاہری و باطنی میں مکمل دستگاہ تھی آپ محنت و مشقت سے روزی حاصل کرکے گذر بسر کرتے ۔ بہت سخی اور حلیم متواضع تھے ۔ آپ کی ذات طائفہ صوفیہ کے لئے اعلیٰ نمونہ تھی جس میں دین حنفی کا پورا لحاظ تھا ۔ آپ کی قبر محلہ شیخوارہ قصبہ ظفرآباد میں پختہ سڑک کے کنارے تھی مگر قوم کی بے توجہی و لاپرواہی کیوجہ سے بے نشان ہوگئی اکثر وہاں کے لوگوں نے دیکھا ہے کہ اسی مقام پر کوئی بزرگ نہایت طاقتور اور ریش دراز تسبیح لئے چہل قدمی کر رہے ہیں ۔

حضرت مخدوم مُلّا احد سہروردیؒ

آپ حضرت مخدوم ملا قیام الدین سہروردی کے بڑے صاحبزادے ہیں اور اپنے والد ہی سے علوم ظاہری و باطنی کا تکملہ فرمایا اور بعد وفات حضرت مخدوم کے سجادہ نشین ہوئے ۔ تمام عمر ریاضت و مجاہدہ میں گذارا ۔ پابند شریعت اور محتاط بہت تھے ۔ خلاف کتاب اور سنت کوئی کام نہ کرتے تھے ۔ تاریخ وفات صحیح معلوم نہ ہو سکی ۔ آپ کا مزار اندرون احاطہ روضہ مزار کے دروازہ کے سامنے پائنتی مزار حضرت مخدوم ہے جو زمین کے اندر چھپ گئی ہے ۔ آپ کا فاتحہ ۱۳؍ ذی الحجہ کو ہوتا تھا ۔ اب ۱۷؍ ذیقعدہ کو حضرت مخدوم کے فاتحہ عرس کے ساتھ آپ کا بھی فاتحہ ہوجاتا ہے ۔

حضرت چندن شہیدؒ

آپ سلطان شہاب الدین غوری کے لشکریوں میں سے تھے ۔ آپ ظفرآباد کی لڑائی میں بڑی بہادری سے

سے لڑکر شہید ہوئے۔ یہ آپ کی بہادری و شجاعت کا نتیجہ ہے کہ آج بھی آپ کی قبر پر ہیبت و جلال طاری ہے۔ جس میں قوت روحانی ہو وہ مراقب ہو کر دیکھ لے۔ آپکا مزار محلہ احد جھنجری مسجد اور یک طلفہ مل کے دکھن جانب بیس یا پچیس قدم کے فاصلہ پر موجود ہے۔ آپ کے مزار پر ایک بہت بڑا درخت نیم کا تھا جو خشک ہو گیا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ پہلے آپکے مزار کے گرد چہار دیواری اور ایک قناطی مسجد تھی جو گر کر مسمار ہو گئی کنڈیل موجود ہے ۔[1]

حضرت شاہ خلیل رحمۃ اللہ علیہ

آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ کامل علوم ظاہری و باطنی میں متبحر تھے۔ آپ صاحب کرامت بھی تھے۔ آپ کی قبر حضرت چراغ ہند کے روضے سے اتر پچھیم پچاس ساٹھ گز کے فاصلہ پر محلہ ناصحی میں واقع ہے۔ اس مقام پر دو قبریں تھیں جس میں سے بڑی قبر آپ کی تھی جو مٹی سے دب گئی ہے ۔[2]

حضرت مودود دیوان رح

آپ ہر وقت استغراق اور فکر و فکر میں مدہوش رہتے۔ دین و دنیا کی کچھ فکر نہ تھی چونکہ آپ مستجاب الدعوات تھے لوگ بہت پریشان کیا کرتے تھے۔ آپ جو کچھ کہدیتے ہو جاتا۔ آپ کو مٹی کے کھلونوں سے بہت شوق تھا۔ ہر وقت بیٹھے کھلونوں سے کھیلا کرتے۔ آپ کی قبر موضع شمس خوان پور قصبہ ظفر آباد میں لب سڑک موجود ہے آپکے مزار سے فیض جاری ہے اور لوگوں کے کشود کار ہوتے ہیں ۔[3]

---

[1] تذکرہ درویشیہ قلمی

[2] تاریخ ظفر آباد۔

[3] تجلیات العارفین قلمی۔

حضرت شاہ نصیر الدین بیابانیؒ

آپ کا شمار باکمال بزرگوں میں ہے آپ نے شادی نہیں کی۔ آزادانہ درمستانہ زندگی بسر کرتے۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مستغرق رہتے اور تمام دن ویرانوں کی سیر کیا کرتے اور شام ہوتے ہی اپنے جائے قیام پر تشریف لاتے۔ آپ کا قلب بدرجہ صاف وشفاف تھا کہ جو کوئی صاحب حاجت سامنے آجاتا بغیر کسی سوال کے اسکی غرض اور ضرورت کو بیان کر دیتے۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ آپ کی قبر محلہ شیخوارہ میں شاہ عبدالکریم اور شاہ حافظ عبدالرحیم کے مکان کے صدر دروازے کے سامنے بیچ راستے میں تھی اب نام ونشان بھی نہیں ہے [۱]

حضرت مخدوم شاہ طیّبؒ

آپ کا وطن سیوآنہ ملک پنجاب تھا۔ تحصیل علم کے لئے دہلی تشریف لائے اور علم ظاہری کی تکمیل کے بعد سیر وسیاحت کرتے ہوئے بہار تشریف لے گئے وہاں آپ نے شیخ تاج الدین جھونسوی کی بہت شہرت سنی۔ چونکہ آپ کو طلب حق کی سچی لگن اور تڑپ تھی آپ جھونسی ضلع الہ آباد آئے اور حضرت تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور عبادت وریاضت میں مشغول ہوئے اور بعد تکملہ خرقہ خلافت حاصل کیا۔ پھر کچھ عرصے بعد آپ اپنے دادا پیر حضرت سید رکن الدین ابوالفتح زیدی کے ہمراہ ظفرآباد تشریف لائے۔ یہاں کی آب وہوا اور بزرگوں کا مجمع اور صحبت پسند آئی بدیں وجہ محلہ مخدوم پور قصبہ ظفرآباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہیں آپ کا انتقال ہوا اور احاطہ روضہ حضرت مخدوم چراغ ہند رحؒ میں آپ کی قبر پختہ موجود ہے۔ بوجہ کثرت مزارات آپکی قبر کی شناخت ممکن نہیں [۲]

---

[۱] چراغ نور تاریخ ظفرآباد۔ [۲] تاریخ ظفرآباد۔

حضرت میران سیّد تاج رح

آپ قوم کے سید حنفی المسلک بہت با اعتبار بزرگوں میں گذرے ہیں۔ آپ صاحب کشف و کرامات تھے۔ زہد و ورع میں بے مثل تھے۔ سپاہیانہ طرز سے رہتے تھے۔ ظفر آباد میں آپ کے نام سے ایک محلہ سید تاج آباد ہے اور اسی جگہ پر ہندو وںکا پرانا قلعہ راتا گڈھ تھا۔ اب یہ محلہ اجڑ کر زیادہ تر آراضی مزروعہ ہوگئی۔ حضرت سید تاج کی اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی اس کی نسل سے کچھ لوگ سید پور ضلع اعظم گڈھ میں ہیں۔ تاریخ و سنہ وفات معلوم نہ ہوسکا۔ آپ کا مزار چاک محمود ظفر آباد میں ہے۔ آپکے مزار سے ملحق اور بہت سے مزارات شکستہ حالت میں ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کی عدم توجہی اور لاپرواہی کی وجہ سے بزرگوں کے مزارات کی توہین ہو رہی ہے اس وجہ سے ظفر آباد کے مسلمان تباہ حال اور غربت میں مبتلا ہیں اور روز بروز برباد ہو رہے ہیں۔[۱]

حضرت سید بڑے میر زح رح

آپ کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم افتاب ہند سے ملتا ہے اور آپ سید بڑے میر زح رحمۃ اللہ علیہ میر تکیہ پوش وابستگان سادات زیدیہ اور فیض یافتگان حضرت مخدوم افتاب ہند رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کو حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی سے بھی فیض حاصل تھا۔

آپ نے موضع بجگاؤں عرف سادات مسونڈہ ظفر آباد سے دو میل پچھم اتر آباد کیا جس کی تاریخ "بنائے مذہب پاک" ہے۔ یہیں پر آپ کی اولاد آباد ہوئی کچھ گاؤں کی منتشر و بے رونق آبادی اور مٹے ہوئے آثار عظمت رفتہ کا پتہ دیتے ہیں۔ فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں نواب میر جملہ سید ضیاء الدین خاں صدر جہا

---

[۱] چراغ نور۔ تاریخ ظفر آباد

جونپوری وزیر اوقاف وخیرات کے ذریعے سے سید کرم اللہ خاں اس خاندان کے ایک رکن صاحب منصب وجاگیر ہوئے ہیں۔ بعد کے دور میں مولوی گلشن علی صاحب کی بڑی ناموری گذری ہے جو مہاراجہ بنارس کے مشہور دیوان تھے۔ ان کے چھوٹے لڑکے علامہ حاجی سید محمد حسن صاحب جید فاضل و زبردست ادیب اور علم ریاضی وہیئت کے مشہور عالم تھے جنھوں نے مطالعہ کے شوق میں یورپ اور بلاد اسلامیہ کا سفر کیا۔ اور اسی سرزمین لجگاؤں میں سید رضی الدین صاحب علم حدیث اور فن رجال کے مسلم الثبوت بزرگ تھے۔ اسی طور پر اس مقام اور سرزمین میں بڑے بڑے اہل علم اور صاحب فن پیدا ہوئے جن کی عظمت و رفعت اب بھی لجگاؤں میں دفن ہے [۱]

حضرت مولانا حسام الدین عرف شیخ بڑن رحمۃ اللہ علیہ

آپ ملا بہرام منطقی کے نسب سے ہیں جو راجہ سکیٹ سنگھ کے مقابلہ اور مناظرہ میں شریک تھے۔ آپ کی ذات گرامی تمام علوم ظاہری و باطنی سے مالا مال تھی۔ منطق و فلسفہ میں کمال حاصل تھا۔ آپ ابتدائے شب سے نصف رات تک سوتے اسکے بعد نماز فجر تک ذکر اذکار میں گذارتے۔ بعد نماز فجر اکتالیس بار سورۂ یٰس شریف کی تلاوت فرماتے اور پھر جامع ظفر میں درس تدریس میں مشغول رہے۔ ایک عرصہ تک بزرگوں کی قبور پر فاتحہ و مراقبہ کرتے رہے۔ کچھ دنوں بعد جامع مسجد ظفر خاں میں گوشہ نشین ہو کر ریاضت و مجاہدہ میں مصروف ہوئے اور بجز ضروری کام نہ باہر نکلتے نہ آئے۔ آپکی وفات گیارہویں صدی ہجری عہد عالمگیر بادشاہ ہوئی۔ آپکا مزار جامع مسجد ظفر خاں کے پورب مدرسہ کی پشت پر ہے جسکے اردگرد ڈھول دار اور خودرو درخت ہیں [۲]

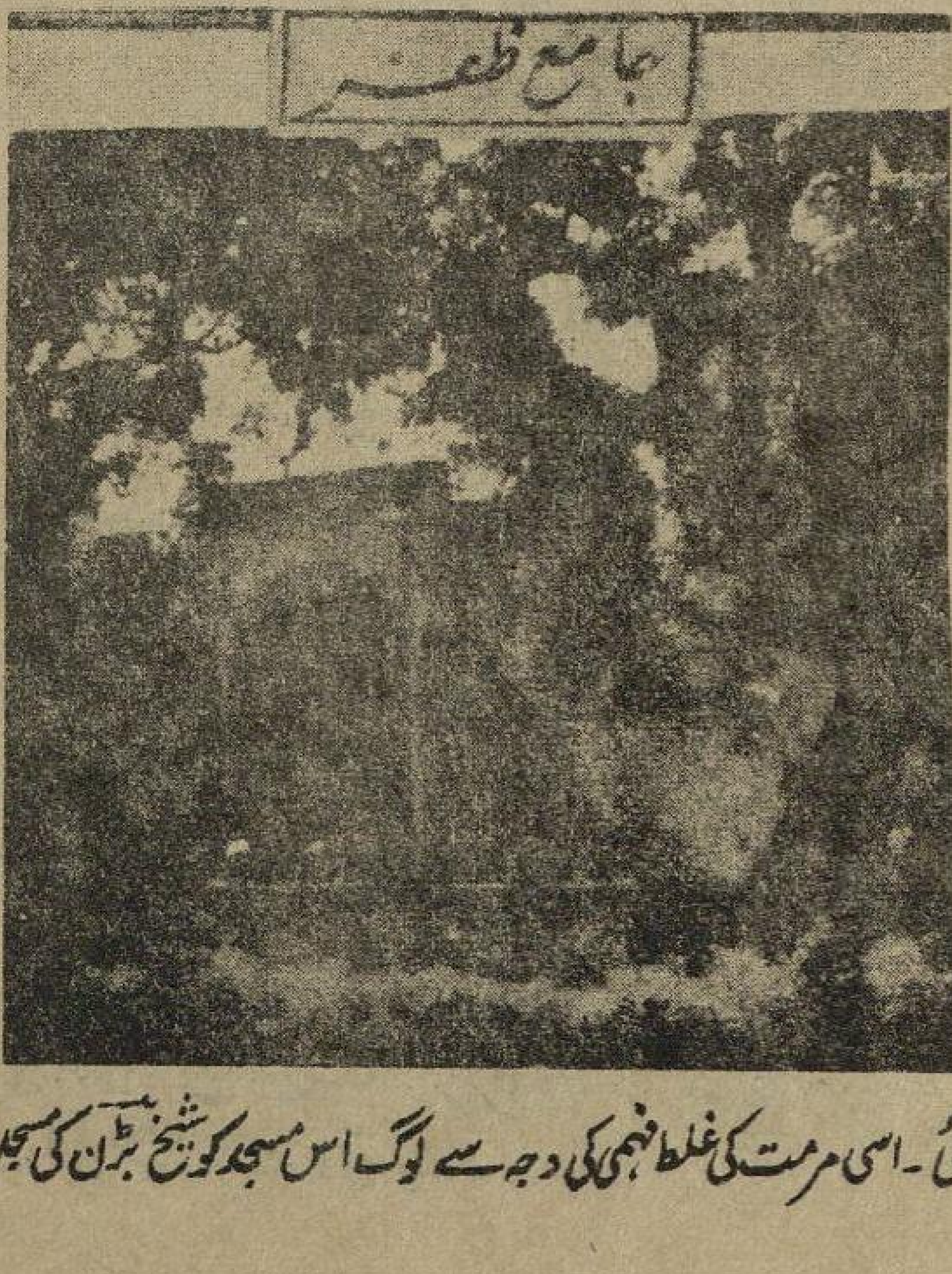
---

[۱] تجلیات العارفین۔ تجلی نو حصہ سوم [۲] تاریخ ظفر آباد

ظفرآباد کی قدیم عمارتیں

جامع مسجد شہزادہ ظفرخاں

یہ مسجد شہزادہ ظفر خاں تغلق نے راجہ سکیٹ سنگھ والی ظفرآباد پہ فتحیابی کے بعد اپنے عہد حکومت میں تعمیر کرائی۔ حضرت ملا بہرم منطقی رحمۃ اللہ علیہ اس مسجد کے خطیب اور پیش امام تھے جنکا گنبد نما مقبرہ مسجد کے اتر دس قدم کے فاصلے پر ہے یہ مسجد بازار سے اتر طرف ہے بعد کو حضرت مُلّا حسام الدین عرف شیخ بڈھن جو ملا بہرام کے نسب سے ہیں اس مسجد کی



از سر نو مرمت کرائی۔ اسی مرمت کی غلط فہمی کی وجہ سے لوگ اس مسجد کو شیخ بڈھن کی مسجد

کہنے لگے۔ یہ مسجد بہت پرانی اور تغلق فن تعمیر کی ترجمان ہے اور بہت ہی عجیب وغریب شاہکار ہے[۱]۔ اس کی چھت چپٹی اور برابر ہے۔ سطح زمین سے اونچائی ۲۰ فٹ ہے اور اندر ہر قطار میں دس[۱۰] کھمبے ہیں۔ کل چوراسی کھمبے کھڑے ہیں حالانکہ فصیح الدین صاحب نے [۶۰] لکھے ہیں۔ موصوف اپنی کتاب "شرقی منومنٹ" میں اس مسجد کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

"اسکی بناوٹ مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کی یاد تازہ کرتی ہے اسکی کرسی اونچی نہیں ہے۔ امام کے محراب پر قرآن مجید اور پوری سورۂ اخلاص اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے۔ ایک اور لکھاوٹ ہے جو پڑھی نہیں جاتی وہ گنبد کے بالکل اوپر ہے اور وہاں پہونچنے کے لئے ایک تنگ سیڑھی خاص محراب کے نیچے ہے۔ یہ لکھاوٹ شاید اصل گیٹ کی یہاں لائی گئی ہے۔ یہ لکھاوٹ عربی میں ہے۔ کچھ مٹے سے لفظ اب بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔ چند سال پہلے خاص محراب پر ایک عبارت فارسی میں

---

[۱] نورالدین زیدی نے چراغ نور کے صفحہ ۱۳۹-۱۴۰ پر یہ غلط لکھا ہے کہ یہ عمارت راجہ لاکھن کی پر تکلف نشست گاہ تھی جسکو ظفر خاں نے ترمیم و تنسیخ کر کے مسجد قرار دیا۔ تعجب تو یہ ہے کہ علی ضامن صاحب ترمذی جیسے محقق جو اس کتاب کے مرتب ہیں بغیر تحقیق کے اسکی تائید کردی حالانکہ مسجد کی بناوٹ سادگی اور قبلہ رخ کا خاص اہتمام جو مسجد کے لئے ضروری ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہرگز کسی عمارت کی کاٹ چھانٹ نہیں ہے۔ میری اس بات کی تائید پرسی براؤن۔ فصیح الدین۔ ڈاکٹر فوہرر کی تحریر اور سشن جج مسٹر آر۔ جے۔ ٹیلر کے فیصلہ مورخہ ۱۵ر جولائی ۱۸۴۲ء سے ہوتی ہے۔

لکھی ہوئی تھی جسمیں مسجد کی تعمیر کی تاریخ تھی جو مرمت کے دوران برباد ہو گئی[1]
آج بھی اس مسجد کے پیش امام حاجی نور محمد کے پاس کچھ ایسے پرانے کاغذات ہیں جس میں فارسی کے وہ اشعار ہیں۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود ۱۸۴۶ء و ۱۸۴۷ء میں مسٹر اومنی مجسٹریٹ جونپور نے ایک آرڈر کے ذریعے مسلمانوں کو ممانعت کر دی تھی کہ وہ اس عمارت کو بطور مسجد کے استعمال نہ کریں کیونکہ انھیں اس امر کا یقین دلایا گیا تھا کہ یہ عمارت راجہ لاکھن کی نشست گاہ تھی جس پر بعد کے ہندوؤں کا حق ہوتا ہے کہ وہ اسکو اپنے استعمال میں لائیں۔
لیکن جب یہ مقدمہ آر جے ٹیکر سشن جج جونپور کے اجلاس میں گیا تو صاحب موصوف نے بڑی چھان بین اور تحقیق و تصدیق کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ یہ مسجد لاکھن کی نشست گاہ وغیرہ نہیں تھی بلکہ قدیم شاہی مسجد ہے۔ مجسٹریٹ کو ہندوؤں نے تعمیر کے استعمال شدہ کچھ پتھر دکھلا کر دھوکا دیا گیا تھا۔ بہر حال سشن جج نے اپنے تاریخی فیصلہ میں فارسی کا یہ شعر بھی لکھا ہے جو درج ذیل ہے[2]

ہر کس کہ دریں دائرہ باصدق درآمد
حاجات روا گردد و مقصود برآمد

(ترجمہ) جو شخص بھی اس مسجد میں صدق دل سے آتا ہے اسکی ضرورت پوری ہوتی ہے اور وہ اپنے نیک مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔
فصیح الدین صاحب نے مذکورہ بالا شعر سے تاریخ تعمیر مسجد پر استدلال کیا ہے۔ اور اسکی تاریخ تعمیر ۸۴۲ھ مطابق ۱۴۳۸ء بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اسی تاریخ

---

[1] شرقی منومنٹ
[2] دیکھو فیصلہ مورخہ ۱۵ر جولائی ۱۸۴۸ء

کو سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ ظفر آباد تشریف لائے تھے۔ اور لفظ عربی المجاھد کا استعمال مسجد کی تعمیر میں یہ بتاتا ہے کہ اسے سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ نے بنوایا ہے [۱]

اسی طرح جنرل کننگھم اور ڈاکٹر فرہر نے بھی مذکورہ شعر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یا تو یہ مسجد علاؤ الدین خلجی کے عہد میں بنی ہے یا ملا بہرام رحمۃ اللہ علیہ نے بنوایا ہے [۲]

ان تمام رپورٹوں کے دیکھنے کے بعد خان بہادر فصیح الدین صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ بات غلط ثابت ہو گئی کہ جو شعر اوپر لکھا ہے اس سے تعمیر کی تاریخ بہت پہلے کی ثابت ہوتی ہے۔ دونوں لکھنے والے اس وقت غلطی کرتے ہیں جب وہ یہ لکھتے ہیں کہ مسجد شیخ بڑہان نے بنوائی تھی جنکا مقبرہ گیٹ مسجد سے باہر ہے۔ نورالدین زیدی اور دوسرے لوگوں کے مطابق شیخ بڑہان دسویں صدی کے آخر اور گیارہویں صدی کے شروع میں تھے اور ملا بہرام آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں تھے۔ شاہ کبیر سہروردی کی مسجد محلہ تاڑتلہ شہر جون پور اس مسئلہ کو حل کردیتی ہے کہ شاہ بڑہان شاہ کبیر کے شاگردوں میں تھے جن کا انتقال سنہ ۹۹۲ھ مطابق ۱۵۸۳ء میں ہوا ہے۔ انھوں نے اس مسجد کی پوری مرمت کرائی جسکی وجہ سے

---

[۱] شرقی مونومنٹ
[۲] شرقی آرکیٹیکچر کننگھم رپورٹ

اکغیس کے نام پر یہ مسجد موسوم ہو گئی۔ ان مورخین نے اسی طرح دوسری غلطی یہ کی ہے کہ ظفر آباد کو فیروز تغلق کے گورنر شہزادہ ظفر خاں کا آباد کیا ہوا بتاتے ہیں جو ۷۶۲ھ مطابق ۱۳۶۰ء میں یہاں گورنر تھا۔ حالانکہ ظفر آباد ۷۲۱ھ میں غیاث الدین تغلق کے عہد میں بھی آباد تھا جیسا کہ صدر پھاٹک روضہ حضرت مخدوم چراغ ہند کے کتبے سے ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سی غلطیاں ان مورخوں نے کی ہیں۔" [1]

ان تمام اختلافات و تحریرات اور رپورٹوں کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ یہ مسجد راجہ سکیٹ سنگھ کے دربار میں مناظرہ اور منہیچ یعنی ظفر آباد کی فتحیابی کے بعد شہزادہ ظفر خان نے بنوایا تھا۔ فارسی کی قدیم کتابیں مناقب درویشیہ وغیرہ اور دیگر کتب تواریخ سے یہ ثابت ہے کہ دراصل مسلمانوں کا حقیقی معنوں میں فتح و قبضہ ظفر خان کے اسی مناظرہ کے بعد ہوا ہے اور بزرگان دین نے اس مقام کو اپنا مسکن بنایا۔ یہاں سیکڑوں خانقاہیں، مدرسے اور چھوٹی چھوٹی مسجدوں کا وجود یکے بعد دیگرے ہوتا رہا۔ جامع مسجد کا ہونا بہت ضروری تھا جس میں تمام مسلمان جمع ہو کر جمعہ ادا کر سکیں لہذا یہ مسجد نماز جمعہ کے لئے شہزادہ ظفر خاں نے تعمیر کی۔ یہ مسجد اپنی آپ نمونہ ہے۔

پرسی براؤن لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک عمارت چند میل شہر سے دور اور ایک قدیم طبقہ کی یادگار ہے۔ یہ مسجد ظفر آباد میں شیخ بابے کی مسجد کے نام سے مشہور ہے

---

[1] شرقی منومنٹ

دہی ظفرآباد جہاں مسلمان سب سے پہلے آکر آباد ہوئے تھے۔ ۱۳۶۱ء سے بھی پہلے کی بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد ہندوانی طرز تعمیر سے بالکل جدا اور فن تعمیر کے ترقیاتی پہلوؤں کو لیے ہوئے ہے۔ اس کا طرز تعمیر بالکل نرالا ہے۔ اس میں پینسٹھ مربع فٹ کا ایک ہال اور بیس فٹ اونچی چھت ہے۔ چھت میں پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں جن کو ساٹھ کھمبے سنبھالے ہوئے ہیں [1]

پرسی براؤن کی مذکورہ بالا تحریر نے تمام احتمال کو رد اور باطل قرار دیا ہے اس لئے اب یہ بات تاریخی حیثیت سے درست اور صحیح ہے کہ اسے ۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۱ء میں شہزادہ ظفر نے مسلمانوں کی کثرت دیکھکر نماز جمعہ کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ شیخ برہان نے مسجد اور اسکے پھاٹک کی مرمت کرائی۔ یہ پھاٹک بعد کا بنا ہوا ہے اور اسی غلط فہمی کی وجہ سے لوگ شیخ بارہ ہے کی مسجد کہنے لگے ہیں۔ کتب قدیم اور دیگر تحریرات و فیصلہ سشن جج صاحب جونپور سے ثابت ہے کہ یہ راجہ لاکھن یا کسی دوسرے ہندو امیر کی نشست گاہ نہ تھی جسے ترمیم و تنسیخ کر کے مسجد بنالی گئی۔

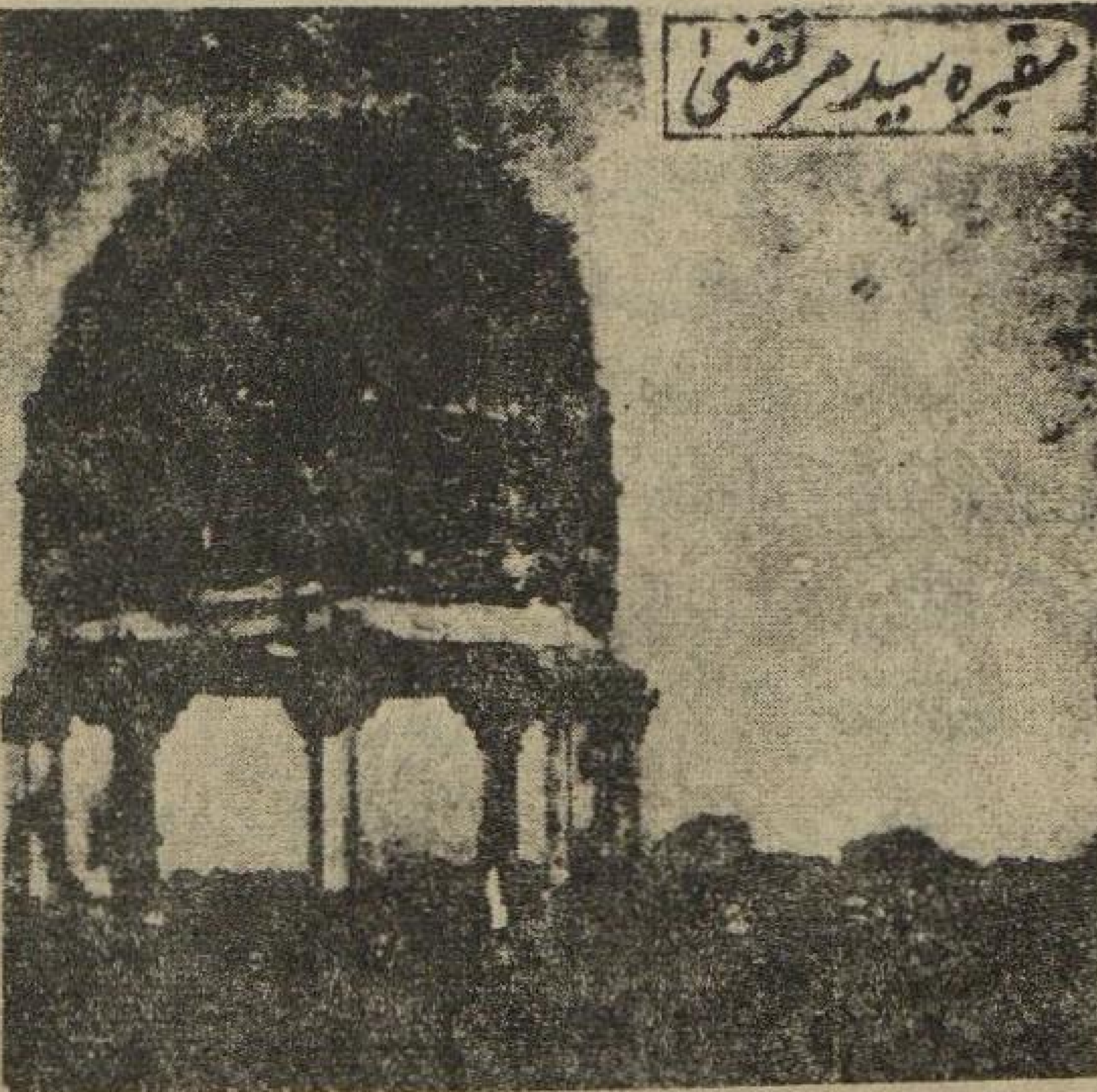
مقبرہ سیّد مرتضیٰ

یہ جگہ ظفرآباد سے پچھم طرف شمس خان پور میں جونپور جانے والی سڑک سے متصل داہنے طرف واقع ہے۔ اسی جگہ پر قطب الدین ایبک اور اودے پال سے جنگ ہوئی تھی اور اس جنگ میں جو لوگ شہید ہوے تھے ان کی قبریں بھی اسی جگہ بنائی گئیں بدیں وجہ اس کا نام صحن شہیداں ہوا۔ سلاطین شرقی کے عہد میں سید مرتضیٰ نے اس مقام پر ایک بہت ہی شاندار باغ لگایا تھا جسمیں طرح طرح کے پھل دار

---

[1] آرکی ٹیکچر پرسی براؤن

درختان تھے اور اسکی آب پاشی کے لئے ایک پختہ کنواں اور تالاب بھی بنوایا



مقبرہ سید مرتضیٰ!

تھا۔ اس باغ کی رونق اور حسن و جمال کے لئے بارہ سنگین گنبد تعمیر کئے گئے تھے ایک گنبد میں سید ضیاء الدین کی قبر تھی۔ دوسرے گنبد میں سید مرتضیٰ کی اور تیسرے گنبد میں انکی ماں کی چوتھے گنبد میں انکی زوجہ کی قبر تھی اسی طرح دوسرے اس خاندان کی قبریں تھیں۔ سید مرتضیٰ حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ کے خاندان سے تھے سید ضیاء الدین کی شادی محمود شاہ شرقی کی لڑکی سے ہوئی تھی اور سید مرتضیٰ کی شادی جلال الدین بادشاہ لکھنوتی کی لڑکی سے ہوئی تھی۔

انگریزی عہد میں جلال گنج اور دوسرے پلوں کی مرمت کے لئے جب پتھر کی ضرورت ہوئی تو مسٹر گری گراپ نے اس میں سے دس گنبدوں کو توڑ کر ان کے پتھروں سے پلوں کی مرمت کرائی۔ دو گنبد بچ گئے تھے اس میں سے ایک بجلی کے صدمے سے شق ہو کر گر پڑا اور ایک آج بھی باقی ہے جس میں سید مرتضیٰ کی قبر ہے۔ اس ایک گنبد سے اور باقی گنبدوں کی عظمت اور شان کا اندازہ کیا

کیا جا سکتا ہے۔ اس گنبد کے چند ستون اور پرچھتی راتوں رات لوگ اکھاڑ لے گئے اور اپنے مکانوں کی زینت بنائی۔ صحن شہیداں کا زیادہ حصہ کھیت کی شکل میں تبدیل کر لیا گیا ہے۔ مسجد منہدم ہو چکی ہے۔ کنواں البتہ باقی ہے جس سے ان کھیتوں کی آبپاشی کی جاتی ہے۔ بہت سی قبریں ٹوٹی ہوئی کھیتوں کے اندر مٹی کے تودے پر موجود ہیں اور کافی کھود کر پھینک دی گئی ہیں۔ اس گنبد کے سنگی ستون ٧ فٹ، ٢ انچ لانبے ہیں اور آٹھ در ہیں۔ عمارت میں کئی مقام پر شگاف ہو گیا ہے اگر اسکی مرمت کی طرف فوراً توجہ نہ کی گئی تو بہت جلد گر جائیگی ١؎

مقبرہ شیخ صدر الدین چراغ ہند سہروردی ظفر آبادیؒ

آپ کا روضہ کوٹ اسنی کے شمال و مغرب کے کونے پر ہے جس کی تعمیر شہزادہ ظفر سے منسوب ہے اور حضرت مخدومؒ کے گنبد کے دائیں بائیں جو قبریں گنبد کے اندر یا باہر ہیں وہ حضرت مخدوم کے خلفاء کرام اور دوسرے خاندان کی ہیں حضرت شیخ شمس الحقؒ نے (جو حضرت مخدومؒ کے پوتے تھے)

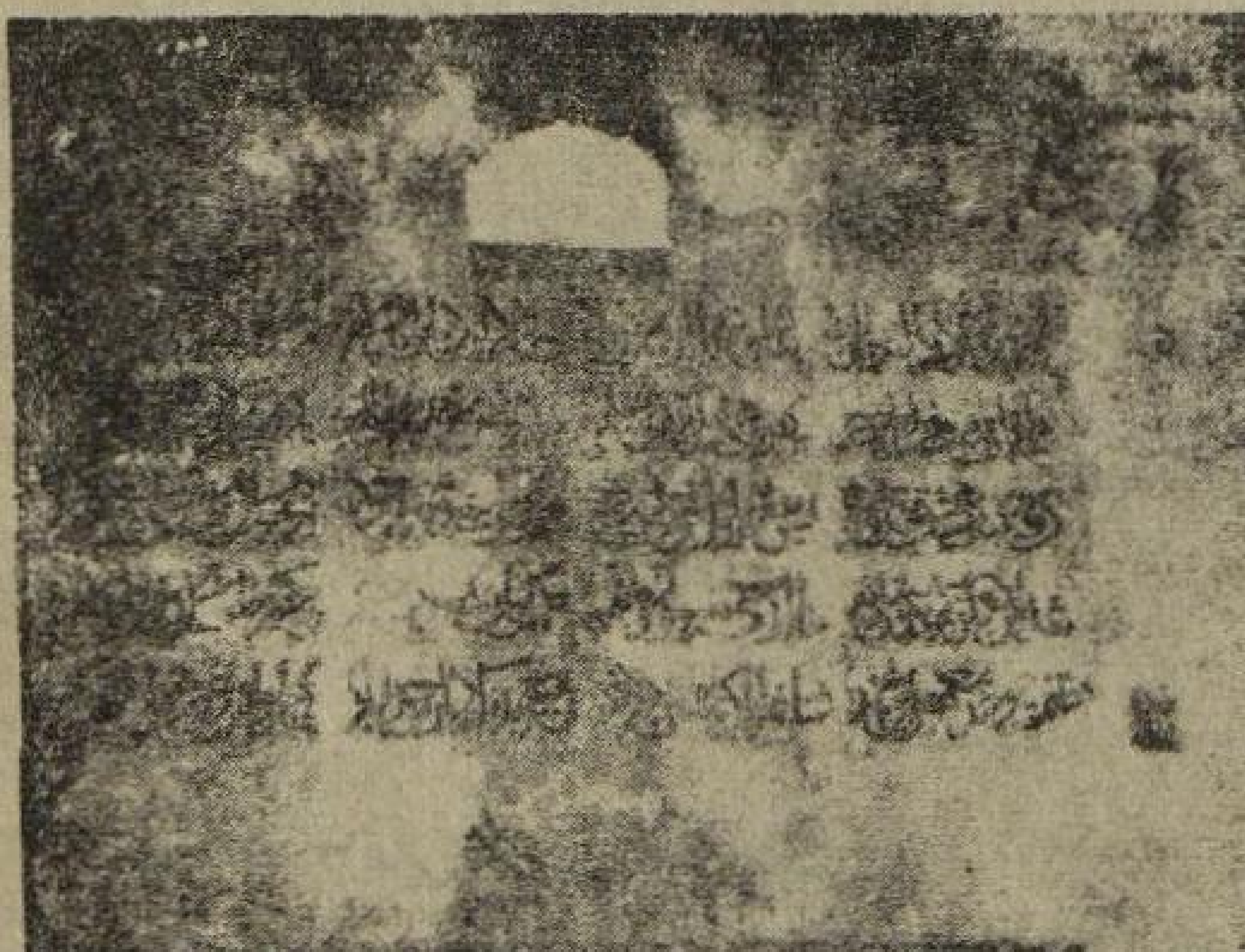


١؎ تاریخ ظفر آباد و گزیٹیر جونپور

اس کی مرمت کرائی تھی ۔ روضہ کے احاطے کے اندر ایک وسیع قناتی مسجد ہے جس میں ۹ ذی الحجہ کو ظہر اور عصر کے درمیان صلوٰۃ التعریف دو رکعت سجادہ نشین خرقہ پہن کر پڑھتا ہے ۔ یہ نماز خانوادۂ سہروردیہ میں جہاں اس سلسلہ کے مشائخوں کا مجمع ہو پڑھنا ضروری ہے ۔ نماز صلوٰۃ التعریف ہندوستان میں صرف دو مقام ایک ظفرآباد دوسرے ملتان میں ہوتی ہے ۔

روضہ شریف کے صدر پھاٹک سے متصل ایک مسجد ہے جس کو ۱۸۹۶ء میں مسٹر نکلس کی میم نے بنوائی تھی جو نہایت ٹھوس ہے ۔ احاطہ کے اندر حضرت مخدومؒ کے بائیں وسیع قبرستان ہے جسکا سلسلہ پورب پچھم دلوار چہار دیواری تک چلا گیا ہے ۔ ان ہی قبروں میں شہزادہ ظفر خاں کی بھی قبر ہے ۔ نشان کے لئے شہزادہ کی قبر کے سرہانے ایک سنگ موسیٰ کا گول پتھر نصب ہے ۔ اسکے اندر سیکڑوں قبریں ہیں ۔ ان قبروں میں ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آئی ہے جو اور دوسری جگہ نہیں ہے ۔ تقریباً تمام قبریں بلامبالغہ ۶ یا ۷ فٹ لمبی ہیں ۔ جھاڑ جھنکار اور کانٹے دار جھاڑیوں نے انھیں توڑ ڈالا ہے ۔ اتنی بھی صفائی نہیں ہے کہ اس قبرستان میں پابرہنہ کوئی جا سکے ۔ کوٹ اور روضہ کے درمیان لنگر خانہ اور خانقاہ بھی تھی جو گرگئی ہے ۔ اسکے سامنے صحن پر بھی بہت سی قبریں تھیں جس میں سے اسوقت بھی بیس قبریں ظاہر ہیں بقیہ زمین دوز ہو گئیں یا ٹوٹ کر زمین کے برابر ہو گئی ہیں ۔ بہرحال اور روضوں کے مقابلہ میں اسکی دیکھ بھال اور صفائی ہوتی رہتی ہے ۔ اس کا صدر دروازہ بہت شاندار ہے جس کی مرمت ۱۹۴۱ء میں کرائی گئی ہے ۔ اس دروازے پر ایک پتھر نصب ہے جس پر اشعار ذیل کندہ ہیں ۔ قوم کی بدمذاقی دیکھو کہ عمارت کے ساتھ اس کتبہ پر بھی نجانے کب سے چونے کی سفیدی ہوتی چلی آئی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عبارت سفید ہے

جس کی وجہ سے ایک مورخ اور سیاح کو کافی پریشانی کا سامنا پیدا ہو گیا۔ یہ محض اسی دروازہ کا معاملہ نہیں ہے بلکہ جونپور کی اکثر و بیشتر عمارات کے کتبہ کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے۔ ان پتھروں کے کتبات پر چونا کلی کا سب سے بُرا اثر یہ ہوا کہ اس سفیدی نے حروف کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ دیا اور وہ ٹوٹ ٹوٹ کر گر گئے چنانچہ اس کتبہ کے بھی بعض اشعار ٹوٹنے کی وجہ سے پڑھے نہیں جاتے جبکو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ہم نے اس کتبہ کو مزدور اور کاریگر لگا کر صاف کرایا اور حروف کو پینٹ کرایا اور انکا فوٹو لے لیا ہے۔



حضرت مخدوم چراغ ہند کے صدر دروازہ کا کتبہ

ہم ان اشعار سے صحیح تاریخی نتائج اخذ کرنے کیلئے پیش کرتے ہیں۔

بعہد ملک ذو القرنین ثانی — بنائے شہر را از عدل بانی

غیاث دین و دنیا بو المظفر — سلیمان خاتم وجشید وافسر

نہ باشد ایں حصارِ چرخ ایواں — کہ در رفعت گذشت از فرقِ کیواں
شہ آفاق تغلق شاہ اعظم — کہ بر وے شد جہانگیری مسلم
دو شنبہ بست و ہشتم روزہ بودہ — ربیع الاول ماہِ ستودہ
ہمایوں سال و ساعت وقت مسعود — ز ہجرت ہفت صد و بست و یک بود
شد از فرمان گردوں آستانہ — بنا از سعی مشہورِ زمانہ
مظفر شد چوں معمور ایں شہر — ظفر آباد نامش ماندہ در دہر

بچشمِ بد نگہدارش خدایا
کہ تا نامش منور شد بہ افلاک

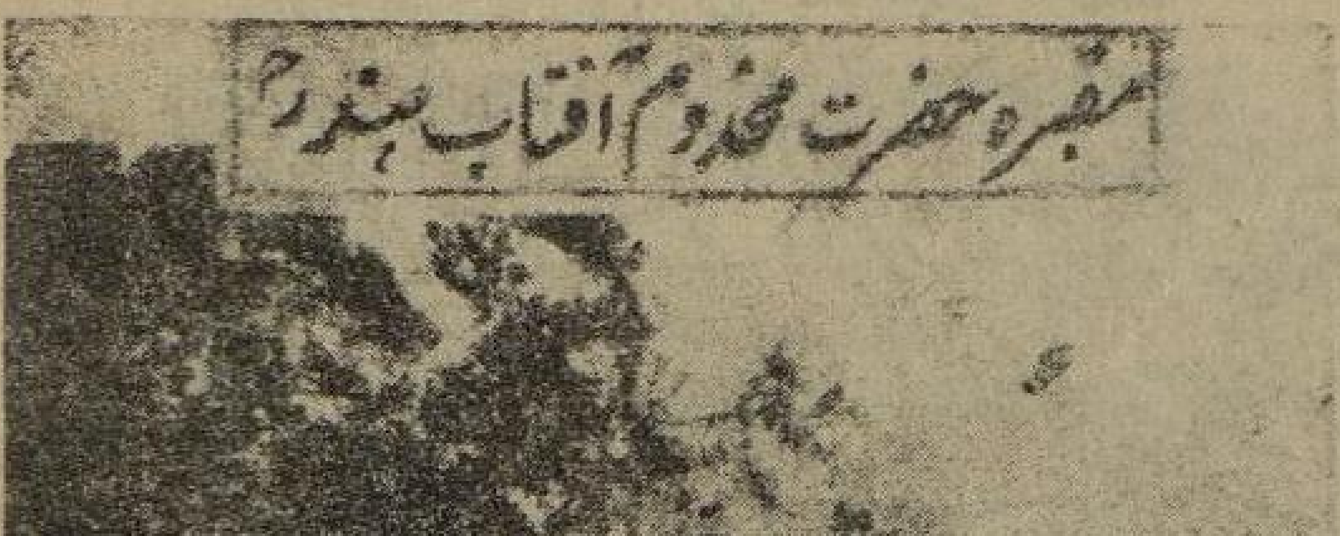
(ترجمہ) یہ اس بادشاہ کا زمانہ ہے جو اپنے وقت کا ذوالقرنین ثانی ہے جو شہروں کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھتا ہے۔ وہ بادشاہ غیاث الدین تغلق ہے جو دین و دنیا کا مالک ہے اور فتح اس کا قدم چومتی ہے جسکے عہد میں حضرت سلیمان کی انگوٹھی کی خاصیت اور جمشید کے طرز کی حکومت ہے۔ وہ تغلق شاہ اعظم ہے اور اسکے لئے جہانگیری مسلم ہے جس نے شہر پناہ کی دیوار نہایت شاندار بنوائی ہے جس کی بلندی آسمان کے ستارہ کیواں کی مانگ سے بھی بازی لے گئی۔ دو شنبہ کا دن تھا اور ربیع الاول کی اٹھائیس تاریخ اور نہایت مبارک گھڑی ۷۲۱ سنہ ہجری تھی۔ اسکے حکم سے آسمان کے نیچے یہ جگہ نہایت کوشش سے اعلیٰ درجے کی بنکر تیار ہوئی جسکی زمانہ میں شہرت ہے۔ فتحیابی کے بعد یہ شہر آباد کیا گیا اور ظفر آباد اس کا نام دنیا میں باقی رہے گا۔ —— خدا ظفر آباد کو تو نگاہِ بد سے محفوظ رکھ تاکہ اسکا نام آسمان پر بھی روشن ہو۔

حقیقت میں یہ کتبہ جو حضرت مخدوم کے صدر پھاٹک پر ہے وہ اس قلعہ کا نہیں ہے بلکہ غیاث الدین تغلق نے ظفر آباد میں جو شہر پناہ بنوائی تھی اس کے صدر دروازے پر یہ کتبہ نصب تھا جیسا کہ اس کتبہ کے اشعار سے ظاہر ہے۔

جب ایک عرصہ دراز کے بعد شہر پناہ کی دیواریں مسمار ہوگئیں تو یہ کتبہ روضہ پر لاکر نصب کردیا گیا ورنہ اس اشعار سے روضہ کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ بہرحال روضہ کے صدر پھاٹک پر نصب کرنے سے یہ قدیم کتبہ محفوظ ہوگیا۔

روضہ حضرت مخدوم سید اسد الدین آفتاب ہند سہروردیؒ

آپ کا روضہ مسجد خانقاہ اور لنگرخانہ ومکان مسکونہ محلہ سید داڑہ میں لب دریائے گومتی واقع ہے۔ آپ کے روضے کے احاطے کی لمبائی ۲۷۵ فیٹ اور چوڑائی دوسو ۲۰۰ فٹ ہے۔ اسی سے متصل ایک مسجد اور حجرہ ہے۔ اس مسجد کا گنبد قدیم طرز تعمیر کا نمونہ ہے جو نہایت حسین و جمیل اور پہلدار تھا۔ اب اسکا ایک حصہ گر گیا ہے اور بقیہ معلق ہے۔



اس مسجد سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا حجرہ ہے۔ اس مسجد کے حجرے سے مکان دوگپی جو اندر مکان مسکونہ ہے سرنگ دار آمد و رفت کے لئے راستہ تھا۔ حضرت مخدومؒ کمرہ دوگپی میں

شب و روز عبادت میں مشغول رہتے ۔ نماز پنجوقتہ کے وقت آپ اسی راستے سے مسجد میں تشریف لاتے ۔ جب آپ چلہ کشی کرتے تو مسجد کے اس چھوٹے حجرے میں قیام فرماتے ۔ اس مسجد کے حجرے کی چھت گر گئی صرف دیوار باقی ہے ۔ اور مکان ۔ حجرہ دو گئی کی بھی مفض ۔ دیوار صرف روضہ کی طرف والی باقی ہے بقیہ پورے مکان کی چھت اور دیواریں مسمار ہو چکی ہیں ۔ مسجد کے حجرے کا دروازہ جو مسجد کے اندر ہے ڈھائی فٹ اونچا اور ڈیڑھ فٹ چوڑا ہے جس میں آدمی بیٹھکر اندر جا سکتا ہے ۔ مسجد کی لمبائی تقریباً پینتالیس فٹ اور چوڑائی تیس فٹ ہے اس کا ایک دروازہ پورب طرف بھی ہے ۔ روضے کے احاطے میں تخمیناً پینتالیس؟ قبریں شکستہ حالت میں ہیں ۔ چہار دیواری گر گئی ہے ۔ اس میں زیادہ تر قبریں آپ کے صاحبزادگان و خلفا اور مریدین کی ہیں ۔ بہت سی قبریں زمیں دوز ہو گئی ہیں ۔ جلبل کے درختوں اور ملبوں کی وجہ سے گندگی ہے ۔ اس کا صدر دروازہ دکھن طرف نہایت شاندار ہے جس پر کلمہ لکھا ہوا مٹ رہا ہے ۔ روضے سے پچھم تیس ۳۰ گز کے فاصلہ پر ایک بہت بڑی مسجد تھی مگر اب گر کر بے نشان ہو گئی ہے محض اندر کی ایک دیوار قدرے موجود ہے ۔ روضے سے متصل پچھم طرف خانقاہ اور مکان مسکونہ تھا جس کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں ۔ اس میں سات کوٹھری ، تین بڑے کمرے ایک دالان اور ایک وسیع ہال تھا ۔ اسی سے متصل ایک لنگر خانہ تھا جس کے اندر کئی بڑے کمرے اور دالانوں کے دھندلے نقوش موجود ہیں ۔

(حاشیہ متعلق ص ۱۳۴) چراغ نور کے مصنف کا یہ کہنا غلط ہے ان چیزوں کو سید مرتضیٰ نے نویں صدی ہجری میں تعمیر کرایا ۔ یہ درست ہو سکتا ہے کہ چہار دیواری بنوائی ہو اور مسجد و خانقاہ کی مرمت کرائی ہو کیونکہ نویں صدی ہجری کا زمانہ غفلت و زوال کا زمانہ تھا لہذا مرمت ہوئی اور احاطہ گھیر اگیا (مولف)

کوٹ آسنی

بازار کے خاص حصّے کے باہر دکھن طرف ایک بڑا سا ٹیکرہ نظر آتا ہے جسکا پھیلاؤ بہت ہی وسیع ہے مگر اتر طرف زیادہ ہے۔ یہ تقریباً اٹھارہ ایکڑ کے رقبہ میں ہے۔ جب یہ مقام راجہ دجے چند اور جے چند کے قبضہ میں آیا تو ان لوگوں نے قصبہ کے دکھن طرف ایک کوٹ بہت مستحکم تیار کرائی۔ مولوی نورالدین زیدی نے لکھا ہے کہ یہ خام کوٹ تھی مگر خام کوٹ میں قیمتی اور بیش بہا سامان کیونکر رکھے جاتے تھے؟ اسی کوٹ پر



قلعہ آسنی کا کھنڈر

۱۱۹۴ء میں شہاب الدین غوری وقطب الدین ایبک نے حملہ کیا تھا اور اسی کوٹ پر راجہ سکیٹ سنگھ کے عہد میں حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ قدس سرہٗ اور حضرت مخدوم چراغ ہند قدس سرہٗ نے علم جہاد بلند کیا تھا اور مناظرے کے ذریعے فتحیاب ہوئے تھے۔ اسوقت سے مسلمانوں کا قبضہ ظفرآباد پر ہوا۔ اب یہ کوٹ منہدم ہوکر مزروعہ ہوگئی۔ پہلے چاروں طرف دیواریں تھیں بعد کو وہ بھی گر گئیں۔ محض خام ایکسو پچیس ۱۲۵

فٹ شکستہ فصیلیں اس کی عظمت کا پتہ دے رہی ہیں۔ یہ وہی کوٹ ہے جس میں بعد فتح شہاب الدین غوری کا دربار ہوا تھا اور اطراف ملک کے راجگان و مہاراجگان شریک ہوئے تھے ؎۱

روضہ حضرت مخدوم ملاؒ قیام الدین سہروردی

یہ روضہ دریائے گومتی کے کنارے کوٹ راناگڈھ سے متصل۔ محلہ احد میں واقع ہے حضرت مخدوم قیام الدین حضرت مخدوم آفتاب ہندؒ کے خلیفہ ارشد ہیں۔ آپ کا روضہ آپکے بڑے صاحبزادے ملا احد رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر کرایا۔ حظیرہ روضہ سے پچھم ایک پختہ مسجد ہے اور یہ دونوں چیزیں ایک احاطہ کے اندر ہیں۔ اس احاطہ کا ایک صدر دروازہ ہے۔ روضہ کے اندر آپکا اور آپ کی بی بی صاحبہ کا مزار ہے۔ روضہ سے باہر دروازہ روضہ سے ملا ہوا حضرت مخدومؒ کے پائیں حضرت ملا احد صاحب کا مزار ہے۔

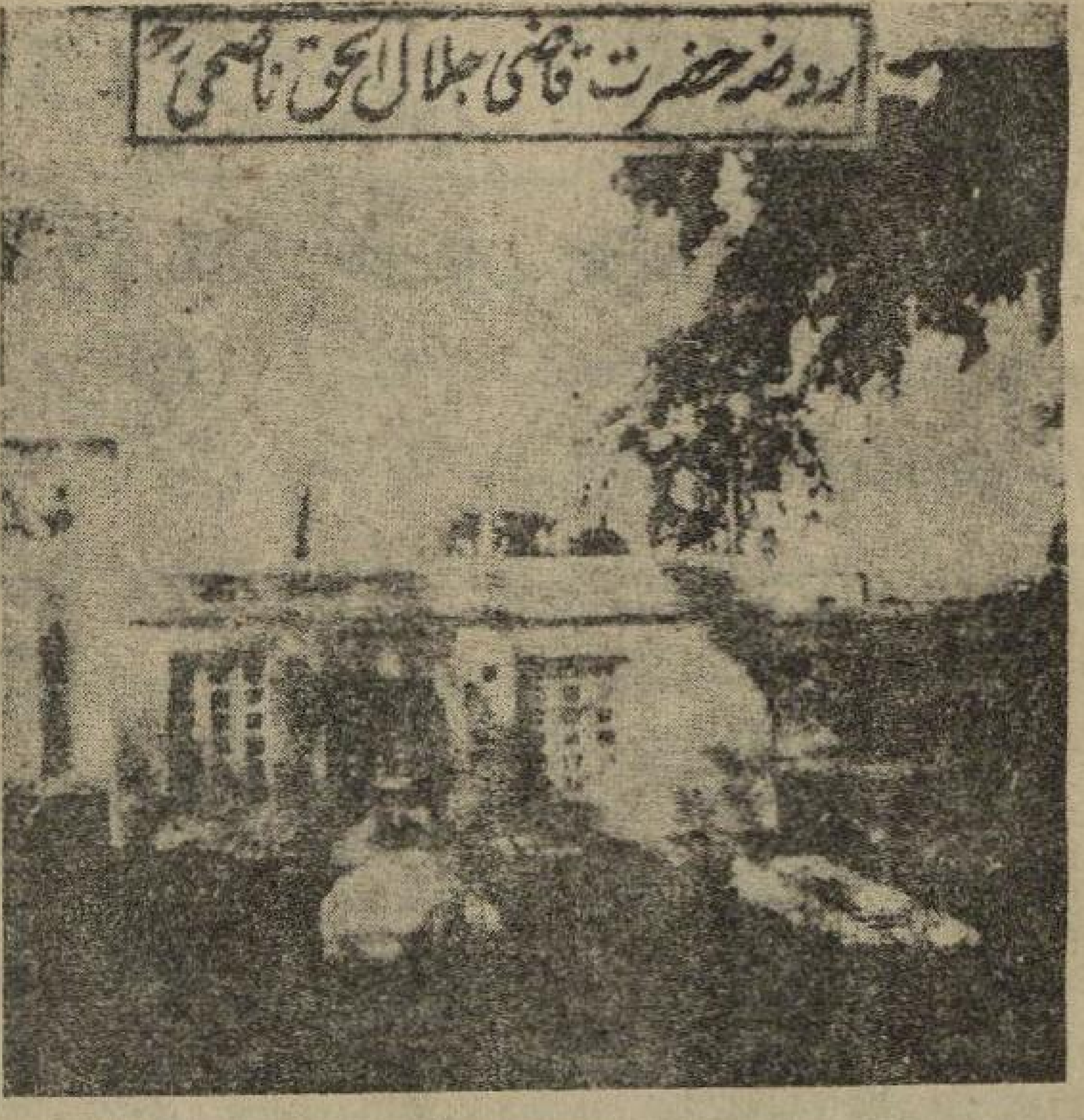


؎۱ تجلی نور قلمی حصہ سوم۔ چراغ نور

جو شکست ہوکر مٹی کے اندر دب گیا ہے۔ مسجد کے صحن کے سامنے خطیرہ روضہ سے ملحق حضرت ملا رحمان صاحب حضرت مخدوم صاحب کے منجھلے صاحبزادہ کا مزار ہے اور چھوٹے صاحبزادے حضرت ملا سلیمان صاحب کا مزار مکان مسکونہ کے دروازہ پر پختہ چبوترہ پر پختہ قبر تھی جسکو اس محلہ کے ایک کھیت والے نے مٹی کے اندر پاٹ دیا ہے۔ روضہ کے صدر دروازے کا رخ دکھن جانب ہے۔ اسکے پچھم ودکھن کونے پر آٹھ پرانی قبریں ہیں اور صدر دروازہ سے دکھن جانب کچھ فاصلے پر ایک کنواں چھوٹے منہ کا جو بہت پرانا ہے۔ احاطہ روضہ کے پشت پر امامباڑہ نہایت خوشنما ہے جسمیں محرم اور چہلم کا تعزیہ دفن ہوتا ہے روضہ حضرت مخدوم سے ہٹ کر کچھ فاصلے پر سیڑھی گھاٹ کے متصل دیجے مندر تھا جسکا اب نام ونشان بھی باقی نہیں ہے

روضہ حضرت بندگی جلال الحق رح قاضی خواں ناصحی

یہ روضہ کوٹ آسنی کے شمال مغربی کونے سے تھوڑے فاصلہ پر پچھم جانب محلہ ناصحی قصبہ ظفرآباد میں ہے اور رعنا خاں افغان وغیرہ کا تعمیر کردہ ہے۔ یہ روضہ ایک احاطے کے اندر ہے جو ایک سو پچاس فٹ لمبا اور سو فٹ چوڑا ہے۔ احاطہ کی چہار دیواری اینٹ کی تھی جو شکست ہو رہی ہے۔ اس کا صدر دروازہ اتر طرف ہے اور اچھی حالت میں ہے۔ اس پھاٹک کا بایاں پلہ تین ٹکڑے ہوگیا ہے اسکو اینٹ پتھر کے سہارے کھڑا کرکے جانوروں کو اندر جانے سے روکا گیا ہے اس بدحالی اور بد مذاقی کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو کیا ہوگیا ہے۔ جس خطیرہ کے اندر آپ کا مزار ہے وہ نہایت پائدار اور مستحکم جالی دار بنا ہوا ہے اسی سے مزار مبارک گھرا ہوا ہے اور سفیدی سے زرق برق ہے۔ دس پتھر اس خطیرے سے باہر نکلے ہوئے ہیں جو اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اس پر چھوٹی برجیاں

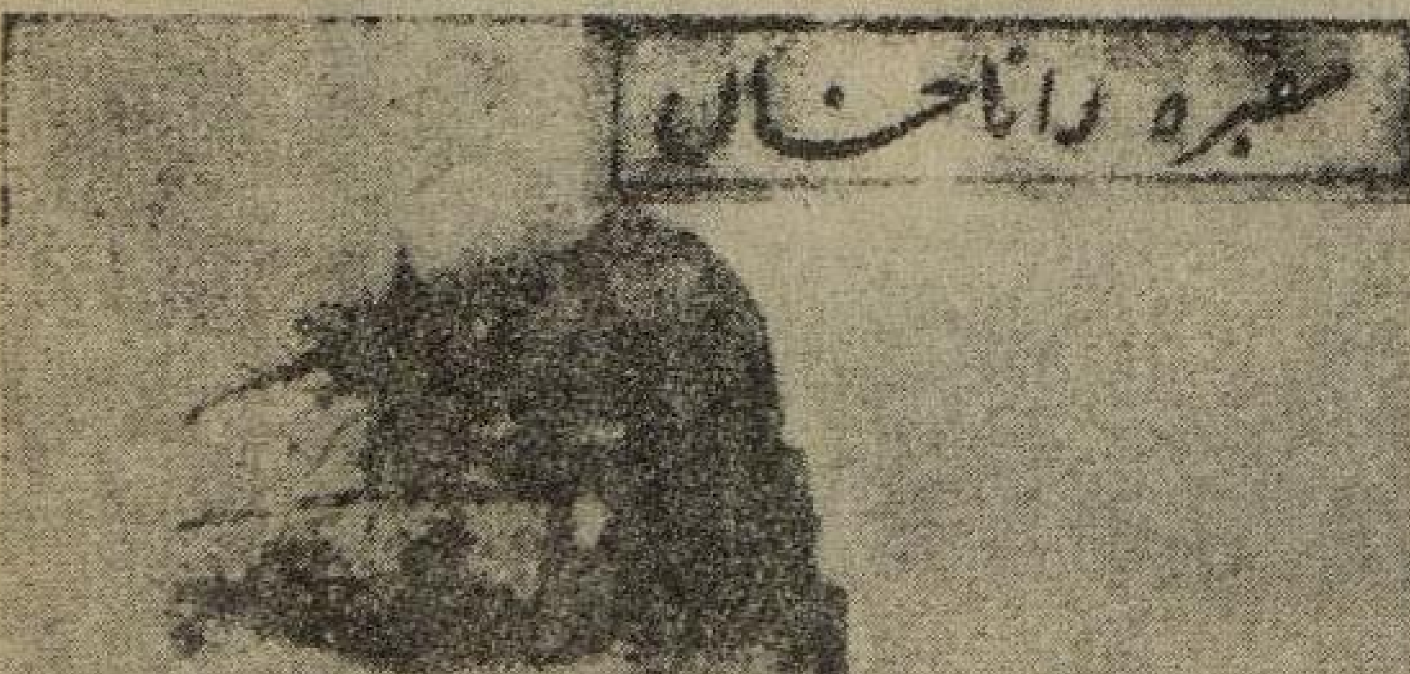


بنانے کا خیال
تھا جو کسی وجہ
سے تعمیر نہ ہو سکیں
اس احاطے
کے اندر پچیس
قبریں ہیں جن
میں بعض شکستہ
اور خراب حالت
میں ہیں۔ اس
احاطے کے اندر
گیارہ درخت
چلبل کے اور
ایک درخت نیم کا اور دو درخت گولر کے ہیں۔ احاطہ کے اندر پچھم طرف ایک نہایت وسیع قناطی مسجد ہے جو پانچ در پر مشتمل ہے۔ اس مسجد کے بائیں جانب حجرہ ہے مسجد اور حجرہ کی چھت گر گئی ہے جھاڑ جھنکار بہت ہے۔ اتر پچھم میں حضرت قاضی صاحب کا مکان تھا اور خانقاہ و مدرسہ بھی تھا جو گر گیا ہے۔ اسکے شکستہ آثار اور ملبوں کو دیکھکر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ یہ محلہ بھی اجاڑ ہو گیا ہے اور زیادہ حصوں پر کھیتیاں ہوتی ہیں۔ حضرت قاضی صاحب سلطان ابراہیم شرقی کے وزیر اور عماد الملک کے نواسے ہیں۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ سے ملاقات کے لئے ہمایوں بارہ ۱۲ روز تک قصبہ ظفرآباد میں مقیم رہا۔ مگر مولانا نے بادشاہ سے ملنا پسند نہ فرمایا کہ اور کہہ دیا کہ بادشاہ سے اور فقیر سے ملاقات کیسی؟

سلطان ہمایوں واپس چلا گیا۔[1]

مقبرہ رعنا خاں

رعنا خاں جمال خاں افغان کے لڑکے تھے یہ چار بھائی تھے۔ سلیمان خان۔ رعنا خاں صلاح خاں اور رکن الدین خاں۔ جمال خاں کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ یہ حضرت قاضی جلال اسحق ناصحی رح کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ ان چار بھائیوں میں سلیمان خاں بڑا اقبال مند تھا اور حضرت شیخ عبداللہ ناصحی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا حضرت شیخ کی اجازت سے بیانہ گیا جہاں اسوقت شیر شاہ معہ لشکر فروکش تھا۔ خدا کی



مرضی کہ منصب دس ہزاری پر سرفراز ہو کر صوبہ بنگ کا گورنر مقرر ہوا گزیٹیر جو غیور لکھتا ہے کہ رعنا خاں بابر کے عہد میں بیانہ کا گورنر تھا اور اسی سلسلے سے اُن کے بھائی بھی مختلف عہدوں پر فائض ہوئے۔ سلیمان خاں کی وفات بیانہ میں ہوئی

---

[1] اخبار الاخیار، چراغ نور۔

اور رعنا خاں شیر شاہ کے حکم سے جونپور آیا اور یہیں پر انتقال کیا۔ مقبرہ محلہ ناصحی میں حضرت قاضی جلال الحق ناصحی کے روضے سے پچھم اور دکھن کے گوشے پر واقع ہے۔ یہ مقبرہ نہایت عالیشان ہے۔ تقریباً پچاس فٹ کے احاطے کے اندر واقع ہے۔ اس کا گیٹ پورب طرف ہے اور نہایت شاندار تھا۔ احاطہ کے اندر پچھم طرف ایک قناطی مسجد تھی جو گر کر مسمار ہو گئی۔ اس کے چہار گوشوں پر چھوٹی چھوٹی خوبصورت برجیاں تھیں جس نے مقبرے کو چار چاند لگا دیا تھا۔ بیچ میں رعنا خاں کا ایک بلند سنگی گنبد ہے جو نہایت شکستہ حالت میں ہے۔ برجیاں گر کر مسمار ہو گئیں۔ احاطے کے اندر کا فرش بالکل پختہ تھا۔ اب کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ ارد گرد جو زمین افتادہ تھی وہ مزروعہ ہو گئی اور قبریں کھود ڈالی گئیں

مقبرہ صلاح خاں

یہ مقبرہ رعنا خاں کے مقبرے سے متصل پورب دکھن کے گوشے پر واقع ہے۔ آپ اسلام شاہ سوری کے عہد میں بیانہ کے جرنیل تھے۔ یہ مقبرہ بھی پچاس فٹ کے ایک احاطے کے اندر واقع ہے اور بہت ہی عالیشان عمارت ہے۔ ڈیڑھ انچ موٹا چونے کا پلاستر تھا۔ اس مقبرے کے اندر پورا قرآن پاک شروع سے آخر تک لکھا ہوا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے سیاہی سے لکھی ہوئی آیتیں دیکھیں جو بمشکل پڑھی جاتی ہیں۔ اندر کا سب پلاستر گر گیا ہے۔ سب سے زبردست کاریگری ان حروف کو محفوظ رہنے کے لئے یہ کی گئی تھی کہ اس کے اوپر سے ایک کاغذ نما پلاستر چڑھا ہوا تھا۔ یہ روضہ اب نہایت خطرناک حالت میں ہے۔ جگہ جگہ سے گر گیا ہے۔ اسکی شوکت و عظمت اور



اور مسلمانوں کی کوتاہی و غفلت دیکھکر خون کے آنسو آجاتے ہیں۔

مناقب درویشیہ اور گزیٹر جونپور میں لکھا ہے کہ اکبر بادشاہ رعنا خاں کی قبر پر حاضری کے لئے دہلی سے ظفر آباد آیا تھا۔ لہ

دیگر مقبرے اور روضے

رعنا خاں و صلاح خاں کے مقبرے سے متصل اتر کی طرف رکن الدین خاں کا عالیشان مقبرہ بھی تھا۔ دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے خودرو جنگلی درختوں نے اسے توڑ ڈالا۔ کسی کو اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ ان درختوں کو کاٹ کر صاف کر دیتا اور اس مقبرہ کی عمارت کو محفوظ کر دیتا۔ اسی سے متصل اتر اور پورب کے گوشے پر شاہ بسم اللہ و شاہ الحمد للہ کا مقبرہ تھا جو حضرت مخدوم جلال الحق قاضی خواں ناصحی کے صاحبزادے تھے۔ عرس پن کھرا ئیں اس مقبرے کے صحن

لہ چراغ نور۔ گزیٹر جونپور۔ مناقب درویشیہ۔

کے اندر گاگر بھر کر رکھی جاتی تھی۔ پھر صاحب سجادہ اور دیگر اہل خاندان اپنے سروں پر رکھکر قوالی کے ساتھ مزار تک لے آتے تھے۔ آج یہ سب متبرک مقامات مسمار ہو کر ملبہ کا ایک ڈھیر ہیں۔

قدیم تجارت ظفرآباد

نمک اور کاغذ سازی کی تجارت ظفرآباد کی بہت پرانی تجارت تھی۔ ہندوؤں کے عہد حکومت میں بھی یہ تجارت تھی۔ چنانچہ موضع حوض کٹورہ میں بارہ ۱۲ پوروے لونیوں کے تھے۔ وہ سب کے سب نمک بناتے تھے اور بہت خوشحال تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ تقریباً ڈھائی لاکھ کا نمک سالانہ یہاں سے اعظم گڈھ۔ بنارس مرزاپور۔ غازی پور۔ لکھنؤ۔ فیض آباد اور الہ آباد جاتا تھا۔ ۱۹۵۵ء کے بعد یہ کارخانہ ختم ہو گیا۔ جب سے لونیوں کی حالت خراب ہو گئی۔

کاغذ کے کارخانے بہت مشہور تھے۔ ہندو راجاؤں کے زمانے سے یہ تجارت یہاں پر ہوتی تھی۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں اس تجارت کو اتنا فروغ ہوا کہ یہ کاغذ کا شہر مشہور ہو گیا۔ اس عروج کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ کاغذ کی تقریباً پانچ سو دکانیں محلہ سید واڑہ۔ رحمن پور۔ سلیمان پور۔ پورہ میر کی سید تاج۔ محلہ ناصحی۔ محلہ ہولی وغیرہ میں تھیں۔ ٹاٹ اور نار سڑا کر اسکو کوٹ کر بھی کھار دیکر پانی میں صاف کرکے کاغذ بناتے تھے۔ یہاں پر آٹھ قسم کا کاغذ تیار ہوتا تھا جو تمام ہندوستان میں مشہور تھا اور تمام صوبہ یو۔ پی۔ اور سرکاری دفتروں میں علاوہ اسکے دیگر صوبوں میں بھی ظفرآباد کا کاغذ استعمال ہوتا تھا۔ تین چار لاکھ روپیہ سالانہ کی خرید و فروخت کاغذ کی تھی۔ جب انگریز آئے اور ان کا سستا اور خوبصورت کاغذ چلا اسوقت سے ظفرآباد کے کاغذ کے کارخانے بند ہو گئے۔ چونکہ یہاں کے باشندوں کی گذر اوقات زیادہ تر ان ہی دونوں تجارتوں

پر تھی جب سے ان دونوں تجارتوں کو زوال ہوا یہاں کے لوگوں کی معاشی حالت خراب ہو کر تباہ ہو گئی۔ بجز ویرانی کے کچھ بھی نہیں ہے۔ مکانوں کے زیادہ تر حصے اور تمام کارخانے ٹوٹ گئے اور مسمار ہو کر کھیت بن گئے۔ یہاں کے مختصر بازار میں ضرورت کے کل سامان مل جاتے ہیں۔ ظفر آباد اب حسرت و عبرت کا ڈھیر ہے۔ دیکھو درس عبرت حاصل کرو اور سمجھو کہ کل یہ جگہ کیا تھی اور آج کیا ہے؟ اسلام کا نام لے کر اسلام کو اپنے عمل سے ذلیل اور رسوا کرنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے ؎

سادات محلہ سید واڑہ

میران سید تاج الدین اس خاندان کے مورث اعلیٰ تھے اور عرب سے ہندوستان تشریف لائے۔ آپ امام زین العابدینؓ کی نسل سے ہیں۔ بہ ۶۶۲ھ میں سلطان غیاث الدین بلبن کے وزیر سلطنت کی خواہش پر یہ خاندان سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں مع اہل و عیال حضرت مخدوم ملا ضیاء الدین زاہد اور حضرت محمد اسمٰعیل رفقا کے ساتھ دہلی میں وارد ہوا۔ اور موضع لبسارن میں جو لال قلعہ سے تین چار کوس دکھن طرف ہے اقامت اختیار کی۔ ان دنوں کرہ الہ آباد کے زمینداروں نے شر و فساد برپا کر رکھا تھا۔ سلطان ناصر الدین نے ان کی سرکوبی کے لئے میران سید تاج کو مامور کیا اور وہاں کی جاگیر آپ کو دی۔ ان بزرگوں کے مزارات کرہ میں اب تک موجود ہیں۔

سید تاج الدین کے بڑے صاحبزادے سید زین الدین کو فن سپہ گری کا بڑا شوق تھا چنانچہ شاہان خلجی کے عہد میں آپ کے اس فن کی بڑی قدر و منزلت

ؔ چراغ نور تاریخ ظفر آباد

کی گیئی اور شمس آباد ضلع فرخ آباد آپ کو جاگیر میں دیا گیا وہیں پر آپنے سکونت اختیار کی اور وہیں آپکا مزار ہے۔ دوسرے صاحبزادے سید ظہیرالدین کو شعر و شاعری اور تصوف سے لگاؤ تھا۔ شعر و شاعری میں اس درجہ لگاؤ تھا کہ سلاطین خلجیہ کے درباری شعرا میں داخل ہوگئے اور تغلقوں کے عہد میں میر منشی ہوگئے۔ دہلی میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپنے اپنے اشعار کا دیوان اور ایک کتاب تصوف میں رموز المعانی اپنی یادگار چھوڑی۔ یہ کتاب فن تصوف میں مشہور و مستند ہے۔ تیسرے سب سے چھوٹے صاحبزادے سید اسدالدین آفتاب ہند تھے۔ آپ کو قدرت نے روز ازل ہی میں ظفرآباد کے لئے منتخب کرلیا تھا۔ ریاضت و مجاہدہ اور پیر مرشد کی شفقت و توجہ نے آپ کو آفتاب ہند کا عظیم الشان لقب دیا۔ اس آفتاب میں اللہ کی طرف سے ایسی روشنی تھی کہ ایک زمانہ روشن ہوا۔ آپنے ہندوستان کے مختلف حصوں میں تبلیغ و اشاعت کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ ظفرآباد سب سے آخر میں تشریف لائے اور یہ مقام اس درجہ پسند آیا کہ یہیں سکونت اختیار کرلی۔ آپکی شادی حقیقی ماموں حضرت شہاب الدین کی لڑکی سے ہوئی تھی اور حضرت آفتاب ہند کے پرپوتے سید ضیاء الدین کی دوسری شادی سلطان ابراہیم کی پرپوتی سے ہوئی تھی جن سے کوئی اولاد نہ تھی۔ سید شمس الدین خود اس خاندان میں بڑے اولوالعزم بہادر تیر انداز تھے۔ شاہی سواروں کے رسالدار ہوئے اسی طور پر سید عبدالوہاب بھی اول ناظم کڑہ بعدہٗ شاہی فوج کے رسالدار تھے مگر بعد میں انتظامت ترک کرکے فقیری اپنا لی۔ سید اسمٰعیل ابو محمد درویش خود سے چھوٹے صاحبزادے سید محمد تقی بنارس میں صدر الصدور تھے۔

سید احمد نور زیدی آفتاب ہندی سلاطین تموریہ کے عہد میں قاضی القضا

تھے۔ آپ کے نام سے ظفرآباد میں ایک محلہ قاضی ٹولہ آج تک یادگار ہے۔ نواب آصف الدولہ اس خاندان کے ایک بزرگ شاہ قربان علی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری اور ملاقات کا بیحد خواہاں تھا بڑی کوشش اور عطا بیگ عامل کی سفارش سے ساتویں دفعہ ملاقات و حاضری کا موقع مل سکا۔ اس خاندان میں بطور معافی سلاطین جونپور و دہلی نے حسب ذیل مواضعات دیے تھے۔

قبول پور۔ کرتھی۔ قلندرپور۔ سلطان پور۔ فیروزپور۔ قاضی احمدپور۔ شمس خانپور لادن پور۔ گوشائیں پور۔ سید بالشن پور۔ چک ترک اللہ جیاپٹی۔ چک گھی شکر شاہ برشے پور۔ داؤد پور۔ نظام الدین پور۔ جن کی سندات و فرامین شاہی اس خاندان میں مولوی نورالدین زیدی مرحوم کے وقت تک موجود تھے۔ جب نواب سعادت علیخاں برہان الملک کی آمد جونپور میں ہوئی تو انھوں نے ظفرآباد و جونپور کی تمام معافیات و کارخیر کو ضبط کرلیا۔ محض ایک موضع کرتھی باقی بچ گیا تھا۔[1]

شیوخ محلہ شیخواڑہ

اس خاندان کے مورث اعلیٰ شیخ کمال الدین علی شاہ[2] ابی بکر تھے۔ جو نسل قریش سے ہیں۔ آپ ہی ہندوستان میں سب سے پہلے تشریف لائے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے ہجرت کرکے خوارزم آئے اسکے بعد ملتان آئے۔ آپ کے دو بیٹے تھے۔ اول شیخ محمد غوث وجیہہ الدین جو حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے والد تھے اور دوسرے شیخ احمد کہ جنکے لڑکے شیخ محمد تھے۔ ان کی شادی شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کی لڑکی سے ہوئی تھی جن کے بطن سے حضرت شیخ چراغ ہند پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ کمال الدین کی وفات کے بعد جب جائداد موروثی کی تقسیم کی گئی تو حضرت چراغ ہند کے والد کی تمام

۱؎ تاریخ ظفرآباد صفحہ ۱۲۰

جائداد آپ ہی کو مل گئی۔ آپ نے تمام زر و مال فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیا اور تبلیغ اسلام کی لگن اور دھن میں چل کھڑے ہوئے اور لشکر مجاہدین کے سپہ سالار بن کر سنہ ۷۲۱ھ میں ظفرآباد تشریف لائے۔ آپ کو یہ جگہ بہت پسند آئی اور سکونت اختیار کر لی۔ کل جس مقام پر ظفرآباد میں یہ خاندان آباد تھا اور مکانات و خانقاہیں اور مدرسے تھے آج وہاں کھیتی ہوتی ہے۔ حضرت مخدوم چراغ ہند کی دو شادی ہوئی تھی ایک سلطان غیاث الدین تغلق کی لڑکی سے جو بڑی بی بی کے نام سے مشہور تھیں۔ دوسری ملک بیوہ کی لڑکی سے جو چھوٹی بی بی کے نام سے معروف تھیں۔ ملک بیوہ کے باپ کا نام سید ابراہیم تھا جو غیاث الدین تغلق کے وزیر تھے۔ اولادیں دونوں بیبیوں سے ہوئیں۔ اس خاندان میں فقرا و مساکین کے لئے لنگرخانہ جاری رہتا تھا۔ دو موضع مرزاپور میں رسول پور اور محمد پور، اور جونپور میں مخدوم پور شیخزادہ معافی میں ملا تھا۔ لنگرخانہ بند ہو گیا معافیاں فروخت ہو گئیں۔ لنگرخانہ روضہ سے متصل تھا۔ اب نہ مکان ہے اور نہ لنگرخانہ۔ نہ وہ لوگ ہیں اور نہ آب و تاب و رونق ہے۔ ہر طرف ویرانی چھائی ہوئی ہے۱؎

شیوخ محلہ ناصحی

شیوخ ناصحی حضرت شیخ ابراہیم بن ادھم کی نسل سے ہیں۔ اصلی وطن بلخ ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رح نے تخت شاہی کو خیرباد کہدیا۔ اسکے بعد بھی کئی پشت تک اس خاندان کے لوگ حکومت کرتے رہے۔ آخرکار سلطان محمد حسین ناصحی کے عہد میں اس سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں اور شاہ عباس بادشاہ ایران نے فوج کشی کر کے سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ آخرش یہ لوگ ہندوستان چلے آئے۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ

۱؎ تاریخ ظفرآباد ص ۱۲۲